70ء کی دہائی میں شائع ہونے والا
سسپنس ڈائجسٹ کا یادگار اور مقبول مانہ سلسلہ

SALMAN's CHOICE

فرعون



حصّہ 1

بسم اللہ الرحمن الرحیم

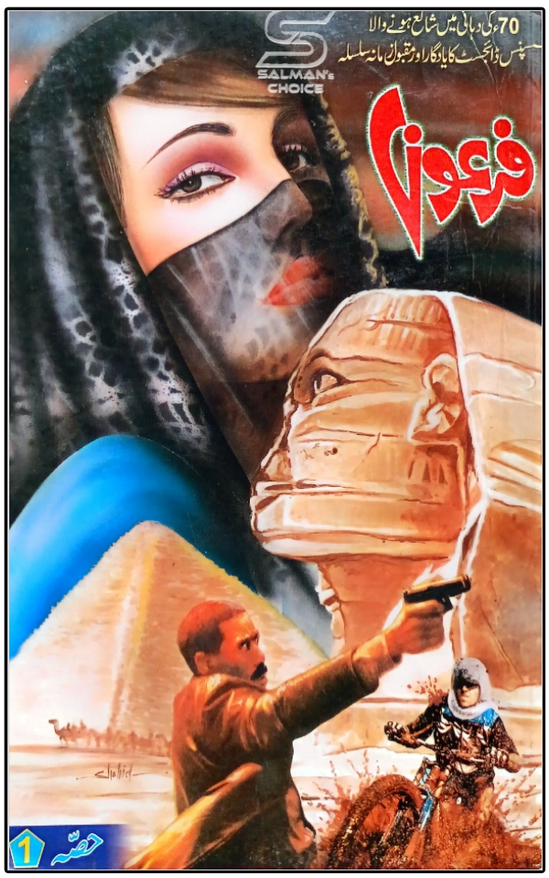

پیشکش

صنوبر اقبال

ٹیکنیکل معاون

سلمان سلیم

0304-8890501

راحیل ارشد

0300-6461375

پاکستان زندہ باد (ھاشو بھائی)

0343-7008883

اردو زبان کی طویل ترین داستان

دیوتا کا 44 واں حصہ شائع ہوگیا ہے

دیوتا

جس نے طویل عرصے سے
قارئین سسپنس کو
مسحور کر رکھا ہے

سسپنس ڈائجسٹ

کا مشہور سلسلہ

ٹیلی پیتھی کے فسوں کار

فرہاد علی تیمور

کی جادو اثر سرگزشت

اسلوب، انداز بیاں اور دلچسپی
کے اعتبار سے اب تک شائع والے
تمام سلسلوں میں سب سے زیادہ
منفرد اور مقبول سلسلہ

44 حصے کے ایک ساتھ
منگانے پر رعایتی قیمت
2250/- روپے
ہوگی

44 حصے کتابی شکل میں تیار ہیں

کتاب کی قیمت بذریعہ پیشگی ڈرافٹ، منی آرڈر یا کراسڈ چیک ارسال فرمائیں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 رمضان چیمبرز بلمور یا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی

فون: 5802551-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

رابطے کے لئے: C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین روڈ کورنگی روڈ کراچی 75500

70ء کی دہائی میں شائع ہونے والا سسپنس ڈائجسٹ کا یادگار اور مقبول ماہ سلسلہ



راوی: ریاض عالم

مصنف: ش۔ صغیر ادیب

مشرق کی سب سے پراسرار سرزمین مصر کا طلسم کدہ

ریاض عالم کی ہوش ربا سرگزشت

آپ کے جانے پہچانے ملک کے ممتاز قلمکار

ش۔ صغیر ادیب کے سحر طراز قلم سے

حصہ ①

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

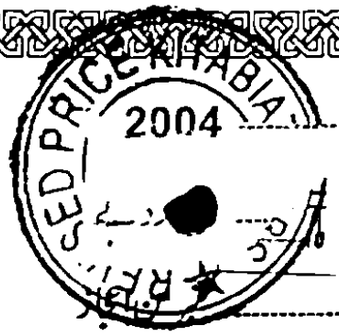

باراوّل .....

قیمت ..... روپے

ناشر .....

مطبوعہ ..... ابن حسن آفسٹ پریس

ہاکی اسٹیڈیم۔کراچی

اردو کمپوزنگ

اردو کمپوزرز C-63 فیز II ایکس ٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ
(اختر کالونی بس اسٹاپ کے سامنے) کراچی 75500

ناشر

کتابیات پبلی کیشنز

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

پوسٹ بکس 23 رمضان چیمبرز بلموریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی 74200

رابطے کے لئے: C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین روڈ کورنگی روڈ کراچی 75500

عرضِ ناشر

انسان خود ایك عجیب كهانی هے مگر اس كهانی سے وابسته هر كردار اپنی ایك جدا كهانی ركهتا هے۔ یهی وجه هے كه صدیاں گزر جانے كے باوجود نت نئی كهانیوں كا سلسله دراز تر هوتا چلا جاتا هے اور یه تماشائے تحیر و اسرار كسی لمحے تهمنے كا نام نهیں لیتا۔ موضوع خواه كوئی بهی هو، وقت كے ساتھ ساتھ اس كے نت نئے زاویے سامنے آتے اور پڑهنے والوں كے لیے دلچسپی كا باعث بنتے رهتے هیں۔

مصر كی قدیم تهذیب همیشه هی سے پوری دنیا كے لئے دلچسپی اور تجسس كا باعث رهی هے۔ اس حوالے سے هر سطح پر تحقیق و جستجو كا بازار گرم رها اور امكانات پر خیال آرائی بهی جاری رهی۔ هر زبان میں مصریات كے حوالے سے كهانیاں لكهی گئیں، اردو زبان كا دامن بهی اس گوهر تاب ناك سے خالی نهیں۔

"فرعون" بهت عرصه پهلے مصریات كے تناظر میں تحریر كی جانے والی سلسله وار داستان هے جسے مشهور و كهنه مشق كهانی كار جناب ش صغیر ادیب نے ماهنامه سسپنس كے لیے تخلیق كیا تها۔ یه ایك نیا تجربه تها جس میں قدیم و جدید تهذیبوں كے امتزاج سے كهانی كا تانا بانا بنا گیا یعنی كهانی كے مركزی كردار آج كی هی دنیا سے تعلق ركهنے كے باوجود ایك عهد قدیم سے منسلك هوگئے۔

ادیب صاحب ایك طویل عرصے سے انگلینڈ میں مقیم هیں اور ان كا شمار بهت پرانے لكهاریوں میں هوتاهے۔ یوں تو انهوں نے بے شمار معاشرتی موضوعات پر طبع آزمائی كی هے مگر "آواگون" ان كا محبوب موضوع هے، اس حوالے سے انهوں نے بهت سی كهانیاں تخلیق كی هیں۔ فرعون میں بهی ادیب صاحب نے اس رعایت سے فائده اٹهاكر آج كے دور كے انسان كو ان مناظر اور رسومات و روایات سے روشناس كیا هے، جو اب نگاهوں سے اوجهل هوچكی هیں۔

آواگون کا عقیدہ ہندو مذہب میں راسخ ہے، ممکن ہے دنیا کی دیگر اقوام بھی اس پر یقین رکھتی ہوں مگر دین اسلام اور دیگر آفاقی و الہامی مذاہب کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ اسے صرف قصہ کہانیوں کی تزئین و آرائش کے لیے ہی مخصوص تصور کیا گیا ہے۔ البتہ اس حوالے سے جو ثبوت و شواہد ریکارڈ پر آئے ہیں، انہیں ماہرین نفسیات و مابعد النفسیات نے اپنی علمی تحقیق کا مرکز بنایا ہے۔ یہاں اس تناظر میں گفتگو بے محل ہوگی۔ ہماری یہ پیشکش تھکے ہوئے ذہنوں کو تفریح مہیا کرنے کے لیے ہے کسی علمی موضوع پر بحث کے لیے نہیں۔ ہم اپنے قارئین سے صرف یہی کہنے پر اکتفا کریں گے کہ وہ زیر نظر کہانی کو اپنے ذوق مطالعہ کے عین مطابق پائیں گے۔ اسرار و تجسس میں ڈوبی ہوئی یہ داستان حیرت آپ کو اپنے صفحہ اول سے پوری طرح گرفت میں لے لے گی۔ ادیب صاحب کا طرزِ نگارش اس قدر سادہ اور دلنشیں ہے، کہ پڑھنے والا روانی سے صفحہ بہ صفحہ آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور اسے خبر ہی نہیں ہوتی کہ وہ کب منزل اختتام تک آپہنچا۔

عنبرین اعجاز

belong to SANOBER IQBAL



یہ دسمبر کی ایک انتہائی سرد، ویران اور اداس رات ہے۔ میں انگلستان کے اس سنگین شہر کے اس قدیم وکٹورین طرز کے مکان میں اکیلا بیٹھا ہوا اپنی کہانی لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ وہ بے شمار واقعات جن سے میں دوچار ہوا ہوں، میری یادداشت کے پردے پر بار بار ابھر رہے ہیں۔ عجیب و غریب، پراسرار اور رگ رگ میں خون کی ایک ایک بوند کو منجمد کر دینے والے ناقابل فہم واقعات، جن پر یقین کرنے میں تامل ہوتا ہے۔ گھر کے باہر ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا ہے۔ تیز ہوا سیٹیاں بجاتی ہوئی چل رہی ہے اور دور تک بکھرے آسمان پر کہیں کوئی ستارہ نظر نہیں آتا، صرف کالے بھیانک بادل چھائے ہوئے ہیں۔ گلی میں گہرا سناٹا طاری ہے۔ صرف کسی کسی وقت کوئی عورت فٹ پاتھ پر گزرتی ہے تو اس کی سینڈل کی آواز سے ایک لمحے کے لیے آسیبی سناٹے کا سینہ مجروح ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر وہی خاموشی۔ میں گھر میں بالکل اکیلا ہوں، موژا تھوڑی دیر پہلے جا چکی ہے اور اب میں اپنی کہانی لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ میں اپنی کہانی کہاں سے شروع کروں؟

کیا سب سے پہلے میں اس نجومی کا ذکر کروں جس نے پیرس میں میرا ہاتھ دیکھ کر کہا تھا کہ تم لمبی عمر پاؤ گے بشرطیکہ آئندہ چند ماہ میں تم مر نہ گئے یا پھر اس دوست کا ذکر کروں جس نے مجھے انگلستان آنے کی دعوت دی تھی کیونکہ اگر میں انگلستان نہ آیا ہوتا تو ممکن ہے کہ ان پراسرار اور دہشت ناک واقعات سے دوچار نہ ہوتا یا مجھے سب سے پہلے موژا کا ذکر کرنا چاہیے لیکن موژا تو اس کہانی میں اس وقت شامل ہوئی تھی جب میں موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا تھا تو پھر بہتر یہ ہے کہ سب سے پہلے میں ویرا کا ذکر کروں۔ کیونکہ وہی اس انوکھی کہانی کی سب سے اہم کردار ہے۔ پراسرار، ناقابل فہم اور ایک آسیب کی طرح انسان کے حواس پر چھا جانے والی۔ اس کی شخصیت بے حد انوکھی ہے۔ کبھی آپ اسے دیکھ کر اپنے دل میں ایک سہا دینے والی سنسناہٹ محسوس کریں گے اور کبھی آپ کے احساس پر وہ ایک لطیف، خوب صورت اور دل نشین جذبے کی طرح چھا جائے گی۔ کبھی آپ اس کی بڑی بڑی چمکتی ہوئی گہری نیلی آنکھوں کو دیکھ کر بے اختیار ہو کر گردن جھکا لیں گے اور دوبارہ ان آنکھوں کو دیکھنے کی جرات نہیں کریں گے اور کبھی آپ کا دل چاہے گا کہ ان گہری زمردیں جھیلوں میں ڈوب کر فنا ہو جائیں۔ کبھی آپ اس کے سرخ خوب صورت ہونٹوں کو دیکھ کر انہیں چومنے کے لیے مچل جائیں اور کبھی انہی ہونٹوں کو دیکھ کر آپ کے ذہن میں خون کے ابلتے ہوئے سمندروں کا تصور ناچنے لگے گا۔

یہ کہانی درحقیقت اس وقت سے شروع ہوتی ہے، جب میری ملاقات باربرا سے ہوئی تھی..... لیکن باربرا سے متعارف ہونے سے پیش تر دو بار میری ملاقات ویرا سے ہو چکی تھی۔ یہ ملاقاتیں بظاہر بڑی غیر اہم اور اس کہانی سے غیر متعلق محسوس ہوتی ہیں، لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ یہ بظاہر معمولی اور غیر متعلق ملاقاتیں اس بات کا پیش خیمہ تھیں کہ میری زندگی میں تاریک سمندروں کا ہولناک طوفان آنے والا ہے۔ اسکندریہ کے ریلوے اسٹیشن پر میرا اس سے ملنا دراصل قسمت کے طے شدہ فیصلے کے مطابق تھا۔

پہلی بار جب میں نے اسے دیکھا، وہ موسم گرما کی ایک تپتی ہوئی سہ پہر تھی۔ میں اسکندریہ کے ریلوے اسٹیشن کے سیکنڈ کلاس ویٹنگ روم میں بیٹھا ہوا گاڑی کا انتظار کر رہا تھا۔ قاہرہ جانے والی گاڑی کی روانگی میں ابھی کچھ دیر تھی۔ میرا اہم سفر دوست نعیم تو ایک عدد فرنچ رسالہ لے کر اس کی ننگی تصویروں میں گم ہو گیا اور میں سگریٹ جلا کر کھڑکی میں بیٹھ گیا اور باہر دیکھنے لگا۔ میرے ذہن میں اس وقت مختلف خیالات آ رہے تھے۔ آنکھوں کے سامنے وطن کی گلیاں بار بار گھوم رہی تھیں۔ شاید اس لیے کہ اسکندریہ کی گلیوں اور مکانوں اور میرے وطن کے کوچہ و بازار میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا۔ کیسی عجیب بات ہے، چھ ماہ پہلے تک میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ میں انگلستان کا سفر کروں گا پھر اچانک میرے دوست کا خط آیا، جو کئی سال سے لندن میں مقیم تھا، اس نے مجھے بھی انگلستان بلایا تھا، اور چونکہ اپنے وطن میں اپنی ازلی تنہائی اور بدنصیبی سے تنگ آ چکا تھا، لہٰذا میں نے بھی لندن جانے کا فیصلہ کر لیا۔ میرے دوست نے تمام ضروری کاغذات اور جہاز کا ٹکٹ بھیج دیا تھا، چنانچہ میں چل پڑا۔ میرا چھوٹا سا شہر محدود تھا، وہاں میری زندگی محدود تھی، میری مسرتیں اور خواہشیں محدود تھیں، لیکن جب میں نے سمندر کے کھلے سینے پر سفر کیا تب پتا چلا کہ دنیا بہت وسیع ہے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک بے شمار ملک ہیں، طرح طرح کی قومیں ہیں۔ حسن صرف فریدہ کا نام نہیں ہے جس کو میں نے اپنی ہستی سے بڑھ کر چاہا تھا لیکن جس نے مجھے ٹھکرا دیا تھا۔ حسن تو اس دنیا کے چپے چپے پر بکھرا پڑا ہے۔ فطرت کا بے پناہ حسن، ہزاروں شکلوں میں، پھول کا حسن اور ستاروں کا حسن اور روح میں بالیدگی پیدا کرنے والے نظاروں کا حسن اور سمندر کے کھلے پانیوں کا حسن۔ جہاز پر سفر کے چند روز گزر گئے تو آہستہ آہستہ مجھے محسوس ہونے لگا کہ میری محرومیاں بہت محدود تھیں، بہت حقیر تھیں۔ نہ جانے کیوں میں اپنی ذات کے خول میں بند ہو کر رہ گیا تھا۔ دنیا میں اتنا حسن ہے، اتنی محبتیں ہیں، اتنی مسرتیں ہیں اور اب میں انہی سے اپنا حصہ حاصل کر کے رہوں گا۔

مصر میں میرا رکنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، لیکن نعیم کی بدولت مجھے اپنے پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلی کرنی پڑی۔ نعیم سے جہاز میں ہی ملاقات ہوئی تھی۔ وہ بڑا خوش مزاج اور جلد بے تکلف ہو جانے والا آدمی تھا اور مزید تعلیم کے لیے آکسفورڈ جا رہا تھا۔ ہم دونوں ایک ہفتے کے لیے مصر میں رکے تھے۔ مجھے خود تو مصر کے قہوہ خانوں اور بیلے ڈانس کے کلبوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن نعیم کا کہنا یہ تھا کہ اگر تم نے قاہرہ کے کسی کلب میں مصری حسیناؤں کا بیلے رقص نہیں دیکھا تو گویا تم پیدا ہی نہیں ہوئے۔ چنانچہ ہم دونوں پیدا ہونے کے لیے قاہرہ جانے کے انتظار میں اسکندریہ کے اسٹیشن پر گرمی میں جھلس رہے تھے۔

پلیٹ فارم پر بھیڑ بھاڑ نہیں تھی۔ بہت تھوڑے مسافر گاڑی کے منتظر تھے، جو شاید کچھ لیٹ تھی۔ انتظار کی کوفت اور پیاس کی شدت سے تنگ آ کر میں کوئی ٹھنڈا مشروب پینے کے لیے باہر نکلا۔ ایک گلاس اورنج پیا تو

جان میں جان آئی پھر میں یونہی وقت گزارنے کے خیال سے بک اسٹال پر چلا گیا اور وہیں میں نے ویرا کو دیکھا۔

لیکن ویرا کو دیکھنا کوئی معمولی اور آسان کام نہ تھا۔ یکا یک میں مبہوت ہو کر رہ گیا جیسے زمین نے قدم پکڑ لیے ہوں، جیسے دل نے دھڑکنا بند کر دیا ہو، جیسے حواس کی طنابیں یک لخت تن کر چٹاخ سے ٹوٹ گئی ہوں۔ وہ اسٹال کے ایک جانب کھڑی تھی۔ اس کا رنگ دودھ کی طرح سفید تھا۔ اس کے بال زعفران کی مانند سنہرے، چمکیلے اور ہلکے سرخی مائل تھے، اس کا قد کم از کم چھ فٹ تھا۔ اس کا جسم بے حد گداز اور سڈول تھا۔ سر سے پیر تک سانچے میں ڈھلا ہوا۔ اس کے ناخن لمبے لمبے اور گہرے سرخ تھے اور اس کی آنکھیں..... اور اس کی آنکھیں..... میں نے پہلی بار گھبرا کر نظریں جھکا لیں کیونکہ اس کی آنکھوں سے ایک لمحے کے لیے مجھے حد درجہ خوف محسوس ہوا تھا، جسم میں سردی کی ایک لہر سی دوڑ گئی تھی۔ اس کی آنکھیں بہت بڑی بڑی تھیں، غیر معمولی طور پر کشادہ۔ ان کا رنگ گہرا نیلا تھا اور ان میں بلور کی سی خیرہ کن چمک تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے ان آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی ہوں۔

کچھ دیر میں سر جھکائے بے دھیانی سے رسالے الٹتا پلٹتا رہا اور میرا دل دھیرے دھیرے دھڑکتا رہا۔ اگرچہ میں دوبارہ اس کی جانب نہیں دیکھنا چاہتا تھا، لیکن کوئی نادیدہ اور انجانی قوت یا کوئی ناقابل فہم جذبہ مجھے بار بار اس کی طرف دیکھنے پر اکسا رہا تھا، چنانچہ چند لمحے بعد میری نگاہ خود بخود اس کی جانب اٹھ گئی۔ وہ میری ہی طرف دیکھ رہی تھی۔ نظر ملتے ہی وہ یکا یک دھیرے سے مسکرا دی۔

لبوں کا خفیف سا کھنچاؤ، لیکن مجھے یوں لگا جیسے بجلی کوند گئی ہو۔ میں گھبرا کر دوسری جانب دیکھنے لگا۔ یہ عمل بے اختیار نہ تھا پھر میں نے جلدی سے انگریزی کا ایک رسالہ خریدا اور ویٹنگ روم کی طرف چل دیا۔

اسے میری بدقسمتی کہیے یا اتفاق کی ستم ظریفی کہ جس کمپارٹمنٹ میں نعیم اور میں سوار ہوئے، ویرا بھی اسی میں سوار تھی۔ حالانکہ جس وقت ہم دونوں کمپارٹمنٹ میں گئے ہیں، اس وقت وہ وہاں نہیں تھی۔ چھوٹا سا کمپارٹمنٹ تھا، صرف تین برتھ کا۔ ایک برتھ پر عنابی رنگ کا ایک سوٹ کیس اور سرخ رنگ کی ایک چھوٹی سی چھتری رکھی ہوئی تھی۔ میں نے ان دونوں چیزوں کو زیادہ اہمیت نہیں دی اور یہی میری غلطی تھی۔ شاید عجلت اور بے دھیانی کا سبب یہ تھا کہ ابھی تک میرے تصور میں ویرا کی سحر انگیز آنکھیں اور اس کی غیر معمولی شخصیت ناچ رہی تھی۔ میں دوسری برتھ پر جم گیا۔ ایک برتھ نعیم نے سنبھال لی۔ چند منٹ بعد ٹرین روانہ ہوئی اور جلد ہی شہری حدود سے آگے نکل گئی۔ میں نے کھڑکی کا شیشہ اوپر اٹھا دیا اور باہر دور تک پھیلے ہوئے، دھوپ میں تپتے ہوئے ریگستان کو دیکھ رہا تھا، تب ہی میں نے وہ آواز سنی۔

وہ صرف دروازہ کھلنے کی آواز تھی۔ میں نے گردن گھما کر ٹوائلٹ کی جانب دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ ویرا تھی جو ٹوائلٹ کے کھلے دروازے سے باہر آ رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس کے لبوں پر وہی خفیف سی لیکن چکا چوند مچا دینے والی مسکراہٹ پھیل گئی۔ باہر آ کر وہ اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ کمپارٹمنٹ میں گہرا سناٹا تھا اور میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ اگرچہ وہ صرف ایک عورت تھی۔ بالکل میری ہی جیسی انسان لیکن پتا نہیں کیا بات تھی کہ میرے اعصاب بری طرح کشیدہ ہو گئے تھے۔ اس کی شخصیت میں ایسی کیا

بات تھی کہ میں اتنا مرعوب اور متاثر ہو گیا تھا۔ یہ حسن کا بانک پن تھا یا غیر معمولی شخصیت کا سحر، بہر حال کچھ تھا ضرور، جس نے میرے حواس کو مغلوب کر ڈالا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ نعیم کے کیا احساسات تھے لیکن اس کے بشرے پر چھائی ہوئی حیرت اس بات کی غماز تھی کہ وہ بھی ویرا کے حسن سے متاثر ہوا ہے کیونکہ وہ بھی ویرا کو پسندیدہ اور تعریفی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر گزر گئی۔ گاڑی جب ایک چھوٹی سی نواحی بستی سے آگے نکل گئی تو وہ مجھ سے مخاطب ہوئی۔

''کیا آپ قاہرہ جا رہے ہیں؟''

''جی!'' میں نے چونک کر کہا ''جی ہاں۔''

اس کی شخصیت کی طرح اس کی آواز بھی غیر معمولی تھی۔ اس میں ایک عجیب سی احساس پر چھا جانے والی گونج تھی۔ ایک انوکھی تمکنت اور نغمگی تھی۔ ایسی آواز تھی جو عام طور پر سننے میں نہیں آتی۔ یوں لگتا تھا گویا چاندی کی کئی گھنٹیاں دھیرے دھیرے بج اٹھی ہوں۔ ویرا کچھ دیر خاموش رہی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کی توجہ نعیم کی طرف قطعاً نہ تھی بلکہ وہ مسلسل مجھے دیکھ رہی تھی۔ قدرے ٹھہر کر وہ پھر بولی۔

''میں ویرا ہوں، ویرا ہمشائر.....اور آپ.....؟''

''عالم، میرا مطلب ہے ریاض عالم۔'' میں نے جواب دیا ''اور یہ میرے دوست مسٹر نعیم ہیں۔''

اس نے نعیم پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالی اور پھر مسکرا کر بولی ''آپ سے مل کر مسرت ہوئی۔ کیا آپ کو یہ ملک پسند آیا؟''

''جی ہاں۔'' میرے بجائے نعیم نے جواب دیا ''یہ ملک بہت اچھا ہے۔ اگرچہ ہمارے لیے یہ ایک اجنبی جگہ ہے لیکن یہاں ہر شے ہمیں اپنی سی ہی محسوس ہوتی ہے۔ یہاں کے مناظر، کھلی چمکتی دھوپ اور سیدھے سادے لیکن جفاکش لوگ۔ جنہیں دیکھ کر اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا لیکن آپ تو شاید انگلش ہیں؟''

نعیم کے آخری جملے کے جواب میں ویرا کچھ نہیں بولی۔ صرف اس کے لبوں پر ایک ایسی ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی جس کا کوئی واضح مفہوم نہیں تھا پھر اس نے میری جانب دیکھ کر کہا ''لیکن میرے خیال میں یہاں کا موسم آپ لوگوں کے لیے شاید کچھ زیادہ گرم ہوگا؟''

''نہیں، مجھے تو کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔'' میں نے جواب دیا۔

''کیا آپ کو بھی یہ ملک پسند آیا؟'' نعیم نے پھر دخل اندازی کی۔

''یہ ملک.....!'' ویرا نے آہستہ سے کہا اور دفعتاً کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی اور یکایک مجھے یوں لگا جیسے وہ اپنے آپ سے، ہم لوگوں سے اور گردوپیش کی ہر شے سے بے خبر ہو گئی ہو۔ وہ گہری محویت کے عالم میں باہر خلا میں ایک ٹک گھورے چلی جا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں اس وقت کچھ زیادہ کشادہ ہو گئی تھیں، کچھ زیادہ روشن ہو گئی تھیں۔ وہ دور تک پھیلے ریتیلے صحرا میں کوئی ایسی شے دیکھ رہی تھی جو ہم لوگ دیکھنے سے قاصر تھے۔ کئی لمحے کی جاں سوز محویت کے بعد معاً اس نے ایک طویل سانس لی اور جیسے خواب کی سی کیفیت میں بولی:

''میں اس ملک کو ناپسند کروں، یہ ناممکن ہے۔''

ہم دونوں خاموش رہے۔ ویرا بھی کچھ نہیں بولی، مجھے بدستور گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ اس سے بات کرنا اچھا

لگ رہا تھا لیکن بات کرنے میں ایک خفیف سی، نامعلوم سی جھجک بھی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی جانب دیکھنے کے لیے دل بار بار مچل رہا تھا لیکن بار بار ہمت جواب دے جاتی تھی، چنانچہ میں نے گھبرا کر سگریٹ نکالی، اس طرح شاید میں اپنے بکھرے ہوئے حواس کو مجتمع کرنا چاہتا تھا لیکن اس سے پہلے کہ میں سگریٹ جلاتا۔ ویرا نے اچانک کہا۔

''پلیز، سگریٹ نہ جلایئے، مجھے تکلیف ہوتی ہے۔''

''اوہ، ساری۔'' یہ کہہ کر میں نے سگریٹ جیب میں رکھ لی۔

قاہرہ میں ویرا کو لینے کے لیے ایک طویل القامت اور قدرے عمر رسیدہ عورت موجود تھی۔ ویرا نے سوٹ کیس اور چھتری کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ وہ اطمینان سے اپنی سیٹ پر نیم دراز رہی۔ وہ عورت بشرے سے مصری نژاد لگتی تھی، اندر آئی اور اس نے جھک کر ویرا کو تعظیم دی پھر اس نے کچھ کہا جو میری سمجھ میں نہیں آیا۔ اس کے بعد اس عورت نے سوٹ کیس اور چھتری اٹھالی اور ویرا کے پیچھے کمپارٹمنٹ سے باہر نکل آئی۔

یہ پہلی ملاقات تھی اور دوسری بار میں نے اسے چار دن کے بعد قاہرہ میں دیکھا تھا لیکن یہ دوسری ملاقات بہت مختصر تھی۔ اتنی مختصر جیسے ایک ننھا سا خوب صورت سپنا، یا جیسے آسمان میں بجلی کی چمک، یا جیسے خوشبو کا ایک دلنواز جھونکا، آئے اور گزر جائے اور اپنی مہک چھوڑ جائے۔ وہ چوتھے دن کی صبح تھی۔ نعیم اور میں اسکندریہ کے لیے روانہ ہو رہے تھے۔ تبھی میں نے ویرا کو اسی ہوٹل کی دوسری منزل کی بالکونی میں دیکھا جس میں ہم دونوں ٹھہرے تھے۔ وہ دریچے میں ایک ستون کے سہارے کھڑی تھی اور بہت غور سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ ٹیکسی میں سوٹ کیس رکھتے رکھتے اچانک اسے دریچے میں موجود پا کر میں سٹپٹا سا گیا۔ گزشتہ چار دن اتنی مصروفیت اور ہنگاموں میں گزرے تھے کہ میں ویرا کو بھول ہی گیا۔ اب جو دفعتاً وہ اس طرح سامنے آ گئی تو مجھے یوں لگا جیسے کوئی سپنا دیکھ رہا ہوں۔ کیا واقعی وہ ویرا تھی؟ اگر وہ ویرا ہی تھی تو اسی ہوٹل میں کیوں موجود تھی اور پھر دوسری منزل میں کیوں؟ اسی منزل میں تو میرا کمرا بھی تھا۔ تو کیا وہ بھی اسی ہوٹل میں مقیم تھی، لیکن کیوں؟ کیا یہ محض اتفاق ہے۔ اگر وہ بھی اسی ہوٹل کی دوسری ہی منزل میں مقیم تھی تو میں نے اسے پہلے کیوں نہیں دیکھا۔ کئی سوال میرے ذہن میں ناچتے رہے اور میں بوکھلایا ہوا اسے دیکھتا رہا، حتی کہ ٹیکسی چل پڑی۔

''کیا بات ہے یار! اس طرح کیا سوچ رہے ہو، کیا کچھ بھول گئے ہو؟'' نعیم نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''آں..... نہیں، کچھ بھی نہیں۔'' میں نے جلدی سے کہا۔

معاً اس کے ہونٹوں پر ایک واضح، شگفتہ اور دل فریب مسکراہٹ پھیل گئی پھر اس نے آہستہ سے ہاتھ ہلایا لیکن نہ میں مسکرا سکا اور نہ ہاتھ ہلا سکا۔ بس ایک ٹک اسے دیکھتا رہا اور ٹیکسی آگے بڑھتی رہی۔ حتی کہ سڑک کے موڑ پر پہنچ کر یکایک ہوٹل کی عمارت نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ میرا ذہن ماؤف سا ہو رہا تھا اور حواس اس طرح منتشر ہو چکے تھے کہ میں بہت دیر تک ٹھیک اس ساری صورت حال کو سمجھ ہی نہ سکا۔ ورنہ میں فوری طور پر اپنی ٹیکسی واپس ہوٹل لے جاتا اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا کہ ویرا واقعی وہاں مقیم تھی یا بالکونی میں اس کی موجودگی محض میرا فریب نظر تھی۔ میں ایک عجیب سی خمار انگیز ذہنی کشمکش میں مبتلا رہا، حتی کہ ٹیکسی اسٹیشن پہنچ گئی۔

مارسیلز تک کا سفر کیونکر طے ہوا، یہ مجھے اچھی طرح یاد نہیں کیونکہ میں تو ایک خواب کی سی اور نشہ انگیز کیفیت میں مبتلا تھا۔ میرا دھیان اپنے گردوپیش کی باتوں پر نہیں جاتا تھا۔ ہر وقت میرے تصور میں ویرا کا پرتمکنت اور خوب صورت چہرہ ناچتا رہتا۔ اس کی دلنواز اور فسوں ساز مسکراہٹ میرے ذہن میں کرنیں بکھیرتی رہتی۔ کئی بار تو میں جھنجھلا گیا، یہ کیا حماقت ہے۔ آخر میں ویرا کو اس قدر کیوں یاد کر رہا ہوں۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ میں انجانے میں ویرا سے محبت کرنے لگا ہوں۔ اگر ایسا ہے تو یہ سراسر پاگل پن ہے۔ بھلا کہاں ویرا اور کہاں ہیں۔ ویرا ہمشائر، ایک دولت مند اور وہم کی حد تک حسین عورت، میں ایک معمولی، غریب اور گمنام آدمی، کائنات کی دو انتہائیں۔ ہمارا ملاپ کبھی نہیں ہوسکتا۔ مجھے اس کا خیال اپنے ذہن سے نکال دینا چاہیے۔

مارسیلز میں نعیم نے مجھ سے کہا۔

''ہاں، تو ڈیئر اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟''

''میں تو پیرس ہوتا ہوا سیدھا لندن جاؤں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

''گویا تم پیرس نہیں دیکھو گے؟''

''پیرس دیکھنے کا شوق تو مجھے ہے۔'' میں نے جواب دیا ''لیکن وہاں رہائش کا بندوبست کرنا میرے لیے ممکن نہیں اور جیب ہوٹل میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیتی۔''

''اس کی پروا مت کرو۔'' نعیم ہاتھ ہلا کر لاپرواہی سے بولا ''پیرس میں میرا ایک کزن رہتا ہے۔ اس کا فلیٹ پیرس کے عین دل میں ہے، یعنی وہ شازاں لیزے کی ایک عقبی اسٹریٹ میں رہتا ہے۔ چار چھ دن تو ہم اس کے کمرے میں آسانی سے رہ سکتے ہیں۔ کھانے کے اخراجات بھی اسی کے ذمے ہوں گے۔''

لیکن مجھے یہ کچھ اچھا نہیں معلوم ہوا۔ میں نے شکریے کے ساتھ انکار کرنا چاہا اور نعیم کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ ہم پیرس گھومنے کا شوق پھر کبھی پورا کرلیں گے لیکن نعیم نے میری ایک نہیں سنی، اس نے کہا ''میں کل پر کبھی اعتبار نہیں کرتا۔ جو کچھ آج ہے بس وہی حقیقت ہے چنانچہ آج کے ایک ایک لمحے سے تم جو کچھ حاصل کرسکتے ہو کرلو، کیونکہ اگر کل نہ آیا تو تم کیا کرلو گے؟'' مجبوراً مجھے رضامند ہونا پڑا۔

''اچھا تو پھر میں اسٹیشن کے لیے ٹیکسی لے کر آتا ہوں۔'' یہ کہہ کر نعیم ٹیکسی اسٹینڈ کی جانب چلا گیا۔

☆☆☆

نعیم کا دوست شفیع بڑا باغ و بہار قسم کا آدمی تھا۔ کئی سال پہلے وہ مزید تعلیم کے لیے پیرس آیا تھا لیکن چونکہ تعلیم ختم نہیں ہوسکی، اس لیے وہ واپس نہیں گیا اور تعلیم ختم نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ پیرس کی حسیناؤں کے عشووں اور غمزوں سے اسے فرصت نہ ملتی تھی۔ جہاں حسن اس قدر ارزاں اور بافراط ہو وہاں شفیع جیسے جمال پرستوں کو تعلیم جیسی خشک شے کی طرف توجہ دینے کی مہلت کہاں ملتی ہے، چنانچہ چار پانچ سال تک مسلسل فیل ہونے کے بعد اس نے کالج کو خیرباد کہہ دیا، ایک فرم میں نوکری کرلی اور شازاں لیزے کے عقب میں ایک فلیٹ لے کر رہنے لگا۔ وہ مجھ سے تو اپنے تعارف کے فوراً بعد ہی اس طرح گھل مل گیا جیسے برسوں کی جان پہچان ہو، میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا۔

''بے تکلفی معاف کرنا یار، میں تو یاروں کا یار ہوں۔ دوستوں اور دوشیزاؤں کے لیے جان دے دینا میرا

شیوہ ہے۔ تم نے اچھا کیا کہ پیرس چلے آئے۔ یہ ایسا شہر حشر انگیز ہے کہ ایک بار دیکھنے کے بعد دس بار دیکھنے کی ہوس ہوتی ہے۔ یہاں بے پناہ حسن ہے، اس کے علاوہ بلو فلمیں ہیں، ایفل ٹاور ہے، مونا لیزا کی نادر روزگار تصویر ہے اور نہ صرف یہی بلکہ عریاں ڈانس کے کلب ہیں اور لیزے کے زمین دوز ہوٹل ہیں۔ ان ہوٹلوں کی خصوصیات تمہیں معلوم ہیں؟''

''نہیں۔'' میں نے کہا۔

''ان ہوٹلوں کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ تم ان میں تنہا جاؤ گے لیکن واپس تنہا نہیں آؤ گے۔''

شفیع نے غلط نہیں کہا تھا۔ پیرس واقعی ایسا ہی شہر حشر انگیز ہے۔ آپ کسی بھی بازار میں نکل جایئے حسن اور فلیش کے لاکھوں نت نئے رنگ آپ کو نظر آئیں گے۔ میں پانچ دن پیرس میں رہا اور کسی دن بھی یہ احساس نہ ہو سکا کہ کب رات ختم ہوئی اور صبح شروع ہوئی۔ شفیع کی ایک گرل فرینڈ تھی، جنیا، بہت خوب صورت، دبلی پتلی اور نازک سی لڑکی تھی۔ وہ ہر روز آ جاتی۔ شفیع اپنی ڈیوٹی پر چلا جاتا تھا۔ میں، نعیم اور جنیا گھر سے نکل پڑتے۔ سارے شہر میں مارے مارے پھرتے، حتی کہ تھک کے چور چور ہو جاتے تو کسی ہوٹل یا کافی ہاؤس میں گھس جاتے۔ شام کے بعد شفیع بھی آ جاتا اور پھر رات گئے تک شراب خانوں کے چکر کاٹے جاتے۔

یہ پانچویں دن کی بات ہے۔ اس دن میں تنہا ہی تھا۔ شفیع، نعیم اور جنیا شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ میں ان کے ساتھ اس لیے نہ جا سکا کہ صبح مجھے ہلکا سا بخار تھا۔ سر میں درد تھا اور تزلے نے الگ پریشان کر رکھا تھا۔ چنانچہ میں گھر پر ہی آرام کرتا رہا۔ دوپہر تک طبیعت قدرے سنبھل گئی۔ سر کا درد جاتا رہا، اور بخار بھی نہ رہا۔ صبح سے گھر میں پڑے پڑے طبیعت اکتا گئی تھی اور اس وقت میں سوچ رہا تھا کہ اب کیا کروں ٹھیک اسی وقت گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ میں نے دروازہ کھولا تو ارسلا کھڑی تھی۔

ارسلا امریکن تھی اور پیرس یونیورسٹی میں پڑھ رہی تھی۔ وہ جنیا کی بہت اچھی دوست تھی۔ کئی بار ہمارے ساتھ وقت گزار چکی تھی، اس لیے کسی قسم کے تکلف کی ضرورت ہی نہ تھی۔ میں نے خوش دلی سے مسکرا کر ہیلو کہا تو وہ بولی۔

''جنیا کہاں ہے؟''

''وہ لوگ صبح سے نپولین کے قدیم آثار دیکھنے گئے ہوئے ہیں۔'' میں نے جواب دیا ''آؤ، اندر آؤ۔''

اندر آ کر اور صوفے پر بیٹھ کر اس نے ذرا جھینپتے ہوئے لہجے میں کہا ''اور تم گھر میں پڑے کیا کر رہے ہو؟''

میں نے اپنی طبیعت کا حال بتانے کے بعد کہا ''اب میں سوچ ہی رہا تھا کہ باہر جاؤں۔''

''تو پھر جلدی سے تیار ہو جاؤ۔'' وہ چٹکی بجا کر بولی ''آج ہم لوگ ڈی فرناندو کے کیفے میں ناشتا کریں گے اور پھر کارپولونٹی کی نئی فلم دیکھنے چلیں گے۔''

ڈی فرناندو میں ناشتا واقعی لذیذ ثابت ہوا، یا پھر ممکن ہے یہ وجہ ہو کہ ارسلا جیسی تیکھی اور دلنشیں لڑکی میرے ساتھ تھی، اس وجہ سے ہر شے اچھی لگ رہی تھی۔ بہر حال ناشتے سے فارغ ہو کر ہم سڑکوں پر آوارہ گردی کرنے لگے۔ ابھی سینما کا وقت نہیں ہوا تھا اور سہ پہر کا وقت گزارنے کے لیے آوارہ گردی سے بہتر کوئی طریقہ نہیں۔

معاً ارسلا نے کہا ''عالم! کیا تم قسمت پر یقین رکھتے ہو؟''

میں نے ذرا ٹھہر کر اور سوچ کر جواب دیا ''میں ٹھیک سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کبھی کبھی کچھ ایسی مثالیں سامنے آتی ہیں کہ مجھے سوچنا پڑتا ہے کہ آدمی دراصل مقدر کا تابع ہوتا ہے اور کبھی کچھ اور مثالیں اس خیال کی نفی کرتی ہیں۔ تب مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ دراصل تدبیر ہی سب کچھ ہے۔ آدمی چاہے تو تدبیر سے اپنی تقدیر بدل سکتا ہے۔''

''شاید تمہارا خیال صحیح ہو۔'' ارسلا نے سنجیدگی سے کہا ''لیکن تقدیر کی اہمیت کو بھی ماننا ہی پڑتا ہے۔ کم از کم میں تو پوری طرح قائل ہوں۔ اب یہی دیکھو کہ ہم اور تم ایک دوسرے سے دس ہزار میل کے فاصلے پر پیدا ہونے۔ ایک دوسرے کے لیے بالکل اجنبی اور انجانے، ہماری ملاقات پیرس میں ہونا مقدر ہو چکا تھا۔ اس لیے ہم یہاں آئے اور ایک دوسرے سے ملے۔ اس میں تو کسی تدبیر کا دخل نہیں ہے نا۔''

''نہیں، لیکن اسے محض اتفاق بھی کہا جا سکتا ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا ''بہر حال تم نے یہ ذکر کیوں چھیڑا۔''

''یہاں ایک جپسی ہے۔ سنا ہے وہ بہت اچھا پامسٹ ہے۔ کم از کم پیرس میں تو اس کی بہت شہرت ہے۔ مجھے یونہی خیال آیا کہ کیوں نہ ہم بھی اس کے پاس چلیں۔''

''اس سے کیا پوچھو گی؟''

''اپنی آئندہ زندگی کا حال۔''

''اور اگر اس نے کہہ دیا کہ تمہاری شادی عالم نام کے ایک ہندوستانی لڑکے سے ہوگی تو؟'' میں نے شرارت سے کہا۔

''تو پھر میں تم سے شادی کر لوں گی۔'' ارسلا نے شوخی سے جواب دیا۔

جپسی کا آفس وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ قریب ہی ایک پتلی سی اجاڑ اور گندی سی گلی تھی۔ اسی گلی میں اس کی رہائش بھی تھی اور آفس بھی۔ ہم جلدی ہی وہاں پہنچ گئے۔ اس کا آفس دو چھوٹے چھوٹے کیبنوں پر مشتمل تھا۔ ایک میں وہ خود بیٹھتا تھا اور دوسرا کیبن ملاقاتیوں کے لیے مخصوص تھا۔ یہ کیبن دراصل ایک بیٹھک نما کمرے کو تقسیم کر کے بنائے گئے۔ کمرے کے پیچھے جپسی کا سرنگ نما تنگ و تاریک اور بوسیدہ مکان تھا جس میں وہ اپنی موٹی، بھدی اور بدزبان بیوی کے ساتھ رہتا تھا۔

ملاقاتی کیبن میں کوئی بھی نہیں تھا، چنانچہ ارسلا نے فوراً ہی اطلاعی گھنٹی بجا دی۔ کوئی دو منٹ بعد بیچ والی دیوار میں ایک ننھی سی کھڑکی کا پٹ کھلا اور اس کے پیچھے ہمیں ایک بے حد موٹی اور بھدی عورت کا اجاڑ سا چہرہ نظر آیا۔ ہمارا مدعا سننے کے بعد اس نے کرخت لہجے میں کہا۔

''پروفیسر اس وقت مصروف ہیں لیکن خیر تم لوگ مل سکتے ہو۔ باری باری اندر آ جاؤ۔''

ارسلا اندر چلی گئی اور میں ایک کرسی پر بیٹھ کر ٹرے میں رکھے رسالے الٹنے پلٹنے لگا۔

کوئی بیس منٹ بعد ارسلا کی واپسی ہوئی۔ اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے سوا اور کوئی خاص تاثر نہیں تھا۔ لگتا تھا، پروفیسر نے اسے کوئی ایسی بات نہیں بتائی جو کسی قسم کی اہمیت رکھتی ہو۔ میرے برابر والی کرسی پر بیٹھ کر اس نے دھیرے سے کہا۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ پروفیسر واقعی قابل آدمی ہے۔ ہاتھ کی لکیروں کو اس طرح پڑھتا ہے جیسے کوئی

کھلی کتاب پڑھ رہا ہو۔''

''اچھا۔'' میں نے آہستہ سے کہا ''کیا بتایا اس نے؟''

''تمہیں کیوں بتاؤں۔'' ارسلا شوخی سے بولی ''چلو جاؤ اب تمہاری باری ہے۔''

میں ہارڈ بورڈ کا دروازہ کھول کر دوسرے کیبن میں داخل ہوا اور ایک دم ٹھٹھک کر رہ گیا۔

میری پہلی نگاہ جس شخص پر پڑی تھی، ایک لمحے کے لیے مجھے یقین نہ آیا کہ وہ شخص انسان ہی ہے۔ اس کی وضع قطع اور شکل وصورت عجیب تھی۔ اس کی آنکھیں بے حد بڑی بڑی، باہر کی جانب قدرے ابھری ہوئی اور حد درجہ سرخ تھیں۔ ناک غیر معمولی طور پر لمبی اور طوطے کی چونچ کی طرح ٹیڑھی تھی۔ سر پر بیچ کے سارے بال بالکل صاف ہو چکے تھے اور اس کی کھوپڑی چمکتی ہوئی نظر آ رہی تھی لیکن کنارے کنارے چاروں طرف بال موجود تھے اور ایک جھالر سی بنا رہے تھے۔ یہ بال اتنے لمبے تھے کہ اس کے شانوں تک پہنچ رہے تھے۔ اس کے سامنے والے اوپری دو دانت اتنے بڑے تھے کہ نچلے ہونٹ پر رکھے نظر آتے تھے۔ جسم پر ایک میلا اور بوسیدہ گاؤن لپٹا ہوا تھا۔ میز پر رکھے ہاتھوں کی دسوں انگلیوں میں طرح طرح کی انگوٹھیاں دکھائی دے رہی تھیں، جن میں زمرد، لعل اور یاقوت جڑے تھے یا ممکن ہے وہ معمولی پتھر رہے ہوں۔ میں نے ایسا عجیب وغریب وضع اور حلیے کا آدمی پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے کچھ سٹپٹا گیا اور سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہوں۔

وہ چند لمحے مجھے اپنی خونخوار نظروں سے گھورتا رہا، پھر یکایک کچھ بولا۔ جو میری سمجھ میں نہ آیا، چنانچہ میں نے سنبھل کر اور قدرے جرات سے کہا۔

''میں فرانسیسی نہیں جانتا، آپ انگریزی میں بات کریں۔''

''تمہارا نام کیا ہے؟'' اس دفعہ وہ انگریزی میں بولا۔ اس کے لہجے میں سرد مہری اور کھردرا پن تھا۔ ایک ایسی خود غرضی اور سنگدلی، جسے سننے والا صاف محسوس کر سکتا ہے۔ اس کی انگارہ سی آنکھیں بدستور میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور مجھے لگ رہا تھا جیسے وہ آنکھیں برمے کی طرح میرے ذہن کو چھیدتی چلی جا رہی ہیں اور سارے پردے اٹھاتی چلی جا رہی ہیں اور میرے ذہن کے سارے مستور حصے ننگے ہو کر اس کے سامنے آ گئے ہیں۔

میں نے اپنا نام بتایا تو وہ بولا ''بیٹھو۔''

اس کا طریقہ کار دوسرے جپسیوں سے قطعاً مختلف نہیں تھا۔ وہی کاروباری انداز، وہی سرسری لہجہ، ماضی کی چند عام سی باتیں جو تقریباً ہر ماہر پامسٹ بتاتا ہے، اس نے بھی بتائیں۔ میرا ہاتھ اس کے سامنے پھیلا ہوا تھا۔ اس کی نگاہیں میرے ہاتھ کی لکیروں پر جمی ہوئی تھیں اور وہ ایک مشین کی طرح بول رہا تھا کہ معاً وہ رک گیا۔

مجھے اس کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آئے۔ اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور بھنویں سکڑ کر ایک دوسرے سے مل گئی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گیا ہے۔ میرا دل دھڑکنے لگا۔ خدا جانے وہ کیا کہنے والا تھا۔ ایسی کیا بات اسے نظر آئی تھی کہ اس کا چہرہ ایک دم تاریک ہو گیا تھا۔ کئی لمحے تک وہ میری ہتھیلی کو گھورتا رہا پھر ایک جھٹکے سے اس نے سر اٹھایا اور براہ راست میری آنکھوں میں جھانکا۔ اس کی آنکھیں پہلے سے زیادہ سرخ اور ڈراؤنی ہو گئی تھیں۔ اس نے اچانک سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کیا تمہارے سینے پر کوئی تل ہے؟''

''ہاں۔'' میں نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر جواب دیا۔

''کیا یہ تل عام تلوں کے مقابلے میں کافی بڑا ہے؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''ہاں۔'' مجھے اعتراف کرنا پڑا۔

وہ چپ ہو گیا اور پھر میری ہتھیلی کو گھورنے لگا۔ چند ثانیے بعد اس نے کہا ''کیا تم مجھے اپنی پیدائش کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو، میرا مطلب ہے کہ جب تم پیدا ہوئے تھے تو کیا وہ چاند گرہن کی رات تو نہیں تھی۔''

میرا دل دھڑکنے لگا۔ یہ بات اسے کیسے معلوم ہوئی کیونکہ یہ سچ تھا کہ جس رات میں پیدا ہوا تھا وہ چاند گرہن کی رات تھی اور میں ٹھیک اس وقت پیدا ہوا تھا جس وقت چاند مکمل طور پر گرہن کے کرب میں مبتلا تھا۔ لوگ چھتوں پر چڑھ کر اذانیں دے رہے تھے۔ ہر طرف خوف و ہراس کی فضا طاری تھی۔ ساری کائنات اندھیرے میں ڈوب گئی تھی۔ میری دادی کے بیان کے مطابق جونہی میرے حلق سے پہلی چیخ نکلی تھی، چاند گرہن ختم ہو گیا تھا۔ اس کے بعد نہ جانے کیوں میری ماں کی صحت کبھی ٹھیک نہ رہی تھی اور جب میں چار سال کا تھا تو ان کا انتقال ہو گیا تھا۔

کئی لمحے تک میرے دل و دماغ پر ایک سنسناہٹ سی طاری رہی پھر میں نے پست لہجے میں کہا۔

''ہاں، یہ سچ ہے، وہ چاند گرہن کی ہی رات تھی۔''

یکا یک بوڑھا پروفیسر اٹھتا ہوا بولا ''آؤ میرے ساتھ!''

یہ کہہ کر بوڑھا پروفیسر کیبن کے عقبی دروازے میں گھس گیا۔ میں بھی آگے بڑھا، لیکن اس میں میرے ارادے کو دخل نہیں تھا۔ پروفیسر کی غیر معمولی شخصیت نے میرے ذہن کو کسی حد تک ماؤف کر دیا تھا اور میں اس کے احکامات کی تعمیل غیر اختیاری طور پر کر رہا تھا۔ دروازے سے گزر کر میں ایک ایسے کمرے میں پہنچا جس کی چوڑائی کم اور لمبائی زیادہ تھی اور وہ کسی سرنگ کی طرح نظر آتا تھا۔ پورے کمرے میں چاروں طرف دیوار گیر الماریاں تھیں، جن میں کتابیں بھری ہوئی تھیں۔ وسط میں ایک لمبی میز تھی جس پر ایک الیکٹرک لیمپ روشن تھا مگر اس کی زرد اور مدھم روشنی کمرے کے آسیبی ماحول کو اور زیادہ پراسرار بنا رہی تھی۔ پورے کمرے میں ایک عجیب سی ناگوار اور بوجھل بو بسی ہوئی تھی۔ یہ ایسی بو تھی جیسی سرکس کے گوشت خور جانوروں کے پنجروں سے آتی ہے۔ میں دم بخود ہو کر کمرے کی ایک ایک گرد آلود شے کو دیکھ رہا تھا۔ پروفیسر نے میری طرف مطلق دھیان نہیں دیا۔ وہ کمرے کے ایک کونے میں زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھا الماری کے پچھلے خانے میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ چند لمحے بعد جب وہ کھڑا ہوا تو میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھوں میں ایک بھاری کتاب دبی ہوئی تھی۔ اس نے کتاب کی گرد جھاڑی اور میری طرف دیکھ کر بولا۔

''مل گئی۔''

میں نے کچھ نہیں کہا۔ چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ پروفیسر نے ایک بار پھر مجھے نظر انداز کر دیا۔ اب وہ گہرے انہماک کے ساتھ کتاب کے صفحات الٹ رہا تھا۔ کتاب بے حد ضخیم تھی اور یقینی طور پر علم نجوم کے متعلق تھی۔ دوسری بات جو میں نے فوراً محسوس کر لی وہ یہ تھی کہ وہ کتاب بہت پرانی تھی۔ اس کی جلد کا رنگ اڑ چکا تھا۔

صفحات پیلے پڑ گئے تھے اور کئی جگہ دیمک نے کاغذ چاٹ لیا تھا۔ کتاب میں جگہ جگہ انگلیوں اور ہاتھ کے نشانات کے خاکے بنے ہوئے تھے۔ زبان یا تو فرنچ تھی یا کوئی اور مغربی زبان، جس سے میں ناواقف تھا۔

کچھ دیر بعد پروفیسر ایک جگہ رک گیا۔ میں نے دیکھا کہ جس صفحے پر وہ رکا تھا، وہاں پورے صفحے پر ایک ہاتھ کا خاکہ بنا ہوا تھا۔ مقابل کے صفحے پر تحریر تھی۔ جو شاید اس خاکے ہی کے بارے میں تھی۔ پروفیسر لیمپ کی دھندلی روشنی میں ہاتھ کے اس نقشے کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ کچھ بڑبڑا بھی رہا تھا جو میری فہم سے بالاتر تھا پھر یکا یک اس نے گردن اٹھائی اور کھردری آواز میں بڑبڑایا۔

''اپنا ہاتھ پھیلاؤ۔''

میں نے ہاتھ پھیلا دیا۔ وہ لمحات طویل، ناخوشگوار اور صبر آزما تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ پروفیسر کیا کر رہا ہے، کیا جاننا چاہتا ہے، مجھے کیا بتانے کی تیاری کر رہا تھا لیکن اتنا واضح تھا کہ کوئی ایسی بات ضرور ہے جس نے پروفیسر کو ذہنی انتشار میں مبتلا کر دیا ہے۔ اس کا رویہ بہت پراسرار اور کسی حد تک سنسنی خیز تھا۔ مجھے علم نہیں کتنی دیر گزر گئی۔ شاید نصف گھنٹا یا اس سے بھی زیادہ..... پھر پروفیسر نے کتاب بند کر دی، اسے الماری میں اسی جگہ رکھ دیا جہاں سے نکالا تھا، اور پھر میری طرف متوجہ ہوا۔ اس نے ٹھہرے ہوئے لیکن گمبھیر لہجے میں کہا۔

''نوجوان! تمہارے ہاتھ کی لکیروں نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ میں پامسٹ ہوں اور اپنی زندگی میں میں نے ہزاروں ہاتھ دیکھے ہیں لیکن تمہارا ہاتھ ان سے الگ اور غیر معمولی ہے۔ اس کی لکیریں عام انسانی ہاتھوں سے بہت مختلف ہیں۔ میں تمہیں کوئی صدمہ نہیں پہنچانا چاہتا، لیکن اتنا بتانا ضروری ہے کہ ایسا ہاتھ بہت غیر معمولی، برے اور نمایاں لوگوں کا ہوتا ہے۔''

''میں..... سمجھا نہیں۔'' میں نے حیرت سے کہا۔

''ایسا ہاتھ صرف ان لوگوں کا ہوتا ہے جو بادشاہ ہوتے ہیں، یا ایسی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں کہ پوری قوموں کی تقدیر بدل کر رکھ دیتے ہیں یا پھر ایسے لوگ خطر پسند اور مہم جو ہوتے ہیں اور ہمیشہ خطرات سے کھیلتے رہتے ہیں۔'' بوڑھا پروفیسر اتنا کہہ کر اچانک رک گیا۔ میرے ہاتھ کی لکیروں کو پڑھتا رہا، پھر سرائی آواز میں بولا ''میں تمہاری ہتھیلی میں اندھیرے دیکھ رہا ہوں۔ آنے والے خطرات کی آواز سن رہا ہوں۔ نوجوان میں نہیں جانتا تم کون ہو، لیکن اتنا جانتا ہوں کہ آنے والے کچھ سال تمہارے لیے بہت اہم ہیں۔ قدم قدم پر تمہیں شدید خطرے اور ناگہانی آفات کا سامنا کرنا پڑے۔ ان سے بچ کر اگر تم نکل گئے تو آئندہ زندگی سکون سے گزار سکو گے۔''

''تمہارا مطلب ہے.....'' میں نے کہنا چاہا لیکن جملہ مکمل نہ کر سکا۔

''ہاں تم ٹھیک سمجھے۔'' پروفیسر نے کہا ''اگرچہ مجھے یہ بات بتانا تو نہیں چاہیے تھی لیکن چونکہ اس میں تمہارا مفاد ہے اس لیے بتا رہا ہوں۔ آئندہ دو یا تین سال کے عرصے میں اگر تم کسی حادثے کا شکار نہ ہو گئے تو پھر دیر تک جی سکو گے لیکن یہ دو تین سال بہت اہم ہیں۔ اس عرصے میں کہیں بھی کسی وقت بھی تمہاری زندگی ختم ہو سکتی ہے۔''

میں نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور آہستہ سے کہا ''یہ خطرات، جو میری زندگی میں آنے والے ہیں، کس قسم

کے ہوں گے؟''

''میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' پروفیسر نے جواب دیا ''یہ کسی بھی قسم کے ہو سکتے ہیں اور کسی بھی وقت نازل ہو سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے تم کسی اونچی پہاڑی سے گر پڑو۔ ممکن ہے کسی جرم میں ماخوذ ہو جاؤ۔ میں کوئی بھی بات یقین سے نہیں کہہ سکتا، لیکن میری دو نصیحتیں ہمیشہ یاد رکھنا۔''

''وہ کیا؟''

''ایک یہ کہ کبھی پانی پر تنہا سفر نہ کرنا اور دوئم یہ کہ ایسے لوگوں سے کبھی تعلقات استوار نہ کرنا جن کی داہنے آنکھ کی پتلی بائیں آنکھ کے مقابلے میں بڑی ہو۔ ممکن ہے ان دو باتوں پر عمل کرنے سے تمہارے سر سے بہت سی بلائیں ٹل جائیں۔''

''میں ایسا ہی کروں گا۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''بس اب تم جاؤ، میری نیک خواہشات تمہارے ساتھ ہیں۔ خدا کرے تم ہر آفت سے محفوظ رہو۔'' پروفیسر نے دوستانہ لہجے میں کہا اور میں اس کا شکریہ ادا کر کے باہر چلا آیا۔

☆☆☆

دو دن مزید پیرس میں ٹھہر کر میں انگلینڈ روانہ ہو گیا۔ شاید یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ دو دن میں نے شدید ذہنی کشمکش میں گزارے تھے۔ ایک ایسی کیفیت مجھ پر طاری تھی جسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ کبھی اپنے آپ پر ہنسی آتی، کبھی میں سوچتا کہ پروفیسر یقیناً خبطی ہے اور شاید اسے سنسنی خیز پیش گوئیاں کرنے کا شوق ہے لیکن کبھی میں ڈر جاتا۔ کئی نادیدہ وجود مجھے اپنے اردگرد چلتے پھرتے محسوس ہوتے۔ پروفیسر کا سراپا تصور میں ابھرتا تو یوں لگتا جیسے وہ ایک خوفناک جادوگر ہے، اور اس نے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے، وہ ہو کر رہے گا۔ میں اپنا ہاتھ دیکھتا اور میرا ذہن پھر الجھ جاتا۔ مجھے اپنے ہاتھ میں ایسی کوئی خاص بات نظر نہ آتی جو پروفیسر کے دعوے کا ثبوت بنتی۔ ویسی ہی عام سی لکیریں جیسی دوسرے ہاتھوں میں ہوتی ہیں پھر پروفیسر نے یہ کیوں کہا کہ میرا ہاتھ عام آدمیوں کا ہاتھ نہیں، غیر معمولی لوگوں کا ہاتھ ہے۔ جتنا زیادہ میں سوچتا اتنا ہی میرا ذہن الجھتا چلا جاتا اور میری سمجھ میں کچھ بھی نہ آتا۔

میرے دوست کا قیام لندن کے علاقے شیفرڈ بش میں تھا۔ جہاں اس کا اپنا مکان تھا، میں نے پلاسٹک کے کھلونے بنانے والی ایک فیکٹری میں ملازمت کر لی اور عارضی طور پر اپنے دوست کے ساتھ ہی رہنے لگا۔ میرے ابتدائی کچھ دن ذہنی ناآسودگی اور احساس تنہائی میں گزرے یہ احساس تنہائی ایک اجنبی ملک میں رہنے کے باعث تھا۔ یہاں لوگ اجنبی تھے اور معاشرہ اجنبی تھا لیکن دھیرے دھیرے میں اس ماحول کا عادی ہوتا چلا گیا۔ آہستہ آہستہ کئی مقامی افراد میرے دوست بن گئے۔ کچھ عرصے بعد میں نے اپنی رہائش گاہ کا الگ انتظام کر لیا اور تنہا رہنے لگا۔ میں نے اپنے حالات سے سمجھوتہ کر لیا تھا کہ یہی میرا مقدر تھا اور میں اپنے حالات سے فرار حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

پیرس کا عجیب الخلقت نجومی اور اس کی پیشگوئی کچھ روز تک میرے اعصاب اور دل و دماغ پر چھائی رہی تھی، لیکن کئی ماہ گزرنے کے بعد بھی جب کوئی خاص بات میری زندگی میں رونما نہیں ہوئی تو اس کا خیال ذہن سے

اڑتا چلا گیا۔ دھیرے دھیرے مجھے یقین ہو گیا کہ پروفیسر کی پیشگوئی لاف زنی کے سوا کچھ نہیں تھی۔ شاید اسے پراسرار اور سنسنی خیز باتیں کرنے میں لطف آتا ہوگا اور کوئی عجب نہیں کہ وہ اپنے ہر پانچویں چھٹے ملاقاتی سے ایسی ہی باتیں کرتا ہو، لہٰذا اس کی پیشگوئی میں کوئی وزن نہیں ہو سکتا۔ مجھے پریشان، فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، میں ایک معمولی آدمی ہوں اور معمولی آدمی کے ہاتھ کی لکیریں کبھی غیر معمولی نہیں ہو سکتیں۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس عرصے میں مجھے ویرا کا دھیان بھی نہ آیا تھا حالانکہ دو بار جب وہ میرے سامنے آئی تھی تو میرے حواس پر چھا گئی تھی۔ وہ تھی ہی ایسی انوکھی اور پرتمکنت، کہانی کی بے مثال شہزادیوں کی طرح، جسے عربی گھوڑے پر سوار شہزادہ ایک بار دیکھتا ہے تو دوبارہ دیکھنے کی ہوس میں زندگی گزار دیتا ہے لیکن اس کے باوجود مجھے ویرا کا خیال دو چار بار سے زیادہ نہیں آیا۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ انگلستان کی زندگی بے حد مشینی، بے حد سرد اور اکتا دینے والی ہے۔ یہاں آدمی اپنے آپ میں اس قدر گم رہتا ہے کہ اسے دوسری باتوں پر دھیان دینے کا موقع کم ہی ملتا ہے۔

آٹھ ماہ گزر گئے۔

لندن کی پھیکی اور تنہا زندگی میں آٹھ ماہ اس طرح گزر گئے جیسے گھنے جنگلوں میں رات گزرتی ہے۔ یوں لندن بہت بڑا ہے لیکن اگر آپ اکیلے ہوں تو لندن کے ہنگامے، رونقیں اور دلچسپیاں آپ کے لیے بیکار ہیں۔ نہ آپ پکاڈلی سرکس کے ہجوم میں دلچسپی لے سکتے ہیں۔ نہ سوہو کی گلیوں میں واقع عریاں ڈانس کے کلبوں سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں، نہ زمین دوز ٹرینیں آپ کا دل بہلا سکیں گی اور نہ ہائیڈ پارک کی تفریحات میں آپ کے لیے کوئی کشش ہوگی۔ آٹھ ماہ میں نے بھی اسی طرح گزار دیئے اور تب میں نے پہلی بار برا کو اور تیسری بار ویرا کو دیکھا۔

وہ ستمبر کی ایک خوشگوار سہ پہر تھی۔ چمکتی دھوپ سارے میں پھیلی ہوئی تھی اور سمندر کی جانب سے آنے والی ہوا میں گو نمی تھی مگر بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ اس روز برٹش میوزیم میں شاید موسم اچھا ہونے کے سبب سے خاصا ہجوم تھا۔ میوزیم کی عمارت کے مختلف حصوں میں مارا مارا پھر رہا تھا پھر تھک کر میں ایک مصری ممی کے تابوت کے پاس ایک کھمبے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور بہت غور سے ممی کو دیکھنے لگا۔ تابوت شیشے کا بنا ہوا تھا۔ اس کی لمبائی کوئی نو فٹ اور چوڑائی چار فٹ رہی ہوگی۔ تابوت کے اندر ممی سیدھی لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے پورے جسم پر مٹیالے کپڑے کی پٹیاں اس طرح لپٹی ہوئی تھیں کہ جسم کا کوئی بھی حصہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ہاں چہرہ کسی حد تک کھلا ہوا تھا، مگر وہ چہرہ کوئی خوشگوار منظر نہیں پیش کر رہا تھا۔ وہ ایک بھیانک چہرہ تھا۔ سوکھا ہوا، سیاہ آنکھوں کی جگہ دو غار تھے، کنپٹیوں، کلوں اور گالوں پر گہرے گڑھے تھے اور چہرے کی کھال سوکھ کر، سیاہ ہو کر جگہ جگہ سے تڑخ گئی تھی۔ تابوت کے ساتھ ہی لگے ہوئے ایک فریم میں ممی سے متعلق ضروری معلومات درج تھیں، جن کے مطابق اس ممی کا نام غالباً فریٹی تھا اور وہ تقریباً ساڑھے تین ہزار سال پرانی تھی اور کچھ عرصہ پیشتر اس وقت دریافت ہوئی تھی جب ایک انگریز پروفیسر مصری فرعون ایمنوفس سوئم کے لڑکے طوطنخ آمن کے سلسلے میں مزید تحقیقات کر رہا تھا۔ افریٹی کی حنوط شدہ ممی طوطنخ آمن کے محل کے آثار کے قریب ایک مقبرے میں ملی تھی۔ یہ مقبرہ زمین کی سطح سے کوئی پچیس فٹ نیچے دریافت ہوا تھا۔ انگریز پروفیسر کی تحقیقات کے مطابق ممی کا تعلق فراعین مصر کے شاہی

خاندان سے نہیں تھا بلکہ وہ شاہی محل کی کنیزوں میں سے ایک تھی اور قیاس اغلب تھا کہ وہ ایمنوفس سوئم کی دونوں بیویوں ملکہ ٹیا اور ملکہ ستیا فس میں سے کسی ایک کی خصوصی کنیز رہی ہوگی اور یہ بھی ممکن تھا کہ اس نے طوطنخ کا زمانہ بھی دیکھا ہو۔ افریٹی کے مقبرے سے ایسی کئی اشیاء ملی تھیں جن سے افریٹی کے متعلق کافی اہم معلومات حاصل ہوئی تھیں۔ مثلاً یہ کہ جب افریٹی مری ہے تو اس کی عمر تینس سال سے کچھ اوپر تھی۔ اس کا قد لمبا تھا۔ بال سنہرے اور دراز تھے اور آنکھیں گہری نیلی تھیں اور وہ ایمنوفس کے شاہی محل میں ایک حسین ترین عورت تصور کی جاتی تھی۔

میں نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی کوئی ممی نہیں دیکھی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں ایک ممی کے سرہانے کھڑا اسے ازخود رفتگی کے عالم میں دیکھ رہا تھا۔ گردوپیش سے بے خبر ہو کر، میں نہیں جانتا تھا ایسا کیوں تھا لیکن مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ممی تین ہزار سال پرانی نہیں ہے۔ وہ ایک سالخوردہ لاش نہیں ہے، بلکہ ایک عورت ہے اور میرے سامنے گہری پرسکون نیند سو رہی ہے۔ وقت اپنے لاانتہا کناروں کو سمیٹ کر ایک نقطے میں، ایک لمحے میں جمع ہو گیا تھا اور میں ایک ثانیے کے اندر تین ہزار سال کا سفر طے کر کے افریٹی کے زمانے میں چلا گیا تھا اور اسے اپنے سامنے سوتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں اس کی سانسوں کی آوازیں سن رہا ہوں۔ دھیمی دھیمی، زندگی سے بھرپور، گرم گرم سانسیں، میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور ہاتھوں کی انگلیاں دھیرے دھیرے کانپ رہی تھیں اور پسینے کی ایک یخ بستہ بوند کنپٹی سے رینگ کر، گردن سے نیچے اتر کر ریڑھ کی ہڈی پر رینگتی چلی جا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد میرے احساس پر چھائی ہوئی خودفراموشی کی گرد ہٹی اور میں نے گردن اٹھا کر ادھر ادھر نگاہ ڈالی۔ تابوت کے آس پاس زیادہ لوگ نہیں تھے۔ دو عمر رسیدہ عورتیں قریب ہی کھڑی سرگوشیوں میں باتیں کر رہی تھیں۔ ایک چھوٹا بچہ بہت غور سے ممی کو گھور رہا تھا اور اس سے کچھ فاصلے پر دیوار کے کارنر کے قریب وہ کھڑی تھی اور مجھے دیکھ رہی تھی اور مسکرا رہی تھی۔ وہی پراسرار پرشکوہ ویرا جسے میں نے قاہرہ میں دیکھا تھا۔ وہ اس وقت لندن کے میوزیم میں مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر وہی بانکپن تھا، مسکراہٹ میں وہی تمکنت تھی۔ اس کے خوب صورت جسم پر سفید لباس تھا جو اس کی شخصیت کے سحر کو کچھ زیادہ ہی نمایاں کر رہا تھا۔ اپنے سامنے یوں، اچانک اسے پا کر میں بالکل سٹپٹا گیا۔ شاید میں خواب میں بھی یہ گمان نہیں کر سکتا تھا کہ ایک بار پھر ویرا کو اس طرح دیکھ سکوں گا۔ کچھ دیر تک میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کروں۔ کیا میں اس کے قریب جاؤں، کیا میں اس سے کوئی بات کروں، مگر کیا بات کروں گا؟ اپنے دل کی دھڑکنوں کو کیونکر سنبھال لوں گا اور اپنی لحظہ بہ لحظہ ساتھ چھوڑتی ہوئی ہمت کو کس طرح جمع کروں گا لیکن اس سے پہلے کہ میں کسی نتیجے پر پہنچتا معاً میں نے محسوس کیا کہ ویرا میری جانب بڑھ رہی ہے اور وہ واقعی میری طرف آ رہی تھی۔ میں سنبھل کر کھڑا ہو گیا اور اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں زور سے ایک دوسرے میں پھنسا لیں۔ قریب آ کر ویرا میرے سامنے کھڑی ہو گئی۔ لمحہ بھر میری آنکھوں میں جھانکتی رہی، پھر مسکرا کر بولی۔

''ہیلو!''

''ہیلو۔'' میں نے اپنی آواز سنی۔

''آپ کو ایک بار پھر دیکھ کر خوشی ہوئی۔'' اس نے خوش مزاجی سے کہا۔
''مجھے بھی آپ سے مل کر مسرت ہوئی۔ آپ یہاں کب تشریف لائیں؟'' میں نے کہا۔
ویرا نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ ذرا توجہ سے میری پشت پر کسی شے کو دیکھ رہی تھی پھر میں نے دیکھا کہ اس نے اپنی نازک سی گردن کو خفیف سی جنبش دی اور اچانک میری طرف متوجہ ہو کر بولی۔
''میں تو یہیں رہتی ہوں۔ ہاں مجھے سیاحت کا شوق ہے، اس لیے اکثر سفر میں رہتی ہوں۔ کیا آپ یہیں لندن میں رہتے ہیں؟''
''جی ہاں، شیفرڈ بش میں میرا مکان ہے۔''
''آپ نے یہ ممی دیکھی۔'' ویرا نے انگلی سے افریٹی کی جانب اشارہ کیا۔
''جی ہاں۔''
''کیا خیال ہے آپ کا۔'' ویرا کا لہجہ تجسس آمیز تھا۔
''یہ ممی۔'' میں نے سوچ کر کہا ''اس وقت تو محض ایک لاش ہے۔ اسے دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ تین ہزار سال سے پیش تر کسی وقت یہ ایک زندہ عورت ہی ہوگی، چلتی پھرتی ہوگی۔ اس کے متعلق دی گئی معلومات سے پتا چلتا ہے کہ یہ ایک حسین ترین عورت تھی لیکن اب تو یہ محض ایک سالخوردہ، ناخوشگوار مردہ جسم ہے۔''
''آپ کو مصر کی تاریخ سے کوئی دلچسپی ہے؟'' ویرا نے پوچھا۔
''ہاں دلچسپی تو ہے لیکن بدقسمتی سے مجھے زیادہ مطالعے کا موقع کبھی نہیں ملا۔''
''فراعین مصر کے متعلق آپ نے کچھ پڑھا ہے؟''
''زیادہ نہیں۔'' میں نے جواب دیا ''صرف ریلیمز اور ایمبولینس کے متعلق کچھ پڑھا ہے۔''
ویرا نے قدرے توقف کے بعد پوچھا ''جب بھی فراعین مصر کے متعلق آپ پڑھتے ہیں تو آپ کو کیا محسوس ہوتا ہے؟''
عجیب سا سوال تھا۔ میں پوری طرح ویرا کا مفہوم نہیں سمجھ سکا۔ پتا نہیں اس کا کیا مقصد تھا چنانچہ میں نے خوب سوچ کر کہا ''میں نہیں جانتا اس سوال سے آپ کا کیا مطلب ہے۔ بہرحال میں جب بھی فراعین مصر کی تاریخ پڑھتا ہوں تو میرے تاثرات غیر معمولی یا عجیب نہیں ہوتے ہیں۔ ہاں، ابھی جب میں نے اس ممی کو دیکھا تھا تو چند لمحات کے لیے مجھ پر ایک انوکھی سی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ میں اپنے گردوپیش سے بے خبر ہو گیا تھا اور مجھے ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ یہ ممی نہیں ہے، ایک زندہ عورت ہے اور میرے سامنے سو رہی ہے۔ مجھے تو اس کی سانسوں کی آواز تک سننے کا گمان ہوا تھا۔ ہے نا یہ سراسر پاگل پن!''
''شاید..... یا شاید نہیں۔'' ویرا نے عجیب سے لہجے میں کہا ''آدمی کبھی کبھی اپنے ذہن کے خول سے نکل کر وہ کچھ دیکھ لیتا ہے جو بادی النظر میں ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ خیر، اب میں چلتی ہوں۔ ابھی مجھے ویسٹ ہیم جانا ہے۔ شاید آپ سے پھر کبھی ملاقات ہو۔''
''ضرور، ضرور۔'' میں نے خوش دلی سے کہا۔

پھر ویرا دروازے کی جانب چل دی۔ میں اسے چپ چاپ دیکھتا رہا۔ اس کی چال میں ایک شاہانہ وقار تھا۔ ایک ایسی خود اعتمادی اور تمکنت تھی۔ جو صرف ان لوگوں کی چال میں پیدا ہوتی ہے جو اپنی شخصیت کی انفرادیت اور غیر معمولی پن سے واقف ہوتے ہیں۔ دروازے تک جا کر وہ رکی، مڑ کر مجھے دیکھا اور آہستہ سے ہاتھ ہلا کر باہر نکل گئی۔ میں پھر ستون سے ٹک کر کھڑا ہو گیا اور ویرا کے بارے میں سوچنے لگا۔ یہ عجیب سی بات ہے کہ پہلی بار ویرا کو دیکھ کر میں جس انداز میں متاثر ہوا تھا۔ اس بار وہ کیفیت میرے دل و دماغ پر طاری نہیں ہوئی۔ میں نے محسوس کیا کہ دراصل میں ویرا کو دیکھ کر مرعوب ہو جاتا ہوں۔ احساس پر ایک مودبانہ قسم کی کیفیت غالب رہتی ہے۔ میری پسند کی نوعیت وہ نہیں ہے جو ایک جوان لڑکی کو دیکھ کر ایک جوان لڑکے پر طاری ہوتی ہے۔ گویا میں ویرا سے صرف مرعوب ہوں۔ اسے دیکھ کر میرے احساس اور جذبات میں رومانی قسم کی ہلچل پیدا نہیں ہوتی اور یہ بڑی اچھی بات ہے۔ ویرا جیسی عورت سے مجھ جیسے کم مایہ شخص کا محبت کرنا سراسر حماقت ہے لیکن کیا واقعی یہ سچ ہے۔ معاً مجھے ویرا کی گہری نیلی آنکھوں کا خیال آیا۔ وہ جب مجھے دیکھتی ہے تو اس کی گہری نیلی آنکھوں میں شوق جذبات اور وارفتگی کی گہری جھلک ہوتی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ویرا خود ہی مجھے پسند کرتی ہو۔ میں نے سر کو زور سے جھٹک کر افریٹی کی ممی کی جانب دیکھا۔ موت کے وقت عمر تیئس سے زیادہ، قد لمبا، سنہرے بال، گہری نیلی آنکھیں۔ میں نے جیب سے چیونگم کا ایک پیس نکالا اور منہ میں ڈال کر چلنے لگا۔ سپنے نہ دیکھو میاں صاحب زادے، تمہارے لیے یہی بہتر ہے، سمجھے!

ٹھیک اسی وقت ایک عورت میرے قریب آ کر کھڑی ہو گئی اور بہت غور سے ممی کو دیکھنے لگی۔ اس کا رنگ سیاہ تھا جس سے پتا چلتا تھا کہ وہ یا تو افریقین ہے یا اس کا تعلق ویسٹ انڈیز سے ہے۔ اس کا قد لمبا تھا۔ بال گھنگھریالے تھے۔ چہرے کے نقوش خاصے تیکھے تھے اور اس کے ہونٹ عام ویسٹ انڈینز کی طرح موٹے اور بھدے نہیں تھے بلکہ پتلے اور دلکش تھے، لیکن اس کا جسم حیرت انگیز طور پر خوب صورت، پرکشش اور بے حد سڈول رہا تھا۔ سر سے پیر تک سانچے میں ڈھلا ہوا، ایک ایک خم، ایک ایک عضو، ایک ایک خط، یوں لگتا تھا جیسے کسی ماہر سنگ تراش نے برسہا برس کی فرصت میں بیٹھ کر یہ جسم سیاہ رنگ کے پتھر سے تراشا ہو۔ اس کے جسم پر بھورے رنگ کا اسکرٹ اور سفید بلاؤز تھا جو اس کے حسن کو اور بھی نمایاں کر رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک ممی کو بے حد دلچسپی اور غور سے دیکھتی رہی پھر معاً گردن اٹھا کر تحیر زدہ لہجے میں بولی۔

''اوہ، گوش، یہ ممی تو ساڑھے تین ہزار سال پرانی ہے۔'' اس کی آواز سے بچوں کی سی خوشی کا اظہار ہو رہا تھا۔ میری طرف گردن موڑ کر اس نے مزید کہا ''کیوں جناب! کیا واقعی یہ اتنی پرانی ہے؟''

''کم از کم اس فریم میں تو یہی لکھا ہے۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''ہاؤ اکسائیٹنڈ۔'' اس نے پھر پرجوش لہجے میں کہا ''اتنی مدت گزر گئی، لیکن ایسا لگتا ہے جیسے یہ ابھی ابھی سوئی ہے۔ ہے نا!''

''جی ہاں۔''

''کتنی حیرت انگیز بات ہے۔'' اس نے ذرا میرے قریب آ کر کہا ''خدا جانے، ان مصریوں نے ایسا کون سا مسالہ دریافت کر لیا تھا کہ ان کی لاشیں ہمیشہ کے لیے سڑنے گلنے سے محفوظ ہو جاتی تھیں۔''

''جی ہاں۔ یہ تو سچ ہے اور آج کا انسان ہزار کوششوں کے باوجود بھی اس راز کو جاننے میں ناکام رہا ہے۔ مصری یہ فن اپنے ساتھ ہی لے گئے۔''

''میں جب بھی کوئی ممی دیکھتی ہوں۔'' وہ دوستانہ بے تکلفی سے کہنے لگی ''تو مجھ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ پتا نہیں کیوں؟ لیکن یہ سچ ہے کہ میں تھوڑی دیر کے لیے اپنے ذہن کے دائرے سے نکل کر کہیں اور چلی جاتی ہوں۔ ایک انوکھی سی رومان انگیز سنسنی میرے اعصاب کو جکڑ لیتی ہے۔ آپ یقین کیجیے، پچھلے سال۔ میں نے ایک ممی دیکھی تھی اور پورے دو گھنٹے تک میں اس کے پاس سے ہٹ نہیں سکی تھی۔''

میں نے کچھ نہیں کہا، صرف مسکرا کر رہ گیا۔ وہ سیاہ فام لڑکی تھوڑی دیر فریم کی بقیہ تحریر کو پڑھتی رہی، پھر اچانک بولی ''یہ میوزیم کتنا بڑا ہے..... ہے نا۔ یہاں دنیا بھر کی عجیب اور نادر و نایاب اشیاء جمع ہیں۔ انگریزوں کو ان چیزوں کا بہت شوق ہے۔''

''جی ہاں۔''

''کیا آپ یہیں لندن میں رہتے ہیں؟''

''ہاں، شیفرڈ بش میں میرا مکان ہے۔''

''شیفرڈ بش میں۔'' معاً اس نے مسرت انگیز اور حیرت سے کہا ''ارے کیا سچ! میں بھی تو وہیں رہتی ہوں۔''

''یہ تو واقعی بڑا دلچسپ اتفاق ہے۔''

''میرا نام باربرا ہے، باربرا واٹکن۔ میں ٹرینیڈاڈ سے آئی ہوں، اور یہاں ایک فوٹو گرافر کے لیے ماڈلنگ کرتی ہوں۔ آپ تو شاید ایشین ہیں؟''

''جی ہاں۔''

''ہاؤ ونڈرفل!'' باربرا کی آواز سے واقعی مسرت کا اظہار ہو رہا تھا ''مشرقی لوگ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ پراسرار مشرق سے مجھے عشق ہے لیکن افسوس، میرے دوستوں میں کوئی بھی مشرقی نہیں ہے۔''

''میرا نام ریاض عالم ہے اور آپ مجھے اپنا دوست سمجھیے۔'' میں نے اس کا دل رکھنے کے لیے کہا۔

''تھینک یو ویری مچ!'' باربرا یکایک بے حد خوش ہو کر بولی ''لیکن شاید آپ ایسا محض اخلاقاً کہہ رہے ہیں۔''

''نہیں، نہیں۔'' میں نے جلدی سے کہا ''مجھے آپ کو دوست بنا کر واقعی مسرت ہوگی۔''

باربرا یہ سن کر واقعی مسرور ہوگئی۔ کچھ اس طرح جیسے اس کو کوئی بے حد قیمتی شے مل گئی ہو اور اس کی مسرت مصنوعی نہیں تھی بلکہ فطری نظر آتی تھی۔ شاید واقعی کسی ایشین کو اپنا دوست بنانے کا اسے بڑا ارمان تھا۔ وہ کچھ دیر تک اپنے بارے میں مجھے بتاتی رہی۔ اس کی خواہش، اس کی پسند، اس کے مشاغل اور پھر ٹرینیڈاڈ کا وہ چھوٹا سا گاؤں، جہاں اس کا بچپن گزرا تھا۔ اس کا کوئی بھائی یا بہن نہیں تھی۔ ماں باپ کا انتقال اس وقت ہو گیا تھا جب وہ صرف آٹھ سال کی تھی پھر چچا نے اس کی پرورش کی تھی اور جب وہ جوان ہوئی تو انگلینڈ چلی آئی اور پچھلے چار سال سے لندن میں رہ رہی تھی۔ پہلے پہل اس نے ایک فیکٹری میں نوکری کی، پھر نرس بن گئی اور اب پچھلے ایک سال سے ماڈل گرل تھی، اس کی تصاویر انگلینڈ، فرانس اور ڈنمارک کے مختلف رسائل میں چھپتی تھیں۔ اپنی

ماڈلنگ کا تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد اس نے کہا۔

''میں نے کبھی یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ میں حسین ہوں لیکن ٹونی، میرا فوٹو گرافر کہتا ہے کہ میں بہت ہی خوب صورت ہوں۔ کیا واقعی ایسا ہے۔'' معاً سوالیہ نظروں سے اس نے میری طرف دیکھا۔

''جی ہاں۔ آپ واقعی حسین ہیں۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''لیکن آپ ایسا کس طرح کہتے ہیں؟'' باربرا نے کہا ''جب تک آپ مجھے بغیر کپڑوں کے نہ دیکھیں۔ ٹونی کہتا ہے کہ میرا حسن تو دراصل میرے جسم میں ہے۔''

''مگر آپ کا چہرہ بھی بہت خوب صورت ہے۔''

''خیر کوئی بات نہیں۔'' باربرا نے بے تکلفی سے میرا ہاتھ تھام کر کہا ''کسی دن میں آپ کو اپنا جسم دکھاؤں گی، تب فیصلہ کیجئے گا۔''

''جی۔'' میں نے بوکھلا کر کہا، اور سٹپٹائی ہوئی نظروں سے باربرا کو دیکھنے لگا۔ شاید میں کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا، لیکن الفاظ حلق میں ہی پھنس کر رہ گئے۔ باربرا کی اتنی بے تکلفی نے مجھے حیران کر دیا تھا۔ اس نے ایسی بات اتنی آسانی سے کیوں کر کہہ دی۔ یعنی کسی دن وہ میرے سامنے اپنے کپڑے اتارے گی اور مجھے اپنا جسم دکھائے گی تاکہ میں فیصلہ کروں کہ اس کا جسم خوب صورت اور پرکشش ہے یا نہیں۔ میں نے تصور میں اس کے سر سے پیر تک ہیرے کی طرح تراشے ہوئے جسم سے ایک ایک کپڑے کو اترتے ہوئے دیکھا اور مجھ پر ایک نشہ انگیز کیفیت طاری ہوتی چلی گئی۔ ایک ایسی کیفیت جس سے میں پہلے کبھی دوچار نہیں ہوا تھا۔ اس کا جسم واقعی حسین تھا، بے حد گداز اور سڈول تھا اور اس بات کا فیصلہ کرنے کے لیے مجھے اس کے جسم کو برہنہ دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ موتی، اگر سیپ کے اندر ہو تو بھی موتی ہی ہے لیکن میں نے کچھ نہیں کہا۔ یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا کہ اس میں کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ باربرا ماڈل گرل ہے کپڑے اتارنا اور تصویریں بنوانا ہی اس کا کام ہے۔ وہ بھلا میرے سامنے کپڑے اتارتے ہوئے کیوں شرمائے گی۔ لہٰذا مجھے بھی خوامخواہ بدحواس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

خیر چند لمحے بعد باربرا نے کہا ''اب تو شام ہو رہی ہے۔ میرا خیال ہے چلنا چاہیے۔ کیا آپ کلب یا پب میں جانا پسند کرتے ہیں؟''

''کبھی کبھار چلا جاتا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''تو پھر ٹھیک ہے۔'' باربرا نے چٹکی بجا کر کہا ''میں اتفاق سے آج اکیلی ہوں۔ یہاں سے ہم دونوں ڈرٹی ڈک چلتے ہیں۔ وہاں سے آخری بس پکڑ کر گھر چلے جائیں گے۔ کیا خیال ہے؟''

ہم دونوں میوزیم سے باہر نکلے اور پیدل ہی ایک طرف چلنے لگے۔ شام ہو چکی تھی اور لندن کی سڑکوں پر چہل پہل میں اضافہ ہو رہا تھا۔ لندن عجیب جگہ ہے۔ شام کے وقت شہر کے کچھ حصے تو سنسان ہو جاتے ہیں لیکن کچھ علاقے ایسے ہیں جہاں ہجوم اور ہنگامے میں کچھ زیادہ ہی اضافہ ہو جاتا ہے۔ پکاڈلی سرکس اور لیسٹر اسکوائر اور ٹریفالگر اسکوائر پر یوں لگتا ہے جیسے شہر کی ساری آبادی یہیں جمع ہو گئی ہے۔ پب، کلب، ڈانس ہال اور سینما گھر آباد ہو جاتے ہیں۔ فیشن پرست اور رنگین مزاج عورتیں بن ٹھن کر نکل آتی ہیں اور ان کے نت نئے فیشن، بناوٹ

اور سجاوٹ کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے ہم بھولے سے راجہ اندر کے مکان میں آ نکلے ہیں۔ ڈرٹی ڈک سوہو کی ایک گلی میں واقع تھا۔ باہر سے وہ شراب خانے کے بجائے عریاں ڈانس کا کوئی گندا سا کلب نظر آتا تھا، لیکن سرخ رنگ کے چھوٹے سے دروازے سے اندر گھستے ہی ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ہم کسی تاریک سرنگ میں آ نکلے ہیں۔ پورا شراب خانہ صرف دو کمروں پر مشتمل تھا۔ پہلا کمرا چھوٹا تھا اور اس میں وہ لوگ بیٹھے رہتے تھے جو زیادہ شور اور ہنگامہ پسند نہیں کرتے، لیکن دوسرا کمرا کسی سرنگ کی طرح لمبا، پتلا اور بے حد گھٹا گھٹا تھا۔ ایک طرف دیوار کے ساتھ میزیں اور کرسیاں لگی تھیں۔ بیچ میں کچھ جگہ ڈانس کے لیے چھوٹی ہوئی تھی۔ سر کے اوپر گہرے سرخ، نیلے اور ہرے رنگ کے مدھم بلب جل رہے تھے جن کی رنگین روشنی نے کمرے کے ماحول کو کسی حد تک پراسرار اور سنسنی خیز بنا دیا تھا۔ کمرے میں سگریٹ، شراب اور تھوڑی سی چرس کی بو بری طرح بسی ہوئی تھی۔ جوک بکس پر مسلسل ریکارڈنگ ہو رہی تھی اور گانوں کی تیز، چیختی چلاتی آواز پر کئی لڑکے اور لڑکیاں دیوانوں کی طرح رقص کر رہے تھے۔ چیخ رہے تھے قہقہے لگا رہے تھے اور ایک دوسرے کو چوم رہے تھے۔ یہ سب کے سب سستے ذوق اور عامیانہ مزاج کے لوگ تھے۔ عجیب و غریب رنگین کپڑے پہنے ہوئے گلے میں گھنٹیاں ڈالے ہوئے۔ تقریباً سبھی کے بال بڑے بڑے اور جنگلی گھاس کی طرح آوارہ تھے۔ کسی نے بڑے بڑے فریم کی رنگین عینک لگا رکھی تھی تو کوئی دوسرا صرف بنیان پہنے ہوئے تھا۔ کسی کی پتلون چار مختلف رنگ کے کپڑوں سے بنی تھی تو کسی اور نے اپنے بازو پر عورت کی عریاں تصویر بنوا رکھی تھی اور اب کوٹ اتار کر، قمیض کی آستین اوپر چڑھا کر بڑے اطمینان سے بیٹھا ہوا چرس کے دم لگا رہا تھا۔

میں نے ڈرٹی ڈک پہلے کبھی نہیں دیکھا، نہ ہی اس قسم کا کوئی اور پب دیکھا تھا۔ یہ وحشت، یہ افراتفری، یہ بے ترتیبی اور بے راہ روی میرے لیے بالکل نئی بات تھی۔ میں بالکل سٹپٹا گیا۔ گمان بھی نہیں تھا کہ بار برا مجھے ایسی جگہ لے آئے گی۔ میں ابھی بوکھلایا ہوا ادھر ادھر دیکھ ہی رہا تھا کہ پیچھے سے کسی نے میرے شانے پر ہاتھ مارا اور وہ چیختی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہیلو فلاور، آل رائٹ!''

میں نے گھوم کر دیکھا، پیچھے سفید رنگ کا اونی بلاؤز پہنے ایک لمبی دبلی پتلی لڑکی کھڑی تھی۔ اس نے چونکہ باڈی نہیں پہنی تھی اور بلاؤز کے سارے بٹن کھلے تھے، اس لیے اس کا سینہ تقریباً عریاں تھا۔ میں بلاوجہ ہی احمقوں کی طرح مسکرایا، لیکن اس سے پہلے کہ ''فلاور'' کے جواب میں اسے ''وہسکی'' کہتا، معاً بار برا بول پڑی۔

''دفع ہو جاؤ، یہ میرے ساتھ ہیں۔''

''آل رائٹ، آل رائٹ!'' لڑکی جلدی سے بولی اور گھوم کر ہجوم میں کہیں گم ہو گئی۔

''یہ جگہ پسند آئی۔'' بار برا نے لڑکی کے جانے کے بعد میرا ہاتھ دبا کر پوچھا۔

''ہاں دلچسپ جگہ ہے۔'' میں نے بادل نخواستہ جواب دیا۔

پھر ہم بھیڑ میں کسی نہ کسی طرح جگہ بناتے ہوئے بار تک پہنچے۔ بار پر ایک بوڑھا مرد اور عورتیں کام کر رہی تھیں۔ ایک عورت عمر دراز تھی، لیکن اسے دیکھ کر میں حیرت زدہ رہ گیا۔ اس نے خوب گہرا میک اپ کیا ہوا تھا۔ ہونٹوں پر سرخ رنگ کی لپ اسٹک کی شاید تین چار تہیں چڑھی ہوئی تھیں جسم پر ایک بے ہودہ سا اسکرٹ تھا اور

گلے میں رنگین موتیوں کی چھ سات لڑی مالا پڑی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے چیختی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہیلو ڈارلنگ! کیا چاہیے؟''

''دو ڈبل وہسکی۔'' میرے بجائے باربرا نے کہا۔

اپنے اپنے گلاس لے کر ہم ایک میز پر جم گئے اور آہستہ آہستہ وہسکی پینے لگے۔ باربرا بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ اس ہجوم، ہنگامے اور افراتفری نے اس کے جوش میں کچھ زیادہ ہی اضافہ کر دیا تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھی ہوئی دھیرے دھیرے متحرک رہی تھی اور بار بار ''او گوش'' اور ''بیوٹی فل'' کے نعرے لگا رہی تھی لیکن میں عجیب سا محسوس کر رہا تھا۔ بے چین اور اکھڑا اکھڑا سا، دل میں اضطراب کی لہریں اٹھ رہی تھیں لیکن یہ کیفیت زیادہ دیر نہیں رہی۔ جونہی وہسکی کا پہلا گلاس حلق سے نیچے اترا، میرے حواس بحال ہونے لگے۔ بے چینی کی جگہ اعتماد نے لے لی اور دھیرے دھیرے میں محسوس کرنے لگا کہ یہ ماحول، یہ بے ترتیبی اور شور مجھے اچھا لگ رہا ہے۔ کمرے میں بدستور ہنگامہ تھا۔ کہیں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی، پھر بھی لوگ آتے جا رہے تھے۔ بار اور کرسیوں کے درمیان والی تھوڑی سی جگہ میں لڑکے اور لڑکیاں ناچ رہے تھے، لیکن وہ ناچ نہیں تھا۔ وہ تو جسم کی بے ترتیب حرکتیں تھیں جن میں کوئی سلیقہ نہیں تھا، کوئی حسن نہیں تھا اور کوئی فن نہیں تھا اور جوک بکس کی پرشور آواز چاروں طرف گونج رہی تھی۔ مستی اور بے خودی میں ڈوبی ہوئی اور جمی ہینڈرکس کی کرخت، چیختی ہوئی آواز کان کے پردے پھاڑ رہی تھی۔

یہ سب کیا ہے؟ یکا یک میں نے سوچا۔ آج کے انسان کی یہ نئی نسل، جس نے بال بڑھا لیے ہیں، جو سلیقہ اور ترتیب سے نفرت کرتی ہے اور تہذیب و اخلاق اور سماجی قدروں کے دائرے سے باہر نکل گئی ہے، آخر یہ لوگ کس چیز سے فرار حاصل کر رہے ہیں۔ کس بات نے انہیں اتنا مایوس کیا ہے، کیا صدیوں کی تہذیبی اقدار سے یہ نسل یا آج کا انسان بالکل بیزار ہو چکا ہے۔ میں نے اپنے سامنے بیٹھی ہوئی ایک موٹی سی لڑکی کو دیکھا جو بار بار اپنے بوائے فرینڈ کو گردن سے پکڑ کر گھسیٹتی تھی اور چومنے لگتی تھی۔ اس لڑکی کے جسم پر کوئی بلاؤز نہیں تھا، صرف ایک باڈی تھی اور اس کا فربہ جسم بالکل عریاں تھا، لیکن اسے اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی۔

باربرا نے تیسرے گلاس کا آرڈر دیا پھر ایک سگریٹ جلا کر مجھے دی اور مسکرا کر بولی۔

''تم بور تو نہیں ہو رہے ہو؟''

''بالکل نہیں۔''

''میں کبھی کبھی یہاں آتی ہوں۔'' باربرا پھر بولی ''یہ بہت اچھا پب ہے۔ یہاں آ کر کم از کم کچھ دیر کے لیے میں اپنے سارے دکھ بھول جاتی ہوں۔ مجھے امید تھی کہ تم بھی اس جگہ کو پسند کرو گے۔''

''ہاں، واقعی یہ اچھا پب ہے۔''

یہ کہہ کر میں نے سگریٹ کا ایک طویل کش لیا، اور باربرا کے سیاہ چہرے کو دیکھا جو اس وقت اور بھی بہت زیادہ خوب صورت نظر آ رہا تھا۔ اب میری جھجک دور ہو چکی تھی اور وہسکی کے دو ڈبل پیگ کا نتیجہ یہ تھا کہ مجھے ہر شے رقص کرتی نظر آ رہی تھی۔ سرخ، نیلی اور سبز رنگ کی گہری روشنیاں جو پہلے ذہن پر ایک ناگوار بوجھ ڈال رہی تھیں، اب بھلی معلوم ہونے لگی تھیں۔ آنکھوں میں ہلکی ہلکی جلن ہو رہی تھی اور کان گرم ہو گئے تھے۔ اب تو چرس

کی بو بھی بری نہیں معلوم ہو رہی تھی اور لوگوں کے بے ڈھنگے، بے ترتیب کپڑے بھی خوامخواہ اچھے لگ رہے تھے۔ میں نے سامنے بیٹھی ہوئی فربہ اندام لڑکی کو دیکھا۔ اس کے سڈول شانے، بھرے بھرے بازو اور موٹی گردن واقعی حسین تھی۔ میں نے زور سے اپنی گردن دبائی، کیا مجھے نشہ ہو رہا ہے یقیناً یہی بات تھی۔ میں نے ایک اور سگریٹ جلائی اور باربرا سے کہا کہ وہ مزید شراب کا آرڈر دے۔

''میں خود ہی لے آتی ہوں۔'' یہ کہہ کر باربرا اٹھی اور بار کی طرف چلی گئی۔

میں نے پیر پھیلا دیئے اور آنکھیں بند کر لیں اور دھیرے دھیرے سگریٹ پیتا رہا۔ نشہ دم بدم بڑھ رہا تھا اور میرے ذہن میں مختلف خیالات آ رہے تھے جن کا کوئی واضح مفہوم نہیں تھا۔ بس دھندلے دھندلے سے نقوش تھے جیسے دھوئیں کی بہت سی لکیریں چکرا رہی ہوں لیکن دھوئیں کی ان لکیروں میں ایک تصویر کافی حد تک واضح تھی، اور وہ تھی باربرا کی تصویر، اس کی خوب صورت مسکراہٹ، اس کا بے مثال جسم، خدایا! یہ عورت سیاہ فام ہونے کے باوجود کتنی حسین ہے اور میں اس وقت تنہا ہوں اور نشے میں ہوں۔ میں نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ کتنی پیاس لگ رہی ہے، لیکن باربرا سے تو یہ پہلی ملاقات ہے۔ میں کیسے اس کو تشنگی کی کہانی سنا سکتا ہوں۔

باربرا جب واپس آئی تو تنہا نہیں تھی۔ اس کے ساتھ ایک لحیم شحیم شخص بھی تھا۔ ویسا ہی سیاہ فام، اس کا قد یقیناً چھ فٹ سے زیادہ تھا۔ جسم پر صرف ایک پتلون اور کھلی بنیان تھی۔ اس کی آنکھیں قدرے چھوٹی اور بھنویں بے حد گھنی تھیں۔ ناک لمبی اور نتھنے چوڑے تھے اور ہونٹ بے حد موٹے۔ ٹھوڑی پر ایک چھوٹی سی گول لیکن گھنی ڈاڑھی تھی جو اس کے حلیے کو خاصا ناخوشگوار بنا رہی تھی۔ سر کے بال چھوٹے اور گھنگھریالے تھے۔ باربرا نے اس کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

''راجو! ان سے ملو یہ ہیں میرے دوست سڈنی۔'' پھر وہ سڈنی کی طرف گھومی ''اور یہ میرے دوست راجو ہیں۔''

''خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔'' میں نے ہاتھ بڑھایا۔

لیکن اس کے ہونٹوں پر کوئی مسکراہٹ نہیں تھی۔ اس کا ہاتھ بھی ٹھنڈا تھا اور ہاتھ ہی کی طرح آواز بھی بھاری اور سرد تھی۔ رسمی کلمات کہنے کے بعد وہ ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

''آپ شاید باربرا کے نئے دوست ہیں؟''

''جی ہاں۔'' میں نے جواب دیا ''ہم آج ہی ملے ہیں۔''

جواب میں سڈنی نے کچھ کہا جو میں نہیں سن سکا۔ سڈنی کے ہاتھ میں بیئر کا گلاس تھا، اس نے اچانک ہونٹوں سے لگایا اور پھر ایک ہی سانس میں نصف سے زیادہ گلاس خالی کر دیا۔ اس کے انداز میں ایک وحشت تھی، ایک جھنجلاہٹ سی تھی پھر اس نے گلاس میز پر رکھا، ایک سگریٹ جلائی اور گردن موڑ کر باربرا سے بولا۔

''تم آج ڈانس نہیں کر رہی ہو؟''

''نہیں۔'' باربرا نے جواب دیا ''آج میں صرف پیوں گی۔''

میں نے گھڑی دیکھی، نو بج چکے تھے۔ پب کا ہجوم اب پہلے سے زیادہ بڑھ چکا تھا۔ شور، ہنگامے اور افراتفری میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ شراب کے گلاس قطار باندھ کر چل رہے تھے اور جام پر جام لنڈھاتے جا رہے

تھے۔ سامنے والی موٹی سفید فام لڑکی اب اچک کر اپنے بوائے فرینڈ کی گود میں بیٹھ گئی تھی اور بات بات پر قہقہے لگا رہی تھی پھر میں نے نگاہ کا زاویہ بدلا اور کمرے کے وسط میں دیکھا جہاں سڈنی ایک سیاہ فام لڑکی کے ساتھ ناچ رہا تھا مگر کیا واقعی وہ ناچ رہا تھا۔ نہیں، وہ ناچ ہرگز نہیں رہا تھا۔ وہ تو محض چند بے ترتیب حرکتیں تھیں۔ وہ دونوں کمر، کولہوں، شانوں اور سر کو زور زور سے ہلا رہے تھے اور چیخ رہے تھے۔ لڑکی لمبی اور قدرے بھاری بدن کی تھی۔ اس نے ایک انگی سی پتلون اور بے ہودہ سا بلاؤز پہن رکھا تھا۔ اس نے بالوں میں طرح طرح کے رنگین موتی پرو رکھے تھے اور ہونٹوں پر سبز لپ اسٹک کا گہرا شیڈ چڑھا رکھا تھا۔ میں تھوڑی دیر تک اس کے جذبات انگیز رقص کو دیکھتا رہا، پھر میں نے باربرا سے پوچھا۔

''کیا یہ لڑکی سڈنی کی دوست ہے؟''

''مجھے علم نہیں۔'' باربرا نے جواب دیا، اور اپنی کرسی ذرا میرے نزدیک کھسکالی۔ میں نے دیکھا، نشے سے باربرا کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ آواز بھاری ہو کر قدرے لڑکھڑانے لگی تھی۔ وہ بہت زیادہ خوش نظر آ رہی تھی۔ دمکتے چہرے سے پتہ چلتا تھا کہ اس کے اندر ہیجان سا برپا ہے لیکن یہ سمجھنا مشکل تھا کہ یہ ہیجان کیوں ہے۔ کیا وہ بہت جذباتی ہو رہی ہے یا صرف خوش ہے۔ وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے دھیرے دھیرے تھرک رہی تھی۔ میرا ایک ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا اور نگاہ سڈنی پر جمی تھی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

معاً میں نے پوچھا ''کیا سڈنی تمہارا گہرا دوست ہے؟''

''تمہارا مطلب ہے بوائے فرینڈ!'' اس نے پلٹ کر پوچھا۔

''ہاں۔''

''اوہ، نو۔'' اس نے یکا یک ہونٹ سکیڑ کر کہا ''تم شاید جلن محسوس کر رہے ہو، لیکن سڈنی میرا بوائے فرینڈ ہرگز نہیں ہے۔ میں اس سے نفرت کرتی ہوں لیکن ایک بات ہے، تم اس سے کبھی خوامخواہ الجھنے کی کوشش نہ کرنا۔''

''کیوں؟''

''وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔'' باربرا نے دھیرے سے کہا ''بہت خطرناک اور سنگدل آدمی ہے۔ ہمیشہ میرے پیچھے پڑا رہتا ہے، لیکن میں اسے منہ نہیں لگاتی ہوں۔ ممکن ہے میری وجہ سے کبھی وہ تمہیں پریشان کرنے کی کوشش کرے۔''

میں نے سڈنی کی طرف دیکھا۔ وہ جھوم جھوم کر کسی مست ہاتھی کی طرح ناچ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک کرخت سی مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ اپنے حلیے اور چہرے کے تاثرات سے وہ واقعی خودغرض اور سنگ دل قسم کا آدمی نظر آتا تھا۔ مجھ سے مخاطب بھی وہ اسی انداز میں ہوا تھا جیسے اس نے مجھے ناپسند کیا ہو لیکن یہ کوئی ضروری نہیں کہ وہ خوامخواہ الجھنے کی کوشش کرے۔ میں کوئی ایسی بات ہونے ہی نہیں دوں گا پھر بھی اگر وہ کبھی جبراً الجھ ہی پڑا تو..... میں نے سر کو زور سے جھٹکا۔ یہ سوچنا بیکار ہے۔ بلاوجہ پریشان ہونے سے کیا فائدہ۔ یہ سوچ کر میں نے اپنا پیگ اٹھایا اور حلق میں انڈیل لیا۔

آٹھواں پیگ ختم کرنے کے بعد ہم دونوں اٹھے تو گیارہ بج چکے تھے۔ لوگ ایک ایک کر کے جا رہے تھے۔ ہم دونوں باہر آئے۔ گلی میں نیم تاریکی تھی اور گلی مجھے ناچتی ہوئی نظر آ رہی تھی پھر بھی میں سنبھل سنبھل کر چلتا

رہا۔ میرا ہاتھ بدستور باربرا کے ہاتھ میں تھا اور اس کے ہاتھ کا گداز لمس میں اپنے دل میں اترتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ رات کا اندھیرا پھیلنے کے ساتھ ساتھ سردی میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ برفیلی ہوا چل رہی تھی لیکن یہ اور بات ہے کہ وہسکی کے باعث بری نہیں لگ رہی تھی۔ کچھ دور چل کر میں نے باربرا سے پوچھا کہ اب کہاں جانا ہے۔ باربرا نے سیدھا پکاڈلی چلنے کا مشورہ دیا۔ کیونکہ اب بس کے ملنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ پکاڈلی سے ٹیکسی پکڑ کر ہم دونوں شیفرڈز بش پہنچ سکتے تھے۔

''باربرا!'' دفعتاً پیچھے سے آواز آئی۔ مجھے یہ سمجھنے میں دشواری نہیں ہوئی کہ وہ سڈنی کی آواز تھی۔

''کیا بات ہے؟'' باربرا نے اونچی آواز میں پوچھا۔

''یہاں آ کر ذرا ایک بات سنو۔'' سڈنی نے کہا۔ وہ پب کے دروازے کے قریب کھڑا تھا۔

''تم ذرا ٹھہرو، میں آتی ہوں۔'' یہ کہہ کر باربرا سڈنی کی طرف چلی گئی۔

وہ دونوں آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ ان کے اور میرے درمیان کوئی پندرہ فٹ کا فاصلہ تھا، اس لیے ان کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی لیکن میں دھندلی دھندلی روشنی میں باربرا کے دونوں ہاتھ زور زور سے ہلتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی بات پر خفا ہو رہی ہے پھر ان کی آواز قدرے بلند ہو گئی اور مجھے اکا دکا الفاظ سنائی دینے لگے اور یہ اندازہ ہو گیا کہ سڈنی بھی خاصا مشتعل ہے۔ ایک بار اس نے غصے سے کہا۔

''تم مجھے جانتی ہو؟''

''تو کیا؟'' یہ باربرا کی آواز تھی۔

جواب میں سڈنی نے کچھ کہا جو مجھے سنائی نہیں دیا۔ البتہ ایک لفظ سمجھ میں آیا ''بچ!''

''شٹ اپ!'' پھر باربرا نے زور سے کہا۔

''میں تمہیں دیکھ لوں گا۔'' سڈنی نے کہا۔

''دفع ہو جاؤ۔'' باربرا غصے سے بولی۔

پھر وہ پلٹ کر پیر پٹختی ہوئی میری طرف چلی آئی۔ سڈنی وہیں کھڑا رہا اور زور زور سے کچھ کہتا رہا۔ میرے قریب آ کر باربرا نے میرا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھتی ہوئی بولی ''آؤ چلو۔''

''کیا کہتا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''حرامی ہے، کمینہ، ذلیل!'' باربرا تلخ لہجے میں بولی ''پتا نہیں خود کو کیا سمجھتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ میں کوئی سستی، بازاری، عورت ہوں لیکن میں اس کا دماغ درست کر دوں گی۔ دیکھ لینا تم.....''

''کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ میری وجہ سے وہ.....'' میں نے کہنا چاہا۔

''ارے چھوڑو بھی۔'' باربرا جھنجلا گئی ''اگر ایسا ہے بھی تو کیا۔ میں کوئی اس کی غلام ہوں اور تم بھی مت پروا کرو۔ وہ ہمارا کر ہی کیا سکتا ہے۔''

میں کچھ نہیں بولا۔ ابھی میں باربرا کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتا تھا، اور سڈنی کی بابت تو میری معلومات بالکل ہی صفر تھیں پھر ان کے ذاتی تعلقات کی نوعیت کیا تھی، یہ بھی مجھے معلوم نہیں تھا، لہٰذا میں کیا تبصرہ کرتا۔ چپ چاپ چلتا رہا اور باربرا کی آواز سنتا رہا۔ وہ مسلسل سڈنی کو برا بھلا کہے جا رہی تھی۔ گلی سے نکل کر ہم

کچھ دیر میں پکاڈلی پہنچ گئے۔ وہاں ہر ٹیکسی اسٹینڈ پر لمبی لمبی لائنیں لگی ہوئی تھیں۔ اب کہرا بھی گرنے لگا تھا اور سردی میں اضافہ ہوگیا تھا پھر بھی پکاڈلی کی رونق میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ رات اپنا جادو بدستور جگا رہی تھی ہم دونوں چپ چاپ ایک لائن میں کھڑے ہوگئے۔ کیونکہ یہ بات تو طے تھی کہ ہمیں ٹیکسی ایک گھنٹے سے پہلے نہیں مل سکتی تھی۔

☆☆☆

اگلے دو تین دن باربرا سے میری ملاقات نہیں ہوئی۔ میں شیفرڈز بش کی جس اسٹریٹ میں رہتا تھا وہاں سے باربرا کا مکان کوئی دو تین فرلانگ کے فاصلے پر واقع پارکر اسٹریٹ میں تھا اور باربرا سے ملنے کے لیے وہاں خوامخواہ جانے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ پتا نہیں وہ کیا سوچے گی۔ میں بہرحال اپنے آپ کو ہلکا نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن چوتھے دن جب میں شام کو گھر واپس آیا تو پیج میں ایک لفافہ پڑا ہوا تھا۔ یہ باربرا کا خط تھا۔ تحریر کے مطابق وہ مجھ سے ملنے کے لیے گھر آئی تھی، میں موجود نہیں تھا لہٰذا اپنی آمد کی اطلاع چھوڑ کر چلی گئی۔ اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ وہ اپنی سہیلی سے ملنے چیرنگ کراس جا رہی ہے اور یہ کہ اگر مجھے فرصت ہو تو میں چیرنگ کراس ریلوے اسٹیشن کے باہر سات بجے اس کا انتظار کروں۔

مجھے فرصت ہی فرصت تھی، اور اس وقت صرف پانچ ہی بجے تھے لہٰذا میں فوراً ہی روانہ ہوگیا۔ چیرنگ کراس کا ریلوے اسٹیشن بہت بڑا ہے۔ مقامی اور غیر مقامی مسافروں کی آمد و رفت ہر وقت جاری رہتی ہے۔ مجھے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ باربرا ٹھیک سات بج کر پانچ منٹ پر آ گئی۔ وہ پہلے کی طرح آج بھی دلکش نظر آ رہی تھی۔ تر و تازہ اور پھول کی طرح کھلی ہوئی اور شاداب، اس نے ہلکے عنابی رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ پیروں میں اسی رنگ کے سینڈل تھے۔ پرس بھی ویسا ہی تھا۔ ہاتھ میں ایک چھوٹا سا پیکٹ تھا جو سبز ربن سے بندھا ہوا تھا۔ میرے قریب آ کر اس نے بے حد مسرت انگیز لہجے میں کہا۔

''ہیلو راجو! کیسے ہو؟''

''اچھا ہوں، تم سناؤ۔''

''ٹھیک ہی ہوں۔ تم تین دن سے ملے نہیں، کہاں غائب ہوگئے تھے؟''

''ذرا مصروف رہا۔'' میں نے جواب دیا ''پھر میں تمہارے مکان کا نمبر بھی بھول گیا تھا۔''

''حد ہوگئی۔'' باربرا شوخی سے بولی ''اس طرح کسی دن تم مجھے بھی بھول جاؤ گے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ آج میں تمہیں اپنے گھر لے چلوں گی۔ تاکہ آئندہ نمبر بھولنے کا امکان ہی نہ رہے۔''

میں مسکرا دیا ''مگر اس وقت ہم کہاں چل رہے ہیں؟''

''اگر تمہیں فرصت ہو تو ذرا ویسٹ منسٹر تک چلیں گے۔ وہاں مجھے ایک چھوٹا سا کام ہے۔ اس کے بعد کسی پب یا کلب پر حملہ کریں گے۔''

مجھے تو فرصت ہی تھی لہٰذا ہم چل پڑے۔ ویسٹ منسٹر بہت خوب صورت جگہ ہے اور اس کی ایک تاریخ ہے جو صدیوں پر محیط ہے۔ یہاں پارلیمنٹ ہاؤس ہے۔ اس عمارت کے اندر بیٹھ کر اس قوم نے دنیا کے تین چوتھائی حصے پر حکومت کی ہے اور کروڑوں انسانوں کی قسمت کے فیصلے کیے ہیں۔ پارلیمنٹ کی عمارت کے عین عقب میں

دریائے ٹیمز بہتا ہے جس کا ٹھنڈا پانی برسہا برس سے انگریز قوم کے عروج و زوال کا تماشا دیکھتا چلا آیا ہے۔ باربرا کو وہاں واقعی کوئی چھوٹا سا کام تھا کیونکہ وہ مجھے باہر سڑک پر چھوڑ کر ایک عمارت کی اوپری منزل میں گئی اور کوئی دس منٹ میں واپس آ گئی۔

''چلو ڈیر! اب میں بالکل فری ہوں۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''کہاں چلنا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے بل اینڈ رائل میں چلیں۔'' باربرا نے تجویز کیا۔

بل اینڈ رائل شیفرڈز بش میں ہی واقع تھا اور بہت اچھا شراب خانہ تھا۔ وہاں کی لاگر مجھے بہت پسند تھی۔ لہٰذا میں فوراً تیار ہو گیا۔ ویسے بھی باربرا کی تجویز یہ تھی کہ بل اینڈ رائل میں دو چار ڈرنک لے کر گھر چلیں گے کیونکہ وہ صرف مجھے اپنا گھر ہی دکھانا چاہتی تھی بلکہ اسے کچھ ضروری باتیں بھی کرنی تھیں۔

بل اینڈ رائل سے جب ہم نکلے تو ساڑھے نو بج چکے تھے۔ باربرا نے زیادہ نہیں پی تھی لیکن میں لاگر کی چار بوتلیں پی گیا تھا اور مجھے کافی نشہ ہو گیا تھا۔ باربرا کا گھر وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا اور پارکر اسٹریٹ ایسی جگہ پر واقع تھی جہاں سناٹا ہی رہتا تھا۔ اسٹریٹ چونکہ ایک طرف سے بند تھی لہٰذا کسی قسم کا ٹریفک بھی نہیں رہتا تھا۔ مکان پر پہنچ کر باربرا نے بیگ سے چابی نکالی اور تالا کھولتے ہوئے کہا۔

''اس مکان کا نمبر 13 ہے اور یہاں بڑی کوششوں کے بعد میں نے کمرا حاصل کیا ہے، جانتے ہو کیوں؟''

''شاید تمہارا لکی نمبر ہے۔''

''بالکل ٹھیک!'' باربرا نے جواب دیا ''میں تیرہ اپریل کو پیدا ہوئی تھی۔ تیرہ مارچ کو انگلینڈ آئی اور بھی کئی خاص واقعات اس تاریخ سے وابستہ ہیں۔ میں ہمیشہ تیرہ نمبر کے مکان میں رہنا پسند کرتی ہوں۔''

ہم اندر داخل ہوئے۔ سٹنگ روم میں ایک عورت موجود تھی جو دراصل اس مکان کی مالک تھی۔ وہ ادھیڑ عمر کی قدرے فربہ اندام عورت تھی۔ اس کا چہرہ جسم کی مناسبت سے کچھ بڑا محسوس ہوتا تھا۔ ہونٹ پتلے اور دلکش تھے اور ان پر ایک خلیق مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ تعارف کی رسم کے بعد باربرا نے اس سے کہا۔

''کیا تم جا رہی ہو آئرین؟''

''ہاں۔'' آئرین نے جواب دیا ''سوچ رہی تھی تم آ جاؤ تو جاؤں۔''

''صبح آؤ گی؟''

''ہاں۔'' یہ کہہ کر آئرین نے ایک چھوٹا سا ہینڈ بیگ اٹھایا۔ مسکرا کر مجھے اور باربرا کو شب بخیر کہا اور باہر نکل گئی۔

''آئرین کی ایک بہن ریڈنگ میں رہتی ہے۔'' قدرے توقف کے بعد باربرا نے کہا ''کبھی کبھی آئرین وہاں جاتی ہے تو رات ٹھہر کر ہی آتی ہے اور سچ بات یہ ہے کہ آئرین بہت نیک دل عورت ہے۔ لوگوں سے پیار کرنے کا فن جانتی ہے۔ یہاں اس ملک میں رنگ اور نسل کا اتنا تعصب ہے، اس کے باوجود آئرین نے مجھے کمرا دے دیا۔ کوئی دوسرا ہوتا تو شاید کسی قیمت پر نہ دیتا۔''

''یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔''

یہ کہہ کر میں صوفے پر بیٹھ گیا اور گردوپیش پر نظر ڈالی۔ سٹنگ روم خاصا کشادہ تھا اور اعلیٰ درجے کے سامان آرائش سے آراستہ تھا۔ فرش پر دبیز قالین تھا۔ فائر پلیس کے سامنے ایک قیمتی رگ پڑا ہوا تھا۔ کھڑکی، ٹیلی ویژن اور ٹیبل پر مصنوعی پھولوں کے گلدستے سجے ہوئے تھے۔ دائیں جانب ایک چھوٹا سا شوکیس رکھا تھا۔ میں نے یونہی سرسری طور پر اس پر نگاہ ڈالی تھی لیکن پھر اچانک چونک پڑا۔ شوکیس کے اندر ایک سرخ مخملی ڈبہ رکھا ہوا تھا اور ڈبے کے اندر مٹیالے رنگ کے کپڑوں کے کچھ ٹکڑے رکھے تھے۔ چونکہ ڈھکن کھلا ہوا تھا لہٰذا ان ٹکڑوں کو دیکھنے میں مجھے کوئی دشواری نہیں ہوئی لیکن جس بات نے میرے تجسس کو ابھارا، وہ یہ تھی کہ کپڑے کے وہ بظاہر حقیر ٹکڑے اتنی احتیاط سے کیوں رکھے گئے تھے۔ میں اٹھ کر شوکیس کے قریب گیا۔ جھک کر ان ٹکڑوں کو غور سے دیکھا۔ واقعی وہ ٹکڑے بہت معمولی اور بوسیدہ نظر آتے تھے۔ میں نے گھوم کر باربرا کو دیکھا۔

''یہ کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ارے یہ محض چند کپڑے کے ٹکڑے ہیں۔'' باربرا نے لاپرواہی سے کہا ''آئرین کو مصریات سے بہت زیادہ دلچسپی ہے۔ ایک بار وہ مصر بھی گئی تھی اور وہاں ریگستانوں میں مہینوں گھومتی رہی تھی اور یہ ٹکڑے وہیں سے لے کر آئی تھی۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ ٹکڑے کسی ممی کی لاش سے اتارے گئے تھے۔''

''ممی کی لاش سے!'' میں نے حیرت سے کہا ''یعنی تمہارا مطلب ہے کہ یہ ٹکڑے ان پٹیوں کے ہیں جو حنوط شدہ ممی کے جسم کے گرد لپٹی رہتی ہیں۔''

''ہاں۔''

''مگر آئرین نے انہیں یہاں کیوں رکھ چھوڑا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''خدا جانے، اسے اس قسم کی پرانی چیزیں رکھنے کا شوق ہے۔'' باربرا نے جواب دیا پھر ہنس کر بولی ''چھوڑو بھئی، تم کس فکر میں پڑ گئے۔ لوگوں کو تو طرح طرح کے شوق ہوتے ہیں۔ یہ دیکھو، میں تمہارے لیے کیا لائی ہوں؟''

میں نے دیکھا، وہ پیکٹ جو چیرنگ کراس سے اب تک باربرا کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا، اب اس نے کھول لیا تھا اور ایک خوب صورت ٹائی اس کے ہاتھ میں جھول رہی تھی۔ اس نے مسکرا کر کہا ''یہ میں تمہارے لیے لائی ہوں۔''

''مگر کیوں؟''

اس نے میرے گال پر ایک چپ رسید کی ''دوست کوئی تحفہ پیش کریں تو ایسا سوال کبھی نہیں کرتے۔''

میں مسکرا دیا۔ باربرا بھی مسکرا رہی تھی۔ پتا نہیں کیوں، لیکن وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ میں نے کہانیوں میں کالے گلاب کے بارے میں پڑھا تھا لیکن کبھی دیکھا نہیں تھا۔ اب یہ پہلا موقع تھا کہ میں کالا گلاب دیکھ رہا تھا۔ بے حد شاداب، بے حد تروتازہ اور نکہت انگیز۔ وفور مسرت سے اس کا چہرہ کچھ ایسا ہی کھلا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے شکریہ ادا کیا تو وہ مسکرا کر بولی۔

''اس کی کیا ضرورت ہے۔'' پھر اس نے اضافہ کیا ''اچھا بتاؤ کیا پیو گے۔ چائے، کافی یا وہسکی؟''

بل اینڈ رائل میں پی ہوئی لاگر کا نشہ ابھی باقی تھا۔ دل و دماغ پر ایک سرور انگیز کیفیت ابھی طاری تھی۔

چنانچہ میں نے سوچا کہ چائے یا کافی پینا بڑی غیر رومانی اور احمقانہ بات ہوگی۔ جب ایسی خوب صورت رات ہو، جب بند کمرے کی تنہائی ہو اور جب باربرا جیسی حسین لڑکی کا ساتھ میسر ہو تو صرف وہسکی پی جاتی ہے یا برانڈی پی جاتی ہے یا شیمپین پی جاتی ہے۔ چنانچہ میں نے کہا۔

''وہسکی۔''

''تمہیں دو چار منٹ انتظار کرنا ہوگا۔'' باربرا نے کہا ''میں ذرا سینڈوچ بنالوں، بڑی بھوک لگ رہی ہے۔''

یہ کہہ کر وہ کچن میں چلی گئی۔ میں صوفے پر ذرا کھل کر نیم دراز ہوگیا اور ہولے ہولے سگریٹ پینے لگا۔ میرے ذہن میں اس وقت کچھ نہیں تھا۔ میں خود کو کافی مسرور ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ لندن میں پچھلے آٹھ ماہ تنہائی اور بیزاری میں گزرے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ باربرا جیسی خوب صورت اور ہنس مکھ لڑکی کا ساتھ نصیب ہوا تھا۔ غیر ممالک میں جہاں لوگ مختلف ہوں، زبان اور رسم و رواج مختلف ہوں، عملی اور ذہنی تنہائی بڑی اذیت ناک ہوتی ہے لیکن کسی کا ساتھ میسر آجائے تو پھر فرصت کے لمحات خوشگوار ہو جاتے ہیں۔ باربرا کو پا کر میرے احساسات بھی کچھ ایسے ہی تھے۔

میں کمرے میں تنہا تھا اور باربرا کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ معاً میری نگاہ پھر کپڑے کے ان ٹکڑوں پر چلی گئی۔ جو الماری میں رکھے تھے اور تب یک لخت باربرا میرے ذہن سے نکل گئی۔ میں محویت کے عالم میں ان ٹکڑوں کو دیکھنے لگا۔ گو وہ معمولی سے بوسیدہ ٹکڑے تھے مگر نہ جانے کیوں میں خود بخود انہیں دیکھے چلا جا رہا تھا مجھے کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ٹکڑے معمولی نہیں ہیں، بلکہ ان میں ایک اشاریت ہے۔ ایک خاص اہمیت ہے لیکن یہ اشاریت اور اہمیت کیا ہے، یہ مجھے معلوم نہیں تھا۔ ان ٹکڑوں میں جو بھی خاص بات تھی، اسے میں سمجھ نہیں سکتا تھا صرف محسوس کر سکتا تھا اور وہ بھی واضح طور پر نہیں، بلکہ بہت ہی مبہم طور پر۔ کئی لمحے یونہی نکل گئے۔ میں انہیں دیکھتا رہا پھر یکا یک میں نے گردن گھما کر اپنے بائیں جانب دیکھا، مگر وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ حالانکہ مجھے ایسا لگا تھا جیسے کوئی ہولے ہولے چل رہا ہو۔

یکا یک میں نے دو انگلیاں کنپٹی پر رکھ کر زور زور سے دبایا۔ کیا مجھے بہت نشہ ہوگیا ہے یا میں کوئی سپنا دیکھ رہا ہوں یا میرے کان خوامخواہ آہٹیں سن رہے ہیں مگر نہ تو میں سپنا دیکھ رہا تھا اور نہ بہت زیادہ نشے میں تھا۔ میں نے وہ آہٹیں سنی تھیں، بالکل واضح طور پر، ہلکی ہلکی آہٹیں، جیسے کوئی ننگے پیر قالین پر ہولے ہولے چل رہا ہو۔ قدموں کی وہ خفیف چاپ میرے بائیں جانب سے آگے بڑھ کر کھڑکی کے پاس پہنچی، وہاں سے اس الماری کے پاس، جس میں کپڑے کی دھجیاں رکھی تھیں پھر وہ چاپ آگے بڑھی اور آتش دان کے آگے سے ہوتی ہوئی دائیں طرف کی دیوار کے قریب پہنچی اور ایک لمحے کے لیے ٹھہر گئی۔ میں خاموش اور ساکت قالین کے اس حصے کو گھور رہا تھا، جہاں میری دانست میں وہ چاپ ٹھہری تھی۔ وہ ایک لمحہ بہت جان لیوا بن کر گزرا پھر وہ چاپ متحرک ہوئی اور میں نے آہستہ آہستہ اسے اپنی طرف بڑھتے ہوئے محسوس کیا۔ قدم بقدم اپنے سے نزدیک ہوتے ہوئے محسوس کیا۔ میری دھڑکنیں تیز ہوگئی تھیں اور شاید پیشانی پر پسینہ بھی آگیا تھا۔ وہ چاپ دھیرے دھیرے قریب آتی گئی اور پھر یکا یک میرے سامنے رک گئی۔ مجھ سے صرف ایک فٹ کے فاصلے پر اور اگرچہ یہ خاصی عجیب سی بات تھی مگر میں نے غیر ارادی طور پر اور بے اختیار سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ جیسے میرا لاشعور وہاں کسی فرد کا چہرہ دیکھنے کا

متوقع رہا ہو مگر وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا پھر میں نے نیچے قالین پر دیکھا۔ یہاں میرے احساس کے مطابق ان قدموں کو ہونا چاہیے تھا۔ جن سے آہٹ پیدا ہوئی تھی پھر ٹھیک اسی وقت ایک اور عجیب بات ہوئی۔ معاً میں نے سانسوں کی آواز سنی، بالکل مدھم مدھم، جیسے کوئی میرے نزدیک بیٹھا ہو۔ میں نے یکا یک متوحش ہو کر غیر ارادی طور پر کہا۔

''کون ہے؟''

اسی وقت دروازہ کھلا اور باربرا اندر داخل ہوئی۔ اس نے شاید میری بات سن لی تھی، حیران ہو کر بولی۔

''کیا بات ہے؟''

''یہاں..... یہاں کوئی تھا۔'' میں نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

''کیا مطلب!'' وہ اور زیادہ حیران ہوئی۔

''یہاں اس کمرے میں کوئی موجود تھا۔''

''مذاق مت کرو۔'' وہ یکا یک مسکرا دی ''یہاں تو کیا، پورے گھر میں میرے اور تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہے۔''

''مگر میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' میں پر زور لہجے میں بولا ''یہاں ضرور کوئی تھا اور چل پھر رہا تھا۔ میں نے قدموں کی چاپ بالکل صاف سنی تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا، میرے بائیں جانب سے چل کر پورے کمرے کا چکر کاٹتا ہوا میرے سامنے آ کر ٹھہر گیا تھا پھر شاید وہ میرے قریب صوفے پر بیٹھ گیا، کیونکہ میں نے سانسوں کی آوازیں بھی صاف سنی تھیں۔''

باربرا نے ٹرے ٹیبل پر رکھی پھر میرے پہلو میں بیٹھ گئی اور شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی ''تمہیں یقیناً وہم ہوا ہے۔ یہاں تو کوئی بھی نہیں۔''

''مگر میں سچ کہہ رہا ہوں۔''

''ہو سکتا ہے تم نے آہٹیں سنی ہوں مگر یہ وہم کے سوا کچھ نہیں۔ کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔''

میں چپ ہو گیا۔ شاید ایسا ہی ہو، شاید مجھے وہم ہی ہوا ہو۔ کبھی کبھی وہم اتنا بھرپور ہوتا ہے کہ اس پر حقیقت کا گمان ہوتا ہے۔ میں لمحہ بھر چپ رہا پھر میں نے پیشانی کا پسینہ پسینہ پونچھا، بالوں میں انگلیاں پھیریں اور اپنے آپ کو سنبھال کر مسکرا کر کہا۔

''شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔''

''سینڈوچز کھاؤ گے؟'' باربرا نے بڑی لگاوٹ سے کہا۔

''اگر یہ بیف یا ہیم کے ہیں تو مجھے افسوس ہے۔''

''میں جانتی تھی کہ تمہارا مذہب اجازت نہیں دیتا۔'' وہ مسکرائی ''مگر اطمینان رکھو، یہ چیز اور انڈے کے ہیں۔''

میں نے ایک سینڈوچ اٹھا لیا۔ باربرا وہسکی کے دو بڑے پیگ بنا لائی اور صوفے پر میرے قریب دونوں پیر اوپر اٹھا کر بیٹھ گئی۔ اس طرح کہ اس کا سارا بدن میرے جسم سے چھو رہا تھا اور میرے احساس میں لطف و سرور کی

ہلکی ہلکی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ سینڈوچ مجھے بہت اچھے لگ رہے تھے یا تو وہ بنے ہی اچھے تھے، یا ماحول کا اثر تھا۔ ہم کھاتے، پیتے اور باتیں کرتے رہے۔ وہسکی کو تلخ تھی، مگر اس کا ہر گھونٹ نشاط انگیز تھا۔ ایک کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا پیگ چلا۔ سینڈوچ سے فارغ ہو کر میں نے سگریٹ جلائی۔ ایک اپنے لیے اور ایک باربرا کے لیے۔ اس کی سگریٹ اس کے گداز ہونٹوں میں لگا کر میں نے کہا۔

''میرا خیال ہے اب مجھے چلنا چاہیے۔ کافی وقت ہو چکا ہے۔''

''ارے ابھی سے!'' باربرا حیران ہو کر بولی ''ابھی تو رات شروع ہی ہوئی ہے۔''

''تمہیں نیند نہیں آ رہی ہوگی؟'' میں نے کہا۔

''جب تمہارے جیسا دوست ساتھ میں ہو تو نیند کہاں آتی ہے۔'' اس نے شوخی سے جواب دیا۔

میں ہنس دیا ''اچھا خیر، ایک پیگ اور بناؤ۔''

باربرا نے کوئی دو انچ شراب گلاس میں انڈیلی اور گلاس میرے سامنے رکھ دیا۔ میں نے سائفن کے لیے ہاتھ بڑھایا تو باربرا نے ایک ہاتھ سے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے میرے گال پر دائرہ بنا کر بولی۔

''ایسے ہی پیو۔''

''بہتر ہے۔'' میں نے گلاس اٹھا کر ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا اور نئی سگریٹ جلائی۔ اب مجھے کافی نشہ ہو گیا تھا۔ ذہن میں چھوٹے چھوٹے دائرے بن رہے تھے۔ آنکھوں کے سامنے دلکش رنگوں کی ننھی ننھی لہریں ناچ رہی تھیں اور ہر شے خواہ مخواہ خوب صورت دکھائی دے رہی تھی۔ کھڑکی پر سجا ہوا گلدان، دیواروں پر آویزاں تصویریں، قالین کا رنگ برنگا ڈیزائن اور کھلونے جو آتش دان پر سجے تھے۔ باربرا اور وہ ٹکڑے بھی جو شوکیس میں رکھے تھے۔ میں نے یکا یک باربرا سے کہا۔

''دنیا کبھی کبھی بہت حسین ہو جاتی ہے، ہے نا؟''

''اس دنیا میں بہت حسن ہے۔'' باربرا کے لہجے میں بڑی نغمگی تھی ''اک ذرا سا حسن میسر ہو تو پھر حسن کی کمی نہیں۔ یہاں رنگ برنگ پھول ہیں اور نشاط انگیز خوشبوئیں ہیں۔ نیلا آسمان ہے اور طلسمی رات ہے، روح پرور موسیقی ہے اور.....''

''اور خوب صورت لڑکیاں ہیں۔'' میں نے ہنس کر اس کی بات کاٹی۔

''ہاں، اور دلکش مرد ہیں۔'' وہ بھی ہنسی ''جیسے تم ہو۔ وجیہہ، پروقار اور خوب صورت۔ کیا تم نے کبھی اپنے دیوتاؤں جیسے جمال کا احساس کیا ہے؟''

''خدا جانے۔'' میں نے معاً غمگین ہو کر کہا ''لیکن تمہاری طرح فریدہ بھی یہی کہتی تھی۔''

''فریدہ کون؟''

''ایک لڑکی تھی۔'' میں نے ماضی کے دور دراز فاصلوں سے آتی ہوئی اپنی آواز سنی ''بڑی خوب صورت لڑکی تھی۔ پھولوں میں جتنے بھی رنگ ہوتے ہیں اور نکہتیں ہوتی ہیں، وہ ان سب سے مل کر بنی تھی۔ میں نے اس کو اس طرح چاہا کہ اپنے آپ سے بیگانہ ہو گیا..... مگر وہ بڑی بے وفا تھی مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ کسی اور کے شبستان میں آباد ہوئی۔ کیونکہ اسے محبت نہیں چاہیے تھی۔ اسے کار، بنگلے، بینک بیلنس اور نوکروں کی فوج درکار تھی، جو میں

مہیا نہیں کر سکتا تھا۔''

''یہی ہونا تھا۔'' معاً بار برا نے گردن اٹھائی اور پلک جھپکائے بغیر چھت کو گھورتی ہوئی بولی'' کیونکہ جو کچھ آسمانوں پر لکھا گیا، وہ پورا ہوگا۔ زمین میں اتری ہوئی پیشگوئیاں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ فریدہ تمہاری منزل نہیں تھی۔ یہ ساری دنیا تمہاری منتظر ہے اور آنے والا زمانہ تمہارے انتظار میں فرشِ راہ ہے۔ اب وہ سب کچھ شرمندۂ تکمیل ہوگا جو رقوم ہو چکا ہے۔ صدیوں کا انتظار ختم ہو جائے گا اور ہزاروں لاکھوں سجدے تمہاری راہوں کو روشن کریں گے اور تمہارے لبوں کی اک جنبش ان گنت.....''

''بار برا..... بار برا..... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟'' میں نے جلدی سے کہا۔

بار برا نے اچانک چونک کر مجھے دیکھا'' کیا ہوا؟''

''تم کیا کہہ رہی تھیں؟''

''کچھ نہیں۔'' وہ خجالت سے مسکرائی'' بس یونہی۔ کبھی کبھی جانے کیا ہوتا ہے۔ ہاں، تم فریدہ کا ذکر کر رہے تھے..... تو تمہیں چھوڑ کر وہ چلی گئی۔''

''ہاں۔''

''مگر تم غم کیوں کرتے ہو۔'' بار برا نے انگلی سے میرے گال پر دائرہ بنایا'' تمہارے لیے اس دنیا میں کیا کمی ہے۔ ان گنت لڑکیاں ہیں اور بے شمار محبت بھری بانہیں تمہارے لیے پھیل سکتی ہیں پھر تم صرف ایک لڑکی کا غم کیوں کرتے ہو۔''

میں نے اس کی سیاہ خوب صورت پنڈلی کو گھورا'' اگر میں دوسری لڑکیوں سے عشق لڑاتا پھروں تو کیا تمہیں حسد نہیں ہوگا؟''

''مجھے حسد کیوں ہو۔ میں تو تمہاری داسی ہوں۔''

''معلوم ہوتا ہے، تم نے ہندو دیو مالا خوب پڑھی ہے۔''

''یہ میری اپنی دیو مالا ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا'' جو کتابوں میں لکھی ہے۔''

یہ سن کر میں بھی مسکرا دیا۔ بار برا اور کھل کر مسکرانے لگی۔ اس کی مسکراہٹ پہلے سے زیادہ دلکش اور برق پاش ہوگئی۔ تبھی میں نے دیکھا کہ بار برا نے اپنا ایک ہاتھ میری کمر میں ڈال دیا اور دوسرا ہاتھ میری گردن میں اور پھر اس کا چہرہ لمحہ بہ لمحہ میرے چہرے کے نزدیک آنے لگا۔ میں مبہوت سا بیٹھا رہا اور پلک جھپکائے بغیر اسے دیکھتا رہا۔ اس کا چہرہ یک بیک جذبات کی فراوانی سے قندیل کی طرح روشن ہو گیا تھا، میرے نزدیک آتا گیا۔ آہستہ آہستہ..... بالکل آہستہ آہستہ..... پھر میں نے اس کی تیز اور گرم اور معطر سانسیں اپنے گالوں پر محسوس کیں۔ ان سانسوں میں اتنی تپش تھی کہ میرے چہرے کی جلد جلنے لگی۔ میں نے اس سے پہلے کبھی کسی افریقی یا نیگرو لڑکی کو نہیں چوما تھا۔ یہ پہلا موقع تھا، پہلا تجربہ تھا اور پہلا تجربہ ایسا تھا کہ میں بے حال ہو گیا۔ اک انوکھی سی بے خودی رگ رگ میں اترتی چلی گئی۔ اس کے ہونٹوں کی مٹھاس نے اور لذت انگیز تپش اور بے خود کر دینے والی مہک نے سچ مچ مجھے مدہوش سا کر دیا پھر میں نے اس کا نچلا ہونٹ دانتوں سے کاٹا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''شریر!''

''تم بہت خوب صورت ہو۔'' میں نے کہا۔
''میں تو تمہاری داسی ہوں۔ تمہیں یاد ہے، ایک دن میں نے کچھ کہا تھا۔''
میں نے گلاس میں مزید شراب انڈیلی۔ ایک گھونٹ بھرا، پھر ایک سگریٹ جلا کر کہا ''میں بڑا واہیات آدمی ہوں۔ تم نے ضرور کچھ کہا ہوگا، مگر مجھے بالکل یاد نہیں۔''
''میں نے کہا تھا کہ کسی دن میں تمہیں اپنا جسم دکھاؤں گی پھر تم فیصلہ کرنا کہ میں خوب صورت ہوں یا نہیں۔''
میرا دل یکا یک اچھل کر حلق میں آ گیا ''ہاں، کہا تو تھا۔''
''تو پھر کیا فیصلہ نہیں کرو گے؟''
میں نے جلدی سے گلاس اٹھا کر ایک گھونٹ بھرا اور باربرا کو دیکھنے لگا۔ وہ اٹھ کر شوکیس کے برابر میں رکھی ہوئی ٹیبل تک گئی۔ ٹیبل پر ایک ریکارڈ پلیئر رکھا ہوا تھا اور ساتھ ہی ریکارڈوں کا ریک بھی تھا۔ باربرا نے ریکارڈ پلیئر کا ڈھکن اتار کر اسے آن کیا پھر ریک سے ایک لانگ پلے ریکارڈ منتخب کیا اور دوسرے لمحے کمرے میں ہلکی ہلکی موسیقی گونجنے لگی جو کہ لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ شاید وہ موسیقی اسی طرح کمپوز کی گئی تھی۔ میری نگاہیں بدستور باربرا کا تعاقب کر رہی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آتش دان کے سامنے آ کر ٹھہر گئی اور مسکرا کر مجھے دیکھنے لگی پھر اس نے اپنے پیروں اور کمر کو جنبش دی صرف ایک بار، اس کے بعد پھر سیدھی کھڑی ہوگئی اور مجھے بہت غور سے، بہت دھیان اور جذبے سے ایک ثانیہ تک دیکھتی رہی پھر اس نے ایک عجیب سی حرکت کی۔ یکا یک اس نے دونوں ہاتھ سینے تک اٹھا کر میرے سامنے جوڑ دیئے سر کو جھکا دیا، اور پھر کمر کو خم دے کر میرے سامنے جھکتی چلی گئی۔ جیسے کوئی پجارن یا دیوداسی، دیوتا کے سامنے عقیدت سے زمیں بوس ہوتی ہے۔ میں نے خیال کیا کہ یہ محض اس کی شرارت ہے۔ آخر شراب صرف میں نے ہی تو نہیں، اس نے بھی پی ہے اور میری طرح وہ بھی نشے میں ہے اور جب آدمی نشے میں ہو تو اس کے افعال اس کی بہکی ہوئی ذہنی رو کے طابع ہوتے ہیں۔ یہ رواس سے عجیب عجیب حرکات سرزد کراتی ہے۔ چنانچہ باربرا کی یہ حرکت بھی محض نشے کی ایک ترنگ ہے۔ اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔ میں یہ سوچ کر مسکرانے لگا۔
باربرا کوئی تیس سیکنڈ تک جھکی رہی۔ اس کے بعد وہ تن کر سیدھی کھڑی ہوگئی اور آہستہ سے بولی۔
''ایمن۔''
پھر اس نے اپنے پیروں کو اور کمر کو دوبارہ جنبش دی اور ہولے ہولے رقص کرنے لگی۔ موسیقی کی آواز اب قدرے تیز ہوگئی تھی اور اب پہلی بار میں نے محسوس کیا کہ وہ موسیقی کچھ عجیب سی تھی۔ کسی حد تک اجنبی اور نامانوس۔ اس میں کچھ ایسے ساز استعمال کیے گئے تھے جن کی آواز میں نے پہلے کبھی نہیں سنی۔ نہ ہی میں ان سازوں کے نام جانتا تھا۔ اس میں کہیں کہیں ناقوس کی ہلکی سی صدا بھی شامل تھی اور گھنٹیوں کی آواز بھی استعمال کی گئی تھی۔ موسیقی کا مجموعی تاثر بہت گہرا تھا اور دل اور دماغ پر ایک ناقابل فہم اور انجانا احساس طاری کر رہا تھا۔ اس کی گونج اعصاب کو مفلوج سا کر رہی تھی، نہیں بلکہ انہیں کشیدہ کر رہی تھی یا شاید دونوں ہی باتیں بیک وقت تھیں۔ کشیدگی اور انجماد کا ملا جلا احساس مجھ پر طاری ہو رہا تھا۔ میں ایک سی محویت اور خود رفتگی کی حالت میں موسیقی سن رہا تھا اور ناچ رہا تھا۔ باربرا کے رقص کا انداز بھی میرے لیے کافی حد تک نیا تھا۔ جتنے بھی مروجہ مغربی

رقص تھے، یہ ان میں سے کوئی نہیں تھا۔ اس میں ایک عجیب سی شوریدہ سری تھی۔ تیزی اور روانی تھی۔ اس کی کمر، کولہوں، ٹانگوں اور شانوں کی حرکات بھی نئی تھیں۔ برسوں پہلے میں نے ایک دھارمک فلم دیکھی تھی جس میں آسمان پر بھگوان وشنو کے دربار کا سین دکھایا گیا تھا۔ فلم کی کہانی کے مطابق دھرتی سے آئی ہوئی ایک نرتکی کو بھگوان وشنو کے سامنے فرتبہ کا مظاہرہ کرنا تھا۔ وہ رقص بہت اچھا اور خالص دھارمک تھا اور رقص کے ایک ایک زاویے اور جسم کی ایک ایک جنبش سے ہندو دیو مالا کی ہزاروں سال پرانی مذہبی روایات کا اظہار ہوتا تھا۔ باربرا کا رقص یقینی طور پر ویسا نہیں تھا لیکن کافی حد تک اس سے ملتا جلتا تھا۔ جسم کی حرکات میں خاصی مشابہت تھی۔ ہاتھوں، پیروں کی جنبش اور سر کو بار بار میرے سامنے جھکانے کی ادا میں کچھ زیادہ فرق نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ نرتکی کے جسم پر اس کا مخصوص لباس تھا جبکہ باربرا نے بیل باٹم سوٹ پہن رکھا تھا۔

موسیقی پھر اور تیز ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی باربرا کے رقص میں بھی مزید جولانی پیدا ہوگئی۔ وہ ایک مستی اور بے خودی کے عالم میں ناچتی رہی۔ میں شاید اس وقت پلک جھپکانا بھی بھول گیا تھا۔ مجھے اپنے گردوپیش کا کوئی ہوش نہیں تھا بلکہ مجھے تو یہ احساس بھی نہیں تھا کہ میرا دل دھڑک رہا ہے یا نہیں۔ بس ایک ٹک باربرا کو دیکھے جا رہا تھا اور وہ مجھ سے کچھ اس طرح بے خبر ہو کر ناچ رہی تھی، جیسے میں وہاں موجود ہی نہیں ہوں۔ تھوڑی دیر وہ اپنی ٹانگوں کو کبھی دائروں میں گھماتی رہی اور کبھی فضا میں اچھالتی رہی پھر وہ اچانک گھوم گئی اور میری طرف پیٹھ کر کے اپنی سیاہ ریشمی کمر کو لچکاتی رہی۔ میں چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ عجیب لمحات تھے وہ، ایک سنسنی سی چاروں طرف طاری تھی۔ موسیقی کی آواز کے باوجود مجھے سناٹا اپنے رگ و پے میں اترتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ دل اتنی زور زور سے دھڑک رہا تھا جیسے سینہ توڑ کر باہر آجائے گا اور میں سمجھتا ہوں کہ میری جگہ اگر آپ ہوتے تو آپ کا بھی یہی حشر ہوتا۔ اگر آپ اس کا وہ دلاویز خم دیکھتے اور شراب کی بوتل جیسی وہ عنابی باہیں دیکھتے۔ افریقی یا نیگرو لڑکیاں بھی اتنی حسین ہو سکتی ہیں، اس کا مجھے سپنے میں بھی گمان نہیں ہوا تھا مگر اب وہ حشر ساماں بدن میرے سامنے تھا اور میں حیران تھا کہ اپنے آپ کو کس طرح سنبھالوں۔ اس کی بے چینی، اضطراب اور حرکات یوں لگتی تھیں جیسے گھٹاؤں میں بجلی چمکتی ہے۔ جی ہاں، وہ کالی بجلیاں ہی تھیں جو میرے جذبات کے دبیز بادلوں میں چمک رہی تھیں۔ باربرا کے ہاتھ اب پیچھے چلے گئے اور پھر ٹھیک اسی وقت موسیقی تھم گئی اور موسیقی کے ساتھ باربرا بھی ٹھہر گئی۔

اگلے چند لمحے بہت دھیرے دھیرے اور رینگ رینگ کر گزرے۔

باربرا میرے سامنے سیدھی تنی ہوئی کھڑی تھی۔ میں پلک جھپکائے بغیر اسے گھورتا رہا، اس کے دلاویز اور حشر انگیز جسم کو۔ اس کا جسم اتنا خوب صورت تھا کہ میں اس سے زیادہ خوب صورتی کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی بڑی بڑی چمکتی ہوئی روشن آنکھیں، دمکتے گال اور ستواں ناک اور گداز ہونٹ، الامان، الامان۔ یوں لگتا تھا جیسے سر سے پیر تک اس کا جسم سیاہ چمک دار پتھر سے تراشا گیا ہو۔ میرے چہرے کے سارے عضلات جیسے تن گئے تھے، اور آنکھیں حرکت کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو کر اس کے سراپا پر جمی ہوئی تھیں۔ اس وقت میرے دل میں ایک خواہش پیدا ہوئی جس کا کوئی عقلی جواز نہیں تھا اور بہت سی خواہشوں کا کوئی عقلی جواز ہوتا بھی نہیں۔ بہرنوع وہ خواہش یہ تھی کہ بس وقت یہیں تھم جائے۔ باربرا اسی طرح میرے سامنے کھڑی رہے اور میں اسے

دیکھتا رہوں۔ اگر زندگی یونہی گزر جائے تو آخر کیا حرج ہے۔
چند لمحے یونہی گزرے پھر بار برا نے مسکرا کر کہا ''یونہی دیکھتے رہو گے، یا کچھ بولو گے بھی۔''
''کیا بولوں.....!'' میں نے اس طرح چونک کر کہا جیسے کسی سحر سے آزاد ہو گیا ہوں۔
''اب فیصلہ کرو نا، میں خوب صورت ہوں یا نہیں۔''
اب میں پوری طرح سنبھل چکا تھا اور شاید یہ نشے اور ماحول کا اثر تھا کہ میرے ذہن میں شوخیاں ناچنے لگی تھیں ''اس سوال کا جواب دینے کے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک تو زبان کو زحمت دے کر اور دوسرے.....''
''تم بہت شریر ہو راجو۔'' بار برا مسکرا کر بولی اور آہستہ آہستہ میری طرف بڑھنے لگی۔ اس کی چال میں کچھ ایسا لوچ اور سبک پن تھا، جیسے کوئی رقاصہ پانی پر چل رہی ہو یا پھولوں پر پاؤں دھر رہی ہو۔ اس طرح چلتی ہوئی وہ میرے پاس آئی اور اس نے اپنے دونوں ہاتھ میری گردن میں ڈال دیئے، اور آہستہ سے کہا ''تمہیں جو بھی طریقہ پسند ہو۔''
میں نے ہنس کر پوچھا ''تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا؟''
''داسیوں کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔'' اس نے جواب دیا ''یہ تو ان کی خوش بختی ہوتی ہے۔''
میں مسکرا دیا۔ وہ پھر شرارت کر رہی تھی۔ میں نے اپنے ہونٹ اس کے بازو پر رکھے، پھر شانے پر رکھے، پھر گال پر اور پھر اس کے ہونٹوں کو چوم کر بولا ''بار برا! میں حیران ہوں۔ تم مجھ پر اتنی مہربان کیوں ہو؟''
''میں تم پر مہربان نہیں ہوں۔'' اس نے اچانک خوابناک لہجے میں کہنا شروع کیا ''بلکہ ہم تو تمہاری مہربانیوں کے منتظر ہیں۔ کیا تم صدیوں کے فاصلے سے آنے والی صدائیں نہیں سنتے۔ کیا تم کو ان حقیقتوں کا ادراک نہیں ہوتا جو لوح زمانہ پر لکھی جا چکی ہیں۔ کیا تم ان گھنٹیوں اور ناقوسوں کی آواز نہیں سنتے جو برسہا برس سے زندہ ہیں اور ساری دنیا میں گونجنے کی منتظر ہیں۔ تم..... تم خود نہیں جانتے کہ تم کیا ہو!''
''میں کیا ہوں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔
اس نے یکا یک میری پیشانی کو چوم کر کہا ''دھیرے دھیرے تمہیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا۔''
''معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں بہت نشہ ہو گیا ہے۔'' میں نے بھنا کر کہا ''نہ جانے کیا کیا بک رہی ہو۔''
وہ کچھ کہے بغیر مسکرانے لگی۔
بار برا تو خیر مذاق کر رہی تھی لیکن مجھے معلوم تھا کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں۔ میں ایک معمولی آدمی ہوں۔ ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوا، اور نہایت نامساعد حالات میں پل کر بڑا ہوا۔ میرے لیے زندگی میں کوئی مسرت نہیں تھی، کوئی کامیابی نہیں تھی اور کوئی اطمینان نہیں تھا۔ میں ایک ایسا طالب علم تھا جو زندگی کے امتحان میں بری طرح فیل ہو گیا تھا پھر میں نے ایک ایسی لڑکی کو چاہا جو مجھ سے بہتر حیثیت کی مالک تھی اور اس سے بھی زیادہ اونچی حیثیت کے سپنے دیکھ رہی تھی۔ چنانچہ اس نے ایک ایسے شخص سے شادی کر لی جس کا سر گنجا تھا۔ توند بڑی تھی ناک لوٹے جیسی تھی اور قد ٹھگنا تھا، مگر اس کا قد جتنا کم تھا، اتنی ہی زیادہ اس کے پاس دولت تھی جو میرے پاس نہیں تھی۔ چنانچہ وہ لڑکی اس کے ساتھ شادی کر کے چلی گئی۔ دولت بہر حال بڑی چیز ہے۔ محبت کا کیا ہے۔ اگر دولت پاس ہو تو درجنوں عاشق بھی مل جاتے ہیں۔

یکا یک مجھے ایک دہشت ناک حقیقت کا احساس ہوا اور میں نے چونک کر بار برا کو دیکھا۔ کیا جو کچھ میں نے سنا، وہ حقیقت تھی، یا مجھے وہم ہوا تھا۔ شاید وہم ہی ہوا تھا لیکن اگر وہم ہی ہوا تھا تو پھر یہ عجیب بات تھی۔ وہ آواز جو میں نے سنی تھی، بار برا کی ہرگز نہیں تھی۔ یعنی جب اس نے کہا تھا کہ..... ''تم خود نہیں جانتے کہ تم کون ہوں۔'' اور پھر ''دھیرے دھیرے تمہیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا۔'' ان دو جملوں کو کہتے وقت اس کی آواز، اس کی اپنی نہیں تھی۔ باقی سارے جملے اس نے اپنی آواز میں کہے تھے مگر ان دو جملوں کی ادائیگی میں صرف اس کے ہونٹ ہلے تھے، آواز اس کی نہیں تھی۔ تو پھر وہ آواز کس کی تھی؟ میں نے تھرتھراتے ہوئے ذہن کے ساتھ سوچا اور تب میری ریڑھ کی ہڈی میں ایک ٹھنڈی لہر دوڑتی چلی گئی۔ میں پہچان گیا تھا کہ وہ آواز کس کی تھی۔

وہ آواز ویرا ہمشائر کی تھی۔

☆☆☆

میں یقینی طور پر کچھ خوف زدہ ہو گیا تھا اور دہشت کے اثرات میرے چہرے پر موجود تھے۔ میں شاید لاشعوری طور پر بار برا کو کچھ ایسے انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے وہ میرے لیے کوئی انجان عورت ہو اور میں اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہوں۔ بار برا نے اس بات کو محسوس کیا تو حیرت سے بولی۔

''کیا بات ہے راجو! تم مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟''

''کچھ نہیں، میں ٹھیک ہوں۔''

یہ کہہ کر مین نے جلدی سے چہرہ گھما لیا اور خوامخواہ سگریٹ کا کش لگانے لگا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں، کیا کہوں۔ جو شبہ مجھے ہوا ہے، اس میں کوئی حقیقت ہے یا محض میرا وہم تھا۔ میں نے اضطراری طور پر اور بے دھیانی میں گلاس میں مزید شراب انڈیلی اور جب گلاس اٹھا رہا تھا تو مجھے دھیان آیا کہ جو شبہ ہوا ہے وہ دراصل میرا وہم ہی ہوگا۔ آخر میں کتنی دیر سے شراب پی رہا ہوں۔ نو دس پیگ تو یقیناً ہو گئے ہوں گے نشے کی بنا پر میرے ذہن میں دائرے بن رہے ہیں۔ آنکھوں کے سامنے رنگین لہریے ناچ رہے ہیں۔

اور جب آدمی اتنا نشے میں ہو تو اس کا ذہن اسے دھوکا دے سکتا ہے۔ مجھے بھی محض دھوکا ہوا ہے۔ شاید میرے تحت الشعور نے ویرا ہمشائر کی آواز کی بازگشت سنی ہے ورنہ یہاں ویرا کی آواز کے ہونے کا کیا امکان ہے۔ وہ نہ تو بار برا کو جانتی ہے اور نہ اس کے گھر سے واقف ہے۔

میں نے سر کو زور سے جھٹکا اور بار برا سے کہا ''آج میں بہت شراب پی گیا ہوں۔''

''اور اسی لیے بہت اچھے لگ رہے ہو۔ مرد نشے میں ہو تو اور زیادہ وجیہہ اور شان دار ہو جاتا ہے۔'' بار برا نے کہا۔

اس نے اپنا چہرہ میرے شانے پر رکھ دیا اور آہستہ آہستہ پیٹھ سہلانے لگی۔ میں دھیرے دھیرے اس کی گردن کو چوم رہا تھا، لیکن ایسا لگتا تھا کہ وہ میری طرف متوجہ نہیں ہے بلکہ اس کا دھیان کسی اور طرف لگا ہوا ہے۔

چند ثانیے یونہی گزرے، پھر یکا یک بار برا نے کہا۔

''عالم! تمہاری پیٹھ پر تو متعدد تل ہیں۔''

''ہاں، ہیں تو۔'' میں نے جواب دیا۔

''پورے سات ہیں۔'' وہ انگلی سے انہیں شمار کر کے بولی ''اور کچھ ایسی ترتیب سے ہیں کہ ایک ننھا سا ستارہ بن جاتا ہے۔''

''ہوگا، میں نے کبھی دھیان نہیں دیا۔'' میں نے اس کی گردن کو چوم کر کہا۔

''کیا یہ بچپن سے ہی ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''ظاہر ہے کہ بچپن ہی سے ہوں گے۔'' میں نے جواب دیا ''ویسے مجھے پتا نہیں۔''

''جانتے ہو!'' وہ ہنس کر ذرا شوخی سے بولی ''اگر کسی کے جسم پر سات تل اس مخصوص شکل میں ہوں تو وہ شہنشاہ ہوتا ہے۔''

''مگر میں گداگر ہوں۔'' میں نے اس کے کمر میں چٹکی لے کر کہا ''ویسے ملکہ عالیہ صاحبہ! کیا ہم یونہی گپیں ہانکتے رہیں گے؟''

وہ میرا مقصد سمجھ گئی۔ ریشمی اندھیرا اور اطلس خاموشی ہر طرف مسلط ہوگئی۔ اب کمرے میں صرف تیز تیز سانسوں اور سرگوشیوں کی آواز رہ گئی تھی اور دنیا کی ہر شے فنا ہوگئی تھی۔ صرف حسن زندہ تھا اور صرف عشق زندہ تھا اور صرف سرمستی زندہ تھی، اور بار برا مجھ سے لپٹی ہوئی سرگوشیوں میں کہہ رہی تھی۔

''ایمن.....ایمن.....''

☆☆☆

جب میں بار برا سے رخصت ہو کر باہر آیا تو رات کے تین بج چکے تھے۔ موسم بڑا اچھا تھا، یا کم از کم مجھے اچھا محسوس ہو رہا تھا۔ ہر طرف ایک رومان انگیز خاموشی مسلط تھی۔ آسمان پر بادل، ستارے اور چاند بیک وقت موجود تھے یعنی کہیں کہیں ستارے چھٹکے ہوئے تھے اور کہیں بادلوں کے ٹکڑے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ چاند آنکھ مچولی کھیلنے میں مصروف تھا۔ کبھی بادل کے کسی ٹکڑے میں چھپ جاتا اور پھر نکل آتا اور ہر سو اجالا پھیل جاتا۔

میں سیٹی بجاتا ہوا سنسان سڑک پر چل رہا تھا۔ اس وقت میں بہت خوش تھا۔ خود کو بے حد ہلکا پھلکا، مطمئن اور شادماں محسوس کر رہا تھا بار برا میری توقع سے زیادہ اچھی لڑکی نکلی تھی۔ اگر مجھ سے یہ کہا جاتا کہ میں اس میں کوئی عیب تلاش کروں تو یہ میرے لیے بڑا مشکل کام ہوتا۔ وہ صرف خوب صورت ہی نہیں تھی، اس کا مزاج بھی بہت اچھا تھا۔ وہ ان عورتوں میں تھی، جو کسی مرد کو چاہتی ہیں تو دل و جان سے چاہتی ہیں اور پھر اس کے لیے اپنا سب کچھ لٹا دیتی ہیں۔ ایسی عورتوں کے لیے ان کے محبوب سے بڑھ کر دنیا میں کوئی شے نہیں ہوتی، اور بار برا مجھے ایسی ہی لڑکی محسوس ہوئی تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں۔ اسے اتنی ہی شدت سے چاہنے لگا ہوں، جس شدت سے کبھی میں نے فریدہ کو چاہا تھا بلکہ فریدہ کی جدائی کا صدمہ تو میں جھیل گیا تھا لیکن بار برا کو کھونا کسی حال میں گوارا نہیں کر سکوں گا۔ اس وقت میں نے طے کر لیا کہ کسی مناسب موقع پر بار برا سے شادی کے لیے کہوں گا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ انکار نہیں کرے گی بلکہ خوشی سے شادی کے لیے تیار ہو جائے گی اور اگر بار برا مل جائے تو پھر مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ زندگی گزارنے کے لیے اتنی مسرت بہت کافی ہوگی۔

یکا یک میں رک گیا اور گھوم کر دائیں جانب دیکھا۔ مجھے کچھ ایسا لگا تھا جیسے کوئی دھیرے دھیرے میرے

پیچھے چل رہا ہو مگر وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ حالانکہ میں نے کوئی چاپ نہیں سنی تھی صرف محسوس کیا تھا کہ کوئی میرے پیچھے ہے اور جب میں رکا ہوا ہوں تو یوں لگا کہ وہ بھی رک گیا ہے۔ میں دو منٹ تک وہیں کھڑا رہا اور حیرت سے اپنے اردگرد دیکھتا رہا مگر وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ سڑک دور تک ویران نظر آ رہی تھی پھر مجھے ایسا کیوں محسوس ہوا۔ کیا واقعی وہاں کوئی تھا۔ اگر تھا تو مجھے نظر کیوں نہیں آتا۔

لاحول ولاقوۃ۔ کیا میں پاگل ہوتا جا رہا ہوں، یا میری کوئی حس ضرورت سے زیادہ حساس ہوگئی ہے کہ ان چیزوں کو بھی محسوس کرنے لگی ہے جن کا کوئی وجود نہیں۔ میں نے زور زور سے کنپٹی دبائی اور سر کو جھٹکا۔ خیر میں پاگل واگل تو نہیں ہو رہا ہوں مگر یہ ضرور ہے کہ میرا ذہن قابو میں نہیں ہے۔ جس آدمی کے پیٹ میں پورے آٹھ اونس وہسکی اتر گئی ہو اس کا یہی حشر ہوگا۔ اسے قطعی طور پر الٹی سیدھی چیزیں دکھائی دیں گی۔ کوئی عجب نہیں کہ مجھے آگے چل کر کسی دکان کے سائبان کے نیچے شیر ببر نظر آ جائے۔ میں نے ایک عدد سگریٹ جلائی اور پھر آگے چل پڑا۔

میرا خیال کافی حد تک درست نکلا۔ کچھ دور چل کر میں نے دیکھا کہ گرین گروسر شاپ کے دروازے کی آڑ سے کوئی شے برآمد ہوئی مگر وہ شیر ببر نہیں تھا بلکہ پولیس مین تھا۔ میں سمجھ گیا کہ اتنی رات گئے سڑک پر مٹرگشت کرتے دیکھ کر وہ دریافت حال کے لیے نکلا ہے چنانچہ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہے، میں خود ہی مسکرا کر بولا۔

''ہیلو آفیسر.....!''

''گڈ مارننگ سر۔'' اس نے نہایت متانت اور ذمے داری کے انداز میں کہا ''کہاں جا رہے ہو؟''

''گھر۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے سر ہلایا ''اگر مناسب سمجھو تو یہ بتا دو کہ تمہارا گھر کہاں ہے؟''

''الزبتھ اسٹریٹ نمبر چوبیس۔'' میں نے جواب دیا۔

''اور آ کہاں سے رہے ہو؟'' وہ بالکل سرکاری وکیل کی طرح مجھ سے جرح کر رہا تھا۔

''دیکھو آفیسر! میں جانتا ہوں کہ رات بہت جا چکی ہے اور یہ کہ تم محض اپنا فرض پورا کر رہے ہو، لیکن میں اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ تھا اسی بنا پر دیر ہوگئی مگر یقین کرو، میں بہت شریف آدمی ہوں۔''

پولیس مین کچھ نہیں بولا، بس مجھے غور سے دیکھتا رہا، جیسے سوچ رہا ہو کہ کیا کرے پھر شاید اسے میری بات کا یقین آ گیا چنانچہ سر ہلا کر نرم لہجے میں بولا۔

''ٹھیک ہے تم جا سکتے ہو لیکن سیدھے گھر ہی جانا۔ مناسب معلوم ہوا تو میں کسی وقت بھی چیک کر لوں گا۔''

''تھینک یو آفیسر۔''

یہ کہہ کر میں آگے چل پڑا۔ میری ٹانگیں آہستہ آہستہ کانپ رہی تھیں مگر میں انہیں سنبھالتا ہوا چلتا رہا۔ گھر تک کا بقیہ راستہ بغیر کسی نئے واقعے کے کٹ گیا۔ یعنی نہ تو کوئی ببر شیر ملا اور نہ کوئی دوسرا پولیس مین۔ البتہ اس اثنا میں برابر مجھے یہ احساس ہوتا رہا کہ میں تنہا نہیں ہوں، ایک ہم قدم میرے ساتھ ضرور ہے۔ نہ کوئی چاپ تھی نہ کوئی دوسری آواز۔ اس کے باوجود مجھے صاف صاف محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی نہ کوئی ضرور ساتھ میں چل رہا ہے۔ کبھی وہ دائیں جانب چلنے لگتا، کبھی بائیں جانب اور کبھی پیچھے چلتا ہوا محسوس ہوتا لیکن یہ شاید نشے کی ترنگ تھی یا

یہ احساس کہ میں محض وہم کا شکار ہوں لہٰذا مجھے اس کی کوئی پروا نہیں تھی۔ اگر کوئی میرے ساتھ چل رہا ہے تو چلے، میرا کیا جاتا ہے۔

حد یہ ہے کہ جب میں گھر پہنچا ہوں اور دروازہ کھولا ہے۔ اس وقت بھی مجھے اس احساس سے چھٹکارا نہیں ہو سکا کہ کوئی ضرور میرے ساتھ ہے۔ میں کمرے میں داخل ہوا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ بتی پہلے ہی جلائی تھی۔ میں صوفے پر بیٹھا سگریٹ پیتا اور بے دھیانی سے ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ رات کے ساڑھے تین بج چکے تھے۔ گھر کے اندر اور گھر کے باہر ہر سو خاموشی طاری تھی۔ میرے ذہن میں ابھی تک ننھے ننھے دائرے بن رہے تھے اور آنکھوں کے سامنے زمین پر لہریئے ناچ رہے تھے۔ میں کچھ دیر بیٹھا سوچتا رہا کہ کیا کروں۔ سو جاؤں یا کافی پیوں پھر میں نے طے کیا کہ کافی ہی پینا چاہیے کیونکہ اب سر میں تھوڑا درد بھی ہونے لگا تھا چنانچہ میں نے جیکٹ اور ٹائی اتار کر پھینکی اور کچن میں گھس گیا۔

اس وقت میں واقعی بہت خوش تھا۔ میری اب تک کی پوری زندگی میں اتنے شادماں اور نشاط انگیز لمحے پہلے کبھی نہیں آئے تھے۔ باربرا جیسی طرح دار لڑکی کا قرب پہلے کبھی نصیب نہیں ہوا۔ کیا میری بدنصیبی کے دن پورے ہو گئے ہیں؟ اور کیا اب خوش قسمتی کا زمانہ شروع ہو رہا ہے؟ ہاں شاید ایسا ہی ہو۔ میں نے سوچا۔ ممکن ہے اب بدبختی کے تمام کالے بادل چھٹ جائیں اور مطلع صاف ہو جائے اور نصیب کا آسمان جگمگاتے ستاروں اور دمکتے چاند سے بھر جائے اور پچھلی تمام محرومیوں کی تلافی ہو جائے کیونکہ قدرت کب کسی پر مہربان ہو جائے، یہ بھلا کس کو پتا ہے؟

کافی بنا کر میں پھر رہائشی کمرے میں آیا۔ کافی کی پیالی ٹیبل پر رکھی۔ الماری سے اناڈین کی دو گولیاں نکال کر دو گھونٹ پانی کے ساتھ حلق سے اتاریں اور پھر صوفے پر آ کر بیٹھا اور سیاہ کافی دھیرے دھیرے پینے لگا۔ میرا ذہن ابھی تک باربرا میں الجھا ہوا تھا۔ تصور کے پردے پر وہ اپنی تمام حشر سامانیوں کے ساتھ بار بار آ جاتی تھی۔ شاخ گل کی طرح لچکتی ہوئی، اپنی دلکش مسکراہٹ سے ضو پاشیاں کرتی ہوئی۔ باربرا تو سر سے پیر تک مسرت ہی مسرت ہے۔ میں نے الٹے ہاتھ کی انگلیوں سے سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی کھجلائی۔ اس کی ہر بات دلکش ہے، ہر ادا پیاری ہے۔ میں واقعی نصیب والا ہوں کہ مجھے باربرا جیسی لڑکی کی دوستی اور محبت حاصل ہو گئی ہے۔ میں نے کافی کا کپ اٹھا کر ایک اور گھونٹ بھرا، اور دوسری بار ہتھیلی کھجلائی۔ ہاں یقیناً وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔ اس نے جس سپردگی کا مظاہرہ آج کیا ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے اور جب میں اس سے شادی کے لیے کہوں گا تو وہ ہرگز انکار نہیں کرے گی۔ میں نے پورے یقین کے ساتھ سوچا۔

دھت تیرے کی۔ آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔ میرے الٹے ہاتھ کی انگلیاں خود بخود سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی کو کھجلانے لگیں۔ آخر یہ کھجلی کیوں ہو رہی ہے۔ کیا مجھے کہیں سے کوئی بڑی دولت ملنے والی ہے مگر دولت تو مل چکی ہے۔ باربرا سے بڑی دولت بھلا کیا ہو سکتی ہے۔ ہتھیلی کھجلاتے کھجلاتے معاً میں رک گیا اور پھر کسی حد تک سہم کر سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی کو گھورنے لگا۔ کیا یہ وہی مصیبت ہے۔ نہیں نہیں..... اس بات کو تو اب مدت ہو گئی ہے آخر اب کیوں؟ مگر یہ وہی مصیبت تھی جو پہلے بھی دو بار میرے ساتھ پیش آ چکی تھی۔ ایک بار اس وقت جب میں چھ سات سال کا تھا اور دوسری بار اس دن جب میں پورے چودہ سال کا ہوا تھا۔ میں ساکت اور سہمی ہوئی نظروں

سے ہتھیلی کے اس حصے کو گھورتا رہا۔ جہاں کھجلی ہو رہی تھی۔ یہ حصہ ہتھیلی کے وسط میں تھا اور دم بدم لال ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے یکا یک اٹھ کر بتی بجھا دی اور پھر صوفے پر بیٹھ کر گہری تاریکی میں ہتھیلی کو دیکھنے لگا۔ گو اندھیرے میں مجھے اپنا ہاتھ نہیں دکھائی دے رہا تھا مگر وہ حصہ صاف دکھائی دے رہا تھا جو سرخ ہو گیا تھا اور رفتہ رفتہ اس کی سرخی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ کھجلی بھی اب بڑھ گئی تھی مگر یہ عجیب بات تھی نہ تو درد ہوتا تھا اور نہ کوئی دوسری تکلیف محسوس ہوتی تھی اور جیسے جیسے اس نشان کی سرخی میں اضافہ ہوتا، ویسے ویسے کھجلی کم ہوتی جاتی۔ یہ نشان ہتھیلی کے وسط میں تھا اور جب پوری طرح نمایاں ہوتا تو غور سے دیکھنے پر ہلال کی شکل کا نظر آتا۔ یہ نشان کیسا تھا اور کیوں تھا، یہ مجھے نہیں معلوم۔ یہ نشان بچپن ہی سے تھا لیکن عام حالات میں نظر نہیں آتا تھا اور میری ہتھیلی بھی عام ہتھیلیوں کی طرح دکھائی دیتی تھی مگر جب کھجلی کا آغاز ہوتا تو نشان نمایاں ہونے لگتا تھا۔ بچپن میں جب یہ نشان نمایاں ہوا تھا تو کافی علاج کیا گیا تھا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ نشان پہلے سرخ ہوتا، پھر گہرا سرخ ہو جاتا۔

میں چپ چاپ بیٹھا پلک جھپکائے بغیر ہتھیلی کو گھورتا رہا۔ نشان لمحہ بہ لمحہ سرخ ہو رہا تھا اور کھجلی کم ہو رہی تھی۔ کچھ دیر میں وہ گہرا سرخ ہو گیا۔ رفتہ رفتہ کھجلی کم ہوتی گئی، اور پھر غائب ہو گئی۔

میں نے یکا یک گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں کیونکہ پچھلی دو بار کے مقابلے میں اس بار وہ نشان دس گنا زیادہ سرخ ہو گیا تھا۔

☆☆☆

میری اور باربرا کی دوستی بہت گہری ہو گئی تھی۔ ہم ایک دوسرے سے شدید محبت کرنے لگے تھے۔ کم از کم یہ بات میں اپنے بارے میں پورے وثوق سے کہہ سکتا تھا۔ جہاں تک باربرا کا تعلق ہے۔ اس کی ہر ادا سے بھی اس بات کا اظہار ہوتا تھا کہ وہ بھی مجھ سے محبت کرتی ہے دل و جان سے مجھے چاہتی ہے۔ میں ہی اس کے لیے سب کچھ ہوں۔ ہاں، کبھی کبھی مجھے ایک عجیب سا احساس ہوتا اور وہ یہ کہ باربرا کے طرز عمل سے محبت، چاہت اور وارفتگی سے زیادہ عقیدت کا رنگ جھلکتا تھا۔ کبھی کبھی تو یوں لگتا تھا جیسے میں کوئی آقا ہوں، اور وہ میری ادنیٰ کنیز ہے، اور میرا اک ذرا سا اشارہ ابرو اس کے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے، جسے بجا لانا اس کے لیے از بس کہ ضروری ہے، اور جب کبھی یہ احساس ذرا شدید ہوتا تو مجھے بڑی کوفت ہوتی۔ مجھے ایک کنیز یا داسی کی ضرورت نہیں ہے، مجھے تو ایک دوست کی ضرورت ہے، ایک محبوبہ کی ضرورت ہے، ایک بیوی کی ضرورت ہے، جو میرے ایک ہلکے سے اشارے پر سر تسلیم خم کرنے کے بجائے کبھی کبھی انکار بھی کرے۔ اکثر جھگڑا بھی کرے، جبکہ باربرا میں ایسی کوئی بات نہیں تھی لیکن پھر میں نے خود کو یہ کہہ کر تسلی دے لی کہ عورت کی محبت کا ایک انداز یہ بھی ہے۔ یعنی جب عورت محبت کرتی ہے تو محبوب کو ایک دیوتا کا درجہ دے دیتی ہے اور اس کی خدمت اور خوشنودی کے لیے سب کچھ کر گزرتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر ضرورت پڑے تو اپنی جان بھی دے دیتی ہے۔ باربرا بھی ایسی ہی عورت ہے۔ چنانچہ اگر وہ میرے ذرا ذرا سے کام کو حکم سمجھ کر کرتی ہے تو یہ اس کا قصور نہیں، محبت کا قصور ہے۔ بشرطیکہ محبت کو کسی بھی نہج سے قصوروار کہا جا سکے۔

جہاں تک میرا تعلق ہے، میں اس کی محبت میں سرتاپا غرق ہو گیا تھا۔ ہر وقت وہ میرے احساس، میرے تصور پر چھائی رہتی۔ فیکٹری میں کام کر رہا ہوتا تو ہر وقت اس کے خیال میں ڈوبا رہتا۔ سڑکوں پر چلتا تو لگتا، وہ

میرے ساتھ ہے۔ چاند کو دیکھتا تو محسوس ہوتا کہ وہ چاند نہیں ہے باربرا کا چہرہ ہے۔ پھولوں کو دیکھتا تو اس کی مسکراہٹ یاد آ جاتی۔ کتاب کھولتا تو اس کے ہر صفحے پر اس کی شبیہ نظر آتی۔ میرے دل و روح پر جتنے بھی داغ فریدہ نے لگائے تھے، وہ سب باربرا کی محبت، اس کی مسکراہٹ اور اس کی شخصیت نے مٹا ڈالے تھے۔ میں جینے کی امنگ سے محروم ہو گیا تھا، مگر اب ہزار سال تک جینے کی خواہش دل میں کروٹیں لینے لگی تھی۔ جسے باربرا جیسا محبوب مل گیا ہو، بھلا وہ مرنا کب گوارا کرے گا۔

باربرا تقریباً ہر روز میرے گھر آتی تھی اور اس طرح آتی تھی جیسے وہ میرا نہیں اس کا گھر ہے یا ہم دونوں کا گھر ہے۔ میں نے ایک چابی بنوا کر اسے دے دی تھی۔ چنانچہ وہ میری عدم موجودگی میں بھی بے تکلفی سے گھر آ جاتی اور کام کاج میں جٹ جاتی۔ برتن مانجھنا، گھر کی صفائی کرنا، میرے کپڑے دھونا اور سودا سلف لانا اور اکثر کھانا بھی پکانا۔ یہ سارے کام وہ اس طرح کرتی جیسے وہ میری دوست نہ ہو، بیوی ہو۔ اسے معلوم تھا کہ اس کا جسم بے حد خوب صورت اور پرکشش ہے اور اسے یہ بھی اندازہ تھا کہ میں اس کے بدن کو بہت پسند کرتا ہوں۔ لہٰذا جب میں گھر میں ہوتا تو وہ ایک منی اسکرٹ پہن لیتی اور ایک ہاف بلاؤز، جس گلا بے حد کشادہ ہوتا۔ اس لباس میں وہ کام کرتی رہتی اور میں بیٹھا ہوا اس کے حسین جسم کو دیکھتا رہتا۔ مجھے خوش رکھنے کے لیے وہ ہر جتن کرتی تھی۔ یہاں تک کہ اس نے اپنی ملازمت بھی اسی سلسلے میں چھوڑ دی۔

ایک دن میں نے اس سے کہا ''تم اب بھی ماڈلنگ کرتی ہو؟''

''ہاں..... کیوں؟''

''گویا تم کپڑے صرف میرے سامنے ہی نہیں، کسی اور کے سامنے بھی اتارتی ہو۔''

''ہاں تو اس میں کیا حرج ہے۔ یہ تو میرا پیشہ ہے۔''

''حرج تو کوئی نہیں، میں تو صرف یہ سوچ رہا تھا کہ اس طرح میری خوش نصیبی میں دوسرے لوگ بھی شامل ہو جاتے ہیں۔''

باربرا کچھ نہیں بولی، بس مسکرا کر چپ ہو گئی مگر دوسرے ہی دن اس نے اپنے فوٹو گرافر ٹونی کو مطلع کر دیا کہ اب وہ کسی بھی قیمت پر ماڈلنگ کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس نے وہ تمام فوٹو بھی ضائع کرا دیئے جو پہلے اتر چکے تھے اور عنقریب میگزین میں شائع ہونے والے تھے پھر اسی دن اس نے ایک بیوٹی سیلون میں نئی ملازمت تلاش کر لی۔ یہ ملازمت جز وقتی تھی یعنی چار گھنٹے روزانہ اور ہفتے میں صرف چار دن۔ تنخواہ بھی کم تھی۔ صرف بارہ پونڈ ہفتہ۔ حالانکہ پہلے اس کی آمدنی تقریباً ستر پونڈ ہفتہ کے قریب تھی۔ جب اس نے اس بات کا ذکر مجھ سے کیا تو میں بڑا حیران ہوا۔

''یہ تم نے کیا کیا؟'' میں نے ناگواری سے کہا ''میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔''

''لیکن میں کوئی بھی ایسا کام نہیں کرنا چاہتی جو تمہارے مزاج یا پسند کے برخلاف ہو۔'' اس نے کہا۔

میں تھوڑی دیر اسے غصے سے دیکھتا رہا ''صرف بارہ پونڈ ہفتہ، اس میں بھلا کیا ہو گا؟''

''لیکن میں کسی نہ کسی طرح گزر کر لوں گی، تم بالکل پریشان نہ ہو۔'' اس نے مسکرا کر کہا اور مجھے اس کے لہجے میں خوامخواہ اطاعت گزاری کا تاثر محسوس ہوا۔ تھوڑی دیر چپ رہ کر میں نے کہا۔

''چلو ٹھیک ہے لیکن اگر کبھی مالی مشکل درپیش ہوئی تو کیا کرو گی؟''
''تم سے لے لوں گی۔'' اس نے بے حد سادگی سے جواب دیا۔
میرا سارا غصہ سودے کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ میں نے سوچا، ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے۔ آخر کو میری محبوبہ ہے۔ میری تنہائیوں کی ساتھی ہے۔ اس کے علاوہ میری اتنی خدمت کرتی ہے۔ نیز یہ بھی ناممکن نہیں کہ آئندہ کچھ عرصے میں ہم شادی کرلیں، لہٰذا اس صورت میں اسے پورا حق پہنچتا ہے کہ اپنی مالی ضروریات کے لیے مجھ سے روپیہ طلب کرے۔ آخر میں نہیں کروں گا تو کون کرے گا۔ یہ احساسات بڑے خوشگوار تھے۔ ان میں ایک قسم کی برتری اور فخر کا پہلا تھا جو مرد کو اپنی ذات پر اعتماد بخشتا ہے۔ میں نے مسکرا کر بار برا کو دیکھا اور یکا یک کلائی سے پکڑ کر اسے زور سے کھینچا، وہ کٹی ہوئی شاخ کی طرح میری گود میں آ گری۔
ہم دونوں زیادہ تر وقت ایک ساتھ ہی گزارتے تھے۔ دن رات لندن کی سڑکوں پر مارے مارے پھرتے رہتے۔ کبھی ہائیڈ پارک نکل جاتے۔ کبھی پکاڈلی اور شوہو کی گلیوں میں مارے مارے پھرتے۔ اکثر میڈم تشاڈ، پبلک لائبریری یا لنڈن ٹاور کا چکر لگاتے۔ کبھی کبھار چھٹی کے دن نیو برائٹن چلے جاتے جو لندن سے کچھ فاصلے پر ایک خوب صورت تفریحی مقام ہے۔ پھولوں، پارکوں اور ہوٹلوں کے شہر، سمندر کے کنارے بڑا ہجوم رہتا ہے۔ ہم دونوں موٹر بوٹ میں بیٹھ کر گھنٹوں سمندر میں گھومتے رہتے۔ فلمیں دیکھی جاتیں۔ بار برا بڑی زندہ دل اور بہت کشادہ ذہن کی مالک تھی، چنانچہ کبھی کبھی پکاڈلی کے سینما میں ''بلیو فلمیں'' یا شوہو کے کسی کلب میں عریاں ڈانس بھی دیکھے جاتے۔
زندگی میں ایک ٹھہراؤ سا پیدا ہو گیا تھا۔ ہر شے اسی طرح چل رہی تھی جس طرح اسے ہونا چاہیے تھا، اور گزرتے ہوئے ہر دن کے ساتھ ہم دونوں کی قربت بڑھتی جا رہی تھی۔ سڈنی سے پھر دوبارہ سامنا نہیں ہوا، پتا نہیں وہ کہاں تھا۔ بار برا سے اس کی ملاقات ہوتی تھی یا نہیں، یہ بات مجھے نہیں معلوم۔ ممکن ہے ہوتی ہو، لیکن بار برا نے مجھ سے کبھی ذکر نہیں کیا۔ ہوسکتا ہے، وہ ڈرٹی ڈک جاتا ہو لیکن ہم دونوں وہاں پھر نہیں گئے تھے اس لیے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔
اسی طرح ویرا ہمشائر بھی دوبارہ نظر نہیں آئی۔ آخری بار اس سے برٹش میوزیم میں ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ ویسٹ ہیم جا رہی ہے۔ ممکن ہے وہ وہیں کہیں رہتی ہو لیکن اب میرے ذہن میں اس کا تصور حادی نہیں تھا۔ بس یونہی کبھی کبھار یاد آ جاتی اور اس کا بے مثال حسن میرے ذہن میں چکا چوند مچا دیتا۔ ایک مرعوبیت سی مجھ پر طاری کر دیتا، لیکن یہ کیفیت لمحاتی ہوتی، صرف چند لمحوں کے لیے، اس کے بعد ویرا کا عکس تصور کے پردے پر تحلیل ہو جاتا اور اس کی جگہ بار برا چھم سے آ جاتی۔

☆☆☆

ایک شام ہم دونوں گھر سے نکلے، اس روز موسم بہت اچھا تھا۔ آسمان پر بادل برائے نام بھی نہیں تھے۔ خنکی بہت کم تھی اور ہوا بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ ہم دونوں نے ڈینم کے سوٹ پہن رکھے تھے یعنی ٹراؤزر اور قمیض کے اوپر واسکٹ۔ مجھے اپنا تو پتا نہیں لیکن بار برا اس لباس میں بھی قیامت ڈھا رہی تھی۔ گو وہ کالی تھی، لیکن اس کا متناسب اور سڈول جسم اور چہرے کے نقش ایسے تھے کہ راستہ چلتے ہوئے سفید فام انگلش مرد بھی اسے کم از کم ایک

بار ضرور پلٹ کر دیکھتے تھے۔
یکا یک میں نے ہنس کر کہا ''باربرا! یہ تو بڑی مصیبت کی بات ہے۔''
''کیا؟'' اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔
''یہی کہ راہ چلتا ہر شخص میرا رقیب بن جاتا ہے۔''
''صرف رقیب ہی بنتا ہے نا۔'' وہ بڑی اپنائیت سے بولی ''تم جیسا تو نہیں بنتا اور یقین کرو کہ تم جیسا اس دنیا میں کوئی بھی نہیں بن سکتا۔''
''کم بختوں کی نگاہیں، یوں لگتا ہے کہ تمہارے جسم کے پار ہوئی جا رہی ہیں۔''
باربرا کچھ بولی نہیں، صرف مسکرا کر چپ ہو گئی۔
میں نے قدرے توقف کے بعد کہا ''آج ہم لوگ کہاں جا رہے ہیں؟''
''پہلے میں تمہیں اپنے بیوٹی سیلون لے چلوں گی، اس کے بعد ہم ''ہاٹ لپس'' میں چلیں گے۔''
''بیوٹی سیلون کیوں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔
''میری ساتھی لڑکیاں تم سے ملنا چاہتی ہیں۔'' باربرا نے مختصر جواب دیا۔
بس اسٹاپ پر پہنچے تو وہاں کوئی نصف فرلانگ لمبی لائن لگی ہوئی تھی۔ اگر بس کا انتظار کرتے تو ایک گھنٹا وہیں گزر جاتا چنانچہ ہم نے ٹیکسی پکڑی اور فلہم روانہ ہو گئے جہاں باربرا کا بیوٹی سیلون تھا۔ شام کا مخصوص ہجوم سڑکوں پر رواں دواں تھا۔ لندن ''بھاگ دوڑ'' کا شہر ہے۔ بے حد کمرشل، بے حد پریکٹیکل۔ لوگ زیادہ تر مصروف رہتے ہیں اور جس وقت وہ مصروف نہ ہوں اس وقت بھی وہ خود کو لاشعوری طور پر مصروف ہی ظاہر کرتے ہیں۔ اس وقت سڑکوں پر جو جم غفیر تھا، ان میں وہ لوگ زیادہ تھے جو دن بھر کا کام کاج ختم کر کے اب گھروں کو بھاگے جا رہے تھے۔ میں خاموش بیٹھا ان تمام لوگوں کو دیکھتا رہا جن کی زندگی پر کم سے کم الفاظ میں اس طرح تبصرہ کیا جا سکتا تھا کہ ان کے پاس کوئی الجھن نہیں ہے اور یا پھر سر تا پیر یہ لوگ الجھن ہی الجھن ہیں۔
باربرا کا بیوٹی سیلون فلہم فٹ بال گراؤنڈ سے کوئی ایک فرلانگ آگے، ایک ایسی سڑک پر تھا جس پر زیادہ ٹریفک نہیں ہوتا تھا۔ یہ ایک خاصی کشادہ دکان تھی۔ دروازے کے اوپر ایک پتلا اور لمبا بورڈ لگا تھا جس پر ''روز آلبہ بیوٹی سیلون'' کے الفاظ درج تھے۔ دروازے کے پاس ایک اور چھوٹے بورڈ پر ''ہم آپ کو خوب صورت بناتے ہیں'' لکھا ہوا تھا۔ دونوں طرف وسیع شوونڈوز تھیں جن میں متعدد مومی مجسمے رکھے تھے۔ یہ مجسمے بالوں اور میک اپ کے مختلف انداز کی نمائش کر رہے تھے۔ ان میں ایک مجسمہ ایک مصری عورت کا بھی تھا۔ کم از کم اس کے طرز آرائش سے یہی پتا چلتا تھا۔ باربرا نے دفعتاً انگلی اٹھا کر کہا۔
''یہ مومی مجسمہ ملکہ سیتامن کا ہے۔''
''اچھا۔'' میں نے گردن ہلائی ''یہ کون محترمہ تھیں؟''
''یہ طوطنخ آمن کی ماں تھی۔''
''طوطنخ آمن۔'' میں نے حیرت سے کہا ''اچھا، وہ فرعونِ مصر، جسے اس زمانے کے لوگ خدا مانتے تھے۔''
''ہاں وہی۔''

''مگر جہاں تک میرا خیال ہے وہ تو شاید ملکہ ٹیا کا.....''

''نہیں، یہ بات آج تک ثابت نہیں ہو سکی کہ طوطنخ آمن کس کا بیٹا تھا مگر ہمیں معلوم ہے۔ دراصل ایمنوفس سوئم کی پہلی بیوی کوئین ٹی کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی جس کا نام سیتامن تھا۔ جب سیتامن جوان ہوئی تو ایمنوفس سوئم نے اپنی بیٹی سے شادی کر لی۔ طوطنخ آمن اسی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔''

''مگر یہ کیسے معلوم ہوا کہ سیتامن کی شکل وصورت ایسی ہی تھی؟'' میں نے اعتراض کیا۔

''سیتامن کے مقبرے سے اس کے چہرے کی جو قلمی شبیہیں دستیاب ہوئی ہیں، یہ مجسمہ اس کے مطابق بنوایا گیا ہے۔'' باربرا نے جواب دیا۔

''میری معلومات اتنی زیادہ نہیں ہیں، پھر بھی میں تمہاری بات مانے لیتا ہوں۔'' میں نے کہا ''لیکن سوال یہ ہے کہ اس مجسمے کو یہاں رکھنے کی کیا تک ہے۔''

باربرا مسکرائی ''بات یہ ہے کہ اکثر خواتین قدیم طرزِ آرائش کو اب بھی پسند کرتی ہیں۔''

یہ کہتے ہوئے باربرا نے دروازہ کھولا اور ہم اندر داخل ہوئے۔ یہ شاید اتفاق ہی تھا کہ اس وقت سیلون میں کوئی گاہک نہیں تھا۔ سیلون کافی وسیع تھا اور بہت سلیقے سے سجایا گیا تھا۔ ایک طرف چمڑے کے دو صوفہ سیٹ پڑے تھے۔ آرائش کی ٹیبلیں غالباً پانچ تھیں۔ ایک کونے میں دو کیبن بھی بنے تھے جو ممکن ہے مساج کے لیے استعمال ہوتے ہوں یا وہاں مختلف قسم کی ورزشیں کرائی جاتی ہوں۔ یہ صرف میرے اندازے تھے یقینی طور پر کچھ معلوم نہیں تھا۔ دائیں طرف ایک اور بھی کمرا تھا جو بطور آفس استعمال ہوتا تھا۔ جب ہم آفس میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے میری ملاقات روز آلبہ سے ہوئی جو باربرا کے بیان کے مطابق سیلون کی مالک تھی۔ روز آلبہ اونچے قد کی ایک لمبی چوڑی عورت تھی۔ وہ اٹلی کی رہنے والی تھی۔ اس کا قد کم از کم پانچ فٹ گیارہ انچ رہا ہوگا۔ شانے اور کولہے بہت چوڑے تھے۔ ٹانگیں لمبی اور سڈول تھیں۔ وہ یقینی طور پر بہت خوب صورت تھی اور بھاری بھرکم جسامت کے باوجود حیرت انگیز طور پر اس کا چہرہ بہت بھولا اور سادہ سا لگ رہا تھا۔ اس پر اس کے جسم کے مقابلے میں کہیں زیادہ نسوانیت تھی مجھے اس کی آنکھوں میں لال ڈورے نظر آئے اور آواز میں ہلکی سی لرزش محسوس ہوئی۔ شاید وہ نشے میں تھی مگر وہ نشہ شراب کا نہیں معلوم ہوتا تھا، تو پھر کس شے کا نشہ تھا؟ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ جب باربرا نے میرا تعارف کرایا تو وہ کچھ اس طرح تھوڑا سا جھکی جیسے مجھے تعظیم دے رہی ہو پھر مسکرا کر بولی۔

''میں تمہیں خوش آمدید کہتی ہوں عالم!''

دوسری لڑکی کیٹی تھی۔ روز آلبہ کے برعکس وہ بونے سے قد کی بھرے بھرے جسم والی لڑکی تھی۔ اس کا قد بمشکل چار فٹ پانچ انچ تھا۔ رنگ بے حد سفید تھا۔ چہرہ گول اور بڑی بڑی آنکھیں۔ اس نے اپنے سنہرے بالوں کی پونی ٹیل باندھ رکھی تھی۔ جسم پر بلاؤز کے علاوہ ایک منی اسکرٹ تھا۔ لہٰذا اس کی سپید گداز ٹانگیں بالکل نمایاں تھیں۔ مجموعی طور پر وہ لڑکی کم اور چینی کی گڑیا زیادہ نظر آ رہی تھی۔ اس کی شخصیت میں کہیں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ اسے ایک نظر بغور دیکھنے کے بعد دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ اسے بازوؤں میں بھر کر چوم لیا جائے۔ روز آلبہ کی طرح وہ بھی قدرے جھکی اور تعظیمی انداز میں بولی ''خوش آمدید مسٹر عالم!''

تیسری لڑکی اینگلو انڈین تھی۔ اس کا نقشہ نیگرو باشندوں جیسا تھا۔ بال بھی کالے اور گھنگھریالے تھے مگر رنگ کھلتا ہوا گندمی تھا۔ چنانچہ یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ اس کی ماں انگلش اور باپ جمیکن ہوگا۔ ممکن ہے باپ انگلش ہو اور ماں جمیکن رہی ہو۔ اس کا قد لمبا اور جسم چھریرا تھا اور جس طرح اس کے چہرے کے خط و خال میں مردانہ پن تھا اسی طرح اس کی چال میں نسوانیت نہیں تھی۔ بالکل مردوں کی طرح چلتی تھی۔ اس کے باوجود اس کا سراپا پرکشش تھا اور مردوں کو کم از کم ایک بار اور اس کی جانب دیکھنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ اس کا نام سونیا تھا اور جب تعارف ہوا تو روز آلبہ اور کیٹی کی طرح اس نے بھی اپنے جسم کو خم کیا اور سرسراتے لہجے میں بولی۔

''خوش آمدید مسٹر عالم!''

اب مجھے تھوڑی الجھن ہونے لگی تھی۔ آخر یہ کیا مصیبت ہے کہ یہ عورتیں مجھے اس طرح تعظیم دے رہی ہیں، ان کے رویے میں اس قدر احترام کا عنصر کیوں ہے؟ جیسے میں ریاض عالم راجو نام کا ایک عام آدمی نہیں، کسی ملک کا فرماں روا ہوں، اور یہ عورتیں میرے محل کی ادنیٰ کنیزیں ہیں۔ یہ کسی قسم کا مذاق ہے یا یہ لوگ اپنے اس فعل میں واقعی سنجیدہ ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ روز آلبہ کی طرح کیٹی اور سونیا بھی خاصی نشے میں تھیں۔ ایک اور بات جو میں نے محسوس کی، یہ تھی کہ وہ اپنے جسم کی زیادہ سے زیادہ نمائش کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ کیٹی اور سونیا کے جسم پر تو خیر منی اسکرٹ تھا مگر روز آلبہ نے جو اسکرٹ پہن رکھا تھا وہ گھٹنوں تک پہنچ رہا تھا پھر بھی جب وہ میرے سامنے کرسی پر بیٹھی تو اس طرح کہ اس کا اسکرٹ اوپر تک کھسک گیا اور اس کی ٹانگیں نصف رانوں تک نمایاں ہوگئیں۔ مجھے مزید الجھن اس وقت ہوئی جب ایک بار میری نگاہ بے دھیانی میں اس کی ٹانگوں پر ایک لمحے کے لیے ٹھہر گئی تو اس نے اسکرٹ مزید اوپر کھسکا دیا۔ میں نے قدرے سٹپٹا کر جلدی سے باربرا کی طرف دیکھا۔ کہیں یہ حرکت اس نے نہ دیکھ لی ہو اور کہیں وہ خفا نہ ہو جائے مگر باربرا کا دھیان اس طرف نہیں تھا۔ وہ تو سونیا سے باتیں کرنے میں جٹی ہوئی تھی۔

ہم نے تقریباً ایک گھنٹہ سیلون میں گزارا، جب وہاں سے رخصت ہونے لگے تو روز آلبہ نے کہا۔

''مسٹر عالم! کسی دن میری رہائش گاہ پر تشریف لائیے۔ یہ لڑکیاں بہت اچھا رقص کرتی ہیں۔ میں آپ کو ان کا رقص دکھاؤں گی۔''

''کیا یہ دونوں تمہارے ساتھ ہی رہتی ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں۔''

''بہتر ہے، میں کسی دن ضرور آؤں گا۔'' اور جب میں یہ بات کہہ رہا تھا اس وقت پہلی بار ان لاکٹوں کو میں نے ذرا غور سے دیکھا جو ان تینوں عورتوں کے گلے میں پڑے ہوئے تھے۔ یہ لاکٹ ایک پتلی سنہری زنجیر اور پانچ پھل والے ستارے پر مشتمل تھے اور بالکل ایک جیسے تھے ان کا سائز بھی تقریباً برابر ہی تھا۔ ستارے کے عین وسط میں ایک تصویر تھی۔ اس میں ایک ایسی عورت کو آلتی پالتی مار کر بیٹھا دکھایا گیا تھا، جس کا چہرہ لمبوترے منہ والے کتے کا تھا۔ میں ایک دو لمحے اس عجیب و غریب تصویر کو دیکھتا رہا پھر یکایک مجھے یاد آ گیا کہ اس قسم کی تصویریں میں نے پہلے کہاں دیکھی تھیں۔ ایسی تصویریں میں نے فراعین مصر سے متعلق کتابوں میں اور برٹش میوزیم میں رکھی ہوئی پرانی تصاویر اور تابوت کے ڈھکنوں پر دیکھی تھیں۔ میں نے حیران ہو کر سوچا کہ یہ لاکٹ

آخران عورتوں نے کیوں پہن رکھا ہے۔ کیا محض فیشن کے طور پر، اور اگر واقعی یہی بات تھی تو کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ کیونکہ یورپ میں فیشن کا جھنجھٹ کبھی سمجھ میں نہیں آتا۔ ان لوگوں کی افتادِ طبع کچھ عجیب ہی قسم کی ہوتی ہے۔ میں نے تو ایسی عورتیں بھی دیکھی تھیں جنہوں نے اپنے جسم پر ڈریکولا کی تصویر لگوا رکھی تھی۔

باربرا نے بتایا کہ دی ہاٹ لپس وہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ لہٰذا ہم پیدل ہی چل پڑے۔ سڑکوں پر اب چہل پہل کم ہونا شروع ہو گئی تھی اور شام کا اندھیرا بتدریج بڑھتا جا رہا تھا۔ دکانوں کے نیون سائن جل گئے تھے جو چاروں طرف ہری، نیلی، سرخ اور عنابی روشنیاں بکھیر رہے تھے۔ باربرا میرے ساتھ چلتے ہوئے اچانک بولی۔

''ہم کسی دن روز آلبہ کے یہاں ضرور چلیں گے۔''

''کیوں؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ دونوں لڑکیاں کیٹی اور سونیا اسٹرپ ٹیزر (عریاں رقص) میں واقعی اپنا جواب نہیں رکھتی ہیں۔''

''روز آلبہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' میں نے ہنس کر پوچھا۔

''رقص تو وہ بھی کرتی ہے۔'' باربرا نے کہا ''مگر اپنے بھاری بھرکم جسم کی وجہ سے اچھی نہیں لگتی۔''

''ویسے اس کا بھاری بھرکم جسم اپنی جگہ بجائے خود دیکھنے کی چیز ہے۔''

''صرف دیکھنے کی چیز کیوں، چاہو تو چھو بھی سکتے ہو۔'' باربرا نے شوخی سے کہا۔

''تمہیں حسد نہیں ہوگا؟'' میں نے شرارت سے پوچھا۔

میرا خیال تھا کہ باربرا یا تو خفا ہو جائے گی یا کوئی تیکھا اور چبھتا ہوا فقرہ چست کرے گی مگر اس کے برخلاف اس نے بے حد سنجیدگی سے کہا ''نہیں، مجھے بالکل حسد نہیں ہوگا، اور نہ ہی روز آلبہ، کیٹی یا سونیا کو کوئی اعتراض ہوگا۔ حتیٰ کہ آئرین بھی تمہارے ایک اشارے کو اپنی خوش قسمتی سمجھے گی۔''

''تمہارا کیا مطلب ہے، میں سمجھا نہیں۔'' میں نے حیران ہو کر کہا۔

''انتظار کرو، دھیرے دھیرے سب کچھ تمہاری سمجھ میں آ جائے گا۔'' باربرا نے گہری متانت کے ساتھ کہا۔

میں چپ ہو گیا۔ باربرا نے جو کچھ کہا تھا بظاہر بڑا عجیب تھا۔ آخران باتوں کا کیا مطلب ہے؟ باربرا نے کہا تھا کہ آئرین بھی تمہارے ایک اشارے کو اپنی خوش قسمتی سمجھے گی۔ اسی قسم کی باتیں وہ پہلے بھی کئی بار کہہ چکی ہے۔ یہ طرزِ عمل، محبت اور اطاعت گزاری ہی کا ایک روپ ہے یا اس کا کوئی مقصد ہے۔ عورتوں کا جلاپا تو ساری دنیا میں مشہور ہے پھر کیا وجہ ہے کہ اگر کیٹی یا روز آلبہ کے ساتھ میں عشق لڑاؤں گا تو باربرا کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ بظاہر ان ساری باتوں کا وہ مفہوم نظر نہیں آتا جو لگتا ہے۔ یقیناً کوئی بات اور ہے مگر کیا؟ میں سوچتا رہا لیکن کچھ بھی سمجھ میں نہ آیا پھر میں نے سر جھٹک کر ان خیالات کو ذہن سے نکال دیا۔ ہو سکتا ہے یہ سارے وسوسے محض میرے ذہن کی پیداوار ہوں اور ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہو۔

کچھ دیر میں ہم ''دی ہاٹ لپس'' کے سامنے پہنچ گئے۔ یہ کسی پب کا نہیں بلکہ ایک کلب کا نام تھا اور ایک ذیلی گلی میں واقع تھا جو کسی بھی اعتبار سے کسی کلب کے لیے موزوں نہیں تھی۔ ایک تو یہاں لیمپ پوسٹ کم ہونے

کی بنا پر روشنی کافی نہیں تھی۔ دوسرے سڑک بھی اچھی نہیں تھی۔ پتھریلی اینٹوں سے بنی ہوئی سڑک پر جگہ جگہ کوڑا کرکٹ بکھرا ہوا تھا۔ مکانات کی حالت اتنی خستہ تھی کہ آئندہ دو تین سال میں انہیں یقینی طور پر رہائش کے ناقابل قرار دے دیا جانا تھا۔ کلب کے چھوٹے سے سرخ دروازے کے اوپر دی ہاٹ لپس کا بورڈ لگا تھا۔ اس کے نیچے ایک اور بورڈ پر ''اک گوشہ جنت آپ کے لیے'' کے الفاظ درج تھے۔ دو جہازی سائز کے ہاتھ کے بنے ہوئے پوسٹر بھی لگے تھے۔ جن پر نیم عریاں لڑکیوں کی تصویریں دکھائی گئی تھیں۔ ہم ایک پتلی سی نیم روشن راہداری سے گزرے۔ راہداری زیادہ لمبی نہیں تھی۔ اختتام پر ایک چوڑی سی کھڑکی نظر آ رہی تھی جس میں ایک نیگرو لڑکی بیٹھی تھی۔ دراصل اس کلب میں محدود ممبر شپ کا اصول رائج تھا اور کسی بھی غیر ممبر شخص کا داخلہ آسان نہیں تھا۔ یہ اطلاعات راستے میں باربرا نے بہم پہنچائی تھیں لیکن کھڑکی میں بیٹھی ہوئی لڑکی نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ باربرا پر نظر پڑتے ہی اس نے جلدی سے کہا۔

''آپ جا سکتی ہیں مس باربرا!''

ایک اور دروازہ کھول کر ہم ہال میں داخل ہوئے اور اندر قدم رکھتے ہی جو چیز میرے نتھنوں سے ٹکرائی، وہ چرس کی بو تھی۔ لگتا تھا ہال میں موجود لوگ بے فکری اور خاصی تعداد میں چرس سے شغل کر رہے تھے۔ میں نے گردوپیش پر نظر ڈالی اور دوسرے لمحے مجھے ڈرٹی ڈک یاد آ گیا۔ یہ کلب ڈرٹی ڈک سے کسی صورت میں مختلف نہیں تھا۔ ویسا ہی ماحول تھا اور ہال کی سجاوٹ بھی اسی ڈھنگ پر کی گئی تھی۔ ہال کافی کشادہ تھا۔ میزیں اور کرسیاں دیواروں کے ساتھ رکھی گئی تھیں۔ درمیان میں ڈانس کے لیے جگہ خالی چھوڑ دی گئی تھی، جہاں تین چار جوڑے الٹا سیدھا ڈانس کرنے میں جتے ہوئے تھے۔ ایک طرف ایک طویل بار کاؤنٹر تھا۔ ہال کے علاوہ دو کمرے اور بھی تھے جن میں سے ایک کمرے میں مشینوں کے ذریعے جوا کھیلنے کا انتظام کیا گیا تھا اور دوسرا کمرا ڈارٹ، ڈومینو اور تاش وغیرہ کھیلنے کے لیے مخصوص تھا۔ ہال میں جو چیز سب سے دلچسپ تھی، وہ دیواروں کی آرائش تھی۔ دیواروں پر ہلکا بادامی رنگ کیا گیا تھا اور ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک ان پر سرخ اور سیاہ رنگ سے فراعین مصر سے متعلق مختلف تصاویر بنائی گئی تھیں۔ کہیں ایسی عورتیں بنی تھیں جن کے چہرے کتے اور بلیوں کے تھے۔ کہیں تابوت کی شکل بنائی گئی تھی۔ ایک جانب دربار کا نقشہ کھینچا گیا تھا۔ متعدد تصاویر ممیوں کی تھیں اور ایک طرف مشہور زمانہ فرعون طوطخ آمن کی تصویر بھی بنی ہوئی تھی۔

میں نے جلدی ہی یہ بھی محسوس کر لیا کہ یہ کلب غالباً نیگرو اور جمیکن لوگوں کے لیے مخصوص ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں سفید فام افراد کا داخلہ ممنوع تھا لیکن میں جانتا تھا کہ اس قسم کے کلبوں میں سفید فام افراد خال خال ہی جاتے ہیں۔ وجہ کچھ بھی ہو لیکن یہ حقیقت تھی۔ ''ہاٹ لپس'' میں بھی اس وقت ہر طرف سیاہ فام ہی نظر آ رہے تھے۔ سفید فام معدودے چند تھے۔ چار پانچ لڑکیاں رہی ہوں گی اور چھ سات مرد۔ لڑکیاں زیادہ تر سیاہ فام نوجوانوں کے ساتھ تھیں۔ صرف ایک سفید فام مرد ایسا نظر آتا تھا جس کے ساتھ ایک کالی لڑکی تھی۔

کاؤنٹر پر ایک بھاری بدن کی ادھیڑ عمر عورت موجود تھی۔ اس کو دیکھتے ہی میں سٹپٹا سا گیا۔ ایک لمحے کو یوں لگا جیسے اس کا جسم کمر سے اوپر بالکل عریاں ہے مگر درحقیقت ایسا نہیں تھا۔ غور سے دیکھنے پر انکشاف ہوا کہ اس نے جلد کے رنگ کی باریک جالی کا انتہائی چست بلاؤز پہن رکھا ہے جو دور سے ایک طائرانہ نظر ڈالنے پر محسوس

نہیں ہوتا تھا۔اس عورت نے مجھے دیکھا اور مسکرا کر آنکھ ماری۔

عورت کے ساتھ ایک لمبا تڑنگا اور دبلا پتلا سیاہ فام بھی موجود تھا۔اس نے سرخ ریشم کی قمیض اور کالی پتلون پہن رکھی تھی۔ گلے میں رنگ برنگے موتیوں کی مالا پڑی تھی۔اس کا جبڑا سخت اور دہانہ بڑا تھا اور سر کے بالوں کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے لوہے کے تاروں سے بنائے گئے ہوں۔اس شخص کے لیے اپنے جسم کو کنٹرول میں رکھنا شاید ناممکن تھا کیونکہ وہ رقص کے انداز میں مسلسل مٹکتا جا رہا تھا اور ساتھ ہی بیئر کے گلاس بھر بھر کے لوگوں کو دیتا جا رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ جبڑا پھیلا کر مسکرایا اور چہکتی مگر بھاری آواز میں بولا۔

''ہیلو سویٹ ہارٹ!''

''ہیلو معشوق۔'' میں نے خوش مزاجی کا مظاہرہ کیا۔

''ماشوک۔'' اس نے بدستور کمر لچکاتے ہوئے حیرت سے کہا ''یہ کیا ہوتا ہے؟''

''ہماری طرف کا لفظ ہے۔'' میں نے لاپرواہی سے کہا ''اس کا مطلب بھی ہوتا ہے سویٹ ہارٹ۔''

''او تھینک یو... تھینک یو'' وہ پھر جبڑے پھاڑ کر مسکرانے لگا۔

ہم نے کوک کی بوتلیں اور بیکارڈی کے بڑے پیگ لیے اور اسی میز پر جا بیٹھے جہاں طوطے آمن کی تصویر بنی تھی۔اس کلب میں یا تو ایشین افراد آتے ہی نہ ہوں گے، اور اگر آتے بھی ہوں گے تو بہت کم۔ چنانچہ میرا وہاں موجود ہونا اکثر لوگوں کے لیے اچنبھے کا باعث تھا، اور وہ گھوم گھوم کر مجھے دیکھنے میں مصروف تھے۔ یہ نگراں نگاہیں مجھے تھوڑی سی الجھن میں مبتلا کر رہی تھیں، آخر یہ لوگ اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں۔کیا انہوں نے پہلے کبھی کسی ایشین نوجوان کو نہیں دیکھا؟ لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ مجھے اس لیے دیکھ رہے ہوں کیونکہ میرے ساتھ باربرا جیسی طرح دار حسینہ موجود ہے۔ یہ تاویل میرے ذہن نے اختراع کی تھی اور اس سے مجھے نہ صرف تھوڑا سا سکون ملا بلکہ ایک طرح کا فخر بھی محسوس ہوا۔ میں نے بیکارڈی میں تھوڑی سی کوک ملائی، ایک گھونٹ بھرا اور پھر سگریٹ جلا کر باربرا سے کہا۔

''یہاں تو لوگ بڑی آزادی سے چرس پی رہے ہیں۔''

''ہاں۔'' باربرا نے جواب دیا ''دراصل پولیس یہاں کبھی نہیں آتی۔''

''کیوں؟''

''پتا نہیں، ممکن ہے رچی نے کوئی چکر چلا رکھا ہو۔''

''رچی غالباً اسی لمبے تڑنگے ڈانسر کا نام ہے جو کاؤنٹر پر مٹک رہا ہے؟''

''ہاں، وہ ہی اس کلب کا مالک ہے۔''

کلب میں خاصی افراتفری مچی ہوئی تھی۔ناچنے والوں میں اب اضافہ ہو گیا تھا اور وہ لوگ جمی ہینڈرکس کی کرخت آواز چیختی چلاتی موسیقی پر ناچ رہے تھے اور شور مچا رہے تھے۔سیاہ فام ویسٹ انڈین ہنسنے ہنسانے، شور مچانے کے بہت شوقین ہوتے ہیں اور اگر کسی ہال یا کمرے میں یہ لوگ دس پندرہ کی تعداد میں اکٹھے ہو جائیں تو وہاں بے ترتیبی اور شور و شغب کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ یہی حالت اس وقت ہاٹ لپس کی تھی۔ نیلی، ہری اور سرخ روشنیوں کے درمیان دھوئیں کی لکیریں چکراتی پھر رہی تھیں۔ موسیقی کے ریکارڈ ایک کے بعد ایک لگائے

جارہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ بدنظمی مجھے بری نہیں لگ رہی ہے حالانکہ پہلے دن جب میں ڈرٹی ڈک گیا تھا تو مجھے اچھا نہیں لگا تھا۔ پچھلے کچھ دنوں میں باربرا مجھے اس قسم کے کئی مقامات پر لے گئی تھی اور شاید میں نے دھیرے دھیرے اس ماحول کو ذہنی طور پر قبول کرلیا تھا۔ میرے برابر والی کرسی پر ایک موٹا اور جسیم نیگرو بیٹھا تھا جو اپنے چہرے سے بہت بدھو نظر آتا تھا۔ وہ بار بار میری طرف دیکھتا اور مسکرا دیتا۔ ایک بار جو نگاہ ملی تو اس نے مسکرا کر کہا۔

''ہیلو ایشین! کیا تمہیں یہ جگہ پسند آئی ہے؟''

''ہاں، بہت اچھی جگہ ہے۔''

''لو، سگریٹ پیو۔'' اس نے بڑے خلوص سے سگریٹ پیش کی۔

میں نے شکریہ کہہ کر سگریٹ لے لی، اور پہلے ہی کش میں مجھے پتا چل گیا کہ اس میں چرس بھری ہوئی ہے۔ ایک لمحے کے لیے مجھے ناگوار گزرا اور دل چاہا کہ سگریٹ پھینک دوں، مگر دوسرے ہی لمحے یہ احساس زائل ہوگیا۔ شاید میں ذہنی طور پر ان باتوں کو پسند کرنے لگا تھا۔ شاید یہ سستی تفریح مجھے اچھی لگنے لگی تھی۔ ماحول بہرحال آدمی کے مزاج پر اثر انداز ہوتا ہے۔ میں نے دو تین ذرا طویل کش لیے۔ شروع میں دھواں بے حد کڑوا محسوس ہوا۔ بو بھی بہت بری محسوس ہوئی مگر پھر وہ سگریٹ مجھے اچھی لگنے لگی۔ ہر کش میں ایک نیا لطف و سرور محسوس ہونے لگا۔ باربرا مجھے بغور دیکھ رہی تھی، اور اس نے شاید جان لیا تھا کہ میں چرس بھری سگریٹ پی رہا ہوں۔ اس نے دفعتاً میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''راجو! تمہیں یہ سگریٹ نہیں پینی چاہیے۔''

''پرواہ مت کرو۔'' میں نے کہا ''مجھے یہ سگریٹ اچھی لگ رہی ہے۔ بہتر ہے کہ تم تین چار سگریٹ اور مہیا کرو اور سنو! یہ گلاس خالی ہوگئے ہیں، تم مزید بیکارڈی بھی لیتی آؤ۔''

''او کے ماشوک۔'' باربرا نے مسکرا کر کہا۔

میں زور سے ہنس پڑا۔ یقیناً اس نے یہ لفظ اس وقت ازبر کیا تھا، جب میں نے رچی سے باتیں کی تھیں۔ وہ مسکراتی ہوئی اٹھ کر چلی گئی اور دو منٹ میں بیکارڈی کے پیگ اور چار سگریٹ لے کر آ گئی۔

جب میں بیکارڈی کے دو اور پیگ اپنے حلق میں اتار چکا تھا اور چرس کی تیسری سگریٹ جلا رہا تھا، تبھی میں نے اس لڑکی کو دیکھا وہ درمیانے قد اور چھریرے جسم کی ایک خوب صورت انگلش لڑکی تھی۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور بہت دلکش تھیں، مگر وہ مجھے کچھ بجھی بجھی سی نظر آئیں۔ اسی طرح اس کے چہرے پر خوشی کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ شاید یہ میری نظر کا فریب تھا کہ وہ مجھے کچھ اداس، بلکہ کسی حد تک خوف زدہ نظر آ رہی تھی۔ اس نے میک اپ بھی نہیں کیا تھا اور اس کا چہرہ حیرت انگیز طور پر پھیکا اور سپاٹ نظر آ رہا تھا۔ وہ کچھ دیر مجھے غور سے دیکھتی رہی، پھر آہستہ آہستہ میری میز کے پاس آ گئی۔ باربرا نے اسے دیکھا تو مسکرا کر بولی۔

''ہیلو جوڈی!''

اس نے چونک کر باربرا کی طرف چہرہ گھمایا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس نے پہلے باربرا کی طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک خشک مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے پھیکی آواز میں کہا۔

''ہیلو بار برا!''

''کیا تم دونوں ایک دوسرے کو جانتی ہو؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

بار برا نے جواب دیا ''ہاں۔'' اور میں نے نشے کے باوجود محسوس کیا کہ اس کے لہجے میں قدرے بے اعتنائی کا پہلو تھا۔

''کیا آپ مسٹر راجو ہیں؟'' جوڈی نے براہ راست مجھ سے پوچھا۔

''تمہارا خیال درست ہے۔'' میں نے کہا ''بیٹھو۔''

جوڈی ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ وہ بدستور مجھے دیکھے جا رہی تھی۔ اس کے ہونٹ بار بار کانپ رہے تھے اور وہ انہیں ہر بار زبان سے تر کر رہی تھی۔ مجھے یہ محسوس کرنے میں دشواری نہیں ہوئی کہ وہ کچھ کہنا چاہتی ہے، لیکن شاید اسے مناسب الفاظ نہیں مل رہے ہیں، یا ہمت اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ میں نے اس کا حوصلہ بڑھانے کے لیے خوش دلی سے مسکرا کر کہا۔

''کچھ پیو گی؟''

''نن..... نہیں۔''

اس کی آواز کی لرزش سے میں نے اندازہ کیا کہ وہ خاصی نشے میں ہے۔ ممکن ہے اس نے شراب کے علاوہ میری طرح چرس بھی پی رکھی ہو۔ اس وقت..... ایک اور بات کا انکشاف بھی ہوا، اور وہ یہ کہ جوڈی تنہا نہیں تھی۔ اس کے ساتھ ایک آدمی بھی تھا اور وہ آدمی سڈنی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ شاید کسی ایسی جگہ کھڑا تھا کہ میں پہلے اسے نہیں دیکھ سکا تھا مگر اب وہ میز کے قریب آ گیا تھا اور مجھے گھور رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کینہ توز چمک تھی اور چہرے کے عضلات تنے ہوئے تھے۔ میں نے مسکرا کر کہا۔

''ہیلو سڈنی!''

مگر اس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ جوڈی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا ''چلو جوڈی!''

''نہیں، میں یہیں بیٹھنا چاہتی ہوں۔'' جوڈی نے جلدی سے کہا۔

''میں کہتا ہوں چلو۔'' سڈنی غصے سے بولا ''تم یہاں نہیں بیٹھ سکتیں۔''

''کیوں نہیں بیٹھ سکتی؟'' جوڈی نے کہا ''میں تو یہیں بیٹھوں گی اور مسٹر راجو سے باتیں کروں گی۔''

سڈنی ایک دو لمحے چپ رہا اور بے حد کمینگی کے ساتھ جوڈی کو گھورتا رہا، اس کا چہرہ اور سیاہ پڑ گیا تھا۔ چند ثانیے وہ کھسیانے انداز میں ہونٹ کاٹتا رہا پھر سرد لہجے میں بولا ''تم..... تم پچھتاؤ گی جوڈی۔''

جوڈی نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی۔ میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولی ''مسٹر راجو! کیا میں آپ کے ساتھ ڈانس کر سکتی ہوں؟''

جواب دینے سے پہلے میں نے بار برا کو دیکھا۔ وہ چپ چاپ بیٹھی تھی اور اس کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے بالکل عاری تھا پھر میں نے سڈنی کو دیکھا۔ وہ مجھے اس طرح گھور رہا تھا جیسے میرا بدترین دشمن ہو۔ اگر نشے میں نہ ہوتا تو شاید صورت حال کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے جوڈی سے معذرت کر لیتا مگر بیکار ڈی اور چرس نے مل کر میری کھوپڑی گھما دی تھی۔ میں نے سوچا کہ اگر معذرت کرتا ہوں تو یہ نہ صرف میری بلکہ جوڈی کی بھی توہین

ہوگی۔ چنانچہ میں یکا یک اٹھا اور جوڈی کا بازو پکڑ کر ہال کے وسط میں چلا گیا۔

ہم دونوں ''ڈیلا ٹیلا'' کی پرشور دھن پر ڈانس کرنے لگے۔ میرے دونوں ہاتھ جوڈی کی کمر میں تھے اور اس کے دونوں ہاتھ میری گردن میں مجھے اس بات کا احساس تھا کہ شاید بار برا میری اس حرکت پر برا مان جائے لیکن مجھے اس کی کوئی فکر نہیں تھی۔ بار برا نے کہا تھا کہ کسی دوسری عورت کی طرف التفات سے وہ جلے گی نہیں۔ چنانچہ مجھے امید تھی کہ وہ خفا نہیں ہوگی اور اگر خفا ہو بھی گئی تو کوئی بات نہیں، میں اسے منالوں گا۔ میں چپ چاپ ہجوم کے درمیان رقص کرتا رہا۔ جوڈی قد میں مجھ سے خاصی چھوٹی تھی، چنانچہ وہ میرے سینے پر سر رکھے ہوئے ہولے ہولے قدم اٹھا رہی تھی۔ اس کا انداز کچھ ایسا ہی تھا جیسے وہ میرے بازوؤں کے حلقے کو کسی قسم کی پناہ سمجھتی ہو۔ چند منٹ اسی حالت میں گزرے پھر میں نے اپنے شانے پر ایک وزنی ہاتھ کا دباؤ محسوس کیا۔ گھوم کر دیکھا تو وہ سڈنی تھا اور مجھے خونبار نظروں سے گھور رہا تھا۔

''تم اس لڑکی کے ساتھ نہیں ناچو گے۔'' معاً اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

''اگر جوڈی بھی یہی بات کہے تو بے شک نہیں ناچوں گا۔'' میں نے حتی الامکان اپنے لہجے کو پرسکون رکھا۔

''دیکھو مین!'' سڈنی کی آواز میں تلوار کی کاٹ تھی ''بار برا میری گرل تھی لیکن تم اسے لے اڑے اور میں چپ رہا۔ اب تم جوڈی پر ہاتھ صاف کر رہے ہو، یہ کسی طرح بھی نہیں ہوسکتا۔ اگر خیریت چاہتے ہو تو اس کلب سے دفع ہو جاؤ۔''

جوڈی اس مکالمہ بازی کے دوران اور سہم گئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ میری کمر میں ڈال دیئے تھے اور پوری قوت سے میرے ساتھ لپٹ گئی تھی۔ میں نے اس کی کلائیاں پکڑ کر سہولت سے اسے علیحدہ کیا اور سڈنی کی طرف گھوم کر بولا۔

''ورنہ تم کیا کرو گے؟''

سڈنی نے اس بات کا جواب زبان سے نہیں، ہاتھ سے دیا۔ اس کا بھرپور گھونسا میرے جبڑے پر پڑا اور مجھے ایسا ہی محسوس ہوا جیسے کوئی شہتیر مجھ پر آ گرا ہو۔ میں توازن بگڑنے کے سبب زمین پر گر پڑا۔ شاید میرے ہونٹوں سے خون بھی نکل آیا تھا۔ میں نے دونوں ہتھیلیاں زمین پر ٹیک کر اٹھنے کی کوشش کی نشے کی بنا پر میرا برا حال ہو رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے رنگین چنگاریاں اڑ رہی تھیں اور سر میں دھماکے ہو رہے تھے۔ میں جب اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا تو بار برا جھپٹتی ہوئی میرے پاس آئی۔ وہ بہت ہراساں اور خوف زدہ دکھائی دے رہی تھی۔ جوڈی کا بھی یہی حال تھا۔ بار برا نے میرا بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔

''راجو! تمہیں چوٹ تو نہیں آئی؟ چلو یہاں سے چلیں۔''

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ آہستہ سے اسے ایک طرف ہٹایا اور دوسرے لمحے میں سڈنی پر پل پڑا۔ میرا پہلا گھونسا اتفاق سے بہت زور سے پڑا اور یا پھر یہ نشے کی دین تھی کہ سڈنی لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹا اور الٹ گیا۔ ہال میں کئی چیخیں گونجیں۔ لوگ سمٹ کر دیواروں کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور زور زور سے چلانے لگے۔ سڈنی نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی۔ غصے کے باعث اس کے چہرے کے خطوط بگڑ کر بھیانک ہو گئے تھے۔ آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ ہو گئی تھیں اور زبان سے گالیاں یوں نکل رہی تھیں جیسے خود بخود پھسل رہی ہوں۔

اس نے آگے بڑھ کر ایک گھونسہ کچھ اس طرح میری پسلی میں مارا کہ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ وہ یقیناً مجھ سے زیادہ پھرتیلا اور طاقت ور تھا۔ اس کے ہر گھونسے پر مجھے ایسا لگتا تھا کہ اب ٹانگیں جواب دے جائیں گی اور میں کھڑا نہیں ہو سکوں گا، لیکن میرے اندر کوئی جذبہ ایسا تھا جو مجھے بار بار اٹھنے پر مجبور کر رہا تھا۔ میں اتنے لوگوں کے سامنے اپنی توہین نہیں کرانا چاہتا تھا۔ سڈنی میرا بدترین دشمن ہے، یا وہ رہے گا یا میں رہوں گا۔ میرا ذہن بار بار یہی ایک جملہ دہرا رہا تھا۔ غصے اور نفرت کے باعث میرے رگ و پے میں آگ لگی ہوئی تھی۔ سڈنی کی نسبت میرا حلیہ بھی خاصا خراب ہو چکا تھا۔ منہ اور ناک سے خون جاری ہو گیا تھا اور شاید کنپٹی کے آس پاس بھی زخم آیا تھا۔ میرے کپڑوں پر جگہ جگہ خون کے دھبے تھے۔ اگرچہ سڈنی کی حالت بھی خراب تھی مگر اتنی نہیں جتنی میری تھی۔ میرے ذہن میں سائیں سائیں ہو رہی تھی، اور ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔ کم بخت، ذلیل، باسٹرڈ، میں نے دل ہی دل میں اسے گالی دی اور تابڑ توڑ اس کے پیٹ میں گھونسے مارے مگر اب پوری طرح مجھ پر حاوی ہو چکا تھا۔ اس کا ہر گھونسہ میری کنپٹی، کمر یا پسلی پر اس طرح پڑتا کہ ضبط کی انتہائی کوشش کے باوجود میرے حلق سے گھٹی گھٹی چیخ نکل جاتی۔ میں پوری طرح سمجھ چکا تھا کہ اگر دو تین منٹ یہ لڑائی اور چلی تو بازی ہار جاؤں گا اور یہ مجھے کسی صورت گوارا نہ تھا۔ کیونکہ وہاں باربرا بھی موجود تھی چنانچہ پھر آخری چارہ کار کے طور پر میں نے قریب پڑی ہوئی ایک کرسی اٹھائی اور پوری قوت سے سڈنی کے سر پر دے ماری۔

سڈنی کے حلق سے جو چیخ نکلی وہ ایسی جگر خراش تھی کہ کئی کمزور عورتوں کے دل کی دھڑکن لمحے بھر کے لیے رک گئی ہو گی۔ وہ فرش پر گر گیا تھا اور غالباً اس کا سر پھٹ گیا تھا کیونکہ میں نے اس کے چہرے پر خون ہی خون دیکھا مگر شاید میں اپنے حواس میں نہیں تھا۔ مجھ پر جنون کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ نفع و نقصان سے بے نیاز ہو کر میں بدستور اس کے جسم پر کرسی سے وار کر رہا تھا۔ ہو سکتا ہے، میں اسے جان سے ہی مار ڈالتا، مگر اچانک باربرا نے مجھے پکڑ لیا۔ کرسی چھین کر ایک طرف پھینکی اور مجھے دروازے کی طرف گھسیٹنے لگی۔

اگرچہ میں جانا نہیں چاہتا تھا، میں وہیں رہنا چاہتا تھا اور سڈنی کو جان سے مار دینا چاہتا تھا لیکن باربرا میرے احتجاج کی پروا کیے بغیر مجھے کھینچتی ہوئی دروازے تک لے گئی۔ مجھے کسی بھی بات کا ٹھیک احساس نہیں تھا۔ ذہن صحیح طریقے پر کام نہیں کر رہا تھا اور اس کے علاوہ شاید میری آنکھوں میں خون چلا گیا تھا، اس بنا پر کوئی شے صاف نظر نہیں آ رہی تھی۔ روشنیاں اور لوگوں کے چہرے اور تصاویر ہر شے دھندلی اور غیر مربوط دکھائی دے رہی تھی۔ میں اندھوں کی طرح لڑکھڑاتا ہوا باربرا کے ساتھ دروازے تک گیا۔ باربرا نے دروازہ کھولا اور مجھے باہر کی جانب کھینچا۔ میں نے جلدی سے کہا۔

''اور وہ جوڈی۔ وہ کہاں ہے؟''

''وہ ہال میں نہیں ہے۔'' باربرا کے لہجے سے فکر اور گھبراہٹ کا اظہار ہو رہا تھا ''وہ شاید خوف زدہ ہو کر پہلے ہی چلی گئی۔''

کلب سے باہر نکل کر ہم دونوں پتھریلی گلی میں تیزی سے دوڑتے چلے گئے بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ باربرا دوڑ رہی تھی اور چونکہ میرا ہاتھ اس کی گرفت میں تھا لہٰذا میں کسی نہ کسی طرح اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ مجھے اس بات پر حیرت تھی کہ آخر پولیس کیوں نہیں آئی۔ ہم دونوں دیر تک لڑتے رہے تھے۔ اگر کوئی پولیس کو فون کر دیتا تو

اب تک پولیس یقیناً پہنچ چکی ہوتی۔ اس کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ رچی اپنے کلب میں پیش آنے والے معاملات میں پولیس کی مداخلت پسند نہیں کرتا اور اسی بنا پر اس نے فون نہیں کیا ہوگا۔ یہ بات جب میں نے باربرا سے کہی تو اس نے فوراً تصدیق کردی۔

''تو پھر آخر ہم بھاگ کیوں رہے ہیں۔'' میں نے جھلا کر کہا۔

''تم نہیں جانتے، سڈنی بہت خطرناک آدمی ہے۔'' باربرا نے جواب دیا۔

''مگر اب وہ ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے۔''

''اس کے کئی ساتھی ہیں، ممکن ہے کسی نے انہیں اطلاع کردی ہو۔'' باربرا مجھے ایک دکان کے سائبان میں گھسیٹتی ہوئی بولی ''اور اگر وہ لوگ آ گئے تو بڑی مصیبت ہوجائے گی۔ ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔''

یہ کہہ کر اس نے اپنے پرس سے ایک بڑا رومال نکالا اور میرے چہرے سے خون صاف کرنے لگی۔ میں دیوار کا سہارا لے کر چپ چاپ کھڑا رہا۔ میری حالت مزید دگرگوں ہوچکی تھی۔ کھڑا ہونا دشوار ہورہا تھا مگر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ غنیمت یہ کہ رات کافی ہوچکی تھی اور فلہم کے اس علاقے میں زیادہ چہل پہل نہیں ہوئی تھی، اس لیے کسی نے ہمیں نہیں دیکھا۔ خون صاف کرنے کے بعد باربرا نے کہا۔

''راجو! تم یہیں ٹھہرو، میں ٹیکسی کا بندوبست کرتی ہوں۔''

''بہتر ہے۔'' میں نے کہا ''مجھے ایک سگریٹ جلا کر دے دو۔''

باربرا نے سگریٹ جلا کر میرے ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا ''اور سنو، جب ٹیکسی آئے تو تم پیچھے سے آ کر پچھلی سیٹ پر بیٹھنا۔ کوشش کرنا کہ تمہارے کپڑوں پر ڈرائیور کی نظر نہ پڑنے پائے۔''

جب ہم لوگ گھر پہنچے تو کوئی ساڑھے بارہ بج چکے تھے۔ خوش قسمتی سے ٹیکسی ڈرائیور جو کہ ایک باتونی بوڑھا تھا، میری خستہ حالت یا کپڑوں پر خون کے دھبوں کو نہیں دیکھ سکا تھا ورنہ وہ ضرور پولیس کو اطلاع کردیتا اور پھر خوامخواہ پریشان ہونا پڑتا۔ میں چپ چاپ صوفے پر بیٹھا رہا۔ اتنی دیر میں جوش ٹھنڈا پڑ گیا تھا اور دوران میں اعتدال پر آ گیا تھا۔ لہٰذا اب زخموں میں ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔ جہاں جہاں سڈنی کے گھونسے پڑے تھے، وہاں وہاں درد ہورہا تھا۔ باربرا نے گرم اسفنج سے خون صاف کیا۔ ایک دو بڑی خراشوں پر ٹیپ چپکا دی پھر میں نے سوٹ اتار کر پھینک دیا اور سلیپنگ سوٹ اور گاؤن پہن لیا۔ باربرا اتنی دیر میں بلیک کافی بنا کر لے آئی تھی۔ اس وقت گرم اور تلخ کافی آب حیات سے کم محسوس نہیں ہوئی۔ دو تین گھونٹ میں ہی توانائی بحال ہوگئی۔ درد بھی کم ہوگیا اور پراگندہ ذہن پوری طرح ہوش میں آ گیا۔

باربرا اتنی دیر میں کپڑے اتار کر میرا ہی ایک سلیپنگ سوٹ پہن چکی تھی۔ میں نے سگریٹ جلائی، ایک اسے دے دی اور ایک اپنے ہونٹوں میں دبائی۔ باربرا نے ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔

''راجو! مجھے بہت افسوس ہے لیکن میں نے تم کو پہلے ہی منع کیا تھا۔''

''اس میں افسوس کی کوئی بات نہیں ہے، میں تو اسے مار ڈالنا چاہتا تھا تم نے خوامخواہ میرا ہاتھ پکڑ لیا۔''

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔'' باربرا نے تنبیہاً کہا ''جانتے ہو اس کا انجام کیا ہوتا؟ ایک طرف تو پولیس

تمہارے پیچھے پڑ جاتی، اور دوسری طرف سڈنی کے دوست تمہیں سکون سے نہیں رہنے دیتے۔"

"کیا اس کا کوئی گروہ ہے؟"

"گروہ تو نہیں ہے لیکن اس کے چند ساتھی ہیں اور ان کا کوئی کالا دھندا ہے۔ یہ سب کے سب بڑے خطرناک لوگ ہیں اور کوئی بھی کام کر سکتے ہیں۔"

"درست ہے۔" میں نے گردن ہلائی "لیکن سوال یہ ہے کہ وہ میرے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے؟"

"سبب ہوں میں۔" باربرا کے ہونٹوں پر ایک ایسی مسکراہٹ پھیل گئی جسے کوئی معنی دینا مشکل تھا "وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے کبھی اسے گھاس نہیں ڈالی، اور اب میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اسی بنا پر وہ تم سے جلنے لگا ہے۔"

میں نے باربرا کے گال پر انگلی سے دائرہ بنا کر کہا "اگر یہی سبب ہے تو پھر سڈنی کا طرزِ عمل غلط نہیں۔ تمہارے لیے بلاشبہ دو چار قتل ہو سکتے ہیں۔"

اس رات باربرا میرے ہی پاس رہی۔ وہ مجھے اس حالت میں چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی تھی۔ اگرچہ میں بالکل ٹھیک ٹھاک تھا..... مگر پھر بھی اس نے میرے ساتھ ہی رہنا مناسب سمجھا۔ دوسرے دن جب ہم ناشتے سے فارغ ہو چکے تو باربرا باہر جانے کے لیے تیار ہوئی۔ میں اگرچہ خود بھی باہر جانا چاہتا تھا مگر باربرا نے مجھے منع کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ جب تک صورت حال کا صحیح طور پر علم نہ ہو جائے، مجھے گھر میں ہی رہنا چاہیے۔ وہ باہر جا کر سڈنی کے بارے میں معلوم کرنا چاہتی تھی۔ آیا وہ زندہ بھی ہے یا مر گیا۔ بات عجیب سی تھی لیکن ناممکن نہیں تھی۔ کرسی کی ضربوں سے سڈنی کو بہت چوٹیں آئی تھیں۔ ممکن ہے، بہت زیادہ جریانِ خون ہونے اور بروقت طبی امداد نہ ملنے کے سبب وہ مر گیا ہو۔ اگرچہ اس کا امکان بہت کم تھا لیکن میں نے باربرا سے بحث نہیں کی، چنانچہ وہ مجھے گھر میں رہنے کی تاکید کر کے باہر چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد میں نے ایک کپ کافی تیار کی اور رہائشی کمرے میں قالین پر نیم دراز ہو گیا۔ دراصل میرے ذہن میں کئی الجھنیں تھیں، اور میں ان پر غور کرنا چاہتا تھا۔ باربرا کی بات مان لینے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ میں تھوڑی دیر تنہا رہ کر سوچنا چاہتا تھا۔ پچھلے چند ہفتوں سے جو واقعات میرے ساتھ پیش آئے تھے، وہ اگرچہ بظاہر بڑے معمولی اور بے ضرر سے تھے مگر ان واقعات میں کہیں نہ کہیں کوئی ایسی بات ضرور تھی جو "خلافِ معمول" یا "غیر فطری" کہی جا سکتی تھی مگر وہ کیا بات تھی، یہ میں نہیں سمجھ سکتا تھا۔ میرے ذہن میں ابھی تک انتشار تھا۔ چوٹوں میں درد ہو رہا تھا اور ذہن کو یکسوئی کے ساتھ ایک مرکز پر لانے کی کوشش میں مجھے کامیابی نہیں ہو رہی تھی چنانچہ پھر بہتر یہی معلوم ہوا کہ میں سارے خیالات ذہن سے جھٹک دوں اور خالی الذہن ہو کر کچھ دیر دماغ کو اور اعصاب کو سکون پہنچاؤں۔ ممکن ہے ان واقعات میں کوئی غیر معمولی بات نہ ہو اور یہ محض میرا وہم ہی ہو۔ یہ طے کر کے میں نے آنکھیں بند کر لیں اور جسم کو ڈھیلا چھوڑ کر نیم دراز ہو گیا۔

☆☆☆

ایسکورٹ ہموار رفتار سے چل رہی تھی۔

یہ سہ پہر کا وقت تھا۔ لندن کے آسمان پر صرف کہیں کہیں بادل کا کوئی ٹکڑا تھا، ورنہ ہر طرف دور تک نیلا

آسمان پھیلا ہوا تھا اور سنہری دھوپ شہر کے گلی کوچوں پر دھوم دھام سے برس رہی تھی۔ میں چپ چاپ پچھلی سیٹ پر دراز بازار کے مناظر سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ باربرا میرے برابر بیٹھی تھی جبکہ سونیا گاڑی چلا رہی تھی۔ ہم دونوں کوئی آدھا گھنٹہ پہلے گھر سے روانہ ہوئے تھے اور میں نے باربرا سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ لندن میں اب تک میری دلچسپیاں بے حد محدود رہی تھیں لیکن جب سے باربرا کا ساتھ میسر ہوا تھا تب سے وہ مجھے نئی نئی جگہوں پر لے جا رہی تھی اور یوں مجھے لندن کے وہ مقامات بھی دیکھنے کا موقع مل رہا تھا جنہیں ''اندرونِ لندن'' کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ان میں اچھے برے ہر طرح کے مقامات شامل تھے اور میں ان سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اس وقت بھی اس سے اس بارے میں سوال نہیں کیا۔ سوچا کہ ممکن ہے کسی نئی جگہ پر لے جا رہی ہو۔

باربرا صبح ناشتے کے بعد گئی تھی اور کوئی دو بجے واپس آئی تھی مگر وہ تنہا نہیں تھی۔ اس کے ساتھ سونیا بھی تھی۔ وہی اینگلو ویسٹ انڈین لڑکی، جس سے میری ملاقات میڈم روز آلبہ کے بیوٹی سیلون میں ہوئی تھی۔ وہ روز آلبہ کی ایسکورٹ گاڑی بھی لیتی آئی تھیں۔ باربرا نے تین چار گھنٹے میں سڈنی کے بارے میں پوری معلومات حاصل کر لی تھیں۔ اس نے مجھے بتایا کہ سڈنی بہت زخمی ہو گیا ہے اور اب ایک پرائیویٹ اسپتال میں پڑا ہوا ہے۔ اس کے سر اور جسم پر متعدد پٹیاں بندھی ہوئی ہیں مگر اس کے مرنے کا کوئی خطرہ نہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اسے دو تین دن اسپتال میں رہنا ہوگا۔

''کیا اس نے پولیس کو مطلع نہیں کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں۔'' باربرا نے بتایا ''اس نے پولیس کو نہیں بتایا۔ شاید اس کو اندیشہ ہو کہ اس طرح وہ خود بھی پھنس جائے گا۔ اس کے ساتھی برافروختہ ہو رہے ہیں۔ وہ تمہیں تلاش کرنا چاہتے تھے تاکہ سڈنی کا انتقام لیں، مگر سڈنی نے انہیں منع کر دیا۔ اس کا کہنا ہے کہ اپنا بدلہ وہ خود لے گا۔''

''تمہیں یہ ساری اطلاعات کہاں سے ملیں؟'' میں نے پوچھا۔

''رچی سے۔'' باربرا نے مزید بتایا ''دراصل اسے بھی اندیشہ تھا کہ سڈنی کہیں انتقامی کارروائی نہ کرے۔ لہٰذا اس نے اپنا ایک آدمی سڈنی کے پیچھے لگا دیا تھا جس نے یہ معلومات حاصل کیں۔ تم شاید سوچ رہے ہو گے کہ رچی نے اتنی زحمت کیوں اٹھائی تو بات یہ ہے کہ اول تو رچی میرا ہم وطن ہے اور دوسرے یہ کہ میرا بہت اچھا دوست بھی ہے۔''

میں تھوڑی دیر چپ رہا ''اچھا خیر۔'' آخر کار میں نے کہا ''سوال یہ ہے کہ کہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچائے۔''

''ہاں، یہ ہو سکتا ہے۔'' باربرا نے سر کی جنبش سے اتفاق کیا ''تمہارا پتا معلوم کرنے کے لیے وہ مجھے پکڑ سکتے ہیں اور زدوکوب کر سکتے ہیں مگر تم بالکل پریشان نہ ہو، میں اپنی حفاظت کر سکتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ ذرا سا رکی اور میرے گال پر چپت مار کر بولی ''اور تمہارا پتا بھی میں کسی قیمت پر نہیں بتاؤں گی۔ ویسے بھی سڈنی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

''فکر نہ کرو۔'' میں نے اعتماد کے ساتھ کہا ''سڈنی مجھے کمزور دشمن نہیں پائے گا۔''

گاڑی چلتی رہی اور میں سونیا کی پشت اور گھنگھریالے بالوں کو گھورتا رہا۔ اس وقت سونیا کی سج دھج کچھ نرالی ہی تھی، اور سچ یہ ہے کہ وہ اس سجاوٹ میں بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اس کے سراپا میں ایک عجیب سی کشش پیدا ہوگئی تھی۔ اس نے چوڑی آستینوں والا ایک لمبا افریقی طرز کا کرتہ پہن رکھا تھا جس پر متعدد رنگوں میں پھول پتیاں اور بیلیں چھپی ہوئی تھیں۔ گلے میں سیاہ، سرخ، سبز اور پیلے موتیوں والی سہ لڑی مالا پڑی ہوئی تھی۔ کلائیوں میں نقشین کنگن تھے۔ اس نے ہلکے سبز رنگ کا دھوپ کا چشمہ بھی لگا رکھا تھا جو اس کے چہرے پر بہت بھلا لگ رہا تھا۔ کمر میں کرتے کے اوپر سے اس نے ایک سنہری زنجیر باندھ رکھی تھی جس نے اس کی کمر کا دلآویز خم نمایاں کر دیا تھا۔ اس لباس اور انداز سجاوٹ نے اس کی شخصیت میں ایک انفرادیت پیدا کر دی تھی اور میں نے حیران ہو کر سوچا تھا کہ پہلی ملاقات میں وہ اتنی حسین نہیں لگی تھی۔ اب کیا بات ہے کہ اسے دیکھ کر ذہن و احساس میں امنگوں کے طوفان اٹھ رہے ہیں۔

تھوڑی دیر میں ہم چیلسی کے اس علاقے میں جا پہنچے جہاں رؤسا اور امراء کے بنگلے اور کاٹیج تھے۔ بعض وکٹورین طرز کی پرانی پتھریلی عمارتیں بھی تھیں جو چھوٹے موٹے محل یا قلعے کی طرح نظر آتی تھیں۔ یہاں آبادی چھتری ہوئی تھی۔ اکثر عمارتیں تو بالکل الگ تھلگ واقع تھیں۔ سونیا نے گاڑی جس عمارت کے گیٹ پر روکی، یہ بھی ایک وکٹورین عمارت تھی۔ فاؤنڈیشن سے لے کر مٹی تک پوری عمارت میں پتھر ہی پتھر استعمال ہوا تھا۔ دروازوں اور کھڑکیوں کی لکڑی کالے رنگ سے رنگی گئی تھی مگر اب رنگ کافی مدھم پڑ چکا تھا۔ عمارت کی ظاہری حالت کافی بوسیدہ دکھائی دیتی تھی مگر حقیقتاً ایسا نہیں تھا۔ بات صرف اتنی تھی کہ برسہا برس سے عمارت کے رنگ و روغن اور پالش پر توجہ نہیں دی گئی تھی۔

گیٹ پر ایک چھوٹی سی تختی لگی تھی جس پر ''ایمن مینشن'' کے الفاظ درج تھے۔ میں تختی پر لکھے ہوئے الفاظ کو غور سے دیکھتا ہوا۔ سونیا اور باربرا کے پیچھے گیٹ سے گزر کر سرخ بجری والی روش پر چلتا ہوا عمارت کے صدر دروازے تک پہنچا۔ باربرا نے کال بیل بجائی اور ہمیں کوئی دو منٹ انتظار کرنا پڑا پھر ایک پستہ قد اور فربہ عورت نے دروازہ کھولا۔ اس کے چہرے کے تاثرات میں بڑی کرختگی تھی مگر باربرا اور سونیا پر نظر پڑتے ہی وہ معاً کھل کر مسکرا پڑی اور پھر مجھے بہت غور سے دیکھتے ہوئے بے حد تعظیمی انداز میں بولی۔

''اندر آیئے آپ لوگ۔''

ہم اندر داخل ہوئے اور تب مجھ پر انکشاف ہوا کہ عمارت باہر سے اتنی وسیع نظر نہیں آتی تھی جتنی درحقیقت تھی۔ ہم ایک طویل راہداری میں چل رہے تھے۔ راہداری میں ایک سرخ دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ دونوں طرف دیواروں پر جو وال پیپر لگا تھا اس کی زمین بھی سرخ تھی اور اس پر سنہرے رنگ سے مختلف تصاویر بنی ہوئی تھیں۔ دونوں طرف تین تین دروازے تھے۔ ایک دروازہ راہداری کے اختتام پر تھا۔ دیواروں پر بڑی بڑی روغنی تصاویر بھی آویزاں تھیں۔ میں انہیں حیرت سے دیکھتا ہوا چلتا رہا۔ یہ تصاویر نہ تو مناظر کی تھیں، نہ دنیا کی مشہور ہستیوں کی، بلکہ حیرت انگیز طور پر یہ تصاویر فراعین مصر سے متعلق تھیں۔ کہیں کسی اہرام کی تصویر تھی اور کہیں کسی فرعون یا اس کی ملکہ کی۔ آخر ان تصاویر کو یہاں لگانے کا کیا جواز ہے۔ کیا صاحب خانہ بھی دنیا کے ان دولت مند سنکیوں میں ہے جو کسی ایک موضوع پر قدیم نوادرات جمع کرنے کے خبط میں مبتلا ہوتے ہیں۔ کسی کو وائیکنگ سے دلچسپی

کتابیات پبلی کیشنز

ہوتی ہے، کوئی قدیم چینی آثار جمع کرتا ہے اور کوئی مصریات کے جنون کا شکار ہوتا ہے۔ غالباً ایمن مینشن کے دولت مند خبطی کو فراعین مصر اپنے خاندان کے لوگ محسوس ہوتے ہوں گے۔ تبھی تو اس نے یہ تصاویر جمع کر رکھی ہیں۔

جب میں راہداری کے اختتام پر پہنچا تو یکا یک زمین نے میرے پیر پکڑ لیے۔ شاید میری زبان سے کوئی کلمہ تحیر بھی بلند ہوا تھا، مگر آواز اونچی نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سونیا اور بار برا متوجہ نہیں ہوئیں۔ میں گردن اٹھائے ہونقوں کی طرح اس تصویر کو گھور رہا تھا، جو راہداری کے آخر میں لگی تھی۔ تصویر تقریباً تین فٹ چوڑی اور پانچ فٹ لمبی تھی اور تصویر کسی اور کی نہیں، ویرا ہمشائر کی تھی۔ وہی ویرا جس سے ملاقات اسکندریہ میں ہوئی تھی اور دوبارہ جسے میں نے برٹش میوزیم میں دیکھا تھا مگر اس کے بعد سے وہ مجھے نظر نہیں آئی تھی۔ یکا یک ایک خیال میرے ذہن میں پیدا ہوا اور سردی کی ایک لہر میں نے اپنے جسم میں دوڑتی ہوئی محسوس کی۔ اس راہداری میں تقریباً تمام تصاویر فراعین کی ہیں جو کم از کم ساڑھے تین ہزار سال پرانی مصری تاریخ کے کردار ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان تصاویر کے ساتھ ویرا کی تصویر کے ہونے کا کیا مطلب ہے۔ آخر صرف یہی ایک تصویر ایسی کیوں ہے جس کا باقی تصاویر سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ میں نے ذرا غور سے ویرا کی روغنی تصویر کو دیکھا، مصور جو کوئی بھی تھا بلا کا فنکار تھا۔ اس نے بلاشبہ ایک شاہکار تخلیق کیا تھا۔ ویرا کے حسن میں جو پرشکوہ عظمت تھی، دل و دماغ کو تسخیر کرنے والی جو صلاحیت تھی اور آنکھوں میں طلسماتی چمک تھی، مصور نے اسے بخوبی کینوس پر منتقل کر دیا تھا۔ رنگوں کا امتزاج انتہائی دلکش تھا۔ میں نے اپنے رگ و پے پر اس تاثر کو حاوی ہوتے ہوئے محسوس کیا جو اسکندریہ کے ریلوے اسٹیشن پر یا برٹش میوزیم میں اس سے ملاقات ہونے پر محسوس کیا تھا۔ چند لمحے اسی سحر انگیز کیفیت میں گزرے پھر میں نے سوچا کہ آخر یہ تصویر یہاں کیوں ہے۔ ویرا کا مصر کے فرعونوں سے کیا تعلق ہو سکتا ہے، لہٰذا اس تصویر کو یہاں نہیں ہونا چاہیے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ویرا کا اس مکان اور صاحب مکان سے بھلا کیا تعلق ہے؟ ممکن ہے اس سوال کا جواب بار برا سے مل سکے چنانچہ پوچھنے کے خیال سے میں نے گھوم کر دیکھا مگر اس اثناء میں وہ دروازے پر دستک دے چکی تھیں اور دوسری طرف سے کسی نے دروازہ کھول دیا تھا۔ بار برا نے پلٹ کر مجھ سے کہا۔

"آؤ راجو۔"

میں ان کے پیچھے کمرے میں داخل ہوا۔ یہ ایک کافی کشادہ ہال تھا۔ فرش پر انتہائی دبیز سرخ قالین بچھا ہوا تھا۔ درمیان میں ایک میز بچھی تھی جس کی سطح ہلکے نیلے شیشے کی تھی۔ ہال کی مشرقی دیوار کے ساتھ ایک چھوٹی میز، صوفہ سیٹ اور چار چوبی کرسیاں پڑی تھیں۔ دیواروں پر سنہرا وال پیپر تھا۔ سامنے والی دیوار کے ساتھ چند خوب صورت شوکیس رکھے تھے۔ جن میں کچھ عجیب و غریب قسم کی اشیاء رکھی ہوئی تھیں لیکن میری توجہ جس چیز نے سب سے پہلے کھینچی وہ ایک مجسمہ تھا۔ کوئی ڈیڑھ فٹ لمبا۔ سنہرے رنگ کا وہ مجسمہ شوکیس کے پاس سنگ سفید سے بنی ہوئی ایک خوب صورت ٹیبل پر رکھا ہوا تھا۔ وہ مجسمہ یا تو خالص سونے کا تھا اور یا پھر اس پر سونے کا پانی پھرا ہوا تھا۔ میں ایک نظر دیکھتے ہی اسے پہچان گیا۔

وہ مجسمہ طوطنخ آمن کا تھا۔

پھر میں اس شخص کی طرف متوجہ ہوا جس نے دروازہ کھولا تھا۔ وہ ایک دبلا پتلا آدمی تھا۔ قدیقینی طور پر چھ فٹ دو انچ یا اس سے بھی زیادہ تھا۔ اس کی ناک لمبی اور طوطے کی چونچ کی طرح ٹیڑھی تھی۔ گال پچکے ہوئے اور آنکھوں کے گرد حلقے۔ اسے دیکھ کر دل و دماغ پر ایک سہما دینے والی کیفیت طاری ہوتی تھی کیونکہ اس کے سراپا میں زندگی کے آثار بہت ہی کم محسوس ہوتے تھے۔ چہرے کی زردی اتنی زیادہ تھی کہ لگتا تھا اس کے جسم میں خون نام کی کوئی شے ہے ہی نہیں۔ بالکل پھیکا اور بے روح چہرہ تھا۔ اس نے جو سوٹ پہن رکھا تھا اس میں بے شمار شکنیں تھیں۔ شاید وہ سوتے وقت بھی سوٹ کو اتارتا نہیں تھا مگر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس کی آنکھوں کا اس کی پوری شخصیت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ان آنکھوں میں بڑی زندگی تھی اور گہری پراسرار چمک تھی۔ اس کی نیلی آنکھوں کو دیکھ کر فیروزہ کا خیال آتا تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ فیروزہ میں کرنوں کا ایسا اخراج نہیں ہوتا، جیسا اس کی آنکھوں میں تھا۔

معاً بار برا نے مسکرا کر کہا ''ڈاکٹر ان سے ملو، یہ ہیں مسٹر ریاض عالم، مگر ہم لوگ بے تکلفی سے انہیں راجو کہتے ہیں۔''

''ہیلو مسٹر راجو!'' اس نے مسکرا کر قدرے خم ہوتے ہوئے کہا ''مجھے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی، میں ڈاکٹر نیفا ہوں۔''

''پلیز ٹو میٹ یو ڈاکٹر۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''میں تو بہت بے چینی سے آپ کا منتظر تھا۔'' ڈاکٹر نے پھر کہا۔ اس کی آواز میں تانبے کے برتن کی کھنک تھی۔

''میرا انتظار کر رہے تھے، کیوں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''دراصل۔'' وہ ہاتھ ملتا ہوا بولا ''بار برا نے مجھ سے آپ کا ذکر کیا تھا۔ بار برا آپ کی شخصیت سے بہت متاثر ہے۔ چنانچہ مجھے بھی آپ سے ملنے کا شوق ہوا۔ آپ کا بڑا کرم ہے کہ یہاں تک آنے کی زحمت گوارا کی۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں۔''

''تعجب ہے ڈاکٹر۔'' میں نے پھر حیران ہو کر کہا ''میں تو ایک معمولی سا آدمی ہوں۔''

ڈاکٹر نے مجھے بہت غور سے دیکھا۔ بہت دھیرے سے مسکرایا، پھر ناقابل فہم لہجے میں بولا ''یہ تو وقت بتائے گا کہ آپ کیا ہیں اور وہ وقت جلدی ہی آنے والا ہے۔''

''آپ شاید مذاق کر رہے ہیں۔'' میں ہنس دیا۔

ڈاکٹر بھی مسکرایا۔ اس کے ساتھ بار برا اور سونیا بھی ہولے سے ہنسیں۔ میرے ذہن میں پھر خفیف سی الجھن ہونے لگی تھی اور یہ الجھن ڈاکٹر کے نام نے پیدا کی تھی۔ نیفا عجیب سا نام ہے۔ اپنی اب تک کی زندگی میں میں نے ایسا نام نہیں سنا تھا۔ یہ نام کسی مقام کا تو ہو سکتا تھا، لیکن کسی انسان کا بھی ہوگا۔ یہ میں نے نہیں سوچا تھا۔ یہ نام تو انگلش تھا اور نہ فرنچ، جرمن یا اٹالین۔ نام کے علاوہ میرا ذہن اس بات میں بھی الجھ رہا تھا کہ، یہ وقت بتائے گا کہ میں کیا ہوں اور وہ وقت جلدی ہی آنے والا ہے، آخر اس بات کا کیا مطلب ہوا۔ کیسا وقت جلدی ہی آنے والا ہے لیکن مجھے زیادہ سوچنے کی مہلت نہیں ملی۔ ڈاکٹر نیفا نہایت سپاس گزاری کے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''میرا خیال ہے ہمیں بیٹھنا چاہیے۔''

یہ کہہ کر وہ کرسیوں کی طرف بڑھ گیا۔ ہم نے اس کی تقلید کی۔ ڈاکٹر اور باربرا نے اصرار کر کے مجھے اس کرسی پر بیٹھنے پر مجبور کیا جو سرخ رنگ کے چمڑے کی اور سب سے اونچی کرسی تھی، اور اس کا انداز بناوٹ کافی حد تک شاہانہ تھا۔ کرسی پر بیٹھتے بیٹھتے میں نے ایک بار پھر گھوم کر طوطنخ آمن کے طلائی مجسمے کو دیکھا۔ ڈاکٹر میرے سامنے والی کرسی پر براجمان ہوا تھا اور باربرا اور سونیا صوفے پر بیٹھ گئی تھیں ''میرا خیال ہے کوئی مشروب منگوانا چاہیے۔'' یہ بات ڈاکٹر نے کہی، پھر اس نے گھوم کر سونیا سے کہا۔

''سونیا! ذرا کسی کو بلاؤ۔''

ٹیبل پر پرانے طرز کی پیتل کی ایک گھنٹی رکھی تھی، سونیا نے اسے اٹھا کر بجایا۔ ٹرن ٹرن ٹرن کی آواز کمرے میں گونجی اور فوراً ہی دروازہ کھول کر ایک لڑکی اندر داخل ہوئی۔ میں نے اسے ذرا حیرت اور دلچسپی سے دیکھا۔ اس نے مختصر کرتہ پہن رکھا تھا جو درحقیقت نہ تو کرتہ تھا اور نہ بلاؤز، کچھ عجیب ہی وضع کا لباس تھا اور اتنا مختصر کہ شانے، بازو اور پیٹ عریاں تھا، بال جوڑے کی شکل میں بندھے ہوئے تھے۔ زیر جامہ اگرچہ ٹخنوں تک پہنچ رہا تھا مگر کچھ اس قسم کا تھا کہ سامنے اور دائیں بائیں سلائی نہیں تھی۔ نتیجتاً چلتے وقت اس کی لمبی سڈول ٹانگیں نمایاں ہو جاتی تھیں۔ اس قسم کا لباس قدیم زمانے میں محلوں میں رہنے والی داسیاں پہنتی تھیں۔ وہ مسکراتی ہوئی ہمارے نزدیک آئی۔ ڈاکٹر نیفا نے اسے کسی قسم کا مشروب لانے کے لیے کہا۔ جب وہ چلی گئی تو ڈاکٹر نے کہا۔

''مسٹر راجو! یہ بڑا اچھا مشروب ہے، مجھے امید ہے آپ اسے پسند کریں گے۔''

میں نے سر ہلا کر اس سے اتفاق کیا۔ اس وقت مجھے پھر راہداری میں لگی ہوئی ویرا ہمشائر کی تصویر کا خیال آ گیا۔ اتنی دیر میں میں یہ تو سمجھ ہی گیا تھا کہ یہ مینشن ڈاکٹر نیفا ہی کی ملکیت ہے۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ اس سے ویرا کی تصویر کے بارے میں پوچھوں کہ یہ تصویر آخر یہاں کیوں ہے اور یہ کہ کیا ڈاکٹر ویرا کو جانتا ہے، مگر اس کا موقع نہیں ملا۔ ڈاکٹر مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

''آپ کتنے عرصے سے لندن میں رہ رہے ہیں مسٹر راجو؟''

''تقریباً دس ماہ ہو چکے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''آج صبح باربرا سے فون پر بات ہوئی تھی۔'' ڈاکٹر نرم آواز میں کہتا رہا ''باربرا نے بتایا تھا کہ سڈنی سے کل رات آپ کا جھگڑا ہو گیا تھا۔ یہ بڑی نامناسب بات ہوئی ہے۔ آپ اس ملک میں اجنبی ہیں اور ابھی یہاں آئے ہوئے آپ کو زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرا۔ اس صورت میں وہ لوگ آپ کے لیے پریشانی کا سبب بھی بن سکتے ہیں۔''

''جی ہاں، یہ تو درست ہے۔'' میں نے کہا، کیونکہ کچھ نہ کچھ تو بہرحال کہنا ہی تھا۔

''میں چند ایک بار سڈنی سے ملا ہوں۔'' ڈاکٹر نے سلسلہ گفتگو جاری رکھا ''وہ سنگدل، ظالم اور خودغرض ہے۔ مروت اور شرافت اس کے قریب سے بھی نہیں گزری۔ مجھے تو یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ وہ اور اس کے ساتھی کئی قسم کی غیر قانونی سرگرمیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ یہ سرگرمیاں کس نوعیت کی ہیں اس کا مجھے علم نہیں، لیکن اتنا یقین ہے کہ یہ سرگرمیاں قابل دست اندازی پولیس ہیں۔ ان حالات میں سڈنی سے مخالفت مول لینا مناسب

نہ ہوگا۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ اس سلسلے میں محتاط رہیں تو بہتر ہوگا۔''

''میں لڑائی جھگڑا پسند نہیں کرتا۔'' میں نے جواب دیا ''لیکن اگر سڈنی میرے راستے میں رکاوٹ بننے کی کوشش کرے گا تو وہ مجھے کمزور دشمن نہیں پائے گا۔ میں اپنی خودداری اور غیرت کو مجروح نہیں ہونے دوں گا۔''

''درست ہے۔'' ڈاکٹر نے سر ہلا کر اتفاق کیا ''خودداری اور غیرت آدمی کی شخصیت کو مکمل کرتی ہیں۔ ویسے آپ مطمئن رہیں۔ سڈنی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ آپ کے پاس بھی دوستوں کی کمی نہیں۔''

''مگر میری دوست تو صرف بار برا ہے۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

ڈاکٹر مسکرایا پھر اس نے مدھم لہجے میں کہا ''بار برا کے سارے دوست آپ کے دوست ہیں۔''

ابھی گفتگو یہیں تک پہنچی تھی کہ وہی لڑکی اندر داخل ہوئی اور سمندر کی لہر جیسے خرام کے ساتھ اور اپنی گداز پنڈلیوں کی نمائش کرتی ہوئی ہمارے پاس آئی۔ اس نے ایک چھوٹی سی چاندی کی منقش ٹرے اٹھا رکھی تھی بلکہ بناوٹ کے لحاظ سے اسے تھالی کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ تھالی میں چار چاندی کے گلاس رکھے تھے، اس نے ہم سب کو ایک ایک گلاس پیش کیا اور واپس چلی گئی۔ میں نے گلاس میں نظر ڈالی۔ اس میں عنابی رنگ کا مشروب اوپر تک بھرا ہوا تھا۔ وہ مشروب قدرے گاڑھا تھا اور اس میں کچھ عجیب سی مہک تھی، جو پہلی بار قوت شامہ کو بری محسوس ہوتی تھی مگر دوسرے لمحے دل و دماغ پر ایک انوکھا اور روح پرور احساس مرتب کرتی تھی اور بہت بھلی لگتی تھی۔ میں نے آہستہ سے ایک چھوٹا سا گھونٹ بھرا، اس کا ذائقہ بھی عجیب تھا۔ کم از کم اس قسم کے ذائقے کا کوئی تجربہ پہلے مجھے نہیں ہوا تھا۔ بہت تیز، تلخ اور کثیف ذائقہ تھا۔ ایک لمحے کو تو یوں محسوس ہوا جیسے قے ہو جائے گی۔ میں نے بڑی مشکل سے ابکائی کو روکا اور وہ چھوٹا سا گھونٹ حلق سے اتار لیا۔ مشروب حلق سے نیچے اترا تو زبان پر فوراً ہی ایک بے حد لطیف اور مہک انگیز مٹھاس محسوس ہوئی۔ میں حیران رہ گیا۔ اس قسم کا مشروب میں نے پہلے کبھی نہیں پیا تھا۔ پہلے گھونٹ کے انوکھے اور سرشار کر دینے والے ذائقے سے لطف اندوز ہونے کے بعد میں گھونٹ گھونٹ کر کے وہ مشراب پینے لگا۔

جب تک شربت کا دور چلتا رہا ہم سب خاموش رہے۔ جب گلاس خالی ہو گئے تو بار برا اور سونیا یہ کہہ کر اٹھ گئیں کہ وہ لائبریری جا رہی ہیں، جو کہ اوپری منزل میں تھی۔ ان کے جانے کے بعد میں اور ڈاکٹر تنہا رہ گئے۔ اس وقت مجھ پر ایک ایسی کیفیت طاری تھی، جسے الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ ایک انوکھا سرور سا تھا۔ ذہن پر بڑی نشاط انگیز اور روح پرور کیفیت چھائی ہوئی تھی اور جسم بے حد ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر نے مجھے سگریٹ پینے کی اجازت دے دی تھی چنانچہ میں نے ایک سگریٹ جلالی اور یونہی لاتعلق اور بے دھیانی سے ڈاکٹر کو دیکھنے لگا۔

ڈاکٹر کے ہاتھوں میں ایک زنجیر نظر آ رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ یہ ویسی ہی زنجیر تھی۔ جیسی روز آلبہ، سونیا اور کیٹی کے گلے میں پڑی تھی۔ یعنی چین سنہری تھی اور اس میں پانچ پہل والا ایک سنہری ستارہ پڑا ہوا تھا اور اس پر عورت کے جسم اور کتے کے منہ والی تصویر کندہ تھی۔ ڈاکٹر اسے دو انگلیوں پر تھام کر دھیرے دھیرے دائیں بائیں ہلا رہا تھا۔

چند لمحے کے توقف کے بعد ڈاکٹر نے نرم اور دوستانہ لہجے میں کہا ''مسٹر راجو! مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ آپ مجھے بہت پسند آئے۔ آپ ایک خوبرو ذہین اور باہمت نوجوان ہیں۔ آپ کی شخصیت ان لوگوں

جیسی ہے، جو دنیا میں کارنامے انجام دیتے ہیں اور کوئی تعجب نہیں ہوگا کہ آپ بھی قرطاس وقت پر کبھی نہ مٹنے والے نقوش چھوڑ جائیں۔''

ڈاکٹر مشکل الفاظ سے سجے سجائے جملے بول رہا تھا۔ اس کا انداز گفتگو بڑا اخباری انداز کا تھا۔ میں نے مسکرا کر کہا ''میرا خیال ہے ڈاکٹر! آپ ضرورت سے زیادہ میری تعریف کر رہے ہیں۔''

ڈاکٹر بھی مسکرایا پھر اس نے کہا ''کیا آپ مجھے اپنی زندگی کے بارے میں..... کچھ بتانا پسند کریں گے مسٹر راجو؟ میرا مطلب ہے کہ ایام طفلی اور دور شباب کے بارے میں۔ گو کہ یہ شاید اخلاقی طور پر نامناسب ہو کہ میں پہلی ملاقات میں یہ بات پوچھ رہا ہوں۔''

میں نے کش لے کر فضا میں چھلے اچھالے اور لمحہ بھر کو سوچا، ڈاکٹر کا یہ سوال مجھے پسند نہیں آیا تھا لیکن نہ جانے کیوں اس وقت میں نے خود بھی اپنے دل میں اپنے ماضی کا ذکر کرنے کی خواہش محسوس کی۔ وہ ماضی جس میں کوئی پھول نہیں تھا صرف زخم تھے، کوئی روشنی نہیں تھی صرف اندھیرے تھے اور کوئی خوشی نہیں تھی، صرف محرومیاں تھیں۔ اس ماضی کا ذکر کرنا مجھے کبھی بھی اچھا نہیں لگتا تھا مگر اس وقت میں خود کو روک نہیں سکا۔

''ڈاکٹر!'' میں نے دھیرے دھیرے کہنا شروع کیا ''میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوا، جہاں صرف چند سو نفوس کی آبادی تھی لیکن یہ چند سو نفوس بھی آپس میں صلح و امن اور دوستی سے نہیں رہ سکتے تھے کیونکہ وہ دو مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ چنانچہ کبھی کبھار ان میں تصادم ہو جاتا، اور نتیجے میں گاؤں کا سکون درہم برہم ہو جاتا۔ ایک بار حالات اتنے خراب ہوئے کہ میرے والدین کو گاؤں چھوڑنا پڑا اور ہم ایک چھوٹے سے شہر میں آ گئے۔ میری عمر اس وقت چار سال کے قریب تھی۔ شہر میں آنے کے کچھ ہی دن بعد میری ماں کا انتقال ہو گیا۔ میرے والد کو میری ماں سے بڑی محبت تھی اور جب وہ انتہائی نامساعد حالات میں چل بسیں تو میرے باپ کا جی بھی اچاٹ ہو گیا۔ دن بدن ان کی صحت گرتی گئی اور آخر کار ایک دن وہ مر گئے۔ میں اس وقت کوئی سات سال کا ہو چکا تھا۔ اس کے بعد میری ایک رشتے کی خالہ نے میری پرورش کی۔ انہوں نے حتی المقدور مجھے تعلیم دلائی اور اس قابل بنایا کہ میں زندگی کے مصائب کا مقابلہ کر سکوں۔''

ڈاکٹر نیفا میری باتیں بہت دلچسپی اور توجہ سے سن رہا تھا۔ جب میں دم لینے کے لیے رکا تو اس نے کہا ''آپ نے کبھی کسی سے محبت بھی کی ہے؟''

میں ہولے سے مسکرایا پھر آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھا۔ وہ پلک جھپکائے بغیر براہ راست میری آنکھوں میں جھانک رہا تھا اور زنجیر کا ستارہ بدستور اس کی انگلیوں میں گردش کر رہا تھا۔ دائیں بائیں، بائیں دائیں، گھڑی کے پنڈولم کی طرح..... پھر یوں نگاہ ستارے پر جم گئی اور اس کے ساتھ ہی حرکت کرنے لگی۔ دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں، گھڑی کے پنڈولم کی طرح۔ میرے ذہن میں ہلکی ہلکی سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ حواس پر ایک ناقابل بیان غنودگی چھا رہی تھی اور آنکھوں کے پپوٹے بھاری ہوتے جا رہے تھے۔ میں ایک بار پھر مسکرایا، پتا نہیں کیوں، پھر میں نے کہا۔

''ہاں، ڈاکٹر! میں نے محبت کی تھی، ایک لڑکی سے۔ وہ لڑکی بہت خوب صورت، بہت پیاری تھی۔ وہ لڑکی ویسی ہی تھی جیسی لڑکیوں سے صرف محبت کی جاتی ہے۔ میں نے صحیفہ دل پر اس کا نام اتنی بار لکھا کہ خود مجھے یاد

نہیں۔ شاید میں نے زندگی میں اتنی سانسیں بھی نہیں لی ہوں گی جتنی بار اس کا نام لیا ہے..... مگر قسمت میرے ساتھ نہیں تھی کیونکہ میں اس سے محبت کرتا تھا اور وہ روپے سے محبت کرتی تھی۔ میرا خیال ہے ڈاکٹر کہ وہ اس نظریے پر یقین رکھتی تھی کہ روپے سے عاشق حاصل کیے جاسکتے ہیں اس لیے عشق کسی عاشق سے نہیں، روپے سے کرنا چاہیے۔"

میں کہتا رہا ڈاکٹر سنتا رہا۔ دھیرے دھیرے، بالکل دھیرے، جیسے کوئی گونج پہاڑیوں میں معدوم ہوتی ہے، میری آواز دور ہوتی گئی پھر ڈاکٹر کا ہیولہ تحلیل ہونے لگا پھر ہر چیز میری نظروں سے اوجھل ہوگئی اور میرے اردگرد اندھیرا چھا گیا۔ میں نے دیکھا کہ میں اندھیرے میں چلا جارہا ہوں، لیکن میرے آگے ایک جگنو ہے جو رہنمائی کررہا ہے۔ میں اس جگنو کے پیچھے چلتا ہوا آخر کار اندھیرے کے جنگل سے نکلتا ہوں، اور ایک ناقابلِ یقین حد تک خوب صورت دنیا میں پہنچ جاتا ہوں، اور حیران ہوکر ادھر ادھر دیکھتا ہوا چل رہا ہوں۔ یہ عجیب اور انوکھی دنیا ہے۔ چاروں طرف اوپر نیچے، دائیں بائیں بے شمار رنگوں کی لہریں چکراتی پھر رہی ہیں۔ سرخ، اودی، نارنجی، کاسنی، اور پھر نیلی، ہری اور پیلی اور فالسئی، رنگ ہی رنگ ہیں ان گنت رنگ، جیسے رنگوں کا طوفان آیا ہوا ہے۔ قدموں کے نیچے مخملی دوب بچھی ہے۔ گردوپیش میں درخت ہی درخت ہیں۔ چھوٹے چھوٹے اور گیندے کی طرح گول۔ ان کے رنگ بھی عجیب ہیں۔ سنہرے سرخ اور پیازی، ان پر پھول کھلے ہوئے ہیں اور اتنے زیادہ ہیں کہ جدھر نظر جاتی ہے پھول ہی پھول نظر آتے ہیں، شاداب اور معطر اور کھلکھلا کر ہنستے ہوئے یا دلہن کی طرح شرما کر مسکراتے ہوئے۔ ان کی خوشبو سے میرا وجود معطر ہوگیا ہے۔ روئیں روئیں سے خوشبو پھوٹ کر پھیلنے لگی ہے۔ رنگ بدستور میرے چاروں طرف چکرا رہے ہیں، اور میں خود ایک لہر کی طرح سبک ہوکر گویا بہتا چلا جارہا ہوں۔ کچھ دیر میں ایک چھوٹے سے قطع زمین پر پہنچتا ہوں، جہاں فرش پر اتنے پھول بچھے ہیں کہ دوب نظر نہیں آئی۔ میں پھولوں پر چلتا ہوا آگے بڑھتا ہوں۔ معاً سامنے سے ایک صاحبِ جمال و شباب حسینہ نمودار ہوتی ہے۔ اس نے قدیم مصری کنیزوں کے انداز میں کمر کے نیچے سے نصف رانوں تک ستر پوشی کررکھی ہے اور سینے پر محض ایک کپڑا باندھ رکھا ہے۔ اس کا ہوشربا جسم شاخِ گل کی طرح لچک رہا ہے۔ میرے قریب پہنچ کر وہ دونوں گھٹنے زمین پر ٹیک کر اور سر کو جھکا کر مجھے تعظیم دیتی ہے۔ میں اک ادائے بے نیازی سے سر کو خفیف سی جنبش دے کر اس کی تعظیم قبول کرتا ہوں پھر وہ پرفن و پرکار حسینہ مجھے ڈیفوڈل سے مشابہ ایک پھول پیش کرتی ہے۔ میں اس پھول کو حلق میں انڈیل لیتا ہوں۔ اس میں شبنم کے چند قطرے ہیں۔ ٹھنڈے اور معطر اور روح افزاء میں سر سے پیر تک سرشار ہوجاتا ہوں۔ شبنم کی ساری لطافت اور جاں فزا راحت میرے رگ و پے میں دوڑ جاتی ہے۔

اب میں پھر آگے چل رہا ہوں۔ پرندوں کی سریلی چہکار سے ساری وادی گونج رہی ہے مگر وہ عجیب قسم کے پرندے ہیں۔ میں نے ایسے پرندے پہلے کبھی نہیں دیکھے۔ وہ بے حد خوش رنگ و خوش نما پرندے ہیں اور اک عالمِ مستی میں گارہے ہیں۔ ان کی آواز میں موسیقی کی نشاط انگیز گونج اور نغمگی ہے۔ میں ان کے گیتوں سے لطف اندوز ہوتا ہوا چل رہا ہوں۔ کچھ اور آگے پہنچتا ہوں تو اک شخص ملتا ہے۔ اس نے ایک اونچی منقش ٹوپی پہن رکھی ہے۔ اس کا چغہ نما لباس ٹخنوں تک پہنچ رہا ہے۔ وہ میرے قریب آکر ٹھہر جاتا ہے اور دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر کھڑا ہوجاتا ہے۔ اس کے پیچھے اک لڑکی ہے، بالکل چھوٹی سی دبلی پتلی مگر وہ جوان ہے۔ اس نے بھی پہلے والی

لڑکی کی طرح کنیزوں والا لباس پہن رکھا ہے۔ لمحے بھر کے توقف کے بعد پہلے والی سیمیں بدن لڑکی کے انداز میں وہ دونوں بھی مجھے تعظیم دیتے ہیں پھر چغے والا شخص اس رو پہلی تھالی کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو لڑکی نے ہاتھ میں اٹھا رکھی ہے۔ چغہ والا شخص تھالی میں مخمل پر رکھی ہوئی ایک انگوٹھی اٹھاتا ہے اور میرے دائیں ہاتھ کی پہلی انگلی میں پہنا دیتا ہے۔ میں اسے غور سے دیکھ رہا ہوں۔ وہ ایک دبلا پتلا اور طویل القامت شخص ہے۔ اس کی ناک لمبی اور طوطے کی چونچ سے مشابہ ہے۔ گال پچکے ہوتے ہیں مگر اس کی آنکھوں میں بڑی چمک ہے۔ انگوٹھی پہنا کر وہ تھالی سے ایک زنجیر اٹھاتا ہے جس کا رنگ سنہرا ہے اور پانچ پہلو والا ایک ستارہ اس میں پڑا ہوا ہے۔ وہ شخص زنجیر میرے گلے میں ڈال دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ دونوں پھر مجھے تعظیم دیتے ہیں اور پھر ایک طرف چلتے ہوئے پھولوں کے جھنڈ میں غائب ہو جاتے ہیں۔

اب میں پھر آگے چل رہا ہوں اور جس مقام سے گزر رہا ہوں یہاں چاروں طرف پتلی پتلی پختہ نہریں ہیں جن میں چاندی کی طرح جھلملاتا پانی بہہ رہا ہے۔ یہ شاید کوئی بارہ دری یا اسی طرح کی جگہ ہے۔ خوشبو اب اور تیز ہو گئی ہے۔ پرندوں کی چہکار میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ پھولوں کے تختے چاروں طرف بچھے ہیں۔ میں نہروں کے درمیان سے گزرتا ہوا اچانک ایک عمارت کے سامنے پہنچتا ہوں۔ یہ قدیم طرز کی عمارت ہے۔ سامنے چھ ستون ہیں، ان کے پیچھے دالان ہے۔ میں اکیس سیڑھیاں چڑھ کر اور ستونوں کے درمیان سے گزر کر صحن میں پہنچتا ہوں اور اسی وقت اچانک ایک آدمی ایک سنہرے محرابی دروازے سے نکل کر میرے سامنے آ جاتا ہے۔ میں اسے غور سے دیکھتا ہوں اور حیران رہ جاتا ہوں۔ کتنی عجیب بات ہے۔ ہاں، واقعی بڑی عجیب بات ہے۔ کیا میں کسی آئینے کے سامنے کھڑا ہوں مگر کوئی آئینہ ہوتا ہے تو میرے کپڑے مختلف نہ ہوتے۔ وہ شخص کوئی اور نہیں، میں خود ہوں، لیکن ہم دونوں کا لباس مختلف ہے۔ اس نے ایک خلعت فاخرہ پہن رکھی ہے جس پر سونے، چاندی اور موتیوں کا انتہائی باریک، نفیس اور بیش بہا کام ہے۔ اس نے سر پر بادشاہوں کے تاج سے ملتی جلتی ایک ٹوپی پہن رکھی ہے اور اس کی گردن میں ایک طلائی سانپ لپٹا ہوا ہے۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکراتا ہے، میں اسے دیکھ کر مسکراتا ہوں۔ وہ نرم اور دوستانہ لہجے میں کہتا ہے۔

''تم کون ہو؟''

میں بولتے بولتے اچانک رک جاتا ہوں، کیونکہ مجھے یاد نہیں آتا کہ میں کون ہوں۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' وہ پھر پوچھتا ہے۔

میں پھر سوچتا ہوں، ذہن پر زور دیتا ہوں، لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ مجھے یاد نہیں آتا کہ میرا نام کیا ہے۔

وہ مسکراتا ہے پھر ہمدردی سے کہتا ہے ''کیا تمہاری کوئی پہچان نہیں ہے؟''

''ہاں، شاید میری کوئی پہچان نہیں ہے۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ تم اور میں ایک ہی ہیں۔ ہم دونوں میں سے ایک دوسرے کا سایہ ہے، اور سائے کی کوئی پہچان نہیں ہوتی۔''

وہ پھر مسکراتا ہے ''ہاں شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔ کیا تمہیں یاد ہے کہ تم کہاں سے آئے ہو؟''

میں سوچنا شروع کرتا ہوں۔ بہت زور دیتا ہوں دماغ پر، لیکن مجھے کچھ یاد نہیں آتا۔ یادداشت کا صفحہ بڑا صاف ہے۔ میں کون ہوں، میرا نام کیا ہے اور میں کہاں سے آیا ہوں، کچھ بھی مجھے معلوم نہیں، گویا میں اثبات نہیں ہوں، نفی ہوں۔

''میں شاید ''نہیں'' ہوں۔'' میں گردن ہلا کر کہتا ہوں۔

''اگر تم ''نہیں'' ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں '' میں'' ہوں۔'' وہ کہتا ہے۔

''یقیناً یہی بات ہوگی، میں اتفاق کرتا ہوں، تم کون ہو؟'' میں اس سے پوچھتا ہوں۔

اس نے یکا یک اپنا ہاتھ اٹھایا۔ میں نے دیکھا کہ اس کی پانچوں انگلیوں میں زمرد، یاقوت اور فیروزے سے مزین انگوٹھیاں تھیں، اور کلائی میں ایک طلائی سانپ کڑے کی شکل میں پڑا تھا جس کی آنکھوں میں لعل جڑے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے ہاتھ کو چاروں طرف گھمایا ''چاروں طرف سے یہاں سے وہاں تک۔'' اس نے پر افتخار لہجے میں کہا ''جہاں تک یہ سرسبز، شاداب، نکہت افروز اور گل نگار وادی ہے، وہاں تک میری فرمانروائی ہے۔ پرند میرے لیے ترانے گاتے ہیں، پھول مجھے سجدہ کرتے ہیں، ہوائیں میرا جی بہلاتی ہیں اور خوشبوئیں میرے لیے رقص کرتی ہیں۔ وادی کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک میں ہی میں ہوں، صرف میں ہی میں ہوں۔''

''اور یہ خوب صورت، طرح دار، نازک اندام اور گل بدن لڑکیاں؟''

''یہ سب میرا دل بہلانے کے لیے ہیں۔''

''تو پھر تم آخر کون ہو؟'' میں نے بے حد حیران ہو کر پوچھا۔

''میں ایمنولینس دوئم ہوں۔'' اس نے بے حد رعونت سے کہا۔

میں چند لمحے چپ رہا۔ ایک تتلی میرے شانے پر آ کر بیٹھ گئی تھی اور کوئی سریلا نغمہ گنگنا رہی تھی۔ میں نے تتلی کو غور سے دیکھا۔ ساری وادی میں بے شمار گل رنگ تتلیاں اڑتی پھر رہی تھیں۔ میں نے قدرے خاموشی کے بعد کہا۔

''سوال یہ ہے کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں؟''

''اس لیے۔'' اس نے کہا ''کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تم میری جگہ سنبھال لو تاکہ مجھے کچھ دن آرام ملے۔ اور وہ سب کچھ جس کا فیصلہ آسمانوں پر کیا گیا اور جو صدہا سالوں سے سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے، اب تکمیل تک پہنچے۔ تم میری جگہ آ جاؤ اور پھر انتظار کرو، اس ساعت کا جب تم بادشاہوں کی وادی میں جاؤ گے اس دن قوس پھونکے جائیں گے اور رے اور ایمن اور اختاتن کی تعریف اور عظمت کے گیت گائے جائیں گے۔ عود و لوبان کے دھوئیں سے فضا مہکے گی اور داسیاں رقص کریں گی۔ آسمان پر پورا چاند طلوع ہوگا کہ روز اول سے اب تک نہیں ہوا اور نہ روز ابد تک ہوگا۔ پھر عظیم ترین خداؤں ایمن اور اختاتن کی دعاؤں کی بارش ہوگی اور تمہیں وہ عورت سونپی جائے گی، جو تم سے ملنے کے بعد اپنے بطن سے اسے جنم دے گی جو دنیا کا مالک ہوگا۔''

میں مبہوت سا کھڑا رہا اور اسے دیکھتا رہا۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہوں۔

چند ثانیے بعد اس نے خود ہی کہا ''کیا تمہارے سینے پر ایک تل ہے؟''

''ہاں۔'' یہ یقیناً میری آواز تھی۔
''اور کیا تمہاری پشت پر ستارے کی شکل کے سات تل بھی ہیں؟''
''ہاں۔''
''اور کیا تمہارے داہنے انگوٹھے کی لکیریں دائرے کی صورت میں ہیں؟''
''ہاں یقیناً ہیں۔''
وہ ایک لمحہ چپ رہا اور مجھے مسرور کن نظروں سے دیکھتا رہا ''کیا تمہاری ہتھیلی پر ایک ستارہ بھی طلوع ہوتا ہے؟''

میں نے اس سوال کا جواب بھی اثبات میں دیا۔ وہ یکا یک مسکرایا اور اب میں نے محسوس کیا کہ اس کے سارے دانت بھی سونے کے تھے۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنے جسم سے زرنگار خلعت اتاری اور مجھے پہنانے لگا۔ میں خاموش کھڑا رہا۔ خلعت پہنا کر اس نے گردن اور کلائیوں کے سانپ بھی مجھے پہنا دیئے پھر ساری انگوٹھیاں میری انگلیوں میں ڈال دیں۔ اس کے بعد تاج نما ٹوپی اتار کر میرے سر پر رکھ دی۔ اب ہم دونوں مکمل طور پر بدل گئے تھے۔ وہ ''میں'' بن گیا تھا اور میں ''وہ۔'' اس نے جھک کر مجھے سلام کیا، اور مسکرا کر کہا۔
''اب میں آرام کروں گا۔'' یہ کہہ کر دھیرے دھیرے فضا میں تحلیل ہو گیا۔

اب میں پھر آگے بڑھنے لگا ہوں اور مسرور و شادماں نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا جا رہا ہوں۔ یہ عجیب و غریب دنیا ہے۔ ایک ایسی دنیا جس کا مادی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ تو کسی وہم سے بھی زیادہ نازک خواب کا حصہ معلوم ہوتا ہے اور خطہ جنت اب میرا ہے کیونکہ اب یہ خلعت فاخرہ میرے جسم کی زینت اور تاج میرے سر پر ہے، اور اس شخص سے میں اپنے آپ کو بدل چکا ہوں جو پہلے اس کا مالک تھا۔

تو کیا اب میں ایمنوفس دوئم ہوں؟

کچھ دیر میں میں ایک ایسے کنج میں جا پہنچا ہوں جہاں پھول ہی پھول ہیں، چھوٹے بڑے ہر رنگ کے پھول ہیں۔ نہ پودے دکھائی دیتے ہیں اور نہ دوب۔ ان کی مہک اتنی نفیس، تیز اور روح آگیں ہے کہ میرے ذہن پر غنودگی طاری ہونے لگتی ہے۔ آنکھیں بوجھل ہونے لگتی ہیں اور جسم پھولوں کی چادر پر دراز ہونے کے لیے مچلنے لگتا ہے چنانچہ میں وہیں لیٹ جاتا ہوں۔ کہیں سے پہلے ایک بلبل آتی ہے اور نغمہ سرا ہو جاتی ہے اور میرے سینے پر بیٹھ جاتی ہے، اور پھر ایک ماہتاب بدن اور آفتاب رخ لڑکی چپکے سے نمودار ہوتی ہے اور بربط کے تاروں کو چھیڑنے لگتی ہے۔

پھر میں دھیرے دھیرے سو جاتا ہوں۔

☆☆☆

یکا یک میری آنکھ کھلی، میں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ ڈاکٹر نیفا سامنے بیٹھا تھا اور حسب معمول مسکرا رہا تھا مگر اب اس کے ہاتھوں میں زنجیر نہیں تھی۔ باربرا اور سونیا ابھی تک نہیں لوٹی تھیں۔ میں نے کچھ پشیمان ہو کر ڈاکٹر کو دیکھا۔

''ساری ڈاکٹر! میں شاید سو گیا تھا۔''

''کوئی بات نہیں۔'' اس نے خوش اخلاقی سے کہا ''کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے۔''

لیکن مجھے حیرت تھی کہ اگر میں واقعی سو گیا تھا تو کیوں اور کیسے؟ کیا اس دوہری خاصیت کے حامل مشروب کا اثر تھا؟ مگر وہ مشروب تو ڈاکٹر اور سونیا وغیرہ نے بھی پیا تھا پھر ان پر کوئی اثر کیوں نہیں ہوا۔ میں نے الجھے ہوئے انداز میں آہستہ آہستہ کنپٹی پر انگلی پھیری۔ میرے ذہن میں دھند ہی دھند تھی۔ ان گنت خیالات یوں الجھ گئے تھے جیسے کوئی بہت بڑی ڈور الجھ گئی ہو۔ سر میں ہلکی ہلکی دھمک بھی ہو رہی تھی، کوئی چیز واضح نہیں تھی۔ جب میری آنکھ لگی ہے تو میں نے شاید کوئی سپنا دیکھا تھا۔ ہاں، یقیناً سپنا دیکھا تھا مگر کیا دیکھا تھا، بالکل یاد نہیں آ رہا تھا۔ ذہن کے پردے پر کچھ تصویریں تو تھیں مگر وہ اتنی مبہم اور دھندلی تھیں کہ کوئی واضح شکل نہیں بن رہی تھی۔

میں نے دو تین بار زور سے کنپٹی کو دبایا تو ڈاکٹر نے ہمدردی سے پوچھا۔

''کیا بات ہے مسٹر راجو! کیا آپ کی طبیعت کچھ خراب ہے؟''

''میرا خیال ہے سر میں کچھ درد ہو رہا ہے۔''

''پریشان نہ ہوں۔'' اس نے کہا ''ابھی آپ کھلی ہوا میں جائیں گے تو ٹھیک ہو جائیں گے۔''

''باربرا ابھی تک نہیں آئی؟'' میں نے پوچھا۔

اس کا جواب ڈاکٹر کو دینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اسی وقت دروازہ کھول کر باربرا اور سونیا اندر آئیں۔ ان دونوں نے ایک ایک دو دو کتابیں تھام رکھی تھیں۔ ڈاکٹر نے یکا یک خوش مزاجی سے پوچھا۔

''میرا خیال ہے تم دونوں کو اپنے مطلب کی کتابیں مل گئی ہیں؟''

سونیا نے مسکرا کر اثبات میں جواب دیا۔ باربرا نے بھی گردن ہلائی اور شوخی سے بولی ''ایک کتاب میں راجو کے لیے بھی لے آئی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ راجو یہ کتاب ضرور پسند کریں گے۔''

''خوب..... بہت خوب! یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''آپ لوگوں کی باتیں کیسی رہیں؟'' سونیا نے پوچھا۔

''اوہ، اس بارے میں میں کیا کہوں۔'' ڈاکٹر ہاتھ ملتا ہوا اس طرح بولا، جیسے وہ بہت متاثر اور مرعوب ہو ''مسٹر راجو حیرت انگیز نوجوان ہیں، بہت ذہین اور غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک، میں ان سے مل کر بہت خوش ہوا ہوں، نیز میں تم دونوں کا بھی شکر گزار ہوں کہ تمہاری بدولت مجھے مسٹر راجو سے ملنے کا موقع ملا۔ مجھے امید ہے کہ تم دونوں انہیں پھر یہاں لاؤ گی۔''

''ضرور، ضرور۔'' سونیا نے کہا ''ہم یقیناً انہیں دوبارہ یہاں ضرور لائیں گے۔''

''بلکہ میں تو سوچ رہا ہوں۔'' ڈاکٹر نیفا نے پرخیال انداز میں کہا ''کہ کیوں نہ ہم مسٹر راجو کو اپنی سوسائٹی میں شامل کر لیں۔ ہمارے گروپ کو بلاشبہ مسٹر راجو جیسے نوجوان کی ضرورت ہے۔''

''اوہ، ضرور۔'' باربرا جوشیلے انداز میں بولی ''یہ تو بہت ہی اچھی بات ہوگی۔''

''مسٹر راجو!'' ڈاکٹر نیفا مجھ سے مخاطب ہوا۔ اس کے ہونٹوں پر اس سیلز مین کی سی مسکراہٹ تھی، جو گاہک کو مختلف اشیاء دکھا رہا ہو ''بات یہ ہے کہ ہم نے ایک سوسائٹی بنائی ہے۔ ہمارے ممبروں کی تعداد کم ہے، لیکن اس میں ادیب، شاعر، موسیقار، مصور، ڈاکٹر اور پروفیسر اور ایسے ہی علیم و فہیم اور صاحبِ ذوق افراد شامل ہیں۔ کئی

خواتین وحضرات کے پاس اعلیٰ ڈگریاں تو نہیں اور نہ ہی وہ کسی فن پر عبور رکھتے ہیں مگر ان کے باذوق ہونے میں کلام نہیں۔ ہم نے اسی قسم کے شائستہ باصلاحیت لوگوں کو اس سوسائٹی میں جمع کیا ہے۔ وقتاً فوقتاً ہم سوسائٹی کی میٹنگیں بھی منعقد کرتے ہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہوگی کہ آپ بھی سوسائٹی کی اعزازی رکنیت قبول فرمالیں۔ مجھے پوری امید ہے کہ آپ ہماری سوسائٹی کو ضرور پسند کریں گے۔''

''کیا بار برا بھی سوسائٹی کی ممبر ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' ڈاکٹر نے جواباً مطلع کیا ''نہ صرف بار برا بلکہ سونیا، کیٹی اور روز آلبہ بھی ہیں۔''

میں مسکرایا ''ٹھیک ہے، میں اس پر غور کروں گا۔''

پھر ہم وہاں سے رخصت ہوئے۔ ڈاکٹر چھوڑنے دروازے تک آیا۔ جب ہم صدر دروازے کے قریب پہنچے تو میں نے ایک شخص کو دیکھا۔ وہ قریبی کمرے سے اچانک برآمد ہوا تھا۔ وہ ایک لمبا چوڑا اور جسیم آدمی تھا۔ اس کا چہرہ چقندر کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ سر کے بال فوجیوں کی طرح چھوٹے چھوٹے تھے اور دونوں کان ٹوٹے ہوئے تھے۔ اپنے بشرے سے وہ کوئی ریسلر نظر آ رہا تھا۔ ممکن ہے وہ ریسلر ہی ہو۔ اس نے بے حد خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ ہمیں دیکھا اور ہیلو کہا۔ ڈاکٹر نے اس سے مختصر الفاظ میں انتظار کرنے کے لیے کہا اور ہمارے ساتھ عمارت سے باہر آ گیا۔

رات ہو چکی تھی اور دور تک روشنیاں جگمگاتی دکھائی دے رہی تھیں۔ موسم بدستور بہت اچھا تھا۔ آسمان پر ستاروں کی بارات سجی تھی اور چاند نیلے سمندر میں محو سفر تھا لیکن مجھے کسی شے میں کوئی دلکشی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ نہ چاند اور ستاروں میں، نہ روشنیوں میں اور نہ رات کے افسوں میں۔ حتیٰ کہ سونیا میں بھی نہیں، جو پچھلی سیٹ پر میرے ساتھ بیٹھی تھی اور اس طرح بیٹھی تھی کہ اس کا جسم میرے جسم میں پیوست ہوا جا رہا تھا۔ دراصل ابھی میرا ذہن صاف نہیں تھا۔ ابھی تک ایک دھندسی چھائی ہوئی تھی اور کچھ چیزیں میرے تحت الشعور میں تھیں، جو شعور کی سطح پر نہیں آ رہی تھیں۔ گاڑی چلتی رہی۔ کافر ادا لندن کی جوان اور شباب سڑکوں پر، میں بے دھیانی سے ان لڑکیوں کو دیکھتا رہا جو فٹ پاتھ پر چل رہی تھیں۔ کچھ دیر کے بعد گاڑی رکی تو میں نے دیکھا کہ ہم بل اینڈ رائل کے سامنے ہیں۔ بار برا نے، جو ڈرائیونگ سیٹ پر تھی، گھوم کر مجھ سے کہا۔

''کیا خیال ہے ڈیئر! تھوڑی سی لاگر پی لی جائے؟''

میں فوراً راضی ہو گیا۔ کیونکہ اس وقت مجھے تھوڑی سی شراب کی سخت ضرورت تھی تاکہ ذہن و اعصاب میں جو انتشار ہے، وہ ختم ہو سکے۔ ہم تینوں کار سے اتر کر پب میں چلے گئے۔ اس وقت آٹھ بج چکے تھے، اور جب واپس آئے تو تقریباً ساڑھے نو بجنے والے تھے۔ پب میں لاگر کا ایک قطرہ بھی نہیں پیا گیا تھا۔ بلکہ کونیک چلتی رہی تھی۔ ڈھائی گھنٹے میں مجھے اتنا نشہ ہو گیا تھا کہ ذہن کا انتشار معدوم ہو گیا تھا اور میں خود کو بڑا بشاش محسوس کر رہا تھا۔ اب مجھے ہر شے میں دلکشی نظر آنے لگی تھی۔ چاند اور ستاروں میں، روشنیوں میں حتیٰ کہ سونیا میں بھی۔ اس کا جسم اور چہرہ بہت کشش انگیز محسوس ہو رہا تھا، اور مجھے شرارت پر آمادہ کر رہا تھا۔

میرے مکان پر پہنچ کر بار برا نے مجھے چھوڑا اور سونیا کو لے کر چلی گئی۔ کیونکہ اس کی رہائش فلہم میں تھی، جو وہاں سے بہت دور تھا، اور چونکہ گاڑی بار برا نے میڈم روز آلبہ سے چند روز کے لیے مستعار لے لی تھی۔ اس

لیے بہتر یہی تھا کہ وہ سونیا کو اس کی رہائش گاہ پر چھوڑ کر واپس آ جائے۔ جانے سے پہلے بار بر انے کہا کہ وہ اگلے دن ملے گی۔ سونیا نے بھی کہا کہ اگر موقع ملا تو ضرور میرے پاس آئے گی پھر ان دونوں نے مجھے اچھے بچوں کی طرح فوراً سو جانے کی تاکید کی اور روانہ ہو گئیں۔

میں وہیں فٹ پاتھ پر کھڑا رہا۔ آنکھوں میں نیند کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ نشے کے باعث بڑی خوشگوار کیفیت محسوس ہو رہی تھی، میرا جی چاہ رہا تھا کہ بستر میں لیٹ کر سونے کے بجائے کچھ کروں، مثلاً موسیقی سنوں یا رقص کروں، اور یا پھر..... میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی یا پھر کسی گلستاں بدن کی گل چینی کروں مگر بار بر اتو چلی گئی تھی لہٰذا کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا، چنانچہ میں نے دروازہ کھولا اور گھر میں داخل ہو گیا۔

عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ جیسے کوئی سنکی الٹی سیدھی حرکتیں کرتا ہے۔ میں نے بھی کچھ اسی قسم کی حرکتیں کیں۔ پہلے سٹنگ روم گیا اور خوامخواہ ادھر ادھر نظر ڈالی پھر رہائشی کمرے کا جائزہ لیا۔ اس کے بعد اوپری منزل میں گیا۔ باتھ روم میں جا کر کلی کی اور منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ کر آنکھ ماری۔ ہیلو ماشوک، پھر بیڈ روم میں گیا اور سارے کپڑے اتار کر قالین پر پھینک دیئے۔ سلیپنگ سوٹ پہنا، گاؤن پہنا اور نیچے چلا۔ ابھی میں سیڑھیوں پر ہی تھا کہ کسی نے اطلاعی گھنٹی بجائی۔

میں نے جا کر دروازہ کھولا۔ ایک لمبا سا دبلا پتلا آدمی کھڑا تھا۔ گھنگھریالے بالوں، موٹے ہونٹوں اور گہری رنگت نے فوراً بتا دیا کہ وہ ویسٹ انڈین ہے مگر نہیں، وہ خالص ویسٹ انڈین نہیں تھا بلکہ دوغلا تھا۔ اس کے ماں یا باپ میں سے کوئی ایک سفید فام رہا ہو گا۔ پہلی نظر میں مجھے کچھ ایسا دھوکا ہوا جیسے میں اس سے پہلے بھی کبھی مل چکا ہوں، مگر یہ درست نہیں تھا۔ وہ میرے لیے قطعی اجنبی تھا۔ میں نے آہستہ سے پوچھا۔

''فرمایئے، میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟''

''آپ مسٹر راجو ہیں؟''

میں نے اثبات میں جواب دیا تو اس نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ پریشان اور گھبرایا ہوا ہے کیونکہ وہ بار بار مڑ کر ادھر ادھر دیکھتا تھا۔ میں نے بادل نخواستہ اسے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ رہائشی کمرے میں پہنچ کر میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا پینا پسند کرے گا۔ جواب میں اس نے کہا کہ وہ کچھ پینے کے لیے نہیں آیا ہے۔

''پھر میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔''

''جو سچ پوچھیے تو میں آپ کے لیے کچھ کرنے آیا ہوں۔ اگرچہ میں نہیں جانتا کہ مجھے یہاں آنا چاہیے تھا یا نہیں لیکن میں دو روز سے شدید ذہنی خلجان میں مبتلا ہوں، لیکن فیصلہ نہیں کر سکا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے پھر یہ بھی امکان ہے کہ آپ میری باتیں سن کر ممکن ہے، مجھے کوئی فاتر العقل آدمی سمجھیں، اس کے باوجود میں خود کو یہاں آنے سے باز نہیں رکھ سکا۔ نہ جانے ایسی کیا بات ہے کہ میں اپنے دل میں آپ کے لیے ہمدردی محسوس کرتا ہوں، اور شاید یہی سبب ہے کہ میں دو روز سے آپ کا تعاقب کر رہا ہوں۔''

''تعاقب کر رہے ہیں۔'' میں نے چونک کر کہا ''کیوں؟''

''میں نے کہا نا کہ میں کوئی عقلی جواز نہیں پیش کر سکتا۔'' وہ بدستور ہتھیلیاں مل رہا تھا ''یہ شاید کوئی اندرونی

جذبہ ہے جو مجھے مجبور کر رہا تھا کہ آپ کے پیچھے رہوں اور دیکھوں کہ آپ کہاں جاتے ہیں اور کیا کرتے ہیں۔''

مجھے اس کی بات کچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔ میں نے قدرے توقف کے بعد کہا ''چلیے مان لیا کہ آپ کے پاس مجھ سے ہمدردی کا کوئی جواز نہیں ہے لیکن میرا تعاقب کرنے کا کوئی سبب تو ہوگا۔''

''جی ہاں ہے، اور میں اسی کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔''

''کہیے، میں سن رہا ہوں۔''

لیکن اس نے فوری طور پر کچھ نہیں کہا۔ جیب سے پیکٹ نکال کر ایک سگریٹ جلائی۔ اس کی انگلیاں آہستہ آہستہ کانپ رہی تھیں۔ سگریٹ جلا کر اس نے دو تین طویل کش لیے اور پھر منہ سے خارج ہوتے ہوئے دھوئیں کو اس طرح دیکھنے لگا جیسے اپنے حواس کو مجتمع کرنے کی کوشش کر رہا ہو ''دراصل.....'' اس نے آخر کار کہا ''یہ سب کچھ بڑا عجیب ہے۔ آپ شاید یقین نہیں کریں گے مگر اب یہاں تک آنے کے بعد مناسب یہی ہے کہ میں سب کچھ کہہ دوں۔ اس طرح اور کوئی فائدہ ہو نہ ہو، کم از کم میرے جی کا بوجھ ضرور ہلکا ہو جائے گا۔ مسٹر راجو کل جب آپ بار برا کے ساتھ روانہ ہوئے ہیں تو میں آپ کے پیچھے تھا۔ جب ''ہاٹ لپس'' میں سڈنی سے آپ کا جھگڑا ہوا ہے تو میں بھی وہاں موجود تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اب اس وقت سڈنی کہاں ہے اور اس کے ساتھیوں کے آپ کے بارے میں کیا جذبات ہیں۔ اسی طرح میں آج بھی تعاقب میں لگا رہا تھا۔ آپ یہاں سے ایمن مینشن گئے اور وہاں کافی وقت گزارا پھر آپ لوگ واپس ہوئے اور بل اینڈ رائل گئے۔ وہاں سے فارغ ہو کر آپ یہیں واپس آئے پھر بار برا سونیا کو لے کر چلی گئی۔''

''یہ سب ٹھیک ہے۔'' اب میں مضطرب ہونے لگا تھا ''مگر ان باتوں سے آخر کار تمہارا مطلب کیا ہے؟''

''مسٹر راجو! کیا آپ میرے چند سوالوں کے جواب دیں گے؟'' اس نے پوچھا۔

اب میری الجھن میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ عجیب شخص ہے اور بلاوجہ بے سروپا باتیں کیے چلا جا رہا ہے۔ میں نے سوچا کہ اس کے کسی سوال کا جواب نہ دوں اور فوراً اسے رخصت کر دوں۔ تاہم کسی وجہ سے میں ایسا نہ کر سکا۔ کوئی اندرونی تحریک تھی جس نے مجھے روک لیا۔ شاید میرا تجسس بیدار ہو گیا تھا اور میں دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کے تھیلے میں کوئی بلی بھی ہے یا نہیں۔ چنانچہ میں نے رضامندی کے انداز میں گردن ہلا دی۔

اس نے ایک لمحہ سوچ کر کہا ''آپ بار برا کے دوست ہیں؟''

''ہاں۔''

''اور شاید روز آلبہ، کیٹی اور سونیا کے بھی دوست ہیں؟''

''ہاں۔'' میں نے کہا اور پھر چونک کر پوچھا ''کیا تمہارا سونیا سے کوئی رشتہ ہے؟''

''آپ ٹھیک سمجھے۔'' اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی ''میں اس کا بھائی ہوں۔''

''اس بنا پر پھر مجھے خیال ہو رہا تھا کہ میں نے تمہیں کہیں دیکھا ہے، حالانکہ بات محض اتنی ہے کہ تمہاری شکل سونیا سے بہت ملتی ہے۔''

''جی ہاں۔'' اس نے سر ہلایا ''میرا نام رابنسن ہے، لیکن لوگ رابن کہہ کر پکارتے ہیں۔''

میں کچھ کہے بغیر متوقع نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

''آپ کو نا گوار تو نہ ہوگا، اگر میں پوچھوں کہ آپ کو گلے کی یہ زنجیر اور انگلی میں انگوٹھی کہاں سے ملی۔'' اس نے انگلی سے میری گردن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میں نے چونک کر گلے میں پڑی ہوئی زنجیر کو دیکھا پھر انگوٹھی کو، جو میرے دائیں ہاتھ کی پہلی انگلی میں پڑی تھی۔ وہ یقیناً سونے کی تھی اور اس میں جو نگ پڑا تھا وہ شاید لعل تھا۔ زنجیر بالکل ویسی ہی تھی جیسی روز آلبہ وغیرہ کے گلے میں دیکھی تھی۔ میں حیران ہو کر زنجیر کے ستارے کو گھورتا رہا۔ مجھے بالکل علم نہیں تھا کہ یہ دونوں چیزیں کب میرے گلے اور انگلی میں پہنچیں، اور یہ کہ کس نے پہنائیں۔ ابھی تک میرا دھیان ان کی طرف گیا ہی نہیں تھا۔ سہ پہر کو جب میں باربرا کے ساتھ گھر سے روانہ ہوا تھا تب یہ چیزیں میرے جسم پر نہیں تھیں، مگر اب تھیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ڈاکٹر نیفا سے گفتگو کرتے ہوئے جب میں تھوڑی دیر کے لیے سو گیا تھا، تبھی یہ دونوں چیزیں مجھے پہنائی گئی تھیں اور یہ کام ڈاکٹر کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے رابن کی جانب دیکھ کر گردن ہلائی۔

''مجھے نہیں معلوم کہ یہ چیزیں کب میرے جسم پر پہنچیں۔''

''آپ ڈاکٹر نیفا سے ملے تھے؟''

''ہاں۔''

''اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟''

''مجھے تو وہ مناسب ہی آدمی لگتا ہے۔''

''کیا اس نے آپ کو اپنی سوسائٹی میں شامل ہونے کی دعوت دی ہے؟''

''ہاں۔''

''میں جانتا تھا کہ یہی ہوگا۔'' رابن نے کہا اور یکا یک اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ وہ بہت مضطرب اور پریشان نظر آ رہا تھا۔ چہرے پر کچھ ایسے تاثرات تھے جنہیں کوئی خاص معنی دینا مشکل تھا ''مسٹر راجو!'' اس نے آخر کار کہا ''آپ میرا مشورہ مانیں تو فوراً ان لوگوں کا ساتھ چھوڑ دیں۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' میں نے چونک کر اسے گھورا۔

''میں نہیں جانتا کہ میرا کیا مطلب ہے۔ میں ٹھیک وضاحت نہیں کر سکتا۔'' اس نے بے چینی سے کہا ''لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ آپ کی بھلائی اسی میں ہے کہ فوراً ان لوگوں سے قطع تعلق کر لیں۔ نہ ڈاکٹر نیفا سے دوبارہ ملیں، نہ روز آلبہ، سونیا اور ان کے دوسرے ساتھیوں سے حتیٰ کہ باربرا سے بھی۔''

''تمہارا دماغ خراب ہے۔'' میں بھنا گیا۔

''نہیں نہیں، یقین کریں آپ کی بھلائی اسی میں ہے۔'' اس نے زور دے کر کہا۔

''میری بھلائی کس میں ہے، یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ بہتر ہے کہ تم میری فکر نہ کرو۔'' میں نے تلخی سے جواب دیا۔

''مسٹر راجو! افسوس یہ ہے کہ میرے پاس اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے لیکن یقین کیجیے کہ

جس وقت سے یہ انگوٹھی اور زنجیر آپ کے گلے میں آئی ہے اسی وقت سے آپ کے لیے مصائب اور بربادی کا آغاز ہوگیا ہے۔''

میں نے اچانک انگلی سے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''سنو مسٹر! میں تمہاری خرافات کافی دیر سے سن رہا ہوں اب اور نہیں سن سکتا۔ بہتر ہے کہ تم یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔''

''بے شک آپ کو حق ہے کہ مجھے گھر سے نکال دیں۔'' اس نے ملتجی لہجے میں کہا ''مگر میں اپنی بات کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ نہیں جانتے کہ وہ کیسے لوگ ہیں۔ مسٹر راجو وہ بڑے سنگدل اور ظالم لوگ ہیں۔ مکار اور خود غرض اور شیطانی خیالات رکھنے والے۔ وہ لوگ ہر طرح کے کام کر سکتے ہیں، حتی کہ قتل بھی۔ اپنی مطلب براری کے لیے وہ ہر کام کو جائز سمجھتے ہیں۔ وہ سب کے سب پاگل اور سنکی ہیں۔ بربریت، سفاکی اور انتہا پسندی ان کا شعار ہے۔ وہ کسی کے اوپر رحم نہیں کرتے۔ مجھے یہ معلوم ہے کہ وہ کیا کرتے ہیں، مگر وہ کچھ کرتے ضرور ہیں اور اس مقصد کے لیے وہ نوجوان مردوں اور عورتوں کو استعمال کرتے ہیں۔ آپ کو بھی یقیناً انہوں نے کسی خاص مقصد سے پھانسا ہے۔''

''اور وہ مقصد کیا ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم۔''

''اس کے باوجود تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہاری ان بے سروپا باتوں پر یقین کرلوں۔''

''ہاں، میں یہی چاہتا ہوں۔'' اس نے پرزور لہجے میں کہا ''اسی میں آپ کی بھلائی ہے۔ آپ نہیں جانتے کہ آپ کتنے خطرناک لوگوں میں پھنس گئے ہیں۔ وہ لوگ سفاک اور مکار ہی نہیں فاتر العقل بھی ہیں۔ وہ کسی مذہب کو نہیں مانتے اور مجھے شبہ ہے کہ وہ لوگ شیطان کی پوجا کرتے ہیں اور آپ کو کسی خاص مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ آپ شاید باربرا سے محبت کرتے ہیں، ممکن ہے وہ بھی محبت کا دعویٰ کرتی ہو، مگر یقین کیجیے کہ وہ آپ سے محبت نہیں کرتی۔ ان لوگوں کے پاس نوجوانوں کو پھانسنے کے لیے ان گنت خوب صورت اور جوان لڑکیاں ہیں جو بلا تکلف اپنے تئیں پیش کر دیتی ہیں۔ چنانچہ صرف باربرا ہی نہیں اور بھی کتنی ہی لڑکیاں آپ کے پہلو کی زینت بنیں گی۔ اگر آپ میرے اس دعوے کو آزمانا چاہتے ہیں تو کسی بھی وقت کسی بھی عورت سے بلا تکلف بے لباس ہونے کے لیے کہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ ذرا برابر پس وپیش نہیں کرے گی۔''

میں نے غور سے رابن کو دیکھا ''تمہیں ان باتوں کا شبہ کیونکر ہوا؟'' قدرے توقف کے بعد میں نے پوچھا۔

''سونیا میری بہن ہے۔'' اس نے جواب دیا ''وہ ان کے گروہ میں شامل ہے۔ وہ چرس کا نشہ کرتی ہے اور اس کی مصروفیات بڑی پراسرار قسم کی ہیں۔ کچھ عرصہ پیشتر انہوں نے مجھے بھی کیٹی کے ذریعے اپنے ساتھ شامل کرنا چاہا تھا مگر میں بھاگ نکلا۔ چونکہ ابھی میں ابتدائی مرحلے سے گزر رہا تھا اسی لیے مجھے ان کے بارے میں کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی تھی اور اسی بنا پر انہوں نے مجھے زندہ چھوڑ دیا۔ ورنہ وہ کسی ایسے شخص کو زندہ نہیں چھوڑتے جو معلومات حاصل ہونے کے بعد ان کی سوسائٹی سے نکلنا چاہے۔ میں نے سونیا کو سمجھایا اور اسے ان لوگوں سے دور کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ وہ گردن تک ان کی دلدل میں دھنس چکی ہے، اس نے مجھ سے

رشتہ تک ختم کر دیا۔ اب وہ مجھے اپنا بھائی نہیں کہتی۔ میں نے جب آپ کو ان لوگوں کے ساتھ دیکھا تو اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ آپ کو پھانسا جا رہا ہے۔ اس کے بعد سڈنی سے آپ کا جھگڑا ہوا اور پھر آپ ایمن مینشن جا کر ڈاکٹر نیفا سے ملے۔ تب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ آپ کے گرد اپنا جال پھیلا چکے ہیں اور اس کا ثبوت یہ زنجیر اور انگوٹھی ہے۔''

''سڈنی کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟''

''سڈنی اور اس کے ساتھی اسمگلنگ کرتے ہیں۔'' رابن نے کہا ''اس کا ڈاکٹر نیفا وغیرہ سے جھگڑا چلتا رہتا ہے۔ جھگڑے کی نوعیت کا مجھے علم نہیں۔ ممکن ہے سڈنی ''ایمن سوسائٹی'' کی لڑکیوں کو اسمگلنگ کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہو، اور وہ لوگ اس پر رضامند نہ ہوں۔ بہرنوع یہ طے ہے کہ سڈنی سے جھگڑا مول لے کر آپ دو خطرناک گروہوں کے درمیان پھنس گئے ہیں۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی آپ کو ضرور نقصان پہنچائے گا۔''

میں نے ایک سگریٹ جلائی۔ ایک اسے دی، پھر کہا ''اگرچہ مجھے تمہاری کسی بات کا اعتبار نہیں مگر چلو میں فرض کیے لیتا ہوں کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو، تو پھر اس صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

''اگر آپ جینا چاہتے ہیں اور زندگی سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں تو ان کے جال سے نکل بھاگیے۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ اس ملک کو ہی چھوڑ دیجیے اور کہیں دور چلے جائیے۔ باربرا خوب صورت سہی، مگر وہ آپ کی منزل نہیں۔ اگر زندگی ہے تو آپ کو بے شمار حسین لڑکیاں ملیں گی۔''

''اب تم سراسر بکواس کر رہے ہو۔'' میں نے بھنا کر کہا۔

''آپ کی مرضی۔'' اس نے مایوسی سے ہاتھ ملے ''میں نے اپنا فرض ادا کر دیا، آپ کس قسم کے خطرات و مصائب میں گھرنے والے ہیں، اس کا اندازہ مجھے تھا اور یہ میرا فرض تھا کہ آپ کو آگاہ کر دوں، سو میں نے اخلاقی ذمے داری پوری کر دی۔ اب میری ایک التجا ہے اور وہ یہ کہ آپ میری باتوں کو بے شک صریحاً بکواس ہی سمجھیں مگر کسی وقت فرصت ملے تو ان پر غور ضرور کر لیجیے گا۔''

یکا یک مجھے ایک خیال آیا اور میں نے اس سے پوچھا ''تم نے کبھی ویرا ہمشائر نامی کسی عورت کو دیکھا ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے جواب دیا ''مگر ایمن مینشن میں اس کی جو تصویر لگی ہے وہ میں نے دیکھی ہے۔''

''اچھی بات ہے۔'' میں نے کہا ''میں تمہارا شکر گزار ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ ان پر ضرور غور کروں گا۔''

رابن نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور خدا حافظ کہہ کر رخصت ہو گیا۔ میں دروازہ بند کر کے پھر رہائشی کمرے میں آیا اور صوفے پر بیٹھ کر اس نئی صورت حال پر غور کرنے لگا۔ مجھے الجھن سی ہو رہی تھی، اور ایک بے نام سی بے چینی گھیرے ہوئے تھی۔ پتا نہیں یہ بے چینی اس وجہ سے تھی کہ نشہ ٹوٹ رہا تھا، یا یہ رابن سے گفتگو کا نتیجہ تھی۔ اس نے ان گنت باتیں کی تھیں، جن کا بظاہر کوئی سر پیر نہیں تھا اور مجھے ان پر یقین کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ لوگ بہت ظالم، مکار اور سنگدل ہیں اور مطلب براری کے لیے ہر کام کر گزرتے ہیں، لیکن مجھے کوئی ایسا تاثر نہیں ملا تھا۔ باربرا تو بے حد پیاری سی لڑکی ہے۔ روز آلبہ، کیٹی اور سونیا بھی بالکل بے ضرر سی لگتی ہیں۔ اب رہ گیا ڈاکٹر نیفا تو بے شک اس کا چہرہ کوئی خوشگوار تاثر نہیں پیش کرتا تھا، مگر اپنے رویے سے وہ بڑا حلیم

الطبع اور منکسر المزاج لگتا تھا، اور اس کی باتوں سے قابلیت کا اظہار ہوتا تھا۔ مجھے اس کی شخصیت میں کوئی بھی ایسی بات محسوس نہیں ہوئی تھی جس کی بنا پر یہ سمجھا جا سکے کہ وہ کوئی خطرناک آدمی ہے اور کسی قسم کی تخریبی یا شیطانی سرگرمی میں مصروف ہے۔ رابن نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ لوگ مجھے کسی خاص مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ایک اور احمقانہ بات تھی۔ وہ لوگ بھلا مجھے کس مقصد کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ میں ایک معمولی سا آدمی ہوں۔ نہ میرے پاس دولت ہے اور نہ کوئی خصوصیت میری ذات سے وابستہ ہے۔ اس صورت میں میں ان کے لیے کس طرح سود مند ثابت ہو سکتا ہوں۔ جیسے جیسے میں ان باتوں پر غور کرتا گیا، مجھے یقین ہوتا گیا کہ رابن کی باتوں میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔ وہ یا تو خبط الحواس ہے اور خوامخواہ سنسنی خیز باتیں کرتا رہتا ہے اور یا پھر یہ ہو سکتا ہے کہ وہ خود ایمن سوسائٹی میں شامل ہونا چاہتا ہو مگر کسی وجہ سے ناکام رہا ہو، چنانچہ اب وہ نہیں چاہتا ہے کہ میں اس سوسائٹی میں شامل ہو جاؤں۔ یہ بات بھی بعید از امکان نہیں کہ رابن دراصل سڈنی کا آدمی ہو اور سڈنی کسی وجہ سے میرا ایمن سوسائٹی میں شامل ہونا پسند نہ کرتا ہو۔ چنانچہ اسی کے ایما پر رابن مجھے بہکانے آیا ہو تاکہ میں ایمن سوسائٹی سے دور رہوں۔

آخر کار مجھے یقین ہو گیا کہ رابن کی باتوں کا مقصد دراصل وہ نہیں ہے جو اس نے ظاہر کیا ہے، اور جہاں تک امکانات کا تعلق ہے بہت سی وجوہ ممکن ہو سکتی ہیں لیکن کم از کم ایک بات ایسی تھی جو اس نے سچ کہی تھی اور جسے میں رد نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ ان لوگوں کے پاس بہت سی خوب صورت اور جوان لڑکیاں ہیں، جو بلا تکلف اپنے آپ کو پیش کر دیتی ہیں۔ یہ بات یقیناً درست تھی کیونکہ میں نے جب بھی بار برا سے کسی دوسری لڑکی کے بارے میں کوئی رومانی قسم کی بات کہی تھی تو اس نے نہ تو برا مانا تھا، نہ اعتراض کیا تھا بلکہ دبے دبے الفاظ میں حوصلہ افزائی ہی کی تھی، آخر کیوں؟ اگر وہ میری محبوبہ ہے تو اس میں حسد اور جلن کا وہ مادہ کیوں نہیں جو عموماً عورتوں میں ہوتا ہے۔ مجھے یہ بھی یاد آیا کہ جب ہم ایمن مینشن سے واپس آ رہے تھے تو بار برا گاڑی چلا رہی تھی اور سونیا پچھلی سیٹ پر میرے ساتھ تھی اور سارا راستہ مجھ سے چپکی رہی تھی مگر بار برا کے رویے سے ذرا بھی اظہار نہیں ہوا تھا کہ اسے اس بات سے کوئی اعتراض ہے آخر کیوں؟ کیا واقعی رابن کا کہنا درست ہے۔ میں نے سوچا کہ کسی وقت میں رابن کے اس دعوے کو ضرور آزماؤں گا۔

میرا ذہن سڈنی کی طرف گیا مگر اب میری کھوپڑی لٹو کی طرح گھوم رہی تھی۔ کچھ تو نشے کے اتار کے باعث اور کچھ رابن کی الٹی سیدھی بکواس کی بنا پر، چنانچہ میں نے سوچا کہ گولی مارو رابن کو اور سڈنی اور ڈاکٹر نیفا کو، اور چل کر سو جاؤ۔ یہ سوچ کر میں اٹھا اور سیدھا بیڈ روم میں چلا گیا۔

گاؤن اتار کر کرسی پر ڈال دیا پھر بستر پر لیٹ رہا تھا کہ نگاہ اس سوٹ پر پڑی جو میں سڈنی سے جھگڑے کے وقت پہنے ہوئے تھا۔ اس پر خون کے دھبے تھے۔ میں نے سوچا کہ جیبوں کی تلاشی لے لوں اور صبح ہوتے ہی سوٹ کو دھلنے کے لیے دے دوں، ممکن ہے دھبے صاف ہو جائیں اور سوٹ ضائع ہونے سے بچ جائے۔ چنانچہ میں نے سوٹ اٹھا کر جیبوں کو دیکھنا شروع کیا۔ دو چار چھوٹی موٹی چیزیں اور کچھ ریزگاری برآمد ہوئی۔ دائیں طرف والی جیب میں ایک مڑا تڑا ہلکا گلابی کاغذ بھی۔ میں نے حیران ہو کر اسے کھولا کیونکہ وہ کاغذ میں نے اپنی جیب میں ہرگز نہیں رکھا تھا۔ وہ رائٹنگ پیڈ کا نصف پیج تھا اور اس پر شکستہ خط میں ایک مختصر عبارت درج تھی۔

''مسٹر راجو! جس طرح بھی ممکن ہو کل رات نو بجے آپ مجھ سے ضرور ملیں۔ یہ بہت ضروری ہے۔ میں آپ سے بہت کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ میں ہر طرف سے خطروں میں گھری ہوئی ہوں۔ موت میرے سر پر منڈلا رہی ہے اور مجھے یقین ہے کہ صرف آپ ہی مجھے ان مصائب سے نجات دلا سکتے ہیں۔ ایک بار پھر تاکید ہے کہ مجھ سے ضرور ملیں۔ یہ زندگی اور موت کا سوال ہے۔ آپ سے ملاقات نہ صرف مجھے موت سے بچا سکتی ہے بلکہ.....''

عبارت کے نیچے جوڈی اور ایک مختصر پتہ لکھا ہوا تھا۔ میں خط ہاتھ میں لیے ہوئے گم صم کھڑا رہ گیا تھا۔ ذہن تو پہلے انتشار کا شکار تھا۔ اس نئی افتاد نے مجھے اور بوکھلا دیا۔ دماغ پر تھوڑا سا زور دینے پر یاد آ گیا کہ جوڈی بوٹے سے قد والی وہی لڑکی تھی جو گزشتہ رات سڈنی کے ساتھ تھی اور جس نے میرے ساتھ رقص کیا تھا مگر سوال یہ ہے کہ یہ رقعہ میری جیب میں کیونکر پہنچا۔ صرف ایک ہی بات ممکن ہو سکتی تھی اور وہ یہ کہ جب وہ میرے ساتھ رقص کر رہی تھی اور سڈنی نے اسے ہٹانے کی کوشش کی تھی۔ اس وقت وہ مجھ سے بری طرح لپٹ گئی تھی۔ یقیناً اسی وقت اس نے رقعہ میری جیب میں ڈالا ہوگا۔ اس سے ایک بات اور بھی ثابت ہوتی تھی۔ وہ یہ کہ اس نے مجھے پہلے کلب میں دیکھا ہوگا، پھر کسی کمرے یا باتھ روم میں جا کر رقعہ لکھا اور اس کے بعد میرے پاس آئی۔ گویا رقعہ جیب میں ڈالنے کا سبب جھگڑا نہیں تھا بلکہ کوئی اور وجہ تھی کیونکہ خط وہ بہر حال پہلے لکھ چکی تھی اور اگر جھگڑا نہ ہوا ہوتا تو بھی وہ خط مجھے ضرور دیتی۔ میں نے ایک بار پھر پوری عبارت غور سے پڑھی۔ آخری جملہ نامکمل تھا۔ اس سے پتہ چلتا تھا کہ اسے خط مکمل کرنے کا موقع نہیں ملا ہوگا۔ کوئی شخص اچانک آ گیا ہوگا۔ لہٰذا اس نے عجلت میں نام و پتہ لکھا اور خط ادھورا ہی چھوڑ دیا اور اسی حالت میں میری جیب میں ڈال دیا۔

خط کی عبارت سے واضح تھا کہ اسے موت کا خطرہ ہے مگر کس سے؟ کیا سڈنی سے، یہ ناممکن نہیں تھا۔ مجھے یاد آیا کہ جب وہ میرے پاس آئی تھی تو کافی پریشان اور ہراساں نظر آتی تھی۔ اس کا چہرہ میک اپ سے عاری تھا اور اس پر زردی کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ وہ آخر کس سے خوف زدہ تھیں۔ سڈنی کے سوا اور کوئی شخص نہیں ہو سکتا جس سے اسے موت کا خطرہ ہو۔ خط میں جوڈی نے اس بات پر زور دیا تھا کہ میں اس کی زندگی بچا سکتا ہوں۔ آخر کس بنا پر اس نے یہ خیال قائم کیا۔ میں اس کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔ آخری جملہ بھی بڑا معنی خیز تھا ''آپ سے ملاقات نہ صرف مجھے موت سے بچا سکتی ہے بلکہ.....'' اس بات کا کیا مطلب ہوا ''بلکہ'' سے آگے وہ کیا لکھنا چاہتی تھی۔ کیا وہ کوئی ایسی اطلاع دینا چاہتی تھی جو میرے لیے بھی مفید ہو سکتی ہے۔ اگر ہاں، تو پھر وہ بات کیا ہو سکتی ہے؟

اتنی دیر میں میرے حواس کسی حد تک بحال ہو چکے تھے چنانچہ میں نے جلدی سے گھڑی پر نظر ڈالی۔ ساڑھے دس بج رہے تھے۔ گویا میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ لیٹ ہو چکا تھا اور مزید سوچ بچار کے لیے بالکل وقت نہیں تھا۔ لہٰذا میں نے جلدی جلدی کپڑے جسم پر ڈالے اور بہ عجلت تمام گھر سے باہر آیا۔ پہلے مجھے خیال آیا کہ بار برا کو بھی لے لوں مگر اس کا موقع نہیں تھا۔ ممکن ہے وہ ابھی تک سونیا کو چھوڑ کر واپس ہی نہ آئی ہو۔ چنانچہ میں نے ادھر ادھر نظر دوڑانی شروع کی۔ خوش قسمتی سے ایک خالی ٹیکسی فوراً ہی مل گئی۔ میں نے پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اسے چیئرنگ کراس چلنے کے لیے کہا اور تیز رفتاری سے چلنے کی تاکید کی۔

ڈرائیور ایک بوڑھا آدمی تھا اور غالباً سنکی تھا کیونکہ میری بار بار کی تاکید کے باوجود اس نے پرواہ نہیں کی اور ٹیکسی چالیس پینتالیس میل کی رفتار سے چلاتا رہا۔ میں کبھی اپنی گھڑی دیکھتا اور کبھی اسپیڈ میٹر کی سوئی، جو چالیس اور پچاس کے درمیان لرز رہی تھی۔ میرے اضطراب میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ یہ کیفیت ایسی تھی جس کی کوئی توجیہہ میں نہیں کر سکتا تھا۔ لاشعور کے اندر کہیں نہ کہیں خطرے کا احساس موجود تھا اور ایک ناقابل فہم بے چینی مجھ پر مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ شاید اس اضطراب کی وجہ یہ تھی کہ بدقسمتی سے رقعہ مجھے تاخیر سے ملا تھا اور میں ڈیڑھ گھنٹہ لیٹ ہو چکا تھا۔ میں نے ایک بار پھر اسپیڈ میٹر پر نظر ڈالی اور جھلا کر کہا۔

''کیا تم اور تیز نہیں چل سکتے؟''

''تم ریس کے کسی مقابلے میں حصہ نہیں لے رہے ہو نوجوان۔'' بوڑھے نے بلغمی لہجے میں لاپرواہی سے کہا ''لہٰذا چپ چاپ بیٹھے رہو، میں اس سے زیادہ تیز نہیں جا سکتا۔''

''مگر مجھے ایک بہت ضروری کام ہے اور میں.....'' میں نے کہنا چاہا۔

''تو پھر تمہیں کوئی دوسری ٹیکسی کرنی چاہیے تھی۔'' بوڑھے نے بات کاٹ کر جواب دیا۔

میں جھلا کر چپ ہو گیا کہ اس کے سوا اور کر ہی کیا سکتا تھا۔ خدا خدا کر کے چیئرنگ کراس اسٹیشن آیا۔ میں نے ٹیکسی اسٹیشن کے پاس ہی چھوڑ دی اور کرایہ ادا کر کے چل پڑا۔ جوڈی کی رہائش گاہ ایک پتلی سی اسٹریٹ میں تھی۔ یہاں زیادہ تر دفاتر تھے۔ صرف کچھ عمارتوں کے اوپری منزل کے فلیٹ میں لوگوں کی رہائش تھی۔ میں جب گلی میں داخل ہوا تو دور تک سناٹا طاری تھا۔ گلی میں صرف دو لیمپ پوسٹ تھے۔ جن میں سے ایک کا بلب جل رہا تھا اور دوسرے کا بلب یا تو ٹوٹ گیا تھا یا خراب تھا اور وہاں پر کافی اندھیرا تھا۔ میں نے چوراسی نمبر کی عمارت تلاش کی۔ یہ ایک پرانی دو منزلہ عمارت تھی۔ نیچے دکانیں تھیں اور اوپر فلیٹ تھے۔ میں نے غیر ارادی طور پر ادھر ادھر دیکھا اور سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اوپر پہنچ کر میں نے دائیں طرف کا دروازہ تھپتھپایا کیونکہ اگر وہاں کوئی کال بیل تھی بھی تو اندھیرے میں مجھے نظر نہیں آ رہی تھی۔

تین چار منٹ تک کوئی جواب نہیں ملا۔ شاید اندر کوئی تھا ہی نہیں۔ میں تذبذب میں پڑ گیا کہ اب کیا کروں۔ اتنی عجلت میں اتنی دور تک آ کر بے نیل و مرام واپس جانا کچھ اچھا نہیں معلوم ہوا۔ جوڈی سے ملنا ضروری تھا۔ وہ خطرے میں تھی اور اس نے مجھ سے مدد مانگی تھی۔ یہ بے حد ضروری تھا کہ میں اس سے ملاقات کروں اور معلوم کروں کہ وہ کیسی مصیبت میں مبتلا ہے اور یہ کہ میں اس کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔

اسی سوچ بچار کے دوران میرا ہاتھ پھر دروازے پر جا پڑا اور میں نے محسوس کیا کہ دروازہ بند نہیں ہے۔ میں نے آہستہ سے دباؤ ڈالا۔ وہ واقعی کھلا ہوا تھا۔ میں بے آواز قدموں سے اندر داخل ہوا۔ دیوار پر ٹٹول کر سوئچ تلاش کیا اور بتی جلا دی۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ البتہ افراتفری کے آثار ضرور تھے۔ چیزیں بے ترتیبی سے پڑی تھیں۔ میں حیرت سے بکھری ہوئی چیزوں کو دیکھتا ہوا دوسرے کمرے میں داخل ہوا اور بتی جلا دی۔

کمرے میں روشنی پھیلتے ہی کم از کم دو باتوں کی وضاحت ہو گئی۔ پہلی یہ کہ جوڈی واقعی خطرے میں گھری ہوئی تھی اور دوسری یہ کہ اب اسے میری مدد کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اس کی لاش کمرے کے وسط میں پڑی تھی۔ اس کا گلا ایک کان سے لے کر دوسرے کان تک کٹا ہوا تھا۔ میں اس کی لاش کے قریب صم بکم کھڑا تھا اور یوں

اسے گھور رہا تھا جیسے وہ اس کی لاش نہ ہو میری اپنی لاش ہو۔ میری آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ جسم کی رگ رگ سے خون نچڑ کر کہیں غائب ہو گیا تھا اور میں خود کو ایک پتھر کے بے جان بت کی طرح محسوس کر رہا تھا۔ چند لمحے یونہی گزر گئے پھر میرے جسم میں حرکت ہوئی اور میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ یہاں بھی شدید بے ترتیبی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ مرنے سے پہلے جوڈی نے جان بچانے کی پوری جدوجہد کی تھی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ کمرے کا جائزہ لینے کے بعد میری نظریں پھر جوڈی کی لاش پر جم گئیں۔ اس کے جسم پر ایک زیر جامہ اور مختصر سا بلاؤز تھا اور کچھ بھی نہیں تھا۔ شاید وہ لباس بدل رہی ہو گی کہ قاتل نے اچانک اس پر حملہ کر دیا اور جدوجہد کے بعد اس پر قابو پا کر کسی تیز دھار والے ہتھیار سے اس کا گلا کاٹ دیا۔ یکا یک میرا دھیان ایک ایسی بات کی طرف گیا کہ دہشت میرا سارا جسم کانپ گیا اور روئیں روئیں سے ٹھنڈا پسینہ پھوٹ نکلا۔ جوڈی کے زرد جسم سے ظاہر تھا کہ اس کا سر خون نکل گیا ہے۔ اس کا گلا ایک کان سے دوسرے کان تک کٹا ہوا تھا۔ لہٰذا اس کے جسم کا سارا خون فرش پر ہونا چاہیے تھا مگر فرش پر صرف چھوٹے دھبے تھے اور کچھ بھی نہیں تھا تو پھر سوال یہ ہے کہ اس کے جسم کا سارا خون کہاں گیا؟

☆☆☆

میں کرسی پر بیٹھ گیا کیونکہ میرے لیے اپنی ٹانگوں پر کھڑے رہنا ممکن نہ تھا۔ دہشت سے میرا جسم برف کی طرح سرد ہو گیا تھا اور ذہن اس طرح ماؤف ہوا تھا کہ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہ گیا تھا۔ میں کرسی پر ساکت بیٹھا جوڈی کے گلے کو دیکھ رہا تھا۔ اس میں میرے ارادے کو دخل نہیں تھا بلکہ حقیقت یہ تھی کہ میں اس لرزہ خیز منظر کی طرف سے نگاہ ہٹا ہی نہیں سکتا تھا۔ میری نظر گویا اس کے کٹے ہوئے گلے پر جم کر رہ گئی تھی۔

نہ جانے کتنی دیر گزر گئی۔ وقت کا مجھے تو کوئی احساس نہیں تھا پھر دھیرے دھیرے میرے حواس واپس آنا شروع ہوئے، اور سب سے پہلا خیال میرے ذہن میں جو آیا وہ یہ تھا کہ مجھے ایک سگریٹ جلانی چاہیئے چنانچہ سگریٹ جلائی اور لمبے لمبے کش لینے لگا۔ دراصل میں سوچنے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن ذہن ابھی اس قابل نہیں ہوا تھا۔ میری نگاہ بار بار جوڈی کے گلے پر جم جاتی تھی۔ میں نے کئی بار جانور ذبح ہوتے ہوئے دیکھے تھے۔ جب ان کا گلا کٹتا تھا تو خون کا فوارہ ابل پڑتا تھا۔ جوڈی کا گلا بھی بالکل اسی طرح کٹا تھا لیکن سبز قالین پر صرف چند چھوٹے بڑے دھبے تھے، جبکہ میرے خیال میں وہاں ہر طرف خون ہی خون ہونا چاہیے تھا۔ لاش کی حالت سے یہ بھی پتہ چلتا تھا کہ اسے مرے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی ہے۔ بمشکل ڈیڑھ دو گھنٹے ہوئے ہوں گے کیونکہ فرش پر جو دھبے تھے وہ ابھی کافی نم تھے۔ مجھے یہ بات معلوم تھی کہ انسانی جسم میں اچھا خاصا خون ہوتا ہے اور خون فرش پر بھی کافی ہونا چاہیے تھا مگر نہیں تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیوں؟ سارا خون آخر کہاں گیا۔ کیا جوڈی کے جسم میں خون تھا ہی نہیں؟

میں نے ایک دوسری سگریٹ جلائی اور بے چینی سے کنپٹی پر انگلی پھیری۔ اب مجھے ایک اور دکھ نے بھی گھیر لیا تھا۔ میں گیارہ بجے سے کچھ منٹ قبل جوڈی کے کمرے میں پہنچا تھا۔ اگر مجھے تاخیر نہ ہوئی ہوتی، اگر اس کا رقعہ مجھے بروقت مل گیا ہوتا اور میں نو بجے سے پیشتر آ جاتا تو ممکن ہے جوڈی کی جان بچ جاتی لیکن بدقسمتی سے اس کا رقعہ مجھے تاخیر سے ملا اور جوڈی کو اپنی زندگی سے ہاتھ دھونے پڑے۔ میرے ذہن پر چھائی ہوئی دہشت

کی دھند دھیرے دھیرے چھٹ رہی تھی اور میں رفتہ رفتہ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوتا جارہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ جوڈی نے مجھ سے نو بجے پہنچنے کی درخواست کی تھی۔ سوال یہ ہے کہ نو بجے ہی کیوں، سات بجے یا آٹھ بجے کیوں نہیں۔ کیا جوڈی کو معلوم تھا کہ نو بجے کے بعد اسے ہلاک کردیا جائے گا پھر ایک سوال یہ بھی ہے کہ قاتل نے اسے نو بجے کے بعد ہی کیوں قتل کیا۔ اسے قتل ہی کرنا تھا تو کسی بھی وقت قتل کرسکتا تھا۔ نہیں، یہ بات نہیں ہوسکتی۔ میں نے سوچنا شروع کیا۔ بات کچھ اور ہی ہوگی۔ ممکن ہے جوڈی کہیں باہر گئی ہوئی ہو اور اسے نو بجے واپس آنا ہو، اسی لیے اس نے نو بجے ملنے کی درخواست کی تھی۔ وہ خطرات میں ضرور گھری ہوئی تھی اور اسے جان کا بھی خطرہ تھا مگر اسے یہ امید نہیں رہی ہوگی کہ آج ہی نو بجے اسے قتل کردیا جائے گا۔ اگر اسے اس بات کا شبہ ہوتا تو وہ ہرگز گھر نہ آتی بلکہ کہیں اور چلی جاتی۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اسے کس نے قتل کیا ہوگا۔ اس سوال کا جواب کم از کم میرے نزدیک آسان تھا۔ نی، گزشتہ رات وہ سڈنی کے ساتھ ہی تھی اور بہت خوف زدہ نظر آتی تھی۔ اس نے سڈنی کی پروا کیے بغیر میر۔ ساتھ رقص کیا تھا اور اسی بنا پر جھگڑا ہوا تھا چنانچہ وہ سڈنی کے سوا اور کس سے خائف ہوسکتی تھی۔ سڈنی بے شک اسپ میں ہے مگر جوڈی کا گلا کاٹنے کا کام اس کا کوئی ساتھی بھی انجام دے سکتا ہے۔ یقیناً یہی بات ہے۔ جوڈی کی مور ے دار سڈنی کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا، مگر یہ مسئلہ بدستور حل طلب ہے کہ اس نے یہ انتہائی قدم کیوں اٹھایا اور جوڈی کیوں اس سے خوف زدہ تھی، اور مجھے کیا بتانا چاہتی تھی۔ یکا یک مجھے رابن کا خیال آیا۔ وہی سونیا کا بھائی، جس سے کچھ دیر پہلے میں گفتگو کرچکا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ سڈنی اور اس کے ساتھی اسمگلنگ وغیرہ کرتے ہیں اور اس مقصد کے لیے لڑکیوں کو استعمال کرتے ہیں۔ میرے ذہن میں دھیرے دھیرے اجالا پھیلنے لگا تو ساری بات دراصل یہی ہوگی۔ جوڈی بحالت مجبوری سڈنی کے گروہ میں شامل ہوئی ہوگی اور اپنی مرضی کے برخلاف اسمگلنگ کرتی ہوگی مگر اسے یہ کام پسند نہیں ہوگا اور وہ کسی نہ کسی طرح نکل بھاگنا چاہتی ہوگی۔ سڈنی کو غالباً اس بات کا شبہ ہوگیا ہوگا۔ اسی بنا پر جوڈی اس سے خوف زدہ تھی۔ اس نے میری مدد حاصل کرنے کی کوشش کی تاکہ اس گرداب سے نکل سکے مگر سڈنی کو اس بات کا علم ہوگیا اور اس نے اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کردیا۔ جیسے جیسے میں اس نظریے پر غور کرتا گیا، مجھے یقین ہوتا گیا کہ جوڈی کے قتل کا پس منظر اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا اور تب میں نے اپنے وجود کے اندر ایک آواز کو چیختے ہوئے سنا۔

''تم کو جوڈی کے خون کا حساب ضرور لینا ہے۔''

اور میں نے طے کیا کہ سڈنی کو کسی بھی حال میں نہیں چھوڑوں گا۔

چوتھی سگریٹ جلائی تو ایک اور خیال نے ذہن میں چکرانا شروع کردیا۔ آخر میں یہاں کیا کررہا ہوں۔ ممکن ہے پولیس کو اس واردات کا علم ہوگیا ہو، یا قاتل مجھے اس جرم میں ملوث کرنے کے لیے اب مطلع کردے تو میں موقع پر ہی پکڑ لیا جاؤں گا اور پھر کوئی بھی میری کہانی پر یقین نہیں کرے گا۔ کوئی تعجب کی بات نہیں ہوگی، اگر پولیس کچھ ہی دیر میں یہاں پہنچنے والی ہو، بہتر یہی ہے کہ میں یہاں سے فوراً روانہ ہوجاؤں۔ یہ سوچ کر میں جلدی سے اٹھا۔ ایک نظر کمرے پر ڈالی۔ بے چاری لڑکی، کاش میں اسے بچا سکتا۔ میں اپنے تئیں بے حد پشیمان تھا اور اپنی ذات سے ایک بے نام سی نفرت محسوس کررہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار کسی نے مدد طلب کی تھی اور میں

اس کے کسی کام نہیں آ سکا تھا۔ یہ میرے لیے بڑے شرم کی بات تھی اور میں جانتا تھا کہ مدتوں میں احساس ندامت میں مبتلا رہوں گا۔ چند لمحے بعد میں سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا اور تیز تیز قدموں سے گلی پار کی۔ گلی حسبِ معمول سنسان پڑی تھی اور کسی نے مجھے جوڈی کے فلیٹ میں جاتے یا واپس آتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اور میرے لیے بہتر یہی تھا کہ جلد از جلد اس مقام سے دور چلا جاؤں۔

انڈر گراؤنڈ اسٹیشن میں پہنچا تو ایک ٹیوب ٹرین سامنے کھڑی تھی۔ میں نے مشین میں سکے ڈال کر زیادہ قیمت کا ٹکٹ نکالا اور لپک کر ٹرین میں سوار ہو گیا۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں، یا کہاں جانا چاہیے ؟ کم از کم اپنی رہائش گاہ پر تو سر دست نہیں جا سکتا تھا۔ یہ اندیشہ موجود تھا کہ ممکن ہے پولیس کو جوڈی کے فلیٹ میں یا کسی اور ذریعے سے کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جس سے وہ میرے بارے میں جان لیں اور پھر میرے مکان پر جا پہنچیں۔ فی الوقت میں کسی زیادہ محفوظ اور پرسکون جگہ پر جانا چاہتا تھا تا کہ اطمینان سے تازہ صورت حال پر غور کر سکوں۔ ہوٹل میں جانا بھی مناسب نہ ہوتا۔ اب صرف دو ہی مقامات ایسے تھے جہاں سکون اور تحفظ میسر آ سکتا تھا۔ ایک بار برا کی رہائش گاہ اور دوسرا روز آلبہ کا بیوٹی سیلون، بار برا سونیا کو چھوڑنے گئی تھی اور ممکن ہے ابھی تک نہ آئی ہو۔ اس صورت میں میں صرف روز آلبہ کے پاس ہی جا سکتا تھا حالانکہ میں اس سے صرف ایک بار ملا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ وہ ایک اچھی دوست ثابت ہو گی۔ نیز یہ بھی امکان تھا کہ بار برا بھی وہیں ہو۔

کچھ دیر بعد میں اس چھوٹے سے بورڈ کے نیچے کھڑا تھا، جس پر لکھا تھا ''ہم آپ کو خوب صورت بناتے ہیں'' لیکن اس وقت مجھے خوب صورت بننے کی ہرگز ضرورت نہیں تھی بلکہ سکون، آرام اور تنہائی کی ضرورت تھی۔ میرے اعصاب بری طرح کشیدہ ہو رہے تھے۔ تھوڑا سا سکون اور ایک کپ گرم کافی یا گرم پانی کے ساتھ وہسکی میرے اعصابی اضمحلال کو دور کر سکتی تھی۔ میں نے اطلاعی گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھی اور اسے دباتا چلا گیا۔ روز آلبہ کا فلیٹ بیوٹی سیلون کے اوپر ہی تھا۔ کوئی پانچ منٹ کی کوشش کے بعد فلیٹ کی اوپر والی کھڑکی کھلی اور ایک جھنجھلائی ہوئی خمار آلود آواز نے پوچھا۔

''کون ہے، کیا چاہیے؟''

میں نے گردن اٹھا کر اوپر دیکھا۔ روز آلبہ نصف چہرہ نکالے جھانک رہی تھی۔ میں نے اونچی آواز میں کہا ''میں ہوں، راجو، کیا بار برا یہاں آئی تھی؟''

''ارے راجو یہ تم ہو۔'' اس کی آواز سے شدید بوکھلاہٹ کا اظہار ہوا ''ٹھہرو ایک منٹ، میں آتی ہوں۔''

ایک منٹ سے بھی کم وقفے میں سیلون کے برابر والی پیسج میں روشنی ہوئی، پھر بغلی دروازہ کھلا اور روز آلبہ نے کہا ''آؤ اندر آؤ۔''

میں نے دیکھا کہ روز آلبہ نے ایک مختصر نائٹی پہن رکھی تھی جو بمشکل نصف کولھوں تک پہنچ رہی تھی۔ ٹانگیں بالکل ننگی تھیں اور بدن کے اوپری حصے میں، نائٹی کے نیچے اس نے کچھ نہیں پہن رکھا تھا۔ میں اندر داخل ہوا تو روز آلبہ نے جلدی سے دروازہ بند کر کے بولٹ کر دیا پھر میں اس کی رہنمائی میں سیڑھیاں طے کر کے اوپر رہائشی کمرے میں پہنچا۔ کمرا بہت سلیقے سے آراستہ تھا۔ قالین، صوفہ سیٹ اور دیگر اشیاء قیمتی تھیں اور ان سے روز آلبہ

کے نفیس ذوق کا پتا چلتا تھا۔ میں بے جان سا ہو کر صوفے پر گر گیا۔ روز آلبہ سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ مجھے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ اسے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی اور مجھے بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میری پریشانی اور سراسیمگی میرے چہرے پر لکھی تھی۔ چند لمحے بعد اس نے دو سگریٹ جلائیں۔ ایک اٹھ کر مجھے دی۔ دوسری اپنے ہونٹوں میں دبائی اور پھر بے حد ہمدردی سے پوچھا ''کیا بات ہے راجو! تم بہت پریشان دکھائی دیتے ہو؟''

میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا ''میں واقعی بہت پریشان ہوں۔''

''کیوں، مجھے بتاؤ شاید میں کوئی مدد کر سکوں۔''

گو میں جانتا تھا کہ وہ میری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ تاہم جی کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ کہنا ضروری تھا لیکن میری سمجھ میں نہ آیا کہ بات کہاں سے شروع کروں۔ صورت حال نہ صرف الجھی ہوئی تھی بلکہ بظاہر اس کا کوئی سر پیر بھی نہیں تھا۔ میں نے کچھ دیر غور کرنے کے بعد کہا ''کیا تم جوڈی کو جانتی ہو۔''

''جوڈی! نن..... نہیں تو.....'' اس نے کہا، پھر چونک کر بولی ''کہیں وہ لڑکی تو نہیں جو آج کل سڈنی کے ساتھ دکھائی دیتی تھی؟''

''ہاں، وہی۔'' میں نے سر ہلایا ''تم اس کے بارے میں کیا جانتی ہو؟''

''میں اس کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتی۔'' روز آلبہ نے پرخیال انداز میں کہا ''میں نے اس کو دو ایک بار سڈنی کے ساتھ دیکھا تھا۔ باربرا نے مجھے بتایا تھا کہ وہ چند ہفتے پیشتر لندن آئی تھی۔ غالباً لنکا شائر کے کسی چھوٹے سے شہر سے۔ اس کی ملاقات سڈنی سے ہوئی اور وہ سڈنی کی دوست بن گئی۔ باربرا کی طرف سے مایوس ہونے کے بعد سڈنی ویسے بھی اکیلا رہ گیا تھا۔''

''کیا تمہیں سڈنی کے بارے میں بھی کچھ علم ہے۔ میرا مطلب ہے وہ کس قسم کا آدمی ہے اور کیا کرتا ہے؟''

روز آلبہ نے مجھے بہت غور سے دیکھا ''تم یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''میں جاننا چاہتا ہوں، اگر کوئی حرج نہ ہو تو بتاؤ۔''

روز آلبہ نے غور کرنے کے بعد کہا ''جو سچ پوچھو تو مجھے کچھ ٹھیک سے علم نہیں، لیکن عام خیال یہی ہے کہ وہ اسمگلنگ کرتا ہے اور اس مقصد کے لیے لڑکیوں کو استعمال کرتا ہے۔ باربرا سے بھی اسی قسم کا کام لینا چاہتا تھا لیکن باربرا اس کے چنگل سے نکل بھاگی۔ میرا خیال ہے کہ جوڈی کو بھی اسی مقصد کے لیے استعمال کرتا ہوگا۔''

میں چپ رہا اور سوچتا رہا۔ دراصل میں یہ طے کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ جوڈی کی موت کے بارے میں روز آلبہ کو مطلع کروں یا نہ کروں۔ روز آلبہ میرے سامنے بیٹھی تھی۔ میں کچھ دیر سوچتا رہا پھر میں نے طے کیا کہ اسے سب کچھ بتا دوں، چنانچہ میں نے اچانک کہا۔

''جوڈی مر گئی ہے، اسے کسی نے قتل کر دیا ہے۔''

''جوڈی مر گئی ہے۔'' روز آلبہ نے چونک کر کہا ''کب؟''

''آج، تقریباً تین گھنٹے پیشتر۔'' میں نے جواب دیا۔

''اوہ، یہ تو بڑے افسوس کی بات ہے۔'' روز آلبہ کے چہرے پر تاسف کی جھلک نظر آئی ''وہ تو بڑی سیدھی

لڑکی تھی۔''

''ہاں، لیکن کسی نے بڑی بے دردی سے اس کا گلا کاٹ ڈالا۔''

روز آلبہ نے چنداں توقف کے بعد سوال کیا ''مگر تمہیں کیسے پتہ چلا راجو؟''

''میں اس کے فلیٹ پر گیا تھا۔'' میں نے ایک سگریٹ جلا کر کہنا شروع کیا ''وہ خوف زدہ تھی، اسے اپنی جان کا خطرہ تھا اور اس نے مجھے بلایا تھا کہ شاید میں اس کی جان بچا سکوں مگر میں تاخیر سے پہنچا اور قاتل اپنا کام کر گیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو وہ مر چکی تھی۔ اس کا گلا ایک کان سے دوسرے کان تک کٹا ہوا تھا اور اسے مرے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔''

''بار برا نے مجھے بتایا تھا کہ تمہارا سڈنی سے جھگڑا ہوا تھا۔'' روز آلبہ نے کہا ''اور جھگڑے کا سبب جوڈی ہی تھی، مگر اب تم کہہ رہے ہو کہ اس نے تمہیں بلایا تھا۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔''

''دراصل اس نے ایک رقعہ میری جیب میں ڈال دیا تھا۔ افسوس یہ ہے کہ وہ رقعہ میں نے آج دیکھا۔ اگر پہلے دیکھ لیتا اور وقت پر پہنچ جاتا تو شاید میں اس کی جان بچا لیتا۔ اب یہ احساسِ ندامت مجھے گھیرے ہوئے ہے کہ میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکا۔''

''اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے راجو!'' روز آلبہ یہ کہتی ہوئی اٹھی اور آ کر میرے پہلو میں بیٹھ گئی ''تم نے اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اس نے سلسلہ کلام آگے بڑھایا ''تم دل سے اس کی مدد کرنا چاہتے تھے۔ اگر تمہیں رقعہ بروقت مل گیا ہوتا اور تم وہاں ٹھیک وقت پر پہنچ جاتے تو بے شک یہ ممکن ہے کہ اس کی جان بچا لیتے مگر یہ نہ ہو سکا کیونکہ یہ قسمت کا کھیل ہے جوڈی کی موت اسی طرح مقدر ہو چکی تھی۔ تم اپنے آپ کو دوش دے کر پریشان نہ ہو، مگر سوال یہ ہے کہ وہ خوف زدہ کیوں تھی؟''

''اور کس سے تھی؟'' میں نے کہا۔

''ان دنوں وہ سڈنی کے ساتھ تھی۔'' روز آلبہ پر خیال انداز میں بولی ''چنانچہ خوف زدہ بھی اسی سے ہو گی۔ وہ بڑا ظالم اور کمینہ آدمی ہے۔ ممکن ہے کسی بات پر جوڈی سے ناراض ہو گیا ہو۔ کل ''ہاٹ لپس'' میں جو کچھ ہوا، اس سے بھی اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے۔''

میں نے گردن گھما کر روز آلبہ کے چہرے کو دیکھا جو سرخ گلاب کی طرح مہک رہا تھا پھر اثبات میں سر ہلا کر کہا ''ہاں، یہ عین ممکن ہے کہ وہ سڈنی سے ہی خوف زدہ ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ کیوں؟ اور پھر وہ کیا بات تھی جو وہ مجھے بتانا چاہتی تھی۔ اس کے رقعے سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔''

''ممکن ہے وہ سڈنی ہی کے بارے میں کچھ بتانا چاہتی ہو۔''

''میرا اندازہ بھی یہی ہے۔'' میں نے کہا ''وہ سڈنی کے بارے میں کچھ بتانا چاہتی تھی مگر سڈنی کو شبہ ہو گیا اور اس نے اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا۔ اس کے سوا اور کوئی بات ممکن نہیں ہو سکتی۔ ساری دنیا میں صرف سڈنی ہی ایک ایسا آدمی ہے جو جوڈی کو قتل کرنے کے لیے معقول جواز رکھتا ہے مگر روز آلبہ، میں نے وہاں ایک اور بات بھی نوٹ کی تھی۔ بڑی عجیب اور دہشت ناک۔ جوڈی کی لاش کے پاس خون کی بہت کم مقدار تھی۔ حالانکہ اس کا گلا جس طرح کٹا تھا اس کے مطابق وہاں خون کا سمندر ہونا چاہیے تھا۔ میں حیران ہوں کہ آخر سارا

خون کہاں گیا؟''

''یہ کوئی خاص بات نہیں ہے راجو ڈارلنگ۔'' روز آلبہ نے کہا ''بہت سے لوگ خون کی کمی کے مریض ہوتے ہیں۔ ایسے افراد کے جسم میں خون کی تعداد ہمیشہ کم رہتی ہے۔ ممکن ہے جوڈی بھی اسی مرض کا شکار ہو۔''

''مگر بظاہر تو اس کی صحت بڑی اچھی تھی۔'' میں نے اعتراض کیا۔

''ڈارلنگ۔'' یکا یک روز آلبہ نے میرا سر اپنے سینے بھینچ لیا ''اس واقعے نے تمہارے اعصاب پر بہت برا اثر ڈالا ہے اور تم بہت پریشان ہو، ہے نا۔''

''ہاں۔''

''تمہیں اس وقت تین چیزوں کی ضرورت ہے۔'' اس نے میری ناک پر بوسہ لیا ''ایک کپ گرم کافی کی، تھوڑی سی نیند کی اور۔'' یہ کہہ کر وہ بڑے دلفریب انداز میں مسکرائی ''اور میری۔ تم بیڈ روم میں چلو، میں ابھی آتی ہوں۔''

مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس وقت مجھے کس چیز کی ضرورت تھی اور کس چیز کی ضرورت نہیں تھی لیکن روز آلبہ کی تجویز بہر حال بہت اچھی تھی۔ میں اپنے آپ کو بہت ٹوٹا ہوا اور بکھرا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ ایک بے نام سا اندیشہ مجھے گھیرے ہوئے تھا اور اس کیفیت سے چھٹکارا پانے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ روز آلبہ کی تجویز پر عمل کروں۔ چنانچہ میں اس کے بیڈ روم میں چلا گیا۔ اس کا بیڈ روم ہرگز ایسا نہیں تھا جسے ایک بیوٹی سیلون کی مالکہ کا بیڈ روم سمجھا جا سکے۔ بڑا شاہانہ بیڈ روم تھا۔ فرش پر بے حد دبیز قالین تھا۔ ایک طرف سنگھار میز تھی جو یقیناً بیش قیمت تھی۔ بیڈ عام قسم کا نہیں تھا بلکہ گول تھا اور بہت بڑا تھا۔ اس کا ہیڈ بورڈ سنہرا تھا۔ میٹریس پر سرخ مخمل کا کور چڑھا تھا۔ کلٹ خالص ریشم کی تھی۔ تکیے جہازی سائز کے تھے اور ان پر کچھ لکھا نہیں تھا بلکہ موٹے موٹے بے حد گداز، بے حد خوب صورت ہونٹ کڑھے ہوئے تھے۔ سرہانے ایک شوکیس رکھا تھا۔ یہ شوکیس قریب قریب ویسا ہی تھا، جیسا میں نے آئرین کے یہاں دیکھا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ یہ اس کے مقابلے میں قیمتی تھا اور اس شوکیس کے اندر صرف ایک چیز رکھی تھی۔

طوطخ آمن کا ایک چھوٹا سا خوب صورت، سنہرا مجسمہ، ویسا ہی مجسمہ جیسا مجھے ایمن مینشن کے ہال میں نظر آیا تھا۔

میں نے جیکٹ اور پتلون اتار کر قالین پر ڈال دی، جوتے اور موزے بھی اتار دیئے اور بستر پر لیٹ گیا۔ نرم اور گداز بستر پر مجھے یکا یک بے حد راحت محسوس ہوئی۔ روز آلبہ کوئی پانچ منٹ بعد اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک کپ تھا۔ کپ اس نے مجھے دیا اور مسکرا کر بولی ''میں نے اس میں تھوڑی سی وہسکی بھی ملا دی ہے۔ تمہیں اس کی بھی ضرورت ہے۔''

''تم کتنی ضرورتیں پوری کرو گی۔'' میں نے شرارت سے کہا۔

''ہم تمہاری سب ضرورتیں پوری کریں گے۔'' روز آلبہ نے کہا۔

میں نے معاً چونک کر اسے دیکھا، یہ کیا؟ میں نے آخر یہ کیا سنا ہے۔ کہیں میرے کانوں نے دھوکا تو نہیں کھایا، مگر نہیں، دھوکا نہیں ہو سکتا۔ میں نے بالکل صاف اور واضح طور سنا تھا۔ وہم کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ وہ آواز

روز آلبہ کی نہیں تھی۔ قطعی طور پر اس کی نہیں تھی ''ہم تمہاری سب ضرورتیں پوری کریں گے۔'' کہتے وقت ہونٹ تو بے شک روز آلبہ کے ہی ہلے تھے مگر آواز کسی اور کی تھی اور میں پہچان گیا تھا کہ وہ آواز کس کی تھی۔ مجھے وہ رات یاد آئی جب میں باربرا کے ساتھ تنہا تھا اور اس وقت بھی مجھے باربرا کے بجائے کسی اور کی آواز سنائی دی تھی۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ یہ سب کچھ صرف وہم ہے، اور میرے وجدان کا کرشمہ ہے یا میں پاگل ہوتا جارہا ہوں۔ آخر ویرا ہمشائر کی آواز میرا پیچھا کیوں کررہی ہے۔ پہلے کی طرح اس بار بھی میں نے ویرا ہمشائر کی آواز ہی سنی تھی۔ ایک لمحے کے لیے مجھے روز آلبہ سے بے حد خوف محسوس ہوا اور میرا جی چاہا کہ فوراً اس کے بیڈروم سے بھاگ جاؤں۔

اچانک میرے کانوں میں ہلکی ہلکی سرگوشی کی آواز آئی۔

''ایمن.....ایمن.....''

☆☆☆

دوسرے دن صبح جب میری آنکھ کھلی تو دس بج چکے تھے۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ غالباً روز آلبہ نے سیلون کھول دیا ہوگا اور وہ لوگ وہیں ہوں گے۔ میں نے سوچا اور ایک سگریٹ جلائی اور سرہانے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ میرا ذہن اس وقت کافی پرسکون تھا۔ گزشتہ دن والی تھکاوٹ اور شکستگی محسوس نہیں ہورہی تھی۔ یہ پوری رات کی گہری اور پرسکون نیند کا نتیجہ تھا۔ سرہانے والی ٹیبل پر ایک دو نہیں بلکہ کوئی درجن بھر اخبار رکھے تھے۔ ظاہر ہے کہ روز آلبہ رکھ گئی ہوگی۔ ساتھ الیکٹرک کیتل اور چائے کا سامان بھی موجود تھا۔ میں نے کیتل کا بٹن دبا دیا۔ ایک منٹ میں چائے تیار ہوگئی۔ میں نے دو تین گھونٹ حلق سے اتارے اور پھر ایک اخبار اٹھایا۔

دوسرے لمحے میرے بدترین اندیشوں کی تصدیق ہوگئی اور گزشتہ رات جو ایک خوف اور تذبذب مجھ پر طاری تھا اس کی وضاحت بھی ہوگئی۔ میرا لاشعور جس خطرے کو محسوس کررہا تھا وہ نمایاں طور پر اخباروں میں موجود تھا، اور واشگاف الفاظ میں بتا رہا تھا کہ اب لندن کی سڑکوں پر کھلے عام گھومنا میرے لیے ممکن نہیں۔ جوڈی کے قتل کی خبر تقریباً سبھی اخباروں نے صفحہ اول پر شائع کی تھی لیکن تفصیلات اس سے زیادہ نہیں تھیں، جتنی مجھے معلوم تھیں۔ اخبارات کے مطابق جوڈی کی لاش تقریباً پونے بارہ بجے دریافت ہوئی تھی۔ پولیس کو ایک پراسرار فون کال موصول ہوئی تھی۔ فون کرنے والے نے اپنا نام نہیں بتایا تھا، نہ جوڈی سے اپنا تعلق ظاہر کیا تھا اور نہ ہی یہ وضاحت کی تھی کہ اسے جوڈی کی لاش کا علم کیونکر ہوا تھا۔ اس نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ ایک قتل ہوگیا ہے اور پھر پتا بتا کر فون بند کردیا تھا۔ پولیس فوراً ہی موقع واردات پر پہنچی اور وہاں اسے جوڈی کی لاش ملی۔ چونکہ پولیس نے فوراً ہی یہ خبر اخبارات کو جاری کردی تھی اس لیے صبح کے اخبارات میں آگئی تھی۔ پولیس کے بیان کے مطابق جوڈی ڈیون گئی ہوئی تھی۔ وہاں سے اس کی واپسی آٹھ بجے ہوئی تھی۔ یہ بات اس کے پرس میں ملنے والے ریلوے ٹکٹ سے ظاہر ہوتی تھی۔ جب وہ گھر پہنچی تو کچھ ہی دیر بعد کسی نے اسے قتل کردیا۔ پولیس کو سردست قاتل کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں تھا اور انہیں کوئی ایسا سراغ بھی نہیں ملا تھا جو تفتیش میں مددگار ثابت ہوتا مگر کچھ چھوٹے چھوٹے سراغ ضرور ملے تھے۔ مثلاً یہ کہ انہیں پال مال سگریٹ کے کئی ٹکڑے ملے تھے اور ان کا خیال تھا کہ ممکن ہے یہ سگریٹ قاتل نے پیئے ہوں۔ اس کے علاوہ انہیں انگلیوں کے نشانات ملے تھے اور ان کے اندازے کے مطابق وہ نشانات مردانہ تھے۔ یہ دونوں باتیں میری طرف اشارہ کررہی تھیں۔ پال مال

سگریٹ میں نے چھوڑے تھے اور مردانہ انگلیوں کے نشانات بھی میرے ہی ہونے چاہئیں تھے۔ پولیس نے سرگرمی سے تفتیش شروع کردی تھی اور اس مقصد کے تحت جوڈی کے تمام دوستوں اور واقف کاروں کو چیک کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

ڈیلی ٹیلی گراف کے نمائندے نے اپنے طور پر بھی کچھ انکشافات کیے تھے۔ ان کے مطابق جوڈی چرس اور دوسرے گھٹیا نشوں کی عادی تھی۔ اس کا ذریعہ آمدنی بظاہر کچھ نہیں تھا۔ اس کے حلقہ احباب میں ویسٹ انڈین اور ایشیائی نوجوان زیادہ تھے۔ اخبار نے ایک رومال کا ذکر بھی کیا تھا جس پر آر، اے، کے حروف کڑھے ہوئے تھے، اور مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ رومال میرا ہی ہوگا کیونکہ آر' اے سے میرا نام ریاض عالم بنتا تھا مگر سوال یہ ہے کہ میرا رومال اس کے پاس کیونکر پہنچا۔ ممکن ہے، میرا رومال اس نے اسی وقت نکالا ہو، جب میری جیب میں رقعہ ڈالا تھا مگر مجھے یہ یاد نہیں تھا کہ رومال اس وقت میری جیب میں تھا یا نہیں۔ اخبار نے ایک عورت کا مختصر بیان بھی شائع کیا تھا جو جوڈی کے سامنے والے فلیٹ میں رہتی تھی۔ اس کا نام پینی تھا، اور اس نے بیان دیا تھا کہ آٹھ بجے کے قریب اس کی ملاقات جوڈی سے ہوئی تھی۔ جوڈی کے ہاتھ میں ایک بڑے سائز کا بیگ تھا۔ پینی اس وقت بنگو کھیلنے جارہی تھی۔ ان دونوں کے درمیان سرسری گفتگو ہوئی تھی۔ جوڈی نے پینی کو بتایا تھا کہ اسے نو بجے ہر حال میں گھر میں رہنا ہے کیونکہ اس کا ایک دوست جو ایشیائی ہے اور شیفرڈز بش میں رہتا ہے، اس سے ملنے کے لیے آنے والا ہے۔ پینی بنگو کھیل کر کوئی ساڑھے بارہ بجے واپس آئی تھی اور اخبار کے نمائندے نے سب سے پہلے اس کا بیان حاصل کرلیا تھا مگر پولیس کو جوڈی کے فلیٹ میں کوئی بیگ نہیں ملا تھا اور دوسری خاص بات یہ تھی کہ کسی بھی اخبار نے اس بات کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا کہ جوڈی کے جسم سے حیرت انگیز طور پر کم مقدار میں خون نکلا تھا۔

میں نے اخبارات ٹیبل پر ڈال دیئے اور سگریٹ جلا کر سوچ میں ڈوب گیا۔ یہ تو ظاہر تھا کہ میں بری طرح مصیبت میں پھنس چکا تھا۔ اپنے بچاؤ کا میرے پاس کوئی راستہ نہیں تھا اور اب میں اپنے مکان میں بھی نہیں جاسکتا تھا۔ پولیس کو میرے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنے میں دیر نہیں لگے گی پھر نہ صرف وہ میرے گھر پر پہرا بٹھادیں گے بلکہ پورے لندن میں میری بو سونگھتے پھریں گے۔ سوال یہ ہے کہ اب میں کیا کروں، میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ البتہ ایک بات بالکل طے تھی اور وہ یہ کہ مجھے کسی سازش میں پھانسا گیا تھا مگر یہ سازش کس نے کی ہوگی۔ کیا سڈنی نے؟ سردست اس کے سوا اور کوئی میرا دشمن نہیں تھا۔

ذہن پر بہت زیادہ بوجھ ڈالنے سے بہتر یہ تھا کہ میں خود کو پرسکون رکھنے کی کوشش کروں۔ بھول جاؤں کہ میں کسی مصیبت میں پھنس گیا ہوں اور میرا کسی پریشانی، کسی مسئلے یا کسی دشمن سے کوئی واسطہ ہے۔ یہ طے کر کے میں اٹھا اور دوسرے کمرے کی طرف چل پڑا۔ وہ نادیدہ ہستی اس وقت بھی میرے ساتھ موجود تھی۔ اگر وہ واقع کوئی شے تھی۔ میں جہاں بھی جاتا تھا اس کی موجودگی کو اپنے ساتھ سائے کی طرح محسوس کرتا تھا۔ کبھی کبھی مجھے ہلکی ہلکی سانسیں بھی سنائی دیتی تھیں، مگر اب میں اس کی موجودگی کا اتنا عادی ہوچکا تھا کہ اس کا کوئی اثر اپنے ذہن پر قبول نہیں کرتا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو یقین دلایا تھا کہ یہ صرف میرے لاشعور یا وجدان کی کارستانی ہے اور کچھ نہیں۔ اس وقت بھی کوئی چاپ نہیں سنی۔ نہ سانس کی آواز کانوں میں آئی پھر بھی اس کی موجودگی کو محسوس

کر رہا تھا۔ میں دوسرے کمرے میں گیا۔ باتھ روم اور کچن دائیں طرف تھے۔ میں نے کچن میں جا کر گیزر پر چائے کا پانی چڑھایا اور پھر باتھ روم میں گھس کر منہ دھونے لگا۔ اس وقت میرے جسم پر ایک انڈرویر کے سوا کچھ نہیں تھا اور مجھے کوئی پروا بھی نہیں تھی۔ گزشتہ کچھ عرصے میں، میں نے جس قسم کی زندگی بسر کی تھی، اس نے میرے ذہن کی اخلاقی قدروں کے تصور کو خاصا پامال کر دیا تھا۔ میں ابھی منہ دھو کر فارغ ہی ہوا تھا کہ دروازے پر آہٹ ہوئی۔ گھوم کر دیکھا تو کیٹی کھڑی تھی۔ وہی بونے سے قد والی لڑکی جسے پہلی بار دیکھ کر مجھے چینی گڑیوں کا خیال آیا تھا۔

''ہیلو ماشوک!'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''تمہیں یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی؟'' میں نے حیران ہو کر سوال کیا۔

''باربرا نے بتائی تھی۔'' اس نے جواب دیا۔

''باربرا کہاں ہے؟'' میں نے دوسرا سوال کیا۔

''گزشتہ رات وہ سونیا کو لے کر آئی تھی۔'' کیٹی نے کہا ''مگر کچھ دیر بعد وہ دونوں ایمن مینشن چلی گئی تھیں اور رات وہیں رہیں۔ سونیا ابھی صبح واپس آئی ہے۔ باربرا غالباً اپنے گھر چلی گئی ہوگی۔''

''روزآلبہ اور سونیا نیچے دکان میں ہیں؟'' میں نے پوچھا۔ کیٹی نے جواب اثبات میں دیا تو میں نے کہا۔

''اور تم کس لیے آئی ہو؟''

''یہ دیکھنے کہ تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔'' کیٹی نے جواب دیا پھر دفعتاً فکرمند ہو کر بولی ''راجو! تم نے اخبارات دیکھ لیے ہیں نا۔ میں حیران ہوں کہ آخر یہ سب کچھ ہوا کیسے۔ تم بری طرح مصیبت میں پھنس گئے ہو۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تولیے سے منہ ہاتھ خشک کر کے کیٹی کے پاس سے گزرتا ہوا کچن میں داخل ہوا۔ اس بات کی پروا کیے بغیر کہ کیٹی تحسین آمیز اور تشکیلی نظروں سے میرے جسم کو گھور رہی تھی۔ جب میں نے چائے بنانے کے لیے ٹی پاٹ اٹھایا تو وہ لپک کر آ گئی اور مجھے ایک طرف ہٹا کر خود ناشتا تیار کرنے لگی۔ میں اسٹول پر بیٹھ کر سگریٹ پینے لگا۔ کیٹی بڑی نفاست سے ناشتا تیار کر رہی تھی۔ اس نے فرائی پان میں دو انڈے توڑے اور پھر گھوم کر مجھ سے بولی۔

''سوال یہ ہے کہ اب تم کیا کرو گے؟''

''فی الحال خود مجھے نہیں معلوم کہ میں کیا کروں گا۔'' میں نے جواب دیا ''لیکن اتنا طے ہے کہ یہ ساری سازش سڈنی نے کی ہے۔ محض اپنی ہزیمت کا بدلہ لینے کے لیے اور مجھے اس گرداب سے نکلنے کے لیے سڈنی ہی سے حساب کتاب چکانا ہوگا۔''

''جو کچھ بھی کرنا، احتیاط سے اور سوچ سمجھ کر کرنا۔'' اس نے دوستانہ انداز میں کہا۔

انڈے توس اور چائے تیار کر کے اس نے ٹیبل پر سجا دی، پھر مجھ سے کہا ''اب تمہیں کسی اور چیز کی یا میری ضرورت تو نہیں۔'' میں نے چونک کر اسے دیکھا اور دفعتاً مجھے رابن کی بات یاد آ گئی۔ اس نے کہا تھا۔ ان کے پاس ان گنت حسین اور جوان لڑکیاں ہیں جو بلا تکلف اپنے آپ کو پیش کر دیتی ہیں۔ میں چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔

''نہیں۔فی الحال کسی چیز کی ضرورت نہیں۔'' یہ کہہ کر میں ناشتے پر پل پڑا۔

وہ سارا دن روز آلبہ کے شان دار بیڈ روم میں ہی گزرا۔ میں مسلسل سوچتا اور سگریٹ پھونکتا رہا۔ شام کے اخبارات آئے تو میرے وسوسوں کی رہی سہی کسر بھی پوری ہوگئی۔ جوڈی کی بھیانک موت پھر صفحہ اول کی زینت بنی تھی۔ پولیس نے میرے بارے میں مزید معلومات حاصل کرلی تھیں۔ انہوں نے ایک ایسا شخص ڈھونڈ نکالا تھا جس نے مجھے اور جوڈی کو کئی بار ایک ساتھ دیکھا تھا، اس شخص کی گواہی قطعاً جھوٹی تھی، اور میرے خلاف سازش کا ایک حصہ تھی مگر پولیس نے بہر حال اس کا اعتبار کرلیا تھا اور پھر وہ میرے گھر تک جا پہنچے تھے۔ میرے گھر کی تلاشی کے دوران انہیں وہ رقعہ بھی مل گیا تھا جو جوڈی نے میری جیب میں ڈالا تھا، اور بدقسمتی سے میں اسے گھر ہی چھوڑ آیا تھا۔ اخبار نے لکھا تھا کہ پولیس کو اس بات کا پورا یقین ہے کہ قاتل ریاض عالم نام کا ایک ایشیائی نوجوان ہے۔ جوڈی نے اسے نو بجے بلایا تھا اور پھر غالباً کسی بات پر دونوں کے درمیان جھگڑا ہوگیا۔ قاتل نے کسی بات پر مشتعل ہوکر جوڈی کو مار ڈالا۔ پولیس نے یہ قیاس بھی قائم کیا تھا کہ قاتل ممکن ہے، ذہنی مریض ہو، اور جنونی اور وحشیانہ رجحانات رکھتا ہو۔ ورنہ اسے گلا کاٹنے کی کیا ضرورت تھی۔ پولیس نے بہت جلد قاتل کو گرفتار کرلینے کی امید بھی ظاہر کی تھی۔

اس شام میڈم روز آلبہ کے ڈرائنگ روم میں ایک چھوٹی سی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں باربرا، روز آلبہ، کیٹی سونیا، اور میں شامل تھے۔ چاروں عورتیں اس بات پر مصر تھیں کہ چونکہ پولیس میری تلاش میں لندن کے گلی کوچوں میں ماری ماری پھر رہی ہے اس لیے مجھے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ میں جیسے ہی باہر نکلوں گا مجھے گرفتار کرلیا جائے گا اور چونکہ میرے پاس اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اس لیے مجھے لمبی مدت کی سزا ہو جائے گی۔ روز آلبہ کا یہ بھی خیال تھا کہ میں اس کے اپارٹمنٹ میں بھی نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ پولیس بہر حال بہت جلد یہ معلوم کرلے گی کہ میں باربرا کا دوست ہوں اور باربرا کے تعلقات روز آلبہ وغیرہ سے ہیں۔ اس لیے ممکن ہے کہ میں روز آلبہ کے فلیٹ میں چھپا ہوا ہوں۔ روز آلبہ کا اندیشہ درست تھا۔ پولیس واقعی کسی وقت بھی وہاں پہنچ سکتی تھی۔ چنانچہ میں نے جھلا کر کہا ''تو پھر آخر میں کہاں جاؤں؟''

باربرا نے کیٹی کی طرف دیکھا۔ کیٹی نے سونیا کی جانب اور سونیا نے روز آلبہ کو گھورا، پھر روز آلبہ نے ہمدردانہ لہجے میں کہا ''ہم تمہیں شہر سے باہر ایک ایسی جگہ لے جائیں گے جہاں پورا اسکاٹ لینڈ یارڈ قیامت تک تمہیں تلاش نہیں کرسکے گا۔''

''لیکن میں قید ہونا نہیں چاہتا۔''

''کیوں؟''

''میں سڈنی کو تلاش کرنا چاہتا ہوں۔''

ڈیلی میل اور دی سن نے سڈنی کا ذکر بھی کیا تھا اور اپنی رپورٹ میں یہ بتایا تھا کہ جوڈی دراصل سڈنی کی گرل فرینڈ تھی اور یہ کہ سڈنی کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔ اس کی سرگرمیاں مشتبہ ہیں، ممکن ہے ناجائز منشیات کا دھندا کرتا ہو۔ اخبارات کے مطابق پولیس سڈنی کو بھی تلاش کررہی تھی۔ جو کہ لاپتا ہوگیا تھا مگر پولیس کو امید تھی کہ وہ بہت جلد سڈنی کو بھی تلاش کرلے گی۔ دی سن نے کیپٹن جیفرسن کی تصویر بھی شائع کی تھی جو اس کیس کی

تحقیقات پر مامور ہوا تھا۔ یہ ساری اطلاعات شام کے اخبار میں بھی تھیں۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے سڈنی کو تلاش کرنا بہت ضروری ہے۔ شہر سے باہر جا کر کسی مقام پر روپوش ہونے کے نظریے سے میں متفق نہیں تھا۔ اگر میں ایک بار سڈنی کو تلاش کر لوں اور اس سے اصل حقیقت اگلوا لوں تو میں ایک بار پھر لندن کی سڑکوں پر کھلی ہوا کی طرح آزادی سے گھوم سکتا ہوں۔ جب میں نے اس بات کا اعلان کیا تو باربرا ایک دم گھبرا گئی۔

''نہیں، نہیں، تم ایسا نہیں کر سکتے۔'' وہ ہراساں ہو کر بولی۔

''مگر یہ ضروری ہے، میں چوہوں کی طرح کسی بل میں گھسے رہنا پسند نہیں کرتا۔'' میں نے غصے سے کہا ''میں ضرور باہر جاؤں گا اور سڈنی کو تلاش کروں گا۔''

''مگر باہر خطرہ ہے۔'' باربرا نے بے چین ہو کر کہا۔

جب سے باربرا فلیٹ میں آئی تھی، تب سے بے حد فکر مند اور پریشان تھی۔ اس کا رویہ کچھ ایسا ہی تھا جیسے میں اس کا عاشق یا دوست نہیں بلکہ اس کا بچہ ہوں۔ وہ بار بار اس طرح مجھے اپنی آغوش میں بھینچ لیتی تھی جیسے دنیا کی آفات سے بچانے کی کوشش کر رہی ہو اور مجھے اس کے اس طرز عمل سے خاصی الجھن ہو رہی تھی۔ میں نے جھنجلا کر کہا ''اگر تم یہ نہیں چاہتیں کہ میں اکیلے جاؤں تو تم بھی ساتھ چلو۔''

برطانیہ کے ہاؤس آف کامن کے انداز میں تھوڑی دیر میٹنگ اور چلی اور گرما گرم تقریریں جھاڑی گئیں مگر پھر چاروں عورتوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ میڈم روز آلبہ چونکہ بیوٹی ایکسپرٹ تھی، اس لیے قدرتاً اسے میک اپ میں کمال حاصل تھا۔ وہ نیچے جا کر میک اپ کا ضروری سامان لے آئی۔ سونیا نے بازار کا چکر لگایا اور میرے لیے نئے کپڑے لے آئی۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد جب میں تیار ہوا تو اس حد تک بدل چکا تھا کہ کیپٹن جیفرسن میری تصویر سامنے رکھ کر بھی مجھے دیکھتا تو بھی نہیں پہچان سکتا تھا۔ چہرے کی رنگت بدل گئی۔ فرنچ کٹ ڈاڑھی اور مونچھیں بڑی نفاست سے لگائی گئی تھیں۔ آنکھوں پر سنہرے فریم کا چشمہ تھا۔ بالوں کا رنگ ہلکا سنہرا ہو گیا تھا۔ نتھنوں کے اندر چھوٹے چھوٹے اسپرنگ تھے، جن کی بنا پر ناک اور اونچی ہو گئی تھی۔ جسم پر ایک پرانے طرز کا لمبا کوٹ اور پتلے پائینچوں کی پتلون تھی۔ روز آلبہ نے مجھے یہ بھی ہدایت کی کہ جب بھی میں پیدل چلوں تو اس طرح کہ ہلکی سی لنگڑاہٹ ظاہر ہو۔

''تمہارا نام آقائے افراسیاب ہے اور تم شیراز میں پیدا ہوئے تھے۔ اس بات کو ہر وقت یاد رکھنا۔'' روز آلبہ نے مجھے تاکید کی۔

''مگر تمہیں اس نام کے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟'' میں نے حیران ہو کر سوال کیا۔

''میں کچھ عرصہ شیراز میں رہ چکی ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

میڈم روز آلبہ کے پاس تین گاڑیاں تھیں۔ ایسکورٹ گزشتہ دن باربرا کے استعمال میں رہی تھی۔ اب ہم نے وہ گاڑی چھوڑ دی، اور وائلڈ کیٹ لے لی۔ طویل اور پرشکوہ امریکن گاڑی جب بیوٹی سیلون سے روانہ ہوئی تو باربرا نے پوچھا۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''چیئرنگ کراس اسٹیشن۔'' میں نے جواب دیا۔

چیئرنگ کراس ایک ایسی جگہ ہے جہاں ہر وقت تھوڑا بہت ہجوم ہوتا ہے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو رات کے آٹھ بج چکے تھے۔ ہم نے وائلڈ کیٹ ایک پرائیویٹ پارکنگ پلاٹ میں کھڑی کر دی پھر میں نے باربرا کو جوڈی کے فلیٹ کا محل وقوع سمجھانے کے بعد کہا ''پینی کا فلیٹ اس کے بالکل مقابل میں ہے۔ ممکن ہے اب وہاں پولیس کا پہرہ نہ ہو۔ تمہارا کام یہ ہے کہ پینی کے فلیٹ میں جاؤ اور اس سے کہو تم کو چند اطلاعات کی ضرورت ہے جس کے لیے تم پچاس پونڈ تک ادا کر سکتی ہو۔ اگر وہ راضی ہو تو تم فوراً چلی آنا اور اس سے کہنا کہ ایک گھنٹے کے بعد ٹھیک نو بجے ہم سے کیفے ڈی فرانس میں ملے۔''

''تم پینی سے کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟'' باربرا نے سوال کیا۔

''یہ تمہیں جلدی ہی معلوم ہو جائے گا۔'' میں نے کہا ''تم پینی سے یہ بھی کہہ دینا کہ اس بات کی احتیاط رکھے کہ کوئی اس کا تعاقب نہ کرنے پائے۔ اگر اس کو تعاقب کا شبہ ہو تو پھر ہم سے ملنے کی ضرورت نہیں۔''

باربرا اثبات میں سر ہلا کر رخصت ہو گئی۔ میں کچھ دیر تک کار میں بیٹھا رہا لیکن کار میں بیٹھ کر انتظار کرنا جلدی ہی اکتاہٹ کا سبب بننے لگا۔ میں باہر نکلا اور ٹہلتا ہوا اسٹیشن کی طرف چلنے لگا۔ سڑکوں پر آمد و رفت زیادہ تھی۔ شاید کوئی ٹرین آئی تھی مگر جب میں اسٹیشن کے دروازے میں پہنچا تو بھیڑ چھٹ چکی تھی۔ میں نے بے دھیانی میں سگریٹ کی ڈبیا جیب سے نکالی مگر پھر فوراً ہی دوبارہ اندر رکھ لی۔ سر دست پال مال پینا مناسب نہ تھا۔ کیونکہ یہ مہنگی امریکی سگریٹ بہت کم لوگ پیتے ہیں۔ کچھ دیر بعد میں نے وہ پیکٹ کوڑے کرکٹ کے بن میں پھینک دیا اور اسٹال سے رچمنڈ خرید لی۔

اس تمام عرصے میں، یعنی جب میں کار سے اتر کر اسٹیشن کی طرف چلا تھا، وہ نادیدہ ہستی، وہ میری ہم قدم ساتھی مسلسل میرے ساتھ رہی تھی۔ میں اس کی موجودگی کو واضح طور پر محسوس کر رہا تھا لیکن میں نے پروا نہیں کی تھی۔ فائدہ بھی کیا تھا۔ وہم کو اتنی اہمیت نہیں دینی چاہیے کہ وہ اعصاب اور حواس کو مختل کرنے لگے۔ سگریٹ خرید کر میں ایک نسبتاً ویران گوشے کی طرف چلا گیا اور ایک پلر سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ سگریٹ جلائی اور لاتعلقی سے آتے جاتے ہجوم کو دیکھنے لگا۔

اسی وقت میں نے محسوس کیا کہ وہ پراسرار نادیدہ ہستی مجھے چھوڑ کر آگے جا رہی ہے۔ میں بے اختیارانہ انداز میں فرش کے اس حصے کو دیکھنے لگا جہاں میری دانست میں اس کے قدم پڑ رہے تھے۔ گو کوئی آواز نہیں تھی پھر بھی میری حس ان قدموں کو محسوس کر رہی تھی۔ وہ قدم آگے بڑھتے بڑھتے ایک بڑے کیبن کے پیچھے غائب ہو گئے۔ میں نے اس طرح سر ہلایا گویا یہ کوئی خاص بات ہی نہیں تھی پھر ایک کش لگا کر اسٹیشن کے گیٹ کو دیکھنے لگا۔ جہاں سے لوگوں کا ایک جم غفیر برآمد ہو رہا تھا۔ شاید پھر کوئی لوکل ٹرین آئی تھی۔ چند منٹ بعد میری نگاہ گھومتی ہوئی اس کیبن کی طرف چلی گئی جہاں میرے احساس کے مطابق وہ قدم غائب ہوتے تھے۔ معاً میں چونک پڑا اور بغیر کسی ارادے کے سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ تازہ وارد ٹرین سے آئے ہوئے کچھ لوگ لپکتے چلے آ رہے تھے اور ان سے ذرا ہٹ کر وہ ہستی چلی آ رہی تھی، جسے میں نے کئی ہفتوں سے نہیں دیکھا تھا لیکن جس کی آواز میرے وجدان نے مجھے سنوائی تھی۔ جسے دیکھ کر میرے حواس کی دنیا تاخت و تاراج ہو جاتی تھی، اور جو

میرے ذہن پر ایک مسحور کن خواب کی طرح چھا جاتی تھی۔ وہی جادو نگار ہستی، یعنی ویرا ہیمشائر!

اس نے زرد رنگ کا لمبا فراک پہن رکھا تھا۔ سینڈل بھی اسی رنگ کے تھے۔ سر پر سجے ہوئے نازک سے ہیٹ کا رنگ ویسا ہی تھا۔ اپنی اس سج دھج میں وہ ایک تر و تازہ اور شاداب ڈیفوڈل کی طرح دکھائی دے رہی تھی ویسی ہی پرشکوہ شخصیت تھی اس کی، وہی بانکپن تھا۔ وہی احساس کی طنابیں توڑ دینے والی شان و شوکت تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنی پلکیں جھپکائیں اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔ کیونکہ اچانک مجھے خیال آیا تھا کہ میں میک اپ میں ہوں اور وہ مجھے پہچان نہیں سکتی مگر وہ سبک قدموں سے چلتی ہوئی سیدھی میرے پاس آئی اور پھر اپنے بے مثال دانتوں کی چمک چاروں طرف بکھیر کر بولی۔

''ہیلو مسٹر راجو! کیسے ہیں آپ؟''

میرے دل کی دھڑکن یکا یک تیز ہوگئی۔ میں نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا ''اچھا ہوں، مگر آپ نے مجھے کیسے پہچان لیا۔''

''آپ کا میک اپ بہت اچھا ہے۔'' اس کا لہجہ تعریفی تھا ''کوئی بھی دوسرا شخص آپ کو نہیں پہچان سکتا مگر میری بات دوسری ہے۔ آپ کہیں بھی اور کسی بھی حلیے میں ہوں، میں آپ کو پہچان لوں گی۔''

میں چپ رہا۔ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہوں۔

ویرا میرے سامنے کھڑی تھی اور اس کی موجودگی سے میں تھوڑی سی گھبراہٹ محسوس کر رہا تھا۔ وہ بہت حسین تھی اور ایسی حسین ترین عورت کی قربت کسی کو بری نہیں لگتی، مگر میں اس وقت اس سے نہیں ملنا چاہتا تھا۔ اس سے گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ویرا مجھے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی اور وہ مسکراہٹ بے معنی نہیں نظر آتی تھی بلکہ اس کا ایک مفہوم تھا مگر یہ اور بات ہے کہ میں اس مفہوم کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ چند لمحے یونہی گزر گئے پھر میں نے محض کچھ نہ کچھ کہنے کی غرض سے کہا ''آپ کہاں سے آ رہی ہیں؟''

وہ ہنسی۔ اس کی ہنسی میں چاندی کی گھنٹیوں کی سی کھنک تھی ''میں تو یہیں تھی آپ کے پاس۔''

میں خوامخواہ مسکرایا ''آپ شاید پلیٹ فارم پر تھیں، کسی کا انتظار کر رہی تھیں؟''

اس کی مسکراہٹ معدوم ہوگئی ''ہاں۔'' اس نے کہا ''میں ایک دوست کا انتظار کر رہی تھی مگر وہ آئی ہی نہیں۔''

میں چپ رہا۔ میری گھبراہٹ بتدریج بڑھ رہی تھی، نہ جانے کیوں۔ اپنے احساسات کو چھپانے کے لیے میں نے ورانڈے میں چاروں طرف نظر دوڑانی شروع کر دی۔ ہجوم چھٹ گیا تھا پھر بھی کافی لوگ ادھر ادھر چل پھر رہے تھے۔ زیادہ تر لوگ پلیٹ فارم کی طرف بھاگ رہے تھے۔ شاید کوئی ٹرین جانے والی تھی۔ میری نگاہ چاروں طرف سے گھومتی ہوئی پھر آ کر ویرا کے تابناک چہرے پر رک گئی۔ میں نے رواروی کے انداز میں کہا ''اب آپ کہاں جائیں گی؟''

وہ مسکرائی ''میں کہیں نہیں جاؤں گی یہیں رہوں گی، آپ کے پاس۔''

میں بھی مسکرا دیا۔ آج وہ مذاق کے موڈ میں تھی۔ چھوٹے چھوٹے فقروں میں ہلکا پھلکا مذاق کر رہی تھی۔ اب یہ اور بات ہے کہ میں اس کے پرلطف فقروں سے پوری طرح لطف اندوز نہیں ہو سکتا تھا۔ میری اندرونی بے

چینی مجھے مضطرب کررہی تھی پھر یہ بھی خطرہ تھا کہ کہیں باربرا واپس نہ آ گئی ہو اور مجھے تلاش کرتی پھر رہی ہو۔ ہوسکتا ہے وہ مجھے ڈھونڈتی ہوئی اسٹیشن کے ورانڈے میں آ جائے اور ویرا سے اس کا سامنا ہو جائے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس وقت ان دونوں کا سامنا ہو۔ یہ توجیہہ کرنا مشکل ہے کہ میں ایسا کیوں چاہتا تھا۔ شاید میرے لاشعور میں یہ خواہش چھپی ہوئی تھی کہ جس مصیبت میں، میں پھنس گیا ہوں، اس سے ویرا آگاہ نہ ہو۔ جب میں کچھ دیر خاموش رہا تو ویرا نے کہا ''کیا بات ہے مسٹر راجو!''

''کچھ نہیں۔ کوئی بات نہیں ہے۔'' میں نے جلدی سے کہا۔

''آپ کسی پریشانی میں مبتلا ہیں، ہے نا؟'' وہ مجھے اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے میرا چہرہ پڑھ رہی ہو۔

''نہیں تو، یہ آپ نے کیسے سمجھا؟''

''یہ بات آپ کی چہرے پر لکھی ہے۔'' اس کا لہجہ صاف اور یقینی تھا ''آپ ضرور کسی پریشانی میں مبتلا ہیں۔ ورنہ آپ نے یہ بھیس کیوں بدلا ہے۔ کیا آپ مجھے نہیں بتائیں گے؟''

میں نے طویل سانس لی اور ہونٹوں پر زبان پھیری ''نہیں، کوئی خاص بات نہیں ہے۔''

''آپ یہاں کسی کا انتظار کررہے ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں، میں باربرا کا انتظار کررہا ہوں۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی نہ جانے کیسے یہ بات میری زبان سے نکل گئی۔

''باربرا..... اوہو، وہ خوب صورت لڑکی، جسے میں نے برٹش میوزیم میں دیکھا تھا۔''

''ہاں، وہی۔''

''وہ بہت خوب صورت لڑکی ہے۔'' ویرا نے کہا ''وہ خود جتنی خوب صورت ہے، اس کا دل اس سے کہیں زیادہ خوب صورت ہے۔ شاید وہ آپ کی بہت اچھی دوست بن گئی ہے اور یہ انگوٹھی غالباً اسی نے آپ کو دی ہے، ہے نا۔''

وہ انگلی سے اس انگوٹھی کی طرف اشارہ کررہی تھی جو ایمن مینشن میں غالباً مجھے ڈاکٹر نیفا نے پہنائی تھی۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر انگوٹھی کو غور سے دیکھا پھر ویرا کے چہرے پر نظر ڈالی۔ وہ میرے جواب کا انتظار کررہی تھی۔

''اور شاید آپ کے گلے میں ایک ہار بھی ہے، ہے نا؟''

میں نے جواب اثبات میں دیا ''مگر یہ دونوں چیزیں مجھے باربرا نے نہیں دی ہیں۔''

پھر میں نے بے چینی سے دونوں ہاتھ کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسالیں اور اضطراری انداز میں ویرا کو دیکھا۔ انگوٹھی اور لاکٹ کے ذکر کے ساتھ ہی مجھے یاد آ گیا تھا کہ میں نے ویرا کی تصویر ایمن مینشن میں دیکھی تھی۔ اس وقت میرے دل میں شدت سے ایک خواہش نے سر ابھارا، میرا جی چاہا کہ میں ویرا سے کہہ دوں، سب کچھ کہہ دوں، وہ سب کچھ جو میرے دل میں کھولتے ہوئے پانی کی طرح ابل رہا ہے۔ جس نے میرا سکون درہم برہم کر دیا ہے۔ میں اس سے سب کچھ کہہ دوں اور اس سے پوچھ لوں، آخر یہ سب کچھ کیا ہے جو کچھ پچھلے چند ہفتوں میں میرے ساتھ ہوا ہے..... ویرا کون ہے۔ اس کی تصویر ایمن مینشن میں کیوں لگی ہے۔ اس کا باربرا اور اس کی ساتھیوں اور ڈاکٹر نیفا سے کیا تعلق ہے۔ میرے اردگرد مصر اور فراعین مصر کا اتنا چرچا کیوں ہے اور

اسے یہ کیسے معلوم ہوا کہ میرے گلے میں ایک لاکٹ پڑا ہوا ہے۔ کیونکہ انگلی میں پڑی ہوئی انگوٹھی تو صاف نظر آتی ہے، مگر لاکٹ کپڑوں کے نیچے چھپا ہوا ہے، پھر اسے لاکٹ کے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟ مزید یہ کہ اس نے مجھے پہچانا کیسے، میرا میک اپ اتنا عمدہ ہے کہ کوئی بھی نہیں پہچان سکتا۔ تو پھر اس نے کیسے پہچان لیا۔ یہ ساری باتیں اتنی پراسرار اور الجھی ہوئی ہیں، کیا میں کسی سازش کا شکار ہو رہا ہوں۔ اگر ہاں تو وہ سازش کیا ہے، شاید ویرا کو معلوم ہو۔ میں نے ایک بار پھر ویرا کی گہری جھیل جیسی آنکھوں کو غور سے دیکھا اور میرے کانوں نے بازگشت سنی ''ہم تمہارے لیے سب کچھ کریں گے'' یہ جملہ اگرچہ بظاہر روز آلبہ نے کہا تھا مگر آواز ویرا کی تھی۔ میں نے سوچا کہ اس سے پوچھ لوں کہ اس کی آواز میرا پیچھا کیوں کر رہی ہے۔ ہونٹ باربرا کے یا روز آلبہ کے ہلتے ہیں، مگر آواز ویرا کی آتی ہے۔ ایسا آخر کیوں ہے؟ ویرا کون ہے؟ آخر وہ کون ہے؟

میں نے کہنے کی کوشش کی، لیکن ہونٹ کانپ کر رہ گئے۔ آواز اور الفاظ نے ساتھ نہیں دیا۔ یہ کیفیت بالکل غیر شعوری تھی۔ میں نے بے کسی سے ہونٹوں پر زبان پھیری اور آہستہ سے کہا۔

''میرا خیال ہے، مجھے چلنا چاہیے شاید باربرا انتظار کر رہی ہو۔''

''ہاں، ضرور۔'' اس نے جواب دیا ''میں بھی اب چلتی ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ گھومی اور پلیٹ فارم کے گیٹ کی جانب روانہ ہوگئی۔ آہستہ آہستہ جیسے ہوا چلتی ہے۔ یوں ہولے ہولے قدم دھر رہی تھی جیسے پھولوں پر چل رہی ہو۔ میں چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ گیٹ پر پہنچ کر وہ اک ذرا ٹھہری، گھوم کر مجھے دیکھا، مسکرا کر ہاتھ ہلایا اور پھر آگے بڑھ گئی۔

چند لمحے بعد میں بھی ورانڈے کے گیٹ کی طرف چل دیا۔ میری کیفیت کچھ عجیب سی تھی۔ خود کو اندر سے خالی خالی سا محسوس کر رہا تھا۔ اسی طرح ذہن بھی خالی سا ہو گیا تھا۔ جیسے کوئی لق و دق راہگزار، جہاں کوئی درخت، کوئی جھاڑی نہ ہو، بس دور تک، حد نظر تک خالی ویرانہ ہو۔ میرا ذہن بھی کچھ ایسا ہی خالی خالی سا ہو گیا تھا۔ ویرا کا ملنا کوئی عجیب بات نہیں تھی۔ وہ جب بھی ملی تھی، اسی طرح اچانک ملی تھی کہ مجھے خود پر سپنا دیکھنے کا گمان ہوا تھا مگر اس وقت جو سوالات میرے ذہن میں پیدا ہوئے تھے، میں انہیں نہیں پوچھ سکا تھا، اور شاید اسی بنا پر میرے اعصاب کسی حد تک کشیدہ ہو گئے تھے۔ ورانڈے سے باہر آتے ہوئے میں نے ایک سگریٹ جلائی اور گھوم کر پلیٹ فارم کے گیٹ کی جانب دیکھا، مگر اب وہاں ویرا نہیں تھی پھر میں اپنی کار کی طرف چل پڑا۔

باربرا واپس آ گئی تھی اور بے تابی سے میری منتظر تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے کہا ''ارے تم کہاں چلے گئے تھے؟''

''میں ذرا سگریٹ لینے چلا گیا تھا۔'' یہ کہہ کر میں نے باربرا کو غور سے دیکھا ''پینی ملی تھی؟''

''ہاں۔'' باربرا نے جواب دیا۔

''پھر کیا رہا؟''

''وہ راضی ہو گئی ہے۔'' وہ کار کے اندر اگلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی ''پہلے تو وہ بات کرنے پر ہی تیار نہیں تھی۔ میں اس کو سمجھاتی رہی۔ اس بات کی ضمانت بھی دی کہ اسے کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچے گا مگر وہ تم سے ملنے اور گفتگو کرنے پر کسی طرح بھی رضامند نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے اسے سو پونڈ کی پیشکش بھی کی، پھر بھی وہ

انکار کرتی رہی۔ آخر میں نے کہا کہ وہ اگر تم سے ملاقات نہیں کرے گی تو اس کا بھی وہی حشر ہوگا جو جوڈی کا ہوا ہے، تب وہ تیار ہوگئی۔''

میں نے کار کا انجن اسٹارٹ کیا اور باربرا سے پوچھا ''وہ کب اور کہاں ملے گی؟''

''آدھے گھنٹے بعد۔'' باربرا نے جواب دیا ''تم کار چلاؤ، میں تم کو اس ہوٹل میں لے چلتی ہوں۔''

میں نے کار آگے بڑھادی۔

☆☆☆

اگرچہ میں نے ہدایت کی تھی کہ پینی ایک گھنٹے کے بعد کیفے ڈی فرانس میں ملے لیکن راستے میں باربرا نے مجھے بتایا کہ پینی نے کیفے ڈی فرانس کے بجائے الگریکو میں ملاقات کو ترجیح دی ہے کیونکہ شام کے اوقات میں ڈی فرانس میں خاصا رش ہوتا ہے۔ جبکہ الگریکو سنسان پڑا رہتا ہے اور وہاں گفتگو کرنا نسبتاً بہتر ہوگا۔ یہ اطلاع درست ثابت ہوئی۔ الگریکو پہنچ کر اس سے کوئی تین چار فرلانگ پر واقع تھا۔ کیفے کا بوڑھا اطالوی مالک اسٹول پر بیٹھا اونگھ رہا تھا، اور چار پانچ افراد ادھر ادھر بیٹھے چائے سپ کرنے یا فش اور چپس کھانے میں مصروف تھے۔ میں اور باربرا گردو پیش پر ایک نظر ڈالتے ہوئے ایک کیبن میں چلے گئے جو کونے میں بنا ہوا تھا، اور پینی سے بات چیت کرنے کے لیے انتہائی مناسب تھا۔

چند لمحے بعد بوڑھا اطالوی کچھ اس انداز سے کیبن میں داخل ہوا جیسے اس کو ہماری آمد سخت ناگوار گزری ہو۔ اس نے ہم سے آرڈر لیا اور زیر لب کچھ بڑبڑاتا ہوا واپس چلا گیا۔ ہم دونوں اس وقت تک خاموش ہی رہے جب تک وہ ہمارے آرڈر کی تعمیل کر کے واپس نہیں چلا گیا۔ باربرا نے اسے ہدایت کردی کہ کچھ دیر میں ادھیڑ عمر کی ایک عورت کیفے میں آئے گی، اس نے براؤن رنگ کا کوٹ پہن رکھا ہوگا۔ اس عورت کو ہمارے کیبن میں بھیج دیا جائے۔ غالباً ہماری آمد کی طرح باربرا کی یہ درخواست بھی بوڑھے اطالوی کو ناگوار گزری مگر اس نے اس کا اظہار نہیں کیا اور چپ چاپ چلا گیا۔

میں چائے پیتا اور غور کرتا رہا، لیکن یہ کہنا زیادہ درست نہیں ہے۔ میں غور کرنے کی کوشش تو ضرور کر رہا تھا لیکن کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔ کیونکہ میرا ذہن کسی ایک نقطے، کسی ایک مرکز پر جم ہی نہیں رہا تھا۔ مختلف خیالات ذہن میں چکرا رہے تھے۔ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو رہے تھے اور مجھے بے چین کر رہے تھے۔ باربرا بھی چپ تھی اور بہت غور سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر میں یہ خاموشی تکلیف دہ ثابت ہونے لگی۔ میرے لیے نہیں، باربرا کے لیے۔ اس نے اچانک طویل سانس لے کر کہا۔

''راجو! تم پینی سے کیا پوچھو گے؟''

میں نے سر اٹھا کر غور سے باربرا کو دیکھا ''سڈنی کا پتہ۔''

باربرا کی آنکھوں میں الجھن اور حیرت کی جھلک نظر آئی ''سڈنی کا پتہ!'' اس نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا ''مگر اسے سڈنی کا پتہ کیونکر معلوم ہوسکتا ہے۔''

''سنو باربرا۔'' میں نے یکایک طویل سانس لے کر کہا ''تم جانتی ہو کہ میں جوڈی کو نہیں جانتا تھا۔ ہاٹ لپس میں اس سے پہلی مرتبہ ملا تھا۔ اس کے باوجود پینی نے پولیس کو بیان دیا ہے کہ اسے جوڈی نے میرے متعلق

بتایا تھا۔ یہ سراسر جھوٹ پر مبنی ہے اور میں اس سے یہی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"تمہارا خیال ہے کہ اس نے کسی خاص سبب سے پولیس کو غلط بیان دیا ہے۔"

"ہاں۔"

"مگر کیوں؟"

"تاکہ پولیس کو غلط راستے پر ڈالا جا سکے۔" میں نے وثوق سے کہا "کوئی شخص بطور خاص یہ چاہتا ہے کہ پولیس مجھے مجرم سمجھے اور اپنی ساری کوششیں میری گرفتاری پر مرکوز کر دے تاکہ اصل قاتل صاف بچ جائے اور اب صرف ایک ہی شخص کر سکتا ہے اور وہ ہے سڈنی۔ مجھے یقین ہے کہ پینی محض سڈنی کے ایما پر پولیس کو غلط بیان دیا ہے۔"

باربرا چند ثانیے سوچتی رہی اور پرخیال نظروں سے مجھے گھورتی رہی "فرض کرو تمہارا یہ خیال غلط نکلا۔" آخر کار اس نے کہا "کیونکہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ جوڈی نے واقعی پینی سے تمہارا ذکر کیا ہو۔ وہ بہرحال تم سے ملاقات کی متوقع تھی۔"

"ہاں، یہ ہو سکتا ہے۔" میں نے تسلیم کیا "مگر اس کے باوجود میں سڈنی کو تلاش ضرور کروں گا کیونکہ تم جانتی ہو کہ میں نے جوڈی کو قتل نہیں کیا ہے اور میرے نزدیک سڈنی کے سوا اور کوئی اس کا قاتل نہیں ہو سکتا۔ میں اسے ضرور تلاش کروں گا۔ میرے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔"

باربرا بڑی محبت سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس نے معاً ہاتھ بڑھا کر میرا ہاتھ تھام لیا اور گہرے جذباتی لہجے میں کہنے لگی "راجو! میں تمہیں روکنا نہیں چاہتی لیکن..... لیکن مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"کس بات سے ڈر لگتا ہے؟"

"تمہیں معلوم ہے۔"

"لیکن یہ احمقانہ بات ہے۔" میں نے ناگواری سے کہا "میں لندن جیسے شہر میں چھپ کر زندگی نہیں گزار سکتا۔ کمروں اور تہ خانوں تک محدود رہ کر زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔ مجھے کھلی ہوا اور آزاد فضا چاہیے لیکن میرے لیے سارے دروازے بند کیے جا چکے ہیں۔ یہ دروازے صرف اسی صورت میں کھل سکتے ہیں کہ میں سڈنی کو تلاش کروں۔"

میرا جواب قطعی اور فیصلہ کن تھا۔ باربرا نے اندازہ لگا لیا کہ اس مسئلے پر مزید گفتگو بیکار ہی ہوگی، لہٰذا وہ چپ ہو گئی۔ میں بھی خاموش رہا اور اپنے کیبن میں اس نادیدہ ہستی کی موجودگی کو محسوس کرتا رہا جو سائے کی طرح میرے ساتھ رہتی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ سایہ دکھائی دیتا ہے مگر وہ نظر نہیں آتی تھی۔ چند لمحے پیشتر میں نے اسے کیبن میں داخل ہوتے ہوئے محسوس کیا تھا پھر وہ میرے پیچھے سے گزر کر دائیں ہاتھ پر آ گئی تھی اور میرے احساس کے مطابق دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ دھیرے دھیرے میں اس پراسرار اور نادیدہ ہستی کا، اگر وہ واقعی کوئی تھی تو اتنا عادی ہو گیا تھا کہ اب مجھے الجھن نہیں ہوتی تھی بلکہ کچھ اس طرح محسوس کرتا تھا جیسے اس کا ہونا قطعی فطری ہے۔ اگر وہ نہیں ہوگی تو شاید الجھن ہوگی، اور میں کچھ ایسا محسوس کروں گا جیسے کوئی شے گم ہو گئی ہو۔

ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ کچھ دیر میں پینی آ گئی۔ وہ ادھیڑ عمر کی عورت تھی اور کچھ اس قسم کی عورت تھی، جو جوانی میں بڑی حسین اور طرح دار نظر آتی ہے، مگر شباب کی دھوپ اترتے ہی پھیکی اور غیر دلکش ہو جاتی ہیں۔ اس نے براؤن رنگ کا ایک پرانا کوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کے بال بے ترتیب تھے اور چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔ کچھ لوگ اجنبیوں سے ملاقات کے وقت خوامخواہ گھبرا جاتے ہیں، پینی بھی انہی میں سے ایک تھی۔ اس کی آنکھوں سے تشویش اور گھبراہٹ نمایاں تھی۔ جب اس نے ''ہیلو'' کہا تو اس کی آواز تھرتھرا رہی تھی۔ میں نے شائستہ اور نرم لہجے میں کہا ''تشریف رکھیے۔''

وہ ایک کرسی پر سمٹ کر بیٹھ گئی اور متوحش نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں اس کی گھبراہٹ اور پس و پیش کو صاف طور پر محسوس کر رہا تھا۔ چنانچہ ماحول میں دوستانہ رنگ پیدا کرنے اور اس کا اعتماد بحال کرنے کی غرض سے میں نے اسے سگریٹ پیش کی۔ اس نے شکریہ کہہ کر سگریٹ لے لی اور میرے لائٹر سے جلا کر ایک دو کش لیے، پھر آہستہ سے بولی ''آپ کون ہیں؟''

''یہ جاننے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔'' میں نے مناسب حد تک اپنی آواز اور لہجے کو دوستانہ بنائے رکھا ''تم مجھے کچھ بھی سمجھ سکتی ہو، ایکس، وائی، زیڈ۔ ہم دونوں کے لیے ایک دوسرے کو جاننا ضروری نہیں۔''

اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری، نگاہیں گھما کر باربرا کو دیکھا، پھر مجھ سے بولی ''یہ خاتون کہہ رہی تھیں کہ آپ مجھ سے باتیں کرنا چاہتے ہیں۔''

''ہاں، دراصل میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟''

میں نے ایک لمحہ غور کیا اور باربرا کی جانب دیکھا، وہ سوالیہ نظروں سے مجھے گھور رہی تھی پھر میں نے طویل سانس لی اور اپنے ذہن میں سوالات کو ترتیب دینے لگا۔ یہ تو تقریباً طے تھا کہ میری ساری امیدیں پینی سے وابستہ تھیں، اگر اس نے انکار کر دیا تو پھر میں کچھ نہیں کر سکوں گا اور کسی بھی حال میں سڈنی کو تلاش نہیں کر سکوں گا۔ جو نظریہ میرے ذہن میں تھا، اس کے مطابق پینی کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے تھی کہ سڈنی کہاں ملے گی کیونکہ مجھے پورا یقین تھا کہ سڈنی نے ہی اسے پولیس کو غلط بیان دینے پر مجبور کیا ہوگا یا تو جبراً یا کسی قسم کا لالچ دے کر۔ چند لمحے غور کرنے کے بعد میں نے آہستہ سے کہا ''کیا تم جوڈی کو جانتی تھیں؟''

اس نے جواب دینے سے پہلے باری باری مجھے اور باربرا کو دیکھا پھر بولی ''ہاں، ہم دونوں کافی عرصے سے ایک ہی اسٹریٹ میں رہ رہی تھیں۔''

''کیا کل رات جوڈی سے تمہاری ملاقات ہوئی تھی؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور ایک بار پھر باربرا کی طرف دیکھا ''ہاں۔'' قدرے ٹھہر کر اس نے کہا ''میری اس سے ملاقات ہوئی تھی۔''

''اس نے تم کو کیا بتایا تھا؟''

پینی نے آخری کش لے کر سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دی اور کسی حد تک مضطربانہ انداز میں بولی ''اس نے جو کچھ بھی بتایا تھا، میں پولیس کو بتا چکی ہوں۔ مگر آپ کون ہیں اور یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہیں۔ آپ کا

ان معاملات سے کیا تعلق ہے؟''

''میں اس شخص کا دوست ہوں، جس کے متعلق تم نے پولیس کو بتایا ہے اور جسے پولیس اب مجرم سمجھ رہی ہے، حالانکہ میں جانتا ہوں کہ وہ قاتل نہیں ہے کیونکہ قتل کے وقت وہ میرے ساتھ تھا مگر تمہارے بیان کی بنا پر پولیس اسے مجرم سمجھ رہی ہے اور اگر اصل قاتل نہ پکڑا گیا تو پولیس یقیناً اسے گرفتار کرلے گی۔ جلد یا بدیر، اور ہمیشہ کے لیے جیل بھیج دے گی۔ کیا تم یہ بات پسند کرو گی؟''

''اگر یہ سچ ہے تو پھر تم پولیس کے پاس کیوں نہیں جاتے؟''

''صرف اس لیے، کیونکہ ہم اس کی بے گناہی کو ثابت نہیں کرسکتے۔'' میں نے آہستہ سے کہا ''جوڈی کی موت کے وقت وہ بے شک میرے ساتھ تھا مگر بعدازاں وہ جوڈی کے فلیٹ میں گیا تھا اور یہ بات پولیس کو معلوم ہے۔''

''مگر میں اس سلسلے میں کیا کرسکتی ہوں۔'' پینی میز کی سطح پر انگلیاں رگڑتے ہوئے بولی ''مجھ سے جو کچھ جوڈی نے کہا تھا وہ میں نے پولیس کو بتادیا۔ ایک شریف اور امن پسند شہری ہونے کے ناتے سے یہ میرا فرض بھی تھا۔''

''جوڈی نے تم سے کیا کہا تھا؟''

''یہی کہ اس کا ایک ایشیائی دوست، جو کہ شیفرڈز بش میں رہتا ہے، اس سے ملنے کے لیے آنے والا ہے۔''

''کیا سچ مچ جوڈی نے یہی کہا تھا؟'' میں نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

پینی لمحے بھر کے لیے سٹپٹائی اور گردن جھکا کر میز کی سطح کو گھورنے لگی پھر آہستہ سے بولی ''ہاں، اس نے یہی کہا تھا۔''

''تم جھوٹ بول رہی ہو۔'' میں نے صاف اور تیکھے لہجے میں کہا ''اور تمہیں بالکل احساس نہیں ہے کہ تم کیا کر رہی ہو۔ تم نے ابھی ابھی کہا ہے کہ تم ایک شریف اور امن پسند شہری ہو لیکن انسانیت اور شرافت کے کسی قانون میں کہیں یہ درج نہیں ہے کہ کسی بے گناہ انسان کو پھانسی چڑھادو۔ اس کے باوجود تم ایک بے قصور انسان کی زندگی سے کھیل رہی ہو۔ تم نے پولیس سے جو کچھ بھی کہا ہے وہ صریحاً جھوٹ ہے اور تم خود بھی اس بات کو اچھی طرح جانتی ہو۔''

''مگر یہ سچ ہے۔'' اس نے کہا ''جوڈی.....''

''نہیں، جوڈی نے تم سے کچھ نہیں کہا تھا۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر پرجوش لہجے میں کہا ''جوڈی جس خطرے میں گھری ہوئی تھی، اس کے پیش نظر وہ ایسی بات کسی سے کہہ ہی نہیں سکتی تھی۔ تم نے جو کچھ بھی کہا ہے، اپنی طرف سے کہا ہے اور میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے پولیس کو غلط بیان کیوں دیا۔''

پینی نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے اور پھر بند کرلیے۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی۔ اس کے چہرے کی رنگت پھیکی پڑنے لگی تھی اور اندرونی کشمکش چہرے کے پھیکے پن سے ظاہر ہو رہی تھی۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوئی کہ تیر نشانے پر بیٹھا ہے۔ اس کی اضطرابی کیفیت میرے اس قیاس کی گواہ تھی۔ گویا لوہا گرم

ہو چکا تھا، بس آخری چوٹ کی ضرورت تھی، پھر تپے ہوئے لوہے کو اپنی حسب منشا موڑا جا سکتا تھا چنانچہ اسے مہلت دیئے بغیر میں نے مزید کہا۔

''پینی! تمہیں عقل سے کام لینا چاہیے۔ تمہاری اک ذرا سی غلطی یا چھوٹا سا لالچ کسی بے گناہ کی زندگی تباہ کر سکتا ہے۔ نہیں، تم ایسا نہیں کر سکتیں۔ بہتر ہے کہ مجھے سچ سچ بتا دو۔ تم نے پولیس کو غلط بیان دیا ہے یا نہیں، اگر دیا ہے تو کیوں؟ آخر تمہیں کیا مجبوری تھی؟''

پینی اتنی دیر سے کشمکش میں مبتلا تھی اور ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی پھر اسے ضبط کا یارا نہ رہا۔ اپنے آپ کو سنبھالے رکھنے کی ساری کوششیں ناکام ہو گئیں۔ وہ یکا یک گردن جھکا کر اور دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونے لگی۔ میں چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ بار برا بھی متحیر تھی اور غیر یقینی انداز میں پینی کو گھور رہی تھی۔ میں نے اسے رونے دیا۔ سر دست یہی مناسب تھا۔ تھوڑی دیر رونے کے بعد وہ پرسکون ہو جائے تو زیادہ کھل کر باتیں کرے گی۔ بار برا کو بھی میں نے اشارے سے منع کر دیا کہ خاموش رہے۔ پینی کی سسکیاں چھوٹے سے کیبن میں کچھ دیر گونجتی رہیں۔ آنسوؤں سے اس کا ذہن دھل دھلا کر صاف ہو گیا پھر اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا اور کہا۔

''آپ یہ سب کچھ کیوں جاننا چاہتے ہیں؟''

''کیونکہ میں اپنے دوست کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔''

پینی نے ایک لمحہ توقف کے بعد جواب دیا ''اچھی بات ہے، میں آپ کو سب کچھ بتاؤں گی۔ دراصل میں..... میں بہت مجبور تھی۔''

''کیا مجبوری تھی تم کو؟'' میں نے آگے جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا ''تمہیں کسی نے دھمکایا تھا یا کوئی لالچ دیا تھا؟''

پینی میری آنکھوں کی تاب نہیں لا سکی۔ اس نے گردن جھکا لی اور تھرتھراتی ہوئی آواز میں کہنے لگی ''دونوں ہی باتیں تھیں۔ میں ایک تنہا عورت ہوں۔ میرا شوہر کئی سال پہلے مر چکا ہے۔ مجھے بنگو اور ریس کا شوق جنون کی حد تک ہے۔ آپ چاہیں تو اس بات کو اس طرح کہہ لیں کہ راتوں رات مالدار ہونے کی خواہش نے مجھے اس حد تک اندھا کر دیا کہ میں ساری جمع پونجی گنوا بیٹھی، یہی نہیں بلکہ جس فرم میں، میں کام کرتی ہوں، وہاں سے کئی ہزار پونڈ چوری کیے اور وہ بھی ہار گئی۔ ان دنوں میں بے حد پریشان تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں۔ ایک طرف تنگ دستی بڑھ رہی تھی اور دوسری طرف یہ خوف تھا کہ فرم والوں کو کسی وقت بھی چوری کا علم ہو جائے گا اور مجھے پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ان حالات میں اگر پانچ ہزار پونڈ کی پیشکش کی جائے اور ساتھ ہی عدم تعاون کی صورت میں جان سے مار دینے کی دھمکی بھی ہو تو مجھ جیسی عورت کیا کرے گی؟''

میں نے شانوں کو جنبش دی ''تم ٹھیک کہتی ہو۔'' پھر میں نے اضافہ کیا ''تو جوڈی سے تمہاری ملاقات نہیں ہوئی تھی؟''

''نہیں۔''

''وہ کون تھا جس نے تمہیں پولیس کو غلط بیان دینے پر مجبور کیا تھا؟''

پینی جواب دینے سے پہلے پھر ہچکچائی۔ اس کے ہونٹ تھرتھرا کر رہ گئے۔ میں نے اسے حوصلہ دینے کے انداز میں کہا۔

''کیا وہ سڈنی تھا؟''

''میں اس کا نام نہیں جانتی۔'' پینی نے قدرے توقف کے بعد حواس مجتمع کرتے ہوئے کہا ''لیکن وہ کوئی ویسٹ انڈین تھا۔ اس نے مجھے پانچ ہزار پونڈ دیئے اور بتایا کہ میں پولیس کو کیا بیان دوں۔ اگر میں گردن تک خطرے کی دلدل میں دھنسی ہوئی نہ ہوتی تو کبھی اس کی بات نہ مانتی مگر میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔''

پینی اتنا کہہ کر رکی اور ذرا ٹھہر کر بولی ''میں اس آدمی کو نہیں جانتی۔ پہلے کبھی اسے دیکھا بھی نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ جوڈی کے گھر آتا جاتا رہا ہو مگر میرا سامنا کبھی نہیں ہوا تھا۔ مجھے اس کا نام بھی نہیں معلوم تھا۔ البتہ میں اس کا حلیہ آپ کو بتا سکتی ہوں۔''

پھر جیسے جیسے پینی حلیہ بیان کرتی گئی ویسے ویسے میرے شبہات کی تصدیق ہوتی گئی۔ وہ حلیہ سو فیصدی سڈنی کا تھا۔ جب وہ خاموش ہوگئی تو چند لمحے تک میری سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہوں۔ آخر میرا اندیشہ درست نکلا تھا۔ جوڈی کو انتہائی بے دردی سے ہلاک کرنے اور میرے لیے سازش کے جال کی تیاری کے پیچھے انجام کار سڈنی کا ہی ہاتھ تھا۔ وہ بے شک اسپتال میں تھا مگر وہ پرائیویٹ اسپتال تھا اور یقیناً اس کی حالت اتنی خراب نہیں رہی ہوگی کہ چل پھر نہ سکے۔ اسے اس بات کا شبہ رہا ہوگا کہ جوڈی مجھ سے ملاقات نہ کرے، اس لیے وہ جوڈی کے پاس گیا اور اسے قتل کر کے روپوش ہوگیا۔ یقینی طور پر اب وہ اسپتال میں نہیں ہوگا ورنہ پولیس اسے ضرور تلاش کر لیتی۔ میں تھوڑی دیر تازہ صورت حال پر غور کرتا رہا پھر میں نے طویل سانس لی اور غور سے پینی کو دیکھا۔ اس کا چہرہ خوف کے باعث زرد پڑ گیا تھا اور وہاں تذبذب کے تاثرات تھے۔ شاید وہ سوچ رہی تھی کہ مجھے سب کچھ بتا کر اس نے کوئی غلطی تو نہیں کی۔

معاً پینی نے تشویش بھرے لہجے میں کہا ''سوال یہ ہے کہ اب میں کیا کروں گی؟''

''کیا مطلب؟'' میں نے پوچھا۔

''میں نے سب کچھ تمہیں بتا دیا ہے۔'' پینی کے لہجے سے تردد اور خوف کا اظہار ہو رہا تھا ''لیکن اب میں کسی مصیبت میں پڑ گئی تو کیا ہوگا میں ایک کمزور عورت ہوں اور تنہا رہتی ہوں۔ وہ ویسٹ انڈین مجھے بہت خطرناک نظر آتا تھا، چنانچہ اگر کسی طرح اسے یہ معلوم ہوگیا کہ میں نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے تو وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ جو شخص اتنی سنگدلی سے ایک نوجوان لڑکی کو قتل کر سکتا ہے، وہ بھلا مجھے.....'' پینی کہتے کہتے اچانک رک گئی، شاید اس میں فقرہ مکمل کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

باربرا اب تک خاموش رہی تھی۔ اس وقت پہلی بار اس نے گفتگو میں حصہ لیا۔ اس نے پینی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ہمدردانہ لہجے میں کہا ''تم یہ ڈر اپنے دل سے نکال دو، سڈنی یا کوئی بھی شخص تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔''

''مگر میں تنہا رہتی ہوں۔''

''بلاشبہ تمہارا تنہا رہنا ٹھیک نہیں۔'' باربرا نے جواب دیتے ہوئے کہا ''سڈنی کو تم سے زیادہ ہم لوگ

جانتے ہیں۔ وہ بہت سفاک اور مکار آدمی ہے، وہ یقیناً تمہیں نقصان پہنچائے گا لہٰذا بہتر یہ ہے کہ تم اپنے فلیٹ میں نہ رہو۔ ہم تمہیں کچھ عرصے کے لیے ایک ایسے محفوظ مقام پر پہنچا دیں گے جہاں تمہیں کوئی بھی تلاش نہیں کر سکے گا۔''

پینی نے ممنونیت سے باربرا کی جانب دیکھا اور ہونٹوں پر زبان پھیری۔

پھر باربرا نے بل ادا کیا اور ہم تینوں ہوٹل سے باہر آئے۔ پینی اتنی متوحش تھی کہ وہ کچھ دیر کے لیے بھی اپنے فلیٹ پر جانے کے لیے تیار نہ تھی۔ چنانچہ ہم نے اسے بھی اپنی گاڑی میں بٹھالیا اور فلہم کی جانب روانہ ہو گئے۔ باربرا کار چلا رہی تھی اور پینی اس کے قریب بیٹھی تھی۔ میں پچھلی سیٹ پر نیم دراز بے دلی سے لندن کی پرہجوم سڑکوں اور جگمگاتی روشنیوں کو دیکھتا رہا۔ رات بہت خوب صورت تھی۔ اتنی مکمل اور حسین کہ آدمی اپنی محبوبہ کو ساتھ لے کر کسی کلب یا ڈانس ہال میں جائے اور ساری پریشانیوں اور فکروں کو بالائے طاق رکھ کر مسرتوں سے لطف اندوز ہو مگر میرے لیے یہ ممکن نہ تھا۔ خواہش کے باوجود میں باربرا کو لے کر کہیں نہیں جا سکتا تھا۔ ہر تفریح اور دلچسپی بے معنی اور ممنوعہ ہو چکی تھی۔ میرے ذہن میں تو صرف ایک ہی خیال تھا اور وہ یہ کہ سڈنی کو کہاں اور کیسے تلاش کیا جائے۔

''کوئی بات نہیں ڈیر سڈنی۔'' میں نے خود سے دل ہی دل میں کہا ''تم کہیں بھی ہو، میں تمہیں ضرور تلاش کروں گا۔ دشمنی کا جو کھیل میرے اور تمہارے درمیان شروع ہوا ہے تو اب یہ اختتام تک ضرور پہنچے گا یا تم جیو گے، یا میں جیوں گا لیکن اگر میں ہاروں گا بھی تو آسانی سے نہیں ہاروں گا۔ میں مقابلہ کروں گا۔ دشمنی اور نفرت کے کھیل کا صحیح لطف تب ہی آتا ہے جب دونوں حریف جی جان سے مقابلہ کریں۔ میں بھی آخری سانس تک مقابلہ کروں گا اور تمہیں ضرور تلاش کروں گا کیونکہ تمہاری گرفتاری ہی میری آزادی کی ضمانت ہے۔

کچھ دیر میں ہم روز آلبہ کے فلیٹ پر جا پہنچے۔ میں تو فلیٹ ہی میں ٹھہر گیا مگر باربرا پینی کو لے کر چلی گئی۔ میں نے یہ پوچھنا ضروری نہ سمجھا کہ وہ پینی کو کہاں لے جا رہی ہے۔ باربرا نے خود ہی بتایا کہ ونڈسر کے قریب ایک مقام ہے جہاں پینی محفوظ رہے گی۔ میری ہدایت پر باربرا نے پینی کو سو پونڈ بھی دے دیئے تھے۔

☆☆☆

سونیا نے مجھے غور سے دیکھا ''ماشوک! اب تم یہاں نہیں رہ سکتے۔''

میں نے سونیا کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔ اس کی آنکھوں میں ہمدردی کی جھلک تھی پھر میں نے ایک سگریٹ جلائی اور آہستہ سے پوچھا ''کیوں؟''

''کیپٹن جیفرسن نیچے موجود ہے اور روز آلبہ سے تمہارے بارے میں پوچھ رہا ہے۔'' سونیا نے کہا ''ممکن ہے وہ اوپر بھی آئے لہٰذا بہتر ہے کہ تم اٹیک میں چھپ جاؤ۔ اگرچہ تم میک اپ میں ہو لیکن وہ تمہیں قریب سے دیکھے گا تو داڑھی کے مصنوعی بالوں کو ضرور پہچان لے گا۔''

''لیکن اگر وہ اٹیک میں بھی آ گیا تو.....؟''

''یہ رسک تو لینا ہی پڑے گا۔'' سونیا نے کہا ''کیونکہ تم باہر نہیں جا سکتے۔ باہر سادہ لباس والے عمارت کی نگرانی کر رہے ہیں۔''

میں نے پر خیال نظروں سے سونیا کو گھورا اور قدرے ٹھہر کر پوچھا ''کیپٹن جیفرسن روز آلبہ سے کیا پوچھ رہا ہے؟''

''وہی جس کا ہمیں ڈر تھا۔'' سونیا نے جواب دیا ''اس نے بہر حال یہ معلوم کر لیا ہے کہ تم بار برا کے گہرے دوست ہو اور بار برا روز آلبہ کی دوست ہے لہٰذا وہ جاننا چاہتا ہے کہ روز آلبہ تم سے واقف ہے یا نہیں، اور یہ کہ پچھلے دو دن میں روز آلبہ نے تمہیں دیکھا ہے یا نہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ پچھلے دو دن میں بار برا یہاں کئی بار آئی گئی ہے۔ اس لیے یہ عین ممکن ہے کہ تم بھی یہاں آئے ہو۔ اس نے یہ بھی قیاس ظاہر کیا ہے کہ شاید روز آلبہ کو تمہارا موجودہ ٹھکانہ معلوم ہو۔''

''پھر روز آلبہ نے کیا جواب دیا؟'' میں نے پوچھا۔

سونیا ہولے سے مسکرائی ''روز آلبہ بڑی ہوشیار عورت ہے۔ اسے معلوم ہے کہ کیپٹن جیفرسن جیسے لوگوں کو کس طرح ٹالا جا سکتا ہے چنانچہ اس نے تسلیم کر لیا کہ وہ تم سے ملی ہے اور یہ کہ تم دو دن پیشتر یعنی قتل کی واردات سے پہلے یہاں آئے تھے مگر اب اسے تمہارے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ اس نے کیپٹن کو یہ مشورہ بھی دیا ہے کہ وہ بار برا کو چیک کرے کیونکہ بار برا تمہاری گرل فرینڈ ہے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ بار برا ہی نے تمہیں کہیں چھپا رکھا ہو۔''

میں چند ثانیے خاموش رہا تو سونیا نے سلسلہ کلام آگے بڑھایا ''اگرچہ روز آلبہ نے یہ بیان بڑی ذہانت سے دیا ہے لیکن کیپٹن جیفرسن کے رویے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے روز آلبہ کی باتوں پر اعتبار نہیں ہے۔ ممکن ہے وہ اوپر آئے اور راجو یہ بہت ضروری ہے کہ تمہارا اس سے سامنا نہ ہونے پائے۔ ورنہ ہم سب ہی مصیبت میں پڑ جائیں گے اور تمہارا بچنا مشکل ہو جائے گا۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو۔'' میں نے تسلیم کیا، پھر پوچھا ''بار برا کہاں ہے، وہ کل سے نہیں آئی ہے۔''

''وہ ونڈسر چلی گئی ہے۔''

''کیوں؟''

''تمہیں تو علم ہے کہ پولیس اس کے پیچھے پڑ گئی تھی۔'' سونیا نے کہا ''دو سادہ پوش ہر وقت سائے کی طرح اس کے پیچھے لگے رہتے تھے۔ ان حالات میں مناسب یہی تھا کہ وہ غائب ہو جائے۔ ہم نے یہ بھی طے کیا ہے کہ کیپٹن کے جانے کے بعد تمہیں بھی ونڈسر پہنچا دیں گے۔ جب تک سڈنی کا پتہ نہیں چل جاتا تب تک تم وہیں رہو گے۔ سر دست یہی مناسب ہے۔ اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں۔''

میں چند لمحے چپ رہا پھر بے دلی سے مسکرا کر بولا ''کتنی افسوس ناک بات ہے۔ میری وجہ سے تم لوگ بھی مصیبت میں پڑ گئی ہو۔''

''یہ مصیبت نہیں راحت ہے۔ ہم ہر حال میں تمہارے ساتھ ہیں۔''

سونیا نے کہا اور یکا یک سگریٹ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ یہ کیا ہے۔ یہ میں نے کیا سنا ہے۔ میں شاید نہیں بلکہ یقیناً پاگل ہو گیا ہوں۔ میں نے نگاہ اٹھائی اور غیر یقینی انداز میں سونیا کو گھورا۔ میرا دل چاہا کہ سونیا سے پوچھوں کہ آخر یہ کیا اسرار ہے۔ یہ محض میرا وہم ہے یا یہ واقعی حقیقت ہے۔ پہلے بار برا کے ساتھ یہ

واقعہ ہوا تھا پھر روز آلبہ کے ساتھ اور اب سونیا کے ساتھ، کیوں، آخر کیوں؟ میں نے زور سے ہونٹوں پر زبان پھیری اور پھر ایک بار غیر یقینی انداز میں سونیا کو گھورا۔ آخری جملہ بے شک اس نے کہا تھا مگر آواز اس کی نہیں تھی، وہ آواز تو ویرا کی تھی۔ منفرد اور سحر انگیز، میں اس آواز کو ہزاروں میں پہچان سکتا تھا۔ وہی آواز میں نے اس وقت بھی سنی تھی لیکن میں نے سونیا سے کچھ نہیں کہا پھر کسی نہ معلوم اور بے نام جذبے نے میری زبان بند کر دی۔ چند لمحے خاموشی رہی تو سونیا خود ہی بولی۔

''اب میں نیچے جاتی ہوں۔ وگ لینے کا بہانہ کر کے اوپر آئی تھی تاکہ تمہیں مطلع کر سکوں۔'' یہ کہہ کر وہ مڑی اور زینے تک گئی۔ میں اس کے دلکش اور ترشے ہوئے سراپا کو دیکھتا رہا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے کہا ''تم ہوشیار رہنا۔ اگر کیپٹن جیفرسن اوپر آیا تو میں اس کے ساتھ ہوں گی۔ سیڑھیوں میں آ کر تین بار چھینکوں گی۔ تم چھینکوں کی آواز سن کر فوراً ٹیک میں جا کر چھپ جانا۔ مجھے امید ہے کہ وہ تمہیں تلاش نہیں کر سکے گا۔''

یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔ میں چپ چاپ بیٹھا سگریٹ پیتا رہا اور غور کرتا رہا۔ روز آلبہ کے بیوٹی سیلون میں کیپٹن جیفرسن کی آمد کا مطلب تھا کہ خطرہ اور زیادہ میرے نزدیک آ گیا تھا۔ اگرچہ میں نے جوڈی کو قتل نہیں کیا تھا مگر حالات و واقعات میرے خلاف تھے۔ میں اپنی بے گناہی کو کسی طرح بھی ثابت نہیں کر سکتا تھا۔ میرے اندیشے کے مطابق پولیس نے بار بار اسے میری گہری دوستی کے بارے میں سب کچھ معلوم کر لیا تھا اور اب کیپٹن جیفرسن، جو اسکاٹ لینڈ یارڈ کی ناک کا بال تھا، نیچے بیٹھا ہوا روز آلبہ سے سوال و جواب کر رہا تھا۔ ظاہر ہے روز آلبہ تک پہنچنے کی ضرورت اسے اسی بنا پر پیش آئی تھی کیونکہ بار بار غائب ہو گئی تھی۔ سگریٹ لمحہ بہ لمحہ جلتی رہی اور اس کے چکراتے ہوئے دھوئیں کی طرح میرے خیالات بھی چکراتے رہے۔ سونیا سے یہ ساری گفتگو دو دن بعد ہوئی تھی۔ صبح کا وقت تھا اور ابھی میں ناشتا کر کے فارغ ہی ہوا تھا کہ سونیا نے کیپٹن کی آمد کی خبر آ کر سنا دی تھی۔

سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر میں اٹھا اور غیر ارادی طور پر آہستہ آہستہ چلتا ہوا کھڑکی تک گیا۔ کھڑکی پر سرخ مخملی پردہ پڑا ہوا تھا۔ میں نے ذرا کونا سرکا کر باہر جھانکا۔ سڑک پر آمد و رفت برائے نام تھی۔ بظاہر کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آتی تھی مگر پھر اچانک وہ شخص نظر آ گیا جو سامنے والے فٹ پاتھ پر ٹیلی فون بوتھ کے عقب میں ایک دکان کے سائبان تلے کھڑا تھا۔ اس نے سرمئی پتلون اور دھاری دار قمیض پہن رکھی تھی اور وہ کچھ اس انداز سے کھڑا تھا گویا کوئی آوارہ گرد ہے اور تھوڑی دیر کے لیے خوامخواہ وہاں ٹھہر گیا ہے مگر اس کی ہر ادا پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ نگرانی کر رہا ہے اور نگرانی روز آلبہ کے سیلون کے سوا اور کس کی کر سکتا تھا۔ میں نے چند سیکنڈ اسے غور سے دیکھا، پھر پردہ برابر کیا اور واپس آ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

سوال یہ تھا کہ اب کیا کروں۔ کیپٹن جیفرسن کسی بھی وقت اوپر آ سکتا تھا اور سونیا کا یہ خیال درست تھا کہ اگر کیپٹن سے میرا سامنا ہو گیا تو پھر بچنا مشکل ہو جائے گا۔ اگرچہ صبح اٹھتے ہی میں نے فرنچ کٹ داڑھی اور مونچھیں چپکالی تھیں، پھر بھی یہ احتمال موجود تھا کہ کیپٹن جیفرسن مجھے نزدیک سے دیکھے گا تو مصنوعی ڈاڑھی کو ضرور پہچان لے گا۔ میں متجسس انداز میں ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں، پھر کچن اور باتھ روم میں گیا لیکن بظاہر کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آئی جہاں میں چھپ سکتا۔ ابھی میں روپوش ہونے کے لیے کسی مناسب جگہ کی تلاش میں سرگرداں ہی تھا کہ معاً سیڑھیوں پر قدموں کی آوازیں ابھریں پھر تین اونچی چھینکیں سنائی دیں۔ وہ لوگ اوپر

آ رہے تھے۔ میں نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ اب کیا کروں کہیں بھی کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں میں چھپ سکتا۔ کچن، باتھ روم، اسٹور، کوئی بھی جگہ محفوظ نہیں تھی۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ پیشانی پسینے سے تر ہو گئی تھی اور ان لوگوں کی آوازیں لمحہ بہ لمحہ قریب آتی جا رہی تھیں۔ بس چند سیڑھیاں اور باقی رہ گئی تھیں۔ صرف چند سیکنڈ اور، پھر کیپٹن جیفرسن اوپر آ جائے گا اور مجھے دیکھ لے گا پھر نہ صرف میں ہی مصیبت میں پڑ جاؤں گا بلکہ میری وجہ سے روز آلبہ وغیرہ بھی پریشانی میں مبتلا ہوں گی، اور یہ مجھے گوارا نہ تھا۔ میں نے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھا۔ آوازیں اب اور قریب آ گئی تھیں۔ میرے دل کی دھڑکن مزید بڑھ گئی۔ کیا کروں..... کیا کروں؟ میں نے گھبراہٹ میں پیشانی سے پسینہ پونچھا اور تیزی سے اٹیک کی سیڑھیوں کی جانب بھاگا۔ جب میں سیڑھیوں پر چڑھ کر دروازہ بند کر رہا تھا، تبھی میرے کانوں میں کیپٹن جیفرسن کی آواز آئی۔ گو الفاظ سمجھ میں نہیں آئے لیکن لب و لہجے کی کرختگی سے اندازہ ہوا کہ وہ ناخوشگوار موڈ میں ہے۔ میں نے احتیاط سے دروازہ بند کیا اور بے آواز قدموں سے لیکن بعجلت اوپر چڑھتا چلا گیا۔

اٹیک کا کمرا مختصر سا تھا اور ڈھلوان چھت کی وجہ سے کمرے کا ایک حصہ خاصا تنگ تھا۔ میں نے گردوپیش پر نظر ڈالی۔ یہاں بھی چھپنے کے لیے کوئی بہتر جگہ نظر نہیں آتی تھی مگر کہیں نہ کہیں چھپنا ضروری تھا۔ کیپٹن جیفرسن اتنا بے وقوف تو نہیں ہو سکتا کہ اٹیک کو نظر انداز کر دے۔ وہ لوگ نیچے کمرے میں آ چکے تھے اور ان کی گفتگو کی آوازیں میرے کانوں تک پہنچ رہی تھیں پھر یکا یک دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ اس کے بعد کسی نے کہا۔

''اوپر بھی دیکھنا چاہیے۔''

''اٹیک کا کمرا خالی پڑا ہے، وہاں کوئی نہیں رہتا۔'' یہ آواز روز آلبہ کی آواز تھی۔

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ تو گویا کیپٹن جیفرسن اوپر آ رہا تھا۔ صرف گیارہ سیڑھیاں چڑھ کر وہ اوپر آئے گا اور مجھے گرفتار کر لے گا۔ جبکہ مجھے اس طرح گرفتار ہونا کسی بھی قیمت پر منظور نہیں تھا۔ میں نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا اور تب میری نگاہ روشن دان پر جم گئی۔ یہ روشن دان چھت میں تھا اور اتنا کشادہ تھا کہ میرا جسم اس میں سے گزر سکتا تھا۔ خوش قسمتی سے روشن دان چھت کے ڈھلوان حصے میں تھا۔ میں نے جلدی سے روشن دان کھولا اور اچھل کر اس کی کگر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لی پھر میں نے اپنے آپ کو اوپر اٹھانا شروع کیا۔ قدموں کی آوازیں اب اور نمایاں ہو گئی تھیں۔ شاید تین چار پائیدان باقی رہ گئے تھے۔ گویا میری آزادی اور گرفتاری کے درمیان بمشکل چار چھ سیکنڈ کا وقفہ تھا۔ یہ چار سیکنڈ یا تو مجھے بچا سکتے تھے یا طویل مدت کے لیے آہنی سلاخوں کے پیچھے بھی بھیج سکتے تھے۔ میں نے یکا یک پوری قوت سے خود کو اوپر اٹھایا اور روشن دان سے باہر نکل گیا۔ چھت ڈھلوان تھی اور اس کی پتھریلی سلیٹوں پر خود کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ اک ذرا سی غلطی کا نتیجہ یہ ہو سکتا تھا کہ میں پھسلتا ہوا چھت سے نیچے گرتا اور اپنی ہڈی پسلی توڑ بیٹھتا مگر اس کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔ میں نے پھرتی کے ساتھ لیکن احتیاط سے روشن دان کو بند کیا اور کناروں کو مضبوطی سے تھام کر دم سادھے ہوئے چپ چاپ لیٹا رہا۔ یہ ڈر بھی تھا کہ سادہ لباس والا وہ آدمی جو کیپٹن جیفرسن نے نگرانی کے لیے مقرر کیا تھا، مجھے دیکھ نہ لے مگر شکر ہے کہ وہ سڑک پر کھڑا تھا جبکہ میں چھت کی مخالف سمت والی ڈھلوان پر تھا، اس لیے اس بات کا احتمال کم تھا کہ وہ مجھے دیکھ لے گا۔

اگرچہ میری سانس پھول رہی تھی اور دل کی دھڑکن میں مزید اضافہ ہو گیا تھا، مگر کان کمرے کی طرف لگے ہوئے تھے جہاں سے چلتے پھرتے قدموں اور باتوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ روز آلبہ اور سونیا کی آوازیں تو میں پہچان سکتا تھا مگر دو مردانہ آوازیں میرے لیے اجنبی تھیں۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے ایک کیپٹن جیفرسن کی اور دوسری اس کے ماتحت کی ہی ہو سکتی تھی۔ ایک آواز کافی کرخت لہجے میں کہہ رہی تھی ''تم نہیں جانتیں کہ وہ کتنا ظالم آدمی ہے۔ وہ ایک جنونی قاتل ہے اور وحشیانہ رجحانات بھی رکھتا ہے۔''

''ہو سکتا ہے کہ یہ درست ہو۔'' روز آلبہ کی آواز سنائی دی ''مگر وہ یہاں نہیں آیا، نہ میں نے اسے دو روز سے دیکھا ہے۔''

''اور اس کی دوست بار برا؟''

''میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہو گی۔''

لمحہ بھر خاموشی رہی پھر وہی کرخت آواز سنائی دی ''او کے مس! لیکن میرا مشورہ یہ ہے کہ تم ہوشیار رہنا اور اگر کسی وقت وہ یہاں آئے تو فوراً پولیس کو مطلع کرنا، ورنہ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں بھی کوئی نقصان پہنچائے۔ کیونکہ وہ ایک قتل کر چکا ہے اور دوسرا بھی کر سکتا ہے۔ مریضانہ ذہنیت رکھنے والے مجرم بار بار جرم کرتے ہیں کیونکہ اس طرح انہیں ایک خاص قسم کی ذہنی لذت حاصل ہوتی ہے۔''

''میں ہوشیار رہوں گی۔'' روز آلبہ نے کہا۔

وقت بڑی سست رفتاری سے گزر رہا تھا۔ اس طرح کہ ایک ایک لمحہ میری شہ رگ پر برچھی بن کر گر رہا تھا۔ اگرچہ ان لوگوں کی گفتگو محض چند منٹ ہوئی تھی مگر مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے کئی گھنٹے گزر گئے ہوں۔ میری انگلیاں شل ہو گئی تھیں۔ سانسوں میں آگ لگ رہی تھی اور ہونٹ خشک ہو کر پتھر کی طرح سخت ہو گئے تھے۔ وقت اتنا دہشت خیز اور اذیت ناک بھی ہو سکتا ہے، یہ تجربہ مجھے پہلی بار ہوا۔ ان لوگوں کی گفتگو کی آواز بدستور آ رہی تھی پھر قدموں کی آواز ابھری اور دروازے کی چرچراہٹ سنائی دی۔ غالباً وہ لوگ واپس جا رہے تھے۔ میں نے یکا یک سکون کی سانس لی اور بے دم ہو کر اپنی پیشانی پتھریلی سیٹ پر ٹکا دی۔ میری حالت اس آدمی کی سی ہو رہی تھی جس کے سر پر آئی ہوئی موت اچانک ٹل گئی ہو، مگر اسے یقین نہ آ رہا ہو۔

کچھ دیر بعد میں نے گردن بڑھا کر نیچے جھانکا۔ کمرا خالی پڑا تھا۔ جب میں اتر کر نیچے آیا تو میری ٹانگیں آہستہ آہستہ کانپ رہی تھیں۔ اگرچہ دوڑا بھاگا نہیں تھا، کوئی مشقت طلب کام نہیں کیا تھا پھر بھی ایسا لگ رہا تھا جیسے میرے جسم میں جان نہ رہ گئی ہو۔ بے دم ہو کر کرسی پر گر پڑا، اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس وقت میرے ذہن میں اس کے سوا کوئی احساس نہیں تھا کہ اس عذاب سے کیونکر نجات ہو گی۔ جس میں میں پھنس گیا ہوں، جو کچھ میرے ساتھ ہو چکا ہے، جو کچھ میرے ساتھ ہو رہا ہے، یہ سب کچھ آخر کیوں ہے اور کیا ہے لیکن یہ طے ہونا کم از کم اس وقت ناممکن تھا کیونکہ ابھی تو ابتدا ہی تھی اور ابتدا میں آنے والے طوفان کی ہنگامہ خیزی کا اندازہ لگانا آسان نہیں ہوتا۔

کچھ دیر بعد میں نیچے کمرے میں آیا اور بہ عجلت کپڑے تبدیل کیے۔ میں سونیا کے اس خیال سے بالکل متفق تھا کہ میرا وہاں رہنا مناسب نہیں۔ کسی بھی وقت کوئی ایسی بات ہو سکتی ہے کہ پولیس مجھے گرفتار کر لے چنانچہ بہتر

یہی تھا کہ فوری طور پر میں کسی دوسری جگہ چلا جاؤں، اور دوسری محفوظ ترین جگہ بار برا کے بقول ونڈسر ہی ہو سکتی تھی۔ بار برا خود بھی وہیں چلی گئی تھی۔ میں نے بھی وہیں جانے کا فیصلہ کر لیا لیکن اس سے پہلے سڈنی کو تلاش کرنا ضروری تھا۔

جب میں کپڑے تبدیل کر چکا تو سونیا آ گئی۔ مجھے تیار دیکھ کر اس نے حیرت سے کہا۔

''ارے کیا تم جا رہے ہو؟''

''ہاں۔'' میں نے جواب دیا۔

''مگر کہاں؟''

''ونڈسر، جیسا کہ تم نے کہا تھا۔''

سونیا نے اچانک اطمینان کی سانس لی ''یہ بہت اچھی بات ہے مگر جاؤ گے کیسے؟ باہر تو دو آدمی نگرانی کر رہے ہیں۔''

''کیا کیپٹن جیفرسن چلا گیا ہے؟''

''ہاں، وہ چلا گیا ہے۔''

میں نے ایک لمحہ سوچ کر کہا ''میں یہی سوچ رہا ہوں لیکن میرا جانا بھی ضروری ہے۔ یہاں بیٹھ کر نہ تو زیادہ دیر میں اپنی حفاظت کر سکتا ہوں اور نہ سڈنی کو تلاش کر سکتا ہوں۔ دو دن گزر گئے ہیں مگر سڈنی کا اب تک کوئی پتہ نہیں چلا۔''

''سڈنی کو تم کہاں اور کیسے تلاش کرو گے؟'' سونیا نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اس وقت تک مجھے خود بھی نہیں معلوم تھا کہ سڈنی کو کہاں اور کیسے تلاش کروں گا۔ دو دن گزر گئے تھے، پورے دو دن اور سڈنی کے بارے میں ہمیں کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ اگرچہ میں خود روز آلبہ کے فلیٹ سے باہر نہیں نکلا تھا لیکن سونیا، کیٹی اور بار برا نے ہر ممکن کوشش کی تھی۔ وہ ہر اس جگہ گئی تھیں جہاں وہ مل سکتا تھا اور ہر اس شخص سے پوچھ گچھ کی تھی، جسے اس کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکتا تھا مگر کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اس کے سارے دوست لاعلم تھے۔ ''ہاٹ لپس'' کا مالک بھی اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ ہماری معلومات کے مطابق وہ ایک پرائیویٹ اسپتال میں تھا جو ایک نیگرو ڈاکٹر چلاتا تھا، لیکن جیسے ہی جوڈی کے لرزہ خیز قتل کی خبر اخباروں میں آئی وہ چھلاوے کی طرح غائب ہو گیا۔ بار برا اور کیٹی اس پرائیویٹ اسپتال میں بھی گئی تھیں، اور ڈاکٹر جوشوا سے گفتگو کی تھی مگر وہ بھی قطعی لاعلم تھا۔ اس کا بیان تھا کہ جب وہ اسپتال آیا تو سڈنی غائب تھا۔ شبینہ ڈیوٹی پر رہنے والی نرس مومی نے بتایا کہ سڈنی تمام رات اپنے کمرے میں رہا تھا لیکن صبح جب اس نے کمرے کا دروازہ کھولا تو پتہ چلا کہ سڈنی غائب ہے اور عقبی کھڑکی کھلی ہوئی ہے۔ مومی کو کوئی اندازہ نہ تھا کہ وہ کب اور کس وقت گیا۔ مومی کے اس بیان سے میرے اس شبے کو تقویت ملتی تھی کہ جوڈی کا قاتل سڈنی ہی ہے کیونکہ اگر وہ قاتل نہیں تھا تو پھر صبح منہ اندھیرے اسے اسپتال سے فرار ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ یقیناً قتل اسی نے کیا تھا اور اسے معلوم تھا کہ پولیس نہ صرف اس پر شبہ کرے گی بلکہ اسے تلاش بھی کرے گی، اسی لیے وہ روپوش ہو گیا۔ لندن بہت بڑا شہر ہے۔ چار سو مربع میل سے زیادہ رقبے پر پھیلا ہوا ہے اور یہاں ایک کروڑ سے زیادہ لوگ

رہتے ہیں۔ مکانوں اور انسانوں کے اس عظیم ترین سمندر میں اگر کوئی شخص کہیں روپوش ہو جائے تو اسے تلاش کرنا آسان نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب سونیا نے پوچھا کہ میں سڈنی کو کہاں اور کیسے تلاش کروں تو میں فوری طور پر کوئی جواب نہ دے سکا اور چپ ہو کر سونیا کو گھورنے لگا۔ اسی وقت اچانک ایک نئے خیال نے میرے ذہن میں سر ابھارا۔ سونیا کا چہرہ دیکھ کر مجھے ایک اور چہرہ یاد آ گیا۔ رابن کا چہرہ، جو سونیا کا بھائی تھا۔ وہ جھگڑے کے وقت ہاٹ لپس میں موجود تھا اور بعد ازاں اس نے میرا تعاقب بھی کیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے اس معاملے سے خصوصی طور پر بہت دلچسپی ہے، چنانچہ ہو سکتا ہے کہ اسے سڈنی کے ٹھکانے کا علم ہو۔ میں نے یکا یک سونیا سے پوچھا ''تمہیں اپنے بھائی رابن کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟''

''نہیں تو، مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''وہ کہاں ملے گا؟'' میں نے جواباً پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔'' سونیا بہت غور سے مجھے دیکھ رہی تھی ''لیکن تم اسے کیسے جانتے ہو؟''

''میں اس سے ایک بار مل چکا ہوں۔'' میں نے سگریٹ جلاتے ہوئے کہا ''کیا تمہاری اس سے ملاقات نہیں ہوتی؟''

''نہیں۔''

''کیوں؟''

سونیا جواب دینے سے پہلے ذرا ہچکچائی پھر اس نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر آہستہ سے کہا ''میری اس سے کبھی نہیں بنتی۔ وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔ کئی غلط باتیں اس نے اختیار کر رکھی ہیں اور میرے سمجھانے کے باوجود وہ انہیں ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دھیرے دھیرے ہمارا ملنا جلنا ختم ہو گیا۔ بس کبھی کبھار رسمی قسم کی ملاقات ہو جاتی ہے۔''

میں نے استعجابیہ نظروں سے سونیا کو گھورا۔ کتنی عجیب بات ہے۔ رابن، سونیا اور اس کی ساتھیوں کو برا سمجھتا ہے اور اس نے مجھے ان سے دور رہنے کی تاکید کی تھی لیکن سونیا اپنے بھائی کو غلط سمجھتی ہے۔ دونوں میں سے کون سچا ہے اور میں کس پر اعتبار کروں۔ سونیا یا رابن، دونوں سگے بہن بھائی ہیں لیکن ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ دو متوازی لکیروں کی طرح۔ چند لمحے کے سکوت کے بعد میں نے کہا۔

''مگر تمہیں اس کی رہائش گاہ کا تو علم ہو گا۔''

''ہاں، مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟'' سونیا نے سوال کیا۔

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم سوال کرنے کی بجائے صرف میرے سوال کا جواب دو۔'' میں نے چڑ کر کہا۔

سونیا چپ رہی اور مجھے دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔ شاید وہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ میں رابن کے بارے میں کیوں پوچھ رہا ہوں۔ کچھ دیر کی کشمکش کے بعد اس نے آخر کار کہا ''وہ پائن اسٹریٹ میں رہتا ہے۔ مکان کا نمبر چودہ ہے۔''

''اور یہ پائن اسٹریٹ کہاں ہے؟''

''آل گیٹ سے آگے جا کر ملے گی۔'' سونیا نے جواب دیا ''کیا تم اس سے ملنا چاہتے ہو؟''

میں کوئی جواب دیئے بغیر چند لمحے غور کرتا رہا۔ پائن اسٹریٹ وہاں سے کافی دور تھی اور بغیر کار کے کم سے کم وقت میں وہاں پہنچنا ممکن نہ تھا۔ کار تو خیر مل سکتی تھی لیکن سوال یہ تھا کہ میں جاؤں تو آخر کس طرح۔ کیپٹن جیفرسن نے دو نگراں مقرر کر دیئے تھے۔ ایک مکان کے سامنے موجود تھا اور دوسرا عقبی گلی کی نگرانی کر رہا تھا۔ یہ اطلاع سونیا نے بہم پہنچائی تھی۔ ان دونوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر فلیٹ سے نکل جانا آسان نہ تھا لیکن میرا جانا بھی ضروری تھا۔ یہ شاید چھٹی حس تھی جو مجھ سے بار بار کہہ رہی تھی کہ رابن سے مجھے مفید اطلاع مل سکتی ہے۔ ممکن ہے اسے سڈنی کا موجودہ ٹھکانہ معلوم ہو۔ چند لمحے غور کرنے کے بعد میں نے سونیا سے کہا کہ وہ روز آلبہ کی ایسکورٹ مکان کے دروازے پر کھڑی کر دے اور مکان کے سامنے نگرانی کرنے والے شخص پر نگاہ رکھے۔ جس وقت بھی وہ کسی ضرورت سے ادھر ادھر جائے وہ مجھے فوراً اطلاع دے۔ مجھے صرف چند منٹ کی ضرورت تھی۔ صرف چند منٹ کے لیے وہ شخص کہیں جائے مثلاً پبلک ٹوائلٹ میں یا چائے کے ایک کپ کے لیے کافی ہاؤس میں، تو مجھے بھاگ نکلنے کا موقع مل سکتا تھا۔

سونیا چلی گئی تو میں نے کپڑے تبدیل کیے اور بے چینی سے انتظار کرنے لگا۔ سونیا نے حسب ہدایت ایسکورٹ دروازے کے سامنے کھڑی کر دی تھی۔ میں کمرے میں ٹہلتا رہا اور سوچتا رہا۔ میرے ذہن میں مختلف خیالات چکرا رہے تھے۔ فرض کرو کہ رابن مل گیا اور فرض کرو کہ اسے سڈنی کا ٹھکانہ بھی معلوم ہوا تو پھر میں کیا کروں گا۔ کیا یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ سڈنی مجھے سب کچھ آسانی سے بتا دے گا۔ وہ ایسا آدمی ہرگز نہیں تھا لہٰذا یہ فرض کرنا بھی محض خوش فہمی ہوتی کہ وہ آسانی سے زبان کھولنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ وہ انکار کرے گا اور ضرور کرے گا تب میں کیا کروں گا۔ یہ سوال بہت دیر تک میرے ذہن میں گونجتا رہا پھر میں نے سر کو جھٹک کر شش و پنج اور امید و یاس کی اذیت سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی اور ایک سگریٹ جلا کر کھڑکی سے باہر جھانکا۔ وہ شخص کسی سنگین ستون کی طرح اپنی جگہ موجود تھا۔

مجھے شام تک انتظار کرنا پڑا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، میری بے چینی بڑھتی گئی۔ میں خود کو چوہے دان میں پھنسے ہوئے چوہے کی طرح محسوس کر رہا تھا۔ جو چاروں طرف بھاگتا ہے، پنجرے کے تاروں کو دانتوں سے کاٹتا ہے لیکن باہر نہیں نکل سکتا۔ کیا میں بھی اس چوہے دان سے نہیں نکل سکوں گا؟ لیکن ایسا نہیں ہوا، مجھے آخر کار نکل بھاگنے کا موقع مل گیا۔ جونہی شام کا سرمئی اندھیرا آسمانوں سے اترا، وہ شخص کہیں چلا گیا۔

''وہ کہاں گیا ہے؟'' میں نے سونیا سے پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔'' سونیا بہت مضطرب نظر آ رہی تھی اور سیڑھیاں تیزی سے چڑھنے کی بنا پر اس کی سانس بری طرح پھول رہی تھی ''ممکن ہے وہ پبلک ٹوائلٹ میں گیا ہو، یا کسی شاپ میں سگریٹ وغیرہ لینے۔ یہ موقع اچھا ہے تم فوراً نکل جاؤ۔''

میں نے جھپٹ کر کوٹ اٹھایا اور سیڑھیوں کی جانب بھاگا۔ وہ شخص کہیں بھی چلا گیا ہو لیکن یہ طے تھا کہ چند منٹ کے لیے ہی گیا ہوگا۔ گویا میرے پاس بہت محدود لمحات تھے جو مجھے اس چوہے دان سے نکال سکتے تھے۔ میں دھڑ دھڑاتا ہوا سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔ سونیا میرے پیچھے پیچھے آ رہی تھی اور نہ جانے کیا کیا کہہ رہی تھی جو میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ میں نے چلا کر اس سے کہا کہ جونہی مجھے ضرورت پیش آئی میں اسے یا روز آلبہ کو فون

کروں گا اور ونڈسر کا پتہ معلوم کرلوں گا، کیونکہ رابن سے ملاقات کے بعد مجھے بہرحال وہیں جانا تھا۔

سونیا نے کار کا دروازہ کھلا رکھا تھا اور چابی بھی ڈیش بورڈ میں موجود تھی۔ میں نے انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی ایک دم آگے بڑھادی۔ چند منٹ کا جو خزانہ عظیم میرے پاس تھا، وہ رفتہ رفتہ کم ہو رہا تھا۔ خدشہ تھا کہ وہ شخص کسی وقت بھی واپس آ جائے گا اور مجھے دیکھ لے گا۔ اس کی واپسی سے پیشتر میرا نکل جانا بہت ضروری تھا۔ میری نظریں ادھر ادھر فٹ پاتھ پر بھٹکتی رہیں اور گاڑی آگے بھاگتی رہی مگر وہ آدمی کہیں نظر نہیں آیا۔ حتیٰ کہ میں کوئی دو فرلانگ کا فاصلہ طے کر کے دوسری سڑک پر جا پہنچا پھر میں نے گاڑی بائیں جانب موڑی اور اطمینان کی سانس لی۔ یکا یک اپنے آپ کو اس طرح ہلکا پھلکا محسوس کیا جیسے کوئی بھاری بوجھ سر سے اتر گیا ہو۔ آخر کار میں پولیس سے بچ کر نکل آیا تھا اور لندن کی کھلی سڑکوں پر موجود تھا۔ یہ سڑکیں مجھے زیادہ محفوظ مقام تک پہنچا سکتی تھیں، جہاں کیپٹن جیفرسن تو کیا اس کے فرشتوں کے پہنچنے کا احتمال بھی نہیں تھا۔

لیکن یہ محض میرا خیال خام تھا۔ ایک ریت کی دیوار تھی جو اچانک زمیں بوس ہوگئی۔ اب کیا کروں، میں نے گھبرا کر سوچا اور عقبی آئینے پر نگاہ جما دی۔ مختصر سے آئینے میں ایک پولیس کار نظر آ رہی تھی۔ کار کے اندر کیپٹن جیفرسن تھا یا نہیں، یہ تو میں نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن کار کی چھت پر چمکتی اور تیزی سے گھومتی ہوئی سرخ لائٹ نے یہ ضرور بتا دیا کہ وہ کار میرے تعاقب میں ہے پھر میرے دیکھتے دیکھتے دائیں جانب والی اسٹریٹ سے ایک اور کار برآمد ہوئی اور میرے تعاقب میں لگ گئی۔ اس کے بعد ایک اور کار نظر آئی۔ وہ تینوں میرے پیچھے چلی آ رہی تھیں۔ دفعتاً میں نے زور زور سے سانس لی اور چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ میرا چہرہ پسینے سے تر ہو رہا تھا۔ کپڑوں کے نیچے بدن پر مکھیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں، اور حلق میں کانٹے اگنے لگے تھے۔ میں کیپٹن جیفرسن کو بے وقوف سمجھا تھا۔ کیا اسکاٹ لینڈ یارڈ کا ایک نامور کیپٹن اتنا احمق ہو سکتا تھا کہ محض چند گھنٹے کی نگرانی کے بعد اپنے آدمیوں کو اٹھا لیتا۔ یقیناً نہیں ساری بات صرف یہ تھی کہ اس نے مجھے بے وقوف بنایا تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ میں روز آلبہ کے فلیٹ میں موجود ہوں اور جونہی موقع ملے گا میں فلیٹ سے فرار ہونے کی کوشش کروں گا چنانچہ اس نے اپنے آدمی ہٹا دیئے اور میں اس کی توقع کے عین مطابق میدان صاف دیکھ کر فلیٹ سے باہر آ گیا۔

لیکن یہ ایسا موقع نہیں تھا کہ میں کیپٹن کی ذہانت اور اپنی حماقت پر غور کرتا۔ صورت حال کی نزاکت کا تقاضا یہ تھا کہ میں اپنے بچاؤ کی تدبیر کروں۔ کیونکہ پولیس کی تینوں کاریں لمحہ بہ لمحہ قریب آ رہی تھیں۔ فاصلہ کم ہو رہا تھا۔ نہ صرف کاروں کے درمیان بلکہ میری آزادی اور گرفتاری کے درمیان بھی اور اس وقت صرف ایک صورت میری جان بچا سکتی تھی۔ رفتار، اسپیڈومیٹر کی سوئی جیسے جیسے ہندسوں کا سفر طے کرے گی ویسے ویسے میری آزادی کا امکان بڑھتا جائے گا۔ یہ سوچ کر میں نے ایک دم رفتار بڑھا دی۔ اگرچہ سڑک پر ٹریفک بہت تھا، لیکن خطرہ مول لیے بغیر میں خطرے سے بچ نہیں سکتا تھا۔ میرے اردگرد کاریں تھیں، بسیں اور ٹرک تھے، لیکن میں رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ لوگ گھوم گھوم کر میری کار کو اور پولیس کاروں کو دیکھ رہے تھے لیکن میں ہر طرف سے بے خبر ہو کر کار چلاتا رہا۔ رفتار کی سوئی ستر سے کھسک کر اسی پر جا پہنچی۔ لندن کی کسی پر ہجوم سڑک پر اسی میل کی رفتار سے کار چلانے کا مطلب موت کو دعوت دینا بھی ہو سکتا ہے لیکن زندگی بچانے کے لیے کبھی کبھی موت کے امکانات سے بھی گزر جانا پڑتا ہے۔

پولیس کاروں کو دھوکا دینے کے لیے ضروری تھا کہ میں سیدھا آل گیٹ کا رخ نہ کروں بلکہ ادھر چکر کاٹتا رہوں، اور میں یہی کر رہا تھا۔ جو سڑک سامنے پڑتی اسی پر گھوم جاتا۔ پولیس کاریں بدستور تعاقب میں لگی ہوئی تھیں اور ان کی تعداد جب چار ہو گئی تھی۔ گویا کیپٹن جیفرسن بھی بازی ہارنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ ہر حال میں مجھے گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ یکا یک میرے ہونٹوں پر ایک تلخ اور استہزائی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ٹھیک ہے مسٹر ٹونی جیفرسن، یہ چوہے بلی کا کھیل ہی سہی، لیکن میں بھی چوہا نہیں بنوں گا۔ میں نے کار تیزی سے دائیں جانب موڑتے ہوئے سوچا۔

کچھ دیر بعد میں بوسٹن جا پہنچا، پھر لیسٹر اسکوائر کا رخ کیا اور جب میں اسٹیشن کی بائیں جانب والی سڑک سے گزر رہا تھا۔ تبھی وہ واقعہ پیش آیا جس کے تصور سے جسم کے اندر خون کا ایک ایک قطرہ جم جاتا ہے۔ میں نے یکا یک دو ٹرک دیکھے جو خاصی رفتار سے چلے آ رہے تھے پھر کسی وجہ سے معاً ایک ٹرک نے دوسرے کو اوورٹیک کرنے کی کوشش کی یا تو اس ٹرک کا ڈرائیور نشے میں تھا یا اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ اس کا دیو قامت ٹرک یک لخت میری کار کے مقابل آ گیا۔ تیز رفتاری کی وجہ سے میرے لیے اپنی کار کو موڑنا اور سنبھالنا ناممکن تھا۔ دہشت سے میرا جسم کانپنے لگا پھر میرے ہاتھوں نے اسٹیئرنگ چھوڑ دیا۔ بالکل غیر ارادی طور پر، اس میں میرے ارادے کو دخل نہیں تھا پھر میں نے ایک چیخ سنی۔ دل اور روح کو تھرا دینے والی چیخ، اور یہ چیخ کسی کی نہیں میری اپنی تھی۔ جو بغیر کسی شعوری کوشش کے بلند ہوئی تھی۔ موت کا بھیانک اور دہشت خیز چہرہ سامنے ہو تو کوئی جان بوجھ کر نہیں چیختا۔ ٹرک اب بالکل قریب آ گیا تھا۔ مشکل سے پانچ سات فٹ کا فاصلہ رہ گیا ہو گا پھر میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں کیونکہ اس خوفناک عفریت کو میں اپنی کار پر چڑھتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

پھر میں نے لوگوں کا شور سنا۔ ٹائروں کی تیز چیخ سنی۔ اس کے بعد میں نے اپنی کار کو تیزی سے گھومتے ہوئے محسوس کیا پھر ایک شدید جھٹکا لگا اور میری آنکھیں کھل گئیں۔ میں نے دیکھا کہ کار گھوم کر نصف کے قریب فٹ پاتھ پر چڑھ گئی تھی اور ترچھی حالت میں آگے بڑھ رہی تھی۔ چیختا چنگھاڑتا ٹرک آگے چلا گیا تھا۔ گویا میں حادثے سے بال بال بچ گیا تھا مگر کیسے؟ میں دیکھ رہا تھا، پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس ناقابل یقین منظر کو دیکھ رہا تھا کہ کار خود بخود آگے بڑھ رہی تھی اور اسٹیئرنگ خود بخود دائیں بائیں گھوم رہا تھا۔ اس طرح جیسے اسے دو مضبوط ہاتھوں نے تھام رکھا ہو۔ آخر کس نے کار کو موڑ کر ٹرک کے سامنے سے ہٹایا تھا اور پھر فٹ پاتھ پر چڑھا دیا تھا اور کون اسٹیئرنگ کو کنٹرول کر رہا تھا۔ دہشت سے میری پلکیں جھپکنا بھول گئی تھیں اور نگاہ ساکت ہو کر اسٹیئرنگ پر جم کر رہ گئی تھی۔ کوئی دس بارہ گز آگے جا کر میں نے اسٹیئرنگ کو گھومتے ہوئے دیکھا۔ کار فٹ پاتھ سے اتر کر سڑک پر آ گئی پھر میں نے اپنے شانے پر دباؤ محسوس کیا۔ اس طرح جیسے کسی ہاتھ نے تھپکی دی ہو۔ میں نے یکا یک گھوم کر دیکھا مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ میرے سوا کار میں کوئی نہیں تھا۔ تو پھر وہ کس کے ہاتھ کا دباؤ تھا؟

معاً میں نے طویل سانس لی اور اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔

کچھ دیر بعد میں لیسٹر اسکوائر جا پہنچا۔ اگرچہ میں نے بہت چکر کاٹا تھا مگر آخر کار میں انہیں دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ پولیس کاریں غائب ہو چکی تھیں اور میں مناسب رفتار سے آل گیٹ کی جانب چل رہا تھا۔ یہاں پائین اسٹریٹ تھی اور پائین اسٹریٹ کے ایک مکان میں رابن تھا۔ جواب میری سب سے بڑی امید بن

چکا تھا۔ فرض کرو اسے یہ علم نہ ہو کہ سڈنی کہاں ہے لیکن اس سے کوئی ایسی مفید اطلاع ضرور مل سکتی ہے جو مجھے سڈنی کو تلاش کرنے میں مدد دے سکے۔ یہ امید محض ایک ریت کا گھروندہ تھی لیکن جس صورتِ حال سے میں دو چار تھا۔ اس میں، میں گھروندے بنانے کے سوا اور کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ ڈوبتے ہوئے آدمی کو اگر تنکا میسر آ جائے تو وہ اس کا سہارا بھی غنیمت سمجھتا ہے۔

بالآخر میں پائین اسٹریٹ میں داخل ہوا۔ آل گیٹ اور اس کے اردگرد کا اکثر علاقہ بارونق نہیں ہے۔ مکانات پرانے اور بوسیدہ ہیں۔ اکثر گلیاں پتھریلی ہیں۔ پائین اسٹریٹ بھی ایسی ہی گلی تھی۔ میں نے چودہ نمبر کے سامنے کار روکی اور کچھ دیر بیٹھا رہا اور تھکی تھکی آنکھوں سے کتھئی رنگ کے بدرنگ دروازے کو گھورتا رہا۔ بیرونی کمرے کی کھڑکی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ممکن ہے وہ رہائشی کمرے میں ہو۔ میں نے خود کو تسلی دی پھر کار سے نیچے اترا۔ اگرچہ میں نے کوئی جسمانی مشقت نہیں کی تھی لیکن ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے میلوں کا فاصلہ دوڑ کر طے کیا ہو۔ چند لمحے کے توقف کے بعد میں دھیرے دھیرے آگے بڑھا اور دروازے پر دستک دی۔ وہ لمحات بہت بھاری تھے اور ایک ایک لمحے کی طوالت جان لیوا بن گئی تھی۔ قدرے انتظار کے بعد میں نے پھر دستک دی اور بے چینی سے انتظار کرنے لگا۔ آہستہ آہستہ میرے دل کی دھڑکن بڑھ گئی۔ پیشانی ٹھنڈی اور پسینے سے تر ہو گئی۔ آخر دروازہ کیوں نہیں کھل رہا ہے، میں نے گھبرا کر سوچا۔ کیا رابن گھر میں نہیں ہے اگر نہیں ہے تو پھر میں کہاں جاؤں گا اور اسے کہاں تلاش کروں گا۔ میں نے متوحش نظروں سے دروازے کے اوپر تاریک شیشے کو گھورا۔ رابن یقیناً گھر میں نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو دروازہ کھلنے میں اتنی دیر کیوں ہوتی؟

میں نے بے چین ہو کر ایک بار پھر دروازے پر زور زور سے دستک دی۔

اسی [illegible] والے مکان کا دروازہ کھلا اور ایک عورت برآمد ہوئی۔ اس نے سبز رنگ کا اسکرٹ پہن رکھا تھا۔ بالوں میں رولر لگے ہوئے تھے اور چہرہ میک اپ سے بے نیاز تھا۔ اس کے باوجود وہ خوب صورت لگ رہی تھی مگر یہ اور بات ہے کہ اس کا چہرہ کوئی اچھا تاثر نہیں پیش کر رہا تھا بلکہ چہرے کے تاثرات سے عامیانہ پن ٹپک رہا تھا۔ دراصل وہ اس قسم کی عورتوں میں سے تھی جو پبوں اور کلبوں میں عام طور پر مل جاتی ہیں اور بیئر کے ایک دو گلاسوں کے عوض کسی بھی مرد کے ساتھ چلی جاتی ہیں۔ اس نے مجھے چند ثانیے حیرت سے گھورا پھر یکایک مسکرا کر بولی ''کیا بات ہے، تم کسے تلاش کر رہے ہو؟''

اس کی مسکراہٹ کا مفہوم بڑا واضح قسم کا تھا۔ میں نے منہ بنا کر مگر مضطربانہ انداز میں کہا ''میں رابن کو تلاش کر رہا ہوں۔ کیا وہ یہیں رہتا ہے؟''

''ہاں رہتا تو اسی گھر میں ہے۔'' اس نے کہا۔

''کیا وہ گھر میں نہیں ہے؟''

''نہیں۔'' وہ مسکرائی۔

''لیکن میرے لیے اس کو تلاش کرنا بہت ضروری ہے۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ وہ کہاں مل سکے گا؟''

اس نے ایک بار پھر مسکرا کر جواب دیا ''میں نے تو اسے دو تین روز سے دیکھا ہی نہیں۔''

''دو تین روز سے نہیں دیکھا۔'' میں نے حیرت سے کہا اور ہونٹوں پر زبان پھیری ''کیا تمہارا مطلب ہے

کہ وہ دو تین دن سے گھر ہی نہیں آیا..... یا یہ کہ تمہاری اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔''

''دونوں ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔'' اس نے جواب دیا ''ممکن ہے وہ گھر آیا ہو لیکن میرا سامنا نہ ہو سکا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ گھر ہی نہ آیا ہو۔ بہرنوع میں نے اسے آخری بار تین دن پیشتر دیکھا تھا۔''

''کیا تم کوئی ایسی جگہ بتا سکتی ہو جہاں اس کے ملنے کا امکان ہو؟''

''افسوس کہ نہیں۔'' اس نے سر ہلایا، پھر پوچھا ''کیا اس سے ملنا بہت ضروری ہے؟''

''ہاں، بہت ضروری ہے۔'' میری بے چینی رفتہ رفتہ بڑھتی جا رہی تھی۔

''ممکن ہے آج وہ گھر آئے کیونکہ شام کو اکثر آتا ہے۔'' اس عورت نے ایک بار پھر بہت واضح قسم کی مسکراہٹ کی نمائش کی ''تم چاہو تو تب تک میرے گھر میں بیٹھ کر انتظار کر سکتے ہو۔''

لیکن مجھے اس وقت اس کی مسکراہٹ یا اس کے جسم سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ویسے بھی اس کے گھر میں بیٹھ کر انتظار کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ پہلی بات تو یہی تھی کہ رابن کے آنے کی کوئی ضمانت موجود نہیں تھی۔ دوسری خرابی یہ تھی کہ میں بظاہر پولیس کو دھوکا دے کر نکل آنے میں کامیاب ہو گیا تھا مگر یہ طے تھا کہ پولیس بدستور مجھے تلاش کر رہی ہوگی۔ ممکن ہے تعاقب میں میری کار کا نمبر بھی نوٹ کر لیا گیا ہو۔ اس صورت میں وہ کسی بھی وقت پائین اسٹریٹ میں بھی پہنچ سکتے تھے چنانچہ مناسب یہی تھا کہ میں کوئی ایسی جگہ تلاش کروں جہاں کچھ دیر محفوظ رہنا ممکن ہو۔ یہ سوچ کر میں نے مناسب و موزوں الفاظ میں اس عورت سے معذرت کی اور واپس چل پڑا۔

رابن کے نہ ملنے سے میرا ذہن مزید الجھنوں میں مبتلا ہو چکا تھا۔ عورت نے اسے دو روز سے نہیں دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ واقعی دو دن سے کہیں غائب ہو لیکن اگر یہ بات درست ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ وہ کہاں غائب ہے اور کیوں؟ ''کہاں'' سے زیادہ ''کیوں'' غور طلب اور باعث تشویش تھا۔ آخر اسے غائب ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ میں کار چلاتا رہا اور میری آنکھوں کے سامنے رابن سے ملاقات کا منظر گھومتا رہا۔ دو روز پہلے جوڈی قتل ہوئی تھی اور اس سے پیشتر میری اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ گویا مجھ سے ملاقات کے بعد ہی وہ غائب ہو گیا مگر سوال یہ ہے کہ کیوں؟ اور یہ ایک ایسا سوال تھا کہ جس کا جواب زیادہ بہتر طور پر صرف رابن ہی دے سکتا تھا۔ میں سوچتا رہا اور الجھتا رہا۔ رابن کا ملنا اور بھی زیادہ اہم ہو گیا تھا۔

کچھ دیر بعد میں نے اپنی ایسکورٹ ایک پب کے پارکنگ لاٹ میں کھڑی کی اور بتیاں بجھا کر چپ چاپ بیٹھ گیا۔ پب کا نام اینکر (لنگر) تھا۔ زندگی کا لنگر جب تک اٹھا رہتا ہے تب تک زندگی کا جہاز چلتا رہتا ہے لیکن ایک بار لنگر ڈال دو تو جہاز ٹھہر جاتا ہے۔ میں نے لنگر نہیں ڈالا تھا نہ جہاز رکا تھا، مگر جہاز طوفانی تھپیڑوں میں پھنس گیا تھا۔ میں جلتی ہوئی آنکھوں سے پب کی بغلی دیوار پر بنے ہوئے لنگر کے سرخ نشان دیکھتا رہا۔ یہ پب خاصی سنسان جگہ پر تھا اور پارکنگ پلاٹ میں کوئی بلب نہ ہونے کی بنا پر کافی اندھیرا تھا۔ میری گاڑی پچھلی قطار میں کھڑی تھی اس لیے اس بات کا کوئی احتمال نہیں تھا کہ کوئی شخص وہاں آ کر میری گاڑی کا نمبر چیک کرے گا۔ گویا جب تک میں اس نیم تاریک اور سنسان پارکنگ پلاٹ میں رکا رہوں گا۔ تب تک محفوظ رہوں گا لیکن میں طویل عرصے تک تو وہاں نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ جب پب بند ہو جائے گا اور ایک ایک کر کے ساری کاریں چلی

جائیں گی، تب میں کیا کروں گا۔

میں چپ چاپ بیٹھا رہا۔ کسی ایسے مسافر کی طرح جو برسوں کی مسافت کے بعد بھی منزل پر نہ پہنچ سکا ہو۔ میرا جسم بالکل کھوکھلا ہو رہا تھا۔ میرا سینہ بالکل خالی تھا اور میرا ذہن بھی بالکل خالی تھا۔ میں سوچنا چاہتا تھا لیکن کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔ ایک بے کسی اور بے چارگی چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اب کیا کروں اور میرا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے۔ اس وقت پہلی بار اس اندھیرے اور تنہائی میں میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ چپ چاپ جان بچا کر بھاگ نکلوں۔ لندن کی رنگینیوں سے دامن بچا کر اپنے وطن واپس چلا جاؤں لیکن فی الحال یہ بھی ممکن نہ تھا۔ ائرپورٹ تک پہنچنے سے پہلے ہی پولیس مجھے گرفتار کر لیتی۔

لیکن وہاں کب تک بیٹھا رہتا۔ اس نیم تاریک پارکنگ پلاٹ میں کار کے اندر بیٹھے بیٹھے تو میں سڈنی یا رابن کو تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ وہاں سے روانہ ہونا ضروری تھا مگر کھلی سڑکوں پر نکلنا خطرناک ہوتا۔ تو پھر آخر کیا کروں؟ میں نے تنگ آ کر ایک بار پھر خود سے سوال کیا اور تب یکا یک ایک عجیب سی بات مجھے یاد آئی۔ چند دن پیشتر میں نے ڈکی میں دو نمبر پلیٹیں دیکھی تھیں۔ یہ تعجب کی بات تھی اور میں نے اس سلسلے میں بار برا سے استفسار بھی کیا تھا لیکن بار برا نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی تھی کہ اسے پلیٹوں کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہے۔ وہ پلیٹیں غالباً روز آلبہ نے رکھی ہوں گی مگر کیوں؟ اس کا علم روز آلبہ کو ہی ہوگا۔ میں نے یکا یک سوچا کہ میں اگر نمبر پلیٹ بدل دوں تو کھلی سڑک پر نکلنا آسان ہو جائے گا۔ میرا حلیہ پہلے ہی خاصا بدلا ہوا تھا۔ نمبر پلیٹ بھی بدل لی جائے تو کوئی پولیس مین میری کار کو نہیں روکے گا یکا یک میرا دل امید سے بھر گیا۔ ایک ایسا سکون محسوس ہوا جسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ گو سہارا بہت چھوٹا تھا مگر سہارا تھا اور سہارا خواہ چھوٹا ہی ہو، بہرحال بیش قیمت ہوتا ہے۔

میں نے چابی لی اور جلدی سے باہر نکلا۔ پارکنگ پلاٹ میں بدستور سناٹا تھا۔ میں ادھر ادھر دیکھتا ہوا گاڑی کے پیچھے آیا اور ڈکی ایک جھٹکے سے کھول دی۔

☆☆☆

میں خاموش کھڑا تھا اور میرے چاروں طرف اندھیرا تھا اور سناٹا، ایسا سناٹا جس کی گونج ذہن کی رگوں کو چٹخا دیتی ہے۔ میرا دل ساکت ہو کر رہ گیا تھا لیکن جسم کے ایک ایک عضو پر تھرتھراہٹ طاری تھی۔ خوف، دہشت اور بے کسی اور بدقسمتی کا شدید احساس بوند بوند کر کے میرے دل پر ٹپک رہا تھا۔ میں نے یکا یک ہاتھ اٹھا کر ہونٹوں کو چھوا جو برف کی طرح سرد ہو رہے تھے پھر کنپٹی پر انگلی پھیری جو انگارے کی طرح جل رہی تھی پھر میں نے ڈکی میں دیکھا۔ ڈکی میں ایک ٹارچ مجھے مل گئی تھی اور اس کے روشن دائرے میں وہ جسم پڑا تھا۔ مڑا تڑا، بے روح اور بے جان۔ اس کے گھٹنے مڑ کر پیٹ سے لگے ہوئے تھے۔ ایک ہاتھ کمر کے نیچے دبا ہوا تھا اور دوسرا یوں پھیلا ہوا تھا جیسے رحم اور ہمدردی کی بھیک مانگ رہا ہو۔

لیکن اسے بھیک نہیں ملی تھی۔ اگر مل گئی ہوتی تو یوں اس کا بے جان جسم کار کی ڈکی میں نہ پڑا ہوتا۔ یہ کتنے ستم کی بات ہے کہ جس شخص کی مدد مجھے مصائب سے نجات دلا سکتی اور جسے میں کتنی ہی دیر سے تلاش کر رہا تھا وہ میری کار کی ڈکی میں موجود تھا مگر یہ دوسری بات ہے کہ وہ اب میری مدد نہیں کر سکتا تھا۔ بلکہ کفن دفن کے لیے اب وہ خود مدد کا محتاج تھا۔ میں نے یکا یک جھک کر اس لاش کو چھو کر دیکھا اس کا جسم برف کی طرح یخ تھا اور لاش کی

حالت سے صاف پتہ چلتا تھا کہ اسے مرے ہوئے کافی دیر ہوگئی ہے۔ایک دن یا دو دن یا اس سے بھی زیادہ۔ موسم گو اس دوران گرم رہا تھا لیکن اتنا زیادہ بھی نہیں کہ لاش خراب ہو جاتی۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ اس کی لاش پہلے کہیں اور کسی سرد مقام پر پڑی رہی ہو اور آج ہی کسی وقت ڈکی میں ڈالی گئی ہو، مگر سوال یہ تھا کہ اسے کس نے قتل کیا ہے اور کیوں؟ کیا اس لیے کہ کسی بھی وقت وہ میری مدد کر سکتا تھا یا مدد کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ دوسرا اہم سوال یہ تھا کہ اس کی لاش روز آلبہ کی گاڑی کی ڈکی میں کیونکر پہنچی؟

کیا یہ کام سونیا، روز آلبہ یا کیٹی کا ہوسکتا ہے؟

بچپن میں ایک بار میں کسی عزیز کے ساتھ کسی بڑے شہر میں گیا تھا اور وہاں عجائب خانے میں ایک چھوٹی سی بھول بھلیاں میں جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ پتلی پتلی گلیوں والی وہ چھوٹی سی بھول بھلیاں اتنی پیچیدہ تھی کہ میں رہبر کی مدد کے بغیر باہر نہیں نکل سکا تھا۔ اب اس وقت میرے ساتھ جو واقعات پیش آ رہے تھے وہ اس بھول بھلیاں سے کم نہیں تھے۔ چھوٹی چھوٹی پتلی پتلی پیچیدہ گلیاں تھیں اور میں ان میں گم ہو گیا تھا۔ آخر کیسے باہر نکلوں گا۔ کسی رہبر کی مدد کے بغیر تو نہیں نکل سکتا مگر رہبر کہاں ملے گا۔ میرے اردگرد جو لوگ ہیں، کون جانے ان میں کون رہبر ہے اور کون رہزن!

اس وقت جب میں یہ سب کچھ سوچ رہا تھا، یکا یک میری توجہ ایک اور بات کی جانب گئی اور دہشت سے میری رگوں میں خون کا ایک ایک قطرہ جم گیا۔ نہیں، یہ نہیں ہوسکتا، یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ میں نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور ایک بار پھر رابن کی لاش کو غور سے دیکھا مگر میرا شبہ غلط نہیں تھا۔ رابن کی لاش سے صاف پتہ چلتا تھا کہ اس میں خون کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے۔ ڈکی میں بھی کہیں خون نہیں تھا تو پھر سارا خون کہاں گیا؟ اچانک میری آنکھوں کے آگے جوڈی کی لاش گھوم گئی۔ ٹھنڈی اور زرد، خون کے ایک ایک قطرے سے محروم دونوں لاشوں میں بے حد مماثلت تھی۔ رابن کی لاش بھی ویسی ہی پھیکی اور زرد ہو رہی تھی اور یہ ناممکن تھا کہ جوڈی کی طرح رابن بھی خون کی کمی کا مریض رہا ہو۔ وہ صحت مند نوجوان تھا اور اس کے جسم میں چھ سات پائنٹ خون ہونا چاہیے تھا مگر کہیں خون نہیں تھا۔ اس کا گلا بالکل جوڈی کی طرح کٹا ہوا تھا۔ اس کے باوجود ڈکی میں کون کے ایک مختصر سے دھبے کے سوا کچھ نہیں تھا تو پھر آخر سارا خون کہاں گیا؟

یکا یک میں جھجک کر پیچھے ہٹ گیا اور اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔ خوف کے باعث میرا ذہن مفلوج سا ہو رہا تھا۔ چند لمحے بعد میں نے ڈکی بند کر دی اور پھر ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ سامنے فٹ پاتھ پر ایک لیمپ پوسٹ تھا اور اس کے ساتھ ہی پبلک ٹیلی فون بوتھ بھی نظر آ رہا تھا۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا ٹیلی فون بوتھ میں گیا۔ چھ پنس کا ایک سکہ بکس میں ڈال کر روز آلبہ کے نمبر ڈائل کیے۔ چند لمحے بعد سلسلہ مل گیا اور روز آلبہ کی آواز سنائی دی ''ہیلو، کون ہے؟''

جواب دینے سے پہلے میں نے ایک لمحہ غور کیا۔ پہلے میرا خیال تھا کہ روز آلبہ کو رابن کی لاش کے بارے میں مطلع کروں لیکن پھر میں نے یہ ارادہ بدل دیا۔ چند لمحوں کی کوشش کے بعد میں نے خود کو قدرے سنبھال کر کہا۔

''میں ہوں راجو۔''

''ارے راجو، تم کہاں ہو؟'' اس نے معاً حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔
میں نے دائیں بائیں گردن گھما کر دیکھا اور آہستہ سے کہا'' پتہ نہیں، اس سڑک کا کیا نام ہے۔ آل گیٹ کے آس پاس کہیں ہے۔''
''ہم لوگ تمہاری طرف سے بہت فکر مند ہیں۔ تم ٹھیک تو ہو؟''
''میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' میں نے ایک لحظہ توقف کیا'' پولیس تو نہیں آئی تھی؟''
''وہ لوگ آئے تھے۔'' روز آلبہ نے جواب دیا'' کیپٹن جیفرسن طرح طرح کے سوالات کر رہا تھا۔ میں نے کسی نہ کسی طرح اسے ٹال دیا ہے لیکن اس کی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ پولیس کی درجنوں کاریں تمہیں پورے شہر میں تلاش کر رہی ہیں۔ اس لیے ذرا محتاط رہنا بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ کار کو کسی جگہ چھوڑ دو اور ٹیکسی لے کر ونڈسر چلے جاؤ۔ ورنہ کسی وقت بھی گرفتار کر لیے جاؤ گے۔''
میں نے معاً سوچا کہ اس وقت کیپٹن جیفرسن مجھے گرفتار کرے تو رابن کا قتل بھی میرے سر تھوپ دیا جائے گا۔ یک نہ شد دو شد۔ یعنی دو جانیں لینے کا جرم مجھ پر عائد کیا جائے گا، اور عدالت بلا کسی پس و پیش کے مجھے زندگی بھر کے لیے جیل بھیج دے گی۔ یہ تصور بڑا اذیت رساں تھا۔ میں نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر آہستہ سے کہا
''روز آلبہ! تمہاری اسکورٹ پچھلے دو دن سے کس کے استعمال میں تھی۔''
''ہم سب ہی نے استعمال کی تھی لیکن زیادہ تر باربرا کے استعمال میں رہی تھی۔'' روز آلبہ نے جواب دیا
''کیوں، کیا بات ہے؟''
''کیا تمہیں علم ہے کہ اس دوران کسی نے ڈکی کھولی تھی؟''
''مجھے علم نہیں۔ کم از کم مجھے ضرورت نہیں پڑی تھی۔'' روز آلبہ کے لہجے سے تشویش ظاہر ہو رہی تھی'' کوئی خاص بات ہے راجو، تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''
میں شش و پنج میں پڑ گیا۔ بتاؤں یا نہ بتاؤں۔ میرا ارادہ یہی تھا کہ اسے رابن کی لاش کے بارے میں بتاؤں گا لیکن کسی اندرونی احساس نے مجھے روک دیا۔ اگر لاش دو دن سے ڈکی میں پڑی ہے تو سونیا روز آلبہ لاعلم نہ رہتیں، کسی نہ کسی نے تو ڈکی کو کھولا ہی ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یا تو اس دوران کسی نے ڈکی کو کھولا ہی نہیں، یا پھر لاش آج ہی کسی وقت ڈکی میں چھپائی گئی ہے مگر کیسے؟ دن کے اجالے میں لاش ڈکی میں ڈالنا آسان نہیں۔ میرا ذہن ایک بار پھر الجھنے لگا۔ رابن کا قتل جتنا تعجب انگیز تھا، اس سے زیادہ اس کی لاش کا روز آلبہ کی گاڑی میں ہونا بعید از فہم تھا۔ آخر اس کو کس نے قتل کیا ہے۔ کوئی دوسرا شخص اسے ہلاک کر کے اس کی لاش روز آلبہ کی گاڑی میں کب اور کیسے ڈال سکتا ہے، اسے اتنا موقع کیونکر ملا ہوگا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اس کی موت کی ذمے داری..؟ میں نے یکا یک زور سے سر کو جھٹکا اور ماؤتھ پیس میں آہستہ سے کہا۔
''کچھ نہیں روز آلبہ! میں ویسے ہی پوچھ رہا تھا۔''
روز آلبہ کے طویل سانس لینے کی آواز سنائی دی، پھر اس نے پوچھا'' اب تم کیا کرو گے؟''
''تمہارے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟''
''میری رائے میں مناسب یہی ہے کہ تم فوراً ونڈسر چلے جاؤ۔''

''ونڈسر میں اس مقام کو میں کیسے تلاش کروں گا، جہاں مجھے جانا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میں بتاتی ہوں۔'' روز آلبہ نے جلدی سے کہا ''ونڈسر قلعے کے سامنے رائمل ٹوبیکو شاپ ہے۔ مسٹر اور مسز رائمل ہماری سوسائٹی کے ممبر ہیں۔ ان کی شاپ چونکہ آف لائسنس ہے اس لیے دیر تک کھلی رہتی ہے۔ تم شاپ میں جا کر انہیں صرف اپنا نام بتا دینا، وہ فوراً سمجھ جائیں گے اور تمہیں اس مقام تک پہنچا دیں گے جہاں تم ہر طرح سے محفوظ رہو گے۔''

''بہتر ہے۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''راجو!'' روز آلبہ نے مزید اضافہ کیا ''بہتر تو یہی ہے کہ تم جہاں ہو وہیں ٹھہرو، میں کیٹی یا سونیا کو بھیجتی ہوں۔ تم اس کے ساتھ ونڈسر جاؤ۔ اس طرح آسانی ہوگی۔ تم مجھے سڑک کا پتہ نشان کچھ بتاؤ، میں فوراً کسی کو بھیجتی ہوں۔''

میں نے ایک لمحہ توقف کیا پھر کچھ سوچ کر کہا ''نہیں روز آلبہ! فکر نہ کرو، میں خود ہی پہنچ جاؤں گا۔''

''آل رائٹ ماشوک!'' روز آلبہ نے خوش دلی کا مظاہرہ کیا ''ونڈسر پہنچ کر مجھے فون ضرور کر دینا۔''

میں نے ریسیور کریڈل پر رکھا اور پب سے باہر نکل آیا۔ ابھی اگرچہ زیادہ وقت نہیں ہوا تھا مگر وہ سڑک غالباً خاصے ویران علاقے میں واقع تھی، اس لیے ہر طرف سناٹا طاری تھا۔ اپنی کار کی طرف چلتے ہوئے میں نے ایک نوجوان جوڑے کو دیکھا۔ لڑکی سرو قد اور دبلی پتلی تھی اور دھندلی روشنی میں بہت دلکش نظر آ رہی تھی۔ وہ دونوں غالباً پب سے نکلے تھے اور کافی نشے میں تھے۔ لڑکی نے مجھے بہت غور سے دیکھا اور مسکرا کر ہاتھ ہلایا۔ میں بھی خوامخواہ مسکرا دیا پھر اس وقت تک میں اپنی کار کے نزدیک کھڑا رہا جب تک وہ دونوں اپنی گاڑی میں بیٹھ کر چلے نہیں گئے۔

دس منٹ بعد میں بھی سڑک پر تھا۔ اپنی گاڑی کی نمبر پلیٹ میں نے بدل دی تھی اور اب اس لحاظ سے مجھے خاصا اطمینان تھا کہ پولیس خوامخواہ میری گاڑی کو نہیں روکے گی لیکن اندر سے میں بدستور بہت تذبذب اور منتشر تھا۔ آپ کی گاڑی کی ڈکی میں ایک عدد لاش موجود ہو اور قتل آپ نے نہ کیا ہو تو آپ کی حالت بھی وہی ہوگی جو اس سمے میری تھی۔ اس وقت، اس لمبی، سنسان اور نیم روشن سڑک پر مناسب رفتار سے گاڑی چلاتے ہوئے میں بار بار خود سے پوچھ رہا تھا۔ اب میں کیا کروں، اب میں کیا کروں..... لیکن اس سوال کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ رابن میری مدد کرے گا مگر اب وہ مر چکا تھا اور میری مدد کرنے سے قاصر تھا۔ اس کی لاش گاڑی میں پڑی تھی اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میرا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے۔ ویسے تو میں ونڈسر جا سکتا تھا اور پولیس کی نظروں سے بچ سکتا تھا لیکن کیا مجھے ونڈسر جانا چاہیے؟ روز آلبہ اور سونیا نے بار بار اصرار کیا تھا کہ مجھے وہاں چلے جانا چاہیے، لیکن اس اقدام میں پسپائی اور ہزیمت کا پہلو تھا اس لیے میں ونڈسر نہیں جانا چاہتا تھا۔ جب تک میں سڈنی کو تلاش نہیں کر لوں گا، ونڈسر نہیں جاؤں گا مگر سوال یہ ہے کہ سڈنی کو کہاں اور کیسے تلاش کروں؟

میں نے ایک سگریٹ جلائی اور جھلا کر کہا ''تم ہی کچھ بتاؤ اب میں کیا کروں؟''

وہ نادیدہ، پراسرار اور انجانی ہستی جو ہر وقت میرے ساتھ رہتی تھی، حسب معمول میرے ساتھ تھی اور جب

میں روز آلبہ کے فلیٹ سے نکلا تھا، اس وقت بھی میرے ساتھ تھی۔ میں نے اسے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے محسوس کیا تھا۔ اس کے بعد سے میں مسلسل اس کی موجودگی محسوس کرتا رہا تھا۔ گو وہ مجھے نظر نہیں آتی تھی لیکن میں واضح طور پر محسوس کرتا تھا کہ وہ پچھلی سیٹ پر موجود ہے۔ اگرچہ میں جانتا تھا کہ وہ پراسرار ہستی کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کا جسمانی یا غیر مرئی کسی بھی قسم کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ تو محض میرا وہم ہے۔ میرے لاشعور کا پاگل پن ہے کہ ایک انجانی اور ان دیکھی ہستی کو خوامخواہ اپنے قریب محسوس کرتا ہوں، لیکن جب میں نے جھلا کر اسے مخاطب کیا تو یکا یک ایسا محسوس ہوا جیسے اس نے جواب دیا ہو۔ یکا یک میرے ہونٹ تھرتھرا کر رہ گئے۔ سگریٹ ہاتھ سے چھوٹ گئی اور گاڑی لہرا کر فٹ پاتھ پر چڑھنے سے بال بال بچی، میں نے سٹپٹا کر پیچھے کی جانب دیکھا مگر پچھلی سیٹ خالی پڑی تھی پھر بھی ایسا لگتا تھا کہ وہ وہاں موجود ہے۔ میں نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور پھر اس انداز میں اس کو مخاطب کیا جیسے خود کلامی کا مریض اپنے آپ سے باتیں کرتا ہے۔

''کک..... کیا تم نے کچھ کہا تھا؟''

''ہاں۔''

''کیا کہا تھا؟'' مجھے اپنا دل آہستہ آہستہ ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''یہی کہ اتنا پریشان کیوں ہوتے ہو۔ تمہارے سارے مصائب چند دن میں از خود ختم ہو جائیں گے۔''

میں نے ایک بار پھر ہونٹوں پر زبان پھیری اور دیوانوں کی طرح پچھلی سیٹ کو گھورا۔ میرے نتھنوں سے ایک بے حد خوشگوار، تیز اور فرحت انگیز لیکن غیر مانوس خوشبو ٹکرائی۔ پچھلی سیٹ خالی پڑی تھی، وہاں کوئی نہیں تھا مگر پھر بھی کوئی مجھ سے باتیں کر رہا تھا۔ اگرچہ میں نے کوئی آواز نہیں سنی تھی لیکن اس کا جواب مجھے صاف طور پر محسوس ہوا تھا۔ میں نے غیر یقینی انداز اور سٹپٹائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تم کون ہو؟''

اس بار مجھے کوئی جواب نہیں ملا، کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ البتہ ایک کھنکتی ہوئی ہنسی کا ترنم محسوس ہوا پھر ایک لمحے کے بعد کسی نے کہا۔

''سامنے دیکھو، ورنہ تم گاڑی ٹکرا دو گے۔''

میں جلدی سے گھوما اور اسٹیئرنگ کو سنبھال لیا۔ اس کا کہنا صحیح تھا۔ اگر اس نے بروقت متنبہ نہ کیا ہوتا تو میں نے گاڑی نسبتاً قریبی لیمپ پوسٹ سے ٹکرا دی ہوتی۔ میں نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا جو دھیرے دھیرے اسٹیئرنگ پر کانپ رہے تھے اور میری کلائیوں کا ایک ایک بال سیدھا کھڑا ہو گیا تھا۔ گاڑی سنبھال کر میں نے کہا۔

''خیر تم جو کوئی بھی ہو، سوال یہ ہے کہ میں تمہارے جوابوں کو محسوس کر رہا ہوں، لیکن تمہاری آواز سنائی نہیں دیتی ہے، آخر کیوں؟''

پہلے ہنسی کی آواز محسوس ہوئی، پھر میرے احساس نے اس کا جواب سنا ''پریشان نہ ہو، ایک دن تم میری آواز بھی سنو گے جو تمہارے لیے اجنبی نہیں۔''

''کیا میں تمہاری آواز کو پہچانتا ہوں؟''

''ہاں، یقیناً۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے تمہاری آواز پہلے کہیں سنی ہے۔''

''ہاں۔''

''کہاں اور کب؟''

پھر کوئی جواب نہیں ملا۔ صرف ہلکی سی ہنسی کی کھنک محسوس ہوئی۔ میں نے گردن گھما کر ایک بار پھر پچھلی سیٹ کو گھورا، اس کے بعد نظریں ونڈ اسکرین پر جما دیں۔ دھیرے دھیرے میرے حواس بحال ہو رہے تھے۔ خود اعتمادی جو لمحہ بھر پہلے زائل ہو گئی تھی، واپس آ رہی تھی اور میں محسوس کر رہا تھا کہ خوف زدہ نہیں ہوں۔ وہ جو کوئی بھی تھی، اگر وہ واقعی تھی، تو میں اس سے کچھ زیادہ خوف زدہ نہیں تھا، بلکہ کسی حد تک مانوس سا محسوس کر رہا تھا۔ ایک اور بات جو میرے لاشعور نے واضح طور پر محسوس کی، وہ یہ تھی کہ کوئی مرد نہیں بلکہ عورت ہے اور بلاشبہ بے حد حسین بھی ہو گی۔ اس کی آواز سنے بغیر ہی میں یہ محسوس کر سکتا تھا کہ اس کی آواز بہت نفیس، مترنم اور دلکش ہے۔ جیسے موسیقی کی لہر، جیسے گیت کی لے۔ گو میں نے اس کی آواز نہیں سنی تھی، پھر بھی میں اس کی آواز سے غیر ارادی طور پر لطف اندوز ہو رہا تھا۔ چند ثانیے یونہی گزر گئے پھر میں نے کہا۔

''سوال یہ ہے کہ اب میں کیا کروں؟''

''تم سڈنی کو تلاش کرنا چاہتے ہو۔'' میں نے اس کا جواب محسوس کیا۔

''ہاں۔''

اگلے چند سیکنڈ تک اس کا جواب محسوس نہیں ہوا، پھر یوں لگا، جیسے وہ کہہ رہی ہو ''تمہارا یہ اندازہ درست ہے کہ سڈنی جب تک نہیں ملے گا، تب تک تمہارے مصائب کا خاتمہ نہیں ہو گا مگر سڈنی لندن میں نہیں ہے۔''

''پھر وہ کہاں ہے؟''

''یہ بات میں تمہیں نہیں بتا سکتی۔ آسمانوں پر جو فیصلے ہو چکے اور کتابوں میں جو رقم کیا جا چکا، میں اس سے انحراف نہیں کر سکتی تمہیں خود ہی سڈنی کو تلاش کرنا پڑے گا، اور پھر کتابوں میں لکھی ہوئی پیش گوئی پوری ہو جائے گی۔''

میں نے گردن جھکا کر ونڈ اسکرین سے آسمان کو دیکھا جہاں بادلوں کے چند ٹکڑے بھاگتے پھر رہے تھے۔ آخر آسمانوں پر کیا فیصلہ ہو چکا ہے اور کتابوں میں کیا رقم ہے اور وہ کتابیں کہاں ہیں اور کن لوگوں نے لکھی ہیں اور کیوں لکھی ہیں۔ یہ بعید از عقل اور بے سر و پا باتیں میں پہلے بھی سن چکا تھا۔ نہ میں نے اس وقت وضاحت طلب کی تھی، نہ اس وقت حجت کی۔ اس کے بجائے میں نے جھلا کر کہا۔

''سنو، مجھ سے آسمانوں کی نہیں، زمین کی بات کرو، میں سڈنی کو ڈھونڈنا چاہتا ہوں۔''

یکا یک ایک طویل سانس محسوس ہوئی پھر اس کا جواب میرے احساس سے ٹکرایا ''تم سے سونیا نے موی کا ذکر کیا تھا۔''

''ہاں، ہاں۔ وہ ڈاکٹر جوشوا کے اسپتال میں نرس ہے۔''

''تمہاری اس کے متعلق کیا رائے ہے؟''

''میرا خیال ہے، وہ جھوٹ بول رہی ہے۔'' میں نے سوچ کر کہنا شروع کیا ''اس کے بیان میں کئی خامیاں ہیں۔ سب سے بڑی خامی تو یہی ہے کہ اس کے بیان کے مطابق سڈنی اپنے کمرے میں صبح نہیں تھا۔ سوال یہ ہے کہ اسے صبح سویرے فرار ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر وہ رات بھر اسپتال میں رہا تھا تو اسے جوڈی کی موت کا علم کیونکر ہو سکتا تھا؟''

''تمہیں سڈنی کے بارے میں مومی سے معلوم ہو سکتا ہے۔''

میں نے چونک کر گردن گھمائی اور پچھلی سیٹ کو جو خالی پڑی تھی، گھورا۔ یہ میں نے کیا محسوس کیا ہے۔ کیا واقعی اس نے یہی کہا تھا۔ آخر یہ خیال مجھے پہلے کیوں نہیں آیا تھا۔ مومی کو اگر سڈنی کا ٹھکانہ معلوم ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہوگی۔ کیونکہ اگر اس کا بیان غلط ہے تو پھر اسے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ جھوٹ بولنے کا ایک ہی سبب ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ اس سارے معاملے میں وہ سڈنی کے ساتھ شریک ہے چنانچہ اسے یہ بھی معلوم ہوگا کہ سڈنی کہاں روپوش ہے۔ میں نے ایک نئے جوش اور ولولے کے ساتھ معاً گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔

''تم ہو یا نہیں ہو، یہ بات مجھے نہیں معلوم، لیکن اگر تم ہو تو تمہارا نام کیا ہے؟''

ایک بار پھر کھنکتی ہوئی ہنسی کی مترنم آواز محسوس ہوئی پھر اس نے کہا ''جلد ہی تمہیں میرا نام بھی معلوم ہو جائے گا۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم واقعی ہو۔''

''ہاں، میں ہوں۔'' اس کی آواز محسوس ہوئی ''لیکن میں کون ہوں اور کیا ہوں، یہ ایک لمبی داستان ہے۔ وقت آنے پر یہ داستان تمہیں فوراً ہی معلوم ہو جائے گی، پریشان نہ ہو۔'' اس کے بعد یوں لگا جیسے اس نے آہستہ سے کہا ہو۔

''ایمن۔''

میں پھر کچھ نہیں بولا۔ اپنی ساری توجہ گاڑی چلانے پر مرکوز کر دی۔ آل گیٹ سے نکل کر اب میں زیادہ مصروف سڑک پر آ گیا تھا۔ یہاں روشنی زیادہ تھی اور ٹریفک بھی زیادہ تھی۔ میں خاصی تیز رفتار سے گاڑی چلاتا رہا اور محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ روز آلبہ نے بتایا تھا کہ پولیس کی درجنوں کاریں مجھے تلاش کر رہی ہیں۔ کیپٹن جیفرسن جیسے ذمے دار اور ذہین پولیس افسر سے اس کے سوا اور کوئی توقع بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ مجھے جب بھی کوئی پولیس کار نظر آئی میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگتا۔ کم بخت کہیں روک نہ لے، مگر میری کار کی نمبر پلیٹ بدلی ہوئی تھی اور لندن میں سیکڑوں ایسکورٹ کاریں تھیں۔ وہ محض شبے کی بنا پر کار کو نہیں روک سکتے تھے، اس لیے کسی نے مجھے نہیں روکا اور میری کار آگے بڑھتی رہی۔

سونیا نے جب مومی کا ذکر کیا تھا تو اس نے ڈاکٹر جوشوا کے اسپتال کا پتہ بھی بتایا تھا۔ کوئی نصف گھنٹے بعد میں اسپتال پہنچ گیا۔ یہ ایک چھوٹی سی پرانی عمارت تھی، جسے ڈاکٹر جوشوا نے پرائیویٹ اسپتال میں تبدیل کر دیا تھا۔ یہ علاقہ لندن کے کم تر درجے کے علاقوں میں سے ایک تھا۔ یہاں چائنیز، ویسٹ انڈین اور ہندوستانیوں کی آبادی نسبتاً زیادہ تھی، اور شاید اسی بنا پر صفائی کا معیار تسلی بخش نہیں تھا۔ میں نے گاڑی اسپتال کے سامنے کھڑی

کی اور اسپتال کی عمارت میں داخل ہوگیا۔ مومی ڈیوٹی پر نہیں تھی کیونکہ اس روز اس کا چھٹی کا دن تھا مگر مجھے کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ گیٹ بوائے ایک ویسٹ انڈین تھا۔ دبلا پتلا اور مدقوق سا۔ اس کی حالت سے صاف پتہ چلتا تھا کہ چرس یا کوکین کا عادی ہے۔ میں نے جب اسے دس پونڈ کا نوٹ دکھایا تو اس کی آنکھیں جگنو کی طرح چمکنے لگیں۔ اس نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

''یہ تو دس پونڈ کا نوٹ ہے۔''

''اور یہ تمہاری جیب میں جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ مومی کا پتہ بتانے کی زحمت کرو۔'' میں نے کہا۔

''ہے مین، آخر معاملہ کیا ہے۔'' اس نے مجھے غور سے دیکھا۔

میں نے آنکھ مار کر کہا ''اب کیا یہ بھی سمجھانا پڑے گا؟''

وہ مسکرایا ''مگر مومی تو معمولی سی عورت ہے۔ نہ خوب صورت ہے، نہ سیکسی، تم کہو تو میں تمہیں بہت خوب صورت ''برڈ'' سے ملوا سکتا ہوں۔ ینگ، چارمنگ، اینڈ سیکسی۔''

''پھر کبھی سہی، آج تو مجھے مومی ہی سے ملنا ہے۔'' میں نے کہا۔

کچھ دیر بعد پھر میری گاڑی سڑک پر تھی۔ دس پونڈ کا نوٹ گیٹ بوائے کی جیب میں پہنچ چکا تھا اور مومی کا پتہ میرے پاس تھا۔ خوش قسمتی سے اس کی رہائش گاہ وہاں سے کچھ زیادہ دور نہیں تھی۔ میں دس منٹ میں وہاں پہنچ گیا۔ ویران سی اسٹریٹ تھی۔ زیادہ تر مکانات پرانے اور بوسیدہ تھے لیکن دو عمارتیں چھ منزلہ تھیں اور ان میں سے ایک میں مومی کا فلیٹ تھا، عمارت کا نام پڑھنا ممکن نہ تھا کیونکہ حروف مٹ گئے تھے۔ میں نے ایک تاریک گوشے میں گاڑی کھڑی کی اور عمارت کی جانب چل پڑا اور پھر اس وقت جب لفٹ مجھے لے کر اوپر جارہی تھی ایک بار پھر میرے دل میں امید و بیم اور وسوسوں نے سر ابھارنا شروع کیا۔ اگر مومی اپنے فلیٹ میں نہ ہوئی، اگر اس نے سڈنی کا پتہ بتانے سے انکار کردیا تو..... تو میں کیا کروں گا۔ لفٹ اوپر چل رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا اگر بدقسمتی پھر کوئی چال چل گئی تو میں آخر کب تک اندھیرے میں بھٹکتا رہوں گا مگر اس سوال پر سر کھپانا بیکار ہی تھا۔ جب تک مومی نہ ملے، تب تک میں اپنے اگلے اقدام کے بارے میں کوئی بات کیونکر طے کرسکتا تھا۔

لفٹ رکی تو میں باہر نکلا۔ یہ چھٹی منزل تھی اور مومی کے فلیٹ کا نمبر سات تھا۔ راہداری سنسان پڑی تھی..... یا تو اس منزل پر سارے فلیٹ آباد نہیں تھے اور یا پھر لوگ شام کی تفریح کے لیے باہر چلے گئے تھے۔ مجھے یہ سناٹا اچھا معلوم..... ہوا کیونکہ یہ میرے لیے مفید تھا۔ ممکن ہے کوئی ناخوشگوار صورت حال پیش آئے۔ اس صورت میں یہ سناٹا میرے لیے بہتر ثابت ہوسکتا تھا۔

چند منٹ بعد سات نمبر کے دروازے پر پہنچ گیا۔ یہ فلیٹ عمارت کے پچھلے حصے میں تھا۔ کھڑکیوں کے شیشے دیکھ کر مجھے حوصلہ ہوا کہ کوئی نہ کوئی اندر ضرور موجود ہے پھر میں نے دروازے پر دستک دی اور انتظار کرنے لگا۔ وہ لمحے بہت بھاری تھے اور میرے دل پر آہستہ آہستہ کچوکے لگا رہے تھے۔ میں امید کا بہت ہی کمزور دھاگہ پکڑے ہوئے تھا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ دھاگہ اچانک ٹوٹ جائے اور میں ناکامی کی لاانتہا گہری، اندھی کھائی میں جا گروں، دو منٹ کا وقفہ کتنی دیر میں گزرا، مجھے کچھ اندازہ نہیں پھر قدموں کی ہلکی سی چاپ ابھری بولٹ کھلنے کی آواز سنائی دی اور پھر دروازہ تھوڑا سا کھلا۔ چونکہ اندر کی جانب زنجیر لگی ہوئی تھی۔ اس لیے دروازہ زیادہ نہیں کھل

سکتا تھا پھر ایک بھرائی ہوئی نسوانی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔
''کون ہے؟''
''میرا نام گلیڈ ہے اور مجھے سڈنی نے بھیجا ہے۔''
''لیکن میں تمہیں نہیں جانتی۔'' اس نے کہا۔
''میں بھی تمہیں بھی نہیں جانتا۔'' میں نے ذرا چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا ''لیکن مجھے سڈنی نے بھیجا ہے۔ کیا تم مومی ہو؟''
''ہاں۔''
''دروازہ کھولو، میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔''
چند ساعت خاموشی رہی۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ تذبذب میں ہے پھر اس نے زنجیر کا ہک ہٹا کر دروازہ کھول دیا۔ میں اندر داخل ہوا مومی مجھے حیرت اور کشمکش کے انداز میں دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک معمولی سی عورت تھی۔ ایک ایسی عورت جس سے دوستی تو کی جاسکتی تھی مگر عشق نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس کا قد چھوٹا اور جسم دبلا پتلا تھا اور اس بنا پر وہ اپنی اصلی عمر سے کافی کم نظر آتی تھی۔ اس کا جائزہ لے کر میں نے کمرے پر نظر ڈالی۔ کمرے کی آرائش سے کسی خوش ذوقی کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ معمولی سا فرنیچر تھا۔ قالین کافی پرانا تھا اور جگہ جگہ سے بوسیدہ ہو گیا تھا۔ گلدان میں پلاسٹک کے پھول سجے تھے، جنہیں مدتوں سے دھویا نہیں گیا تھا اور اس بنا پر وہ بے حد گرد آلود ہو رہے تھے۔ دیواروں پر جذبات کو بھڑکانے والی سستی قسم کی نیم عریاں تصویریں لگی تھیں۔ میں نے سرسری نظر سے ہر چیز کا جائزہ لیا، اور پھر مومی کے چہرے پر نظریں جما دیں۔
مومی کی آنکھوں میں کئی سوال تھے۔ مجھے متوجہ پا کر اس نے پہلا سوال کیا۔
''میں نے تمہیں سڈنی کے ساتھ کبھی نہیں دیکھا۔''
''اسے محض اتفاق ہی سمجھو۔'' میں نے رواروی کے انداز میں کہا۔
''بہرحال تمہیں کیا کام ہے؟''
''کچھ چیزیں درکار ہیں۔''
''کیا؟'' وہ اندرونی کمرے کی جانب بڑھتے ہوئے بولی۔
ہم دونوں دوسرے کمرے میں پہنچے جو دراصل رہائشی کمرا تھا۔ اس کی سجاوٹ بھی پہلے کمرے سے بہتر نہیں تھی۔ وسط میں ایک صوفہ پڑا تھا اور اس کے سامنے ٹیبل پر وہسکی کی بوتل اور ایک گلاس رکھا تھا۔ گلاس میں کوئی دو انچ شراب موجود تھی، گویا میری آمد سے پہلے مومی شراب پی کر تنہائی کا غم غلط کر رہی تھی۔ میں نے وہسکی کی نصف خالی بوتل کو اور پھر مومی کے چہرے کو غور سے دیکھ کر کہا۔
''لگتا ہے تم شراب بہت پیتی ہو۔''
اس نے لاپرواہی سے گلاس اٹھا کر ایک گھونٹ بھرا ''تم چاہو تو شریک ہو سکتے ہو۔ شراب اکیلے پینے میں کچھ زیادہ مزہ نہیں آتا۔'' اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔
''نہیں۔'' میں نے سر ہلایا ''میں اس وقت وہسکی نہیں پی سکتا۔''

''خیر!'' اس نے شانوں کو جنبش دی ''تم کیوں آئے ہو، سڈنی نے تمہیں کیوں بھیجا ہے؟''
میں نے ایک لمحہ توقف کیا، پھر براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا ''مجھے سڈنی نے نہیں بھیجا ہے۔''
اس نے جلدی سے گلاس میز پر رکھ دیا ''مگر تم کہہ رہے تھے کہ.....؟''
''نہیں۔'' میں نے بات کاٹ کر کہا ''میں نے جو کچھ کہا تھا غلط کہا تھا۔ نہ میرا نام گلیڈ ہے اور نہ مجھے سڈنی نے بھیجا ہے۔''
''پھر تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟'' مومی نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ایک لمحہ پہلے اس کے چہرے پر نشے اور بیزاری کی ملی جلی کیفیت تھی مگر اب وہاں خوف اور پریشانی کے سائے لرز رہے تھے اور آنکھوں کی چمک اچانک دھندلا گئی تھی۔
''میں جاننا چاہتا ہوں کہ سڈنی کہاں ہے؟''
مومی نے فوری طور پر کچھ نہیں کہا، اس نے تھرتھراتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیری اور بے چینی سے مجھے گھورا۔ اس کی اندرونی کشمکش اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہی تھی۔ چند لمحے ٹھہر کر اس نے کہا۔
''تم کون ہو؟''
''یہ جان کر تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔'' میں نے جواب دیا ''بہتر ہے کہ تم سڈنی کا پتہ بتا دو۔''
''مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہے۔'' مومی نے کہا ''وہ میری لاعلمی میں اسپتال سے بھاگ گیا تھا۔''
''تم صریحاً جھوٹ بول رہی ہو۔'' میرا لہجہ تلخ اور کھردرا تھا، اور اس میں کوئی ایسی بات تھی کہ مومی گھبرا کر مجھے دیکھنے لگی لیکن میں اپنی دھن میں کہتا رہا ''سڈنی اسپتال میں تھا اور صبح اخبار کی آمد سے پہلے اسے جوڈی کی موت کا علم نہیں ہو سکتا تھا مگر تمہارے بیان کے مطابق وہ صبح منہ اندھیرے ہی فرار ہو گیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیوں؟ اسے خوامخواہ فرار ہونے اور پھر روپوش ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ وجہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ جوڈی کو اسی نے قتل کیا ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ وہ کہاں ہے؟''
مومی غالباً غیر ارادی طور پر جھجک کر ایک قدم پیچھے ہٹی ''مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہے۔''
''اگر تمہیں نہیں معلوم تو پھر اس کا نام سن کر تم نے دروازہ کیوں کھولا تھا؟'' میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔
مومی نے کچھ کہنے کی کوشش کی، مگر اس کے ہونٹ کانپ کر رہ گئے۔ میں نے ایک لمحے کے بعد پھر پوچھا۔
''تم اس سے محبت کرتی ہو اور غالباً اسی بنا پر اسے بچانے کی کوشش کر رہی ہو، لیکن تمہیں کوئی اندازہ نہیں کہ تمہارا یہ اقدام کسی بے گناہ کو ہمیشہ کے لیے جیل بھیج دے گا، کیا تم یہ پسند کرو گی؟''
اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور الجھی ہوئی نظروں سے مجھے گھورا ''تم وہی آدمی تو نہیں ہو جسے پولیس تلاش کر رہی ہے۔''
میں نے کچھ نہیں کہا۔ کچھ کہنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ بہرحال سمجھ چکی تھی کہ میں کون ہوں اور سڈنی کو کیوں تلاش کر رہا ہوں، چنانچہ اچانک اس کا رویہ بدل گیا۔ اس نے خشک اور تیکھے لہجے میں کہا ''مجھے نہیں معلوم کہ سڈنی کہاں ہے۔''

''تمہیں معلوم ہے، تم جھوٹ بول رہی ہو۔''

''گیٹ آؤٹ۔'' یکا یک اس نے چلا کر کہا۔

لیکن میں اس لیے تو وہاں نہیں گیا تھا کہ اس کی ڈانٹ سن کر چپ چاپ واپس چلا آتا۔ مجھے سڈنی کا پتہ چاہیے تھا اور مومی کو اس کا پتہ معلوم تھا، اور وہ یہ پتہ مجھے ہر حال میں معلوم کرنا تھا۔ چنانچہ میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور سو پونڈ کے کچھ نوٹ برآمد کیے۔ کبھی کبھی گھی سیدھی انگلیوں سے نہیں نکلتا، اور تب انگلیاں ٹیڑھی کرنی پڑتی ہیں۔ انگلیاں ٹیڑھی کرنے کے کئی طریقے ہوتے ہیں، جن میں سے ایک اس وقت میں مومی پر آزما رہا تھا۔ روز آلبہ اور ہاربرا کی دی ہوئی رقم بہر حال کام آ رہی تھی مگر مومی کے متعلق میرا اندازہ غلط نکلا۔ ڈاکٹر جوشوا کے اسپتال کا گیٹ بوائے تو موم کی طرح پگھل گیا تھا لیکن مومی پتھر کی طرح سخت ثابت ہوئی۔ جب میں نے سو پونڈ کے نوٹ اس کے سامنے رکھے تو اس نے کچھ ایسی طنزیہ نظروں سے مجھے گھورا گویا میں دنیا کا سب سے احمق آدمی تھا پھر اس نے سارے نوٹ اٹھا کر میرے منہ پر مار دیئے اور چلا کر بولی۔

''تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ، ورنہ میں شور مچا دوں گی۔''

جس طرح مومی کے متعلق میرا قیاس غلط نکلا تھا، اسی طرح وہ مجھے غلط سمجھی تھی۔ اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ ایک ایسے آدمی کی ذہنی کیفیت کیسی ہوتی ہے جو ہر طرف سے خطرے میں گھرا ہوا ہو۔ ایسا آدمی ہر قدم اٹھا سکتا ہے، چنانچہ میرا ہاتھ بھی اچانک گھوم گیا۔ کمرے میں ''چٹاخ'' کی آواز کے ساتھ مومی کی چیخ بھی گونجی۔ تھپڑ شاید کچھ زیادہ ہی بھرپور تھا، کیونکہ مومی لڑکھڑا کر پیچھے ہٹی اور پھر فرش پر گر پڑی۔ میں نے جھپٹ کر اسے پکڑنے کی کوشش کی مگر وہ بجلی کی طرح تڑپتی ہوئی پیچھے ہٹی اور پھر اٹھ کر دوسرے کمرے کی جانب بھاگی۔ میرا رویہ اس کے لیے یقیناً غیر متوقع تھا۔ خود مجھے بھی اپنے آپ سے ایسا قدم اٹھانے کی امید نہیں تھی مگر اس وقت میرا ہر فعل غیر اختیاری اور غیر ارادی تھا۔ میں دیوانوں کی طرح دوڑتا ہوا مومی کے پیچھے پیچھے دوسرے کمرے میں پہنچا۔ وہ بدستور زور زور سے مدد کے لیے چیخ رہی تھی لیکن آس پاس کے فلیٹس میں یا تو کوئی نہیں تھا یا کسی نے اس کی آواز نہیں سنی پھر جب وہ کمرے کا بیرونی دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔ تب میں نے پیچھے سے اس کے بال پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔ مومی کے حلق سے ایک اور دلدوز چیخ نکلی، پھر میں اسے گھسیٹتا ہوا کمرے کے وسط میں لایا اور دھکا دے کر صوفے پر گرا دیا۔ مومی نے تڑپ کر اٹھنے کی کوشش کی مگر اتنی دیر میں میں اس کی گردن پکڑ چکا تھا۔ میری انگلیاں اس کی پتلی سی گردن میں بری طرح پیوست تھیں اور میں اس کے تڑپتے، مچلتے بدن کو دیکھ رہا تھا۔ اس وقت میری عجیب حالت تھی۔ میں شاید اپنے ہوش میں نہیں تھا۔ شاید سچ مچ دیوانہ ہو گیا تھا۔ میرا دل زور زور سے دھڑ دھڑا رہا تھا اور میری آنکھیں جل رہی تھیں اور غصے، نفرت اور انتقامی کیفیت نے میری رگ رگ میں آگ لگا دی تھی۔ اس وقت میری انگلیوں کی گرفت میں اس عورت کی گردن تھی جسے سڈنی کا پتہ معلوم تھا، جو مجھے سڈنی تک پہنچا سکتی تھی اور پھر سڈنی کا اقبالی بیان مجھے ناکردہ جرم کے جہنم سے نکال سکتا تھا۔ میں اس وقت اس عورت کے ساتھ کوئی بھی سلوک کر سکتا تھا حتیٰ کہ اسے قتل بھی کر سکتا تھا۔ وہ شخص جو میرے اندر بیٹھا تھا، ہر قدم اٹھانے کو تیار تھا اور میں اس کے آگے بے بس تھا۔ میں خود کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ میں اس وقت بہر حال اپنے اندر چھپے ہوئے شخص کا تابع فرمان تھا۔

میں نے اس کی گردن پر تھوڑا سا اور دباؤ ڈالا۔ مومی کی آنکھیں یکا یک پھیل گئیں اور حلق سے خرخراہٹ کی آوازیں نکلنے لگیں۔ دہشت اس کے چہرے پر دائرے بنا رہی تھی۔ میں نے دوسرے ہاتھ سے دو تین تھپڑ اس کے گالوں پر جمائے اور پھر جھک کر بے حد کمینگی اور سنگدلی کے ساتھ کہا۔

''سنو میری جان! تم جوان ہو اور میرا خیال ہے کہ ابھی مرنا پسند نہیں کرو گی، لیکن اگر تم نے زبان نہیں کھولی تو پھر اس قابل نہیں رہو گی کہ تمہارے ان رسیلے ہونٹوں کو کوئی چوم سکے۔''

مومی ایک بار پھر مچلی۔ اس نے دونوں ہاتھ زور زور سے صوفے پر ٹیکے اور پھر نفی میں گردن کو جنبش دی۔

میں نے اس کے گال پر اتنی زور سے تھپڑ مارا کہ اس کا ہونٹ پھٹ گیا اور خون رسنے لگا پھر میں نے انگلیوں کی گرفت اور سخت کر دی اور دوسرے ہاتھ سے اس کے بال پکڑ کر زور سے کھینچے۔ مومی کا جسم اس طرح پھڑ پھڑایا جیسے اس کا دم نکل رہا ہو، مگر مجھے اس پر ذرا بھی ترس نہیں آیا۔ میں نے مسکرا کر کہا۔

''تم اسی طرح تڑپتی رہو گی اور میں گردن دباتا رہوں گا۔ حتیٰ کہ تم مر جاؤ گی اور تمہاری یہ جوانی مٹی میں مٹی ہو جائے گی۔ سمجھیں میری جان!''

مومی کی پھٹی پھٹی آنکھیں رفتہ رفتہ بے رونق ہو رہی تھیں۔ ساتھ ہی اس کے چہرے کا رنگ بھی پھیکا پڑتا جا رہا تھا۔ ابھی تک غالباً اسے امید تھی کہ میں آخر کار تھک ہار کر اسے چھوڑ دوں گا مگر جیسے جیسے میں اس کی گردن دباتا گیا ویسے ویسے اسے یقین ہوتا گیا کہ میرے الفاظ محض دھمکی نہیں ہیں بلکہ سچ مچ اسے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں، اور جب اسے یقین ہو گیا تو اس نے معاً اپنے چہرے کو جنبش دی اور کٹی پھٹی آواز میں آہستہ سے کہا۔

''ٹھہرو، میں بتاتی ہوں۔''

میں نے اس کی گردن چھوڑ دی۔ وہ اٹھ کر صوفے پر بیٹھ گئی اور کچھ ایسی سراسیمہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگی جیسے مجھے نہیں کسی آسیب کو دیکھ رہی ہو۔ اس کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی۔ سارے جسم پر تشنج کی سی کیفیت طاری تھی۔ ایک ایک عضو کانپ رہا تھا اور اسے بات کرنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ اس کے حواس بحال ہونے میں کچھ دیر لگ جائے گی۔ چنانچہ میں نے ایک گلاس میں تھوڑی وہسکی اور پانی ملا کر اسے دیا پھر ایک سگریٹ جلا کر دی اور ایک کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

مومی وہسکی پیتی اور مجھے دیکھتی رہی۔ آہستہ آہستہ اس کی حالت معمول پر آ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

''تم کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟''

''جوڈی کا قاتل کون ہے، کیا سڈنی؟'' میں نے ایک لمحہ غور کرنے کے بعد پوچھا۔

''نہیں، اسے سڈنی نے قتل نہیں کیا ہے۔'' مومی نے جواب دیا۔

''تو پھر وہ اسپتال سے کیوں بھاگا تھا، اسے خوامخواہ فرار ہونے کی کیا ضرورت تھی؟'' میں نے جرح کے انداز میں کہا ''اگر وہ رات بھر اسپتال میں رہا تھا تو پھر بہ آسانی جائے واردات سے اپنی غیر موجودگی کو ثابت کر سکتا تھا۔ اسے بھاگنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''وہ رات بھر اسپتال میں نہیں رہا تھا۔'' مومی نے جواب دیا ''وہ جوڈی کے فلیٹ میں گیا تھا اور اسی بنا پر

اسے روپوش ہونا پڑا۔"

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر پوچھا "وہ کس وقت جوڈی کے فلیٹ میں گیا تھا؟"

مومی نے وہسکی کا ایک گھونٹ لیا اور پر خیال نظروں سے خلا میں دیکھتی رہی "وہ شام کے بعد اسپتال گیا تھا۔ ڈاکٹر جوشوا پانچ بجے چلے جاتے ہیں۔ ان کے جانے کے کوئی دو ڈھائی گھنٹے بعد وہ اسپتال سے گیا تھا۔ اس نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ کہاں اور کیوں جا رہا ہے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ میں ایک کام سے جا رہا ہوں اور دس بجے تک واپس آ جاؤں گا پھر کوئی ساڑھے دس بجے واپس آیا تھا اور مجھے جوڈی کے قتل کی اطلاع دی تھی۔ اس کے بیان کے مطابق جب وہ جوڈی کے فلیٹ میں پہنچا تو وہاں اس کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ کسی نے گلا کاٹ کر اسے ذبح کر ڈالا تھا۔"

"اور تمہیں یقین ہے کہ اسے سڈنی نے قتل نہیں کیا تھا؟"

"نہیں، کیونکہ اگر اس نے ایسا کیا ہوتا تو مجھے ضرور بتا دیتا۔"

میں چپ رہا، مومی کی اس دلیل میں کوئی وزن نہیں تھا۔ کوئی بھی شخص قتل جیسا جرم کرنے کے بعد خوامخواہ کسی کو نہیں بتا دیتا لیکن مومی سے جرح کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ عورتیں عموماً ان لوگوں کی باتیں مان لیتی ہیں، جن سے ان کا ذہنی یا جسمانی ربط ہوتا ہے میں نے کچھ دیر خاموش رہ کر کہا "اگر وہ قاتل نہیں ہے تو پھر فرار کیوں ہوا؟"

"کیونکہ سڈنی اپنے آپ کو بے گناہ ثابت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بہر حال جوڈی کے فلیٹ میں گیا تھا اور پولیس یہ بات بہر حال معلوم کر لیتی، پھر اسے گرفتار کر لیا جاتا۔ جوڈی کا قتل ایک گہری سازش ہے جس میں اسے پھانسا گیا ہے۔"

"کیسی سازش؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم، یہ بات سڈنی نے نہیں بتائی۔"

میں نے مسکرا کر مومی کو دیکھا۔ سڈنی یہ بات بتا بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ اگر کوئی سازش تھی تو یہ تھی کہ سڈنی نے جوڈی کا گلا کاٹ کر مجھے پھنسانے کی کوشش کی تھی جس میں وہ فی الحال سو فیصد کامیاب نظر آتا تھا لیکن یہ بات مومی کو بتانا بے سود ہوتا چنانچہ میں نے بہت سوچ کر پوچھا۔

"اور یہ سازش کن لوگوں نے کی ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم، لیکن سڈنی کہتا تھا کہ اس کے کچھ پرانے دشمن ہیں، جو اسے پھنسانا چاہتے ہیں۔"

"سڈنی اب کہاں ہے؟"

مومی نے فوری طور پر کچھ نہیں کہا۔ اس نے گلاس کی بچی کھچی وہسکی حلق میں انڈیلی پھر ایک سگریٹ جلائی اور کش لے کر مجھے گہری نظروں سے گھورا۔ وہ اچانک ہراساں اور تذبذب سی ہو گئی تھی "میں تمہیں وہاں لے چلوں گی لیکن اس کے بعد میرا کیا ہوگا۔" آخر کار اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"مطلب یہ کہ وہ لوگ مجھے جان سے مار ڈالیں گے۔ تم سڈنی اور اس کے ساتھیوں کو نہیں جانتے، وہ بہت

ظالم اور سفاک لوگ ہیں۔ اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ میں نے تمہیں سڈنی کا پتہ بتایا ہے تو بڑی سنگدلی سے مجھے مار ڈالیں گے۔''

میں دل ہی دل میں مسکرایا۔ بعض عورتیں کتنی احمق ہوتی ہیں۔ ابھی ابھی مومی نے کہا تھا کہ جوڈی کو سڈنی نے قتل نہیں کیا، اور اب خود ہی بتا رہی ہے کہ سڈنی اور اس کے ساتھی بے حد سنگ دل اور سفاک لوگ ہیں۔ اگر سڈنی سنگدل ہے تو کیا وہ جوڈی کو قتل نہیں کر سکتا ؟ میں چپ رہا اور سوچتا رہا۔ اگر مومی کی بات درست ہے تو پھر واقعی اس کی جان خطرے میں پڑ جائے گی اور اس صورت میں اس کی جان بچانا میرا فرض ہے۔ کچھ دیر ٹھہر کر میں نے کہا ''بہتر ہے کہ تم میرے ساتھ چلو، میں تمہاری جان کے تحفظ کا وعدہ کرتا ہوں۔''

مومی نے مجھے دیکھا اور ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''سڈنی کہاں ہے؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''ونڈسر میں۔'' اس نے آہستہ سے جواب دیا۔

''ونڈسر میں!'' میں نے چونک کر مومی کو گھورا۔ یہ کیسی عجیب بات ہے، اتفاقات کا کھیل بھی کیسا دلچسپ ہوتا ہے۔ پولیس اور قانون کی دسترس سے بچنے کے لیے روز آلبہ اور بار برا نے مجھے ونڈسر جانے کا مشورہ دیا تھا لیکن میں کسی نہ کسی وجہ سے ٹالتا رہا تھا مگر اب سڈنی بھی وہیں ہے۔ گویا مجھے ونڈسر جانا ہی پڑے گا۔ ایسا لگتا ہے کہ میرے لیے لندن کی ساری سڑکیں صرف ونڈسر کی طرف جا رہی ہیں مگر ونڈسر میں کیا ہے۔ کیا وہاں مجھے ان مصائب سے نجات مل جائے گی یا مزید مصائب وہاں میرا انتظار کر رہے ہیں۔ کون جانے، آنے والے دنوں کا کھیل، اچھا ہو یا برا، اندھیرے کی چادر میں مستور ہے، اور جب تک میں ونڈسر نہیں جاؤں گا، یہ عقدہ نہیں کھلے گا۔ میں نے یکا یک اٹھتے ہوئے کہا۔

''آل رائٹ بے بی! ہم ابھی ونڈسر چل رہے ہیں۔''

کچھ دیر بعد ہماری گاڑی روشنیوں سے جگمگاتی سڑک پر بھاگ رہی تھی۔ ونڈسر لندن سے زیادہ دور نہیں ہے لیکن دن اور رات کے کچھ اوقات ایسے ہیں، جب ٹریفک کے باعث تھوڑا فاصلہ بھی بہت دیر میں طے ہوتا ہے۔ اس وقت بھی کچھ ایسی ہی صورت تھی۔ بار بار سرخ ٹریفک لائٹ راستے میں حائل ہوتی اور مجھے کار روکنی پڑتی۔ مومی میرے برابر والی سیٹ پر بیٹھی تھی اور خاموش تھی۔ فلیٹ سے نکل کر ہم دونوں نے پھر کوئی گفتگو نہیں کی تھی حالانکہ میں اس سے کئی باتیں پوچھنا چاہتا تھا۔ سڈنی، روز آلبہ اور سونیا کے بارے میں اور رابن کے بارے میں، رابن کی لاش بدستور ڈکی میں پڑی تھی اور سر دست میں یہ طے نہیں کر سکا تھا کہ لاش کو کہاں اور کیسے ٹھکانے لگاؤں گا۔ ممکن ہے مومی کو رابن کی موت سے متعلق کوئی بات معلوم ہو۔ مجھے معلوم تھا کہ اس کی ہلاکت کی ذمے داری بھی بہر حال سڈنی پر عائد ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے خود رابن کو قتل نہ کیا ہو، مگر یہ کام اس کا کوئی ساتھی بہ آسانی کر سکتا تھا، اور اس بات کا مومی کے علم میں ہونا ناممکن نہیں تھا، لیکن میں نے اس سے نہیں پوچھا، چپ چاپ گاڑی چلاتا رہا۔ مومی بھی خاموشی سے سگریٹ پیتی رہی۔ بے چینی اس کے چہرے پر کہانیاں لکھ رہی تھی۔ شاید وہ اس شش و پنج میں مبتلا تھی کہ جو قدم اس نے اٹھایا ہے، وہ درست ہے یا نہیں۔ سڈنی کا پتہ مجھے بتا کر کہیں اس نے غلطی تو نہیں کی۔ مگر اس کے پاس اس کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔

کچھ دیر میں ہم مصروف سڑکوں سے نکل آئے اور تب میں نے رفتار بڑھا دی۔ میرے بائیں جانب چند میل کے فاصلے پر ائر پورٹ تھا اور میری نگاہ ایک دیو پیکر طیارے پر جمی ہوئی تھی جو غالباً پی آئی اے کا تھا اور ابھی ابھی فضا میں بلند ہوا تھا اور کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح اوپر اٹھتا چلا جا رہا تھا۔ لندن کا ہیتھرو ائر پورٹ دنیا کا مصروف ترین ائر پورٹ ہے۔ یہاں ہر سیکنڈ پر ایک جہاز یا تو اترتا ہے یا پرواز کرتا ہے۔ اس وقت پی آئی اے کے سبز و سفید طیارے کو دیکھ کر میرے دل میں ایک عجیب سی حسرت نے سر ابھارا۔ میں نے سوچا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر سیدھا ائر پورٹ جاؤں اور کسی جہاز میں بیٹھ کر اپنے وطن روانہ ہو جاؤں لیکن سر دست یہ ممکن نہ تھا۔ میرے لیے تو سارے راستے صرف ونڈسر کی طرف جا رہے تھے۔

کوئی ڈیڑھ گھنٹے بعد ہمارا سفر ختم ہوا۔ مومی کے کہنے پر میں نے گاڑی ایک چھوٹی سی عمارت کے سامنے روکی جو کہ ایک بڑے گودام سے متصل تھی۔ گودام کا آہنی گیٹ بند تھا مگر چھوٹی عمارت کی کھڑکیاں روشن تھیں۔ میں نے کار سے اتر کر اطراف کا جائزہ لیا۔ یہ ونڈسر کا مضافاتی علاقہ تھا اور یہاں رہائشی مکانات کم تھے۔ زیادہ تر گودام اور فیکٹریاں تھیں۔ ہر طرف اندھیرا اور سناٹا مسلط تھا۔ میں نے سر ہلا کر سوچا کہ سڈنی نے روپوش ہونے کے لیے بلاشبہ بڑی اچھی جگہ کا انتخاب کیا ہے۔ پولیس اور ہم لوگ آخر یہاں تک کیونکر پہنچ سکتے تھے۔

عمارت کے دروازے کی طرف چلتے ہوئے میں نے مومی سے پوچھا۔

''کیا سڈنی یہاں تنہا رہتا ہے؟''

''نہیں، ایک عورت اور اس کا ایک دوست بھی ساتھ رہتے ہیں مگر ممکن ہے وہ اس وقت اکیلا ہو۔''

''کیوں؟''

''عورت کبھی کبھی لندن چلی جاتی ہے اور مرد بھی اکثر کسی نہ کسی کام سے باہر جاتا رہتا ہے۔''

میں چپ ہو گیا۔ میرے سامنے وہ دروازہ تھا جس کے پیچھے سڈنی موجود تھا لیکن اب میرے دل میں ان گنت وسوسے سر ابھار رہے تھے۔ پہلی بار یہ احساس ہو رہا تھا کہ اس طرح مومی کے ساتھ تنہا آ کر میں نے غلطی کی ہے۔ آنے سے پہلے کم از کم روز آلبہ کو ضرور اطلاع دے دینی چاہیے تھی۔ فرض کرو سڈنی تنہا نہ ہوا تو میں کیا کروں گا۔ کئی آدمیوں سے اکیلے نپٹنا آسان نہ ہوگا۔ کہیں میں کسی مصیبت میں نہ پڑ جاؤں لیکن اب یہ سوچنا بعد از وقت تھا چنانچہ میں نے اس کمزور لمحے کو اپنے ذہن میں دفن کر دیا اور مومی کو تعجب سے دیکھا جو پرس سے چابی نکال کر دروازے کا لاک کھول رہی تھی۔

کمرا چھوٹا سا تھا اور خاصا بے ترتیب تھا۔ بیرونی دروازے کو دوبارہ لاک کرتے ہوئے مومی نے کہا۔

''تم سڈنی سے کیا پوچھو گے؟''

میں نے لمحے بھر کے تذبذب کے بعد جواب دیا ''میں اسے پولیس کے پاس لے جاؤں گا۔''

مومی طنزیہ انداز میں ہنسی ''اور تم سڈنی کو اتنا بے وقوف سمجھتے ہو کہ وہ چپ چاپ چلا جائے گا۔''

میں نے مومی کو غور سے دیکھا۔ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ سڈنی اتنا گاؤدی نہیں ہو سکتا کہ بلا حیل و حجت میرے ساتھ چلا جائے گا مگر چونکہ اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا، اس لیے میں ہر قسم کی صورت حال کے لیے تیار تھا۔ مجھے خاموش پا کر مومی نے پھر کہا۔

''اگر وہ تمہارے ساتھ جانے پر راضی نہ ہوا تب تم کیا کرو گی؟''

''میں نہیں جانتا کہ کیا کروں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

''دیکھو۔'' اچانک مومی نے کہا ''اب بھی وقت ہے واپس چلے جاؤ۔ تم نہیں جانتے کہ سڈنی کتنا ظالم آدمی ہے۔ وہ اپنے دشمنوں کو کبھی معاف نہیں کرتا۔ انہیں تڑپا تڑپا کر انتہائی بے بسی کی موت مارتا ہے۔ تمہارے ساتھ بھی وہ ایسا ہی سلوک کرے گا۔ لہٰذا بہتر ہے کہ تم واپس چلے جاؤ۔ ابھی تمہاری مرنے کی عمر نہیں ہے۔''

میں مسکرا دیا اور میری مسکراہٹ میرا جواب تھی۔ چنانچہ پھر مومی نے مزید کچھ کہے بغیر دروازہ کھولا اور ہم گودام میں داخل ہو گئے۔ گودام خاصا وسیع تھا اور وہاں ان گنت اشیاء بے ترتیبی سے رکھی ہوئی تھیں۔ بڑے بڑے تین ڈرم تھے جن میں غالباً کوئی سیال شے بھری ہوئی تھی۔ ڈرم چونکہ کافی اونچے تھے اس لیے ان سے متصل ایک فلیٹ فارم بھی بنا ہوا تھا۔ ایک جانب دفتی کے بڑے بڑے بکس اوپر تلے رکھے ہوئے تھے۔ دو تین ٹرالیاں تھیں اور گیٹ کے پاس ایک ٹرک بھی موجود تھا۔ مدھم روشنی میں ہم نے لکڑی کا فرش طے کیا اور مقابل سمت میں بنے تین کمروں میں سے ایک کے دروازے پر پہنچے۔ کیونکہ اس کی کھڑکیاں روشن تھیں پھر مومی نے دستک دی اور جواب میں ایک کرخت اور نشے میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

''کون ہے، اندر آ جاؤ۔''

مجھے پہچاننے میں قطعاً دشواری نہیں ہوئی، وہ آواز سو فیصدی سڈنی کی تھی۔

مومی نے دروازہ کھولا اور ہم اندر داخل ہوئے۔ اس وقت میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور ماتھے پر پسینہ بھی آ گیا تھا لیکن میں نے بہر حال خود کو سنبھالے رکھا۔ وہ کمرا کافی کشادہ تھا۔ وسط میں ایک میز پڑی تھی اور اس پر شراب کی بوتل اور ایک گلاس رکھا تھا۔ سامنے کرسی پر سڈنی بیٹھا تھا۔ پہلے اس نے مومی کو دیکھا، پھر مجھے، اور مجھے دیکھنا اس کے لیے کچھ ایسا اچنبھا تھا کہ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ چہرے کے عضلات تن گئے اور آنکھیں پھیل کر بڑی ہو گئیں۔ وہ کچھ اس انداز سے مجھے دیکھ رہا تھا، گویا کسی آدمی کو نہیں، کسی آسیب کو یا کسی عفریت کو دیکھ رہا تھا، یا پھر موت کا بھیانک چہرہ اچانک اس کے سامنے آ گیا تھا۔ اس نے یکا یک زور سے جبڑوں کو حرکت دی، ہونٹ چبائے اور پھر میز کا کنارہ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اس کی ہر حرکت اضطراری تھی۔ غیر اختیاری اور بے ساختہ تھی۔ وہ سوچ سمجھ کر عمل نہیں کر رہا تھا۔ چند لمحے اسی حالت میں گزرے پھر اس نے معاً سنبھل کر مومی کو گھورا اور سخت لہجے میں پوچھا۔

''تم اسے یہاں لے کر آئی ہو؟''

''ہاں۔''

''کیوں؟''

''یہ مجھے قتل کرنا چاہتا تھا۔''

سڈنی نے پھر ہونٹ چبائے ''کیوں قتل کرنا چاہتا تھا؟''

''تمہارا پتہ پوچھ رہا تھا۔'' مومی کے لہجے سے کینہ توزی چھلک رہی تھی ''چونکہ میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا اس لیے اسے یہاں لے آئی ہوں۔ تم اس کا قصہ پاک کر دو، ورنہ یہ دردِ سر بنا رہے گا۔''

میں نے چونک کر مومی کو دیکھا۔ اتنی دیر سے جو چیز میرے لاشعور میں کھٹک رہی تھی، وہ اچانک واضح ہوگئی۔ مومی میرے ساتھ اس لیے نہیں آئی تھی کہ وہ سڈنی کا پتہ بتانا چاہتی تھی بلکہ اس لیے آئی تھی تاکہ سڈنی مجھے بھی قتل کردے اور فرض کرو کہ وہ واقعی مجھے قتل کردے تو کیا ہوگا، کچھ بھی نہیں ہوگا۔ میں تو پہلے ہی قتل کے جرم میں پولیس کو مطلوب ہوں۔ سڈنی میری لاش کو کہیں دفن کردے گا اور پولیس کو کبھی گمان بھی نہیں ہوگا کہ میں مر چکا ہوں۔ وہ بدستور مجھے تلاش کرتے رہیں گے اور آخر میں فرض کرلیں گے کہ میں کسی نہ کسی طرح ملک چھوڑ کر فرار ہوگیا ہوں۔

لیکن میں کسی طرح کی کمزوری ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا مومی کے ساتھ تنہا آنے کی حماقت تو میں کر ہی چکا تھا اور اب ضروری تھا کہ جرات کے ساتھ ہر طرح کی صورت حال کا مقابلہ کروں۔ اگر موت مقدر ہو چکی ہے تو بزدلی کے ساتھ مرنا بھی بڑی بے وقوفی کی بات ہوگی۔ میں نے بڑی ہوشیاری سے اپنے اندرونی احساسات چھپائے اور سڈنی کو دیکھا۔ وہ مجھے کچھ عجیب سی لیکن معنی خیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ میں اس کی نظروں کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھا۔ کئی لمحوں تک فضا میں احساس کی طنابیں توڑ دینے والا تناؤ طاری رہا پھر اچانک سڈنی نے کہا۔

''تم یہاں کیوں آئے ہو؟''

''میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔''

سڈنی مسکرایا۔ کچھ اس طرح گویا میں نے کوئی انتہائی مضحکہ خیز بات کہی ہو پھر اس نے سگریٹ جلائی، ایک دو کش لیے اور مجھے دیکھتا رہا ''تم شاید پاگل ہوگئے ہو۔'' آخر کار اس نے کہا ''کیا تم سمجھتے ہو کہ میں چلا جاؤں گا؟''

اسے واقعی نہیں جانا چاہیے تھا۔ کوئی بھی شخص، جو ذرا سی بھی عقل سلیم رکھتا ہو، خود اپنی گردن میں پھانسی کا پھندا نہیں ڈالے گا۔ مجھے کرنا تو یہ چاہیے تھا کہ اس کا پتہ ٹھکانہ معلوم کرکے پولیس کو اطلاع دے دیتا، مگر میں جوش اور بہادری کے جنون میں نہتا خود ہی چلا آیا تھا۔ یہ ایک ایسی حماقت تھی جس کا خمیازہ اگر مجھے بھگتنا پڑے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہوگی، لیکن میں کسی کمزوری کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا چنانچہ میں نے خوب سوچ سمجھ کر کہا۔

''سنو سڈنی! جوڈی مر چکی ہے اور پولیس کے ایک سو جوان مجھے تلاش کر رہے ہیں اور مجھے بہر حال یہ ثابت کرنا ہے کہ جوڈی کا قتل میں نے نہیں تم نے کیا ہے۔''

''نہیں، میں نے جوڈی کو قتل نہیں کیا ہے۔''

''تم جھوٹ بولتے ہو۔'' میں نے غصے سے کہا ''اگر تم نے نہیں کیا ہے تو پھر تمہیں فرار ہو کر یہاں روپوش ہونے کی کیا ضرورت تھی؟''

''کیونکہ تمہاری طرح بدقسمتی سے میں بھی یہ ثابت نہیں کرسکتا تھا کہ میں بے قصور ہوں۔'' سڈنی نے کہا۔

''تو پھر تم اس کے فلیٹ میں کیوں گئے تھے؟''

''مجھے معلوم تھا کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔'' سڈنی نے جواب دیا ''اور میں اسے آگاہ کرنے گیا تھا، مگر شومئی قسمت کہ میں دیر میں پہنچا۔ اسے چند منٹ پہلے ہی قتل کردیا گیا تھا اور میں یہ جانتا ہوں کہ اس کی

ہلاکت کی ذمے داری کس پر ہے۔''

''کس پر ہے؟'' میں نے اسے غور سے دیکھا۔

''اسے ایمن مینشن والوں نے قتل کیا ہے۔''

میں استہزائی انداز میں مسکرایا ''سنو سڈنی! تم اس طرح کی احمقانہ اور بے سروپا تاویلیں تراش کر گیس چیمبرز سے نہیں بچ سکتے۔ بھلا ایمن مینشن والے اسے کیا جانیں۔ اصل حقیقت صرف یہ ہے کہ جوڈی تم سے خوف زدہ تھی اور اس نے اپنی جان بچانے کے لیے مجھ سے مدد طلب کی تھی لیکن تمہیں یہ ڈر ہوا کہ وہ تمہارے اسمگلنگ کے راز مجھے بتا دے گی۔ لہٰذا تم نے اس کی زبان ہمیشہ کے لیے بند کر دی۔''

''نہیں، یہ غلط ہے۔'' سڈنی نے یکا یک چیخ کر کہا ''تم پاگل ہو، تمہاری آنکھوں پر پٹی بندھی ہے اور تمہیں کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم نے جوڈی کو قتل نہیں کیا ہے لیکن میں نے بھی اسے قتل نہیں کیا۔ قاتل دوسرے ہی لوگ ہیں مگر تم سمجھ نہیں رہے ہو، کیونکہ تم سمجھنا ہی نہیں چاہتے ہو۔ میں کہتا ہوں مسٹر راجو! ہوش میں آؤ، ورنہ تم اور میں.....''

سڈنی زور زور سے بول رہا تھا اور میں غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنے ساتھ لے جانا ممکن نہ تھا۔ ہاں، ایک صورت اور تھی، وہ یہ کہ اگر میں اسے کسی طرح بے دست و پا کر دوں تو جبراً اپنی گاڑی میں ڈال کر لے جا سکتا تھا۔ اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا۔ چنانچہ اس وقت، جب وہ پرجوش لہجے میں بول رہا تھا، میں نے یک لخت اس پر چھلانگ لگا دی۔ سڈنی کو نہ اس حملے کی توقع تھی نہ وہ اس کے لیے تیار تھا، لہٰذا پیچھے الٹ گیا۔ میں نے اندھا دھند اس کے پیٹ، پسلیوں اور چہرے پر گھونسے برسانے شروع کر دیئے۔ جوش، غصے اور جنون کے باعث میرے اندر آگ سی لگ رہی تھی۔ میں اسے کم سے کم وقت میں بے ہوش کر دینا چاہتا تھا، مگر سڈنی اتنا کمزور نہیں تھا۔ اس میں بلا کی طاقت اور قوت برداشت تھی۔ چنانچہ چند لمحوں بعد اس نے خود کو سنبھال لیا اور میری پسلی میں گھونسہ مارا۔ میں پیچھے کی جانب اچھل کر کرسی سے الجھ گیا اور لڑکھڑاتا ہوا نیچے گر پڑا۔ سڈنی نے اپنے جوتے سے میری کمر میں دو تین ٹھوکریں ماریں، پھر غالباً اس کا ارادہ کرسی اٹھا کر مجھ پر توڑ دینے کا تھا مگر میں جست لگا کر اٹھ گیا۔ میں جانتا تھا کہ اگر میں ذرا بھی سست پڑا تو سڈنی نہ صرف مجھ پر حاوی ہو جائے گا بلکہ بلاشبہ قتل کر دے گا۔ چنانچہ پھرتی سے اٹھ کر میں نے سڈنی کے کولھے پر ٹھوکر ماری اور لپک کر میز کے دوسری طرف چلا گیا۔ مومی اس دوران زور زور سے چیختی رہی تھی اور مجھے بے حد فصیح و بلیغ گالیاں دیتی رہی تھی۔ مثلاً سن آف اے بچ، باسٹرڈ، اور بلاڈی پگ وغیرہ۔ میں نے معا شراب کی بوتل اٹھائی اور مومی کے سر پر توڑ دی۔

مومی لہرا کر فرش پر گری اور بے ہوش ہو گئی۔

سڈنی نے دفعتاً چیخ کر کہا ''باسٹرڈ، یہ تم نے کیا کیا؟''

''ساری۔'' میں نے ہانپتے ہوئے کہا ''اگر یہ ہوش میں رہتی تو میں تمہیں کیسے لے جاتا۔''

''یو سلی سوائین۔'' سڈنی نے چلا کر کہا اور مجھ پر چھلانگ لگائی۔ مومی کی بے ہوشی اور اس کے سر سے نکلنے والے خون نے اسے جنون میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس کی حالت بالکل دیوانوں کی سی ہو رہی تھی چنانچہ اس نے اتنی قوت سے گھونسا مارا کہ میری پسلیاں کڑکڑا کر رہ گئیں۔ دم بھر کو ایسا محسوس ہوا جیسے ساری پسلیاں ٹوٹ گئی ہوں پھر

اس نے بوٹ کی ٹو سے میرے پیٹ پر حملہ کیا، میں لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹتا چلا گیا اور دیوار سے ٹک گیا۔ سڈنی گھونسہ تان کر میری طرف بڑھ رہا تھا۔ میں نے جلدی سے ادھر ادھر دیکھا۔ دائیں جانب ایک چھوٹی سی ٹیبل رکھی تھی اور اس پر شیشے کی ایک ایش ٹرے پڑی ہوئی تھی۔ میں نے سرعت سے ایش ٹرے اٹھا کر سڈنی پر کھینچ ماری۔ خوش قسمتی سے نشانہ خطا نہیں گیا۔ ایش ٹرے سڈنی کے دائیں گال پر پڑی۔ ضرب اتنی شدید تھی کہ اس کا گال پھٹ گیا۔ اس کے حلق سے نکلنے والی چیخ بڑی جگر خراش تھی، مگر میں اس کی چیخ کی نغمگی سے لطف اندوز ہونے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا چنانچہ آگے بڑھ کر میں نے اس کے پیٹ میں دو تین گھونسے مارے۔ سڈنی فرش پر چت گر پڑا اور یہی وہ موقع تھا جس کا میں منتظر تھا۔ اب میں اسے آسانی سے بے ہوش کر سکتا تھا چنانچہ دوسرے لمحے میں اس کے سینے پر تھا اور میرے دونوں ہاتھ اس کی گردن دبا رہے تھے۔ سڈنی کی آنکھیں پھیل گئیں اور حلق سے خرخراہٹ کی آوازیں نکلنے لگیں۔ اس نے کٹے پھٹے الفاظ میں معاً چیخ کر کہا۔

''میں پھر کہتا ہوں کہ میں نے جوڈی کو قتل نہیں کیا ہے۔''

''تم صریحاً بکواس کر رہے ہو۔'' میں نے غرا کر کہا ''تم نے نہ صرف جوڈی کو بلکہ رابن کو بھی قتل کیا ہے۔''

''رابن کو۔'' سڈنی کے چہرے پر اچانک کئی رنگ آ کر نکل گئے۔

''ہاں، رابن کو۔'' میں نے اس کی گردن پر مزید دباؤ ڈالا ''اس کی لاش میری کار کی ڈکی میں پڑی ہے۔''

سڈنی نے بمشکل ہونٹوں پر زبان پھیری اور میرے ہاتھ اپنی گردن سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہوا بولا ''نہیں، میں نے اسے قتل نہیں کیا ہے۔ یہ سازش ہے۔ صریحاً سازش، تمہارے گرد جال پھیلایا جا رہا ہے۔''

''کون لوگ یہ جال پھیلا رہے ہیں؟'' میں نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''ایمن مینشن والے۔''

''تم بکواس کرتے ہو۔ بھلا انہیں سازش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔'' میں نے کہا۔

''یقین کرو پاگل آدمی۔'' سڈنی کی آواز بتدریج مدھم ہو رہی تھی ''تم آخر میری بات کیوں نہیں سنتے۔ وہ لوگ ایک خاص اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت سازش کر رہے ہیں۔''

''کیسی سازش؟'' میں نے پوچھا۔ میری سانس بری طرح پھول رہی تھی۔

''وہ لوگ.....'' سڈنی نے ہانپتے ہوئے کہا ''تمہیں مصری خدا بنانا چاہتے ہیں۔ تمہیں فرعون بنانا چاہتے ہیں۔''

میرے چاروں طرف دھند تھی۔ ہلکی ہلکی سرمئی دھند، لطیف اور ریشمی، یہ دھندے ہولے ہولے گرد و پیش میں چکراتی پھر رہی تھی۔ دھیرے دھیرے بل کھا رہی تھی۔ اس دھند کے اس پار کیا تھا۔ مجھے کچھ ٹھیک سے نظر نہیں آ رہا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ دھند میرے سامنے ہیں، میرے ذہن میں تھی اور میرا ذہن اس دھند کے پار دیکھنے سے قاصر تھا۔ ہر چیز دھندلی، غیر مرتب اور شکل و صورت سے محروم تھی۔ کسی تجریدی تصویر کی طرح بے ڈھنگی اور ناقابل فہم اشکال آنکھوں کے سامنے چکرا رہی تھیں۔ میں چپ چاپ لیٹا آنکھیں کھولے اور پلک جھپکائے بغیر تصور کے پردے پر ان انوکھی صورتوں کو بار بار بنتے بگڑتے دیکھتا رہا اور خود کو یقین دلانے کی سعی پیہم کرتا رہا کہ میں مرا نہیں ہوں، بلکہ زندہ ہوں۔ میں واقعی زندہ تھا کیونکہ میں دیکھ سکتا تھا اور محسوس کر سکتا تھا۔ آدمی کے اثبات

کا ثبوت اس کا احساس ہے جب تک وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ ''ہے'' تب تک وہ واقعی ''ہے'' لیکن جب وہ مرتا ہے تو دراصل اس کا احساس مرتا ہے۔ میرا احساس نہیں مرا تھا۔ میں اپنے آپ کو اور اپنے سامنے کی چیزوں کو اور پچھلے کچھ عرصے میں جو کچھ مجھ پر گزری تھی، اسے اچھی طرح محسوس کر رہا تھا، اور اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ میں زندہ ہوں۔ میں اپنے آپ کو یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ تصور کے پردے پر جو تصویریں ناچ رہی ہیں، وہ سپنا نہیں ہیں بلکہ وہ سب کچھ حقیقی طور پر مجھ پر گزر چکا ہے۔ پچھلے کچھ عرصہ میں، یہ عرصہ کتنا طویل تھا، یہ مجھے نہیں معلوم تھا۔ کیونکہ مجھے وقت اور دنوں کا کوئی شمار نہیں تھا۔ نہ جانے کتنی دیر بعد میں جاتا تھا یا ہوش میں آیا تھا۔ مجھے تو یہ بھی علم نہیں تھا کہ میں بے ہوش ہو گیا تھا یا ایک طویل اور گہری نیند سو گیا تھا۔ اس بات سے بھی بے خبر تھا کہ اب جاگا، یا ہوش میں آیا ہوں تو کہاں ہوں۔ میں نے آہستہ آہستہ اپنی پتلیوں کو جنبش دی اور گردو پیش میں دیکھا۔ ذہن اب قدرے صاف ہو گیا تھا اور شکلیں واضح ہونے لگی تھیں، اور مجھے رفتہ رفتہ یاد آنے لگا تھا۔

سڈنی نے کہا تھا ''وہ لوگ تمہیں فرعون بنانا چاہتے ہیں۔''

اس وقت وہ فرش پر بے دست و پا پڑا ہوا تھا، اس کی گردن میرے ہاتھوں میں تھی اور میں اسے گلا دبا کر مار ڈالنا چاہتا تھا پھر کیا ہوا تھا؟ میں نے غیر ارادی طور پر ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ہاں یاد آیا..... پھر میں یکا یک رک گیا تھا۔ اس نے جو بات کہی تھی، وہ اتنی انوکھی تھی کہ میں بالکل سٹپٹا کر رہ گیا تھا۔ وہ لوگ مجھے فرعون بنانا چاہتے ہیں۔ کیا سڈنی کا دماغ بالکل خراب ہو گیا ہے۔ میں نے اس کی بات کو قابل اعتنا نہیں سمجھا۔ سمجھ بھی نہیں سکتا تھا۔ کون بھلا ایسی احمقانہ بکواس پر کان دھرے گا لیکن سڈنی زور زور سے بولتا رہا تھا۔

''تم آخر سمجھتے کیوں نہیں، تمہارے اردگرد ایسی کئی شہادتیں موجود ہیں جو میرے دعوے کا ثبوت بن سکتی ہیں۔ وہ لوگ پاگل اور فاتر العقل ہیں۔ وہ لوگ کسی روحانی قدر یا سچائی پر یقین نہیں رکھتے ہیں۔ وہ فرعون کے پجاری ہیں۔ وہ اندھیروں پر ایمان رکھتے ہیں اور فرعون کو طاقت اور حکومت کا مظہر سمجھتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ وہ فراعین مصر کی اولاد ہیں اور..... اور.....؟''

میں نے سڈنی کی گردن پر تھوڑا سا اور دباؤ ڈالا ''مگر مجھے وہ کیوں فرعون بنانا چاہتے ہیں؟''

''مجھے نہیں معلوم، لیکن یہ سچ ہے۔''

''جب تمہیں معلوم ہی نہیں تو پھر یہ سچ کیسے ہو سکتا ہے۔''

پھر مجھے مزید واقعات یاد آئے۔ سڈنی باتوں میں لگا کر میری گرفت سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا دراصل اس کا مقصد بھی یہی تھا۔ کمرے سے نکل کر وہ ہال میں اندھا دھند دوڑتا چلا گیا۔ میں اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ یہ بات میں کسی صورت گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ وہ میری دسترس سے نکل جائے۔ ایک بار وہ نکل گیا تو پھر وہی صورت حال ہو گی۔ پولیس مجھے تلاش کرتی رہے گی اور میں چوہے کی طرح بلوں میں چھپتا پھروں گا۔

میری آنکھوں میں جلن سی ہو رہی تھی۔ ہلکی ہلکی جلن، جیسے پلکوں میں چھالے نکل آئے ہوں۔ پتہ نہیں یہ جلن کیوں تھی۔ میں چپ چاپ لیٹا چھت کو گھورتا رہا اور تصویریں ایک ایک کر کے گزرتی رہیں۔ وہ منظر بہت بھیانک تھا۔ ایسا کہ دیکھنے والے کی روح تک لرز کر رہ جائے اور وہ منظر مجھے دیکھنا پڑا تھا۔ سڈنی بھاگتا ہوا پلیٹ فارم پر چڑھ گیا تھا۔ تینوں بڑے ڈرم پلیٹ فارم سے بالکل متصل تھے۔ میں نے سڈنی کو پلیٹ فارم پر بھاگتے

ہوئے دیکھا۔ غالباً وہ پلیٹ فارم پار کر کے ٹرک کی جانب جانا چاہتا تھا، مگر یکا یک اس کا پاؤں پھسل گیا۔ میں نے ایک جگر خراش چیخ سنی۔ سڈنی کے جسم کو فضا میں اچھلتے دیکھا پھر کسی سیال شے میں اس کے جسم کے گرنے کا شور سنائی دیا۔ جب میں اس جگہ پر پہنچا تو کچھ بھی نہیں تھا۔ صرف بلبلوں کا طوفان تھا۔ ڈرم کی سطح پر بے شمار بلبلے اچھل اچھل کر ٹوٹ رہے تھے اور سڈنی کا جسم گہرے رنگ کے بدبودار سیال میں کہیں غائب ہو چکا تھا۔

گو وہ میرے ہاتھ سے نہیں مرا تھا لیکن نہ جانے کیوں میں خود کو مجرم محسوس کر رہا تھا۔ دل میں خود بخود یہ احساس اٹھ رہا تھا کہ اس کی موت کی ذمے داری بلاواسطہ طور پر ہی سہی، مجھ پر ہی عائد ہوتی ہے۔ میں نے پہلے کبھی کسی کو کسی تیزابی مادے میں ڈوب کر مرتے نہیں دیکھا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا اور وہ منظر اتنا لرزہ خیز تھا کہ میں صم بکم کھڑا رہ گیا۔ شاید پلک تک جھپکانا بھول گیا تھا پتھر کی طرح ساکت اور بے جان کھڑا سہمی ہوئی نظروں سے بلبلوں کو گھور رہا تھا، جن کی تعداد رفتہ رفتہ کم ہوتی جا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد میرے ذہن نے کام کرنا شروع کیا۔ میں نے گردن موڑ کر اس کمرے کی جانب دیکھا جہاں مومی بے ہوش پڑی تھی۔ کیا میں مومی کے پاس جاؤں؟ کم از کم دیکھنا تو چاہیے کہ وہ کس حال میں ہے مگر اس کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ یہ تو مجھے یقین تھا کہ وہ مری نہیں ہے، صرف بے ہوش ہوگئی ہے۔ میں نے سوچا، جب وہ ہوش میں آئے گی تو خود ہی اپنے گھر چلی جائے گی۔ اگر میں واپس کمرے میں گیا اور اسے ہوش میں لایا تو مزید الجھنیں پیدا ہوں گی۔ میں اسے کس طرح بتاؤں گا کہ سڈنی کہاں گیا۔ اگر اسے سڈنی کی موت کے بارے میں بتا دیا تو وہ یہی سمجھے گی کہ میں نے اسے قتل کیا ہے اور یوں وہ میرے ناکردہ جرم کی گواہ بن جائے گی۔ بہتر یہی ہے کہ مومی کو اس کے حال پر چھوڑ کر یہاں سے چلا جاؤں۔

لیکن جیسے ہی میں گودام سے باہر آیا، میرے کانوں میں معاً پولیس کی سیٹی کی آواز سنائی دی۔ میں نے سٹپٹا کر چاروں طرف دیکھا۔ دائیں جانب سے تین چار وردی پوش پولیس مین لپکتے چلے آ رہے تھے۔ یقیناً وہ میری تلاش میں تھے۔ اب کیا کروں؟ میں نے گھبرا کر خود سے سوال کیا۔ میری کار وہاں سے کوئی تیس قدم کے فاصلے پر تھی اور میرا وہاں پہنچنا ممکن نہ تھا۔ پولیس والے اس سے پیشتر ہی مجھے گھیر لیتے۔ چنانچہ کوئی اور چارہ کار نہ پا کر میں نے یک لخت بھاگنا شروع کر دیا۔ پے در پے اتنے واقعات میرے ساتھ پیش آئے تھے کہ حواس مختل ہو کر رہ گئے تھے ورنہ میں یہ ضرور سوچتا کہ وہاں پولیس اتنی جلدی کیسے پہنچ گئی۔ انہیں وہاں میرے موجود ہونے کا علم کیسے ہوا؟ لیکن اس وقت میرا ذہن ان سوالوں کے بجائے اس خیال میں الجھا ہوا تھا کہ جتنا بھی تیز بھاگ سکتا ہوں، بھاگوں اور ان کی دسترس سے دور نکل جاؤں۔ وہ سب کے سب بدستور تعاقب میں تھے۔ ان میں سے ایک نے یکا یک چلا کر کہا۔

''رک جاؤ ورنہ ہم گولی چلا دیں گے۔''

گودام کی عمارت پیچھے رہ گئی تھی۔ آگے، بائیں ہاتھ پر مزید عمارتیں نہیں تھیں بلکہ دور تک فارموں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا جس کی سطح پر اندھیرا برس رہا تھا۔ میں نے یکا یک چھلانگ لگا کر جنگلہ پار کیا اور درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف بھاگنے لگا۔ سڑک پر بھاگ کر خود کو بچانا ممکن نہ تھا۔ اندھیرا اور ویرانی مجھے بچا سکتی تھی۔ آگے اور دائیں بائیں درختوں کے جھنڈ تھے اور کہیں کہیں فارم ہاؤس تھے۔ میں درختوں یا جھاڑیوں میں کسی مناسب جگہ

چھپ سکتا تھا، چنانچہ میں بھاگتا رہا۔ انہوں نے مجھے جنگلہ پار کرتے دیکھ لیا تھا اور بدستور میرے تعاقب میں تھے۔ ان کے قدموں اور گفتگو کی آوازیں میری سماعت سے ٹکرا رہی تھیں مگر فاصلہ دم بہ دم بڑھ رہا تھا یا تو وہ سست رفتار تھے یا میں بہت تیز دوڑ رہا تھا۔ وجہ کچھ بھی ہو، میں بہرحال چند منٹ بعد درختوں کے قریب پہنچ گیا۔ یہاں پر زمین ایک ڈھلوان ہوگئی تھی۔ نیچے شاید کوئی نالہ تھا۔ دوسری جانب گھنے درخت اور جھاڑیاں تھیں اور دو ایک فارم ہاؤس بھی دکھائی دے رہے تھے۔ میں ایک دو لمحہ ٹھہرا، پھر تیزی سے نیچے اترنے لگا۔

جب میں دوسری طرف پہنچا تو یکایک زمین نے پیر پکڑ لیے۔

میں نے گھوم کر پیچھے دیکھا، پھر اپنی کنپٹی پر ہاتھ پھیرا۔ پھر اس کے کندھوں پر سے دوسری جانب دیکھنے کی کوشش کی اور اپنے آپ کو یقین دلانے کی سعی لاحاصل کی کہ میں بالکل پاگل ہو چکا ہوں۔ میں طرح طرح کی خوفناک اور انجانی ذہنی اور نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہو گیا ہوں کیونکہ میں وقت بے وقت ان چیزوں کو دیکھتا ہوں جنہیں نہیں دیکھنا چاہیے اور جب اس بات کا یقین ہو گیا کہ میں واقعی ذہنی توازن کھو بیٹھا ہوں تو میں نے بے حد لایعنی نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

''میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ آپ ہیں۔'' اچانک اس نے کہا۔

''مگر یہ واقعی میں ہوں۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا۔ جو شخص ہوش و حواس سے محروم ہو چکا ہو، وہ ایسے موقعوں پر ہنسنے کے سوا اور کیا کر سکتا ہے۔

''میں نے پولیس کی سیٹی کی آواز سنی تھی۔'' اس نے ہاتھ سے سڑک کی جانب اشارہ کیا ''دریافت حال کے لیے باہر نکلی تو آپ مل گئے۔ کیا واقعی وہ آپ کا تعاقب کر رہے ہیں؟''

میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''کیوں؟''

''سڈنی مر گیا ہے۔''

''اوہ۔'' اس نے متفکر ہو کر نالے کے دوسری جانب دیکھا ''شاید وہ اسی طرف آ رہے ہیں، آپ میرے ساتھ آئیں۔''

میں نے کئی بار جاپانی کھلونے دیکھے تھے جو چابی بھرنے سے چلتے تھے۔ میں بھی اس وقت کسی چابی بھرے کھلونے کی طرح چل پڑا۔ آہستہ آہستہ اپنی پھولتی ہوئی سانس پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوا، سوچے سمجھے بغیر، اپنی خواہش اور ارادے کے خلاف، میں محض ایک کٹھ پتلی تھا جس کی ڈور کسی نادیدہ ہاتھ میں تھی اور میری ہر حرکت ڈور کی جنبش کی تابع تھی۔ چند منٹ میں ہم ایک فارم ہاؤس کے سامنے پہنچ گئے۔ اس نے دروازہ کھولا اور ہم اندر داخل ہوئے۔ سادہ سا کمرا تھا۔ ایک طرف ایک پلنگ پڑا تھا، ایک الماری تھی۔ کھڑکیوں پر پھولوں کے گملے رکھے تھے لیکن شٹر چڑھے ہوئے تھے۔ اس لیے باہر سے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ کمرے کے وسط میں ایک گول میز پڑی تھی۔ اس کے اشارے پر میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

معاً اس نے کہا ''آپ شاید حیران ہو رہے ہوں گے کہ میں یہاں کیا کر رہی ہوں۔'' وہ مسکرائی ''لیکن یہ فارم ہاؤس میرا ہے۔ کبھی کبھی کچھ وقت تنہائی اور سکون سے گزارنے کے لیے یہاں آ جاتی ہوں۔ شہروں میں بہت

شور اور افراتفری ہے۔ ویسے بھی اس علاقے میں میرے دوست احباب بہت زیادہ ہیں۔''

میں نے ہونٹوں پر زبان پھیری مگر کچھ کہا نہیں۔

''یہ اچھا ہی ہوا کہ خوش قسمتی سے اس وقت میں یہاں موجود تھی۔ اب پولیس والے آپ کو تلاش نہیں کر سکتے۔ اگر وہ یہاں آئے تو میں انہیں ٹال دوں گی۔'' اس نے سلسلہ گفتگو آگے بڑھایا ''مگر ہوا کیا تھا؟ آپ تو شاید لندن میں تھے۔''

جواب دینے سے پہلے میں نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ ویرا ہمفرائز تھی۔ ویسی ہی حسین ترین، طرح دار، پرشکوہ، سر سے پیر تک پرتمکنت۔ کیسی عورت تھی وہ، کیسا بانکپن تھا، اس کی شخصیت میں میں نے ہزارہا انسان دیکھے تھے مگر اس جیسا کوئی نہیں دیکھا تھا۔ سفید پوشاک میں وہ کسی روایتی حور سے کم نظر نہیں آتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ہیرے دمک رہے تھے اور ہونٹوں پر دل کو گرما دینے والی مسکراہٹ تھی۔ چند لمحے تک اسے بوقلموں کی طرح تکنے کے بعد میں نے کہا۔

''میں سڈنی کو پولیس کے پاس لے جانے آیا تھا مگر وہ مر گیا۔''

اس نے استفہامیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔

''وہ کسی تیزابی سیال کے ڈرم میں گر گیا تھا۔'' میں نے مزید بتایا ''پھر پولیس آ گئی اور مجھے فرار ہونا پڑا۔''

''سڈنی۔'' اس نے پرخیال انداز میں کہا ''وہی شخص ہے، جس کا ذکر آج کل اخباروں میں ہو رہا ہے؟''

''ہاں۔''

وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ اچانک میرے عقب میں دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے گردن موڑ کر دیکھا اور حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ اندر داخل ہونے والی ایک عمر رسیدہ لیکن بھاری بھرکم عورت تھی اور یہ وہی عورت تھی جسے میں نے اسکندریہ ریلوے اسٹیشن پر ٹرین کے کمپارٹمنٹ میں دیکھا تھا۔ اس نے سر جھکا کر مجھے تعظیم دی اور ٹرے جو وہ کچن سے لے کر آئی تھی، میرے سامنے میز پر رکھ دی پھر مسکرا کر ایک بار اور سر کو خم کیا اور واپس کچن میں چلی گئی۔

میں نے دیکھا، ٹرے میں ایک نفیس گلاس رکھا تھا۔ جس میں سیاہ رنگ کا کوئی مشروب موجود تھا۔ میں نے سوالیہ نظروں سے ویرا کی طرف دیکھا۔

''آپ پریشان اور تھکے ہوئے ہیں۔'' اس نے مسکرا کر نرم اور میٹھی آواز میں کہا ''اسے پی لیں، اس سے آپ کے ذہن اور اعصاب کو سکون ملے گا۔''

مجھے اس وقت غالباً ایسی ہی کسی چیز کی ضرورت تھی جو میرے درماندہ ذہن اور کشیدہ اعصاب کو سکون دے سکے، جو مجھے حالیہ واقعات کو بھولنے میں مدد دے سکے اور سڈنی کی موت سے پیدا ہونے والے شدید تاثر کو زائل کر سکے۔ چنانچہ میں نے گلاس اٹھایا اور گھونٹ گھونٹ کر کے وہ مشروب حلق سے اتار لیا۔

پھر کیا ہوا تھا؟ میں نے انگلی سے ہونٹوں کو چھو کر سوچا۔ ہاں، پھر کیا ہوا تھا۔ ضرور کچھ ہوا تھا۔ میں نے قدرے اضطراب کے ساتھ سر کو جنبش دی۔ اس کے بعد یقینی طور پر کچھ نہ کچھ ضرور ہوا تھا مگر یاد نہیں آ رہا تھا جس طرح سینما کے پردے پر فلم چلتے چلتے اچانک ٹوٹ جاتی ہے، اسی طرح یادداشت سے واقعات کا تسلسل ٹوٹ

گیا تھا۔ مشروب میں نے پیا تھا، یہ مجھے یاد تھا لیکن اس کے بعد کی کوئی بات یاد نہیں آ رہی تھی۔ شاید مجھے نیند آ گئی تھی۔ ہاں، غالباً نیند ہی آ گئی تھی اور اب آنکھ کھلی ہے تو یہاں ہوں۔ پتہ نہیں کون سی جگہ ہے اور نہ جانے کتنی دیر میں سوتا رہا ہوں۔ میں نے گردن موڑ کر دائیں بائیں دیکھا پھر آہستہ آہستہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

وہ ایک وسیع و عریض اور شاہانہ خواب گاہ تھی۔ جس پلنگ پر میں دراز تھا وہ کم از کم چھ فٹ چوڑا اور دس فٹ لمبا تھا۔ اس کے گدے پر انتہائی بیش قیمت نیلے مخمل کا غلاف چڑھا ہوا تھا۔ جو کلٹ میں نے اوڑھ رکھی تھی وہ نہایت نفیس اور ملائم مخمل یا شنیل سے بنی تھی۔ تکیہ جہازی سائز کا تھا اور بے حد نرم تھا۔ دائیں ہاتھ سبز پتھر سے بنی ہوئی ایک میز رکھی تھی، اس کے پاس ہی ایک کرسی تھی جس پر مخمل کا منقش کور چڑھا ہوا تھا۔ کرسی پر ایک سیلپنگ گاؤن پڑا تھا۔ وہ گاؤن ہلکے عنابی مخمل کا تھا اور اس پر سنہرا اور روپہلا کام کیا ہوا تھا۔ میں نے اپنی ساری زندگی میں اتنا بیش قیمت پلنگ نہیں دیکھا تھا۔ نہ ایسے نرم بستر پر سویا تھا مگر یہ حالات کی ستم ظریفی تھی کہ اس جگہ موجود تھا۔

کمرے کی دائیں اور بائیں ہاتھ والی دیواروں میں چار وسیع دریچے تھے جن پر سنہری حریری پردے لٹک رہے تھے۔ دیواروں پر خوب صورت نقش و نگار بنے تھے۔ چھت بھی منقش تھی۔ دیواروں پر فانوس روشن تھے جن کی چاندنی جیسی ٹھنڈی روشنی کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ میں خواب کی سی کیفیت میں ایک ایک شے کو دیکھتا گیا۔ وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ میرا ذہن خالی خالی سا ہو رہا تھا، جیسے کورا کاغذ ہوتا ہے۔ اسی خالی الذہنی کی حالت میں کچھ لمحے اور گزر گئے پھر مجھے سگریٹ کی طلب محسوس ہوئی۔ میں نے تجسس آمیز نظروں سے میز کی طرف دیکھا۔ خیال غلط نہیں نکلا۔ میز پر کسی قیمتی لکڑی کا ایک نقشین سگار بکس موجود تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر ایک سگار نکالا۔ وہ سگار بہت اعلیٰ درجے کا تھا۔ اس کی خوشبو نہایت نفیس تھی۔ میں نے کبھی اتنا عمدہ سگار نہیں دیکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب لائٹر اٹھا کر میں نے اسے جلایا تو عجیب سا لگا۔ کچھ ایسا جیسے میں کوئی نازیبا اور غیر اخلاقی حرکت کر رہا ہوں۔ اپنی سطح سے اوپر اٹھ کر جب بھی کوئی شخص کوئی کام کرتا ہے تو ایسا ہی محسوس کرتا ہے۔

سگار بہت عمدہ تھا۔ اس کے ایک دو کش نے ہی میرے اعصاب کو بڑا سکون پہنچایا۔ ذہن کو ایک تقویت سی میسر آ گئی۔ میں نے سرہانے سے سر ٹکایا اور سگار سے لطف اندوز ہونے لگا۔

اچانک دروازہ کھلنے کی خفیف سی آواز محسوس ہوئی تو میں نے آنکھیں کھول دیں۔

حیرتوں کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ پچھلے کچھ عرصے میں ان گنت محیر العقول واقعات نے میرے سکون کو تاخت و تاراج کیا تھا اور اب ایک اور حیرت میرے سامنے تھی مگر اب میں اتنا عادی ہو چکا تھا کہ ہر نئی حیرت کو معمول سمجھ کر قبول کر لیتا تھا۔ شاید یہ عمل بھی لاشعوری تھا۔ اس وقت بھی میں نے کسی خاص تعجب کا اظہار نہیں کیا۔ وہ لڑکی جو ایک نئی حیرت بن کر اندر داخل ہوئی تھی، مجھے جاگتا پا کر اچانک رک گئی پھر اس نے سر کو سینے تک جھکا کر مجھے تعظیم دی اور بے حد مودب لہجے میں بولی۔

''مجھے علم نہیں تھا کہ آپ جاگ چکے ہیں۔''

میں نے جواب میں صرف سر کو جنبش دینے پر اکتفا کیا۔

''میں آپ کے آرام میں تو مخل نہیں ہوئی؟'' اس نے پھر کہا۔ اس کا لہجہ خوشگوار اور آواز مترنم تھی۔

''نہیں۔'' میں نے جواب دیا ''یہ کیا ہے؟''

میرا اشارہ اس سنہری ٹرالی کی طرف تھا جسے وہ دھکیل کر لا رہی تھی۔ اس نے مسکرا کر جواب دیا ''جناب کا ناشتا ہے۔''

میں نے غور سے اس کی جانب دیکھا۔ وہ نکلتے ہوئے قد کی بے حد حسین لڑکی تھی اور اس نے جو لباس پہن رکھا تھا وہ اس کے جسم کے خوب صورت نشیب و فراز کو چھپانے میں سراسر ناکام تھا۔ اس نے سینے پر صرف ایک سنہرا کپڑا باندھ رکھا تھا۔ زیر جامہ کسی باریک ریشمی کپڑے کا تھا، جس سے اس کی ٹانگوں کی دلکشی صاف جھلکتی تھی۔ میں نے اسکندریہ میں کئی مصری عورتوں کو کفتان پہنے دیکھا تھا مگر یہ لباس تو کسی صورت میں بھی کفتان نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ لباس تو کسی حد تک قدیم مصری طرز کا تھا اور میں نے فراعین مصر سے متعلق فلموں میں اس قسم کا لباس دیکھا تھا۔ یہ لباس ان فلموں میں فرعون کے محل کی داسیوں اور باندیوں کو پہنتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ میں اس کے مختصر لباس اور شفاف دودھیا بدن کو دیکھتا رہا۔ اس کی گردن میں ایک لاکٹ پڑا تھا۔ ویسا ہی لاکٹ جیسا باربرا اور روزآلبہ وغیرہ کے گلے میں پڑا تھا اور خود میری گردن کی زینت بھی بنا ہوا تھا۔ اس لاکٹ میں بنی تصویر میں جسم انسان کا اور سر کتے کا تھا ''کون ہو تم؟'' چند ثانیے بعد میں نے پوچھا۔

''میرا نام ریفا ہے۔''

''بالکل نیا نام ہے۔ میں نے پہلے کبھی نہیں سنا۔'' میں نے کہا۔

''پہلے میرا نام کیرول تھا..... مگر اب میں نے بدل دیا ہے۔''

میں نے اس سے نام بدلنے کا سبب نہیں پوچھا۔ زیادہ سوالات تجسس کا اظہار کرتے اور سردست یہ مناسب نہ تھا۔ خدا جانے میں کہاں اور کس قسم کے لوگوں میں ہوں، بہتر یہی تھا کہ محتاط رہوں اور غیر ضروری سوالات سے پرہیز کروں۔ اپنی ذات میں چھپے رہنا اکثر سودمند ثابت ہوتا ہے۔ خود کو منکشف کرنے سے بہتر یہ ہے کہ دوسروں کو دیکھوں، اور تازہ صورت حال سے آگاہی حاصل کروں۔ یہ کون سی جگہ ہے، میں یہاں کیونکر ورکب پہنچا؟ یہ وہ سوالات تھے جو مجھے پریشان کر رہے تھے چنانچہ میں نے پرعلم لیکن قدرے لاپرواہی کے انداز میں پوچھا ''میں کب یہاں آیا تھا اور کتنی دیر سوتا رہا ہوں؟''

''جناب نصف رات کے قریب آئے تھے اور تقریباً سارا دن سوتے رہے ہیں۔''

''اب کیا وقت ہوا ہے؟''

''شام کے پانچ بجے ہیں۔''

''یہ کون سی جگہ ہے؟''

''یہ رے پیلس ہے۔''

میں چند ثانیے چپ رہا۔ رے پیلس، یہ نیا نام تھا۔ اس سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ باربرا وغیرہ کی زبان سے اربارا ایمن مینشن کا نام سنا تھا۔ میں خود بھی وہاں گیا تھا لیکن رے پیلس کا ذکر کبھی نہیں آیا تھا۔ کیا رے پیلس کا کوئی تعلق ایمن مینشن سے ہوسکتا ہے؟ ضرور ہونا چاہیے۔ میں نے خود سے کہا پھر ریفا سے پوچھا۔

''مجھے یہاں کون لایا تھا؟''

''آپ ناشتا کرلیں۔''اس نے مسکرا کر ادب سے جواب دیا اور آگے بڑھ کر ایک ایک کر کے دریچوں کے پردے کھول دیئے۔ یکا یک کمرا روشنی سے بھر گیا۔ باہر حد نظر تک سبز درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے۔ درختوں کے اوپر نیلا آسمان تھا اور آسمان پر کہیں کہیں بادلوں کے ٹکڑے آوارہ خرام تھے۔ ریفا نے سارے فانوس بجھائے پھر مجھے ایک بار اور تعظیم دے کر دروازے کی جانب بڑھی۔

''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔''میں نے پوچھا۔

اس نے ٹھہر کر مجھے دیکھا، مسکرا کر بولی ''مجھے علم نہیں، جناب ناشتا کرلیں۔ آپ کو رفتہ رفتہ سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔''

وہ مجھے متردد چھوڑ کر چلی گئی۔ میں آہستہ آہستہ پلنگ سے نیچے اترا۔ ناشتے کی ٹرالی کرسی کے قریب تھی۔ اس میں توس اور انڈوں کے علاوہ کئی قسم کے پھل تھے۔ چائے دانی اعلیٰ درجے کی چینی کی تھی اور اس کے ساتھ جو پیالی تھی وہ اپنی روپہلی رنگت کی بنا پر چاندی ہی کی ہو سکتی تھی۔ میں لاتعلقی سے ناشتے کی اشیاء کو گھورتا رہا۔ اس وقت ناشتے کی حاجت نہیں تھی بلکہ وہسکی کی ضرورت تھی۔ میں نے سرہانے والی میز سے بلوری صراحی اٹھا کر تھوڑی سی شراب ایک گلاس میں انڈیلی اور ایک گھونٹ بھرا۔ ذائقے نے فوراً بتا دیا کہ برانڈی ہے مگر میں نے اتنی عمدہ برانڈی کبھی نہیں پی تھی۔ دو ایک گھونٹ اور لیے اور اعصاب کا تناؤ قدرے کم ہوا۔ بکھرا ہوا ذہن بھی سمٹنے لگا۔ میں زرکار دیواروں اور ریشمی پردوں کو دیکھتا ہوا دریچے تک گیا اور باہر جھانکا۔ باہر دور تک ایک وسیع و عریض باغ نظر آ رہا تھا ہر طرف سبز دوب کے قالین بچھے تھے۔ جگہ بہ جگہ پھولوں کے تختے تھے۔ جہاں تک نگاہ گئی، پھول ہی پھول نظر آئے۔ کیاریاں بڑے سلیقے سے بنائی گئی تھیں۔ اوک کے شاہانہ درختوں نے جگہ جگہ سایہ فراہم کیا تھا۔ دائیں جانب کچھ فاصلے پر مجھے ایک اصطبل اور دو تین گھوڑے نظر آئے۔ ایک آدمی بھی دکھائی دیا جو ایک گھوڑے کی مالش کر رہا تھا۔ میں جس کمرے میں تھا وہ غالباً تیسری منزل پر تھا اور وہاں سے کافی دور تک صاف دیکھا جا سکتا تھا، مگر مجھے اردگرد میں مزید مکانات نظر نہیں آئے اور اس کا مطلب یہی تھا کہ رے پیلس آبادی سے قدرے الگ تھلگ واقع تھا۔

پھر میں واپس ہوا اور نرم قالین پر سبک قدموں سے چلتا ہوا باتھ روم میں گیا۔ باتھ روم فرش سے چھت تک سنگ سفید سے بنا ہوا تھا۔ ایک طرف ایک قد آدم آئینہ نصب تھا۔ واش بیسن پر ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔ میں نے گرم پانی سے کلی کی اور ہاتھ دھوئے اور آئینے میں اس شخص کو دیکھا جس کی شکل بالکل میرے جیسی تھی۔ وہی آنکھیں، وہی ناک نقشہ، وہی بال اور وہی کھلتا ہوا سانولا رنگ۔ وہ شخص کچھ تھکا ہوا، کچھ متوحش اور کچھ متذبذب سا نظر آیا، جیسے وہ یقین و گمان کی درمیانی کیفیت میں مبتلا ہو۔ اسے اپنی ذات پر اعتبار نہ ہو۔ وہ ایک بے ارادہ اور بے فیصلہ شخص کا چہرہ تھا۔ میں نے یکا یک کہا ''تمہارا نام کیا ہے؟''

اس نے بھی ہونٹوں کو جنبش دی لیکن وہی الفاظ دہرائے جو میں نے کہے تھے۔ اپنا نام نہیں بتایا۔ بتا بھی کیسے سکتا تھا۔ جس طرح اس نے اپنی شخصیت اندھیروں میں گم کر دی تھی اسی طرح اس کا نام بھی بے وقعت ہو چکا تھا چنانچہ میں اسے آئینے میں چھوڑ کر باہر چلا آیا۔

کرسی پر بیٹھ کر میں نے ایک بار پھر مرصع در و دیوار پر نظر ڈالی اور خود کو بہت غیر متعلق سا محسوس کیا۔ جیسے کوئی تصویر کسی غلط فریم میں لگا دی جائے پھر میرا دھیان باربرا اور روز آلبہ کی طرف چلا گیا۔ نہ جانے وہ لوگ کہاں ہوں گی۔ باربرا کو کتنے دن سے نہیں دیکھا ہے۔ اس کا سنگ سیاہ سے ترشا ہوا بدن، دمکتی آنکھیں اور شرارے اڑاتی مسکراہٹ، اس بے سہارا کیفیت میں اگر وہ یہاں ہوتی تو کتنا سہارا ملتا۔ یوں خود کو ٹوٹا اور بکھرا ہوا نہ محسوس کرتا مگر باربرا جانے کہاں تھی؟

میں نے ایک انگور اٹھا کر منہ میں ڈالا۔

کچھ کھانے کی طرف طبیعت مائل نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے برانڈی کا ایک اور پیگ حلق میں اتارا پھر گاؤن اٹھا کر پہنا لیکن یہ سارا عمل غیر شعوری تھا۔ دراصل میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ وہ کمرا بہت وسیع تھا اور بہت آراستہ بھی، مگر میں وہاں تنہا تھا، اور تنہائی رفتہ رفتہ بوجھل ہوتی جا رہی تھی۔ اب کیا کروں؟ میں نے خود سے کہا۔ باہر چلنا چاہیے۔ ہاں، یہ مناسب ہے۔ ذرا باہر چل کر دیکھنا تو چاہیے کہ یہ عمارت کتنی بڑی ہے۔ یہاں رہنے والے لوگ کون ہیں اور کیسے ہیں۔ ممکن ہے یہ بھی پتہ چل سکے کہ مجھے یہاں کون لایا ہے اور کیوں لایا گیا ہے۔ جب تک باہر نہیں جاؤں گا اور حالات کا جائزہ نہیں لوں گا تب تک ان سوالوں کے جواب نہیں ملیں گے۔ میں نے دل ہی دل میں طے کیا اور ادھر ادھر نگاہ ڈالی۔ مسہری کے سرہانے ایک ریشمی ڈوری لٹک رہی تھی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے کھینچا۔

دو تین منٹ بعد وہی گلابی بدن والی لڑکی ریفا اندر داخل ہوئی۔

دس منٹ بعد جب میں خواب گاہ سے باہر نکلا تو میرے جسم پر انتہائی اعلیٰ درجے کی تراش کا بیش قیمت سوٹ تھا۔ ریفا کی آمد پر انکشاف ہوا تھا کہ خواب گاہ سے ملحق ایک اور کمرا بھی تھا۔ جہاں میرے ملبوسات تین وسیع و عریض الماریوں میں رکھے تھے۔ ان گنت قیمتی سوٹ، قمیصیں، جیکٹ، سوئٹر اور ٹائیاں وغیرہ، ان پر لگے لیبل سے پتہ چلا کہ سب کے سب بونڈ اسٹریٹ کی ایک ایسی شاپ سے تیار کروائے گئے تھے جو پورے برطانیہ میں سب سے مہنگی شاپ ہے۔ سارے کے سارے سوٹ ہارڈی ایلس نے ڈیزائن کیے تھے اور میرے جسم پر اس طرح فٹ تھے، جیسے میری ہی ناپ لے کر تراشے گئے ہوں۔ میں نے ریفا سے متحیر ہو کر پوچھا تھا۔

''کیا یہ تمام پوشاکیں میرے لیے ہیں۔''

''جی ہاں۔''

''مگر یہ لباس کب تیار کیے گئے؟''

''مجھے علم نہیں۔'' اس نے جواب دیا ''مگر یہ سب بطور خاص آپ کے لیے تیار کیے گئے ہیں۔''

''لیکن انہیں میرا ناپ کیونکر ملا تھا؟''

''مجھے علم نہیں۔''

ٹائی کی گرہ باندھنے میں ریفا نے میری مدد کی۔ جب وہ کالر درست کر رہی تھی تو میں نے کہا ''یہ رے پیلس کس کی ملکیت ہے۔''

''لارڈ رے برانڈ۔'' اس نے جواب دیا۔

''رے برانڈ۔'' میں حیرت سے بولا ''وہی تو نہیں جن کے گھوڑے ریسوں میں دوڑتے ہیں۔''

''جی ہاں، وہی۔''

پھر ریفا چلی گئی اور میرا ذہن لارڈ رے برانڈ میں الجھ کر رہ گیا۔ لارڈ رے سلکن برانڈ ملک کا خاصا معروف اور بہت دولت مند آدمی تھا۔ وہ متعدد فیکٹریوں کا مالک تھا۔ کئی بڑے بینکوں اور بڑی فرموں میں اس کے بھاری حصص تھے۔ لندن اور دوسرے کئی شہروں کے مضافات میں سیکڑوں ایکڑ زمین تھی۔ نہ صرف یہی بلکہ وہ متعدد عمارتوں اور دو ایک ہوٹلوں کا بھی مالک تھا مگر اس کی شہرت اس کی دولت کی بنا پر نہیں بلکہ گھوڑوں کے طفیل تھی۔ اس کے پاس ایک باقاعدہ اصطبل تھا جہاں ریس کے گھوڑوں کو تربیت دی جاتی تھی۔ اس کے اپنے جاکی اور ٹرینر تھے اور اس کے کئی گھوڑوں نے کئی بڑی بڑی ریسیں جیتی تھیں۔ میرے لیے یہ انکشاف ایک اور نئی حیرت کا سبب بنا کہ میں لارڈ رے برانڈ کے پیلس میں مقیم ہوں۔ ریفا سے پوچھنا بیکار تھا۔ وہ ہرگز اس سوال کا کوئی شافی جواب نہیں دے سکتی تھی کہ میں وہاں کیوں ہوں؟ اور ان تمام واقعات سے لارڈ رے برانڈ کا کیا تعلق ہے مگر ظاہر ہے کہ کوئی نہ کوئی تعلق ضرور تھا۔ ورنہ میں رے پیلس میں کیوں ہوتا۔ میں نے سوچا، بہترین حکمت عملی یہ ہے کہ زبان بند رکھوں۔ کان اور آنکھیں کھلی رکھوں اور انتظار کروں وقت خود ہر سوال کا جواب دے گا۔ سر دست میں صرف وقت پر ہی انحصار کر سکتا تھا۔

کمرے کے باہر ایک کشادہ راہداری تھی۔ میں دبیز اور نرم قالین پر چلتا ہوا سیڑھیوں کی جانب بڑھنے لگا۔ سیڑھیوں پر بھی قالین بچھا تھا۔ شاید پوری عمارت میں کہیں بھی کوئی چپہ ایسا نہیں تھا جو قالین سے محروم ہو۔ میں سیڑھیاں اتر کر نیچے ہال میں پہنچا۔ میرے چہرے پر یقیناً حیرت اور کشمکش کے تاثرات رہے ہوں گے اور یہ دیکھنے کے لیے مجھے کسی کی شہادت یا آئینے کی ضرورت نہیں تھی۔ میرے دل کی ہر دھڑکن خود اس حیرت کا اعلان کر رہی تھی کیونکہ میں جس ہال میں کھڑا تھا اس میں سب سے نمایاں شے ایک سنہری مجسمہ تھا۔ یہ مجسمہ طوطنخ آمن کا تھا۔ میں نے اس کی تصویر کئی بار کتابوں میں دیکھی تھی اور یہ مجسمہ بعینہٖ اس تصویر کے مطابق تھا۔

ایک بار پھر سڈنی کے الفاظ کانوں میں گونجے ''وہ تمہیں فرعون بنانا چاہتے ہیں۔''

خواب گاہ سے آتے وقت میں سگار لانا بھول گیا تھا لیکن اب تک جو کچھ میں نے دیکھا تھا، اس کی بنا پر اندازہ تھا کہ ہال میں بھی کہیں نہ کہیں سگریٹ یا سگار موجود ہونا چاہیے۔ قیاس غلط نہیں نکلا۔ ایک بلوری ٹیبل پر سگار اور سگریٹ کے بکس موجود تھے۔ میں نے ایک سگریٹ نکال کر جلائی اور ہال میں چاروں طرف نظر ڈالی۔ ریفا نے بتایا تھا کہ کپڑے بطور خاص میرے لیے تیار کیے گئے تھے لیکن اب مجھے یقین سا ہوتا جا رہا تھا کہ رے پیلس میں جو بھی اہتمام و التزام ہے، وہ صرف میرے لیے ہے اور خاص طور پر یہ کوشش کی گئی ہے کہ ہر شے بیش قیمت ہو۔ وہ سگریٹ بھی نہایت نفیس اور اعلیٰ درجے کا تھا۔ میں سگریٹ پیتا اور ہال کا جائزہ لیتا رہا۔ کارنر سوٹ چمڑے کا تھا۔ اس کے علاوہ بھی دو سیٹ تھے۔ دیواروں پر تصویریں آویزاں تھیں مگر وہ سب کسی نہ کسی طور پر فراعین مصر سے متعلق تھیں۔ چھت سے ایک بے حد جسیم اور خوب صورت جھاڑ لٹک رہا تھا۔ ہال کے وسط میں ایک گول میز پڑی تھی۔ مجھے اس کی وہاں موجودگی کچھ عجیب سی لگی۔ ہال کی آرائش و زیبائش جس انداز میں کی گئی تھی اس سے گول میز کسی طرح میل نہیں کھا رہی تھی۔ اس میز کو وہاں نہیں ہونا چاہیے تھا اگر وہ لائبریری میں ہوتی

تو زیادہ بہتر تھا لیکن بعد میں پتا چلا کہ رے پیلس میں ایسی کئی چیزیں تھیں جو غیر ضروری محسوس ہوتی تھیں۔

ہال میں ایک دروازہ دائیں طرف تھا اور ایک بائیں طرف، میں اپنے کمرے سے چل کر ہال میں آیا تھا اور کئی منٹ سے ہال میں موجود تھا مگر اب تک ریفا کے علاوہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا تھا۔ پوری عمارت میں مجموعی طور پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ہاں کبھی کبھی کوئی آواز ضرور سنائی دے جاتی تھی جس سے پتہ چلتا تھا کہ عمارت میں کچھ افراد یقیناً موجود ہیں اور روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہیں پھر جب میں دائیں طرف والے دروازے کی جانب بڑھ رہا تھا تو لوگوں کی موجودگی کا عملی ثبوت ملا اچانک دروازہ کھلا اور دو افراد اندر داخل ہوئے مجھے دیکھ کر وہ یکا یک ٹھٹک گئے اور مودب ہو کر کھڑے ہو گئے۔

ان دونوں نے سفید قمیض پتلون کے اوپر سفید ہاؤس کوٹ پہن رکھا تھا۔ ان میں سے ایک شخص کو میں نے فوراً پہچان لیا۔ یہ وہی شخص تھا جسے میں نے پہلی بار ایمن مینشن کی راہداری میں دیکھا تھا۔ اس کے جبڑے سخت، کان ٹوٹے ہوئے اور گردن موٹی تھی۔ جسامت کے لحاظ سے وہ کوئی باکسر نظر آتا تھا۔ میں نے یکا یک انگلی اٹھا کر کہا ''تم دونوں یہیں رہتے ہو؟''

''یس ماسٹر۔'' دونوں نے بیک وقت جواب دیا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' میں نے موٹی گردن والے کی جانب اشارہ کیا۔

''بونڈ۔ چارلس بونڈ ماسٹر!'' اس نے ادب سے کہا۔

میں چند ثانیے چپ رہا اور انہیں غور سے دیکھتا پھر میں نے سوال کیا ''یہ عمارت کس جگہ واقع ہے اور کون مجھے یہاں لایا ہے؟''

''ہم معذرت چاہتے ہیں ماسٹر۔'' انہوں نے بیک زبان کہا ''کیونکہ ہم ایسے سوالات کے جواب دینے کے مجاز نہیں۔''

''تو پھر مجھے کون ان سوالوں کے جواب دے گا؟'' میں نے برہم ہو کر پوچھا۔

ان دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا پھر کچھ کہے بغیر ادب سے گردن جھکا لی۔ میں نے ان سے مزید جرح نہیں کی کہ اس کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ اب تک جو کچھ میں نے دیکھا تھا اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ تھا کہ رے پیلس اور ایمن مینشن سے تعلق رکھنے والے افراد سطحوں اور درجوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ جو افراد نچلی سطح پر ہیں، وہ صرف احکامات کی تعمیل کے پابند ہیں۔ خصوصی اور اہم نوعیت کے سوالات کے جواب صرف وہی لوگ دے سکتے ہیں جو اوپری درجے پر ہیں، اور اوپری درجے پر میرے اندازے کے مطابق، باربرا، روز آلبہ، ڈاکٹر نیفا اور لارڈ رے برانڈ وغیرہ تھے۔ جب تک ان سے ملاقات نہ ہو مجھے کچھ معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے بونڈ سے پوچھا۔

''لارڈ رے برانڈ کہاں ہے؟''

''ہمیں علم نہیں۔''

''وہ کب یہاں آئیں گے؟'' میں نے چڑ کر پوچھا ''میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''وہ خود بھی آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔'' بونڈ نے جواب دیا ''مگر ہم اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ

کب یہاں آئیں گے۔"

جب وہ دونوں کچھ بھی نہیں جانتے تھے تو پھر ان سے مزید گفتگو کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے گردن کے اشارے سے انہیں جانے کے لیے کہا اور خود دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ اب کدھر چلوں۔ میں نے راہداری کے دونوں جانب دیکھ کر سوچا۔ ذہن میں کوئی خاص ارادہ نہیں تھا بلکہ خواب گاہ سے نکلنے کی وجہ یہ تھی کہ میں کچھ آگاہی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کچھ عمارت کے بارے میں اور کچھ وہاں موجود افراد کے بارے میں۔ کھانے میں ابھی کافی دیر تھی۔ ریفا نے بتایا تھا کہ کھانا ساڑھے آٹھ بجے لگایا جائے گا مگر مجھے اشتہا نہیں تھی۔ میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ کھانا نو بجے کے بعد اپنی خواب گاہ میں ہی کھاؤں گا، اس وقت تک میں عمارت میں گھومنا پھرنا چاہتا ہوں۔

چند لمحے ٹھہر کر میں دائیں طرف چل پڑا۔ میرے قدموں کی انتہائی مدھم آواز راہداری میں کسی آسیبی صدا کی طرح گونج رہی تھی۔

☆☆☆

رے پیلس بہت وسیع و عریض اور عظیم الشان عمارت تھی۔ اس میں پینتیس کمرے تھے، دو ہال تھے، ایک طویل ڈرائنگ روم تھا، ایک لائبریری تھی جس میں رجسٹر کے اندراج کے مطابق چھ ہزار دو سو ستر کتابیں تھیں۔ لطف کی بات یہ کہ ان میں چند کتابیں قدیم مصری زبان میں تھیں۔ نہ جانے ان کتابوں کو کون پڑھتا تھا، شاید لارڈ رے برانڈ قدیم مصری زبان سے واقف ہو، یا ممکن ہے ڈاکٹر نیفا اس سے واقفیت رکھتا ہو۔ لائبریری میں ایک چھوٹا سا سنہری بکس بھی تھا جو ایک شوکیس میں رکھا تھا۔ چونکہ شوکیس اور بکس دونوں ہی مقفل نہیں تھے اس لیے میں نے بکس کو کھول لیا تھا۔ ان میں سرخ چرمی جلد والی ایک کتاب رکھی تھی۔ میرے لیے اس کتاب کو اپنے لرزتے، تھرتھراتے ہاتھوں پر سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ بلکہ زیادہ سچ یہ ہے کہ میرے لیے اپنی ٹانگوں پر کھڑے رہنا مشکل ہو گیا تھا۔ کیونکہ میں نے دو چار صفحے پلٹنے کے بعد ہی اس کتاب کو پہچان لیا تھا۔ وہ کتاب پہلی بار میں نے پیرس کے نجومی کے پاس دیکھی تھی۔ وہ عجیب الخلقت نجومی جس نے کتاب کے مندرجات اور میرا ہاتھ دیکھنے کے بعد کہا تھا "اگر آئندہ کچھ عرصے میں تم مر نہیں گئے تو لمبی عمر پاؤ گے۔"

یہ اسی کتاب کا دوسرا نسخہ تھا۔

عمارت کے نیچے ایک وسیع تہ خانہ تھا جو طول و عرض میں پوری عمارت کے کل رقبے سے کچھ ہی کم رہا ہوگا۔ اس تہ خانے کو دیکھ کر کسی بادشاہ کے دربار کا تصور ذہن میں ابھرتا تھا۔ اس کی آرائش و ترتیب کچھ اسی انداز میں کی گئی تھی۔ تہ خانے کے وسط میں ساگوان کی ایک گول میز پڑی تھی۔ تین اطراف میں دیواروں کے ساتھ ساتھ چمڑے کی آرام دہ کرسیاں رکھی تھیں۔ چوتھی طرف پانچ کرسیاں تھیں۔ ان کی بناوٹ باقی کرسیوں سے قطعی مختلف تھی۔ درمیان والی کرسی اونچی اور نقش و نگار سے مرصع تھی اور اس کی بناوٹ کا انداز شاہانہ تھا۔ اس پر مخمل کا کور چڑھا ہوا تھا اور پوری کرسی ان گنت رنگین پتھروں سے مزین تھی۔ ممکن ہے وہ ہیرے رہے ہوں۔ اگرچہ مجھے یقین نہیں تھا کہ وہ ہیرے ہوں گے۔ باقی چار کرسیاں سائز میں چھوٹی تھیں اور ان کی سجاوٹ میں بھی زیادہ اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔ ایک بات یہ تھی کہ تہ خانے کی دیواریں ننگی نہیں تھیں، بلکہ ان پر دبیز قالین کا کور چڑھا ہوا

تھا۔ میں نے تہہ کانے کی ایک ایک شے کو ایک خود فراموشی کی سی کیفیت میں دیکھا تھا۔ سرخ فرش، سرخ چھت، سرخ دیواریں اور سرخ کرسیاں۔ تہہ خانے کی ہر شے سرخ تھی۔ خون کی طرح سرخ..... اور یہ سرخی دل پر اور روح پر ایک کپکپا دینے والی کیفیت طاری کرتی تھی۔ وہاں چند منٹ ٹھہر کر ہی ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے میں خون کے سمندر میں ڈوبتا جا رہا ہوں۔

میں کوئی دو گھنٹے تک پوری عمارت میں گھومتا رہا تھا اور جیسا کہ میرا قیاس تھا، رے پیلس میں متعدد افراد موجود تھے۔ عورتیں، مرد چلتے پھرتے، ان سے کہیں نہ کہیں سامنا ہوتا رہا۔ وہ سب کے سب مجھے دیکھ کر مودب ہو جاتے تھے۔ تعظیم اور اب کے سوا ان کے بشرے سے اور کوئی تاثر ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میری وہاں موجودگی سے ہر فرد آگاہ تھا ورنہ وہ کسی نئے اور اجنبی آدمی کو دیکھ کر ضرور چونکتے۔

کچھ دیر کے لیے کچن میں بھی گیا جو کہ عمارت کے عقبی حصے میں تھا۔ وہاں تین عورتیں کام میں جٹی ہوئی تھیں۔ مجھے اچانک وہاں موجود پا کر وہ کچھ سٹپٹا سی گئیں۔ میرا کچن میں جانا ان کے لیے نہ صرف خلاف توقع تھا بلکہ شاید خلاف اصول بھی تھا۔ ان میں سے ایک عورت نے تذبذب کے ساتھ ہاتھ ملتے ہوئے کہا کہ مجھے وہاں آنے کی زحمت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ میں نے اسے مطلع کیا کہ میں ذرا عمارت میں گھوم پھر رہا ہوں اور یہ کہ مجھے ایک کپ چائے کی خواہش ہے۔

''ماسٹر! آپ گھنٹی بجا دیتے، کوئی نہ کوئی تعمیل حکم کے لیے حاضر ہو جاتا۔'' اس عورت نے ادب سے کہا۔

''مگر میں کچھ چلنا پھرنا چاہتا تھا۔'' میں نے جواب دیا ''کمرے میں پڑے پڑے وحشت ہونے لگی تھی۔''

''آپ ریسٹ روم میں چلیں، میں ابھی چائے پیش کرتی ہوں۔'' وہ عجلت سے گیس گگر کی جانب لپکی۔

''چائے لے کر تم آنا۔'' میں نے اس عورت کی جانب اشارہ کیا جس نے سنہرا اسکرٹ پہن رکھا تھا۔

پھر میں ریسٹ روم میں چلا گیا جو راہداری میں کچن کے بالمقابل تھا۔ کچھ دیر بعد وہ عورت چاندی کی ٹرے تھامے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ عورت کوئی اور نہیں تھی، آئرین تھی۔ وہی آئرین جس کے مکان میں باربرا کی رہائش تھی۔ میں نے اسے کئی ہفتوں سے نہیں دیکھا تھا اور اب اچانک اسے رے پیلس میں پا کر مجھے حیران ہونا چاہیے تھا، مگر اب واقعی حیران ہونا چاہیے تھا، نہیں، اب اس کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔ یہ معلوم ہو چکا تھا کہ ایمن مینشن اور رے پیلس ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔ لہٰذا آئرین کا وہاں ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی۔ میں نے اپنی حرکات و سکنات اور چہرے سے کسی قسم کے تعجب کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ چپ چاپ نرم مخملی صوفے پر بیٹھا آئرین کو دیکھتا رہا۔ اس نے چائے بنا کر میرے سامنے بلوری ٹیبل پر رکھی اور ہولے سے مسکرائی۔

''کیسی ہو آئرین۔'' میں نے بھی خوش اخلاقی سے مسکرا کر بات شروع کی ''بہت دن بعد تمہیں دیکھا ہے۔''

''یس ماسٹر۔'' اس نے جواب دیا ''کافی دن بعد ملاقات ہوئی ہے۔''

''یہاں کب آئی تھیں؟''

''میں پچھلے ایک ہفتے سے یہیں ہوں۔''

''کیوں؟''

''لارڈ رے چاہتے تھے کہ سردست میں یہیں رہوں۔'' اس نے کہا۔
''بار برا کہاں ہے؟'' میں نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔
''پرسوں شام تک یہیں تھی..... پھر لندن چلی گئی۔ غالباً کل واپس آئے گی۔''
میں چند لمحے چپ رہا اور غور سے آئرین کو دیکھتا رہا۔ وہ درمیانی عمر کی عورت تھی، قدرے فربہ، اسے کسی بھی لحاظ سے خوب صورت نہیں کہا جاسکتا تھا مگر اس کے باوجود اس کی شخصیت اور سراپا میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جو مرد کے احساسات کو متاثر کرتی تھی۔ وہ بات یا تو اس کی مسکراہٹ تھی یا اس کی آواز یا اس کی ادا۔ اس نے محسوس کرلیا تھا کہ میں اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھ رہا ہوں چنانچہ اس کی مسکراہٹ اور دلنواز ہوگئی تو میں نے اس سے پوچھا۔
''آئرین! مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟''
اس نے آہستہ سے میرے ہونٹوں کو چوما اور مسکرائی۔
''کیا لارڈ رے برانڈ بھی اس انجمن کا ممبر ہے؟''
وہ اپنا دایاں رخسار ہولے ہولے میرے شانے پر رگڑنے لگی۔
''کیا مجھے یہاں لانے کا کوئی خاص مقصد ہے؟''
''ماسٹر آپ میرے بارے میں باتیں کیوں نہیں کرتے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔
میں چپ ہوگیا۔ یہ حربہ بھی ناکام رہا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ شاید آئرین جذبات سے مغلوب ہوکر بے دھیانی میں کوئی بات بتادے گی، مگر مجھے مایوسی ہوئی۔ آئرین بلاشبہ بہت جذباتی ہورہی تھی، پھر بھی اس نے کوئی ایسی بات نہیں بتائی جو اسے نہیں بتانی چاہیے تھی۔ میں اس احتیاط کا مقصد نہیں سمجھ سکا۔ آخر کیوں؟ یہ لوگ مجھے کچھ بتاتے کیوں نہیں۔ کیا میرے سوالات کسی خاص اور اہم نوعیت کے حامل ہیں؟ لیکن اگر مجھے کسی خاص مقصد سے لایا گیا ہے تو جلد یا بدیر وہ مقصد مجھ پر ظاہر کرنا ہی ہوگا پھر اس پردہ پوشی کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا صرف ایک ہی مطلب ہوسکتا تھا، وہ یہ کہ یہ لوگ ایسے سوالات کے جواب دینے کا اختیار نہیں رکھتے تھے۔ میں نے بھی پھر آئرین سے مزید جرح نہیں کی۔ چائے کی چسکیوں کے ساتھ اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ اس نے رے پیلس کے متعلق کچھ باتیں بتائیں۔ اس کے بیان کے مطابق رے پیلس ونڈر سے کوئی دس میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ آس پاس کوئی آبادی نہیں تھی۔ قریب ترین گاؤں کوئی چار میل دور تھا۔ البتہ قرب و جوار میں امراء کے کاٹج ضرور تھے۔ رے پیلس میں کسی غیر متعلق فرد آ بھی جاتا تو اسے بیرونی ملاقاتی کمرے میں بٹھایا جاتا اور رے پیلس کا منیجر کارسن اس سے ملاقات کرتا۔ عمارت میں موجود باقی افراد کو ملاقاتی کمرے میں جانے یا غیر متعلق شخص کے سامنے آنے کی سختی سے ممانعت تھی۔ یوں کبھی کسی کو رے پیلس کی اندرونی سرگرمیوں اور وہاں مقیم افراد کے بارے میں کوئی علم نہیں ہو پاتا تھا گویا باہر کی دنیا کے لیے رے پیلس ایک راز تھا۔ ایک ایسا راز کہ باہر والوں کو یہ بھی شبہ نہیں تھا کہ رے پیلس میں کوئی راز بھی ہے۔
''باہر کی دنیا سے یوں منقطع ہونے میں کیا مصلحت ہے؟'' میں نے پوچھا۔
آئرین نے مسکرا کر کہا ''ماسٹر! آپ بہت ہینڈسم ہیں۔ آپ عورتوں کو متاثر کرنا جانتے ہیں۔''

''کیارے پیلس کی اندرونی سرگرمیاں قانون کی نظر میں مشتبہ ہیں؟''

''ماسٹر! رے پیلس کے اپنے قانون ہیں۔ یہاں کوئی باہر کے قانون کا ذکر نہیں کرتا۔''

گویا وہاں دستور زباں بندی بھی نافذ تھا۔ چنانچہ میں بھی چپ ہو گیا پھر آئرین چلی گئی۔ درحقیقت مجھے اس وقت اس کے جسم یا حسن سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لہٰذا جب میں نے اپنی توجہ کھینچ لی اور گفتگو کا سلسلہ بھی منقطع کر لیا تو اسے جانا پڑا۔ چائے ختم کر کے میں بھی اپنے کمرے میں چلا آیا۔ دن کا اجالا ماند پڑ چکا تھا اور رات کا طلسمی اندھیرا دھیرے دھیرے پھیلتا جا رہا تھا۔ میں آتے ہوئے لائبریری سے ایک کتاب لیتا آیا تھا جو نسل انسانی کے ارتقاء اور پھیلاؤ کے بارے میں تھی۔ مصنف نے کچھ تاریخی حوالوں اور کچھ فطری شواہد سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ انسانی نسل دراصل ایک ہی ہے۔ جب کچھ ناگزیر وجوہ (جن کا مصنف نے ذکر بھی کیا تھا) سے انسانوں کے چھوٹے بڑے مختلف گروہ دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلے تو صدیوں بعد وہ مختلف نسلوں میں بٹ گئے اور آرین، سامی، عبرانی وغیرہ وغیرہ کہلائے۔ میں نے کتاب پڑھنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ نگاہ لفظوں پر دوڑتی تھی اور ذہن رے پیلس کی راہداریوں اور کمروں میں بھٹکتا پھرتا تھا۔ جن افراد سے اب تک سامنا ہوا تھا، ان کے چہرے نظر کے سامنے بار بار ابھرتے تھے۔ ان سب نے مجھے ماسٹر کہہ کر پکارا تھا۔ حتیٰ کہ آئرین نے بھی، حالانکہ جب میں اس سے اس کے گھر پر ملا تھا تو وہ مسٹر راجو کہہ کر مخاطب کرتی تھی۔ ان کا ''ماسٹر'' کہنا مجھے قطعاً اچھا نہیں لگا تھا۔ خدا جانے وہ مجھے ماسٹر کہہ کر کیوں مخاطب کرتے تھے۔ میں کون ہوں؟ میں ان کے لیے کیا حیثیت رکھتا ہوں؟ وہ مجھے کیا سمجھتے ہیں۔ آخر انہیں کس نے اور کیوں مجھے ماسٹر کے لقب سے مخاطب کرنے کا حکم دیا ہے؟ یہ سب ایسا گورکھ دھندا تھا جو فی الحال میری سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا۔ تنگ آ کر میں نے کتاب میز پر رکھ دی اور بلوری صراحی اٹھا کر سرخ وائن ایک گلاس میں انڈیلی۔ رے پیلس میں شراب کے سوا کوئی بھی میرا دوست نہیں تھا۔

دوسرا دن خاصا ہنگامہ خیز ثابت ہوا تھا۔ کم از کم میرے لیے، وہ تمام سرگرمیاں ہنگامہ خیز ہی تھیں۔ میں نے ساڑھے آٹھ بجے ناشتا کیا۔ اس کے کوئی نصف گھنٹے بعد وہسکی کا ایک بڑا پیگ تیار کیا۔ صبح کے وقت وہسکی پینا بڑی ناشائستہ اور غیر مہذب حرکت ہے مگر میں جس قسم کی صورت حال میں گرفتار تھا، اس میں تہذیبی اصولوں کا زیادہ لحاظ نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ جب میں وہسکی پی رہا تھا تو اچانک دروازہ کھلا اور کارسن اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر مجھے فوری طور پر پیرس کے عجیب الخلقت نجومی کا دھیان آیا۔ اس لیے نہیں کہ اس کی شکل نجومی سے مشابہ تھی بلکہ اس لیے کیونکہ نجومی کی طرح وہ بھی عجیب الخلقت انسان تھا۔ وہ بے حد دبلا اور طویل القامت تھا۔ ناک پتلی اور مڑی ہوئی تھی۔ پیشانی تنگ اور چہرہ لمبوترا تھا، اس کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی جس سے سرد مہری اور سنگدلی کا اظہار ہوتا تھا۔ اس کے جسم کا جو بھی حصہ لباس سے آزاد تھا، وہ دودھ کی طرح سفید نظر آتا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے۔ اس سے نظریں ملانا کوئی خوشگوار عمل نہیں تھا۔ میں نے اپنے جسم میں سرد لہروں کو دوڑتے ہوئے محسوس کیا۔ اس نے سر کو جھکا کر مجھے تعظیم دی، پھر سرد لہجے میں بولا ''میں کارسن ہوں، رے پیلس کا منیجر۔''

''تو تم ہو کارسن۔'' میں نے شراب کی ایک چسکی لی ''کل تمہارا ذکر سنا تھا۔''

''کل میں ایمن مینشن گیا ہوا تھا۔'' اس نے کہا ''اس لیے جناب کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکا تھا۔'' قدرے توقف کے بعد اس نے مزید اضافہ کیا ''مگر مجھے یقین ہے کہ آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی ہوگی یہاں آپ کی خدمت کے لیے متعدد افراد موجود تھے۔''

''مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔'' میں نے ایک سگار اٹھا کر سلگایا۔

''میں یہ اطلاع دینے کے لیے حاضر ہوا تھا۔'' اس نے ادب سے کہنا شروع کیا ''کہ لارڈ رے تشریف لے آئے ہیں اور ریسٹ روم میں جناب کے منتظر ہیں۔ اگر آپ ضروریات سے فارغ ہو چکے ہوں تو تشریف لے چلیں۔ لارڈ رے کل ہی آپ سے ملنا چاہتے تھے لیکن آپ کی آمد سے قبل ہی انہیں ایک ضروری کام سے پیرس جانا پڑ گیا تھا اس لیے نہیں مل سکے تھے۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے سر ہلا کر کہا ''تم کسی کو بھیجو تا کہ میں لباس تبدیل کر لوں۔''

نصف گھنٹے بعد جب میں ریسٹ روم میں داخل ہوا تو بے حد مضطرب اور منتشر تھا۔ میں ایک ایسے شخص کا سامنا کرنے والا تھا جو رے پیلس جیسی عظیم الشان عمارت کا مالک تھا اور غالباً اس گروہ میں سب سے ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ اس ملاقات کے نتیجہ خیز ہونے کا امکان بھی تھا۔ شاید مجھے میرے بہت سے سوالوں کا جواب مل جائے۔ یہ شان و شوکت جو مجھے مہیا کی گئی ہے تو آخر کس لیے۔ لارڈ رے برانڈ مجھ پر اتنا مہربان کیوں ہے؟ انہی خیالوں میں الجھا ہوا میں کمرے میں داخل ہوا اور سب سے پہلے میری نظر ایک گول مٹول اور جسیم شخص پر پڑی۔ اس نے یک لخت ایک انگلی اٹھا کر اونچی آواز میں کہا۔

''وہی ہو..... تم بلاشبہ وہی ہو!''

میں نے بڑی کوشش سے اپنے اندرونی اضطراب کو چھپایا اور کمرے میں چاروں طرف نظر ڈالی۔ وہاں کئی افراد موجود تھے۔ ڈاکٹر نیفا، باربرا، روز آلبہ، کارن، ان کے علاوہ تین افراد اور بھی تھے جن سے میں واقف نہیں تھا۔ ان سب کا جائزہ لینے کے بعد میں نے پھر جسیم شخص کو دیکھا اور آہستہ سے کہا ''میں کون ہوں؟''

''تم وہی ہو جس کا ہمیں انتظار تھا۔''

''اور تمہیں کس کا انتظار تھا؟''

''تمہارا۔'' اس نے پھر انگلی سے اشارہ کیا ''تمہیں آنا تھا، کیونکہ کتابوں میں لکھا تھا کہ تم ضرور آؤ گے، چنانچہ ہمیں تمہارا انتظار تھا اور دیکھو کہ تم آ گئے۔ کتابوں میں لکھا پورا ہوا۔ جو باقی ہے، وہ بھی ضرور پورا ہوگا، کیونکہ جو کچھ کتابوں میں لکھا گیا، وہ آسمانوں پر فیصلہ ہوا تھا، اور آسمانوں کے فیصلے بدلا نہیں کرتے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ وہ پیش گوئیاں پوری ہوں جو صدیوں پہلے کی گئی تھیں۔''

میرا جی چاہا کہ اس سے پوچھوں کہ وہ کتابیں کس کم بخت نے لکھی تھیں، اور وہ کم بخت کون ہیں جو ان کتابوں کو سچ مانتے ہیں، لیکن میں نے اپنی زبان کو بے لگام نہیں ہونے دیا۔ مصلحت کا تقاضا یہی تھا پھر میں نے ایک بار چاروں طرف نظر ڈالی۔ انہوں نے سب سے بیش قیمت صوفہ میرے لیے چھوڑ دیا تھا۔ میں آگے بڑھ کر صوفے پر بیٹھ گیا اور جسیم آدمی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تم لارڈ رے برانڈ ہو۔''

''ہاں بھتیجے۔'' اس نے یکا یک خوش مزاجی کا مظاہرہ کیا ''میں رے برانڈ ہوں اور تم میرے بھتیجے ہو۔''

میں نے یکا یک عجیب سی تبدیلی کو محسوس کیا۔ لارڈ رے کی شخصیت اور چہرے کا ہر تاثر اچانک بدل گیا تھا۔ جب وہ کتابوں اور پیش گوئیوں کی بات کر رہا تھا تو اس کی آواز قطعی مختلف تھی۔ وہ آواز بھاری اور کھردری تھی اور اس میں گونج تھی۔ اس میں ایک ایسی خود فراموشی کی سی کیفیت تھی جیسے کوئی آدمی ہپناٹائزڈ ہونے کے بعد بولتا ہے۔ یعنی خود اسے علم نہیں ہوتا کہ وہ بات کر رہا ہے۔ لارڈ رے کے انداز سے بھی یہی تاثر نمایاں ہوتا تھا مگر جب اس نے مجھے بھتیجا کہا تو اس کی آواز اور انداز یکسر بدل گیا تھا۔ اب وہ ایک شوخ اور کھلنڈرے لڑکے کے انداز میں بول رہا تھا۔ میں نے اپنے ''چچا'' کی شخصیت کا بہت غور سے جائزہ لیا۔ وہ ایک فربہ اور جسیم آدمی تھا۔ اس کا قد پانچ فٹ اور آٹھ انچ کے قریب رہا ہوگا۔ وزن کم از کم دو سو پچاس پونڈ یا اس سے بھی زیادہ، پیٹ ایک بڑے ڈرم کی طرح نظر آتا تھا۔ اس کی پھولی ہوئی گردن اتنی مختصر تھی کہ چہرہ شانوں پر رکھا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ اس کی رنگت تانبے کی طرح سرخ تھی۔ شاید اس کی وجہ زیادہ شراب نوشی رہی ہوگی یا ممکن ہے، وہ گرم ملکوں میں زیادہ وقت گزارتا ہو۔ میں چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ اس نے مجھے بھتیجا کہا تھا۔ حد ہوگئی حماقت کی۔ بعض لوگوں کو مذاق کا سلیقہ بھی نہیں ہوتا۔ وہ سفید فام ہے، میں سانولی رنگت کا ایشیائی ہوں۔ ہم دونوں کبھی ایک دوسرے سے نہیں ملے پھر بھی اس نے چچا بھتیجے کا رشتہ قائم کرلیا۔ میں نے مسکرا کر کہا۔

''کیا اس رشتے کے بغیر کام نہیں چل سکتا؟''

''کام تو چل سکتا ہے مگر یہ رشتہ ضرورت نہیں حقیقت ہے۔'' وہ بھی مسکرایا۔

''کیا مطلب؟''

''تم نہیں سمجھو گے۔'' اس کا لہجہ پھر یک لخت بدل گیا ''یہ بہت پرانی بات ہے۔ اس کہنہ سال حقیقت نے وقت کا بہت لمبا سفر طے کیا ہے۔ تم اسے اتنی جلدی نہ سمجھو گے، نہ قبول کرو گے، مگر تردد کی ضرورت نہیں۔ دھیرے دھیرے ساری حقیقتیں تمہارے سامنے بے لباس ہو جائیں گی اور تم خود بخود سمجھ جاؤ گے۔''

میں نے حیرت سے لارڈ رے کو گھورا ''تمہارا مطلب ہے کہ کبھی ہم اور تم سچ مچ.....''

''عجلت اچھی نہیں۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر میری بات کاٹی ''اپنے ذہن کو پریشان مت کرو۔ سب کچھ اسی طرح ہوگا جس طرح کتابوں میں لکھا ہے۔ بس کچھ ہی دن کی بات اور ہے، پھر سارا زمانہ تمہارے قدموں میں جھک جائے گا۔''

''زمانے کی ایسی کی تیسی۔ میں نے دل ہی دل میں کہا پھر لارڈ رے سے پوچھا ''مجھے یہاں ہر شخص ماسٹر کہہ کر پکارتا ہے۔ اس حماقت کی وجہ کیا ہے؟''

''خدام کو حد ادب سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ حفظ مراتب کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ آقاؤں کو آقا نہیں کہا جائے گا تو پھر کیا کہا جائے گا۔'' لارڈ رے یہ کہہ کر مسکرایا، پھر آہستہ سے بولا ''مجھے بہت افسوس ہے۔''

میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ سامنے ٹیبل پر سگریٹ کا طلائی بکس رکھا تھا۔ میں نے ایک سگریٹ نکال کر جلائی، پھر باری باری باربرا اور روز آلبہ وغیرہ کی طرف دیکھا۔ اتنی دیر ہوگئی تھی مگر وہ لوگ سنگی بتوں کی طرح خاموش تھے۔ ساری گفتگو صرف لارڈ رے کر رہا تھا۔ مجھے ان لوگوں کی خاموشی تکلیف دہ محسوس ہو رہی تھی۔ انہیں بھی بولنا

چاہیے۔ کچھ کہنا چاہیے، آخر وہ لوگ چپ کیوں ہیں، مگر میں نے ان میں سے کسی کو مخاطب نہیں کیا۔ چند لمحوں کے سکوت کے بعد لارڈ رے سے پوچھا ''تمہیں کس بات کا افسوس ہے؟''

''پچھلے کچھ عرصے میں تمہیں جن تکالیف اور صدمات سے گزرنا پڑا، مجھے ان کا افسوس ہے۔''

میں نے چونک کر اسے گھورا ''گویا تمہیں علم تھا کہ میں کن پریشانیوں سے دوچار ہوں؟''

''ہاں، مجھے ایک ایک پل کی خبر ملتی رہتی تھی۔'' اس نے کہنا شروع کیا ''میں جانتا تھا کہ پولیس تمہیں تلاش کر رہی ہے اور تم سڈنی کی تلاش میں بھٹکتے پھر رہے ہو۔ تمہاری ایک ایک لمحے کی مصروفیت اور بھاگ دوڑ کی اطلاع ملتی رہتی تھی۔ میں تمہاری مدد کرنا چاہتا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ میں تمہیں ہر مصیبت اور پریشانی سے بچا سکتا تھا۔ حتی کہ میں تمہارے سر سے قتل کا الزام بھی اتار سکتا تھا مگر افسوس کہ میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ یہ اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک سڈنی تمہارے ہاتھوں اپنے انجام تک نہ پہنچ جائے۔''

''غالباً یہ بھی کتابوں میں لکھا تھا۔'' میں نے زہر خند لہجے میں کہا۔ باربرا اور روز آلبہ کی جانب دیکھا۔ ظاہر ہے کہ میری ہر پل کی مصروفیت کی اطلاع لارڈ رے کو ان کے سوا اور کون دے سکتا تھا؟

''ہاں، یہ بھی کتابوں میں لکھا تھا۔'' لارڈ رے نے کہنا شروع کیا ''ابھی یہ تمام باتیں تمہیں ناقابل یقین سی لگیں گی مگر انجام کار تم ایک دن انہیں قبول کرو گے۔ سڈنی ہمارے راستے کا سب سے بڑا پتھر تھا۔ ہمارا مشن اس وقت تک آگے نہیں بڑھ سکتا تھا، جب تک کہ یہ پتھر نہ ہٹ جاتا۔ یوں ہم کسی بھی وقت اسے راستے سے ہٹا سکتے تھے مگر یہ ممکن نہ تھا۔ اسے بہر حال تمہارے ہاتھوں مرنا چاہیے تھا۔''

''مگر میں نے اسے قتل نہیں کیا تھا۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''میں جانتا ہوں۔'' لارڈ رے مسکرایا ''ہم سب جانتے ہیں کہ تم نے اسے قتل نہیں کیا، لیکن ارفینا کی پیش گوئی کے مطابق سے ایسے حال میں ڈوب کر مرنا چاہیے تھا، جب وہ تم سے اپنی جان بچانے کی کوشش کر رہا ہو..... اور دیکھو کہ یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔''

''یہ ارفینا کون ہے؟'' میں نے وہسکی کی صراحی کی جانب ہاتھ بڑھایا کیونکہ میرا حلق بری طرح خشک ہو رہا تھا۔

''ارفینا وہ شخص تھا جس نے تمہارا ہاتھ دیکھا تھا اور پھر کتابیں لکھی تھیں اور پیش گوئی کی تھی کہ تم ساڑھے تین ہزار سال کے بعد واپس آؤ گے اور ساری دنیا تمہارے قدموں میں جھک جائے گی۔ اب وقت آ گیا ہے۔ ساڑھے تین ہزار سال پورے ہوئے۔ اب وہ ساعتیں آسمانوں سے اترنے والی ہیں، جب ارفینا کی پیش گوئیاں پوری ہوں گی اور دنیا کی حکمرانی.....''

میں نے بے یقینی کے انداز میں لارڈ رے کو گھورا۔ یہ سب آخر وہ کیا کہہ رہا ہے۔ میں ساڑھے تین ہزار سال بعد واپس آؤں گا اور دنیا کی حکمرانی مجھے سونپی جائے گی مگر لارڈ کی توجہ میری جانب نہیں تھی۔ اس کی نظر خلا میں جمی ہوئی تھی، کچھ اس طرح جیسے وہ دیوار کے پار دیکھ رہا ہو اور وہ مسلسل بول رہا تھا۔ کتابوں، پیش گوئیوں اور ارفینا کے بارے میں نہ جانے کیا کیا کہہ رہا تھا۔ میں نے جلدی سے وہسکی کا ایک گھونٹ بھرا اور ہاتھ اٹھا کر کہا ''لیکن سوال یہ ہے کہ سڈنی کو میرے ہاتھوں کیوں مرنا چاہیے تھا؟''

''کیونکہ اس کے سینے پر ایک بڑا تل تھا جس کی شکل خنجر سے مشابہ تھی۔ وہ تمہارا صدیوں کا حریف تھا، پہلے بھی وہ تمہارے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچا تھا اور اب بھی ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔'' یہ کہہ کر لارڈ رے لمحے بھر کو رکا، مسکرایا، پھر بولا ''مگر تم پریشان اور متردد مت ہو۔ آہستہ آہستہ تمہیں اپنی ہستی کا ادراک ہوگا اور ساری حقیقتیں تم پر روشن ہو جائیں گی۔''

میں نے دھیرے دھیرے ہونٹوں پر زبان پھیری اور وہسکی کے گلاس کو گھورا جو میرے ہاتھوں میں آہستہ آہستہ کانپ رہا تھا۔ بدقت تمام میں نے گلاس اور اپنی انگلیوں کی تھرتھراہٹ کو روکا۔ میں کوئی کمزوری ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جو کچھ لارڈ رے نے کہا تھا، میرے لیے زیادہ تھا، ضرورت سے کچھ زیادہ ہی تھا۔ میرے ذہن و اعصاب اتنے قوی نہیں تھے کہ ان باتوں کو آسانی سے برداشت کر سکتے۔ جسم کے اندر رگ و ریشے میں ٹھنڈی ٹھنڈی لہریں دوڑنے لگی تھیں۔ شاید پیشانی بھی نم ہوگئی تھی اور غالباً اسی بنا پر میری سعی و کاوش کے باوجود لارڈ رے نے میرے اضطراب کو محسوس کر لیا چنانچہ اس نے مسکرا کر خوش دلی سے کہا۔

''تم پریشان کیوں ہوتے ہو، تمہارے مصائب ہم لوگ بانٹ لیں گے۔'' پھر اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر اضافہ کیا ''تم سے آج پہلی بار ملاقات ہوئی ہے۔ آؤ اس خوشی میں ایک چھوٹا سا جشن منایا جائے۔''

ہم ریسٹ روم سے اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ یہ ڈرائنگ روم عمارت کے عقبی حصے میں تھا اور حسب معمول شاہانہ طور پر آراستہ تھا۔ زرکار دیواروں پر بیش قیمت تصاویر آویزاں تھیں۔ کھڑکیوں پر ریشمی پردے پڑے تھے۔ ایک خاص بات یہ تھی کہ بجلی کے بجائے شمع دانوں میں موم بتیاں روشن تھیں جن کی ٹھنڈی روشنی کمرے میں بے حد خواب انگیز اور رومانی ماحول پیش کر رہی تھی۔ معمول کے مطابق سنہرا ریشمی صوفہ میرے لیے مخصوص کیا گیا۔ لارڈ رے میرے دائیں طرف نسبتاً چھوٹے صوفے پر بیٹھا اور ڈاکٹر نیفا بائیں طرف براجمان ہوا۔ جشن کا آغاز اعلیٰ درجے کی برانڈی، انتہائی نفیس ترکی سگاروں اور ریفا کے رقص سے ہوا۔ ریکارڈ پلیئر پر کسی قدیم مصری دھن کا ریکارڈ بج رہا تھا اور موسیقی کی بہتی ہوئی لہروں پر ریفا کا خوب صورت، شفاف، نیم عریاں بدن ہولے ہولے بل کھا رہا تھا۔ اس کی گردن کی ہر جنبش میں ہزاروں اشارے پنہاں تھے۔ کمر کی ہر لچک میں ان گنت مدوجزر تڑپ رہے تھے اور نگاہوں کی ہر ادا میں جذبات کے بے شمار سمندر مچل رہے تھے۔ وہ ایسا رقص تھا جو آدمی کے ذہن و احساس کی دنیا کو چشم زدن میں تاخت و تاراج کر دیتا ہے۔ جذبات کے جنگلوں میں آگ لگا دیتا ہے اور ہوش و حواس کی سرحدوں کو روند ڈالتا ہے مگر میری توجہ کمرے کے نشاط انگیز ماحول، ریفا کے مخملی بدن اور اس کے شعلہ فشاں رقص کی طرف نہیں تھی۔ میرا ذہن تو لارڈ رے میں الجھا ہوا تھا۔ وہ بڑا عجیب و غریب انسان تھا۔ نہ صرف اپنی جسامت اور چہرے مہرے کے اعتبار سے، بلکہ اپنے مزاج اور طرز عمل کے لحاظ سے بھی مجھے اس کی شخصیت میں بیک وقت کئی شخصیتیں نظر آئی تھیں۔ وہ کسی عمر رسیدہ اور تجربہ کار آدمی کی طرح زیرک اور بردبار بھی تھا اور کسی نوعمر لڑکے کی طرح کھلنڈرا اور سطحی بھی۔ وہ مکمل طور پر نارمل بھی دکھائی دیتا تھا اور کافی حد تک غیر متوازن بھی۔ اس کے چہرے سے نرم دلی اور ہمدردی کے تاثرات بھی ظاہر ہوتے تھے اور ساتھ ہی وہ اتنا سنگدل اور بے حس بھی دکھائی دیتا تھا کہ کسی کی لاش پر بیٹھ کر شراب پی سکے۔ اس کی تیکھی اور طنز بھری مسکراہٹ سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ وہ موقع پرست، لالچی اور مکار بھی ہے۔ اس کی شخصیت مجموعی طور پر متوازن بھی تھی اور

بے حد غیر متوازن بھی۔ گو میرے ساتھ وہ خوش اخلاقی سے پیش آیا تھا مگر پھر بھی میں نے اسے پسند نہیں کیا تھا۔ لاشعوری طور پر مجھے کچھ خوف سا محسوس ہوا تھا، لیکن یہ الگ بات ہے کہ میں نے اپنے تاثرات ظاہر نہیں کیے تھے۔ البتہ دل ہی دل میں یہ ضرور طے کرلیا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے گا، میں اس سے دور رہنے کی کوشش کروں گا۔

جشن اپنے عروج پر تھا۔ اب ریفا کے ساتھ ایک اور لڑکی بھی شامل ہوگئی تھی۔ وہ دبلی پتلی اور تیکھے نقش ونگار والی بڑی دلکش لڑکی تھی، مگر وہ انگلش نظر نہیں آتی تھی، اور میرا یہ اندازہ درست نکلا۔ لارڈرے نے بتایا کہ اس کا نام اولگا ہے اور نسلاً وہ روسی ہے مگر اسرائیل سے لندن آئی ہے۔ اس کے والدین برسوں پہلے ترک وطن کر کے لینن گراڈ سے تل ابیب چلے گئے تھے۔

''لندن کیوں آئی ہے؟'' میں نے یونہی پوچھا۔

''ماڈلنگ کا کورس کرنے۔''

میں پھر لڑکیوں کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ان کا رقص اب اور زیادہ ہیجان انگیز اور شوریدہ سر ہوگیا تھا۔ کمرے میں تیز موسیقی گونج رہی تھی اور ساتھ ہی شراب کی بو اور سگریٹ کے دھوئیں کے ساتھ ایک عجیب سی بو بھی محسوس ہو رہی تھی۔ یہ بو چرس کی ہرگز نہیں تھی، کیونکہ میں چرس کی بو سے آشنا تھا۔ یہ بو غالباً چانڈو یا افیون کی تھی اور لارڈرے، ڈاکٹر نیفا، روز آلبہ اور کارسن وغیرہ شاید سگریٹ میں بھر کر پی رہے تھے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ چانڈو یا افیون سگریٹ میں بھر کر بھی پی جاتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان کا اپنا کوئی مخصوص طریقہ ہو۔ انہوں نے مجھے ایسی کوئی سگریٹ نہیں دی تھی، اور یہ اچھا ہی تھا۔ میں خاموشی سے شراب پیتا اور بے دھیانی سے اولگا اور ریفا کو رقص کرتے ہوئے دیکھتا رہا..... پھر میری نظر بار برا پر جم گئی۔ وہ سامنے والے صوفے پر نیم دراز تھی۔ سنگ سیاہ سے ترشا ہوا اس کا حشر انگیز بدن میری نظروں کے سامنے تھا کتنے دن ہوگئے کہ میں نے اسے نہیں دیکھا تھا اس سے ملا نہیں تھا۔ اس سے باتیں نہیں کی تھیں۔ ان تمام دنوں میں میں اسے برابر یاد کرتا رہا تھا۔ کیا اس نے بھی مجھے یاد کیا ہوگا۔ کیا وہ بھی میرے لیے بے تاب ہوئی ہوگی؟ میری طبیعت رقص کی طرف بالکل مائل نہیں تھی، بلکہ میں چاہتا تھا کہ کچھ دیر کے لیے تنہائی میسر آئے تو بار برا سے باتیں کروں، ڈھیر ساری باتیں، بے شمار سوالات میرے ذہن میں کیڑوں کی طرح کلبلا رہے تھے۔ میں اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ اپنے بارے میں، لارڈرے کے بارے میں، اور پچھلے کچھ دنوں میں جو واقعات ہوئے تھے، ان کے بارے میں پھر میں اس سے ویرا کے متعلق بھی گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ ہر واقعے میں اور ہر جگہ کسی نہ کسی طور پر ویرا کی شخصیت ضرور موجود رہی ہوگی، لیکن وہ صرف میرے سامنے آئی تھی، صرف مجھ سے باتیں کی تھیں۔ کسی بھی موقع پر میں نے ویرا کو بار برا یا روز آلبہ وغیرہ کے ساتھ نہیں دیکھا تھا۔ ونڈسر میں جب میں پولیس سے بچ کر فرار ہوا تھا تو ویرا کے فارم ہاؤس میں گیا تھا۔ وہاں سے رے پیلس میں کیوں اور کیسے آیا۔ میں نے ویرا کی صرف ایک تصویر ایمن مینشن میں دیکھی تھی۔ اس کے علاوہ ویرا کا کوئی اور تعلق ایمن مینشن اور رے پیلس سے ظاہر نہیں ہوا تھا۔ میں بار برا سے پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ ویرا کو جانتی ہے یا نہیں۔ ویرا کون ہے؟ کہاں رہتی ہے۔ اس کا ایمن مینشن یا رے پیلس سے کیا تعلق ہے؟ اگر کوئی تعلق ہے تو وہ کبھی ایمن مینشن یا رے پیلس میں یا بار برا وغیرہ کے ساتھ کیوں نہیں دکھائی دی۔ مجھے امید

تھی کہ بار برا ان باتوں کی وضاحت ضرور کرے گی۔ وہ میری دوست تھی اور شاید مجھ سے محبت بھی کرتی تھی۔ کئی ماہ کی طویل اور گہری رفاقت کی بنا پر مجھے پوری امید تھی کہ وہ ہر سوال کا تفصیل سے جواب دے گی لیکن سر دست یہ موقع حاصل نہیں تھا۔ لارڈ رے وغیرہ کی موجودگی میں میں بار برا سے اس نوعیت کی گفتگو نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے بہر حال انتظار کرنا تھا۔ اس وقت تک، جب تک یہ موقع میسر نہ آ جائے۔ میں نے ایک نیا سگار جلایا اور دوبارہ رقص کی طرف متوجہ ہو گیا، مگر کچھ اس طرح جیسے میں وہاں موجود ہونے کے باوجود نہیں تھا۔

☆☆☆

کئی دن گزر گئے مگر بار برا سے بات چیت کا موقع نہیں ملا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے رے پیلس میں قیام نہیں کیا۔ اس دن رقص کے اختتام پر لارڈ رے وغیرہ چلے گئے تھے۔ میں نے بار برا سے ٹھہرنے کے لیے کہا بھی تھا مگر وہ مصروفیت کا عذر کر کے چلی گئی تھی۔ لارڈ رے نے چلتے چلتے کہا تھا ''بھتیجے یہاں تمہاری دلچسپیوں کا پورا اہتمام ہے۔ لہٰذا بار برا کو میرے ساتھ جانے دو۔ ہم لوگ اگلے چند دن میں بہت مصروف رہیں گے۔ ان گنت ضروری امور نمٹانے ہیں پھر جشن کی تیاری بھی کرنی ہے، لہٰذا بار برا کو مت روکو۔''

''کیسا جشن؟'' میں نے تعجب سے پوچھا۔

''جشن ایمن۔''

میں نے الجھے ہوئے انداز میں لارڈ رے کو گھورا۔

''جب کوئی ہمارا انجمن میں شامل ہوتا ہے۔'' لارڈ رے نے کہنا شروع کیا، اس کی آواز میں ہلکی سی گونج تھی ''تو ہم رسم ایمن ادا کرتے ہیں۔ اس رسم کی ادائیگی بہت ضروری ہے کیونکہ باہر کی دنیا میں ہزاروں آلائشیں ہیں، غلاظتیں ہیں اور آدمی ان میں آلودہ اور کثیف ہو جاتا ہے لیکن جب ہم یہ رسم ایمن ادا کرتے ہیں تو وہ تمام آلائشوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس کی ساری کثافتیں دھل جاتی ہیں اور وہ نوزائیدہ بچے کی طرح صاف اور معصوم ہو جاتا ہے۔''

''کون اس انجمن میں شامل ہو رہا ہے، کیا میں؟'' میں نے پوچھا۔ میری سمجھ میں اس کی ایک بھی بات نہیں آئی تھی۔

لارڈ رے مسکرایا ''وہ جو تمہاری ذات کا نصف ہے، تمہارے وجود کا دوسرا حصہ ہے، جس کے ساتھ مل کر تم اس دنیا کے کاکل و گیسو سنوارو گے۔ عروس گیتی کی مانگ میں افشاں بھرو گے۔ ہم اس کے لیے رسم ایمن ادا کریں گے۔ تمہارے لیے کسی رسم کی ضرورت نہیں۔ عظیم و جلیل اخناتن تمہیں سب سے عزیز جانتا ہے۔'' یہ کہہ کر لارڈ رے پھر مسکرایا۔ اس نے میرے گال پر تھپکی دے کر مزید کہا ''اور پھر تم میرے بھتیجے بھی تو ہو۔''

وقت دھیرے دھیرے گزرنے لگا۔ صبح ہوتی، پھر دوپہر ہوتی تھی، پھر شام کا مخملی دھندلکا آسمانوں سے اترتا اور جب شام ڈھلتی تو رات کی تاریکی ہر سو پھیل جاتی۔ میرے معمولات گھڑی کی سوئیوں کی طرح مقررہ اور طے شدہ تھے۔ ہر صبح اٹھ کر غسل کرتا، پھر ناشتا، اس کے بعد کپڑے تبدیل کرتا، ریفایا اولگایا کوئی اور لڑکی میری خدمت میں حاضر رہتی۔ رے پیلس میں خدام کی کمی نہ تھی۔ میرے امور کی ذمے داری مختلف افراد کے سپرد تھی۔ کپڑے تبدیل کرنے میں عموماً ریفا مدد کرتی تھی پھر میں نیچے چلا آتا۔ لندن اور آس پاس کے دوسرے شہروں کے تقریباً

سارے ہی اخبار آ جاتے تھے۔ میں لائبریری میں بیٹھ کر ان کا مطالعہ کرتا اور مجھے پولیس کی تازہ ترین سرگرمیوں کا علم ہوتا رہتا۔ اخباری اطلاعات کے مطابق پولیس کو رابن کی لاش مل گئی تھی۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ میں نے اپنی کار ونڈسر میں سڈنی کے گودام کے باہر چھوڑی تھی اور رابن کی لاش اس کی ڈکی میں موجود تھی مگر تعجب کی بات یہ تھی کہ لاش انہیں اس وقت نہیں ملی تھی اور نہ ہی کار کی ڈکی سے ملی تھی بلکہ رابن کے فلیٹ سے ملی تھی۔ یہ پڑھ کر میرے لیے خود کو سنبھالنا دشوار ہو گیا تھا۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ رابن کی لاش کار کی ڈکی میں تھی اور میں نے اسے ونڈسر میں چھوڑا تھا پھر بیس میل دور رابن کے فلیٹ میں کیسے پہنچ گئی۔ شاید اخبارات کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے مگر اس کا امکان نہیں تھا۔ رابن کی تصویر دی ہوئی تھی۔ اخبارات کے مطابق کسی اجنبی نے پولیس کو رابن کی موت کی اطلاع دی تھی۔ بعد ازاں رابن کے پڑوس میں رہنے والی ایک عورت نے پولیس کو میرے بارے میں بتایا تھا۔ گو اس وقت میرا حلیہ کافی بدلا ہوا تھا پھر بھی اس نے چند ایک باتیں ایسی بتائی تھیں جو واضح طور پر میری طرف اشارہ کرتی تھیں۔ علاوہ ازیں اس نے ایسکورٹ گاڑی کے رنگ اور ماڈل کا ذکر بھی کیا تھا چنانچہ پولیس نے فوراً یہ رائے قائم کر لی تھی کہ رابن کا قاتل بھی وہی ایشیائی نوجوان ہے جس نے جوڈی کو قتل کیا تھا۔ گویا میرے مصائب کے تابوت میں ایک اور کیل ٹھونک دی گئی تھی۔ اب میں ایک نہیں بلکہ قتل کی دو ہولناک وارداتوں میں ملوث ہو چکا تھا۔

مگر سوال یہ ہے کہ رابن کی لاش اس کے فلیٹ میں کیسے پہنچی؟

اخبارات نے پولیس کی سرگرمیاں بڑی تفصیل سے شائع کی تھیں۔ پولیس نہ صرف مجھے بلکہ باربرا، روز آلبہ اور کیٹی کو بھی تلاش کرتی پھر رہی تھی۔ ان کے پاس اس قیاس کے لیے قابل لحاظ وجوہ موجود تھیں کہ مذکورہ بالا تینوں عورتوں نے متذکرہ جرائم میں میری مدد کی ہے۔ اخبارات کے مطابق تینوں عورتیں اپنی کاروں سمیت غائب ہو چکی تھیں۔ روز آلبہ کا فلہم والا فلیٹ پولیس کی نگرانی میں تھا..... لیکن پولیس کو ہنوز کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی البتہ کیپٹن جیفرسن نے یہ امید ظاہر کی تھی کہ وہ جلدی ہی مجرموں کو پکڑنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اخبارات نے یہ بھی لکھا تھا کہ سڈنی کی تلاش بھی بدستور جاری ہے مگر وہ کہیں روپوش ہو چکا ہے۔ سڈنی کی موت کا کہیں ذکر نہیں تھا، نہ ہی اس بات کا کوئی تذکرہ آیا تھا کہ مجھے ونڈسر میں دیکھا گیا تھا اور یہ کہ پولیس نے میرا تعاقب کیا تھا۔ یہ ایک اور ایسی بات تھی جس پر میں یقین کرنے کے لیے تیار نہیں تھا آخر کیوں؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ پولیس کے کئی جوانوں نے میرا تعاقب کیا تھا۔ کیا انہوں نے اپنے افسران اعلیٰ کو اس بات کی اطلاع نہیں دی ہو گی، لیکن اگر دی ہوتی تو اس کا ذکر بھی اخباروں میں ضرور ہوتا۔

اخباروں میں مومی کا بھی کوئی ذکر نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ بھی اخبارات یا پولیس کے پاس نہیں گئی لیکن اگر جاتی تو وہ بھی سڈنی کی موت کا ذکر نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ وہ بے ہوش پڑی تھی اور جب تک وہ ہوش میں آئی ہو گی، تب تک سڈنی کی ہڈیاں بھی تیزابی محلول میں گھل کر ختم ہو گئی ہوں گی، لہٰذا اسے سڈنی کی موت کا علم نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ پولیس کو ہمارے جھگڑے کی اطلاع دے سکتی تھی مگر اس نے ایسا نہیں کیا تھا ورنہ کسی نہ کسی اخبار میں ضرور ذکر ہوتا۔

اخبارات کے مطالعے سے فارغ ہو کر میں ادھر ادھر گھومتا رہتا۔ مختلف کمروں کے چکر لگاتا۔ کبھی باغ میں

نکل جاتا۔ رے پیلس خاصی بلندی پر بنا ہوا تھا۔ وہاں سے چاروں اطراف میں دور تک بڑا خوب صورت منظر دکھائی دیتا تھا۔ اونچی نیچی ڈھلانیں، سبز پوش ٹیلے، ٹیڑھی میڑھی پتلی پتلی سڑکیں، ادھر ادھر بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے فارم ہاؤس اور ان کی چمنیوں سے اٹھتا ہوا دھواں، میں کٹی ہوئی پتنگ کی طرح باغ میں ڈولتا رہتا مگر باغ کی حدود سے باہر جانے کی کوشش کبھی نہیں کی۔ کیونکہ تو اس کی اجازت تھی اور نہ ہی یہ مناسب تھا۔ رے پیلس ایک چھوٹی سی دنیا تھی، باقی دنیا سے بالکل کٹی ہوئی اور الگ تھلگ۔ جب تک میں اس دنیا کی حدود میں تھا، محفوظ تھا، باہر میرے لیے خطرہ ہی خطرہ تھا۔ ہر گلی، ہر سڑک، ہر موڑ پر آفات و مصائب میرے منتظر تھے۔ بلائیں گھات لگائے بیٹھی تھیں۔ میں رے پیلس سے اس وقت تک باہر نہیں جا سکتا تھا جب تک مناسب تیاری نہ کر لوں۔

باربرا اور منیجر کارسن تقریباً روز آتے تھے۔ میں نے کئی بار برا سے گفتگو کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ وہ ہمیشہ عجلت میں ہوتی تھی۔ جس مقصد سے آتی، اسے تکمیل تک پہنچا کر فوراً واپس چلی جاتی۔ رے پیلس میں متعدد افراد تھے، وہ سب کے سب بے حد مصروف نظر آتے، ان کی سرگرمیوں سے صاف پتہ چلتا تھا کہ کسی خاص تقریب کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ وہ لوگ رے پیلس کی حدود سے کسی بھی حال میں باہر نہیں جاتے تھے۔ سارا دن کام میں جٹے رہتے۔ کمروں اور راہداریوں کی صفائی کی گئی۔ دیواروں اور چھتیوں پر رنگ و روغن ہوا، قالینوں کو صاف کیا گیا۔ مصنوعی پھولوں کے بڑے بڑے گملے اور بیلیں اور جھالریں بنائی گئیں۔ ان کے طریقہ کار اور طرز عمل سے ایک میکانکی انداز کا اظہار ہوتا تھا۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ سب کے سب بیشتر وقت نشے میں رہتے تھے۔ یہ نشہ شراب کا کم ہوتا تھا زیادہ تر چرس، کوکین یا مارفیا استعمال کی جاتی تھی۔ رے پیلس میں منشیات کی خاصی مقدار ہر وقت موجود رہتی تھی کبھی کبھی میں بھی چرس سے لطف اندوز ہو لیتا۔ اس میں کسی شوق یا عادت کو دخل نہیں تھا بلکہ شاید یہ ماحول کا اثر تھا یا شاید اس طرح میں ذہنی طور پر اپنے حالات سے فرار حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ جب تک میں شراب یا چرس کے نشے میں رہتا تب تک میرے ذہن و اعصاب پر پڑے ہوئے بوجھ میں کمی رہتی اور میں خود کو کسی حد تک آزاد اور باہمت محسوس کرتا۔

رے پیلس کے عقب میں، جہاں اصطبل تھا وہاں چار بڑے بڑے گرین ہاؤس تھے۔ ان میں ٹماٹر، ریڈش، کھیرے، میرو اور بنیز کے پودے اور بیلیں لگی ہوئی تھیں۔ یہ شاید پانچویں دن کی بات ہے، میں ایک گرین ہاؤس میں بیٹھا ہوا سرخ سرخ ٹماٹروں کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک باربرا وہاں آ گئی۔ جب وہ دروازے سے اندر داخل ہوئی تو میں چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ اس نے سبز رنگ کا لباس پہن رکھا تھا، اور ہمیشہ کی طرح پرکشش اور طرح دار نظر آ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی، وہی دمکتی ہوئی مسکراہٹ جو میرے حواس کو زیروزبر کر ڈالتی تھی۔

''میں تمہیں عمارت میں تلاش کر رہی تھی۔'' ایک دو لمحے کے سکوت کے بعد آخر کار اس نے کہا۔

''میں کبھی کبھی یہاں چلا آتا ہوں۔'' میں مسکرایا ''مجھے پودے اچھے لگتے ہیں۔''

وہ آگے بڑھ کر چھوٹی سی بینچ پر میرے ساتھ ہی بیٹھ گئی ''مجھے امید ہے یہاں تمہارا دل لگ گیا ہوگا، ہے نا۔''

یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ میری کمر میں ڈال دیا۔ میں نے اس کے جسم کی مہک اور نشاط انگیز حرارت محسوس کی۔ ایک لمحے کو دل چاہا کہ اسے اپنے بازوؤں میں لے لوں۔ سینے سے بھینچ لوں اور اس کے سرخ ہونٹوں کو دیر تک

چومتا رہوں۔ کتنے دن ہو گئے تھے کہ میں اس کے بدن کی شراب سے سرشار نہیں ہوا تھا مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ خود کو پرسکون رکھنے کی سعی کی اور آہستہ سے کہا۔

''میں تم سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' اس نے جواب دیا ''مگر راجو! میں کیا کروں، گزشتہ چند دنوں میں اتنی مصروف رہی کہ تم سے ملنے کا موقع ہی نہ مل سکا مجھے امید ہے کہ تم ناراض نہیں ہوتے ہو گے۔ ہے نا ماشوک۔'' اس نے ہولے سے میرے گال پر بوسہ دیا۔

''میں نے اخباروں میں پڑھا تھا۔'' قدرے توقف کے بعد میں نے کہا ''کہ پولیس کو رابن کی لاش ملی ہے مگر یہ لاش انہیں رابن کے فلیٹ سے ملی ہے۔''

''تو پھر؟'' باربرا نے چونک کر مجھے دیکھا۔

''رابن کی لاش اس فلیٹ میں نہیں تھی۔'' میں نے کہا۔

باربرا یکا یک مسکرائی پھر میری کمر پر ہولے سے تھپکی دے کر بولی ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم آخر ان الجھنوں میں پڑ کر پریشان کیوں ہوتے ہو۔ اگر انہیں رابن کی لاش اس کے فلیٹ سے ملی ہے تو کیا ہوا، تم کیوں متردد ہوتے ہو۔''

''رابن کی لاش ایسکورٹ گاڑی میں تھی اور وہ گاڑی میرے استعمال میں تھی۔ میں نے اسے ونڈسر میں چھوڑا تھا۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' باربرا نے مسکرا کر کہا۔ اس کا لہجہ پرسکون تھا ''ہم نے گاڑی وہاں سے ہٹا دی تھی۔ پولیس کو رابن کی لاش گاڑی میں نہیں ملنی چاہیے تھی۔ یہ بہت ضروری تھا اور نہ پھر خوامخواہ مزید الجھنیں پیدا ہوتیں۔''

''تو گویا تم لوگوں نے.....'' میں نے چونک کر باربرا کو گھورا اور فقرہ پورا کیے بغیر ہی رک گیا۔ باربرا میرے اور اپنے لیے سگریٹ جلا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ وہ بالکل پرسکون نظر آ رہی تھی، گویا وہ کسی لاش کے بارے میں نہیں موسم کے متعلق گفتگو کر رہی ہو۔ سگریٹ جلا کر اس نے میرے ہونٹوں سے لگا دی، پھر مسکرا کر بولی۔

''تمہارے اور ہم سب کے مفاد کے لیے یہ ضروری تھا۔''

چند ثانیے چپ رہ کر میں نے کہا ''رابن کی لاش مجھے گاڑی کی ڈکی میں ملی تھی۔ میں نے اسے قتل نہیں کیا تھا لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کی لاش روز آلبہ کی گاڑی میں کیسے پہنچی؟''

باربرا نے معاً میرا چہرہ غور سے دیکھا۔ اتنی دیر میں پہلی بار میں نے اس کے چہرے کے تاثرات میں تبدیلی محسوس کی، اور جب وہ بولی تو اس کی آواز بھی سرد اور سنگدلانہ تھی، اس نے کہا ''جن کی سانسیں پوری ہو چکی ہوں، وہ مر ہی جاتے ہیں۔ رابن کو تم نے قتل نہیں کیا لیکن کسی نے تو کیا ہی ہو گا۔ اس کی موت اسی طرح مقدر ہو چکی تھی اور آسمانوں کے فیصلے نہ میں بدل سکتی ہوں اور نہ تم۔''

''اس کو کس نے قتل کیا تھا؟'' میں نے پراسرار لہجے میں کہا ''تم نے، روز آلبہ نے یا کسی اور نے؟''

''تم آخر اس چکر میں کیوں پڑ گئے ہو۔'' بار برا نے ٹالنے والے انداز میں کہا ''کوئی اور بات کیوں نہیں کرتے، اور بھی تو بہت سے موضوعات ہیں۔''

میں چپ ہو گیا اور سگریٹ پیتا رہا۔ دھیرے دھیرے میرے جسم میں سنسناہٹ بڑھنا شروع ہوئی۔ دل کی دھڑکن میں بتدریج اضافہ ہونے لگا اور قمیص کے نیچے، جسم پر پسینے کی بوندیں رینگنے لگیں۔ تو آخر کار ساری بات صرف یہ ہے کہ رابن کے قتل کی ذمے داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے۔ اسے یا تو بار برا نے قتل کیا تھا یا روز آلبہ نے یا ان کے کسی اور ساتھی نے، اور اس کی لاش ایسکورٹ گاڑی میں صرف اس لیے ڈالی گئی تھی کیونکہ وہ گاڑی مجھے استعمال کرنا تھی۔ یہ خیال بہت لرزہ خیز تھا۔ کچھ دیر میں سکتے کی سی حالت میں بیٹھا رہا اور بے اعتباری کے ساتھ بار برا کو گھورتا رہا۔ کیا وہ ایسا کر سکتی ہے؟ کیا وہ اپنے بھائی کو قتل کر سکتی ہے؟ میں کچھ دیر ممکن اور ناممکن کے درمیان لٹکا رہا پھر میں نے اپنے سر کو زور سے جھٹکا۔ ایک لمبی سانس لی اور گرین ہاؤس کے شیشوں سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا تم ویرا ہمشائر کو جانتی ہو؟''

''کیوں؟'' یکا یک بار برا کا انداز پھر بدل گیا۔ اس نے مسکرا کر کہا ''تمہیں یہ خیال اس وقت کیوں آیا؟''

''کیونکہ جب میں پولیس کے تعاقب سے بچ کر بھاگا تھا تو ویرا کے فارم ہاؤس میں گیا تھا۔ وہاں مجھے غالباً نیند آ گئی تھی۔ جب آنکھ کھلی تو رے پیلس میں تھا۔ سوال یہ ہے کہ وہاں سے مجھے کون یہاں لایا تھا؟''

''ویرا ہماری انجمن کی اہم رکن ہے۔'' بار برا نے صاف اور پرسکون لہجے میں کہا ''مگر اپنی نجی مصروفیات کی بنا پر ہماری میٹنگوں میں شامل نہیں ہوتی۔ وہ اس رات اپنے فارم ہاؤس میں صرف اسی بنا پر موجود تھی۔ کیونکہ ہمیں شبہ تھا کہ شاید تم پولیس سے بچ کر اسی طرف جاؤ اور.....''

''تمہیں شبہ تھا۔ پولیس سے بچ کر.....'' میں نے حیرت سے اس کی بات کاٹی ''گویا تمہیں یہ بھی معلوم تھا کہ پولیس.....''

''ہمیں بہر حال تمہاری حفاظت مقصود تھی۔'' اس نے مسکرا کر کہا اور میری کمر کے گرد اپنے بازوؤں کا حلقہ تنگ کیا ''تم ان سب باتوں کو بھول جاؤ۔ جو بھی ہوا، وہ سب اسی طرح ہوا جس طرح ہونا چاہیے تھا۔ ابھی تم اندھیروں میں بھٹک رہے ہو اس لیے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو۔ جب یہ اندھیرے چھٹیں گے تو نہ صرف تمہیں حقیقتوں کا ادراک ہو گا بلکہ اپنی ذات کا عرفان بھی حاصل ہو گا۔''

میں چند لمحے چپ رہا۔ گو میرا دل بہت کچھ پوچھنے کو چاہ رہا تھا مگر میں نے مزید کچھ نہیں پوچھا۔ بار برا کے کئی جوابوں نے کئی اسراروں کو کسی حد تک بے نقاب کر دیا تھا۔ اس سے اور کچھ پوچھنا تضیع اوقات کے سوا اور کچھ نہ ہوتا۔ چنانچہ میں چپ چاپ بیٹھا رہا۔

جب میری خاموشی قدرے طویل ہوئی تو اس نے کہا۔

''راجو! چپ کیوں ہو گئے؟''

''مجھے رے پیلس میں کتنے دن رہنا ہو گا؟'' میں نے سرسری لہجے اور رواروی کے انداز میں کہا۔

''کیا تمہیں رے پیلس پسند نہیں آیا؟'' اس نے پوچھا۔

''یہ بہت شان دار عمارت ہے۔'' میں نے گرین ہاؤس کے شیشوں سے باہر جھانکا ''لیکن میں یہاں محدود ہو کر رہ گیا ہوں، اس وجہ سے بعض وقت کچھ گھٹن سی محسوس ہوتی ہے۔''

''مگر سردست تمہیں باہر نہیں جانا چاہیے۔ باہر تمہارے لیے خطرات کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ سارا اسکاٹ لینڈ یارڈ تمہاری تلاش میں سرگرداں ہے اور پھر تم آخر باہر کیوں جانا چاہتے ہو، یہاں تمہارے لیے سب کچھ ہے۔ خدمت کے لیے ملازمین ہیں۔ ملبوسات اور تفریحات کی کمی نہیں پھر متعدد خوب صورت عورتیں ہیں، جو ہر وقت تمہارے اک اشارہ ابرو کی منتظر رہتی ہیں۔ کیا تمہیں خوب صورت عورتیں پسند نہیں؟''

میں اس سے کہنا چاہتا تھا کہ مجھے خوب صورت عورتیں نہیں، صرف خوب صورت عورت پسند ہے، اور وہ خود بار بار ہے مگر میں نے کچھ نہیں کہا۔ بار بار مجھے غور سے دیکھ رہی تھی۔ شاید منتظر تھی کہ میں کچھ اور کہوں گا یا کچھ اور پوچھوں گا لیکن میں خاموش رہا تو وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''اب میں جاتی ہوں کچھ ضروری کام کرنے ہیں۔'' اس نے میرے بالوں میں ہاتھ پھیرا ''مگر تم فکر نہ کرو، جلدی ہی میری مصروفیات ختم ہو جائیں گی۔'' پھر وہ گرین ہاؤس سے باہر نکل گئی۔ میں اسے رے پیلس کے عقبی دروازے کی طرف جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ آسمان سے دھوپ جھما جھم برس رہی تھی۔ سنہری چمکتی دمکتی دھوپ، چاروں طرف اجالا ہی اجالا تھا۔ نیلے آسمان کی لامحدود وسعتوں میں کہیں کہیں بادل کے اکا دکا ٹکڑے تھے اور ان کے پیش منظر میں ان گنت پرندے محو پرواز تھے۔ آزاد اور خود مختار، وہ جہاں بھی چاہے جا سکتے تھے۔ میں انہیں خاموش نظروں سے دیکھتا رہا۔ اگر میں ایک پرندہ ہوتا تو ابھی اسی وقت اس گرین ہاؤس سے نکل کر بلندیوں کی جانب اڑنے لگتا۔ اوپر ہی اوپر اڑتا رہتا۔ اونچا اور اونچا، بادلوں سے بھی آگے نکل جاتا۔ حتی کہ کائنات کی انتہا تک پہنچتا اور آفاق کو چھو لیتا۔

لمحات بوند بوند کر کے ٹپکتے رہے۔ دھوپ نارنجی ہو گئی۔ درختوں کے سائے لمبے ہو گئے اور پھر آسمانوں سے شام کا طلسمی دھندلکا آہستہ آہستہ اترنے لگا۔

☆☆☆

جب رے پیلس کی وسیع عمارت سکوت کی آغوش میں سو گئی تو میں اپنے شاہانہ پلنگ سے نیچے اترا۔ مجھے یقین تھا کہ عمارت میں موجود تمام افراد اپنے اپنے کمروں میں سو چکے ہوں گے۔ ریفا گیارہ بجے میرے کمرے سے گئی تھی اور اس وقت، اس کی دانست میں، میں گہری نیند سو چا تھا لیکن یہ اور بات ہے کہ میں نے صرف آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ غالباً ریفا نے یہ سمجھا ہو گا کہ میں شاید تھکا ہوا ہوں اور آرام کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا وہ چپ چاپ چلی گئی تھی۔

چند لمحے میں قالین پر ننگے پاؤں کھڑا رہا پھر دبے پاؤں چلتا ہوا دریچے تک گیا۔ رے پیلس کے اندر بے شک سکوت طاری تھا مگر باہر ایک قیامت برپا تھی۔ آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور چھما چھم بارش ہو رہی تھی۔ وقفے وقفے سے بجلی کڑکتی، اس کی گرج کانوں میں گونج پیدا کرتی اور روشنی کا جھماکا آسمان پر دور تک چمکتا چلا جاتا۔ مجھے ایک بار پھر وہ کہاوت یاد آ گئی جو بالخصوص انگلستان کے بارے میں سارے عالم میں مشہور ہے۔ یعنی یہاں عورت، نوکری اور موسم کا کوئی اعتبار نہیں۔ کسی وقت بھی آپ کی بیوی آپ کو چھوڑ کر اپنے نئے عاشق

کے ساتھ جا سکتی ہے اور کسی بھی دن اچانک آپ کی ملازمت چھوٹ سکتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح موسم کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ کبھی دھوپ نکل آتی ہے، کبھی اچانک بارش ہونے لگتی ہے۔ سہ پہر کو جب میں گرین ہاؤس میں تھا تو دور تک نیلا آسمان نظر آتا تھا اور خوب دھوپ نکلی ہوئی تھی، مگر شام ہوتے ہی بادل ہجوم در ہجوم آتے چلے گئے۔ پہلے پھوار پڑنی شروع ہوئی، پھر ہلکی بارش اور اس کے بعد بارش کی تیزی اور تندی میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ میں کچھ دیر دریچے میں کھڑا دھوم دھام سے برستے پانی کو دیکھتا رہا۔ یہ کسی حد تک اچھا ہی تھا۔ بارش کئی لحاظ سے میرے لیے مددگار ثابت ہو سکتی تھی۔

گاؤن پہننے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں سلیپنگ سوٹ میں ہی بے آواز قدموں سے چلتا ہوا ملحقہ کمرے میں گیا اور جب دس منٹ بعد واپس خواب گاہ میں آیا تو میرے جسم پر سیاہ چست پتلون تھی۔ قمیص اور سوئٹر بھی گہرے رنگ کے تھے اور ان کے اوپر میں نے گہری سرمئی برساتی پہن رکھی تھی۔ سر پر چوڑے کناروں والی فیلٹ کیپ تھی۔ جوتے میں نے بغل میں دبا رکھے تھے کیونکہ میں بہر حال یہ نہیں چاہتا تھا کہ چلوں پھروں تو آواز پیدا ہو۔

پھر میں نے احتیاط سے دروازہ کھولا اور خواب گاہ سے باہر آ گیا۔

عمارت بدستور گہرے سکوت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ہر طرف اندھیرا بھی تھا۔ صرف راہداریوں اور ہال میں ہلکے نیلے بلب جل رہے تھے۔ میں کچھ دیر ایک سائے کی طرح راہداری میں کھڑا رہا۔ دراصل میں اس کشمکش میں مبتلا تھا کہ باہر جانے کے لیے کون سا راستہ اختیار کروں۔ رے پیلس میں جگہ جگہ خودکار الارم نصب تھے چنانچہ میں کسی بھی دروازے کو کھولنے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا جو کھڑکیاں کھل سکتی تھیں، وہ بھی الارم سے منسلک تھیں اور میں انہیں چھونے کی جرات بھی نہیں کر سکتا تھا۔ صرف ایک طریقہ کار تھا کہ میں سوئچ آف کر دوں مگر میں سوئچ صدر دروازے کے باہر تھا۔ ایک چھوٹے سے مقفل کمرے کے اندر، اور ظاہر ہے کہ میں صدر دروازہ کھولے بغیر باہر نہیں جا سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد میں سیڑھیاں اتر کر ہال میں آیا۔

وسیع ہال میں مدھم روشنی پھیلی ہوئی اور ہلکی نیلی روشنی میں، دیواروں پر سجی ہوئی تصاویر، جھاڑ فانوس اور دیگر اشیاء کے باعث ہال کی فضا بڑی پراسراری ہو گئی تھی۔ سامنے ہی طوطنخ آمن کا سنہری مجسمہ موجود تھا اور اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے مجھے گھور رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک استہزائی مسکراہٹ تھی۔ تحقیر آمیز اور طنز سے بھرپور، وہ مسکراہٹ مجھے متکلم محسوس ہو رہی تھی۔ جیسے طوطنخ آمن کہہ رہا ہو کہ۔ بیکار ہے، تمہاری یہ کوشش محض بیکار ہے۔ تم جاؤ گے کہاں؟ کہیں بھی نہیں۔ میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں اور اس دنیا کے چاروں کناروں تک پہنچ سکتے ہیں۔ تم کسی بھی حال میں میری دسترس سے باہر نہیں جا سکتے۔ جہاں بھی جاؤ گے، میرے ہاتھ تمہاری گردن تک پہنچ جائیں گے۔ میں خاموش کھڑا رہا اور خواہش اور ارادے کے باوجود اپنی توجہ طوطنخ آمن کے مجسمے پر سے نہیں ہٹا سکا۔ ہر چند کہ ہال میں خاموشی تھی مگر مجھے اتنا شور سنائی دے رہا تھا کہ کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے۔ وہ ساری تصویریں اور مجسمے جو ہال میں موجود تھے، مجھ پر ہنس رہے تھے۔ دانت نکوس نکوس کر مجھے چڑا رہے تھے۔ دیوانوں کی طرح اچھل پھاند رہے تھے اور قلابازیاں کھا رہے تھے۔ ایمنوفس اول و دوئم، ملکہ ٹیا، لغزیٹی، رئیس

اول، رئیس دوئم اور دوسرے مصری فرعون اور ان کی ملکائیں، وہ سب مجھ پر ہنس رہے تھے اور عجیب عجیب حرکتیں کر رہے تھے۔ سرکس کے کرتب بازوں کی طرح، کبھی وہ سر کے بل کھڑے ہو جاتے، کبھی چھت سے الٹے لٹک جاتے تھے اور کبھی قلابازیاں کھانے لگتے پھر یکا یک اخناتن میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور دانت نکوس کر بولا۔

''جانتے ہو، میں کون ہوں؟''

''کون ہو؟'' یہ بات جس شخص نے کہی وہ میں نہیں تھا کوئی اور تھا۔

''میں قدیم مصریوں کا خدا ہوں۔'' اس نے بندر کی طرح باچھیں پھیلا کر جواب دیا۔

''بڑی خوشی کی بات ہے۔'' میں نے ذرا مرعوب ہو کر کہا۔ کیونکہ خداؤں سے بہر حال ڈرنا چاہیے۔

''مگر یہ خوشی کی بات نہیں ہے، پوچھو.... کیوں..... پوچھو.....'' اس نے گرج کر مجھے حکم دیا۔ روایتی خداؤں کی طرح وہ اچانک برہم ہو گیا تھا اور خشمگیں نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔

''کیوں؟'' میں نے گھبرا کر جلدی سے پوچھا۔

''کیونکہ سارے قدیم مصری فنا ہو گئے۔ نہ فرعون رہے، نہ ان کی بیگمات، نہ معبد کدے رہے اور نہ مجھے سجدہ کرنے والے۔ دھیرے دھیرے میری خدائی بھی ختم ہو گئی۔ اب میں صرف کتابوں، تصویروں اور مجسموں تک محدود ہو گیا ہوں اور یہ ایسا زوال ہے جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔''

''واقعی یہ بہت بڑا المیہ ہے۔'' میں نے تسلیم کیا۔

''تم مجھ پر ایک کرم کرو گے؟'' قدیم مصر کے خدا نے بڑی لجاجت سے مجھ سے کہا۔

''کیا؟''

اس نے اپنا تاج اتارا اور میری طرف بڑھا دیا ''میں نے برسہا برس خدائی کی ہے مگر اب تھک گیا ہوں۔ خدائی کرنے میں اب کچھ زیادہ مزہ نہیں رہ گیا۔ ویسے بھی اب میری خدائی ختم ہو چکی ہے۔ لہٰذا یہ تاج تم لے لو، تاکہ میں آزاد ہو جاؤں۔ میں کتابوں، تصویروں اور مجسموں تک محدود نہیں رہنا چاہتا۔ میں..... میں آزاد ہونا چاہتا ہوں۔''

میں نے مصری خدا کو غور سے دیکھا۔ وہ بے چارہ بڑا بے کس اور مظلوم نظر آ رہا تھا۔ اسے واقعی مدد اور ہمدردی کی ضرورت تھی۔ مگر یہ یقیناً اس کی بدقسمتی تھی کہ اس نے مجھ سے مدد طلب کی تھی۔ میں وہ تاج نہیں لے سکتا تھا مجھے مصری خدا بننا ہرگز منظور نہ تھا کیونکہ اگر میں مصری خدا بن جاتا تو مجھے چند سر پھرے سجدہ کرنے والوں کے سوا اور کوئی نہ ملتا، اور پھر اس کی طرح میں بھی کتابوں، تصویروں اور مجسموں تک محدود ہو کر رہ جاتا۔

''نہیں۔'' میں نے معذرت کی ''میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔''

''تم، نالائق، ناسپاس، بے ادب۔'' اس نے شعلہ بار نظروں سے مجھے گھورا ''میں مصری خدا ہوں، میں تمہیں فنا کر دوں گا۔''

پھر اس نے یکا یک چھلانگ لگائی اور اپنے فریم میں واپس چلا گیا۔

اچھل پھاند بدستور جاری تھی اور میں خاموش کھڑا تھا۔ نظریں بدستور طوطے آمن کے مجسمے پر جمی ہوئی تھیں۔ نہ جانے کتنی دیر گزر گئی۔ ایسا لگتا تھا کہ میں اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کر سکوں گا۔ میرے اعصاب اور جسم و جان

مفلوج ہو کر رہ گئے تھے مگر پھر یکا یک مجھے ہوش آیا اور میں نے چونک کر اس طرح ادھر ادھر دیکھا جیسے دہشت ناک خواب سے جاگا ہوں۔ ہال میں وہی پراسرار اور سحر انگیز سکوت طاری تھا۔ سارے فرعون اور ان کی بیگمات اور خادمائیں اپنے اپنے فریموں اور مجسموں میں واپس چلے گئے تھے۔ میں نے معاً ہاتھ اٹھا کر پیشانی کا پسینہ پونچھا، طویل سانس لی اور طوطنخ آمن کے مجسمے کی جانب دوبارہ دیکھے بغیر دبے قدموں دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

طویل اور نیم روشن راہداری میں گربہ قدموں سے چلتا ہوا کچن تک آیا۔ کسی بھی کھڑکی یا دروازے سے باہر جانا ممکن نہ تھا۔ لہٰذا مجھے کوئی ایسا راستہ تلاش کرنا تھا جہاں سے بغیر کسی دشواری کے باہر جا سکوں۔ سب سے پہلے میں نے عقبی ڈرائنگ روم کا جائزہ لیا پھر کچن کا معائنہ کیا لیکن وہاں کوئی ایسا راستہ نہیں ملا جس کے ذریعے میں باہر جا سکتا۔ کچن سے ملحق باتھ روم تھا۔ اس کے علاوہ ایک کمرا ملازمین کے آرام کے لیے تھا۔ میں نے باری باری انہیں بھی دیکھا اور مایوس ہو کر باہر آ گیا۔ اب کیا کروں؟ میں نے مضطرب ہو کر سوچا، کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کرنا ضروری تھا۔ سہ پہر کو جب باربرا سے گفتگو ہوئی تھی، میں نے اسی وقت رے پیلس سے فرار ہونے کا منصوبہ بنا لیا تھا اور چپکے چپکے پوری تیاری بھی کر لی تھی۔ ضروری اشیاء کے علاوہ میری جیب میں اتنی رقم بھی موجود تھی جو مجھے دنیا کے کسی بھی کونے میں لے جا سکتی تھی۔

کچھ دیر بعد میں اسٹور روم میں داخل ہوا اور وہاں ایک ایسا راستہ مل گیا جو محفوظ تھا۔ یہ دراصل ایک ہوادان تھا جو بیرونی دیوار میں بنا ہوا تھا۔ وہ اگرچہ زیادہ چوڑا نہیں تھا مگر میں اپنے جسم کو سکوڑ کر اس میں سے گزر سکتا تھا۔ ہوادان پر ایک موٹی جالی لگی ہوئی تھی۔ میں نے جائزہ لیا تو پتا چلا کہ ہوادان کے کناروں کی سیمنٹ اور کیلیں اب اتنی مضبوط نہیں جتنی کبھی رہی ہوں گی۔ تھوڑی سی جستجو کے بعد ایک سلاخ مل گئی۔ جس کا ایک سرا نوک دار تھا۔ میں نے کچھ دیر کوشش کی اور ہوادان کی جالی کو باہر نکال لیا۔

ہر چند کہ ہوادان کا دہانہ زیادہ چوڑا نہیں تھا تاہم کسی نہ کسی طرح میں نے اپنے جسم کو ہوادان میں سے گزار لیا۔ باہر بدستور بارش ہو رہی تھی بلکہ اس میں اب کچھ اضافہ ہی ہو گیا تھا۔ موٹی موٹی بوندیں ایک مسلسل اور متواتر شور برپا کر رہی تھیں۔ میں کچھ دیر اپنی کہنیوں اور کندھوں کو سہلاتا رہا۔ جہاں شاید کچھ خراشیں آ گئی تھیں پھر میں نے جوتے پہنے اور گرین ہاؤس کی جانب بڑھ گیا۔ رے پیلس تک آنے جانے کے لیے دو راستے تھے۔ ایک صدر دروازے کی طرف تھا جو ڈھلوان کے اختتام پر مین روڈ سے جا کر مل جاتا تھا۔ دوسرا عقبی جانب تھا جو ایک پتلی سی مضافاتی سڑک سے جا کر ملتا تھا۔ یہ دونوں راستے پرائیویٹ تھے۔ میں مین روڈ کی طرف جانے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس میں دیکھ لیے جانے کا احتمال تھا البتہ مضافاتی سڑک محفوظ تھی۔ ادھر ٹریفک بہت کم ہوتا تھا، اور کوئی آتی جاتی ٹیکسی آسانی سے مل سکتی تھی اور اگر نہ ملے تو بھی کوئی بات نہیں۔ مجھے کچھ دور چلنا پڑے گا پھر کسی پبلک ٹیلی فون بوتھ سے ٹیکسی کے لیے فون کر دوں گا اور چند منٹ میں ٹیکسی آ جائے گی۔ انگلستان میں یہ ایک بات بہت اچھی ہے کہ جگہ جگہ ٹیلی فون بوتھ ہوتے ہیں۔ جہاں ٹیکسی چلانے والی ایجنسیاں اپنے کارڈ لگا دیتی ہیں۔ آپ کسی بھی جگہ سے فون کر دیجیے، ٹیکسی حاضر ہو جائے گی۔

اصطبل کی عمارت کے سائے میں ٹھہر کر میں نے کپڑے درست کیے اور گردوپیش میں نظر دوڑائی، ہر طرف

ویرانی، تاریکی اور دہشت ناک سناٹا مسلط تھا۔ برستی بارش کے اسرار انگیز شور کے سوا اور کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ چند لمحوں کے لیے میرے دل میں پس وپیش اور امید و یاس کی کیفیت پیدا ہوئی، کیا کروں، آگے جاؤں یا واپس لوٹ جاؤں۔ میرے لیے امن اور تحفظ کہیں بھی نہیں تھا۔ رے پیلس کے اندر بھی اور رے پیلس کے باہر بھی پھر آخر کیا کروں..... مگر واپس ہونا کسی لحاظ سے بھی مناسب نہیں تھا۔ جو قدم آگے بڑھ گیا، اسے آگے ہی بڑھنا چاہیے۔ ہر چند کہ باہر پولیس اور اسکاٹ لینڈ کے جاسوس میری تلاش میں سرگرداں ہیں لیکن اگر قسمت یاوری کرے تو میں اپنے دوست تک پہنچ سکتا ہوں اور پھر ہو سکتا ہے کہ اس کی مدد سے مجھے انگلستان سے فرار ہونے کا موقع بھی مل جائے۔

میں نے جیب سے ڈاڑھی اور مونچھیں نکال کر اپنے چہرے پر سجائیں پھر تاریک شیشوں والی عینک برساتی کی اوپر والی جیب میں رکھی اور تیزی سے نیچے اترنا شروع کیا۔ صدر دروازے کی طرف ڈھلان کم تھی لیکن عقبی جانب بہت زیادہ تھی۔ میں سنبھل کر اترتا رہا۔ تیز بارش میں راستہ دیکھنا بہت دشوار ہو رہا تھا۔ زمین پر پھسلن ہو گئی تھی۔ مجھے نیچے پہنچنے میں توقع سے زیادہ وقت لگ گیا۔ جب نیچے پہنچا تو میری سانس بری طرح پھول رہی تھی لیکن یہ تھکن ڈھلوان سے اترنے کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ اضطراب و خوف کی بنا پر تھی۔ یہ خوف مستقلاً دامن گیر تھا کہ ممکن ہے انہیں میرے فرار کا علم ہو گیا ہو اور وہ میری تلاش میں نکل پڑے ہوں۔ میں بار بار چونک کر رے پیلس کی طرف دیکھنے لگتا لیکن رے پیلس کی بلند و بالا عمارت بدستور سکوت اور سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی۔

جنگلا لکڑی کا تھا۔ جس سے رے پیلس کی حدود کا احاطہ کیا گیا تھا اور یہ بڑی اچھی بات تھی۔ جنگلا اگر تاروں کا ہوتا اور اس میں کرنٹ ہوتا تو بڑی دشواری ہوتی۔ میں احتیاط سے جنگلے پر چڑھ کر دوسری جانب اتر گیا پھر سڑک تک پہنچنے میں چھ منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ یہ ایک پتلی سی مضافاتی سڑک تھی۔ سکوت و سناٹے میں ڈوبی ہوئی۔ بارش کا پانی سڑک کے ننگے سینے پر چھما چھم برس رہا تھا۔ دونوں طرف دیو قامت درخت خوفناک عفریتوں کی طرح چپ چاپ کھڑے تھے اور مجھے گھور رہے تھے۔ سڑک پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سرکاری لیمپ پوسٹ لگے تھے جن کی زرد روشنی رات کے سناٹے کو اور زیادہ پراسرار بنا رہی تھی۔ کہیں کوئی آواز نہیں تھی کہیں زندگی کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔ میں کچھ دیر خاموش کھڑا رہا اور یہ فیصلہ کرنے کی کوشش کرتا رہا کہ دائیں طرف جاؤں یا بائیں طرف پھر میں نے بائیں طرف چلنا شروع کیا۔ خوش قسمتی سے زیادہ نہیں چلنا پڑا۔ کوئی پندرہ قدم گیا ہوں گا کہ ایک ٹیلی فون بوتھ مل گیا۔ میں بہ عجلت بوتھ میں داخل ہوا اور بے تابی سے ٹیکسی ایجنسیوں کے کارڈ تلاش کرنے کی کوشش کی مگر وہاں صرف ایک کارڈ تھا۔ سفید رنگ کا چھوٹا سا کارڈ جس پر موٹے ٹائپ کے حروف میں اے بی سی ٹیکسی سروس اور نیچے فون نمبر درج تھا۔ میں نے ریسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے شروع کیے۔

ٹیکسی تقریباً پندرہ منٹ میں آئی، لیکن یہ پندرہ منٹ بہت بھاری اور طویل تھے۔ لگتا تھا جیسے وقت کی رو تھم گئی ہے۔ میں بے چینی سے فٹ پاتھ پر ٹہلتا رہا، اور انتظار کرتا رہا۔ یہ وسوسہ بھی دل میں جاگزیں تھا کہ ٹیکسی نہ آئی تو کیا ہوگا۔ ہر چند کہ فون پر اچھی طرح وضاحت کر دی تھی کہ میں کس جگہ پر ہوں، پھر بھی یہ امکان موجود تھا کہ ڈرائیور وہاں تک نہ پہنچ سکے مگر جب کار دائیں طرف سے نمودار ہوئی تو میں نے سکون کی سانس لی۔ یہ ایک

پرانی میرینا تھی، اور اس کا انجن ضرورت سے زیادہ شور مچا رہا تھا۔

''آپ ہی نے ٹیکسی طلب کی تھی جناب۔'' ڈرائیور نے کار کے اندر سے ہی اونچی آواز میں پوچھا۔

''ہاں۔'' میں نے پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''مجھے افسوس ہے کہ کچھ دیر ہوگئی۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر فلیگ گرایا ''لیکن موسم بہت خراب ہے۔ ایک بار راستہ بھی بھول گیا تھا۔ دوبارہ پھر اس سڑک کو تلاش کرنے میں خاصی تاخیر ہوگئی۔''

''کوئی بات نہیں۔'' میں نے ذرا فراخ دلی سے جواب دیا۔

''آپ کو جانا کہاں ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''مجھے ذرا دور جانا ہے۔'' میں نے جواب دیا ''ہنسلو۔ امید ہے تمہیں کوئی زحمت نہ ہوگی۔''

''ہرگز نہیں جناب۔'' اس نے مستعد ہو کر کہا ''ویسے بھی ہنسلو زیادہ دور نہیں۔ ہم جلد ہی پہنچ جائیں گے۔''

مگر میں ہنسلو کیوں جا رہا تھا؟ کہتے ہیں، ڈوبتا ہوا آدمی تنکے کا سہارا لیتا ہے۔ میں بھی ڈوب رہا تھا اور میرے سامنے صرف ایک تنکا تھا اور میں اس کا سہارا لینے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ہنسلو میں میرا ایک دوست رہتا تھا۔ اس کا نام مہربان علی تھا مگر یہ کہنا درست نہیں کہ وہ میرا دوست تھا، دراصل وہ میرے سفر انگلستان کے ساتھی کا رشتے دار تھا اور اسی بنا پر اس سے دو چار بار ملاقات ہوئی تھی۔ وہ بڑا مخلص اور خوش مزاج آدمی تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ہر طرح سے میری مدد کرے گا۔ اس کا بہنوئی گلاسگو میں مقیم تھا۔ اگر مہربان علی مجھے کسی طرح گلاسگو پہنچا دے تو میں اس کے بہنوئی کے مکان میں اس وقت تک کے لیے روپوش ہو سکتا ہوں جب تک کہ پاسپورٹ نہ مل جائے۔ میرے ملک کے سفارت خانے کے مقامی آفس سے نئے پاسپورٹ کا ملنا گو دشوار امر تھا مگر مہربان علی کے بہنوئی کی مدد سے یہ مرحلہ بہر حال طے ہو سکتا تھا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ جیسے ہی پاسپورٹ ملے گا میں گلاسگو سے کسی دور دراز ملک کے لیے پرواز کر جاؤں گا۔

معاً ٹیکسی ڈرائیور نے پوچھا ''جناب! آپ کو ہنسلو میں کس جگہ جانا ہے؟''

''نمبر 71، پرل اسٹریٹ۔'' میں نے اسے مطلع کیا۔

ڈرائیور نے ڈیش بورڈ میں لگا ایک بٹن آن کر کے اپنے آفس کو مطلع کیا کہ وہ ایک مسافر کو لے کر نمبر 71 پرل اسٹریٹ ہنسلو جا رہا ہے پھر اس نے بٹن آف کر دیا اور سیٹی پر کوئی دھن گنگنانے لگا۔

میں نے ایک سگریٹ جلا لی تھی اور اس کے ہر کش کے ساتھ خود کو بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ رے پیلس اب اتنا پیچھے رہ گیا تھا کہ بلندی پر واقع ہونے کے باوجود نظر نہیں آتا تھا اور میں اپنے آپ کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اب میں اس جگہ سے نکل آیا ہوں۔ ابھی تک وہاں کسی کو میرے فرار کا علم نہیں ہوا تھا، اور جب تک انہیں علم ہوگا، میں بہت دور جا چکا ہوں گا۔ اتنی دور کہ وہ پھر مجھے تلاش نہیں کر سکیں گے..... لیکن کیا واقعی میں ان کی دسترس سے نکل آیا تھا؟ نہیں..... ہرگز نہیں، میں نے لاشعوری طور پر خود سے کہا۔ یہ محض خوش فہمی ہے، خیال خام ہے، اور خوش فہمی کے حصار میں پناہ لینے والے انجام کار ناکام ہو جاتے ہیں۔ مجھے بھی کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ جب تک میں اس ملک سے نہ نکل جاؤں تب تک میں گویا ان کی دسترس میں ہوں۔ میں نے بے قراری سے سوچا اور مضطربانہ نظروں سے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ بارش بدستور ہو رہی تھی بلکہ شاید کچھ اور تیز

ہو گئی تھی۔ دفعتاً میں نے بے چین ہو کر ڈرائیور سے کہا۔

''آخر تم تیز کیوں نہیں چلتے، میرے پاس وقت بہت کم ہے۔''

''میں پچاس کی رفتار سے چل رہا ہوں جناب۔'' ڈرائیور نے قدرے ناگواری سے جواب دیا ''ایسے خراب موسم میں اس سے زیادہ تیز چلنا ممکن نہیں۔ آپ یقیناً یہ پسند نہیں کریں گے کہ میں کوئی حادثہ کر بیٹھوں۔''

وہ بلاشبہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اسپیڈو میٹر کی سوئی پچاس کے آس پاس لرز رہی تھی۔ ایسے ناسازگار موسم میں جبکہ سڑکیں بے حد پھسلواں ہو رہی ہوں اور طوفان خیز بارش کے سبب راستہ دیکھنا دشوار ہو تو زیادہ تیز گاڑی چلانا دانش مندی کے خلاف تھا۔ وہ پچاس سے زیادہ نہیں جا سکتا تھا۔ اسپیڈو میٹر کی سوئی یہی بتا رہی تھی مگر مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ سوئی جھوٹ بول رہی ہے۔ گاڑی کی رفتار پچاس میل ہرگز نہیں ہے بلکہ آٹھ میل یا دس میل ہے۔ میں کچھ دیر چپ رہا اور بے اعتباری سے اسپیڈو میٹر کی سوئی کو گھورتا رہا پھر میں نے کہا۔

''ہنسلو اب کتنی دور ہے؟''

''زیادہ دور نہیں ہے۔ شاید دس پندرہ منٹ اور لگیں گے۔'' ڈرائیور نے ایسے انداز میں جواب دیا جیسے اسے مجبوراً بولنا پڑا ہو۔

میں نے پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ ہم تقریباً بیس یا پچیس منٹ سے سفر کر رہے تھے اور ابھی دس پندرہ منٹ کا سفر باقی تھا۔ اس کے بعد کہیں جا کر یہ اذیت ناک سفر تمام ہوگا، اور مجھے بے کسی کے احساس سے نجات ملے گی مگر دس پندرہ منٹ تک تو اس کرب میں جھلسنا ہی تھا۔ ہر چند کہ یہ عرصہ بہت معمولی ہے، لیکن جب تک گزر نہیں جاتا۔ تب تک صدیوں کے برابر طویل محسوس ہوگا۔

میرا ذہن ایک بار پھر خلفشار کا شکار ہو گیا۔ تصور میں ان گنت دائرے بننے اور بگڑنے لگے۔ مجھے برٹش میوزیم کی وہ سہ پہر یاد آئی جب میں پہلی بار باربرا سے ملا تھا۔ اس وقت وہاں ویرا ہمشائر بھی موجود تھی۔ دونوں کئی منٹ تک ایک دوسرے سے صرف چند فٹ کے فاصلے پر کھڑی رہی تھیں مگر ان دونوں نے ایک دوسرے سے کسی قسم کی شناسائی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ آپس میں قطعی طور پر اجنبی بنی رہی تھیں لیکن گزشتہ سہ پہر کو جب میں باربرا سے ملا تھا اور اس سے ویرا کے بارے میں سوال کیا تھا تو اس نے تسلیم کیا تھا کہ ویرا ان کی انجمن کی ایک اہم رکن ہے۔ آخر اس کا کیا مطلب ہے۔ اگر وہ دونوں ایک دوسرے سے واقف ہیں اور دونوں کا تعلق ایمن مینشن سے بھی ہے تو پھر انہوں نے ایک دوسرے سے عدم شناسائی کا اظہار کیوں کیا تھا؟ مگر اب اس سوال پر سر کھپانے کی ضرورت نہیں تھی۔ سہ پہر کو باربرا سے ہونے والی گفتگو نے کئی اسرار بے نقاب کر دیئے تھے۔ گو کہ اب بھی میں کئی واقعات اور کئی باتوں کی کوئی منطقی یا عقلی توجیہہ نہیں کر سکتا تھا مگر اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہ گیا تھا کہ میں جن حالات و واقعات سے دوچار ہوا تھا، وہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کا نتیجہ تھے۔ باربرا اور اس کے ساتھی ہر لمحہ میری نگرانی کرتے تھے اور انہیں میرے ہر عمل کا علم ہوتا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ میں کیا کرنے والا ہوں۔ بلکہ اکثر موقعوں پر انہوں نے دانستہ ایسے حالات پیدا کیے تھے کہ میں وہی کروں جو وہ چاہتے ہیں۔ باربرا نے مجھے سڈنی سے اس لیے ملوایا تھا تاکہ ہمارے لیے تلخی اور ناپسندیدگی کی فضا پیدا ہو۔ اس ناپسندیدگی کو مزید ہوا دینے کے لیے وہ مجھے سڈنی کے بارے میں ایسی باتیں بتاتی رہیں جو اخلاقی اور قانونی نکتہ نظر سے حد درجہ معیوب

اور نفرت انگیز تھیں پھر وہ مجھے ہاٹ لپس لے گئی۔ وہاں سڈنی سے میرا جھگڑا ہو گیا۔ ممکن ہے یہ تصادم ان کی خواہش اور منصوبے کا حصہ رہا ہو اور چونکہ جھگڑے کا سبب جوڈی تھی لہٰذا انہوں نے جوڈی کو قتل کر دیا۔ یہ ضروری تھا کہ میرے گرد اپنا جال مضبوط کرنے کے لیے وہ مجھے کسی جرم میں ملوث کر دیں۔ چنانچہ وہ پرچہ جو مجھے اپنی جیب سے ملا تھا، ممکن ہے جوڈی نے نہ لکھا ہو۔ بلکہ باربرا نے میری جیب میں ڈالا ہو تا کہ میں جوڈی کی مدد کے لیے بھاگا ہوا اس کے فلیٹ پر جاؤں، اور وہاں مجھے اس کی لاش ملے اور یوں میں اس کے قتل کے بھیانک جرم میں ماخوذ ہو جاؤں۔ ان کا یہ مقصد پورا ہو گیا۔ پولیس نے مجھے قاتل گردانا اور مجھے تلاش کرنا شروع کر دیا۔ اگر میرے بچاؤ کا کہیں کوئی خفیف سا امکان تھا بھی تو پینی کے بیان نے اس امکان کو ختم کر دیا۔ پینی نے پولیس کو پورے یقین کے ساتھ میرا حلیہ بتایا تھا لیکن اب مجھے یقین تھا کہ پینی نے مجھے جوڈی کے مکان میں آتے جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا بلکہ اسے میرا حلیہ باربرا یا روز آلبہ میں سے کسی نے فراہم کیا تھا۔ دوسری طرف مجھے یہ تاثر دینے کے لیے کہ میرے مصائب کا ذمے دار سڈنی ہے، پینی نے مجھے بتایا کہ اسے پولیس کو میرا حلیہ بتانے پر سڈنی نے مجبور کیا تھا۔ میں نے سوچا، کوئی تعجب کی بات نہیں ہو گی، اگر کسی دن پینی بھی رے پیلس یا ایمن مینشن میں نظر آئے اور مجھ پر یہ انکشاف ہو کہ وہ بھی ایمن مینشن سوسائٹی کی ممبر ہے، لیکن اب اس کا زیادہ امکان نہیں تھا کیونکہ میں بہر حال رے پیلس سے نکل بھاگا تھا، اور میرا واپس جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

کار چلتی رہی اور اس کے ساتھ ساتھ میرے خیالات کی رو بھی۔ جوڈی کے بعد رابن کا قتل ہوا۔ جب رابن میرے پاس آیا تھا تب میں نے اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں کیا تھا۔ اس نے مجھ سے باربرا اور ایمن مینشن سے دور رہنے کی نہ صرف تاکید کی تھی بلکہ درخواست بھی کی تھی۔ اس نے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ میرا مفاد اسی میں ہے کہ ان لوگوں سے قطع تعلق کر لوں مگر میں نے ایک نہیں سنی تھی۔ اس کے دلائل کو مذاق میں اڑا دیا تھا۔ میرا طرز عمل اس وقت غیر فطری نہیں تھا۔ ایک طرف رابن کے دعوے تھے، دوسری طرف باربرا کی جوانی، اس کا شباب اور اس کا حسن تھا، مگر رابن شاید سچ بول رہا تھا ورنہ اسے موت سے کیوں ہمکنار ہونا پڑا۔ ایمن مینشن والوں نے سوچا ہو گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ کبھی میں رابن کی باتوں کا اعتبار کر لوں اور یوں ان کے مقاصد کی تکمیل میں رخنے پڑ جائیں، لہٰذا انہوں نے بلا تکلف رابن کو ہلاک کر دیا۔ اس وقت میں روز آلبہ کے فلیٹ میں روپوش تھا روز آلبہ وغیرہ کو معلوم تھا کہ میں ان کی گاڑی بہر حال استعمال کروں گا۔ اس لیے انہوں نے رابن کی لاش کار کی ڈکی میں ڈال دی تا کہ اس کے قتل کا الزام بھی بہر حال میرے سر آئے۔ ان کا یہ مقصد بھی پورا ہوا۔ جب تک میں کار میں رہا۔ پولیس کی دسترس سے بچا رہا مگر بعد ازاں انہوں نے اس کی لاش اس کے فلیٹ میں ڈال دی اور غالباً کچھ پیسے دے دلا کر پڑوس میں رہنے والی عورت سے میرے خلاف بیان دلوا دیا۔ چنانچہ پولیس نے فوراً طے کر لیا کہ جو شخص ایک قتل کر سکتا ہے، وہ دوسرا قتل بھی کر سکتا ہے اور یوں رابن کی موت کی ذمے داری بھی میرے نامہ اعمال میں درج کر دی گئی۔

پھر میری بدقسمتی مجھے کھینچ کر ونڈسر کے گودام میں لے گئی جہاں سڈنی سے سامنا ہوا اور وہ تیزابی سیال کے ڈرم میں گر کر مر گیا..... پھر یکایک پولیس وہاں آ گئی اور مجھے ان سے بچ کر بھاگنا پڑا۔ اس دوران غور نہیں کیا تھا لیکن اب اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ پولیس والے دراصل ایمن سوسائٹی کے افراد تھے۔ وہ مجھے پکڑنا نہیں

چاہتے تھے بلکہ صرف بھاگنے پر مجبور کرنا چاہتے تھے اور وہ بھی ایک خاص سمت میں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ایک ایسے رخ سے میرا تعاقب کیا تھا کہ مجھے مجبوراً فارموں کی جانب بھاگنا پڑا تھا۔ اس کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ میں بہر حال ویرا ہمشائر کے فارم ہاؤس کی طرف جاؤں، اور میں نادانستگی میں وہی کرتا رہا جو وہ چاہتے تھے۔ ویرا نے مجھے کوئی نشہ آور مشروب پلا دیا۔ نتیجے میں میں سو گیا یا بے ہوش ہو گیا پھر مجھے رے پیلس منتقل کر دیا گیا کیونکہ اب ان کے منصوبوں اور مقاصد کا ایک حصہ پورا ہو چکا تھا اور میرا کھلی سڑکوں پر مزید بھٹکنا مناسب نہ تھا۔

میں نے ایک اور سگریٹ جلائی اور کھڑکی سے باہر دیکھا۔ سڑکوں پر بدستور سناٹا اور ویرانی مسلط تھی۔ ٹریفک بہت معمولی تھا۔ بس کبھی کبھار کوئی کار آتی جاتی دکھائی دے جاتی تھی، اور غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ موسم بہت خراب تھا۔ بارش بدستور ہو رہی تھی۔ کبھی ہلکی ہو جاتی، کبھی پھر تیز ہو جاتی۔ انگلستان میں جب بارش ہوتی ہے تو گھنٹوں ہوتی رہتی ہے۔ میں نے ایک بار پھر پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں اور خیالات کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے لگا۔ ممکن ہے سارے واقعات اس ترتیب سے نہ ہوئے ہوں، جس ترتیب سے میں سمجھا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ میرے ساتھ پیش آنے والے بعض واقعات ان کے منصوبے کا حصہ نہ ہوں لیکن جب وہ واقعات پیش آئے تو انہوں نے فوری طور پر طے کیا کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ مثلاً ہاٹ لپس میں ہونے والا جھگڑا۔ انہیں شاید گمان نہ رہا ہو کہ سڈنی سے میرا جھگڑا ہو جائے گا لیکن جب جھگڑا ہو ہی گیا تو ان لوگوں نے اس جھگڑے سے بہتر نتائج حاصل کرنے کا فیصلہ کیا اور جوڈی کو قتل کر دیا۔ اس ضمن میں ایک بات تقریباً طے شدہ تھی اور وہ یہ کہ وہ ہر حال میں یہ چاہتے تھے کہ سڈنی میرے ہاتھوں اپنے انجام تک پہنچے، ورنہ جھگڑے کے بعد وہ سڈنی کو ہی قتل کر دیتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تھا، آخر کیوں؟ ان لوگوں نے یہ کیوں چاہا کہ سڈنی بہر نوع میرے ہاتھوں ہلاک ہو؟ لارڈ رے برانڈ نے کہا تھا۔ یہ صدیوں پرانی پیش گوئی ہے اور کتابوں میں درج ہے اور اس پیش گوئی کو بہر حال پورا ہونا تھا، سوال یہ ہے کہ وہ کتابیں کہاں ہے اور کس نے لکھی ہیں اور.....اور کیوں لکھی ہیں؟

یکا یک کار کی رفتار کم ہوئی اور پھر رک گئی۔ ڈرائیور نے بھرائی ہوئی اور نیم غنودہ آواز میں کہا۔

''جناب ہم پہنچ گئے ہیں۔ سامنے اکہتر نمبر کا مکان ہے۔''

میں نے طویل سانس لی اور قدرے تذبذب کے ساتھ باہر دیکھا۔ منزل مقصود پر پہنچ کر جو بے کسی طاری ہوتی ہے، وہی کیفیت اس وقت میری ہوئی۔ ایسا لگا جیسے کسی سراب کے کنارے کھڑا ہوں، آگے بڑھوں گا اور ڈوب جاؤں گا۔ معاً مجھے ہنسی آئی، ڈوب جاؤں گا؟ میں تو پہلے ہی ڈوبا ہوا ہوں اور ابھرنے کے لیے اور ساحل تک پہنچنے کے لیے ہاتھ پاؤں چلا رہا ہوں۔ تذبذب کا وقفہ چند ثانیے رہا پھر میں نے کرایہ ادا کیا اور گاڑی سے باہر نکلا۔

پرل اسٹریٹ ایک خاصی لمبی سڑک تھی اور اکہتر نمبر کا مکان اسٹریٹ کے وسط میں واقع تھا۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک گلی میں سناٹے کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ البتہ بارش اب قدرے کم ہو گئی تھی۔ میں فٹ پاتھ پر ٹھہر گیا اور جیب سے سگریٹ نکال کر جلانے لگا۔ دراصل میں انتظار کر رہا تھا کہ ٹیکسی ڈرائیور چلا جائے اور

جب اس کی گاڑی موڑ پر جا کر دائیں طرف گھوم گئی تو میں آگے بڑھا اور ہلکے بادامی رنگ کے دروازے کی اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔

چند منٹ انتظار کرنا پڑا پھر پیسج میں بتی جلی اور ایک خمار آلود آواز سنائی دی۔ کسی نے انگریزی میں پوچھا۔

''کون ہے؟''

میں نے اونچی آواز میں اپنا نام بتا کر کہا'' دروازہ کھولو میں مہربان علی سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''آل رائٹ.....آل رائٹ!'' خمار آلود لہجے میں دوبارہ کہا گیا پھر لاک کھلنے کی آواز آئی اور دروازہ کھل گیا۔

میں جلدی سے اندر داخل ہوا۔ وہ شخص جس نے دروازہ کھولا تھا، لونگ روم کی طرف جا رہا تھا۔ اس کی پشت میری جانب تھی۔ میں نے دیکھا کہ اس نے پتلون کے اوپر سلیپنگ گاؤن پہن رکھا تھا۔ ہم دونوں آگے پیچھے رہائشی کمرے میں داخل ہوئے اور پھر میں نے طویل سانس لی۔

کمرے میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اتنی گہری کہ اگر ایک سوئی فرش پر گرتی تو اس کی آواز دھما کا محسوس ہوتی۔ اس گہری خاموشی میں میں نے گردوپیش کا جائزہ لیا۔ فائر پلیس میں نصب شدہ گیس ہیٹر دھیما دھیما جل رہا تھا۔ دائیں طرف ایک ٹیبل رکھی تھی اور اس پر نصف بھرا ہوا بیئر کا گلاس رکھا تھا۔ ایش ٹرے میں ایک سلگتی ہوئی سگریٹ موجود تھی اور ٹیبل کے ساتھ والے صوفے پر وہ بیٹھی تھی اور چمکتی ہوئی نظروں سے مجھے گھور رہی تھی۔

وہ شخص جس نے دروازہ کھولا تھا، دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ مہربان علی نہیں تھا بلکہ ایک ویسٹ انڈین نوجوان تھا مگر اس کا رنگ اور چہرے کے نقش بہت حد تک ایشیائی سے لگتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ اس نے گاؤن کے نیچے پورا سوٹ پہن رکھا تھا۔

میں یکا یک مسکرایا۔ جواب میں وہ بھی مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ اتنی تیکھی تھی کہ اس میں تلوار کی سی کاٹ محسوس ہوتی تھی۔

''مجھے یہاں دیکھ کر تمہیں تعجب ہوا.....ہے نا!'' معاً اس نے کہا۔

''ہاں، یقیناً مجھے تعجب ہوا ہے۔'' میں نے تسلیم کیا اور کوشش کی کہ میری آواز سے مایوسی اور ناکامی کا اظہار نہ ہو، مگر شاید اس میں کچھ زیادہ کامیاب نہیں ہوا۔

''اگر زحمت نہ ہو تو ذرا اس کھڑکی سے باہر دیکھو۔'' باربرا نے عقبی کھڑکی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا کھڑکی تک گیا۔ باربرا اور ویسٹ انڈین نوجوان کی تضحیک آمیز نظریں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ میں نے پردہ سرکا کر باہر جھانکا۔ بارش چونکہ اب قدرے کم ہو گئی تھی اس لیے کافی دور تک صاف دیکھا جا سکتا تھا اور اگرچہ وہاں سے فاصلہ خاصا تھا مگر میں نے بلندی پر بنی ہوئی اس عظیم الشان عمارت کو بغیر کسی دشواری کے دیکھ لیا۔ عمارت تک جانے والی سڑک پر دورویہ لگے ہوئے لیمپ پوسٹوں کی روشنی کے باعث اسے پہچاننے میں بھی دقت نہیں ہوئی۔ وہ رے پیلس تھا جہاں سے میں فرار ہوا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ مین روڈ کی جانب کچھ فاصلے پر مکانوں کی ایک طویل قطار تھی۔ یہ مکان غالباً فارم پر کام کرنے والے لوگوں کے لیے بنائے گئے

تھے۔ رے پیلس کی اوپری منزل کی کھڑکیوں سے یہ مکان صاف نظر آتے تھے اور میں انہی میں سے ایک مکان میں اس وقت موجود تھا۔ گویا ٹیکسی ڈرائیور مجھے ہنسلو نہیں لے گیا تھا بلکہ مضافات اور آبادی کا ایک طویل چکر کاٹ کر رے پیلس کے پاس ہی لے آیا تھا۔ میں کچھ دیر سلگتی آنکھوں سے رے پیلس کو گھورتا رہا پھر پردہ برابر کیا اور گھوم کر باربرا کو دیکھا۔

''تم شاید سوچ رہے ہو گے کہ یہ سب کچھ کیونکر ہوا؟'' باربرا نے مسکرا کر پوچھا۔ اس کی مسکراہٹ معاندانہ اور تمسخر آمیز تھی۔

میں نے جواب میں کچھ نہیں کہا لیکن میں واقعی اس الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا کہ یہ سب کچھ کیونکر ہوا۔ ٹیکسی ڈرائیور کے لیے تو خیر آسان تھا کہ مجھے ہنسلو لے جانے کے بجائے ادھر ادھر چکر کاٹ کر رے پیلس کے پاس ہی واپس لے آئے مگر سوال یہ ہے کہ کیوں؟ وہ گاڑی اے، بی، سی ٹیکسی سروس کی تھی اور میں نے پبلک ٹیلی فون بوتھ سے فون کر کے سے بلایا تھا۔ اسے کیا علم کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آیا ہوں۔ علاوہ اس کے اس نے واضح طور پر اپنے آفس کو مطلع کیا تھا کہ وہ ایک مسافر کو لے کر ہنسلو جا رہا ہے پھر وہ مجھے یہاں کیوں لے آیا۔ اس کا رے پیلس یا باربرا سے کیا تعلق ہے اور پھر آخر باربرا کو ان سب باتوں کا علم کیونکر ہوا؟ یہ سب سوالات مجھے پریشان کر رہے تھے مگر باربرا سے پوچھنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ مجھے یقین تھا، وہ خود وضاحت کرے گی اور ایسا ہی ہوا۔ جب میں ایک سگریٹ جلا چکا تو اس نے کہا۔

''مگر یہ سب کچھ بہت آسان تھا۔'' اس نے بیئر کا گلاس اٹھا کر ایک گھونٹ بھرا ''راجو! تمہیں بہت سی باتوں کا علم نہیں تھا مثلاً تمہیں یہ نہیں معلوم کہ جب سے تم رے پیلس میں آئے ہو، ہم ہر لمحہ تمہاری نگرانی کرتے رہے ہیں کیونکہ ہمیں شبہ تھا کہ شاید تم کسی وقت فرار ہونے کی کوشش کرو گے اور ہم ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ تم رے پیلس سے باہر نکلو۔ اسی طرح تمہیں یہ نہیں معلوم کہ رے پیلس اور ایمن مینشن کی کئی گاڑیوں میں محدود فاصلے کے ٹرانسمیٹر نصب ہیں۔ گزشتہ سہ پہر جب تم نے کہا تھا کہ تم رے پیلس میں محدود ہو کر رہ گئے ہو اور یہ کہ باہر جانا چاہتے ہو، مجھے اسی وقت شبہ ہوا تھا کہ تم ضرور فرار ہونے کی کوشش کرو گے۔ چنانچہ تم جب رات میں اپنے کمرے سے نکلے تو آئرین قریب ہی موجود تھی۔ جب تم سیڑھیوں سے اتر رہے تھے، اس وقت آئرین نے واکی ٹاکی پر چارلس بونڈ کو اطلاع دی جو عمارت کے زیریں حصے میں تھا پھر تم اسٹور روم میں گئے اور ہوا دان کی جالی اکھاڑنے کی کوشش کرنے لگے۔ اس وقت چارلس نے کارٹر کو مطلع کیا کہ تم کس راستے سے باہر نکلو گے۔ ہمیں پورا یقین تھا کہ رات کے اس پہر اور اتنے خراب موسم میں تم پیدل کہیں نہیں جاؤ گے بلکہ لازماً ٹیکسی کے لیے فون کرو گے اور اس مقصد کے لیے ہم نے پورا انتظام کر رکھا تھا۔ چنانچہ جب تم عقبی سڑک کی جانب ڈھلوان پر اتر رہے تھے اس وقت کارٹر نیچے سڑک پر پہنچ چکا تھا۔ سڑک پر گونز موجود تھا۔ کارٹر اور گونز بہ عجلت سڑک کی دونوں سمتوں میں لگے ہوئے ٹیلی فون بوتھ میں گئے اور وہاں سے ٹیکسی ایجنسیوں کے سارے کارڈ اتار کر اے بی سی ٹیکسی سروس کا کارڈ لگا دیا۔ تم نے دیکھا ہو گا کہ وہ کارڈ ٹائپ کیے ہوئے تھے۔ ہر دو طرف کے کارڈ بدلنے کا سبب یہ تھا کیونکہ ہمیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ تم کس طرف جاؤ گے۔ بہرکیف تم نے فون کیا اور وہ فون ہم نے اس گھر میں وصول کیا۔ تمہاری اطلاع کے لیے یہ بھی بتا دوں کہ میں لندن سے گیارہ بجے رات میں واپس آ گئی تھی اور

رے پیلس میں ہی موجود تھی۔ جب تم فرار ہوئے تو میں فوراً یہاں آ گئی تھی۔ تمہارا فون موصول ہونے کے بعد ہم نے گاڑی بھیجی اور انتظار کرنے لگے۔ چونکہ تم ان اطراف میں سڑکوں اور گلیوں کو نہیں پہچانتے، اس لیے ہمیں پوری توقع تھی کہ تمہیں کوئی شبہ نہیں ہوگا۔ جب تم سفر کر رہے تھے، تب ڈرائیور نے ہمیں مطلع کیا تھا کہ وہ نمبر اکہتر، پرل اسٹریٹ ہنسلو جا رہا ہے۔ شاید تمہیں یہ علم نہیں کہ زیادہ فاصلے پر جانے والے ٹیکسی ڈرائیور اپنے آفس کو صرف مقام کی اطلاع دیتے ہیں، پورا پتہ نہیں بتاتے لیکن ہمیں پورا پتہ بتانے کا مقصد یہ تھا، تاکہ ہم مکان نمبر بدل سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب تم یہاں پہنچے تو اکہتر نمبر دیکھ کر مطمئن ہو گئے اور بلا تکلف اندر چلے آئے۔ حالانکہ اس مکان کا نمبر انتیس ہے۔''

میں بڑی خجالت محسوس کر رہا تھا۔ اپنی دانست میں میں نے رے پیلس سے فرار ہونے میں بڑی ذہانت اور چالاکی کا مظاہرہ کیا تھا مگر اب انکشاف ہوا کہ بہت آسانی سے بے وقوف بنا لیا گیا تھا۔ میں محض ایک کھلونا تھا اور وہ لوگ گویا میرے ساتھ کھیلتے رہے تھے۔ یہ احساس بڑا اذیت ناک تھا اور مجھے شدید احساس کمتری میں مبتلا کر رہا تھا۔ چند لمحے کی خاموشی کے بعد میں نے ایک سگریٹ جلائی اور بار برا سے کہا۔

''تمہاری وضاحت کے بعد اب یہ سب کچھ بڑا آسان نظر آتا ہے مگر ایک دو باتیں بدستور وضاحت طلب ہیں۔''

''مثلاً۔''

''رے پیلس کی اکثر کاروں میں بے شک ٹرانسمیٹر نصب ہیں لیکن پرائیویٹ کاروں میں ٹیکسی کا میٹر نہیں ہوتا۔''

''درست ہے۔'' بار برا نے کہا۔ اس کی مسکراہٹ بدستور نشتر کی طرح تیز تھی ''مگر یہ جو گونز ہے نا.....'' وہ ویسٹ انڈین نوجوان کی طرف اشارہ کر رہی تھی ''یہ کچھ عرصہ پیشتر تک ٹیکسی ڈرائیور تھا اور اپنی پرائیویٹ ٹیکسی چلاتا تھا۔ وہ کار جس میں تم نے سفر کیا تھا، اسی کی ہے۔ اب اگرچہ یہ ہماری سوسائٹی کا ممبر ہے اور ٹیکسی نہیں چلاتا لیکن میٹر اس لیے نہیں اتارا گیا، کیونکہ وہ کار ابھی تک ٹیکسی کے طور پر رجسٹرڈ ہے۔ ٹیلی فون بوتھ کا رڈ بدلنے کے بعد گونز فوراً یہاں آ گیا تھا اور تمہارا فون ملنے کے بعد اسٹار کی گاڑی لے کر چلا گیا تھا۔''

میں نے کچھ دیر سوچ کر کہا ''کیا ٹرانسمیٹر کا تعلق بھی اسی گھر سے ہے؟''

''نہیں۔ ٹرانسمیٹر کی کال آئرین نے رے پیلس میں وصول کی تھی اور اس نے ہمیں فون پر مطلع کیا تھا۔''

میں نے بے دھیانی سے گونز کی طرف دیکھا۔ نظریں ملیں تو وہ مسکرا دیا۔ جواب میں میں بھی مسکرایا، پھر بار برا سے کہا ''مگر میں نے گونز کو کبھی رے پیلس میں نہیں دیکھا۔''

''گونز اور اسٹار کی اور چند ایک دوسرے افراد رے پیلس میں فی الحال نہیں آتے۔ ان کا تعلق بیرونی امور سے ہے۔''

کچھ اور کہنے سے پیشتر میں نے ٹیبل سے وہسکی کی بوتل اور گلاس اٹھا کر ایک بڑا پیگ تیار کیا اور دو تین گھونٹ بھرے۔ مجھے اس وقت شراب کی واقعی ضرورت تھی۔ لمحہ بہ لمحہ ٹوٹتے ہوئے اعصاب اور ڈوبتے ہوئے اعتماد کو بحال کرنے کے لیے شراب سے بہتر کوئی علاج نہیں تھا۔ تلخ وہسکی حلق سے اتری تو مجھے کافی سہارا محسوس

ہوا پھر میں نے قدرے پراعتماد لہجے میں باربرا کو مخاطب کیا۔

''باربرا میری جان! یہ سب کچھ درست سہی مگر سوال یہ ہے کہ جب تم لوگوں کو علم تھا کہ میں فرار ہو رہا ہوں تو مجھے رے پیلس میں ہی کیوں نہیں روک دیا گیا۔ اتنا لمبا کھیل رچانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''ضرورت تھی۔'' باربرا نے خشک لہجے میں جواب دیا ''ہم تمہیں یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ ہم غافل نہیں ہیں اور یہ کہ تم ہماری دسترس سے کسی بھی حال میں باہر نہیں جا سکتے۔ ہم نہ صرف ہر پل تمہاری نگرانی ہی کرتے ہیں بلکہ اگر کبھی اتفاق سے تم بھاگنے میں کامیاب ہو بھی جاؤ تو کہیں نہیں جا سکو گے۔ اسی لیے ہم نے تمہیں فرار کا پورا موقع دیا تھا اور اب مجھے یقین ہے کہ تمہارے دل میں کوئی خوش فہمی باقی نہیں رہے گی۔''

اتنا کہہ کر باربرا رک گئی۔ میں نے مزید ایک گھونٹ بھرا اور بے بسی سے مسکرایا۔ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ اس شخص کی بے بسی کا اندازہ کرنا ناممکن نہیں جس کا ہاتھ لب بام تک پہنچ گیا ہو مگر وہ اوپر نہ جا سکے بلکہ بدقسمتی اسے نیچے لے آئے۔ میری خوش فہمیوں کا سحر واقعی ٹوٹ گیا تھا۔ میں سمجھا تھا کہ رے پیلس سے فرار ہونے میں کامیاب ہو جاؤں گا مگر یہ محض خیال خام تھا۔ ایک ایسا خواب تھا جو تکمیل تک نہیں پہنچا تھا کہ آنکھ کھل گئی۔ اب کیا کوئی ایسا امکان ہے کہ میں پھر یہ جرات کر سکوں پھر یہ قدم اٹھا سکوں؟ میں نے ایک اور گھونٹ لیا اور باربرا کو دیکھا۔ وہ شاید سوچ رہی تھی کہ میں مزید کچھ پوچھوں گا لیکن خاموش رہا تو اس نے کہا۔

''ماشوک! تم نے رے پیلس سے بھاگنے کی کوشش کیوں کی؟''

میں اس سوال کا کیا جواب دیتا۔ کیسے اسے بتاتا کہ جو کچھ بھی میرے ساتھ ہوا ہے، وہ مجھے پسند نہیں۔ میں محدود نہیں ہونا چاہتا۔ میں مسدود نہیں ہونا چاہتا۔ مجھے کھلی فضا چاہیے۔ کھلا آسمان چاہیے اور تھوڑی سی خودمختاری چاہیے لیکن یہ سب کچھ کہنا لاحاصل ہوتا، چنانچہ چپ رہا۔ باربرا انتظار کرتی رہی۔ جب میں نے لب نہیں کھولے تو باربرا نے خود ہی کہا۔

''تم نے جو کچھ کیا اچھا نہیں کیا۔ آئندہ ایسی جرات نہیں کرنا۔ تمہارے اوپر تین افراد کو قتل کرنے کا الزام ہے اور تم قانون سے بھاگے ہوئے مجرم ہو۔ پورا اسکاٹ لینڈ یارڈ تمہاری تلاش میں سرگرداں ہے۔ چنانچہ تم نے پھر فرار ہونے کی کوشش کی تو اپنے عبرتناک نتائج کے ذمے دار خود ہوں گے۔ یاد رکھو، اس آسمان کے نیچے تمہارے لیے کہیں کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ کوئی تمہارا حامی اور مددگار نہیں ہے۔ صرف ہم تمہارے دوست ہیں، لیکن ہماری دوستی حاصل کرنے کے لیے تمہیں اپنا طرز فکر بدلنا ہوگا اور ہر پل یہ یاد رکھنا ہوگا کہ جوڈی اور رابن کا کیا حشر ہوا تھا۔'' وہ اک ذرا رکی، پھر اس نے مزید اضافہ کیا ''اور پھر راجو! تم بھاگنا کیوں چاہتے ہو۔ ہم نے تمہارے لیے ہر آسائش مہیا کر دی ہے۔ شرابیں، ملبوسات، دولت، خدام اور خوب صورت لڑکیاں..... پھر آخر تم جانا کیوں چاہتے ہو؟''

باربرا کے کہے ہوئے ایک ایک لفظ سے دھمکی کا اظہار ہو رہا تھا اور اس کے انداز اور لب و لہجے سے بھی عیاں تھا کہ وہ لوگ اس دھمکی پر عمل کرنے سے قطعاً گریز نہیں کریں گے۔ یہ دھمکی اس عورت نے دی تھی جو میری دوست تھی، جو میری محبوب تھی۔

مگر اب اس وقت اس کے سنگ سیاہ سے ترشے چہرے پر کوئی محبوبیت نہیں تھی۔ بلکہ سنگ سیاہ جیسی سختی اور

سرد مہری تھی۔ وہ ایک لمحے میں اس طرح بدل گئی تھی جیسے اچانک قسمت بدل جاتی ہے۔ وہ مجھے بے حد اجنبی اور سنگدلانہ نظروں سے گھور رہی تھی۔ شاید اپنے آخری سوال کا جواب سننا چاہتی تھی مگر میں نے کچھ نہیں کہا۔ باربرا نے خود ہی چند لمحوں کے بعد گونز کو مخاطب کیا۔

''گونز! راجو کو رے پیلس واپس لے جاؤ۔''

ہم دونوں گھر سے باہر آئے۔ دروازے پر وہی کار موجود تھی اور ڈرائیونگ سیٹ پر وہی شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے مجھے ہیلو کہا اور پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا مگر کار میں بیٹھنے سے پیشتر میں نے داڑھی، مونچھیں، جو چہرے سے اتار لی تھیں، جیب سے نکال کر پھینک دیں پھر میں کار میں بیٹھ گیا۔ گونز نے اگلی سیٹ سنبھالی اور پھر ڈرائیور نے جس کا نام اسٹار کی تھا، گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

آدھے گھنٹے کے بعد میں اپنی خواب گاہ میں داخل ہوا۔ بے نیل و مرام، بے حد ٹوٹا اور بکھرا ہوا۔ سوختہ جاں اور شکستہ خاطر۔ دروازہ احتیاط سے بند کر کے میں چپ چاپ کرسی پر بیٹھ گیا..... اور اپنی ذات کے ریزے چننے لگا۔ میرے دل میں ہزاروں بھنور بن رہے تھے اور پھیل رہے تھے اور میں دم بدم ان میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ اس وقت، بے کسی کے اس نامبارک لمحے میں مجھے سڈنی یاد آیا۔ اس نے کہا تھا ''وہ لوگ تمہیں فرعون بنانا چاہتے ہیں۔'' کیا وہ سچ کہہ رہا تھا..... مگر میں تو فرعون نہیں بننا چاہتا۔ میں جیسا ہوں، ویسا ہی ٹھیک ہوں۔ مجھے دولت نہیں چاہیے۔ حکومت نہیں چاہیے۔ خدام اور کنیزیں نہیں چاہئیں۔ میں صرف عاشق بننا چاہتا ہوں اور اپنی محبوبہ کے لیے، فریدہ کے لیے ساری عمر چھپ چھپ کر رونا چاہتا ہوں اور اگر ضرورت پڑے تو اس کے لیے جان دے دینا چاہتا ہوں..... لیکن یہ کیسا ستم ہے کہ یہ لوگ مجھے فرعون بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔

میں چپ چاپ کرسی پر بیٹھا رہا اور اندھیرا دم بدم میرے گرد و پیش میں گہرا ہوتا گیا۔

☆☆☆

وہ اتوار کی ایک ابر آلود رات تھی جب جشن ایمن منایا گیا۔

اس روز صبح ہی سے رے پیلس میں چہل پہل اور مصروفیت نظر آنے لگی تھی۔ عمارت میں موجود ہر فرد کسی نہ کسی کام میں جتا ہوا تھا۔ صفائی اور سجاوٹ کا زیادہ تر کام تہ خانے میں کیا گیا۔ متعدد اشیاء جو اوپر کے کمروں میں تھیں نیچے پہنچائی گئیں۔ طوطنخ آمن کا مجسمہ بھی تہ خانے میں لے جایا گیا۔ ساتھ ہی کچھ مزید فرنیچر بھی منتقل کیا گیا۔ یہ ایک ایسا جشن تھا جسے خصوصی اہتمام اور دھوم دھام سے منایا جاتا تھا۔ اس روز لارڈ رے برانڈ، ڈاکٹر نیفا، باربرا، روز آلبہ اور کیٹی بھی رے پیلس میں موجود تھے۔ باربرا کا رویہ ایک بار پھر میرے ساتھ دوستانہ ہو گیا تھا۔ وہ سرد مہری اور بے رخی جس کا مظاہرہ اس نے گونز کے مکان میں کیا تھا، اب نظر نہیں آتی تھی۔ میرے فرار کا ذکر بھی کسی نے نہیں کیا۔ ایسا لگتا تھا کہ اکثر لوگوں کو میرے فرار کی بابت کوئی علم نہیں ہے۔ شاید باربرا اور لارڈ رے وغیرہ نے ہر شخص کو مطلع کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ ان کے اطمینان کے لیے یہی بات کافی تھی کہ میرے فرار کی کوشش ناکام ہو گئی تھی۔

میرا زیادہ وقت کمرے میں گزرا۔ چند ایک بار میں نے عمارت کا چکر لگایا اور کام میں ہاتھ بٹانے کی کوشش کی مگر مجھے منع کر دیا گیا۔ چنانچہ میں یونہی ادھر ادھر گھومتا رہا اور انہیں کام کرتے ہوئے دیکھتا رہا۔ آئرین، اولگا

اور دوسری ایک دو عورتوں نے کچن سنبھال رکھا تھا اور مختلف قسم کی ڈشیں تیار کرنے میں جتی ہوئی تھیں۔ ان عورتوں میں سے ایک پینی تھی۔ وہی ادھیڑ عمر عورت جس نے جوڈی کے قتل کے وقت پولیس کو میرے بارے میں مطلع کیا تھا۔ اس کی موجودگی یا میرے اس قیاس کی تصدیق تھی کہ وہ بھی ایمن سوسائٹی کی ممبر ہے اور اس طرح یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اس نے جو بیان پولیس کو دیا تھا وہ نہ صرف جھوٹ تھا بلکہ ان لوگوں کے منصوبے کا ایک حصہ تھا۔ میں نے پینی سے اس کے بیان کے ضمن میں کوئی گفتگو نہیں کی کیونکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ پینی مجھے بہت مختلف نظر آئی۔ جب پہلی بار میں اس سے کیفے میں ملا تھا تو وہ ایک اجڑی ہوئی، پریشان حال اور کسی حد تک ہراساں عورت نظر آئی تھی۔ جوئے اور شراب کی رسیا اور اپنے آپ سے قطعی طور پر بے خبر..... مگر اب اس میں پینی کا کوئی عکس اس کی شخصیت میں نظر نہیں آتا تھا۔ اس نے انتہائی خوب صورت اور بیش قیمت لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ وہ بہت خوش اور مطمئن نظر آتی تھی اور اس کے چہرے پر بڑی رونق تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اچھے لباس اور عمدہ میک اپ نے اس کی عمر کئی سال کم کر دی ہو جب میں کچن میں گیا تو مجھے دیکھ کر وہ مسکرائی۔ قدرے جھک کر مجھے تعظیم دی اور مسرور لہجے میں بولی۔

''مجھے امید ہے آپ یہاں خوش ہوں گے۔''

''اور تم بھی بہت خوش نظر آتی ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

روز آلبہ، باربرا، کیٹی اور ریفا، ڈاکٹر نیفا، کارسن اور گونزو غیرہ کے ساتھ مل کر تہ خانے کے ہال کی آرائش اور زیبائش میں مصروف تھیں۔ اس روز میں نے پہلی بار گونزو اور اسٹار کی کورے پیلس میں دیکھا۔ ان کے علاوہ پیڈی بھی عمارت میں موجود تھا اور ضروری امور کی انجام دہی میں ان کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔ پیڈی لارڈرے برانڈ کے اصطبل کا انچارج تھا۔ گھوڑوں کی دیکھ بھال اور ترتیب اس کی ذمے داری تھی۔ کچھ عرصہ پہلے تک وہ ایک فری لانس جاکی تھا، مگر بحیثیت جاکی اس کی کبھی کوئی امیج نہیں بن سکی۔ ہر دس میں سے نو ریسوں میں اس کا گھوڑا ہار جاتا تھا۔ تنگ آ کر اس نے ریس کو خیر باد کہہ دیا، اور لارڈرے کے اصطبل کا انچارج بن گیا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ایمن سوسائٹی کا ممبر بن گیا مگر وہ عمارت کے اندر کبھی نہیں آتا تھا۔ اصطبل کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا کاٹج تھا جس میں اس کی رہائش تھی۔ اس روز وہ بھی غالباً پہلی بار عمارت میں آیا تھا۔ وہ قدرے پستہ قد اور دبلا پتلا نوجوان تھا، اور اگرچہ اس کی عمر تیس سال سے تجاوز کر چکی تھی مگر اس کے چہرے کی ساخت کچھ ایسی تھی کہ دیکھنے میں ایک نوجوان اور شوخ و شریر لڑکا سا نظر آتا تھا۔ وہ تھا بھی بہت زندہ دل اور خوش مزاج۔ اس میں بلا کی پھرتی اور تیزی تھی۔ اسی طرح اس میں غضب کی خود اعتمادی اور جرات بھی تھی۔ اس کی شخصیت میں وہ تمام اوصاف اور صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں، جو ایک جاکی کے لیے بطور خاص ضروری ہوتی ہیں۔

رات ہوئی تو مجھے بھی تیاری کے مراحل سے گزرنا پڑا۔ پہلا مرحلہ غسل کا تھا۔ میرے غسل کے لیے جو پانی تیار کیا گیا، اس میں طرح طرح کی خوشبویات شامل تھیں مگر ان میں کوئی موجودہ زمانے کی خوشبو نہیں تھی بلکہ زمانہ قدیم کے عطریات تھے اور ان کی خوشبو کسی حد تک گرم مسالوں کی مہک سے مشابہ تھی۔ ریفا اور باربرا نے نہانے میں میری مدد کی۔ انہوں نے میرا بدن صاف کرنے کے لیے کسی صابن کے بجائے ابٹن سے ملتا جلتا کوئی مسالہ استعمال کیا۔ غسل کے بعد لباس کی باری آئی۔ انہوں نے مجھے زیر جامہ کے اوپر ایک لمبا سرخ ریشمی کرتہ پہنایا جو

تقریباً ٹخنوں تک پہنچ رہا تھا۔ کرتے کے گلے، دامن اور آستینوں پر پھول دار بیلیں کڑھی ہوئی تھیں۔ کمر میں ایک سنہری منقش بیلٹ باندھی گئی۔ گردن میں وہی لاکٹ موجود تھا جو مجھے غالباً ایمن مینشن میں پہنایا گیا تھا۔ سیدھے ہاتھ کی انگلی میں انگوٹھی بھی موجود تھی پھر میک اپ کیا گیا۔ ہونٹوں پر لپ اسٹک لگائی گئی۔ آنکھوں میں بڑی نفاست سے کاجل رچایا گیا اور پپوٹوں اور پلکوں کے اوپر سنہرے اور سرخ رنگ سے پینٹ کیا گیا۔ ہاتھوں اور پیروں کے ناخنوں کو بھی سنہرے پینٹ سے رنگا گیا پھر میرے سر پر ایک ٹوپی منڈھ دی گئی جو کسی حد تک تاج سے مشابہ تھی۔ اس ٹوپی میں سب سے نمایاں شے ایک پرواز کرتے ہوئے شاہین کی شبیہ تھی۔ میری تیاری میں کوئی دو ڈھائی گھنٹے لگے۔ اس دوران میں میں ایک نہایت فرماں بردار قسم کا ''معمول'' بنا رہا تھا جو عامل کے ہر حکم کو فوراً بجالاتا ہے۔ جب میں تیار ہو چکا تو بار برا اور ریفا مجھے تہ خانے میں لے گئیں۔ اپنی اس ہیئت کذائی میں میں خود کو اچھا خاصا جوکر محسوس کر رہا تھا۔ ایک ایسا جوکر جو طرح طرح کے بہروپ بھر کر لوگوں کو ہنساتا ہے لیکن خود مسکراتا تک نہیں۔

بار برا اور ریفا دروازے سے ہی واپس چلی گئیں کیونکہ انہیں خود بھی تیار ہونا تھا۔ میں تہ خانے کے ہال میں داخل ہوا۔ وہاں ڈاکٹر نیفا اور لارڈ رے برانڈ پہلے ہی موجود تھے۔ میں نے انہیں دیکھا تو معاً سٹپٹا کر رک گیا۔ ان کا حلیہ مجھ سے بھی زیادہ مضحکہ خیز تھا۔ میری طرح انہوں نے بھی لمبے لمبے کرتے پہن رکھے تھے لیکن ان کے کرتوں کا رنگ مجھ سے مختلف تھا۔ میرا کرتہ سنہرا تھا جبکہ لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفا کے کرتوں کا رنگ سرخ اور سیاہ تھا۔ میری طرح انہوں نے صرف آنکھوں اور ہونٹوں کو رنگنے پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ پورا چہرہ ہی سرخ رنگ سے رنگا تھا۔ ساتھ ہی آنکھوں میں دمبالے دار کاجل بھی رچایا تھا۔ لارڈ رے کے کانوں میں بڑے بڑے رنگ تھے اور سر پر غالباً پلاسٹک کی سبز پتیوں کا تاج منڈھا ہوا تھا۔ اس کے برعکس ڈاکٹر نیفا نے ایک سفید ریشمی کپڑا پگڑی کے انداز میں سر پر باندھا تھا۔ اس کے گلے میں بڑے بڑے سیاہ موتیوں کی ایک مالا بھی پڑی ہوئی تھی۔ پگڑی اور مالا اور ہاتھوں میں جھولتے ہوئے کڑوں کی بنا پر وہ کسی حد تک پجاری یا پروہت نظر آتا تھا۔

مجھے ہال میں داخل ہوتے دیکھ کر یکایک لارڈ رے نے اونچی اور چہکتی ہوئی آواز میں کہا۔

''آہا۔ بھتیجے..... آؤ، آؤ۔ خوش آمدید۔ تم واقعی بہت دلکش اور وجیہہ نظر آ رہے ہو۔''

میں مسکرایا۔ اس لیے نہیں کہ اس کے جملے سے لطف اندوز ہوا تھا۔ مجھ میں حس مزاح کی کمی نہیں، مگر نہ تو وہ موقع ایسا تھا، اور نہ ہی میری سج دھج ایسی تھی۔ مسکرایا غالباً اس لیے تھا کہ یہ ایک لاشعوری اور غیر اختیاری عمل تھا۔ چونکہ وہ ہنسا تھا اس لیے میں بھی مسکرا دیا پھر میں نے کہا۔

''تم بھی کسی بادشاہ سے کم نہیں نظر آتے۔''

لارڈ رے نے ایک قہقہہ لگایا۔ ڈاکٹر نیفا نے اس کا ساتھ دیا۔ البتہ میں نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔ گو میرا جملہ کچھ ایسا زیادہ پر مزاح نہیں تھا مگر لارڈ رے دیر تک لطف اندوز ہوتا رہا اور اس کی ڈرم جیسی بھاری بھرکم توند بری طرح اچھلتی رہی۔ جب ہنسی کا طوفان تھما تو اس نے کہا۔

''بہت خوب! اس کا مطلب ہے کہ تم نروس نہیں ہو۔''

''بالکل نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''حالانکہ اکثر لوگ ایسے موقعوں پر نروس ہو جاتے ہیں۔'' اس نے ہاتھ ہلایا ''ابھی جشن شروع ہونے میں کچھ دیر ہے۔ تم چاہو تو تب تک ایک آدھ پیگ لگا لو۔ ادھر، بائیں کونے میں بار ہے۔''

میں نے اس سے کہا تھا کہ میں نروس نہیں ہوں۔ یہ بات درست نہیں تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ اپنی ذہنی کیفیت کا تجزیہ کرنا خود میرے لیے مشکل تھا۔ میرا خیال ہے، میں کچھ نروس تھا۔ کچھ مضطرب تھا اور پھر کسی حد تک متردد بھی تھا۔ کئی وسوسے میرے دل میں جاگزیں تھے۔ کیا ہوگا؟ کیا ہونے والا ہے؟ یہ جشن کس قسم کا ہے؟ میں پہلے بھی اکثر تقریبات میں شامل ہوا تھا، لیکن میرے میک اپ اور لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا کے رنگین چہروں نے واضح کر دیا تھا کہ یہ جشن مختلف نوعیت کا ہوگا اور میرا تردد و اضطراب غالباً اسی احساس کی بنا پر تھا۔ چنانچہ جب لارڈرے نے ایک آدھ پیگ لگانے کی تجویز پیش کی تو میں فوراً ہی بار کی جانب بڑھ گیا۔ بار پر خوب صورت لیبل والی درجنوں بوتلیں قطار در قطار سجی ہوئی تھیں۔ دنیا کی تقریباً تمام اعلیٰ اور قیمتی شرابیں وہاں موجود تھیں۔ میں نے بوربن کی بوتل اٹھا کر کوئی تین چار انچ شراب انڈیلی..... اور ایک بڑا گھونٹ بھرا۔ بوربن تیز بھی تھی اور تلخ بھی، لیکن اس کی تلخی زبان پر گھلی تو مجھے ایک جاں فزا سرور سا محسوس ہوا پھر میں نے ہال کا جائزہ لینا شروع کیا۔

ہال کی سجاوٹ شاہانہ انداز میں کی گئی تھی۔ مخمل سے آراستہ دیواروں پر متعدد تصویریں آویزاں تھیں۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ان میں سے ہر تصویر فراعین مصر سے متعلق تھی اور مصور نے انہیں نہایت جاں فشانی سے پینٹ کیا تھا۔ طوطنخ آمن کا سنہری مجسمہ جو اوپر والے ہال میں تھا، اب نیچے منتقل کر دیا گیا تھا اور مغربی دیوار کے عین وسط میں ایک اونچی مرمریں تپائی پر رکھا ہوا تھا۔ دیواروں اور چھت میں جھالریں، بیلیں، جھنڈیاں اور رنگین قمقمے لگائے گئے تھے۔ وہ پانچ کرسیاں جو اونچی اور منقش تھیں۔ مشرقی دیوار کے ساتھ ایستادہ تھیں۔ کرسیوں سے کچھ آگے ایک سنگ مرمر کی میز رکھی تھی اور اس پر رکھے ہوئے ایک بڑے پیالے میں آگ دہک رہی تھی۔ یہ پیالہ ایک بڑی اور گہری کڑھائی سے مشابہ تھا۔ ٹیبل کے نزدیک ایک بڑا روپہلا جگ رکھا تھا۔ اس جگ میں کیا تھا، یہ مجھے نہیں معلوم، کیونکہ وہ ایک نقشین ڈھکن سے ڈھکا ہوا تھا۔ آگ والے پیالے کے ساتھ ہی کئی چھوٹے پیالوں میں مختلف اشیاء رکھی ہوئی تھیں۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ عود، عنبر، لوبان اور اگر وغیرہ ہیں مگر ان کی وہاں موجودگی میرے فہم سے بالاتر تھی۔ شاید جشن سے پہلے مذہبی نوعیت کی کوئی رسم بھی ادا کی جانی تھی۔ آگ اور مختلف قسم کی خوشبودار اشیاء کی موجودگی کا یہی مطلب ہو سکتا تھا۔

تقریباً بیس منٹ بعد دوسرے افراد کی آمد شروع ہوئی۔ سب سے پیشتر آنے والی باربرا، ریفا اور کیٹی تھیں پھر اولگا اور روز آلبہ آئیں۔ انہیں دیکھ کر مجھے کوئی تعجب نہیں ہوا۔ کسی حد تک اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کی سجاوٹ کیسی ہوگی۔ انہوں نے زیر جاموں کے طور پر ایک کپڑا استعمال کیا تھا جو بمشکل گھٹنوں تک پہنچتا تھا۔ جسم کے اوپری حصے پر بغیر آستین کا بلاؤز تھا جو اتنا مختصر تھا کہ صرف سینے کی ستر پوشی کرتا تھا۔ انہوں نے لینس اور دلکش زیورات بھی پہنے تھے۔ انگوٹھیاں، کڑے، بازو بند اور ہار۔ کمر میں پھولوں اور موتیوں سے مرصع چوڑی بیلٹ باندھی تھی۔ اپنی اس آرائش اور سجاوٹ میں وہ واقعی قیامت خیز نظر آتی تھیں۔ ان کے خوب صورت سڈول اور پرشباب جسموں کے سارے سحر جاگ اٹھے تھے مگر اس کا کیا کیا جائے کہ لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا کی طرح انہوں نے بھی اپنے چہروں کو رنگ رکھا تھا۔ کسی کا چہرہ نارنجی تھا، کسی کا زرد، کسی کو اودا رنگ پسند آیا تھا تو کسی نے ہرے رنگ کو

ترجیح دی تھی۔ باربرا کا سیاہ جسم قیامت کو آوازیں دے رہا تھا لیکن جب نظریں اس کے جسم کے نشیب و فراز اور خم اور گولائیوں سے سرشار ہوتی ہوئی اس کے بادامی چہرے پر جاتیں تو بڑی کوفت ہوتی۔ وہ لوگ اپنے رنگین چہروں کی بدولت اچھی خاصی مسخری نظر آ رہی تھیں مگر ان کے طرزِ عمل سے ہرگز پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ بھی خود کو مضحکہ خیز سمجھ رہی ہیں۔

کچھ دیر میں تقریباً سبھی لوگ آ گئے پھر ہال کا دروازہ بند کر دیا گیا، اور جشن کی کارروائی شروع ہو گئی۔ مجھے درمیان والی سب سے اونچی کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا گیا۔ بائیں طرف باربرا اور کارسن بیٹھے۔ دائیں جانب والی دونوں خصوصی کرسیاں لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفا نے سنبھالیں۔ باقی لوگ ہال کے وسط میں پڑی ہوئی گول میز کے گرد کھڑے ہو گئے۔ سب سے پہلے لارڈ رے سلکن برانڈ نے ایک مختصر سی تقریر کی۔ جس میں جشن کی غرض و غایت اور افادیت پر روشنی ڈالی گئی۔ اس تقریر میں اس نے فراعین مصر اور ان کے پجاریوں کا ذکر کیا اور الفاظ ''دولہا'' اور ''دلہن'' بار بار استعمال کیے۔ یہ تقریر دوسرے افراد کی سمجھ میں بے شک آ گئی ہو گی مگر میری سمجھ سے بالاتر تھی۔ تقریر ختم ہوئی تو سب نے تالیاں بجائیں پھر لارڈ رے برانڈ اپنی کرسی پر بیٹھ گیا اور اس نے ڈاکٹر نیفا کو اشارہ کیا۔

ڈاکٹر نیفا اپنی کرسی سے اٹھا۔ اس نے ہال میں موجود ہر شخص کو فرداً فرداً بڑے غور سے دیکھا۔ اس کا سیاہ چہرہ ستا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہاں کوئی تاثر نہیں تھا اور اگر تھا بھی تو چہرے کے سیاہ رنگ کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ اس کی بڑی بڑی سفید آنکھیں پھیکی بے رونق اور بے روح نظر آ رہی تھیں۔ اس کے سراپا کا مجموعی تاثر ایسا تھا کہ وہ ایک پروہت اور پروہت سے بھی زیادہ ساحر دکھائی دیتا تھا۔ چند لمحوں کے گہرے اور تکلیف دہ سکوت کے بعد اس نے ہاتھ اٹھایا اور اونچی آواز میں کہنا شروع کیا۔

''لوگو! یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہم سب اس وقت یہاں موجود ہیں اور اس مبارک گھڑی کو خوش آمدید کہنے والے ہیں جس کی بشارت ہمیں صدیوں پہلے دی گئی تھی۔ وہ ساعت سعید جو ہماری خوش بختی کی علامت ہے۔ اب سے ٹھیک گیارہ منٹ اور سترہ سیکنڈ کے بعد اترے گی۔ اس ساعت کے نزول کے ساتھ ہی اس انقلاب کا آغاز ہو جائے گا جو بادشاہوں کے بادشاہ کی آمد پر منتج ہو گا اور اس دنیا کی تقدیر بدل دے گا۔ یہ پیش گوئی ارفینا نے کی تھی اور ''کتاب نمبر 1 ارفینا'' میں درج ہے۔ یہ بات ہمارے لیے باعث فخر و مسرت ہے کہ اس انقلاب کے لیے ہم منتخب ہوئے۔ ہم سب، میں اور تم..... اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ آنے والا وقت ہمارے سروں پر کامیابی کا زرنگار تاج رکھے گا اور وہ جو اس دنیا کی عنان حکومت سنبھالنے والا ہے۔ وہ ساڑھے تین ہزار سال تک سوتا رہا..... لیکن اب واپس آنے والا ہے اور میں وقت کی دھند میں چھپی، مگر چمکتی، دمکتی اس ساعت کو صاف دیکھ سکتا ہوں، جب اس کی آمد کی بنیاد عملی طور پر پڑے گی۔ دراصل آج کی ساعت سعید اس ساعت کی پیغامبر ہے۔ آج ہم اس ساعت کا استقبال کر رہے ہیں اور بہت جلد اس ساعت کا جشن منائیں گے جس کا انتظار وقت نے ساڑھے تین ہزار سال سے مسلسل کیا ہے۔''

اتنا کہہ کر ڈاکٹر نیفا رک گیا۔ اس نے جھک کر مرمریں میز سے ایک کرم خوردہ کتاب اٹھائی۔ مجھے معلوم تھا کہ اس کتاب میں ''ریوع نوع برطام صروع'' کی دعائیں اور منتر درج تھے۔ اس سے زیادہ مجھے اس کتاب کی

اور کوئی تفصیل نہیں معلوم تھی۔ ڈاکٹر نیفا نے کتاب کے چند صفحے پلٹے، پھر اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ فوراً ہی دودھیا روشنی والی تمام بتیاں بجھا دی گئیں اور ان کے بجائے گہری سرخ روشنی والی بتیاں جلا دی گئیں۔ اب کمرا گہری سرخ روشنی میں ڈوبا ہوا تھا۔ ڈاکٹر نیفا چند ثانیے زیر لب کچھ بڑبڑاتا رہا پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر لوبان اٹھایا اور آگ کے پیالے میں پھینکا۔ ایک شعلہ سا بھڑکا، دھوئیں کا ایک بادل اٹھا اور ہال میں تیز خوشبو پھیلتی چلی گئی پھر ڈاکٹر نیفا نے بلند آواز سے منتر پڑھنا شروع کیے۔

میں چپ چاپ بیٹھا رہا۔ میرے جسم پر ایک خفیف سی کپکپی طاری تھی۔ وہ سارا منظر مجھے بڑا غیر فطری سا لگ رہا تھا۔ پراسرار اور سنسنی خیز۔ گہری سرخ روشنی میں نیلے، پیلے، سبز اور زرد چہرے بھوتوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔ وہ لوگ بے جان بتوں کی گول میز کے گرد ایستادہ تھے اور آنکھیں بند کیے بے حد انہماک کے ساتھ منتر سن رہے تھے۔ ایسا لگتا جیسے وہ لوگ اس دنیا کی مخلوق نہ ہوں، کسی اور سیارے سے آئے ہوں۔ ڈاکٹر نیفا نے اگرچہ کتاب ہاتھ میں تھام رکھی تھی، مگر اس کی آنکھیں بھی بند تھیں۔ اس کے لب مسلسل حرکت کر رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ اسے کتاب دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسے ساری دعائیں اور منتر زبانی یاد تھے۔ وہ جھوم جھوم کر منتر پڑھ رہا تھا۔ قدیم مصری زبان میں، جو میرے لیے اجنبی اور نامانوس تھی مگر ڈاکٹر نیفا شاید اس زبان سے واقف تھا۔ وہ اونچی آواز میں منتر پڑھتا رہا۔ درمیان میں بار بار وہ ''ایمن'' اور ''اخن عاتن'' کے نعرے لگاتا۔ اس کی آواز بڑی غیر فطری سی لگ رہی تھی۔ اس میں تانبے کی سی گونج تھی جو دل پر گہرا اثر چھوڑتی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی انسان کی آواز نہ ہو بلکہ کسی بھٹکی ہوئی روح کی چیخیں ہوں۔ منتروں کے ساتھ ساتھ اس کے ہاتھ بھی چل رہے تھے۔ وہ بار بار لوبان اور اگر.... اور عود آگ کے پیالے میں پھینکتا جاتا تھا۔ اس کا سارا عمل پوجا سے زیادہ جادوگری کا منظر پیش کر رہا تھا۔ قدیم مصری پجاریوں کی دعاؤں اور منتروں کا مفہوم کیا تھا۔ یہ تو مجھے نہیں معلوم، لیکن ڈاکٹر نیفا کی حرکات وسکنات اور پوجا کے انداز اور طریقہ کار سے کچھ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کوئی ساحر ہے اور آوارہ روحوں کو بلانے کی کوشش کر رہا ہے۔

بالآخر اس کے منتر ختم ہوئے۔ اس نے کتاب میز پر رکھ دی پھر اس نے مٹھی میں بھر کر عود عنبر اٹھایا اور آگ میں جھونک دیا اور زور سے چیخا۔

''ایمن.....ایمن.....''

ہال میں موجود ہر فرد نے اتنی ہی اونچی آواز میں اس کی تقلید کی۔

''ایمن.....ایمن.....''

ڈاکٹر نیفا نے پھر کہا ''اخن عاتن.....اخن عاتن.....''

سب نے بلند آواز سے دہرایا ''اخن عاتن.....اخن عاتن.....''

پھر ڈاکٹر نیفا نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر دیئے اور اونچی آواز میں پکارنے لگا ''ایمن.....ایمن۔ اخن عاتن.....اخن عاتن۔'' باقی تمام افراد بھی اس کی آواز سے آواز ملا رہے تھے۔ ہاتھ فضا میں بلند کیے اور سر کو زور زور سے جنبش دے کر وہ قدیم مصریوں کے خداؤں کو پکار رہے تھے۔ ان کی آنکھیں بند تھیں اور جسم پر تھرتھراہٹ طاری تھی اور وہ عالم مدہوشی اور کیفیت خود فراموشی میں زور زور سے چلا رہے تھے ''ایمن.....ایمن۔ اخن

عاتن.....اخن عاتن.....'' یکا یک لارڈرے برانڈ نے مجھے ٹہوکا دیا۔

''تم کیوں خاموش ہو بھتیجے! تم بھی آواز ملاؤ۔''

''بہتر ہے۔'' میں نے جواب دیا اور مدھم آواز میں کہنا شروع کیا ''ایمن.....ایمن.....اخن عاتن.....اخن عاتن.....''

ایمن اور اخن عاتن کا طوفان چند منٹ تک چلتا رہا پھر ڈاکٹر دونوں ہاتھ اٹھائے اسی والہانہ کیفیت میں چلتا ہوا طوطنخ کے مجسمے تک گیا اور جھک کر اس کی پیشانی کو بوسہ دیا پھر لارڈرے گیا اور پیشانی چوم کر واپس آ گیا پھر کارسن گیا۔ اس کے بعد باربرا اور روز آلبہ..... پھر یکے بعد دیگرے سب ہی گئے اور طوطنخ آمن کے ماتھے پر اپنے ہونٹوں کے نشان ثبت کر کے واپس اپنی جگہ پر آ گئے۔ سب کے آخر میں میری باری تھی۔ وہ سب مجھے متوقع نظروں سے گھور رہے تھے اور اگرچہ میں طوطنخ آمن کو بوسہ نہیں دینا چاہتا تھا۔ مجھے یہ سب کچھ بڑا عجیب سا لگ رہا تھا مگر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ چنانچہ میں آہستہ آہستہ مجسمے تک گیا اور مجسمے کی پیشانی پر ہونٹ رکھ کر واپس آ گیا۔

''جب میں اپنی کرسی پر بیٹھ گیا تو ڈاکٹر نیفا نے اونچی آواز میں کہا۔

''دلہن کو لاؤ۔''

فوراً سرخ روشنی والی بتیاں بجھا کر دودھیا روشنی والے ٹیوب جلا دیئے گئے پھر باربرا، روز آلبہ اور ریفا ہال سے باہر چلی گئیں۔ ان کی واپسی کوئی چھ سات منٹ بعد ہوئی۔ ان کے ساتھ ایک لڑکی تھی۔ میں یکا یک سنبھل کر بیٹھ گیا۔ یکا یک میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور یکا یک میرے احساس کے ایوانوں میں ان گنت چراغ جل اٹھے تھے۔ وہ لڑکی بہت حسین تھی۔ اتنی حسین، دلفریب اور طرح دار کہ روز آلبہ اور باربرا اور اولگا اور ریفا کا حسن اس کے سامنے پھیکا پڑ گیا تھا۔ اس کے جسم کی رنگت میں شفق کی دلاویز سرخی تھی۔ اس کی آنکھیں سنہری تھیں اور بال دھوپ کی رنگت کے۔ اس کا قد لمبا اور جسم چھریرا تھا اور چہرہ قدرے لمبوترا۔ سر سے پیر تک اس کے سراپا میں کچھ ایسا بانکپن اور کروفر تھا کہ نگاہ خود بخود مودب ہو جاتی اور اس کی ہر ادا میں کچھ ایسی تمکنت تھی گویا وہ ساری دنیا کو اپنے مرمریں پیروں تلے روند ڈالے گی، اور دلوں کے تمام نذرانے ٹھوکر سے اڑا دے گی۔ میں ایک ٹک اسے دیکھتا گیا۔ پلک جھپکائے بغیر، میں نے اتنی حسین عورت اس سے پہلے صرف ایک ہی دیکھی تھی اور وہ تھی ویرا ہمشائر..... مگر ویرا کا حسن دل میں مسرت، جوش اور طمانیت پیدا نہیں کرتا تھا بلکہ مرعوب کرتا تھا۔ دبدبہ طاری کرتا تھا۔ ایسا دبدبہ جو خوف سے پیدا ہوتا ہے۔ ویرا ہمشائر کو دیکھ کر آدمی مبہوت سا ہو جاتا تھا مگر یہ عورت قطعی مختلف تھی۔ اس کی شخصیت اور حسن میں تازگی تھی، جیسے صبح دم کھلنے والے پھول میں ہوتی ہے۔ اس کی چال میں ایسی لطافت تھی جیسی لہروں کے خرام میں ہوتی ہے اور اس کی مسکراہٹ میں اتنے انوار تھے جیسے ہزاروں سورج اور لاکھوں چاند اور کروڑوں ستارے جگمگا اٹھے ہوں۔ وہ سر سے پیر تک صرف حسن تھی، اور تازگی تھی اور خوشبو تھی اور روشنی تھی اور..... زندگی کا اثبات تھی۔ وہ ایسی عورت تھی کہ آپ اسے ایک بار دیکھ کر دوبارہ دیکھنے کی آرزو میں بلا تکلف ساری عمر گزار دیں گے۔

روز آلبہ اور باربرا کی طرح اس نے بھی مختصر لباس زیب تن کر رکھا تھا..... مگر اوروں کے برعکس اس کا چہرہ

رنگ سے بے نیاز تھا اس کی آرائش میری طرح مختلف انداز میں کی گئی تھی۔ ہونٹوں پر گہری سرخ لپ اسٹک تھی۔ آنکھوں میں دمبالے دار کاجل کھینچا گیا تھا۔ پپوٹوں اور پلکوں کے اوپری حصے کو سنہرے اور گلابی رنگ سے سجایا گیا تھا۔ پیشانی پر ستاروں کی محفل سجی ہوئی تھی، اور گالوں پر گلال دہک رہا تھا۔ سر پر ایک نفیس تاج پہنایا گیا تھا جس میں رنگین موتیوں کی لڑیاں جھول رہی تھیں۔ اس کے گلے میں غالباً سچے موتیوں کا ایک سہ لڑا ہار تھا جو اس کے حسن کو اور بھی حشر انگیز بنا رہا تھا۔ اس کی کمر میں بیلٹ بھی نہیں تھی۔ اس کے بجائے سرخ موتیوں سے بنا ہوا ایک زیور تھا۔ جس کی شکل کسی حد تک کروھنی سے ملتی جلتی تھی۔ کروھنی کے وسط میں ایک بڑا گلاب بنا ہوا تھا۔ سرخ موتیوں اور سنہرے گلاب نے اس کے جسم میں گویا آگ سی لگا دی تھی۔

باربرا اور روز آلبہ نے اسے گول میز پر چڑھنے میں مدد دی پھر وہ میز کے وسط میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ اس کا رخ میری جانب تھا اور وہ مسلسل مجھے تک رہی تھی۔ میں معاً مسکرا دیا۔ جواب میں وہ بھی مسکرائی۔ میں نے لارڈرے کی طرف جھک کر چپکے سے پوچھا۔

''یہ کون ہے، میں نے اسے پہلے نہیں دیکھا۔''

''اس کا نام ٹیا ہے۔'' لارڈرے نے جواب دیا ''ہم نے اسی کو تم سے چھپا کر رکھا تھا۔''

''مگر یہ ہے کون؟''

''یہ.....'' لارڈرے پراسرار اور معنی خیز انداز میں مسکرایا ''یہ تمہاری دلہن ہے۔''

یہ یا تو جشن کے ماحول کا اثر تھا یا شراب وغیرہ کا نشہ کہ وہ مذاق کر رہا تھا۔ میں نے اس کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی اور ٹیا کی جانب متوجہ ہو گیا۔ وہ آلتی پالتی مارے چپ چاپ کسی بت کی طرح بیٹھی تھی۔ ڈاکٹر نیفا کے منتر ایک بار پھر شروع ہو گئے تھے۔ وہ اونچی آواز میں منتروں کا جاپ کر رہا تھا اور بار بار ٹیا کے اوپر عطر، کیوڑہ یا اسی قسم کی کوئی شے چھڑک رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ آگ کے پیالے میں لوبان اور عنبر چھڑک کر ٹیا کے سامنے دائرے کی شکل میں گھماتا پھر زور زور سے چہرے پر پھونک مارتا۔ پوجا اور منتروں کا سلسلہ اب کافی طویل ہو گیا تھا اور مجھے بیزاری میں مبتلا کر رہا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کے منتروں کو نظر انداز کر کے ٹیا کو دیکھنا شروع کر دیا۔ اس کے سنہرے بالوں کو، اس کے دمکتے گالوں کو، اس کے دہکتے ہونٹوں کو اور شراب کی بوتلوں اور شراب کے پیالوں کو۔ وہ سب کے سب میرے سامنے جلوہ نما تھے اور مجھے اشارے کر رہے تھے، اپنی جانب بلا رہے تھے مگر درمیان میں ڈاکٹر نیفا کے منتر اور اس کی پوجا حائل تھی۔

کئی منٹ کے بعد اس کی پوجا ختم ہوئی۔ پوجا اور منتروں کا سارا عمل ڈاکٹر نیفا نے بڑی محویت اور جاں فشانی سے انجام دیا تھا اور شاید یہ منتروں کا اثر تھا کہ اس کا چہرہ اب پہلے سے زیادہ پراسرار اور ڈراؤنا لگ رہا تھا۔ اتنا پھیکا، ستا ہوا اور بے روح جیسے وہ انسان نہ ہو کوئی آسیب ہو۔ اس کے جبڑے اور کنپٹی کی ہڈیاں تنی ہوئی تھیں۔ گویا اس سارے عمل کے دوران وہ شدید کرب سے دوچار رہا ہو۔ منتروں کے جاپ سے فارغ ہو کر اس نے روپہلا جگ سرکا کر میز کے نزدیک کیا اور اس کا ڈھکن کھول دیا۔

میں نے یونہی سرسری طور پر جگ کے اندر نظر ڈالی۔ اس میں سرخ رنگ کا کوئی سیال بھرا ہوا تھا۔ گاڑھا اور سیاہی مائل سرخ۔ میں ایک دو لمحے سرخ سیال کو دیکھتا رہا۔ پتہ نہیں وہ کیا شے تھی؟ پھر یک لخت مجھے اپنا دل دھڑ

دھڑاتا ہوا محسوس ہوا۔ ذہن میں بگولے دوڑنے لگے اور جسم کے اندر شریانوں میں خون کا ایک ایک قطرہ دھواں بن کر اڑ گیا۔ نہیں، نہیں..... یہ نہیں ہوسکتا۔ میں نے دل ہی دل میں اپنے آپ کو چلاتے ہوئے سنا۔ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ میری کنپٹیاں چٹخنے لگیں اور سینے کے اندر دھماکے سے ہونے لگے۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ یہ ناممکن ہے۔ یہ محض میرا شبہ ہے اور کچھ بھی نہیں..... مگر کیا واقعی وہ میرا شبہ تھا؟

وہ سیال گاڑھا تھا اور سیاہی مائل سرخ..... اور یکا یک میری سمجھ میں آ گیا تھا کہ جوڈی اور رابن کی لاشیں خون سے کیوں محروم تھیں۔

میں خاموش بیٹھا تھا کسی سنگی بت کی طرح بے حس و حرکت۔ کچھ دیر کے لیے میری نظروں کے سامنے ہر شے تحلیل ہوگئی تھی۔ نہ خون سے بھرا ہوا تھال تھا، نہ ہال میں موجود افراد کے رنگین چہرے اور نہ پیالے میں دہکتی ہوئی آگ، ہر شے تحلیل ہو کر غائب ہوگئی تھی اور تصور کے پردے پر جوڈی اور رابن کی لاشیں ابھر آئی تھیں۔ مڑی تڑی ان کے گلے کٹے ہوئے تھے اور جسم خون سے محروم تھا۔ یہ خیال بڑا دہشتناک تھا کہ ان لوگوں نے نہایت سفاکی کے ساتھ ان دونوں کے گلے کاٹ کر سارا خون نچوڑ لیا تھا اور اب وہ خون جگ میں بھرا ہوا میرے سامنے موجود تھا۔ میں نہیں جانتا کہ کتنی دیر میرا ذہن مفلوج رہا لیکن جب حواس کسی حد تک واپس آئے تو میری نظر بدستور جگ پر جمی ہوئی تھی۔ خون کی سطح پر ایک سیاہ جھلی سی بن گئی تھی جو بہت کریہہ المنظر دکھائی دیتی تھی۔ وہ جھلی غالباً اس لیے بنی تھی کیونکہ ان لوگوں نے خون کے جگ کو فریج میں رکھا ہوگا۔ گو میرے حواس کسی حد تک بحال ہو چکے تھے مگر مجھے جگ میں لبالب بھرے ہوئے خون کے سوا اور کسی بات کا مطلق احساس نہیں تھا۔ ڈاکٹر نیفا کیا کہہ رہا تھا۔ دوسرے لوگ کیا کہہ رہے تھے؟ مجھے کسی بات کا نہ تو احساس تھا اور نہ کوئی آواز سنائی دے رہی تھی۔ شاید بصارت کی طرح سماعت بھی کچھ دیر کے لیے مفلوج ہوگئی تھی۔ پتا نہیں کتنی دیر ایسی ہی حالت رہی پھر میں نے اپنے شانے پر ٹھوکا محسوس کیا اور ایک مدھم سی آواز، جیسے کوئی بہت دور سے بول رہا ہو سنائی دی۔

''آں..... کک..... کیا.....؟'' میں معاً چونک پڑا۔

مجھے ٹھوکا دینے والا لارڈرے تھا۔ وہ مجھے عجیب غیر مانوس سی نظروں سے گھور رہا تھا۔ جب میں سٹپٹایا ہوا، اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے مجھ سے کہا ''کیا بات ہے راجو..... کیا ہوا؟''

جواب دینے سے پہلے میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ ڈاکٹر نیفا نے اپنا جنتر منتر روک دیا تھا اور مجھے برگشتہ نظروں سے گھور رہا تھا۔ نہ صرف وہی بلکہ دوسرے تمام افراد کی نظریں بھی مجھ ہی پر مرکوز تھیں اور ان میں سے کسی بھی نگاہ میں میرے لیے نرمی یا دوستی نہیں تھی۔ بلکہ درشتی اور بے مہری تھی۔ میں نے معاً طویل سانس اور مدھم آواز میں لارڈرے سے کہا۔

''کچھ نہیں..... کوئی بات نہیں؟''

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں۔ میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری اور ذرا ٹھہر کر جگ کی جانب اشارہ کیا ''یہ کیا ہے؟''

لارڈرے یکا یک مسکرایا ''میرا خیال ہے تم تھوڑی سی شراب پی لو۔''

اس نے خوش اسلوبی سے میرے سوال کو ٹالنے کی کوشش کی تھی۔ گویا وہ مجھے بتانا نہیں چاہتا تھا کہ اس جگ میں جوڈی اور رابن کا خون ہے میں نے سوچا کہ مجھے بھی اصرار نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بات تو واضح ہے کہ اس جگ میں خون کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا پھر میرا دھیان لارڈرے کے مشورے کی طرف گیا۔ اس نے ٹھیک کہا تھا، مجھے تھوڑی سی شراب پی لینی چاہیے کیونکہ اس وقت شراب بہت سہارا دے سکتی تھی چنانچہ میں نے اشارہ کیا۔ فوراً ایک لڑکی نے بلور کے جام میں تھوڑی سی وہسکی پیش کی۔ میں نے ایک گھونٹ لیا اور ڈاکٹر نیفا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ڈاکٹر نیفا نے جنتر منتر کا عمل جہاں سے چھوڑا تھا وہیں سے دوبارہ شروع کیا۔ وہ لڑکی جس کا نام ٹیا تھا۔ بدستور میز کے وسط میں بیٹھی تھی، ساکت و جامد اور اس کی نگاہ بدستور مجھ پر جمی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر نیفا زیرلب اب دعائیں پڑھتا ہوا جگ کے نزدیک آیا پھر اس نے جھک کر اپنے سیدھے ہاتھ کی پہلی انگلی خون میں ڈبودی پھر وہ آہستہ آہستہ ٹیا کے پاس گیا اور اس کی پیشانی پر خون کی لکیر کھینچ دی جو ایک کنپٹی سے دوسری کنپٹی تک پہنچ رہی تھی۔ ڈاکٹر نیفا نے اس عمل کو تین بار دہرایا اور ٹیا کی پیشانی پر تین لکیریں کھینچ دیں پھر اس کے شانوں پر کچھ نشانات ثبت کیے اور گردن پر ایک لکیر بنائی۔ اس سارے عمل کے دوران ہال میں گہری خاموشی مسلط رہی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ دوسرے افراد کے کیا احساسات تھے۔ ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں کے لیے ان دعاؤں اور رسوم کی ادائیگی میں کوئی نئی اور خاص بات نہ ہو۔ کیونکہ انہوں نے پہلے بھی یہ جشن کئی بار منایا ہوگا مگر یہ بات میں اپنے بارے میں نہیں کہہ سکتا تھا۔ میری حالت بہت دگرگوں تھی۔ مجھے بے حد کراہیت محسوس ہو رہی تھی۔ ٹیا جیسی حسین و شاداب لڑکی کے جسم اور پیشانی پر انسانی خون کی لکیریں بے حد گھناؤنا منظر پیش کر رہی تھیں۔ بار بار میرے حلق میں کوئی شے اٹک جاتی، جسے میں شراب کے گھونٹ سے نیچے اتار لیتا۔

ڈاکٹر نیفا دعاؤں سے فارغ ہو چکا تھا۔ اب اس نے ایک بڑے سے پیالے میں خون لیا اور وہاں موجود تمام افراد کی پیشانیوں اور شانوں پر لکیریں اور نشانات ثبت کیے۔ سب سے پہلے لارڈرے کی پیشانی خون آلودہ ہوئی پھر باربرا اور کارسن کی باری آئی۔ جب ڈاکٹر نیفا پیشانی پر خون کا تلک لگاتا تو ساتھ کچھ پڑھتا بھی جاتا اور زور سے (افن عاتن) کا نعرہ لگاتا۔ باربرا اور کارسن سے فارغ ہو کر وہ دوسرے افراد کی طرف چلا گیا۔ میں چپ چاپ اس سارے منظر کو دیکھا کیا۔ گو کراہیت اب بھی محسوس ہو رہی تھی مگر میری حالت اب قدرے بہتر ہو گئی تھی اور میں خون آلود پیشانیوں کو برداشت کرنے کے قابل ہو گیا تھا۔

سب سے آخیر میں میری باری آئی لیکن مجھے خون آلود کرنے کا عمل قدرے طویل تھا۔ ڈاکٹر نیفا نے سب سے پہلے میرے سر سے تاج نما ٹوپی اتاری اور میرے گلے میں چوڑا طوق پہنا دیا۔ درحقیقت وہ طوق نہیں تھا۔ بلکہ ایک چوڑی مرصع و منقش پٹی تھی۔ اس میں بے شمار رنگین موتی جڑے ہوئے تھے۔ سنہری اور روپہلی پتیاں بھی تھیں جو بجلی کی روشنی میں جگمگ کر رہی تھیں۔ وہ چوڑی اور گول پٹی میرے سینے اور شانوں پر فٹ ہو گئی پھر ڈاکٹر نیفا نے مجھے دوبارہ تاج پہنایا اور دونوں ہاتھ پھیلانے کے لیے کہا۔ میں نے ہاتھ پھیلا دیے ہیں تو اس نے دعاؤں کی کتاب میرے ہاتھوں پر رکھ دی اور آنکھیں بند کر کے زور زور سے کچھ پڑھنے لگا۔ ساتھ ہی وہ مجھ پر کچھ چھڑکتا بھی جاتا تھا۔ وہ کوئی خوشبودار شے تھی کبھی کبھی وہ آگ والا پیالہ اٹھا کر میرے چہرے کے سامنے دائرے کی شکل میں گھماتا اور بلند آواز سے افن عاتن کہتا۔ دعا کے اختتام پر اس نے کتاب میز پر رکھ دی اور خون

والا پیالہ اٹھایا۔ وہ لمحہ میرے لیے بہت بھاری تھا۔ میرے حلق میں کوئی چیز پھنس گئی تھی اور جی بری طرح متلا رہا تھا اور میں ڈر رہا تھا کہ کہیں قے نہ ہو جائے۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں اور دھڑ دھڑاتے ہوئے دل کے ساتھ انتظار کرنے لگا۔ چند ثانیے بعد میں نے اپنی پیشانی پر ایک سرد لکیر کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاتے ہوئے محسوس کیا۔ یکا یک ابکائی آئی لیکن میں نے کسی نہ کسی طرح خود کو سنبھال لیا اور ٹھنڈے خون کی کراہیت آمیز اور نفرت انگیز لمس کو برداشت کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ ایک لکیر کے بعد دوسری لکیر محسوس ہوئی پھر تیسری، پھر شانوں پر ڈاکٹر نیفا کی انگلیوں کا دباؤ محسوس ہوا۔ اس نے کفتان کے اوپر ہی سے نشانات ثبت کیے تھے۔ اس عمل سے فارغ ہو کر اس نے کچھ الفاظ کہے، جو میری سمجھ میں نہ آئے پھر میں نے لارڈرے کی آواز سنی جو میز اور دوسری اشیا ہٹانے کے لیے کہہ رہا تھا۔ میں بدستور آنکھیں بند کیے رہا اور مختلف اشیا کے ہٹنے کی آوازیں سنتا رہا۔ خون کی مکروہ اور نفرت انگیز نمی اور ٹھنڈک بدستور محسوس ہو رہی تھی مگر میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ بگڑتی ہوئی طبیعت کو سنبھالنے کی کوشش کروں۔ میرا جی چاہ رہا تھا کہ فوراً بھاگ کر باتھ روم میں گھس جاؤں اور خون کی لکیروں کو دھو ڈالوں مگر یہ مناسب نہ تھا۔ مجھے سر دست وہی کرنا تھا۔ جو وہ لوگ چاہتے تھے۔ کچھ دیر بعد میں نے اپنے شانے پر ایک ہلکا سا دباؤ محسوس کیا پھر لارڈرے کی سیٹی بجاتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''کیا بات ہے بھتیجے۔ آنکھیں کھولو۔''

''کوئی بات نہیں، میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے آنکھیں کھول کر جواب دیا۔

لارڈرے مجھے بہت غور سے اور تجسس آمیز انداز میں گھور رہا تھا۔ شاید وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر پھر اس نے ارادہ بدل دیا۔ دائیں جانب رکھی ہوئی نقیشن ٹیبل سے ایک سگار اٹھا کر مجھے دیا اور نرم لہجے میں بولا۔

''لو سگار پیو، اس سے تمہاری طبیعت بحال ہو جائے گی۔''

میں نے سگار جلا لیا اور پھر ہال کا جائزہ لیا۔ اس اثنا میں ہال میں کافی تبدیلیاں ہو چکی تھیں۔ درمیان والی بڑی گول میز جو بیچ سے دو حصوں میں تقسیم تھی ایک کونے میں سرکا دی گئی تھی۔ چھوٹی ٹیبل جس پر لوبان وغیرہ رکھا تھا اور دوسری اشیا بھی ہٹا دی گئی تھیں۔ ہال کا وسیع و عریض وسطی حصہ اب خالی پڑا تھا۔ طوطنخ آمن کا سنہری مجسمہ جو پہلے سامنے والی دیوار کے ساتھ رکھا تھا۔ اب میرے قریب ایک بلوری تپائی پر منتقل کر دیا گیا تھا۔ خون کا تھال البتہ نہیں ہٹایا گیا تھا اور وہ بدستور بلوری تپائی کے قریب رکھا ہوا تھا۔ ایک تبدیلی اور ہوئی تھی اور وہ یہ کہ بار برا جو میرے ساتھ بیٹھی تھی وہاں سے ہٹ گئی اور اس کی جگہ ساتھ والی کرسی پر ٹیا آ گئی تھی۔ خوبصورت، سنہری اور دلکش لڑکی جو جشن کی تمام رسموں کا مرکز تھی۔ اب میرے پہلو میں موجود تھی۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ وہ میری جانب متوجہ تھی۔ اس کی دمکتی ہوئی سنہری آنکھیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ میں یکا یک مسکرایا جواب میں وہ بھی مسکرائی۔ مسکراہٹوں کا تبادلہ محض ایک میکانکی عمل تھا ورنہ درحقیقت اسے خود سے اس قدر قریب پا کر بھی میرے دل میں وہ خوشگوار تاثر پیدا نہیں ہوا تھا جو پہلی بار ہوا تھا۔ پیشانی اور شانوں پر لگے ہوئے خون نے اس کی رعنائی اور دلفریبی کو مکروہ بنا دیا تھا۔ میں نے ایک اور بات بھی محسوس کی اور وہ یہ کہ وہ ضرورت سے زیادہ نشے میں معلوم ہوتی تھی۔ شاید جشن میں لانے سے پہلے ان لوگوں نے اسے منشیات کا استعمال کرایا تھا۔ اس کی آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں اور جب وہ بولی تو اس کی آواز میں بھی ہلکی سی لڑکھڑاہٹ موجود تھی۔

''ہیلو!''

''ہیلو!''

''میں.....'' اس نے سر کو خفیف سا جھٹکا دیا ''تم سے ملنے کی بہت مشتاق تھی۔''

''مگر میں نے تمہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔''

''ہاں، ہم پہلے نہیں ملے۔'' وہ مسکرائی ''کیونکہ میں ایمن مینشن میں تھی اور مجھے بتایا گیا تھا کہ ہماری ملاقات جشن ایمن میں ہوگی۔'' پھر اس نے لمحہ بھر توقف کے بعد اضافہ کیا۔ ''میں تمہیں کیسی لگی، کیوں ماشوک.....؟''

میں نے چونک کر اسے دیکھا ''تمہیں اس لفظ کے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟''

''باربرا نے بتایا تھا۔'' وہ دلبرانہ انداز میں مسکرائی ''اس نے کہا تھا کہ وہ اس دوسری لڑکیاں تمہیں کبھی کبھی اس نام سے پکارتی ہیں اور واقعی تم.....تم ماشوک ہو۔''

''تمہیں اس لفظ کا مطلب معلوم ہے؟''

''ہاں۔'' باربرا نے بتایا تھا۔

میں ٹیا سے کئی باتیں پوچھنا چاہتا تھا مثلاً یہ کہ وہ کون ہے، کہاں سے آئی ہے اور اس کا اصل نام کیا ہے کیونکہ میری دانست میں ٹیا۔ اس کا اصل نام نہیں ہوسکتا تھا پھر یہ کہ وہ ایمن سوسائٹی کی ممبر کب بنی؟ وغیرہ وغیرہ لیکن یہ ساری باتیں پوچھنے کا موقع نہیں ملا۔ مجھے گفتگو ادھوری چھوڑ کر ڈاکٹر نیفا کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ وہ جشن کی اگلی رسم کا اعلان کررہا تھا۔ اس نے اونچی لیکن سپاٹ اور بے روح آواز میں کہا۔

''ساتھیو! جشن ایمن کا پہلا مرحلہ پورا ہوا۔ اب دوسری رسم کا آغاز ہوگا۔ باربرا اور ریفا ''رقص قربانی'' پیش کریں گی۔ اب سے ٹھیک پانچ منٹ اور سترہ سیکنڈ قبل وہ ساعت سعید آسمانوں سے اتر چکی ہیں۔ جس کا ہم سب کو انتظار تھا اور جس کی پیشگوئی کتابوں میں درج ہے اور جیسا کہ ہم سب کو معلوم ہے کہ اس مبارک ساعت کے نزول کا مطلب ہے، طوطنخ آمن کی واپسی۔ سبز جسم والے اسائرس (قدیم مصریوں کا ایک خدا) نے طوطنخ آمن سے کہا تھا۔ تم اس دنیا میں دوبارہ واپس آؤ گے اور پوری دنیا تمہارے قدموں تلے بچھ جائے گی۔ اس پیشگوئی کا پورا حال کتاب ارفینا میں درج ہے لیکن ارفینا نے ہمیں خبردار کیا ہے کہ ہمیں وہ تمام شرائط اور رسومات پوری کرنا ہوں گی جن کا ذکر اسائرس نے پہلے اپنی بیوی اور پھر عظیم و جلیل طوطنخ آمن سے کیا تھا۔ رقص قربانی بھی انہیں رسوم سے ایک ہے۔''

ہال میں یکا یک گہرا سکوت طاری ہوگیا۔ ڈاکٹر نیفا اپنی کرسی پر بیٹھ گیا اور ہال میں موجود ہر فرد کی نظریں باربرا اور ریفا پر جمی ہوئی تھیں۔ جو آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ہال کے وسط میں آ گئی تھیں۔ ان کے خوبصورت اور پرشباب بدن دودھیا روشنی میں چمک رہے تھے اور عجیب نظارہ پیش کررہے تھے۔ ریفا سفید فام تھی اور باربرا سیاہ فام لیکن یہ طے کرنا مشکل تھا کہ ان میں سے کون زیادہ دلکش اور طرح دار ہے۔ باربرا سیاہ فام ہی سہی مگر اس کے چمکتے ہوئے سیاہ رنگ میں ایک مخصوص جاذبیت اور کشش تھی۔ اس کے سر سے پیر تک سیاہ پتھر سے ترشے ہوئے۔ بے حد سڈول جسم کی اپنی ایک انفرادیت تھی، اسی طرح ریفا کا حسن اور سفید فام بدن اپنی ایک شان رکھتا تھا۔ ان کے جسموں پر بے حد مختصر لباس تھے، جو ان کے حسن و شباب کو مزید نکھار رہے تھے۔ مزید بے حجاب کررہے تھے

اور دیکھنے والوں کے دل و دماغ پر ایک سحر آمیز کیفیت طاری کر رہے تھے۔ اس وقت رے پیلس کے تہ خانے کا وسیع ہال آج کی دنیا سے زیادہ راجہ اندر کے اکھاڑے کا منظر پیش کر رہا تھا۔ باربرا اور ریفا اولگا اور روز آلبہ وغیرہ پریاں تھیں۔ باقی افراد محض خدام تھے اور میں راجہ اندر کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ میری حیثیت محض نمائشی تھی۔

باربرا اور ریفا ہال کے وسط میں آ کر سیدھی کھڑی ہو گئی تھیں۔ ان کا رخ طوطخ آمن کے مجسمے کی جانب تھا۔ وہ چند ثانیے آنکھیں بند کیے سیدھی کھڑی رہیں پھر انہوں نے سر جھکا دیے، گویا وہ طوطخ آمن کو تعظیم پیش کر رہی تھیں۔ اتنے میں کسی نے ٹیپ ریکارڈر چلا دیا اور ہال میں ہلکی ہلکی موسیقی گونجنے لگی۔ پہلے کی طرح اس بار بھی موسیقی اور دھن کا تعلق آج کے زمانے سے نہیں تھا بلکہ وہ دھن قدیم مصری طرز کی تھی۔ سازوں کی آوازیں نامانوس تھیں اور وہ دھن سماعت پر کوئی لطیف اور خوشگوار تاثر مرتب نہیں کرتی تھی بلکہ ایک دبدبہ سا طاری کرتی تھی۔ پہلے موسیقی کی آواز مدھم تھی۔ رفتہ رفتہ تیز ہونے لگی۔ باربرا اور ریفا نے رقص کا آغاز کیا۔ انہوں نے ہولے ہولے اپنے ہاتھوں، کمر اور چہرے کو جنبش دینی شروع کی اور پھر جیسے جیسے موسیقی تیز ہوتی گئی، ان کے رقص میں بھی تیزی آتی گئی۔

ڈاکٹر نیفا نے اسے رقص قربانی کہا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ رقص قربانی سے اس کی کیا مراد تھی۔ ظاہر ہے کہ اس رقص کا تعلق بھی قدیم مصری رسوم سے تھا۔ صدیوں پہلے غالباً فراعین مصر کے دربار میں یا پوجا کے وقت اس رسم کا مظاہرہ کیا جاتا تھا مگر اس کی غرض و غایت اور تہذیبی پس منظر کا مجھے علم نہیں تھا اور نہ ہی مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی تھی۔ میری ساری دلچسپی تو اس وقت باربرا اور ریفا کے ہوشربا جسموں اور ان کے عجیب و غریب رقص پر مرکوز تھی۔ اس وقت میں نے ایک عجیب سی بات کا احساس کیا اور وہ یہ کہ مجھے وہ کراہیت محسوس نہیں ہو رہی تھی جس نے کچھ دیر پہلے میرا جی متلا دیا تھا۔ باربرا اور ریفا کے رنگین چہرے بھی مضحکہ خیز نہیں لگ رہے تھے اور پیشانیوں پر لگا ہوا بدنما خون بھی قابلِ برداشت محسوس ہو رہا تھا۔ شاید یہ اس سگار کا اثر تھا جو لارڈرے نے مجھے دیا تھا۔ وہ سگار یقیناً عام قسم کا نہیں تھا بلکہ اس میں کوئی نشہ آور شے شامل تھی کیونکہ میں اپنی طبیعت میں ایک انوکھی سی ترنگ اور سرمستی محسوس کر رہا تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ موسیقی کی دھن اور ان کا رقص نامانوس ہوتے ہوئے بھی مجھے ناگوار نہیں لگ رہے تھے۔

رقص قربانی کا مفہوم کچھ دیر بعد مجھ پر واضح ہوا۔ جب ریفا نے یکایک اپنے دونوں ہاتھ خون میں ڈبو دیے اور پھر اپنے سر کو زور زور سے چاروں طرف گھماتے ہوئے آگے بڑھ کر اپنے ہاتھ طوطخ آمن کے مجسمے پر رکھ دیے اور گھٹنوں کے بل سر جھکا کے مجسمے کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس کے ہاتھوں میں لتھڑا ہوا خون مجسمے پر چاروں طرف دھار بنا کر بہہ رہا تھا۔ یہ گویا خون کی قربانی تھی جو طوطخ آمن کو پیش کی گئی تھی۔ میں اس سارے منظر کو اسی طرح دیکھتا رہا، گویا وہ حقیقت نہیں تھی، محض سپنا تھا۔ باربرا... ریفا کے پیچھے بدستور رقص کر رہی تھی مگر اس کے ہاتھوں، پیروں اور جسم کی حرکات و سکنات کسی طرح بھی رقص نہیں معلوم ہو رہی تھیں بلکہ مجنونانہ حرکتیں نظر آتی تھیں جیسے کوئی ہوش و حواس سے بیگانہ شخص عالم دیوانگی میں ہاتھوں اور پیروں کو زور زور سے ادھر ادھر پٹک رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور نارنجی چہرے پر تشنجی کیفیت طاری تھی۔ وہ کبھی اپنے سر کو ایک دائرے کی شکل میں

گھماتی اور کبھی آگے پیچھے زور زور سے جھٹکے دیتی۔ اس کے حلق سے طرح طرح کی آوازیں نکلتی تھیں مگر ان کا کوئی مفہوم نہیں تھا۔ بلکہ ایسا لگتا تھا کہ تشنج اور جنون کی ملی جلی کیفیت کے زیر اثر وہ غیر ارادی طور پر آوازیں نکالتی ہے۔ موسیقی اب اور تیز ہوگئی تھی مگر یہ دوسری بات ہے کہ وہ موسیقی ہرگز نہیں معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ اس میں کوئی نغمگی نہیں تھی۔ کوئی لطافت نہیں تھی بلکہ چند شور مچاتی ہوئی آوازیں تھیں۔ کرخت اور بے سری جیسے کچھ خبیث ارواح ایک ساتھ چیخ رہی ہوں۔

ریفا نے یکا یک زور سے کہا ''ایمن۔'' پھر اس نے دونوں ہاتھ مجسمے کے اوپر سے ہٹا لیے اور اپنے جسم کے کھلے حصوں پر مل لیے۔ بازوؤں پر، پیٹ پر اور سینے کے اوپری حصے پر۔ یہ منظر بڑا کراہیت آمیز تھا مگر میں نے حیرت انگیز طور پر اسے برداشت کرلیا۔ ریفا ایک لہر کی طرح مچلتی ہوئی پیچھے چلی گئی اور اس کے ہٹتے ہی بار برا آگے بڑھی۔ ریفا کی طرح اس نے بھی دونوں ہاتھ خون میں ڈبو دیے پھر وہ مجسمے کے سامنے دوزانو ہوئی اور اپنے ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر آنکھیں بند کرلیں۔ ایک بار پھر وہی سارا منظر دہرایا گیا مگر اس فرق کے ساتھ کے جو عمل پہلے ریفا نے کیا تھا اب بار برا کر رہی تھی اور بار برا کے پیچھے ریفا ان حرکات کو دہرا رہی تھی جو بار برا نے کی تھیں۔

انہوں نے اس عمل کو سات بار دہرایا۔ سات بار خون میں ڈوبے ہوئے ہاتھ طوطنخ آمن کے سر پر رکھے گئے اور پھر ہاتھوں کا باقی ماندا خون بار برا اور ریفا کے جسموں پر منتقل ہوا۔ سات بار اس عمل کو دہرانے کے نتیجے میں طوطنخ آمن کا سنہری مجسمہ خون میں لتھڑ گیا اور تقریباً یہی حال ان کے جسموں کا ہوا۔ تمام کھلے حصے خون سے تر بتر ہوگئے۔ خون گاڑھا، سیاہی مائل اور نفرت انگیز خون ان کے جسموں پر دھار بنا کر بہہ رہا تھا۔ اس کی ساری خوبصورتی اور دلکشی اور شگفتگی کہیں رخصت ہوگئی تھی اور وہ انسان سے زیادہ بھیانک چڑیلیں نظر آ رہی تھیں۔ خبیث اور خون کی پیاسی چڑیلیں۔ جنہوں نے تازہ تازہ خون انسانی پیا ہو۔ مجھے یکا یک ان ویمپائروں کا خیال آیا جو انسانی خون پیتے ہیں اور صدہا سال زندہ رہتے ہیں کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ تمام لوگ بھی ویمپائر ہوں مگر یہ خیال احمقانہ تھا۔ میں نے کبھی بار برا وغیرہ کو خون پیتے نہیں دیکھا تھا۔ علاوہ اس رات کے روایات کے مطابق ویمپائر کبھی دن کے اجالے میں باہر نہیں نکلتے جبکہ یہ لوگ دن کے اجالے اور سورج کی روشنی سے پرہیز نہیں کرتے تھے۔

اب وہ دونوں ہال کے وسط میں رقص کر رہی تھیں۔ کبھی وہ چاروں طرف لٹو کی طرح گھومتیں، کبھی ہاتھوں کو زور زور سے فضا میں لہراتیں اور اپنے سر کو ایک دائرے کی شکل میں گھماتیں۔ اسی اثنا میں ڈاکٹر نیفا نے عود اور عنبر اور دوسری کئی چیزوں کو پیالوں میں سلگا کر طوطنخ کے مجسمے کے سامنے رکھ دیا اور خود دائیں جانب کھڑا ہوگیا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں بڑا پیالہ تھا جس میں کیوڑے سے ملتا جلتا خوشبودار سیال بھرا ہوا تھا۔ ڈاکٹر نیفا وقفے وقفے سے اپنے دائیں ہاتھ کی پانچوں انگلیاں سیال میں ڈبو دیتا اور پھر انگلیوں کو زور سے جھٹک کر خوشبودار سیال بار برا اور ریفا پر چھڑک دیتا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا۔ موسیقی تیز ہوتی گئی اور موسیقی کے ساتھ ساتھ دونوں کا رقص بھی تیز ہوتا گیا۔ ہاتھوں اور پیروں کی حرکات زیادہ مجنونانہ اور وحشیانہ ہوگئیں۔ وہ ایک شیطانی عمل تھا جسے وہ مسلسل متواتر دہرا رہی تھیں۔ وحشی چڑیلوں کی طرح ادھر ادھر اچھل رہی تھیں اور دوسروں کو جھٹکے دے رہی تھیں۔ ان کے اوپر ایک جنون انگیز کیفیت طاری تھی۔ ساتھ ہی وہ ایک عجیب حرکت بھی کر رہی تھیں اور وہ یہ کہ وہ بار بار خون کے

تھال میں اپنے ہاتھ ڈبوتیں اور پھر فضا میں زور زور سے جھٹکتیں۔ خون کے چھینٹے چاروں طرف اڑتے اور ہال میں موجود تمام افراد کے جسموں پر پڑے۔ میرے جسم پر بھی جگہ جگہ خون کی بوندیں نظر آ رہی تھیں۔ یہ خون جوڈی اور رابن کا تھا جنہیں میں نے نہیں قتل کیا تھا مگر اب ان کا خون میرے جسم پر چنگاریوں کی طرح سلگ رہا تھا۔

یہ خونی رقص جسے ڈاکٹر نیفا نے رقص قربانی کہا تھا کوئی نصف گھنٹے جاری رہا پھر ڈاکٹر نیفا نے بلند آواز سے ''ایمن'' کہا۔ یہ گویا رقص کی تکمیل کا اعلان تھا۔ ڈاکٹر کی آواز بلند ہوتے ہی باربرا اور ریفا مجسمے کے سامنے اوندھی لیٹ گئیں۔ اس طرح کہ ان کے ہاتھ مجسمے کی جانب پھیلے ہوئے تھے اور ہتھیلیاں آپس میں جڑی ہوئی تھیں۔ ہال میں معاً گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ ڈاکٹر نیفا نے پیالہ نیچے رکھ دیا تھا اور دونوں ہاتھ اوپر کی جانب فضا میں بلند کر دیے تھے۔ اس کی تقلید میں تقریباً سبھی افراد نے ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ جب میں نے ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی تو لارڈ رے نے مجھے اور ٹیا کو منع کر دیا۔ گویا اس رسم کی تکمیل ہم دونوں پر واجب نہیں تھی چنانچہ ہم دونوں خاموش بیٹھے رہے۔ ہال کے گہرے سکوت کو صرف ڈاکٹر نیفا کی آواز منتشر کر رہی تھی۔ وہ قدیم مصری زبان میں کچھ کہہ رہا تھا کہ جس میں اسائرس، ایمن وغیرہ کا نام کئی بار آیا۔ گو اس وقت اس کا مفہوم میری سمجھ میں نہیں آیا مگر بعد میں مجھے بتایا گیا کہ ان الفاظ کا مطلب یہ تھا کہ،

''اے اسائرس! اے افن عاتن! اے ایمن! ہماری قربانی کو قبول کر اور ہمیں توفیق عطا کر کہ ہم تیری پیشگوئی کو پورا کر سکیں۔ ہم تیرے بیٹے ہیں اور تیرے نام کو زندہ رکھیں گے۔ ہمیں ہمت دے اور ہمارے سروں پر رحمت اتار..... اے اسائرس! اے افن عاتن! اے ایمن!.....''

مگر جشن ساری رات چلتا رہا۔ ڈاکٹر نیفا کے اشارے پر وہ تمام اشیا ہٹا دی گئیں جو پوجا اور رسوم کی تکمیل میں استعمال ہوتی تھیں۔ ریفا اور باربرا اور ٹیا کچھ دیر کے لیے باتھ روم میں چلی گئیں اور جب واپس آئیں تو ان کے جسموں سے خون صاف ہو چکا تھا۔ باقی افراد نے اپنے کپڑوں اور جسم سے خون کے چھینٹے صاف کرنے کی زحمت نہیں کی۔ روز آلبہ، کیٹی اور آئرین ملحقہ کمرے سے کھانے کی ٹرالیاں لے آئی تھیں۔ تلی ہوئی مرغیاں، مچھلی، کئی قسم کے سینڈوچز وغیرہ اور نہ جانے کیا کیا۔ ٹرالیوں کے آتے ہی کھانے پینے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لارڈ رے نے مجھ سے جشن مسرت کا ذکر کیا تھا۔ اس وقت میری سمجھ میں آیا کہ جشن مسرت سے اس کی کیا مراد تھی مگر درحقیقت اسے مسرت کا جشن کہنا مناسب نہیں، وہ تو اک ہنگامہ ہمیش وطرب تھا۔ سرخوشی اور سرمستی کا طوفان تھا جس نے سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ بار پر دنیا کی تقریباً ہر بہترین شراب موجود تھی۔ سگریٹ اور سگاروں کے بکس بھرے ہوئے تھے۔ عشق وجنون خیز کے لیے حسن بے حجاب موجود تھا۔ پینے اور کھانے اور لطف ولذت کا مزہ اٹھانے کی پوری آزادی تھی۔ وہ ایک ایسا جشن تھا جس میں تمام اخلاقی اور تہذیبی حد بندیوں کو توڑ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ لوگ پی رہے تھے اور لڑکیوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے، ہنسی، قہقہوں اور چیخ وپکار سے ہال کی فضا گونج رہی تھی۔ لوگ خود بخود جوڑوں میں بٹ گئے تھے۔ آئرین لارڈ رے براؤن کے گلے کا ہار بنی ہوئی تھی۔ اولگا کارسن کی بانہوں میں جھول رہی تھی۔ پیڈی اور گومز وغیرہ نے بھی کسی نہ کسی کو سنبھال رکھا تھا۔ سونیا اسٹار کے ساتھ چہلیں کر رہی تھی۔ وہ حسب معمول دلکش اور حسین نظر آ رہی تھی لیکن یہ اور بات ہے کہ زرد رنگ سے پتے ہوئے چہرے نے اسے کافی مضحکہ خیز بنا دیا تھا۔ میں نے اس کو کافی دن کے بعد دیکھا تھا۔

درحقیقت رے پیلس میں وہ پہلی بار آئی تھی۔ اب تک کہاں تھی اور کیا کرتی رہی تھی یہ مجھے نہیں معلوم تھا۔ شاید ایمن منیشن میں رہی ہوگی۔ وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ اس کے بشرے سے عیاں تھا کہ جشن ہنگامہ خیزیوں سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہی ہے جب میں اسے دیکھ رہا تھا تو یکا یک مجھے رابن کا خیال ایک بار پھر آیا اور میرے جسم میں سردی کی لہر سی دوڑتی چلی گئی۔ کیا اسے احساس ہے؟ میں نے سوچا اور بہت غور سے سونیا کو دیکھا۔ اس کی سفید مختصر پوشاک پر جگہ بہ جگہ خون کے چھینٹے نظر آ رہے تھے۔ کیا سونیا کو یہ احساس ہے کہ خون کے یہ چھینٹے کسی اور کے نہیں اس کے بھائی کے ہیں، یہ خیال بڑا اذیت ناک تھا۔ میں نے لمحہ بھر کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک لڑکی کے جس پر اس کے بھائی کے خون کے چھینٹے دیکھنا کچھ آسان تو نہیں۔ میں کبھی ایسی کسی بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا مگر سونیا کے بشرے سے یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ اسے اس بات کا کوئی احساس ہے۔ ہو سکتا ہے، اسے اس حقیقت کا علم ہی نہ ہو کہ جس خون کی قربانی طوطنخ آمن کو پیش کی گئی ہے۔ وہ اس کے اپنے ماں جائے بھائی کا خون ہے مگر یہ یقین کرنے کی کوئی معقول وجوہ موجود نہیں تھیں کہ وہ لاعلم ہوگی۔ میں سونیا سے آخری بار اس وقت ملا تھا جب روز آلبہ کے فلیٹ سے فرار ہوا تھا۔ وہی میرے لیے ریسکو لرٹ گاڑی دروازے پر لائی تھی۔ اسی نے انجن اسٹارٹ کیا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ فرار سے قبل میرے استفسار پر سونیا نے رابن کا پتا بتانے میں پس و پیش کا اظہار کیا تھا۔ آخر کیوں؟ پس و پیش کا سبب کیا تھا۔ وجہ ایک ہی ہو سکتی تھی اور وہ یہ کہ اسے علم تھا کہ رابن کو قتل کر دیا گیا ہے اور اس کی لاش گاڑی کی ڈگی میں پڑی ہوئی ہے۔ تو گویا وہ جانتی تھی کہ جس خون کے چھینٹے جشن میں اڑائے گئے ہیں وہ اس کے بھائی کا خون ہے۔ اس کے باوجود وہ خوش ہے۔ شراب پی رہی ہے اور رقص کر رہی ہے اور بوس و کنار کا لطف اٹھا رہی ہے۔ بے ضمیری اور بے رحمی اور سنگدلی کی انتہا تھی۔ ایسی انتہا جس کا تصور بھی میرے لیے محال تھا۔

میں نے یکا یک باربرا سے شراب لانے کے لیے کہا۔ یہ ایک اضطراری عمل تھا۔ دراصل اس وقت مجھے سونیا سے شدید نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ کیسی عورت تھی وہ اس کے بھائی کو قتل کر دیا گیا تھا پھر اس کے خون کی قربانی دی گئی تھی اور ہال میں چاروں طرف خون کے چھینٹے اڑائے گئے تھے مگر اسے ذرا بھی ملال نہیں ہوا تھا، ذرا بھی دکھ نہیں تھا۔ میں نے اس کے زرد چہرے کی جانب سے نظریں ہٹا لیں اور اپنے ذہن سے رابن کا تصور جھٹک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

باربرا کونیک کا گلاس لے کر آئی تھی پھر میری فرمائش پر ایک سگار بھی جلا کر دیا۔ میں نے کونیک کی چسکیوں کے ساتھ اطراف میں نظریں دوڑانا شروع کیں۔ وہ کہاں ہے؟ آخر وہ کہاں ہے؟ سنہری آنکھوں اور دھوپ کی جیسی رنگت والی ٹیا کہاں ہے؟ تھوڑی سی جستجو کے بعد وہ مجھے نظر آ گئی وہ ڈاکٹر نیفا کے ساتھ تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں شراب کا گلاس تھا اور دوسرے ہاتھ میں سگریٹ تھی۔ وہ اپنی چمکتی دمکتی آنکھیں پھیلائے پرشوق انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ ڈاکٹر نیفا کچھ اس طرح اس کے ساتھ چپکا ہوا تھا گویا اس کی نگرانی کر رہا ہو آئندہ چند منٹ میں مجھ پر واضح ہوا کہ وہ واقعی اس کی نگرانی کر رہا تھا اور جس طرح وہ ٹیا کے سر پر مسلط تھا۔ اسی طرح باربرا اور ریفا میرا سایہ بنی ہوئی تھیں۔ دراصل وہ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ میں اور ٹیا کچھ دیر کے لیے بھی ایک دوسرے کے ساتھ تنہا ہوں۔ اس احتیاط کا مقصد کیا تھا۔ یہ مجھے نہیں معلوم لیکن میں دو چار بار اس سے مختصر سی گفتگو کے سوا

اور کچھ نہ کر سکا۔ ایک بار میں نے باربرا سے شراب لانے کے لیے کہا اور ریفا سے انڈوں کے سینڈوچز کی فرمائش کی جب وہ دونوں چلی گئیں تو میں ٹیا کی طرف لپکا لیکن اس سے پہلے کہ اس تک پہنچ پاتا، لارڈ ریے نے میرا راستہ روک لیا۔

''کیا بات ہے بھتیجے۔ ٹیا کے پاس بار بار کیوں جا رہے ہو؟''

''کیا نہ جاؤں؟'' میں نے بھنا کر کہا۔

''ہاں۔''

''کیوں.....؟''

''کیونکہ ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے۔'' لارڈ ریے نے کہا ''جب وقت آئے گا وہ تمہیں سونپ دی جائے گی۔''

ایک اور پہیلی، میں نے جھنجلا کر لارڈ ریے کو گھورا۔ ''اور وہ کم بخت نامراد وقت کب آئے گا؟''

میں نے اتنی بے چینی اور اشتیاق کبھی کسی لڑکی کے لیے ظاہر نہیں کیا تھا مگر اس وقت میں نشے میں تھا۔ بہت نشے میں تھا۔ مختلف اقسام کی شرابوں کے ان گنت پیگ معدے میں اتر چکے تھے اور ٹیا اس وقت ہال میں سب سے دلکش اور پرشباب لڑکی تھی۔ لارڈ ریے نے میری کیفیت کو محسوس کیا اور ہنس کر بولا ''فکر نہ کرو، بہت جلد وقت آئے گا۔''

''مگر.....؟''

''مگر وگر کچھ نہیں۔ ہال میں اتنی لڑکیاں ہیں کسی کو بھی پکڑ لو اور پھر باربرا اور ریفا تو تمہارے ساتھ ہی ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ مسکرایا اور آئرین کے ساتھ رقص کرتا ہوا دوسری طرف چلا گیا۔

باربرا شراب لے کر آئی تو میں نے ایک ہی سانس میں پیگ خالی کر دیا اور غصے سے کہا ''اور لاؤ۔'' پھر میں نے ریفا کی طرف دیکھ کر مزید غصے سے کہا ''یہ سینڈوچ ڈاکٹر نیفا کے منہ میں ٹھونس دو۔''

رات طلسمی رات، شراب اور شباب کے نشے سے مخمور رات، لڑکھڑاتی ہوئی سرخ قالینوں پر گزرتی رہی۔ ہنگامہ شراب و طرب چلتا رہا۔ چاندی کی گھنٹیوں جیسی ہنسی کا ترنم ہال میں گونجتا رہا اور شوخ و بیباک قہقہے ان کا پیچھا کرتے رہے اور جاموں کے چراغ لمحوں کے دوش پر قطار در قطار روشن ہوتے رہے۔ ایسا لگتا تھا وہ رات آخری رات ہے اور اگر یہ رات گزر گئی تو پھر کچھ باقی نہیں رہے گا۔ سب کچھ ختم ہو جائے گا اس لیے وہ سب اس رات کے ایک ایک لمحے سے خوشی کا آخری قطرہ تک نچوڑ لینا چاہتے تھے۔ ان کی سرمستی اور بے قراری سے کچھ ایسا ہی ظاہر ہوتا تھا۔ جیسے انہیں کل کا کوئی اعتبار نہیں، جو کچھ آج ہے وہی حقیقت ہے۔ آج رزم بھی ہے اور بزم بھی۔ آج جلوت بھی ہے اور خلوت بھی۔ آج وہ آرزو ہے جو پوری ہو چکی اور کل وہ حسرت، جو کبھی پوری نہیں ہو گی چنانچہ آج جی بھر کر جی لو، کل کا کوئی اعتبار نہیں مگر یہ تو میرے احساسات تھے ان کے نہیں وہ لوگ تو دل کھول کر جشن ایمن سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ہال میں ایک عجیب افراتفری اور بے سروسامانی طاری تھی۔ ایک ایک کر کے بوتلیں کھولی جا رہی تھیں اور جام قطار باندھ کر چل رہے تھے اتنا شور برپا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ جشن کے لیے ہر شے کا خصوصی اہتمام کیا گیا تھا اور اتنی وافر مقدار میں کسی چیز کے کم ہونے کا کوئی

احتمال نہ تھا۔ لارڈرے واقعی فراخدل آدمی تھا اور اس رات یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اس کی دولت کب، کہاں، کیسے خرچ ہوتی تھی۔

مجھے یاد ہے کہ میں نے باربرا کو ایک بار پھر شراب لانے کو کہا تھا۔ یہ بھی یاد ہے کہ وہ لائی بھی تھی۔ شاید جن تھی جس میں اس نے تھوڑی لائم ملائی ہوئی تھی۔ میں اتنی پی گیا تھا کہ حواس دھیرے دھیرے جواب دیتے جا رہے تھے۔ آنکھوں میں دھندسی چھا رہی تھی اور ہر شے مختلف شکل وصورت اور حجم میں دکھائی دے رہی تھی۔ دیواریں آڑی ترچھی ہوگئی تھیں۔ چھت میں ستارے جھلملاتے دکھائی دے رہے تھے اور لارڈرے کا قد گھٹ کر محض ایک بالشت رہ گیا تھا۔ میں نے ریفلے سیگار لانے کے لیے کہا تھا مگر مجھے یاد نہیں کہ وہ لائی تھی یا نہیں۔

☆☆☆

جب میری آنکھ کھلی تو میں اپنی خواب گاہ میں تھا۔

کچھ دیر میں چپ چاپ لیٹا چھت کو گھورتا رہا۔ ذہن میں اتنی دھند چھائی ہوئی تھی کہ کچھ بھی ٹھیک ٹھیک دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ سر اتنا بھاری ہو رہا تھا گویا منوں وزنی بوجھ میری کھوپڑی پر رکھا ہو۔ جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے سر سے پیر تک پورا جسم مضروب ومجروح ہوگیا ہو۔ ہاتھوں کو جنبش دینے میں بھی تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ یہ تھکاوٹ اور بیزاری نشہ ٹوٹنے کی وجہ سے تھی۔ منہ بے حد کڑوا کسیلا ہو رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس وقت مجھے ایک پیگ شراب اور کسی نمکین چیز کی شدید ضرورت ہے۔ اگر ریشمی ڈور کو کھینچ کر گھنٹی بجاتا تو کوئی نہ کوئی فوراً حاضر ہو جاتا مگر بیزاری اتنی زیادہ تھی کہ میں نے ڈوری کھینچنے کی زحمت نہیں کی بلکہ چپ چاپ لیٹا رہا۔ چند منٹ یونہی گزر گئے پھر میں نے آہستہ آہستہ گردن گھما کر دیوار گیر کلاک پر نظر ڈالی۔ چار بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ گویا میں سارا دن سوتا رہا تھا جشن کس وقت ختم ہوا تھا یہ مجھے نہیں معلوم۔ میں کیونکر اپنی خوابگاہ میں پہنچا تھا یہ بھی مجھے نہیں معلوم تھا۔ ظاہر ہے کہ کسی نہ کسی نے مجھے خواب گاہ تک پہنچا دیا تھا۔ رات کے مناظر ابھی تک آنکھوں کے سامنے گھوم رہے تھے۔ وہ شور اور ہنگامہ اور افراتفری اور سامان ناؤ نوش، وہ جشن واقعی ایسا تھا جس کی یادیں دیر تک ذہن میں باقی رہیں۔

کچھ دیر میں جشن کے ہنگاموں کو یاد کرتا رہا پھر آہستہ آہستہ اٹھا اور مسہری کے سرہانے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ سارے پیلس میں سکوت طاری تھا کہیں کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ غالباً زیادہ تر لوگ ابھی تک اپنے اپنے کمروں میں محو استراحت تھے۔ جشن کا خمار ظاہر ہے کہ اتنی جلدی اترنے والا نہیں تھا۔ میں کچھ دیر تک سوچتا رہا کہ کیا کروں لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ گھنٹی بجا کر کسی کو طلب کرنا بھی اچھا معلوم نہیں ہوا کہ اس طرح میں ان کے آرام میں مخل ہوتا پھر میں نے سوچا کہ خود ہی کچن میں چلوں اور ایک کپ گرم کافی تیار کروں۔ رے پیلس میں مجھے کام نہیں کرنا پڑتا تھا۔ میری ہر ضرورت اور ہر خواہش خود بخود پوری ہو جاتی تھی۔ اس بنا پر خود کافی بنانے کا تصور بڑا دلچسپ محسوس ہوا، چنانچہ میں نے ایک سگریٹ جلائی پھر مسہری سے نیچے اترا اور اپنے بوجھل بدن کو گھسیٹتا ہوا غسلخانے میں لے گیا۔ جتنی دیر میں ٹب پانی سے بھرا، میں نے سگریٹ ختم کر لی پھر کپڑے اتار کر پانی میں اتر گیا۔

تقریباً نصف گھنٹے بعد میں پانی سے باہر آیا۔ محل بدستور سکوت وسناٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں سیڑھیاں طے

کر کے نیچے پہنچا اور پھر کچن پہنچنے میں پندرہ منٹ لگے۔ راستے میں مجھے کوئی نہیں ملا۔ البتہ ہال اور راہداریوں میں بتیاں روشن تھیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی نہ کوئی ضرور جاگ رہا ہے۔ رے پیلس میں کئی راہداریاں ایسی تھیں جہاں دن کی روشنی کم پہنچتی تھی۔ لہٰذا وہاں شام ہونے سے قبل ہی بتیاں جلا دی جاتی تھیں۔ کچن میں پہنچ کر میں نے کافی کا ایک کپ تیار کیا۔ بہت دن کے بعد یہ کام اپنے ہاتھ سے کیا تھا۔ اس لیے ایک عجیب سی خوشی محسوس ہوئی اور شاید اسی بنا پر وہ کافی مجھے زیادہ مزیدار لگی۔ دو تین گھونٹ لے کر ہی جسم و ذہن سے کسل مندی کا احساس زائل ہونے لگا۔ اعصاب میں تازگی اور چستی عود کر آئی۔ میں نے ایک سگریٹ جلائی اور کھڑکی کے باہر دیکھا۔ رے پیلس کے عقبی باغ میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ دھوپ رخصت ہو چکی تھی اور سارے ماحول میں دھندلکا پھیلاتا جا رہا تھا۔

جب میں لائبریری کی طرف جا رہا تھا تو اچانک راہداری میں آئرین مل گئی۔ اس کے چہرے سے رات کی تھکن اور نیند کا بوجھل پن ظاہر ہو رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ میری طرح وہ بھی کچھ ہی دیر پہلے جاگی تھی۔ میرے ہاتھ میں کافی کا کپ دیکھ کر وہ بہت متعجب ہوئی اور جب میں نے اسے بتایا کہ کافی میں نے خود تیار کی ہے تو وہ دفعتاً سٹپٹا سی گئی۔ بوکھلائے ہوئے انداز میں کہنے لگی۔

''مگر ماسٹر آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''کیوں؟'' میں نے قدرے تعجب سے پوچھا۔

''یہ کام ہمارا ہے۔'' اس کے لہجے سے گھبراہٹ کا اظہار ہو رہا تھا ''اگر لارڈ رے کو اس بات کا علم ہو جائے تو ہمیں سخت سرزنش کی جائے گی۔ ہمیں بطور خاص یہ حکم ہے کہ آپ کے آرام و آسائش اور خدمت میں کوئی کمی نہ ہونے پائے۔''

''گویا میں اپنے ہاتھ سے چائے بھی نہیں بنا سکتا؟'' میں نے چڑ کر کہا۔

''آپ کسی کو طلب کر لیتے، آخر ہم لوگ کس لیے ہیں؟''

''کوئی بات نہیں۔'' میں نے لاپروائی سے ہاتھ ہلا کر کہا ''میں اس وقت خود ہی کافی بنانے کے موڈ میں تھا۔ اگر لارڈ رے کو تعرض ہو تو میرے پاس بھیج دینا۔ میں اسے سمجھا دوں گا۔'' پھر چنداں توقف کے بعد میں نے کہا ''محل میں بہت سناٹا ہے۔''

''ہاں۔''

''سب لوگ کہاں ہیں؟''

''کچھ لوگ ابھی سو رہے ہیں اور کچھ صبح ہی یہاں سے چلے گئے تھے۔''

''کہاں؟''

''ایمن مینشن۔''

میں چند ساعت سوچتا رہا۔ دراصل میں آئرین سے کچھ اور بھی پوچھنا چاہتا تھا۔ خاص طور پر ٹیا کے بارے میں مگر پھر ارادہ بدل دیا۔ میں نے آئرین سے کہا کہ لائبریری میں جا رہا ہوں۔ وہ تین چار انڈے ابال کر لے آئے۔ یہ کہہ کر میں لائبریری کی طرف بڑھ گیا۔ آئرین کچن میں چلی گئی۔ شام کا باقی حصہ اخبارات کے مطالعے

اور بعد ازاں محل کے مختلف حصوں میں مٹر گشتی کرنے میں گزر گیا۔ محل میں وہی افراد موجود تھے جو عام طور پر وہاں ہوتے تھے۔ باقی افراد صبح ہی جا چکے تھے۔ لارڈ رے، ڈاکٹر نیفا، ٹیا، باربرا اور دوسرے لوگ ایمن مینشن چلے گئے حتیٰ کہ کارسن بھی موجود نہیں تھا مگر سونیا موجود تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ آئندہ چند دن رے پیلس میں قیام کرے گی۔ مجھے اس سے زیادہ گفتگو کرنے کا موقع نہیں ملا۔ حالانکہ میں اس سے کئی باتیں پوچھنا چاہتا تھا اور یہ بھی جاننا چاہتا تھا کہ رابن کی موت کے بارے میں اس کا ردعمل کیا ہے مگر وہاں ہمارے ساتھ اس وقت آئرین پینی اور چارلس بھی موجود تھے اور ان کے سامنے اس نوعیت کی بات چیت مناسب نہ ہوتی۔ چنانچہ میں نے ارادہ ترک کر دیا۔ طے کیا کہ کسی مناسب موقع پر اس سے یہ ضرور پوچھوں گا جب جشن ایمن کے دوران اس کے اپنے بھائی کے بے گناہ خون سے ہولی کھیلی جا رہی تھی تو اس کے احساسات کیا تھے؟

اگلے تین دن معمول کے مطابق گزرے، کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جو کسی بھی نکتہ نظر سے خصوصی اہمیت کی حامل ہوتی۔ اس عرصے میں ڈاکٹر نیفا، ٹیا، روز آلبہ وغیرہ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ نہ ہی میں نے گومز اور اسٹار کی وغیرہ کو دیکھا۔ صرف لارڈ رے براؤن اور باربرا دو بار رے پیلس میں آئے مگر ان سے محض رسمی قسم کی ملاقات ہوئی۔ ان لوگوں نے بتایا کہ بہت مصروف ہیں۔ میں نے یہ نہیں پوچھا کہ مصروفیت کی نوعیت کیا ہے۔ نہ ہی ٹیا کے متعلق کوئی استفسار کیا۔ اگرچہ وہ مجھے اکثر یاد آتی تھی۔ اس کا دلکش سراپا، کٹورا جیسی دمکتی ہوئی بلوری آنکھیں اور سنہرے بال مگر میں نے اس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔ یقین تھا کہ وہ ایمن مینشن میں ہوگی اور میں مطالبہ کروں گا تب بھی مجھے اس سے ملنے نہیں دیا جائے گا۔

میرے معمولات لگے بندھے تھے اور ان میں اخبارات کا مطالعہ سرفہرست تھا۔ ہر صبح ایک دو گھنٹے لائبریری میں گزارتا تھا۔ جوڈی اور رابن کے کیس کی تازہ ترین تفصیلات پابندی سے شائع ہوئی تھیں۔ جن سے اسکاٹ لینڈ یارڈ کی سرگرمیوں کا علم ہوتا رہتا تھا۔ اب تک انہیں کسی بھی قسم کی کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ میری اور سڈنی کی بدستور تلاش جاری تھی۔ ساتھ ہی وہ باربرا، روز آلبہ، کیٹی اور ان کے ساتھ پینی اور آئرین کو بھی تلاش کر رہے تھے۔ مؤخر الذکر دونوں عورتوں کی گمشدگی یا روپوشی کی بنا پر پولیس نئے مفروضوں پر غور کرنے لگی تھی۔ ایک خیال یہ تھا کہ ممکن ہے، دونوں یہ عورتیں بھی قاتل کے ساتھ ملی ہوئی ہوں اور اب اس خوف سے روپوش ہو گئی ہوں کہ کہیں پولیس انہیں گرفتار نہ کر لے۔ ساتھ ہی یہ خیال بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ چونکہ پینی نے قاتل کے خلاف گواہی دی تھی۔ اس لیے یہ بات بعید از امکان نہیں کہ قاتل نے اسے بھی ٹھکانے لگا دیا۔ چنانچہ پولیس کی طرف سے اس خدشے کا اظہار بھی کیا گیا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ پولیس کی تلاش کے نتیجے میں پینی کے بجائے اس کی لاش ملے۔

پولیس سڈنی کو بھی بدستور تلاش کر رہی تھی۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ انہیں سڈنی کی ہولناک موت کا علم نہیں۔ البتہ انہوں نے مومی کو تلاش کر لیا تھا اور یہ بات معلوم کر لی تھی کہ مومی سڈنی کی نئی دوست تھی۔ لیکن مومی نے انہیں کچھ نہیں بتایا تھا۔ اس نے پولیس کو جو بیان دیا تھا وہ یہ تھا کہ اس کی اور سڈنی کی دوستی کئی ہفتے قبل ختم ہو چکی تھی اور یہ کہ اس نے کئی ہفتے سے سڈنی کو نہیں دیکھا۔ مومی نے یہ تسلیم کیا تھا کہ ایک ایشیائی نوجوان سڈنی کا پتا معلوم کرنے اس کے پاس آیا تھا مگر چونکہ اسے کچھ نہیں معلوم تھا، اس لیے ایشیائی نوجوان واپس چلا گیا تھا۔

مومی کے اس بیان میں کئی خامیاں تھیں۔ جو میرے لیے الجھن کا باعث بنیں۔ ایک خرابی یہ تھی کہ اگر انہوں

نے مومی اور سڈنی کے تعلقات کے بارے میں معلوم کرلیا تھا تو پھر یہ بات کیوں ان کے علم میں نہیں آئی کہ سڈنی ڈاکٹر جوشوا کے ہسپتال میں زیر علاج تھا۔ اگر وہ یہ بات معلوم کر لیتے تو پھر انہیں یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ سڈنی فرار ہو کر فلیٹ پر گیا تھا اور پھر مومی سے مزید جرح کے نتیجے میں یہ بھی معلوم ہو سکتا تھا کہ مومی ایشیائی نوجوان کو ونڈسر کے گودام میں لے گئی تھی مگر اخبارات میں ڈاکٹر جوشوا کے اسپتال اور ونڈسر کے گودام میں کہیں ذکر نہیں تھا۔ گویا انہیں مومی نے اس ضمن میں نہیں بتایا تھا۔ صرف اتنا ہی کہا تھا کہ اس کے اور سڈنی کے تعلقات ختم ہو چکے تھے۔ سوال یہ ہے کہ کیوں؟ مومی نے جھوٹ کیوں بولا، یہ بات بڑی عجیب تھی مگر بعد ازاں جب میں نے باربرا سے یہ سوال کیا تو جواب مل گیا۔ تین سو پونڈ مومی جیسی عورت کے لیے کوئی چھوٹی رقم نہیں ہوتی۔

اخبارات سے یہ بھی پتا چلا کہ پولیس نے اپنے دائرہ کار میں اضافہ کر دیا تھا۔ کیپٹن جیفرسن نے خیال ظاہر کیا تھا کہ سڈنی اور ایشیائی جوان ریاض عالم ابھی ملک کے اندر ہی کہیں روپوش ہیں مگر وہ بہرحال ملک سے فرار ہونے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ اس نے ملک سے باہر جانے والے تمام ذرائع کی سخت ناکہ بندی کر دی تھی۔ ائرپورٹ پر سادہ لباس والے جاسوس مقرر تھے۔ جو باہر جانے والے مسافروں کو چیک کرتے تھے اور یہی صورت حال ڈوور کی بندرگاہ پر تھی۔ کوئی بھی مسافر جاسوسوں کے معائنے کے بغیر بندرگاہ نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ کیپٹن جیفرسن نے یقین ظاہر کیا تھا کہ دیر تو ہو سکتی ہے لیکن وہ مجرم یا مجرموں کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

چوتھے دن رے پیلس سے کچھ افراد غائب ہو گئے جن میں آئرین، چارلس بونڈ، اولگا اور دو ایک دوسرے افراد شامل تھے۔ مجھے کوئی علم نہیں تھا کہ وہ کہاں گئے ہیں اور کیوں؟ میرا اندازہ تھا کہ وہ لوگ بھی ایمن مینشن گئے ہوں گے۔ کیونکہ پچھلے دنوں سے ایمن مینشن سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ لارڈ رے، ڈاکٹر نیفا اور باربرا وہاں مصروف تھے اور شاید اپنی مصروفیات کے سلسلے میں آئرین اور چارلس بونڈ وغیرہ بھی وہاں گئے تھے۔ میں نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ایمن مینشن میں کیا ہو رہا ہے۔ میری حیثیت ایک لاپروا اور نااہل شہزادے کی سی تھی جسے ہاتھ ہلا کر کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا۔ اس کے ایک اشارے آبرو پر سارے کام ہو جاتے ہیں۔ میرے لیے بھی دنیا کی ہر آسائش موجود تھی۔ عیش و عشرت کے سارے سامان مہیا تھے۔ مجھے عموماً دو کام کرنے پڑتے تھے گھنٹی بجانی پڑتی تھی اور زبان کو زحمت دینی پڑتی۔ اس تن آسانی نے واقعی مجھے کاہل بنا دیا تھا۔ کبھی کبھی میں خود کو کسی مشین کا ایک ناکارہ اور فضول پرزہ محسوس کرتا اور جب کبھی اس صورتحال سے تنگ آ جاتا تو کوئی نہ کوئی کام کرنے لگتا۔ خود چائے بناتا یا کارپٹ پر کیوم کرتا۔ اگر ریفایا پینی اعتراض کرتیں تو انہیں ڈانٹ دیتا۔ خود کو بیکار محسوس کرنے کی بنا پر کچھ چڑچڑا بھی ہو گیا تھا۔

چھٹے دن سونیا اور پیڈی بھی غائب ہو گئے۔ وہ کب گئے تھے یہ مجھے معلوم نہیں۔ پینی سے صرف اتنا ہی پتا چلا کہ وہ لوگ صبح ناشتے کے بعد گئے تھے لیکن وہ یہ نہیں بتا سکی کہ وہ دونوں کہاں گئے ہیں۔ یا شاید اس نے بتانا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ دونوں بھی غالباً ایمن مینشن ہی گئے تھے۔ پتا نہیں ایمن مینشن میں کیا ہو رہا تھا اور پھر یہ اگر سب کے سب ایمن مینشن جا رہے ہیں تو پھر میں رے پیلس میں کیا کر رہا ہوں مگر اس سوال کا جواب دینے والا

کوئی نہیں تھا۔ حتیٰ کہ ریفا نے بھی مسکرا کر بات ٹال دی۔ سونیا اور پیڈی کے جانے کے بعد دو نئے افراد محل میں آ گئے تھے۔ یہ مسٹر اور مسز رائمل تھے۔ یہ دونوں میاں بیوی وہی تھے جن کی ونڈسر میں ٹوبیکو کی شاپ تھی۔ جب میں لندن میں پولیس سے بچتا پھر رہا تھا تو روز آلبہ وغیرہ نے مجھے انہی دونوں میاں بیوی کے پاس جانے کا مشورہ دیا تھا۔ اس وقت تو میں خیران کے پاس نہیں جا سکا تھا مگر وہ دونوں رے پیلس میں ہی موجود تھے۔ مسٹر رائمل کی عمر پچاس سال سے اوپر تھی اور بھاری جسم کے مالک تھے اور چہرے سے کافی خوش مزاج اور زندہ دل نظر آتے تھے۔ سر پر بال برائے نام تھے لیکن بالوں کی کمی انہوں نے ایک گھنی داڑھی رکھ کر پوری کی تھی۔ مسز رائمل کا نام میری تھا وہ مسٹر رائمل سے کوئی دس بارہ سال کم عمر تھی۔ وہ دبلی پتلی اور تیکھے نقش و نگار والی دلکش عورت تھی۔ یہ بڑی دلچسپ اور عجیب بات تھی کہ ایمن سوسائٹی میں جتنی بھی عورتیں تھیں ان میں ایک آدھ کو چھوڑ کر سب خوبصورت تھیں۔ کیا یہ محض اتفاق تھا یا ارڈرے براؤن کی حسن پسندی کا نتیجہ تھا۔ ایک بار لارڈ رے نے مجھ سے کہا تھا۔

''بھتیجے، مجھے خوبصورتی سے عشق ہے۔ میں اپنے اردگرد حسن ہی حسن دیکھنا پسند کرتا ہوں، میرے محل میں دنیا کی ان گنت اور دلکش اشیا موجود ہیں۔ میرے باغ میں دنیا کے تمام خوبصورت پھول موجود ہیں اور میرے اردگرد جو عورتیں ہیں وہ بھی حسین و دلفریب ہیں۔''

''تمہیں خوبصورت عورتیں پسند ہیں؟''

''کون الو کا پٹھا خوبصورت عورتوں کو پسند نہیں کرتا۔'' لارڈ رے نے بھنا کر کہا تھا۔

''تو پھر تم شادی کیوں نہیں کرتے؟''

''کیونکہ اگر خوبصورت عورت کو بیوی بنا لو تو پانچ سال بعد بدصورت ہو جاتی ہے۔''

مسٹر اور مسز رائمل سے دوسری ملاقات سہ پہر کی چائے پر ہوئی۔ اس وقت ہم لوگ ڈائننگ روم میں تھے۔ ریفا کہیں مصروف تھی اس لیے وہ ہمارے ساتھ چائے میں شامل نہیں ہوئی۔ پینی نے ہمیں چائے پیش کی اور جب وہ چلی گئی تو میں نے مسٹر رائمل سے پوچھا۔

''کیا آپ دونوں بھی ایمن سوسائٹی کے ممبر ہیں؟''

وہ دونوں مسکرانے لگے۔ ان کی مسکراہٹ گویا اثبات کا اظہار کر رہی تھی۔ میں نے سگریٹ جلائی اور پھر غور سے میری کو دیکھا۔ وہ چمکتی ہوئی شوخ نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہ میں پسندیدگی تھی اور انداز سپردگی بھی جس میں ادائے دلبری کے ساتھ وہ مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس پر مجھے کوئی تعجب نہیں ہوا چند لمحے توقف کے بعد میں نے کہا۔

''مگر آپ لوگ پہلے کبھی رے پیلس میں دکھائی نہیں دیئے۔''

''ہم عموماً رے پیلس میں نہیں آئے۔'' رائمل نے عینک کے موٹے موٹے شیشوں کے پیچھے سے مجھے دیکھتے ہوئے جواب دیا ''ہمارا تعلق زیادہ تر بیرونی امور سے رہتا ہے۔ اب ہمیں اس بنا پر یہاں آنا پڑا کیونکہ پیڈی چلا گیا ہے۔''

میں نے استفہامیہ نظروں سے رائمل کو گھورا۔

''بات دراصل یہ ہے کہ کچھ عرصے پہلے تک میں جاکی تھا اور ریسوں میں لارڈرے کے گھوڑے دوڑایا کرتا تھا مگر پھر وزن بڑھ جانے کے باعث مجھے ریٹائر ہونا پڑا۔ آپ تو جانتے ہیں کہ بھاری بھر کم نہیں ہونا چاہیے۔ اب میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ پیڈی کی عدم موجودگی میں گھوڑوں کی دیکھ بھال کرسکوں۔''

''پیڈی کہاں گیا ہے؟'' میں نے رواداری کے انداز میں پوچھا۔

''مجھے علم نہیں۔ غالباً ایمن مینشن میں ہوگا۔'' رائمل نے جواب دیا ''ایمن سوسائٹی کے ممبران کا وطیرہ ہے کہ اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ جن باتوں سے ان کا کوئی تعلق نہ ہو، ان سے کوئی سروکار نہیں۔''

رائمل کا جواب صاف اور دوٹوک تھا یا تو اسے معلوم نہیں تھا یا وہ بتانا نہیں چاہتا تھا اور یا پھر واقعی پیڈی وغیرہ سب کے سب ایمن مینشن ہی گئے تھے پھر میں نے سوچا کہ آخر میں اس مسئلے پر اتنا سر کیوں کھپا رہا ہوں۔ وہ ایمن مینشن گئے ہوں یا جہنم میں۔ مجھے کیا غرض۔ اگر ایمن مینشن میں کچھ ہو رہا ہے تو جلد یا بدیر مجھے معلوم ہو جائے گا خواہ مخواہ الجھن میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ چنانچہ میں نے پھر رائمل سے اس ضمن میں کچھ نہیں پوچھا کہ اس کے بجائے میں نے ایمن سوسائٹی اور لارڈرے کا ذکر چھیڑ دیا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ وہ کب ایمن سوسائٹی میں شامل ہوئے۔ رائمل مجھے تفصیل سے بتانے لگا۔ وہ لارڈرے کے گھوڑوں کا جاکی تھا اور بہت کامیاب جاکی تھا مگر جب وزن بڑھنے کی بنا پر اسے ریٹائر ہونا پڑا تو اس نے ٹوبیکو شاپ کرلی اور اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے کر میری سے شادی کرلی جو ایک مقامی کلب میں بار میڈ تھی۔ شادی کے ایک دن بعد لارڈرے نے ان دونوں کو ایمن مینشن میں بلایا اور پہلی بار ان کی ملاقات ڈاکٹر نیفا سے ہوئی۔ جب وہ ایمن مینشن سے واپس ہوئے تو ایمن سوسائٹی کی ممبر بن چکے تھے۔

''غالباً یہ لاکٹ تم دونوں کو اسی وقت ملے تھے؟'' میں نے میری رائمل کے شفاف سینے پر پڑے ہوئے سنہری لاکٹ کی طرف اشارہ کیا۔

''ہاں۔'' رائمل کے بجائے میری نے جواب دیا۔

ہم چند منٹ مزید گفتگو کرتے رہے زیادہ تر رائمل بولتا اور میں سنتا رہا۔ وہ ایمن سوسائٹی اور لارڈرے کی تعریفوں کے پل باندھ رہا تھا۔ اس کے الفاظ کے مطابق ایک ایسی انجمن تھی جس میں ذہین ترین اور صاحبِ علم افراد موجود ہوگئے تھے۔ وہ ایک اعلیٰ تر مقصد کے لیے کام کر رہے تھے اور لارڈرے ان لوگوں کی سرپرستی کر رہا تھا۔ میں نے رائمل سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ اعلیٰ تر مقصد کیا ہے اور نہ یہ سوال کیا کہ وہ گومز، پیڈی اور آئرین وغیرہ کو ذی شعور اور صاحب علم افراد سمجھتا ہے؟ یہ سوال غیر ضروری اور بے مقصد ہوتا۔ رائمل نے وہی کچھ کہا تھا جو ایمن سوسائٹی کے سارے ہی ممبر کہتے تھے۔ دوسری بہت سی باتوں کی طرح یہ بھی شاید ان کے فرائض میں شامل تھا کہ ایمن سوسائٹی اور لارڈرے کی شان میں طلب اللسان رہیں پھر وہ چلا گیا کہ اسے گھوڑوں کی دیکھ بھال بھی کرنا تھی۔ پیٹی برتن اٹھا لے گئی۔ اس کے بعد میری نے کہا۔

''ماسٹر اب محل میں زیادہ افراد نہیں ہیں لیکن ہم آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہونے دیں گے۔ آپ کو جب بھی ضرورت ہو۔ آپ مجھے بلا تکلف طلب کرسکتے ہیں۔''

اس کی نگاہ میں شوخی تھی اور انداز محبوبیت بھی اور میں اس کی نگاہ کا مفہوم واضح طور پر سمجھ رہا تھا۔ میں نے مسکرا

کر کہا ''ہاں، مجھے معلوم ہے۔''

تین دن اور گزر گئے۔ تین روکھے پھیکے اور غیر مصروف دن۔ محل میں افراد کی کمی کے باعث ہر وقت سناٹا چھایا رہتا لیکن مجھے کوئی تکلیف نہیں تھی۔ گو خدام کی کمی تھی، مگر خدمت میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔ ریفا اور میری موجود تھیں، دو ایک دوسرے افراد تھے جو میری خدمت میں جتے رہتے۔ افراد کی کمی کے باوجود محل کے سارے کاروبار حسب معمول چل رہے تھے مگر پھر بھی بعض اوقات حمل کا سکوت و سناٹا گراں گزرنے لگتا۔ منیجر کارسن ہر روز کچھ دیر کے لیے ضرور آتا، مگر گزشتہ دو دن سے وہ بھی غائب تھا۔ دوسرے افراد کی طرح شاید وہ بھی ایمن مینشن چلا گیا تھا۔

پھر اس اگلے روز میری ملاقات لارڈ رے اور بار براسے ہوئی۔

میں اس وقت اپنی خواب گاہ میں تھا اور واڈ کا سے اپنی بیزاری کا علاج کر رہا تھا کہ یکا یک وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔ بھاری بھرکم اور گول مٹول لارڈ رے براؤن حسب عادت کسی شوخ و شریر بچے کی طرح نظر آ رہا تھا۔ معمول کے مطابق اس نے بھتیجے کا نعرہ لگایا اور زور زور سے ہنسنے لگا۔ اس کے گال سرخ ہو گئے اور ڈرم جیسا پیٹ زور زور سے ہلنے لگا۔ لگتا تھا جیسے سر سے پیر تک بھونچال آ گیا ہو۔ میں چپ چاپ دیکھتا رہا۔ جب بھونچال کا زور ٹوٹا تو میں نے کہا۔

''چچا کس بات پر ہنس رہے ہو؟''

وہ دونوں کرسی پر بیٹھ گئے۔ لارڈ رے نے ہاتھ ہلا کر کہا ''اس لیے کیونکہ میں خوش ہوں مگر سوال یہ ہے کہ تم اتنے بیزار کیوں نظر آ رہے ہو؟''

''تو کیا تمہارے خیال میں مجھے رقص کرنا چاہیے۔'' میں نے چڑ کر کہا۔

لارڈ رے پھر ہنسنے لگا وہی بھونچال جیسی ہنسی۔ وہی اس کے مدوجزر۔ چند ساعت اس نے کہا ''کیا تم واقعی بیزار ہو اور شاید غصے میں بھی مگر کیوں.....؟''

کیونکہ رے پیلس ویران ہو گیا ہے۔'' میں نے تلخی سے کہا ''ایک ایک کر کے سارے ہی لوگ غائب ہو گئے ہیں۔ آخر یہ سب لوگ کہاں چلے گئے ہیں؟''

''فکر نہ کرو۔'' لارڈ رے مسکرایا ''اب ہم بھی غائب ہونے والے ہیں۔ لو یہ دیکھو۔'' یہ کہہ کر اس نے جیب سے کوئی چیز نکالی اور میرے سامنے ڈال دی۔ میں نے دیکھا وہ پاسپورٹ تھا۔ سبز رنگ کا برٹش پاسپورٹ تھا۔ میں نے اسے اٹھانے سے قبل ایک نظر لارڈ رے کو اور پھر بار برا کو دیکھا۔ اس کی شوخ نظریں میرے ہی چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے گندمی رنگ کا چست لباس پہن رکھا تھا جو اس کے جسم کی سیاہ رنگت کو اور بھی نمایاں کر رہا تھا مگر اس کے باوجود وہ دلکش نظر آ رہی تھی۔ جب ہماری نظریں ملیں تو وہ مسکرا دی۔ وہی پرانی مسکراہٹ جس میں محبوبیت اور دلبری کے سارے انداز تھے۔ نمایاں بھی نہاں بھی۔ جواب میں، میں بھی مسکرایا پھر میں نے ہاتھ بڑھا کر پاسپورٹ اٹھایا اور صفحے کھول کر اس کا جائزہ لیا۔ اندراجات کے مطابق وہ پاسپورٹ جمشید احمد نام کے ایک شخص کو صرف تین دن پیشتر جاری کیا گیا تھا۔ جو برٹش سبجکٹ تھا۔ جمشید احمد کی عمر اور قد وہی تھا جو میرا تھا۔ البتہ تاریخ پیدائش مختلف تھی۔ میری ہی طرح وہ بھی غیر شادی شدہ تھا۔ پاسپورٹ کے تیسرے صفحے پر اس کی تصویر

بھی موجود تھی۔ میں یکا یک سنبھل کر بیٹھ گیا کیونکہ وہ تصویر مختلف میری اپنی تھی۔ اس تصویر میں، میں نے سنہری کمانی والا نازک سا چشمہ لگا رکھا تھا۔ سر پر بھورے بالوں کی وگ تھی اور ہونٹوں کے اوپر خوب گھنی مونچھیں تھیں جو اوپری ہونٹ کو قریب قریب چھپا لیتی تھیں۔ بائیں گال پر ایک موٹا سا تل چمک رہا تھا۔ وہ پاسپورٹ سراسر جعلی تھا۔ یعنی باضابطہ طور پر پاسپورٹ آفس سے نہیں جاری کیا گیا تھا۔ بلکہ کسی ماہر فن جعل ساز نے تیار کیا تھا مگر اتنی مہارت سے کہ اس میں کہیں نقص یا کمی نہیں تھی۔ کوئی بھی اسے نقلی پاسپورٹ نہیں کہہ سکتا تھا۔ میں کچھ دیر اپنی تصویر کو گھورتا رہا پھر لارڈ رے کی جانب دیکھا اور طویل سانس لے کر کہا۔

''یہ تصویر تم نے بیگ سے نکالی تھی؟''

''نہیں۔'' لارڈ رے مسکرایا ''اس کا نیگیٹو بار برا کے پاس تھا۔''

''اوہ۔'' میں نے آہستہ سے کہا اور بار برا کو دیکھا ''میں تو سمجھتا تھا کہ یہ تصویر تم نے مذاق میں اتاری تھی۔''

''نہیں۔'' بار برا نے ہولے سے سر کو جنبش دی ''میں جانتی تھی کہ ہمیں اس تصویر کی ضرورت پڑے گی۔''

مجھے یاد آیا کہ جب میں روز آلبہ کے فلیٹ میں روپوش تھی تبھی ایک دن بار برا نے وہ تصویر اتاری تھی وہ روز آلبہ کے کے بیوٹی سیلون سے وگ اور مونچھیں لے آئی تھی۔ چشمہ پتا نہیں کس کا تھا۔ بار برا کے اصرار پر میں نے وگ اور مونچھیں لگا لی تھیں اور چشمہ بھی آنکھوں پر چڑھا لیا تھا پھر اس نے تصویر اتار لی تھی اور میں سمجھا تھا کہ اس نے تصویر محض تفریحاً اتاری تھی۔ شبہ بھی نہیں تھا کہ اسے پاسپورٹ کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ حالانکہ ایک روز آلبہ نے مجھے ایک ایرانی نوجوان بھی بنایا تھا جب میں پینی کی تلاش میں باہر گیا تھا مگر یہ میک اپ بالکل مختلف تھا اور اب انکشاف ہوا کہ یہ تصویر بطور خاص پاسپورٹ کے لیے اتاری گئی تھی۔ کچھ دیر بعد میں نے اپنے بائیں گال پر انگلی رکھ کر کہا۔

''مگر یہاں تو کوئی تل نہیں ہے۔''

''نیگیٹو پر ایک عدد تل کا نشان بنانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔'' لارڈ رے نے مسکرا کر کہا۔

''گویا تم نے سارا پروگرام پہلے ہی بنا لیا تھا۔''

''ہاں، کچھ ایسا ہی سمجھو۔'' لارڈ رے نے ہاتھ بڑھا کر سگار اٹھایا اور سلگاتے ہوئے کہنے لگا ''ساری باتیں کافی دن پہلے ہی قریب قریب طے ہو چکی تھیں۔ ہمیں کب اور کیا کرنا ہے اور کس طرح کرنا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ درمیان میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے جن کا ہمیں گمان نہیں تھا اور ان کی وجہ سے نہ صرف ہمیں کچھ دشواریاں پیش آئیں بلکہ پروگرام میں کچھ ردوبدل بھی ہوا مگر اب ساری باتیں تقریباً طے ہو چکی ہیں اور ہم یہاں سے روانہ ہو رہے ہیں۔''

میں نے گلاس میں مزید شراب ڈالی پھر ایک سگار جلایا اور بار برا کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''قاہرہ۔''

میں کچھ دیر چپ رہا اور شراب کی چھوٹی چھوٹی چسکیاں لیتا رہا۔ لارڈ رے کا جواب سن کر مجھے کوئی تعجب نہیں ہوا تھا۔ پچھلے کئی دنوں سے مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ انجام کار ہمیں مصر ہی جانا پڑے گا۔ فراعین مصر سے ذہنی

وابستگی رکھنے والے آخر مصر کا ہی رخ کرتے ہیں۔ میں نے لارڈرے سے یہ نہیں پوچھا کہ ہم لوگ آخر مصر میں کیا کرنے جا رہے ہیں۔ یہ سوال نہ صرف قبل از وقت ہوتا بلکہ غیر ضروری بھی تھا۔ مجھے یقین تھا کہ لارڈرے اس سوال کا مناسب جواب نہیں دے گا۔ چند لمحے کے سوچ و بچار کے بعد میں نے کہا۔

''مگر چچا ہم جائیں گے کیسے؟''

''کیوں؟''

''تمہیں علم ہوگا کہ کیپٹن جیفرسن نے تمام ہوائی اڈوں اور بندرگاہوں کی ناکہ بندی کر رکھی ہے۔ بے شک میں میک اپ میں ہوں گا مگر کیپٹن جیفرسن کو صرف میری ہی نہیں بلکہ باربرا اور سونیا وغیرہ کی بھی تلاش ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہم سب پولیس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل جائیں گے؟''

''ہم دھول بھی نہیں جھونکیں گے اور نکل بھی جائیں گے۔'' لارڈرے زور زور سے ہنسنے لگا گویا اس نے نہایت مزاحیہ بات کہی ہو۔ ''تم فکر نہ کرو۔ سارے انتظامات ہو چکے ہیں۔ ہم آج روانہ ہو جائیں گے اور پولیس ہمارے جانے کے بعد ہمیں تلاش کرتی رہے گی۔''

لارڈرے یہ کہہ کر پھر ہنسنے لگا گویا اس نے مزاحیہ بات کہی ہو۔ باربرا نے بھی اس کا ساتھ دیا مگر میں نہیں ہنس سکا۔ مجھے تو اتنی الجھنوں نے گھیر لیا تھا۔ ذہن میں وسوسوں کے نئے بھنور بننے لگے تھے۔ لندن کے مصائب ختم نہیں ہوئے تھے کہ اب قاہرہ کے لیے کوچ کرنا تھا اور قاہرہ میں قسمت کے نادیدہ ہاتھ میرے ساتھ کون سا کھیل کھیلیں گے۔ یہ مجھے علم نہیں تھا۔ آدمی آلام و مصائب کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ اسے حالات کا اچھی طرح علم ہو لیکن جب وہ بے یقینی کے دلدل میں پھنس جاتا ہے تو دیوانوں کی طرح ہاتھ پاؤں مارنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔ میری بھی حالت ایسی ہی تھی۔ ایک طرف پولیس تھی۔ دوسری طرف لارڈرے اور اس کے ساتھی اور تیسری جانب میری بدبختی اور میں نہیں جانتا تھا کہ کیا کروں۔ کیوں کر حالات کا مقابلہ کروں۔ میں سردست اس کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دوں اور پھر وقت کا انتظار کرتا رہوں۔

وہ دونوں ہنستے رہے اور میں الجھی ہوئی نظروں سے انہیں گھورتا رہا۔

☆☆☆

طیارے نے یکا یک زمین چھوڑی اور تیر کی طرح فضا میں بلند ہوتا چلا گیا۔

میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ ائرپورٹ کی عمارت اطراف و اکناف کے رہائشی مکانات، فارم اور ان میں جگالی کرتی ہوئی گائے اور بھیڑیں لمحہ بہ لمحہ دور ہوتی گئیں۔ مکانوں کی چمنیوں سے اٹھتا ہوا دھواں پتلی پتلی لکیروں کی طرح نظر آنے لگا۔ آس پاس کی سڑکوں پر دوڑتی ہوئی کاریں ننھے ننھے کھلونوں میں تبدیل ہو گئیں پھر آہستہ آہستہ ہر شے مختصر ہوتے ہوتے نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ صرف ایک وسیع لینڈ اسکیپ باقی رہ گیا۔ اونچی نیچی پہاڑیاں، سبزے سے ڈھکے ہوئے فارم اور درختوں کے گھنے جھنڈ دائیں طرف سمندر کا نیلا پانی نظر آ رہا تھا جو حد نظر تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ میں اک عالم محویت میں زمین اور زمین کی ہر شے کو اس وقت تک دیکھتا رہا۔ جب تک وہ نظر آتی رہیں۔ زمین سے میرا ناتا عارضی طور پر ہی سہی ٹوٹ چکا تھا۔ اب میں فضا میں تھا اور میرے چاروں طرف خلا کے سوا کچھ نہ تھا اور جیسے جیسے وہ طیارہ بلند ہو رہا تھا۔ ویسے ویسے میرا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ نجانے

میری یہ کیفیت کیوں تھی۔ فضائی سفر میں نے پہلے بھی کیا تھا مگر یہ حالت تب نہیں ہوتی تھی پھر اب کیوں؟ شاید اس لیے کہ مجھے منزل اور فاصلے کا علم تھا جبکہ اس بار صرف اتنا ہی معلوم تھا کہ قاہرہ جا رہا ہوں لیکن سفر کہاں اور کس انجام پر ختم ہوگا یہ مجھے معلوم نہیں تھا اور یہ بے یقینی اور لاعلمی مجھے تذبذب اور پریشانی میں مبتلا کر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد مادرِ مہربان نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ چاروں طرف سے سبک سرمئی بادلوں نے طیارے کو گھیر لیا لیکن طیارہ دم بہ دم اوپر اٹھتا رہا۔ حتیٰ کہ بادلوں سے اوپر نکل گیا۔ اب حدِ نظر تک بادل تہہ در تہہ نظر آ رہے تھے۔ جیسے اونچے نیچے پہاڑوں کا سلسلہ دور تک پھیلتا چلا گیا ہو۔ سامنے افق پر جہاں بادل اور آسمان باہم گلے مل رہے تھے۔ نارنجی رنگ کی ایک لکیر، مانگ میں سیندور کی طرح کھنچتی چلی گئی تھی۔ پلک جھپکتے بغیر نگارخانہ فطرت کے اس عجیب اور بے پناہ اور دل و دماغ پر دبدبہ طاری کرنے والے نظارے کو دیر تک دیکھتا رہا۔ طیارہ اب سیدھا پرواز کر رہا تھا۔ کسی پرندے کی طرح پر پھیلائے۔ صدیوں پہلے انسان نے پرندے کو دیکھ کر ہی فضا میں اڑنے کی خواہش کی تھی اور آج وہ سچ مچ فضا میں اڑتا ہے اور اتنا اونچا اڑتا ہے کہ پرندے بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔"

کچھ دیر بعد میں نے حفاظتی پیٹی کھولی اور صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا پھر میں نے باربرا سے کہا۔

"ایک سگریٹ دو۔"

یہ لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا کی نئی ہدایت تھی۔ لارڈرے نے کہا تھا، تمہیں اپنے کام خود نہیں کرنے چاہئیں۔ حتیٰ کہ سگریٹ جلانے اور گلاس میں شراب انڈیلنے سے بھی احتراز کرنا چاہیے کیونکہ اپنے کام خود کرنے میں عمومیت ہے۔ شوکت و انفرادیت نہیں۔ تمہارا طرزِ عمل تمہاری حیثیت کے مطابق ہونا چاہیے۔ اس ہدایت کے بعد سے میں نے جیب میں سگریٹ رکھنا ترک کر دیا تھا اور چھوٹے موٹے کام کے لیے بھی باربرا، ریفا اور حتیٰ کہ لارڈرے سے کہتا تھا۔ باربرا نے مجھے سگریٹ جلا کر دی۔ میں نے ایک دو کش لیے پھر آنکھیں بند کر لیں۔

میں کافی تھک گیا تھا۔ ساری رات کے سفر نے مجھے نیم جان سا کر دیا تھا۔ لندن سے لیورپول اور لیورپول سے ڈبلن۔ اتنا فاصلہ ہم نے ایک رات میں طے کیا تھا۔ کیپٹن جیفرسن اور اسکاٹ لینڈ یارڈ کے ان گنت سادہ پوش مجھے لندن میں تلاش کر رہے ہوں گے ہیتھ رو، گیٹوگ اور لوٹن ائرپورٹ پر ایک ایک مسافر کو چیک کر رہے ہوں گے اور ڈوور پر چینل پار کرنے والے ہر مسافر کا جائزہ لے رہے ہوں گے لیکن میں ان کی دسترس سے باہر نکل آیا تھا۔ اتنی آسانی سے کہ مجھے اب بھی یقین آتا تھا مگر لارڈرے کے قول کے مطابق ہم نے دھول بھی نہیں جھونکی تھی اور صاف بچ کر نکل آئے تھے۔ اس وقت گو مجھے بڑا مشکل محسوس ہوتا تھا مگر اب بہت آسان نظر آتا تھا۔ میں نے اس پہلو سے غور نہیں کیا تھا۔ نہ ہی کیپٹن جیفرسن کا دھیان اس طرف گیا ہوگا مگر لارڈرے وغیرہ نے ساری منصوبہ بندی پہلے سے ہی کر رکھی تھی۔ چنانچہ ہم نے تقریباً آٹھ بجے رات میں رے پیلس کو چھوڑا۔ لارڈرے براؤن نے ایک نئی جیگور خریدی تھی۔ ہم اسی میں لیورپول کے لیے روانہ ہوئے۔ میں جمشید احمد کے میک اپ میں تھا پچھلی سیٹ پر میرے ساتھ باربرا اور ریفا بیٹھی تھیں۔ لارڈرے اگلے سیٹ پر تھا اور مسٹر رائمل نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی ہوئی تھی۔ ہم سیدھے موٹروے ایم سکس کی طرف نہیں گئے تھے۔ کیونکہ اس کا امکان تھا کہ پولیس باہر جانے والی کاروں کو چیک کر رہی ہے۔ چنانچہ ہم نے مضافاتی سڑکوں کا ایک طویل چکر کاٹا تھا

اور کوئی بیس میل آگے جا کر موٹروے ایم سکس میں داخل ہوئے تھے۔ رات بہت تیز بارش ہوتی رہی تھی۔ اس بنا پر موٹروے پر زیادہ رش نہیں تھا۔ ہم بغیر کسی دشواری کے لیور پول پہنچ گئے۔ اس وقت نصف رات ہو چکی تھی۔ لیور پول میں ڈاکٹر نیفا اور پیڈی موجود تھے۔ ڈاکٹر نیفا شام کو بذریعہ ہوائی جہاز وہاں پہنچا تھا۔ جب کہ پیڈی پہلے سے موجود تھا۔ انہوں نے ایک چھوٹی مگر تیز رفتار فیری کا انتظام کر رکھا تھا۔ اگرچہ کوئی بھی فیری نصف رات کو آئرلینڈ نہیں جاتی مگر یہاں بھی شاید لارڈرے کی دولت کام آئی تھی۔ ہم فیری پر آئرلینڈ روانہ ہوئے اور مسٹر رائمل جیگور پر واپس لندن چلے گئے۔ لارڈرے کی عدم موجودگی میں پیلس کی دیکھ بھال رائمل کی ذمہ داری تھی۔

صبح ہوئی تو ہم ڈبلن میں تھے۔ وہاں کوئی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ حتیٰ کہ میرے پاسپورٹ پر آئرلینڈ میں داخلے کی مہر بھی لگ گئی۔ ویسے بھی برطانیہ سے آئرلینڈ آنے والے مسافروں کے بارے میں زیادہ چھان بین نہیں کی جاتی۔ منیجر کارسن پہلے سے ڈبلن میں موجود تھا تاکہ ہمارے سفر کے انتظامات کر سکے۔ وہ ہمیں ایک عمدہ ہوٹل میں لے گیا۔ جہاں ہم نے ناشتہ کیا اور کچھ دیر آرام کرنے کے بعد ائرپورٹ روانہ ہو گئے۔ اس نے ہماری سیٹیں بھی بک کرا رکھی تھیں۔ لارڈرے براؤن نے ایک عام فلائٹ سے سفر کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ تاکہ کسی قسم کی دشواری یا الجھن کا شکار نہ رہے۔ لارڈرے، ڈاکٹر نیفا، باربرا اور میرے لیے فرسٹ کلاس میں سیٹیں تھیں جبکہ کارسن اور ریفا اکانومی کلاس میں سفر کر رہے تھے۔ مجھے خدشہ تھا کہ ممکن ہے امیگریشن میں کسی دقت کا سامنا کرنا پڑے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ میرا میک اپ اتنا اچھا تھا کہ کسی قسم کا شبہ ہونے کا احتمال نہیں تھا۔ سر پر بھورے بالوں کی وگ تھی، آنکھوں پر سنہرے فریم کی عینک تھی اور گال پر ایک سیاہ مصنوعی تل چپکا ہوا تھا۔ امیگریشن آفیسر نے ایک نظر پاسپورٹ کو دیکھا۔ ایک نظر مجھے اور مہر لگا کر پاسپورٹ کو میرے حوالے کر دیا۔

میں آنکھیں بند کیے چپ چاپ نیم دراز رہا۔ کانوں میں انجن کے شور کی آواز گونج رہی تھی۔ باربرا اور لارڈرے وغیرہ باتیں کر رہے تھے اور ان کی آواز بھی سماعت سے ٹکرا رہی تھیں مگر میرا دھیان ان کی طرف نہیں تھا۔ میرا تصور تو ابھی تک لندن کی سڑکوں اور گلیوں میں بھٹک رہا تھا۔ تو آخر کار یہ سب کچھ اتنی آسانی سے ہو گیا۔ کل تک میں لندن میں تھا اور اسکاٹ لینڈ یارڈ کی پولیس مجھے تلاش کرتی پھر رہی تھی اور یہ بات قریب قریب ناممکن نظر آتی تھی کہ میں کبھی لندن کی حدود سے نکل سکوں گا مگر اب نکل آیا تھا اور لندن سے سینکڑوں میل دور آئرلینڈ کے ایک دیوپیکر طیارے میں موجود تھا۔ کیپٹن جیفرسن مجھے تلاش کرتا رہے گا اور ناکام رہے گا اور یہی سمجھتا رہے گا کہ میں لندن میں ہی کہیں روپوش ہوں مگر میں صاف بچ کر نکل آیا تھا۔ یکایک مجھے ہنسی آئی۔ کیا واقعی میں بچ نکل آیا ہوں۔ یہ سچ نہیں۔ بیشک میں پولیس کی دسترس سے دور ہوں مگر لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا تو موجود ہیں۔ انہوں نے میرے اردگرد جو نظر نہ آنے والا زندان تعمیر کیا ہے اس میں بظاہر ایسی کوئی کھڑکی یا روزن دکھائی نہیں دیتا جس سے میں باہر نکل سکوں!

تھکاوٹ اور نیند سے میری آنکھیں بھاری ہو رہی تھیں مگر سونا ممکن نہ تھا۔ کچھ تو انجن کے شور کی وجہ سے اور کچھ ذہنی خلجان کے باعث اور پھر ویسے بھی طیارے میں سفر کرتے ہوئے سونا میرے لیے آسان نہیں ہوتا۔ لارڈرے وغیرہ آپس میں مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ مجھ سے بھی مخاطب ہوتے مگر

میں ان باتوں میں دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔ جب ذہن اتنا پراگندہ ہو تو آدمی عمومی باتوں میں دلچسپی نہیں لے سکتا۔ مجھے بھی اس وقت اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ امریکا کے صدر نے کیا بیان دیا ہے اور برطانیہ کے عام انتخابات میں لیبر پارٹی کی شکست یقینی ہے اور پاکستان کے صدر عرب ممالک کے دورے پر گئے ہیں۔ میرا ذہن تو مسلسل و متواتر اس سوچ میں الجھا ہوا تھا کہ لارڈ رے کا سفر قاہرہ کا مقصد کیا ہے۔

کچھ دیر بعد میرے کانوں میں ایک نرم اور مترنم آواز آئی۔ آنکھیں کھول کر دیکھا تو ائیر ہوسٹس تھی۔ وہ مجھ سے کھانے کے لیے پوچھ رہی تھی۔ میں نے بے دھیانی کے عالم میں نظر بھر کر دیکھا وہ بوٹے سے قد کی بڑی خوبصورت لڑکی تھی اور ائیر ہوسٹس کے یونیفارم میں ایک گڑیا کی طرح نظر آئی تھی۔ میں نے یونہی سوچا کہ اسے تو کسی شوکیس میں یا کسی آتشدان کے اوپر سجا ہوا ہونا چاہیے۔ وہ آخر طیارے میں کیا کر رہی ہے پھر میں نے اسے سبزی اور بریڈ لانے کے لیے کہا۔ ساتھ میں دودھ اور شکر کے بغیر تیز کافی۔ کھانے کے دوران میں نے گردوپیش کا جائزہ لیا۔ فرسٹ کلاس میں زیادہ مسافر نہیں تھے۔ ہم چاروں کے علاوہ کوئی تین چار مسافر اور تھے۔ ان میں سے ایک جاپانی لگتا تھا باقی انگلش یا آئرش تھے۔ اتنی توجہ سے ان کا جائزہ لینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی مگر میرا ذہن کسی نہ کسی طور پر کوئی مصروفیت تلاش کرنے کی لاشعوری کوشش کر رہا تھا۔

جب ہم قاہرہ پہنچے تو سہ پہر ہو چکی تھی۔

میں طیارے سے باہر آیا اور ایک نظر چاروں طرف دیکھا۔ قاہرہ جو افسانوں کی سرزمین ہے۔ جہاں فراعین مصر نے تاریخ کی ان گنت ناقابلِ یقین داستانیں چھوڑی ہیں اور جو صدیوں سے ارتقا انسانی کا مرکز رہا ہے۔ وہی قاہرہ میرے چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ یہاں کتنی تہذیبیں بنیں، پھلی پھولیں اور پھر مٹ گئیں۔ ان گمشدہ تہذیبوں کے آثار اب بھی مصر میں جگہ بہ جگہ موجود ہیں اور زبانِ بے زبانی سے ماضی کی کہانیاں لکھ رہے ہیں۔ طیارے کی سیڑھیوں سے نیچے اترتے ہوئے میں بلا ارادہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ لارڈ رے وغیرہ میرے پیچھے تھے۔ ہم نیچے آئے اور ائرپورٹ کی عمارت کی طرف چل پڑے۔ سہ پہر کی دھوپ گونارنجی ہو چلی تھی مگر ہوا میں تمازت اب بھی موجود تھی۔ لندن میں بھی اگرچہ گرمیوں کا موسم تھا۔ تاہم وہاں اتنی گرمی نہیں تھی۔ گرمی تو قاہرہ کی سرزمین پر قدم رکھتے ہوئے محسوس ہوئی۔ فضا گویا تپ رہی تھی اور گرم ہوا میں صحرا کی بو رچی ہوئی تھی۔ لاؤنج تک پہنچتے پہنچتے میری سانس گرم ہو گئی اور جسم پر پسینے کے قطرے رینگنے لگے مگر اس کے باوجود یہ گرمی اور دھوپ کی تپش مجھے بری نہیں لگی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ میں خود ایسے ہی موسم سے تعلق رکھتا تھا۔

کسٹم اور امیگریشن میں کسی قسم کی دشواری نہیں ہوئی۔ جب ہم تمام مراحل طے کر کے باہر آئے تو ایک نئی حیرت میری منتظر تھی۔ وہ یہ کہ رے پیلس سے جو افراد ایک ایک کر غائب ہوئے تھے۔ وہ سب کے سب قاہرہ پہنچ گئے تھے اور اس وقت ہمارے استقبال کے لیے ائرپورٹ پر موجود تھے۔ روز آلبہ، کیٹی، سونیا، اسٹار اور گرمز وغیرہ۔ باربرا نے مجھے بتایا کہ وہ ہمارے سفر قاہرہ سے متعلق سب انتظامات کرنے کے لیے پہلے سے قاہرہ پہنچ گئے تھے۔ البتہ اس نے وضاحت نہیں کی کہ یہ انتظامات کس قسم کے تھے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ انہوں نے ایک بڑی عمارت کرائے پر لی ہے۔ جس میں ہمارا قیام ہوگا۔ میں نے ادھر ادھر ذرا تجسس کے ساتھ ایک طرف دیکھا۔ شاید ٹیا بھی ان کے ساتھ ہو مگر وہ نہیں تھی۔ آئرین اور چارلس بونڈ اور اولگا بھی نہیں تھے۔ البتہ ان کے

ساتھ دو نئے افراد موجود تھے۔ تعارف کا سرسری اور رسمی مرحلہ طے ہوا تو پتا چلا کہ ان میں سے ایک کا نام حسن عبید اور دوسرے کا احمد جمال ہے۔ حسن عبید نسلاً سوڈانی تھا۔ رنگ گہرا سانولا اور بال گھنگھریالے تھے۔ اس کا قد کم از کم چھ فٹ تھا اور صحت اتنی اچھی تھی کہ وہ کسی سانڈ کی طرح مضبوط اور طاقتور نظر آتا تھا مگر اس کے باوجود اس کے چہرے پر بچوں جیسی نرمی تھی اور آنکھوں سے دوستانہ تاثر ٹپکتا تھا۔ دوسرا آدمی احمد جمال مصری نژاد تھا۔ وہ درمیانی جسامت کا آدمی تھا اور اس کے بشرے سے چالاکی کا اظہار ہوتا تھا۔ باربرا نے مجھے بتایا کہ احمد جمال ایک بہترین گائیڈ ہے اور لارڈرے کی ملازمت اختیار کرنے سے پیشتر برسوں تک گائیڈ کے طور پر کام کرتا رہا اور جمال واقعی ایک اچھا گائیڈ معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ چند منٹ کے بعد ہی مجھے اس کی چرب زبانی کا اندازہ ہو گیا۔

باہر دو کاریں اور تین ٹیکسیاں موجود تھیں۔ لارڈرے، ڈاکٹر نیفا اور باربرا و غیرہ میرے ساتھ رولز رائیس میں بیٹھے۔ کارسن اور روز آلبہ کے ساتھ سونیا، کیٹی اور ریفا مرسیڈیز میں سوار ہوئیں۔ باقی افراد ٹیکسیوں میں سما گئے اور پھر پانچ کاروں کا یہ چھوٹا سا قافلہ قاہرہ کی کھلی سڑک پر روانہ ہو گیا۔

ہمارے قیام کے لیے جو عمارت حاصل کی گئی تھی۔ وہ قاہرہ کے مشرق میں شہری حدود سے باہر واقع تھی۔ یہ مضافاتی علاقہ خاصا خوبصورت تھا اور یہاں زیادہ تر شہر کے امرا کی رہائش گاہیں تھیں۔ جدید طرز کے بنگلے اور کاٹیج جو ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر واقع تھے۔ کہیں کہیں فارم اور باغات بھی تھے۔ سڑکوں پر زیادہ تر سناٹا رہتا تھا۔ صرف سہ پہر اور صبح کے اوقات میں کچھ ٹریفک نظر آتا جب لوگ اپنے کاروبار پر چلے جاتے اور واپس آتے، باقی اوقات میں سڑکوں پر دھول اڑتی رہتی تھی۔

عمارت کا نام الاہرام تھا۔ یہ تین منزلہ عمارت تھی اور اس میں کل چھبیس کمرے تھے اور ایک بڑا لاؤنج ڈائننگ ہال اور ریسٹ روم بھی تھا۔ یہ دراصل ایک ٹورسٹ ہاؤس تھا لیکن لارڈرے کی ہدایت پر منیجر کارسن نے کافی دن پہلے سے پوری عمارت کرائے پر حاصل کر لی تھی اور پھر جب وہاں پہنچے تو عمارت خالی کرائی گئی تھی۔ چند ایک سیاح جو وہاں مقیم تھے کسی اور جگہ منتقل کر دیے گئے تھے۔ نہ صرف یہی بلکہ عمارت کی دیکھ بھال اور صفائی کرنے والا عملہ اور باورچی خانے میں کام کرنے والے ملازمین بھی ہٹا دیے گئے تھے۔ لارڈرے الاہرام میں قیام کے دوران کسی غیر متعلق فرد کو عمارت میں نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ حتیٰ کہ عمارت کے چاروں اطراف جو باغ تھے اس کی نگہداشت کرنے والا مالی بھی رخصت پر بھیج دیا گیا تھا اور اس کی جگہ یہ کام حسن عبید کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ روز آلبہ نے مجھے بتایا کہ مذکورہ شرائط پر عمارت حاصل کرنے میں خاصی دشواری ہوئی تھی لیکن جب مطلوبہ کرائے سے زیادہ رقم کے علاوہ مزید دو ہزار امریکن ڈالر کی پیش کش کی گئی تو عمارت کا مالک اس شرط پر راضی ہو گیا کہ ڈالر اسے سوئٹزرلینڈ میں ادا کیے جائیں۔

مجھے جو کمرا دیا گیا وہ تیسری منزل پر تھا۔ تیسری منزل پر کل چھ بڑے کمرے تھے۔ درمیان میں راہداری اور چاروں طرف بالکونی تھی۔ تیسری منزل سے گردوپیش کا منظر بہت خوبصورت نظر آتا تھا۔ مغربی سمت میں قاہرہ کی آبادی حدنظر تک پھیلی ہوئی تھی۔ بلند بالا عمارتیں اور پرانے مکانات اور درختوں کے جھنڈ۔ دائیں جانب کچھ فاصلے پر ائرپورٹ تھا جہاں طیاروں کی آمدورفت جاری رہتی تھی۔ مشرقی ریتلا میدان تھا۔ دور تک ریت ہی ریت نظر آتی تھی۔ کچھ اس طرح جیسے حدنظر سونا بکھر گیا ہو۔ کہیں کہیں اونچے نیچے ٹیلے اور کھجوروں کے چھوٹے

چھوٹے جھنڈ بھی تھے۔ اس کے سوا اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک بوجھل سی ویرانی اور سناٹا ہر وقت مسلط رہتا۔ جیسے ریت کا وہ صحرا زندگی سے قطعی طور پر محروم ہو لیکن جب کبھی کوئی جیپ یا اونٹوں کا کوئی قافلہ نظر آتا تو احساس ہوتا کہ وہاں بھی زندگی کے آثار موجود ہیں۔

تیسری منزل پر میرے ساتھ باربرا اور ریفا وغیرہ مقیم تھے۔ باقی افراد دوسری اور پہلی منزل پر تھے۔ ٹیا بھی وہاں موجود تھی اور اس کا قیام پہلی منزل پر تھا۔ اس کے ساتھ والے کمروں میں ڈاکٹر نیفا اور کارسن تھے اور میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ یہ انتظام قصداً کیا گیا ہے۔ وہ لوگ ٹیا کو مجھ سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں ٹیا سے گفتگو نہیں کر سکتا تھا لیکن یہ ضرور ہے کہ میرے لیے تنہائی میں ٹیا سے ملنا ممکن نہ تھا۔ اس احتیاط کا مقصد کیا تھا، یہ مجھے معلوم تھا لیکن پس پردہ کوئی نہ کوئی سبب ضرور تھا۔ ورنہ ہم دونوں کو ایک دوسرے سے دور رکھنے کی کوشش نہ کی جاتی۔

میں نے بھی یہ محسوس کیا کہ وہ لوگ مجھ سے بھی مطمئن نہ تھے۔ خاص طور سے لارڈ رے، براؤن، باربرا اور ڈاکٹر نیفا۔ انہیں خدشہ تھا کہ چونکہ میں ایک بار رے پیلس سے فرار ہونے کی کوشش کر چکا ہوں، اس لیے دوسری بار بھی کوشش کر سکتا ہوں۔ اس کا اندازہ مجھے پہلے ہی دن ہو گیا تھا۔ جب باربرا نے مجھ سے کہا تھا۔

''راجو امید ہے، تم کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاؤ گے جو دانش مندی کے خلاف ہو۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے ذرا چڑ کر پوچھا تھا۔

''میرا مطلب تمہیں اچھی طرح معلوم ہے۔'' باربرا نے مسکرا کر جواب دیا تھا۔

اس وقت میں بالکونی میں کھڑا تھا۔ نگاہ کے سامنے قاہرہ کی روشنیاں تھیں جو دور تک جھلملاتی ہوئی نظر آ رہی تھیں اور بڑا الف لیلوی منظر پیش کر رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے ان گنت ستارے آسمان سے دھرتی پر اتر آئے ہوں۔ باربرا کی بات سن کر میں کچھ دیر چپ رہا پھر گھوم کر اسے دیکھا۔ اس نے صرف ایک نائٹی پہن رکھی تھی۔ اس کے بازو عریاں تھے اور نائٹی کا باریک کپڑا اس کے جسم کے فتنوں کو چھپانے میں ناکام رہا تھا۔ وہ حسب معمول حسین اور دلکش نظر آ رہی تھی لیکن یہ اور بات ہے کہ اس سے میں نے اپنے دل میں اس کے لیے کوئی رومانی کشش محسوس نہیں کی بلکہ ایک بے نام فاصلہ سا محسوس ہوا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اب باربرا کے اندازوں میں بھی محبوبیت نہیں رہی تھی۔ ہر چند کہ اب اس کے طرز عمل سے لگاوٹ کا اظہار ہوتا تھا مگر یہ بات الگ ہے کہ مجھے اس کی لگاوٹ میں تصنع چھلکتا محسوس ہوتا تھا۔ میں چند ساعت اسے دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے سے اس کی اندرونی احساسات کو پڑھنے کی کوشش کرتا رہا پھر میں نے کہا۔

''مگر تمہیں یہ خیال کیوں ہوا؟''

''کیونکہ اس وقت رات کے ساڑھے گیارہ بجے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''تو پھر؟''

''میں پچھلے دس منٹ سے تمہیں دیکھ رہی ہوں۔'' وہ بالکونی کے دوسرے کھمبے سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ ''تم اپنے کمرے سے نکلے تھے۔ دو مرتبہ تم نے بالکونی کا چکر لگایا دوبارہ سیڑھیوں کے پاس رکے اور کچھ سوچتے ہوئے پھر اس طرف آئے..... آخر کیوں؟''

''کیونکہ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔'' میں نے جھلا کر کہا ''تم کو علم ہے کہ میں سہ پہر کو یہاں آتے ہی سو گیا تھا پھر آئرین نے کھانے وقت مجھے جگایا تھا۔ اس بنا پر نیند نہیں آ رہی تھی۔ تنگ آ کر میں باہر نکل آیا۔ سوچا تھا کہ کچھ دیر ٹہل کر لیٹوں گا تو نیند آ جائے گی۔''

''واقعی۔'' بار برا نے مسکرا کر کہا۔ اس کی مسکراہٹ میں اندازہ دلبری بھی تھا اور طنز کا تیکھا پن بھی۔

میں نے غصے سے اسے گھورا ''تو تمہارا کیا خیال ہے؟''

بار برا چند ثانیے چپ رہی پھر اس نے کہا ''راجو اس عمارت سے باہر جانے کے کئی راستے ہیں لیکن ہر راستے پر کوئی نہ کوئی رکاوٹ بھی ہے۔ اس کا خیال رکھنا۔'' پھر وہ ہولے ہولے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اور یوں مجھ پر واضح ہو گیا کہ وہ لوگ نہ صرف میری طرف سے غافل نہیں تھے بلکہ انہیں یہ بھی یقین تھا کہ میں فرار ہونے کی کوشش ضرور کروں گا۔ حالانکہ رے پیلس سے فرار کی ناکام کوشش کے بعد میں نے اپنے رویے میں بہت تبدیلی پیدا کر لی تھی۔ ہر معاملے میں محتاط ہو گیا تھا۔ بہت کم گفتگو کرتا تھا اور اپنے طرز عمل سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا تھا کہ میں ان کے درمیان بہت خوش اور مطمئن ہوں۔ اس کے باوجود وہ میری جانب سے مشکوک تھے اور شاید یہ ہی وجہ تھی کہ انہوں نے مجھے تیسری منزل پر کمرا دیا تھا۔ کیونکہ وہاں سے فرار ہونے کے امکانات بہت محدود تھے۔ عمارت کافی اونچی تھی اور سیڑھیوں کے سوا نیچے آنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ دس منٹ تک بالکونی کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات مجھ پر واضح ہو گئی تھی۔ بار برا کے جانے کے بعد بھی میں کافی دیر تک وہیں کھڑا رہا اور سگریٹ پھونکتا رہا۔ اگرچہ میری نگاہ قاہرہ کی جگمگاتی ہوئی روشنیوں پر جمی ہوئی تھی مگر ذہن ادھر ادھر بھٹک رہا تھا۔ بار برا جو کچھ کہا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ میں اپنے کمرے سے نکلا تو وہ اپنے کمرے کی کسی کھڑکی سے آنکھ لگائے مجھے دیکھ رہی تھی اور اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ ہر پل میری حرکات و سکنات پر نظر رکھیں گے۔ اس صورت میں یہ اور بھی ضروری ہو گیا تھا کہ میں مزید محتاط ہو جاؤں اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھاؤں جو بار برا کے قول کے مطابق دانش مندی کے خلاف ہو، کم از کم ان لوگوں کے نقطہ نظر سے۔

اگلے دن دوپہر کے کھانے کے بعد ایک چھوٹی سی میٹنگ منعقد ہوئی۔ ریسٹ ہاؤس میں لارڈ رے، براؤن، ڈاکٹر نیفا، کارسن اور بار برا کے علاوہ حسن عبید، احمد جمال، روز آلبہ اور سونیا وغیرہ جمع تھے۔ باقی افراد یا تو میٹنگ میں شریک نہیں ہوئے یا انہیں منع کر دیا گیا تھا۔ میں جس صوفے پر بیٹھا تھا اس پر میرے ساتھ لارڈ رے اور بار برا تھے۔ حسن عبید اور ڈاکٹر نیفا سامنے والے صوفے پر تھے۔ جب آئرین کافی لے آئی اور ٹرالی پہنچا کر چلی گئی تو ڈاکٹر نیفا نے گفتگو کا آغاز کیا۔ اس نے احمد جمال کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''جیسا کہ تمہیں علم ہے۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ ہمیں دس دن کے اندر وہاں پہنچ جانا چاہیے اور مجھے امید ہے کہ تم نے اس سلسلے میں ضروری انتظامات کر لیے ہوں گے۔''

''میں نے اپنی جانب سے کوئی کوتاہی نہیں کی ہے۔'' احمد جمال نے کہنا شروع کیا ''آپ لوگوں کی طرف سے جیسے جیسے ہدایات ملتی گئی تھیں۔ میں ویسے ویسے انتظامات کرتا گیا ہوں۔ کچھ چیزیں باقی رہ گئیں ہیں وہ اب پوری کر لی جائیں گی۔''

یکا یک لارڈرے نے ہاتھ اٹھا کر کہا ''ہم کو وہاں پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا؟''

''کم از کم دن دن۔''

''دو دن!'' لارڈرے نے حیرت سے کہا ''مگر پچھلی بار جب میں آیا تھا تو.....''

''وہ دوسری بات تھی۔'' احمد جمال نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا ''اس وقت آپ اس راستے سے گئے تھے جو عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اسی لیے کم وقت میں پہنچ گئے تھے جبکہ اس بار ہمیں دوسرا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔''

''کیوں؟'' کارسن نے پوچھا۔

''کیونکہ وادی تک جو با قاعدہ سڑک جاتی ہے۔ اس پر نہ صرف سیاحوں کی آمد و رفت جاری رہتی ہے بلکہ کئی جگہ پولیس تعینات ہوتی ہے۔ اگر ہم اس راستے سے گئے تو لوگوں کی نظروں میں آ جائیں گے اور پولیس کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔ جبکہ ہمارے مشن کا تقاضا ہے کہ کسی کی نظر میں آئے بغیر وادی تک پہنچ جائیں۔

''تو گویا ہمیں کسی دوسرے راستے سے جانا ہوگا۔'' بار برا نے پوچھا۔

''ہاں۔'' احمد جمال نے جواب دیا ''ہمیں اپنے مشن کے لیے جس احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس کے تحت دوسرے راستے سے ہی سفر کرنا پڑے گا جو نہ صرف خاصا طویل ہے بلکہ دشوار گذار بھی ہے، اس کے لیے ہمیں کچھ اونٹوں کی ضرورت بھی پڑے گی۔''

لارڈرے نے چند لمحے غور کرنے کے بعد کہا ''میں چاہتا ہوں کہ تم ذرا تفصیل سے بتاؤ۔''

''میرے پاس ایک نقشہ ہے۔'' احمد جمال نے اٹھتے ہوئے کہا ''میں اس کی مدد سے وضاحت کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنے بیگ سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکالا اور اسے کھول کر میز پر پھیلا دیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک چھپا ہوا نقشہ تھا۔ اس پر سرخ پنسل سے وہ دائرے بنے ہوئے تھے جو ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر تھے۔ ایک دائرہ بڑا تھا جبکہ دوسرا دائرہ چھوٹا تھا۔ بڑے دائرے سے چھوٹے دائرے تک دو لکیریاں کھینچی گئی تھیں۔ ایک لکیر چھوٹی تھی اور اس پر کراس کے نشان لگے ہوئے تھے۔ جبکہ دوسری لکیر تقریباً ایک سو بیس درجے کا زاویہ بناتی ہوئی چھوٹے دائرے تک پہنچتی تھی اور زیادہ فاصلے کا اظہار کر رہی تھی۔ احمد جمال نے چھوٹے دائرے پر انگلی رکھتے ہوئے کہا ''یہ قاہرہ ہے اور ہم اس وقت یہاں ہیں۔'' پھر اس نے چھوٹے دائرے پر انگلی رکھی ''اور یہ وادی ہے، ہماری منزل مقصود اور جیسا کہ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ وادی تک پہنچنے کا ایک با قاعدہ راستہ تو یہ ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے کراس والی لکیر پر انگلی رکھی ''یہ راستہ مختصر ہے اور اس پر با قاعدہ سڑک ہے مگر ہم اس راستے سے نہیں جا سکتے۔ ہمیں احتیاطاً اور مجبوراً یہ دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔'' آخری جملہ کہتے ہوئے احمد جمال نے دوسری لکیر کی طرف اشارہ کیا۔

''اور اس پر کوئی با قاعدہ سڑک نہیں ہے؟'' کارسن نے پوچھا۔

''یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک گاؤں ہے۔ جسے نخلستان سعدیہ کہتے ہیں۔'' احمد جمال نے وضاحت کرتے ہوئے کہا ''ایک با قاعدہ سڑک وہاں تک جاتی ہے۔ چنانچہ ہم نخلستان سعدیہ تک کاروں اور جیپوں میں سفر کر سکتے ہیں مگر اس کے بعد ہمیں نخلستان میں سفر کرنا ہوگا اور اس کے لیے اونٹوں کی ضرورت پڑے گی۔ جیپیں اگرچہ ریگستان میں بھی جا سکتی ہیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ اونٹ استعمال کیے جائیں تو زیادہ بہتر ہیں اس طرح سفر کی

صعوبت نسبتاً کم ہو جائے گی۔"

"اور تمہیں یقین ہے کہ اس راستے پر ہمیں پولیس اور سیاحوں کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

"ہرگز نہیں۔" جمال نے جواب دیا "سعدیہ کے بعد ہم صحرا میں داخل ہوں گے۔ اس طرف کوئی باقاعدہ سڑک نہیں ہے۔ اس لیے ہم لوگوں کی نظروں میں آئے بغیر وادی تک پہنچ جائیں گے۔"

ڈاکٹر نیفا دھیان سے احمد جمال کی باتیں سن رہا تھا۔ اس وقت اس کا چہرہ کچھ زیادہ ہی ستا ہوا اور بے روح دکھائی دیتا تھا۔ شکرے جیسی آنکھوں پر وحشیانہ چمک تھی اور ایسا لگتا تھا جیسے اندرونی طور پر وہ ہیجان انگیز کیفیت سے دوچار ہے۔ یکا یک اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"مگر جمال ان لوگوں کے بارے میں تم کیا کہو گے جو وہاں وادی میں ہر وقت ڈیوٹی پر رہتے ہیں؟"

احمد جمال نے مسکرا کر کہا "میں نے ان کا بھی مناسب انتظام کر لیا ہے۔ اس ضمن میں پہلی بات تو یہ ہے کہ کیبن عام شاہراہ پر واقع ہے۔ اور اصل مقام سے کوئی ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ وہ لوگ عام راستے سے آنے والے مسافروں اور سیاحوں کو چیک کرتے ہیں۔ جبکہ ہم دوسری جانب سے وادی میں داخل ہوں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ چیک پوسٹ پر عموماً تین چار افراد ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص کو ہم نے اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ جب ہم وہاں پہنچیں گے تو وہ ڈیوٹی پر ہوگا۔ اس شخص نے وعدہ کیا ہے کہ سنیچر کی رات کو، یعنی جب ہم وادی میں داخل ہوں گے وہ پوری کوشش کرے گا کہ نہ صرف اس کے ساتھی بلکہ کوئی بھی شخص وادی میں نہ آئے اور ہم وہ رات پورے اطمینان اور بے فکری کے ساتھ وادی میں گزار سکیں۔"

"اور تمہیں یقین ہے کہ وہ شخص اپنا وعدہ پورا کرے گا؟" لارڈ رے نے پوچھا۔

"یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔" احمد جمال نے پروثوق لہجے میں کہا "ہم نے فی الحال ایک چھوٹی رقم اسے دی ہے اور ایک بڑی رقم بعد میں دینے کا وعدہ کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ اس بڑی رقم سے محروم ہونا پسند نہیں کرے گا۔ ویسے بھی ہم وادی میں کسی غلط ارادے سے نہیں جا رہے ہیں۔ ہمیں تو صرف ایک رات وہاں گزارنی ہے اور اس میں اس شخص کا یا کسی کا بھی کوئی نقصان نہیں۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ وہ شخص وعدہ خلافی کا مرتکب ہو۔"

لارڈ رے نے مطمئن ہو کر سر ہلایا "تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ رات کے وقت کوئی سیاح وادی کی طرف نہیں جاتا۔ چنانچہ اسے صرف اپنے ساتھیوں کو وادی کی طرف آنے سے روکنا ہوگا اور اس میں کسی دشواری کا امکان نہیں ہے۔ وہ لوگ خواہ مخواہ رات کے اندھیرے میں وادی کا چکر کیوں نہ لگائیں گے۔"

پھر اس نے قدرے ٹھہر کر پوچھا "تم نے سفر کے انتظامات کس طرح کیے ہیں؟"

احمد جمال نے جواب دینے سے پہلے ایک سگریٹ جلائی پھر غور کرتے ہوئے کہا "اس سلسلے میں میری ایک تجویز ہے اور وہ یہ کہ ہم سب اکٹھا سفر کرنے کے بجائے دو یا تین گروپ میں بٹ کر سفر کریں تو زیادہ بہتر ہے۔ میں پیشہ ور گائیڈ ہوں اور برسوں اس حیثیت سے کام کرتا رہا ہوں اور ان اطراف کے چپے چپے سے واقف ہوں۔ اگر ہم تین گروپ بنا لیں اور ہر گروپ چوبیس گھنٹے کے فرق سے یہاں سے روانہ ہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔"

"لیکن اس صورت میں پہلا گروپ اڑتالیس گھنٹے پیشتر ہی وادی میں پہنچ جائے گا۔" ڈاکٹر نیفا نے اعتراض

کیا۔

''نہیں۔'' احمد جمال نے مسکرا کر جواب دیا ''ہم اگر سعدیہ ہوتے ہوئے جائیں گے تو وادی سے تقریباً ایک ڈیڑھ میل قبل ایک جگہ درختوں کا جھنڈ ہے۔ وہاں ایک چھوٹی سے پہاڑی بھی ہے۔ پہلا گروپ وہاں ٹھہر جائے گا۔ بعد ازاں دوسرے اور تیسرے گروپ پہنچیں گے اور پھر شام کا اندھیرا اترتے ہی ہم سب وادی کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ میں حسن عبید انوار بے اور ماریا کو اپنے ساتھ دوبارہ وہاں لے گیا ہوں اور یہ لوگ راستے سے پوری طرح باخبر ہیں۔ یہ لوگ پہلے اور دوسرے گروپ کو لے جائیں گے اور تیسرے گروپ کے ساتھ میں رہوں گا۔''

کمرے میں تھوڑی دیر خاموشی رہی جو گویا اس بات کا ثبوت تھی کہ لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا احمد جمال کی گفتگو اور تجویز سے متفق تھے۔ چند ساعت بعد ڈاکٹر نیفا نے پوچھا۔

''مگر انوار بے اور ماریا ابھی تک واپس کیوں نہیں آئے؟''

''وہ دونوں آپ کی آمد سے قبل سعدیہ گئے تھے۔ میں نے چند ایک اہم کام ان کے سپرد کیے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ چند دن تک واپس آ جائیں گے۔''

میں نے ایک سگریٹ جلائی اور بے دھیانی سے احمد جمال، ڈاکٹر نیفا اور لارڈرے کے چہروں کو دیکھا۔ اب تک ساری گفتگو میں انہی لوگوں نے حصہ لیا تھا۔ میں کچھ نہیں بولا تھا اور میں اس کے سوا اور کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ میری وہاں موجودگی غالباً اس بنا پر تھی تاکہ میں پروگرام کے اگلے مرحلوں سے جزوی طور پر باخبر ہو سکوں مگر یہ دوسری بات ہے کہ میں مزید الجھن میں گرفتار ہو گیا تھا۔ ان کی گفتگو سے جو کچھ واضح ہوا تھا وہ یہ تھا کہ قاہرہ ہماری منزل نہیں تھی۔ بلکہ ہمیں صحرا میں جانا ہے جہاں کوئی وادی ہے اور ہمیں اس وادی میں ایک رات گزارنا ہے مگر کیوں؟ ہم اس وادی میں کیا کریں گے؟ وہاں جانے کا کیا مقصد ہے؟ میرا جی چاہ رہا تھا کہ کارسن سے پوچھوں کہ وہ وادی کس قسم کی ہے مگر پھر ارادہ ترک کر دیا اور احمد جمال کو دیکھنے لگا۔ جو بتا رہا تھا کہ ہم وادی میں کیونکر داخل ہوں گے اور کس جگہ قیام کریں گے۔ پہلے مجھے علم نہیں تھا مگر اب قاہرہ آ کر پتا چلا کہ ایمن سوسائٹی کی ایک شاخ قاہرہ میں بھی قائم تھی اور احمد جمال، ماریا اور انوار بے وغیرہ اس کے باقاعدہ ممبر تھے۔ ممکن ہے کچھ اور افراد بھی ممبر رہے ہوں لیکن میری ان سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

جب احمد جمال نے اپنی بات ختم کی تو لارڈرے نے کہا ''ٹھیک ہے، میرے خیال میں تم نے سفر کا پروگرام جس طرح ترتیب دیا ہے۔ وہ ہر لحاظ سے مناسب ہے اگر کوئی خامی یا کمی رہ بھی گئی ہو تو ہم اس پر بعد میں بات کر لیں گے۔ سردست دوسرا اہم مسئلہ ضروری اشیا کی خریداری کا ہے۔ تم نے اس سلسلے میں کیا کیا ہے؟''

''میں نے ایک بہت اچھا درزی تلاش کیا ہے۔'' احمد جمال نے جواب دیا ''میں نے کچھ کپڑا خرید کر اسے دے دیا تھا۔ چنانچہ وہ چند ایک ملبوسات تیار کر رہا ہے۔ باقی پوشاکوں کے لیے اگر ہم آج اسے کپڑا مہیا کر دیں تو وہ وقت پر سارے ملبوسات تیار کر دے گا۔''

''تو پھر ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔'' یکایک ڈاکٹر نیفا نے کہا ''میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں یہ کام فوراً کر ڈالنا چاہیے۔''

''یقیناً ہم کچھ خریداری آج بھی کر سکتے ہیں۔'' لارڈ رے نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''تمہارے پاس فہرست ہے؟'' لارڈ رے نے باربرا سے کہا۔ باربرا نے اثبات میں جواب دیا تو لارڈ رے میری جانب گھوما۔

''بھتیجے، کچھ دیر کے لیے باہر جا رہے ہیں۔ چاہو تو تم بھی ہمارے ساتھ آ سکتے ہو۔''

لیکن میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ جانے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ میری حیثیت ایک تماشائی سے زیادہ نہ ہوتی۔ اس سے تو بہتر تھا کہ میں الاہرام میں ہی ٹھہروں اور آئندہ کے بارے میں غور کروں۔ ان کی گفتگو سے جو کچھ مجھ پر منکشف ہوا تھا۔ وہ یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ آٹھ دن کے بعد قاہرہ سے روانہ ہو جائیں گے اور صحرا میں، کسی وادی میں جائیں گے۔ اس بات سے مجھے چنداں دلچسپی نہیں تھی کہ وہ لوگ وادی میں کس مقصد کے تحت جا رہے ہیں کیونکہ اگر میرے علم میں ہوتی تو کوئی فرق نہ پڑتا لیکن یہ جاننا شاید مفید ہو سکتا تھا کہ وہ وادی کیسی ہے اور کہاں ہے؟ اور شہر سے اس کا فاصلہ اور محل وقوع کیا ہے پھر یکا یک مجھے یاد آ گیا۔ وہ وادی ''ویلی آف دی کنگز'' ہی ہو سکتی تھی۔ میں نے دو ایک کتابوں میں اس کے بارے میں نہ صرف تفصیل سے پڑھا تھا بلکہ تصویریں بھی دیکھی تھیں۔ ان کتابوں کے مطابق بادشاہوں کی وادی دراصل قدیم مصر کی ایک پوری آبادی کے آثار پر مشتمل تھی۔ وادی میں فراعین کے محلات، دربار ہال، کمرے، تہہ خانے، حمام، قربان گاہیں، گلیاں اور مندر وغیرہ تھے۔ اس وادی میں ان گنت اہرام بھی تھے۔ جہاں سے بے شمار ممیاں نکالی گئی تھیں۔ مجھے یاد آیا کہ عمن، عونس دوئم، رعمسس اور طوخ آہین کی ممیں بھی وہیں سے دریافت ہوئی تھیں۔ یہ وادی مصری محکمہ آثار قدیمہ کے لیے ایک عظیم ترین خزانے کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ وہاں سے صرف ممیاں اور آثار ہی دریافت نہیں ہوئے تھے بلکہ بے شمار زیورات، ہیرے، برتن، ہتھیار اور سکے وغیرہ بھی برآمد ہوئے تھے۔ جو نہ صرف اس زمانے کی تہذیب پر روشنی ڈالتے تھے بلکہ آج کے سیاحوں کے لیے بھی بڑی کشش رکھتے تھے۔ وادی سے حاصل ہونے والی بے شمار اشیا قاہرہ کے قومی عجائب گھر میں منتقل کر دی گئی تھیں مگر کچھ اشیا ابھی تک وادی کے محلات، مقبروں اور تہہ خانوں میں ہی محفوظ تھیں۔ میں جیسے جیسے غور کرتا گیا۔ مجھے یقین ہوتا گیا کہ ہماری منزل ویلی آف دی کنگز کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی مگر کیوں؟ یہ لوگ آخر اس وادی میں کیا کریں گے؟

جب لارڈ رے، ڈاکٹر نیفا، باربرا اور احمد جمال چلے گئے تو میں ریسٹ روم سے باہر آیا۔ حسن عبید باغ میں چلا گیا تھا۔ روز آلبہ اور سونیا کچن کی طرف گئی تھیں۔ میں کچھ دیر دروازے میں کھڑا باہر کا منظر دیکھتا رہا۔ دور تک نیلا آسمان پھیلا ہوا تھا۔ فضا میں گرم حدت تھی مگر حدت مجھے اچھی معلوم ہو رہی تھی۔ کھجور کے اونچے درخت آہستہ آہستہ جھوم رہے تھے۔ وہ منظر ایسا تھا کہ آدمی کو سکون اور آسودگی کا احساس عطا کرتا تھا مگر میرے لیے آسودگی نہ تھی نہ سکون، میرے ذہن میں خیالات اور الجھنیں موج در موج چلی آ رہی تھیں۔ کیا ہو گا؟ اب کیا ہو گا؟ آئندہ کیا ہو گا؟ ان الجھنوں کے کرب سے نجات حاصل کرنے کا ایک ہی ذریعہ تھا کہ میں جبراً ہی سہی، انہیں اپنے ذہن سے جھٹک دوں اور میں انہیں نظر انداز کرنے کی کوشش میں کسی حد تک کامیاب بھی تھا مگر صرف کسی حد تک۔ خود فریبی کا حصار نہ تو دیرپا ہوتا ہے اور نہ کامیاب۔ کانچ کے نازک کھلونوں کی طرح جلد ہی ٹوٹ جاتا ہے۔ میں جانتا تھا کہ مجھے بھی انجام کار عملی طور پر جلد ہی الجھنوں کا سامنا کرنا پڑے گا مگر تب تک اپنے آپ

کو پرسکون رکھنے کی کوشش کرنا بہت ضروری تھا۔

کچھ دیر بعد میں واپس ہوا اور راہداری میں چلتا ہوا بلا کسی ارادے کے لاؤنج میں چلا گیا۔ دروازے سے اندر جھانکا تو دیکھا کہ آئرین اور کیٹی صفائی میں مصروف ہیں۔ وہ دونوں مجھے دیکھ کر مسکرائیں اور سر جھکا کر تعظیم دی پھر میں ٹہلتا ہوا ڈائننگ روم تک گیا مگر وہاں کوئی نہیں تھا پھر میرے قدم خود بخود عمارت کے عقبی برآمدے کی طرف اٹھ گئے۔ دراصل میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ لارڈ رے وغیرہ چلے گئے تھے اور جو الاہرام میں موجود تھے وہ کسی نہ کسی کام میں جتے ہوئے تھے۔ کچھ دیر تک ادھر ادھر چکر لگانے کے بعد میں نے اپنے کمرے میں جانے اور آرام کرنے کا ارادہ کیا مگر جب دوسری منزل کی گیلری کی طرف پہنچا تو یکا یک ٹھٹک کر رہ گیا۔

سامنے ہی ٹیا چلی آ رہی تھی۔

اتنی دیر سے عمارت میں مارا مارا پھر رہا تھا مگر ٹیا کا دھیان نہیں آیا تھا۔ اب دفعتاً وہ سامنے آ گئی تو میں چند لمحوں کے لیے ہر شے سے بے خبر ہو گیا۔ وہ حسب معمول حسین لگ رہی تھی۔ اتنی ہی حسین، جتنی جشن ایمن میں نظر آئی تھی۔ سراپا حسن، سراپا بہار، سراپا شباب، اس کے سنہرے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ اس کی سنہری آنکھیں میری ہی جانب نگران تھیں اور اس کے یاقوتی لبوں پر مسکراہٹ رقصاں تھی۔ اس نے بغیر بازوؤں والا فراک پہن رکھا تھا جس کا گلا کافی کشادہ تھا۔ اس کی گردن میں وہی لاکٹ پڑا ہوا تھا جو ایمن سوسائٹی کا ہر ممبر پہنتا تھا۔ میں نے اسے جشن ایمن کے بعد کافی دن تک نہیں دیکھا تھا مگر میری نگاہیں ہر دم اسے تلاش کرتی رہتی تھیں۔ اس کی آنکھیں اس کے ہونٹ اور اس کی شرربار مسکراہٹ اور اس کا سنہری سراپا میرے تصور میں چراغ جلاتا رہتا تھا اور اب وہ میرے سامنے تھی۔ محض تین یا چار فٹ کے فاصلے پر۔ معاً مجھے خیال آیا کہ لارڈ رے وغیرہ باہر گئے ہوئے ہیں۔ باقی لوگ کسی نہ کسی کام میں مصروف ہیں۔ لہٰذا اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور ٹیا سے دو چار باتیں کر لینا چاہیے۔ چنانچہ میں نے مسکرا کر کہا۔

''ہیلو.....!''

''ہیلو۔'' وہ بھی مسکرائی۔

''کہاں جا رہی ہو؟''

''نیچے۔'' وہ پھر مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ صاف اور واضح تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ اسے مجھ سے باتیں کرنا اچھا لگ رہا ہے۔

''میں تمہیں کافی دیر سے تلاش کر رہا تھا۔'' میں نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا۔

''کیوں.....؟'' اس نے حیران ہو کر پوچھا۔ جب اس کے چہرے پر حیرت کے آثار ابھرے تو وہ اور بھی دلفریب لگی۔ میں نے قدرے توقف کے بعد اس سے کہا۔

''کیونکہ میں تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ لارڈ رے وغیرہ باہر گئے ہوئے ہیں۔ میں نے سوچا کہ تمہیں تلاش کروں۔ پچھلی بار تمہیں جشن ایمن میں دیکھا تھا مگر اس کے بعد سے تم غائب ہو گئی تھیں پھر کل تمہیں یہاں دیکھا لیکن بات کا موقع ہی نہیں ملا۔''

''جشن ایمن کے بعد میں ایمن مینشن چلی گئی تھی۔'' اس نے جواب دیا ''تم کیا باتیں کرنا چاہتے ہو؟''

''تم جانتی ہو۔ میں کیا باتیں کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا ''کیا ہم دونوں کو ایک دوسرے سے متعارف نہیں ہونا چاہیے؟''

''ماسٹر تعارف تو کئی طرح کا ہوتا ہے۔ تم کون سا تعارف چاہتے ہو؟'' یہ کہہ کر وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ اس کی ہنسی میں بے ساختگی اور بے خودی سی تھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ خاصی نشے میں ہے۔ شاید وہ کافی دیر سے پی رہی تھی۔ مجھے یہ بھی احساس ہوا کہ وہ نشے کی بہت عادی ہے اور ہر وقت کسی حد تک نشے میں رہتی ہے۔ وہ کچھ دیر تک ہنستی رہی پھر ذرا شوخی سے بولی۔

''ویسے ماسٹر میں خود بھی تم سے ملنا چاہتی تھی۔ باتیں کرنا چاہتی تھی مگر کوئی موقع نہیں ملا۔''

میں نے گھوم کر سیڑھیوں کی جانب دیکھا۔ سیڑھیاں سنسان پڑی تھیں۔ میں نے ٹیا سے کہا ''آؤ میرے کمرے میں چلو۔''

اپنے کمرے کا میں نے دروازہ احتیاط سے بند کر دیا۔ ٹیا سفید چرمی صوفے پر آرام سے نیم دراز ہو گئی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا پیے گی۔ اس نے رم لینے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے اس کے لیے رم اور اپنے لیے وہسکی کے پیگ تیار کیے پھر صحرا کے رخ کھلنے والی کھڑکی کھول دی۔ باہر کا منظر حسب معمول دلکش تھا۔ بہت دور تک ریت کے اونچے ٹیلے کے دامن میں اونٹوں کا ایک قافلہ رواں دواں تھا۔ کھڑکی سے اندر آنے والی ہوا کے جھونکے گو گرم تھے مگر بھلے لگ رہے تھے۔ میں نے دو سگریٹ جلائیں۔ ایک ٹیا کو دی پھر اس کے سامنے چرمی اسٹول پر بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔ دراصل میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح گفتگو شروع کروں۔ جب میں چند لمحے خاموش رہا تو ٹیا نے مسکرا کر کہا۔

''اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو مجھے؟''

میں نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے کہا ''ٹیا تم کون ہو؟''

''میں ٹیا ہوں اور بس۔'' اس نے یکا یک حیرت سے مجھے گھورا۔

مجھے احساس ہوا کہ میں نے غلط انداز میں بات شروع کر دی ہے۔ دراصل ٹیا سے بات کرنے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ یہ جان سکوں کہ ٹیا کب اور کس طرح لارڈرے وغیرہ سے متعارف ہوئی اور کیونکر ایمن سوسائٹی کی ممبر بنی۔ نیز یہ کہ اس کے ایمن سوسائٹی کے بارے میں کیا احساسات ہیں۔ لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا جو کچھ کر رہے ہیں۔ اس کے بارے میں وہ کتنا جانتی ہے وغیرہ وغیرہ لیکن یہ گفتگو اس طرح ہونا چاہیے کہ نہ تو میرے رویے سے تجسس ظاہر ہو اور نہ ٹیا کو کسی قسم کا شبہ ہو۔ یہ ساری بات چیت رواداری کے انداز میں ہونی چاہیے۔ چنانچہ میں نے مسکرا کر نرم لہجے میں کہا۔

''تم سمجھیں نہیں۔ میرا مطلب یہ تھا کہ تم کون ہو، تمہارا گھر کہاں ہے اور تم ایمن مینشن میں کب آئی تھیں؟''

ٹیا نے رم کا ایک گھونٹ بھرا پھر بولی ''تم یہ سب کچھ کیوں جاننا چاہتے ہو؟''

''بس یونہی اگر کوئی حرج نہ ہو تو بتاؤ۔''

ٹیا کچھ دیر سوچتی رہی ''میرے دادا مصری تھے اور میری دادی کا تعلق یوگوسلاویہ سے تھا۔ جبکہ میری ماں انگلش

ہیں۔ چنانچہ تم سمجھ سکتے ہو کہ میں خالص انگلش نہیں ہوں بلکہ میری رگوں میں مختلف قوموں کا خون دوڑ رہا ہے۔ جب میرے باپ نے میری ماں سے شادی کی تو وہ لندن میں ہی آباد ہو گئے تھے۔ جب میں دس سال کی ہوئی تو ان کا انتقال ہو گیا۔ وہ ایک شریف اور گھریلو قسم کے آدمی تھے لیکن یہی بات میری ماں کے بارے میں نہیں کہی جا سکتی۔ میری ماں کافی عیش پسند اور غیر ذمہ دار ہے۔ میرے باپ کی زندگی میں بھی وہ اپنے شوق ادھر ادھر پورے کر لیتی تھی۔ ان کی موت کے بعد ماں کو گویا کھلی چھٹی مل گئی اور وہ خوب کھیلنے لگیں۔ انہوں نے دوبارہ شادی نہیں کی لیکن وہ ہمیشہ کسی نہ کسی مرد کے ساتھ رہیں۔ وہ ایک کلب میں 'بنی گرل' کے طور پر کام کرتی تھی۔ یہ کلب ویسٹ اینڈ میں ہے اور اس کی ممبر شپ کے شرائط بہت سخت ہیں۔ صرف خاص خاص لوگ ہی اس کے ممبر بن سکتے ہیں۔ وہاں کی ساری بنی گرل ٹاپ لیس ہوتی ہیں۔ جب میں سولہ سال کی ہوئی تو مجھے بھی میری ماں نے بنی گرل بنا دیا۔"

"تمہاری ماں اب بھی لندن میں ہے؟"

"ہاں۔"

"تم جب ایمن مینشن میں آئیں تو کیا انہیں علم تھا؟"

"نہیں، وہ تو یہی سمجھ رہی ہوں گی کہ میں اپنے کسی عاشق کے ساتھ بھاگ گئی ہوں۔"

میں مسکرایا اور نظر بھر کر ٹیا کو دیکھا۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ اس کے بالوں اور جسم کی رنگت میں اتنا سنہرا پن کیوں تھا۔ یہ یقیناً مصری اور یوگوسلاو یہ خون کا اثر تھا۔ ٹیا خوش نظر آ رہی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے ظاہر تھا کہ میرے ساتھ تنہا ہونا اسے اچھا لگ رہا ہے۔ میں نے ٹیا کے گلاس میں مزید رم انڈیلی — ایک سگریٹ جلا کر اسے دی اور پھر لاپروائی کے انداز میں کہا۔

"تم لارڈ رے سے کیونکر متعارف ہوئی تھیں؟"

"میں لارڈ رے سے متعارف نہیں ہوئی تھی۔" ٹیا نے جواب دیا "بلکہ باربرا اور کارن سے تعارف ہوا تھا۔ کارن اس کلب میں کبھی کبھار آتا تھا اور عموماً میں ہی اسے سرو کرتی تھی۔ ابتدا میں اسی نے مجھ سے کچھ باتیں پوچھیں پھر ایک دن وہ باربرا کو لایا۔ دو تین ملاقاتوں میں باربرا نے مجھ سے کچھ سوالات کیے۔ بعد ازاں وہ دونوں مجھے ایمن مینشن لے گئے، جہاں ڈاکٹر نیفا سے ملاقات ہوئی۔"

"اور تم ایمن سوسائٹی کی ممبر بن گئی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔"

یکایک میرے ذہن میں روشنی کا ایک بھماکا سا ہوا۔ باربرا نے مجھ سے بھی تو متعدد سوالات کیے تھے جو میرے جسم پر مختلف نشانیوں سے متعلق تھے۔ میں نے ٹیا کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے باربرا نے تم سے پوچھا ہو گا کہ تمہارے جسم پر کچھ خاص قسم کی نشانیاں مثلاً تل وغیرہ ہیں یا نہیں ہے؟"

"ہاں مگر تمہیں کیسے پتا چلا؟"

"مجھے کچھ علم نہیں، بس میرا اندازہ تھا۔" میں نے رواداری کے انداز میں کہا اور بوتل اٹھا کر مزید رم اس کے

گلاس میں انڈیلی۔ وہ کافی نشے میں تھی اور میں چاہتا تھا کہ اس کا نشہ بڑھتا ہی رہے گا کیونکہ اسی صورت میں وہ بے تکلفی سے بات کر سکتی تھی اور میرے سوالوں کا جواب دے سکتی تھی۔ جب وہ تین چسکیاں لے چکی تو میں نے کہا۔

''مگر یہ بات سچ ہے نا؟''

''ہاں، باربرا نے بطور خاص یہ پوچھا تھا کہ جب میری پیدائش ہوئی تو کون سا دن اور تاریخ تھی اور کیا وقت ہوا تھا۔ اتفاق ہے کہ مجھے میری ماں نے تفصیل سے بتایا تھا۔ چنانچہ میں نے باربرا کو بتا دیا کہ سنیچر کا دن تھا اور جون کی سات تاریخ اور وقت رات کے ٹھیک بارہ بجے کا تھا پھر اس نے پوچھا کہ میرے سینے پر اس جگہ کوئی تل ہے؟'' یہ کہہ کر اس نے اپنے سینے کے عین درمیان میں انگلی رکھی۔

میں کچھ دیر چپ رہا۔ میرا خیال درست ثابت ہو رہا تھا۔ میری طرح ٹیا کی ذات بھی مخصوص علامتوں اور نشانیوں کی حامل تھی پھر معاً مجھے کبھی کبھار اپنی ہتھیلی پر ابھرنے والے نشان کا خیال آیا جو سرخ ہونے کے بعد اتنا نمایاں ہو جاتا تھا کہ روشن سا لگتا تھا۔ میں نے ٹیا سے پوچھا کہ کیا اس کے ساتھ ایسی کوئی دوست ہے۔ جواب میں اس نے بتایا کہ اس کے ساتھ اس قسم کی کوئی بات نہیں ہوتی۔ البتہ کبھی کبھار اسے دورہ پڑتا ہے۔ دورے کے وقت اس کی حالت کچھ عجیب سی ہو جاتی ہے۔ دماغ کے اندر بگولے سے دوڑتے محسوس ہوتے ہیں۔ ہاتھ پیروں میں تیز سنسناہٹ ہوتی ہے۔ ہاتھ اور تلوے نم ہو جاتے ہیں اور نگاہ دھندلا جاتی ہے۔ یہ دورہ مرگی کا نہیں ہے مگر اس سے کچھ ملتا جلتا ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اس دورے کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ کبھی ہفتے میں دو بار بھی پڑ جاتا ہے اور کبھی چھ چھ ماہ تک نہیں پڑتا۔

''میں اسی لیے شراب زیادہ پیتی ہوں۔'' اس نے کہا ''یہ کسی ڈاکٹر کی تجویز نہیں۔ میں نے خود ہی محسوس کیا تھا کہ شراب سے میرے اعصاب و ذہن کو بہت سہارا ملتا ہے۔ نشے میں رہتی ہوں تو دورہ نہیں پڑتا۔ اگر شراب نہ پیوں تو دو تین دن کے بعد ہی دورہ پڑ جائے گا۔''

میں نے اس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ کچھ دیر سوچتا رہا پھر پوچھا ''تمہارا ایمن سوسائٹی کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''گریٹ۔'' وہ دفعتاً خوش ہو کر بولی ''کوئی فکر نہیں، کوئی غم نہیں۔ ہر آرام و آسائش ہے۔ قیمتی پوشاکیں، شراب اور روپیا، مجھے ان سب چیزوں سے عشق ہے۔ زندگی بار بار ملنے والی شے نہیں ہے۔ لہٰذا جی بھر کر عیش کر لینا چاہیے کوئی آرزو باقی نہ رہے اور ایمن سوسائٹی ان سارے لوازمات کا دوسرا نام ہے۔ میں تو کہتی ہوں کہ سوسائٹی میں جو لوگ ہیں۔ سب کے سب بے حد ذہین لوگ ہیں۔ وہ فرسودہ سماجی رسموں اور پابندیوں پر یقین نہیں رکھتے بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ بندشیں زندگی میں محرومی اور تلخی پیدا کرتی ہیں جبکہ زندگی ہر طرح سے آزاد ہونا چاہیے اور.....؟

ٹیا بولتی رہی اور میں سنتا رہا۔ وہ نہ جانے کیا کیا کہہ رہی تھی پھر جب وہ خاموش ہوئی تو میں نے کہا ''اور لارڈرے کے بارے میں تم کیا کہتی ہو؟''

لارڈرے سچ مچ لارڈرے ہے۔ میرا مطلب ہے صرف خطاب کے لحاظ سے ہی نہیں بلکہ مزاج کے لحاظ

سے بھی وہ بہت دولت مند ہے اور ایمن سوسائٹی کے تمام اخراجات بڑی فراخدلی سے پورے کرتا ہے اور یہ اخراجات کئی ہزار پونڈ ماہانہ سے کم نہیں لیکن لارڈرے کے چہرے پر شکن نہیں آتی۔''

''کیا تمہیں معلوم ہے ہم لوگ قاہرہ کیوں آئے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

جواب دینے سے پہلے ٹیا نے ایک اور گھونٹ بھرا، سگریٹ کا کش لیا پھر مجھے عجیب سے نظروں سے دیکھا اور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''تم بہت شریر ہو..... ہے نا..... مگر یہ ساری باتیں تم مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو۔ کیا تمہیں نہیں معلوم؟''

''نہیں، مجھے بھی کچھ ٹھیک علم نہیں۔'' اس نے کہا ''لیکن اتنا جانتی ہوں کہ وہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں۔ ٹھیک ہی کر رہے ہیں۔ لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا کبھی کوئی غلط کام نہیں کرتے۔ لاؤ، ذرا سی رم اور دے دو۔''

ٹیا اب اور بھی نشے میں ہوگئی تھی۔ مدہوشی نہ صرف اس کے چہرے سے ٹپک رہی تھی بلکہ اس کی آواز بھی لڑکھڑانے لگی تھی مگر اس کے باوجود وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ میں نے مزید شراب اس کے گلاس میں انڈیلی پھر اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ مجھے ٹیا کے جوابوں سے بڑی مایوسی ہوئی تھی۔ میں نے تو یہ سوچا تھا کہ شاید ٹیا بھی میری طرح حالات سے بے خبر ہوگی اور ممکن ہے وہ بھی اپنی مرضی کے خلاف لارڈرے وغیرہ کے چنگل میں پھنس گئی ہو۔ اس صورت میں ہم دونوں مل کر کوئی منصوبہ بنا سکتے تھے مگر صورت حال اس کے برعکس تھی۔ ٹیا تو ایمن سوسائٹی اور لارڈرے وغیرہ پر تعریف و تحسین کے پھول برسا رہی تھی۔ اس نے جو کچھ کہا تھا وہ ایک عیش کوشی، غیر ذمہ دار اور سطحی مزاج رکھنے والی لڑکی کے خیالات تھے۔ اونچی سوسائٹی کے ایک فیشن ایبل کلب میں کام کرنے والی ٹاپ لیس ''بنی گرل'' کی لڑکی کے خیالات تھے اور اس قسم کی عورتوں کے لیے شراب کا ایک جام زندگی کے ہر مسئلے سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ روپیا، ملبوسات اور کھل کھیلنے کی آزادی ایسی عورتوں کی نظر میں ہر شے پر مقدم ہوتی ہے اور ٹیا کو یہ تمام 'عشرتیں' ایمن سوسائٹی میں حاصل تھیں۔ لہٰذا ممکن تھا کہ وہ لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا کے خلاف نہیں جاتی۔ میں کچھ دیر تک کمرے میں ٹہلتا رہا پھر یکایک صوفے پر ٹیا کے قریب ہی بیٹھ گیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ ٹیا کا بہار آفرین بدن میرے مقابل تھا پھر میں نے جذبات سے تھرتھراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''ٹیا تمہارا نام کیا ہے؟''

''ٹیا۔'' اس نے ہولے سے سرگوشی کی۔

''نہیں، یہ تمہارا اصل نام نہیں ہوسکتا۔'' میں نے کہا ''میں اصل نام جاننا چاہتا ہوں۔''

''ٹھیک کہتے ہو تم۔'' وہ مسکرائی اور میرے گال کا بوسہ لیا ''میرا اصل نام سلویا ہے۔''

''پھر تم نے اپنا نام ٹیا کیوں رکھا؟''

''میں نے نہیں۔ ڈاکٹر نیفا نے رکھا ہے۔ ڈاکٹر نیفا کہتا ہے کہ اب سے ساڑھے تین ہزار سال پہلے عمن عونس دوئم کی ملکہ کا نام ٹیا تھا۔''

''تو پھر تم نے اپنا یہ نام کیوں رکھا۔''

''کیونکہ اس وقت میں ہی عمن عونس دوئم کی ملکہ تھی۔'' ٹیا نے جواب دیا اور جھک کر اپنے ہونٹ میرے سینے پر رکھ دیے۔

اس رات مجھے دیر تک نیند نہیں آئی۔

میں نے کھڑکی کے پاس ایک کرسی ڈالی تھی اور اس پر بیٹھا ہوا مختلف سوچوں میں الجھ رہا تھا۔ رات کافی جا چکی تھی۔ الاہرام کی عمارت سناٹے اور اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی اور شاید میرے کمرے کے سوا کسی کمرے میں روشنی نہیں تھی۔ میں کرسی پر نیم دراز خاموش نظروں سے کھڑکی سے باہر کا نظارہ کرتا رہا۔ قاہرہ کا نیلا شفاف آسمان حدِ نظر تک پھیلا ہوا تھا۔ کہیں کوئی بادل کا ٹکڑا نہیں تھا۔ البتہ دور تک ستارے ہی ستارے نظر آ رہے تھے اور دائیں طرف تیسرے ہفتے کا جگمگاتا ہوا چاند کسی حسینہ کے ماتھے پر دمکتے جھومر کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ سامنے جہاں تک نظر جاتی تھی ریت کا سمندر پھیلا ہوا تھا اور برستی چاندنی میں خوابوں کی دنیا کا کوئی ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ ریگستان کی راتیں بڑی پراسرار مگر بہت دلکش اور رومان انگیز ہوتی ہیں۔ دل پر ایک لطیف اور نشاط انگیز کیفیت طاری کر دیتی ہیں۔ جام و صبوح کو ہاتھ لگائے بغیر مستی و مدہوشی چھا جاتی ہے اور جی کو یہ باور کرنے میں دشواری نہیں ہوتی کہ یہ دنیا دراصل اتنی بری جگہ نہیں جتنی نظر آتی ہے۔ میری نگاہوں کے سامنے بھی ایسا ہی منظر تھا۔ دور تک پھیلا ہوا ریگستان اور آسمان سے چھما چھم برستی ہوئی چاندنی اور خواب آلودہ خاموشی، ریگستانوں کی اپنی ایک روایت ہے۔ ایک تاریخ ہے ایسا ہی ریت کا سمندر تھا جس میں مجنوں اپنی لیلیٰ کے لیے آبلہ پا بھٹکتا پھرا تھا اور وہ ریگ زار بھی اس سے مختلف نہ ہوگا۔ جس میں رانجھا اپنی ہیر کے فراق میں دیوانہ بن کر مارا مارا پھرا تھا اور پُنّوں اور مہینوال جانے کیسے کیسے عاشق تھے وہ، اپنے محبوب کے لیے زمانے بھر کے ستم جھیلے اور مٹ گئے لیکن عشق کی حرمت پر داغ نہیں لگنے دیا۔ پھر مجھے فریدہ یاد آئی۔ میں اس سے کل بھی محبت کرتا تھا آج بھی کرتا ہوں اور یقیناً عمر کی آخری سانسوں تک کرتا رہوں گا۔ شاید اس کے لیے مٹ جانے سے بھی دریغ نہیں کروں مگر فریدہ نے میری پروا نہیں کی۔ بڑی سرد مہری کے ساتھ ٹھکرا دیا تھا۔ زندگی کے عیش و آرام پر محبت کو تج دیا تھا۔ اب یقیناً وہ خوش ہوگی۔ کیونکہ اسے وہ سب کچھ مل گیا تھا جو وہ چاہتی تھی شاید اب وہ مجھے یاد بھی نہیں کرتی ہوگی اور اسے اس بات سے کوئی سروکار نہیں ہوگا کہ میں کہاں ہوں اور کس حال میں ہوں اور یہ کہ جیتا بھی ہوں یا مر گیا۔

کچھ دیر بعد میرے خیالات بھٹکتے ہوئے ٹیا کی طرف چلے گئے۔ اس سے باتیں کر کے اور اس کے جوابات سن کر مجھے بڑی مایوسی ہوئی تھی۔ وہ بلاشبہ بے حد حسین تھی۔ اتنی حسین کہ آپ بلاتکلف اس پر عاشق ہو سکتے ہیں لیکن جسم اور چہرے کا حسن ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا۔ اگر دل و دماغ اور جذبات و نظریات بھی حسین نہ ہوں تو قدر و قیمت بڑھتی نہیں گھٹ جاتی ہے۔ ٹیا بھی ایک سطحی اور عامیانہ مزاج رکھنے والی عورت تھی۔ اس کا چہرہ حسین تھا لیکن دل خوبصورت نہیں تھا۔ اس کا جسم شاداب تھا لیکن دماغ شاداب نہیں تھا۔ میں نے یہ سوچ کر اس سے باتیں کی تھیں۔ کہ ممکن ہے، میری طرح وہ رضا و رغبت کے بغیر ایمن سوسائٹی کی ممبر ہو۔ اگر ایسا ہوا تو کم از کم یہ تو طے ہو جائے گا کہ میں اکیلا نہیں ہوں۔ یہ کوشش میں پہلے بھی کر چکا تھا۔ رے پیلس کے قیام کے دوران دو تین افراد کو ٹٹولا تھا لیکن ہر بار ناکامی ہوئی تھی۔ ہر بار یہ انکشاف ہوا تھا کہ میں اکیلا ہوں اور ٹیا سے ہونے والی گفتگو بھی اسی پر منتج ہوئی تھی۔ ٹیا ان عورتوں میں سے تھی جنہیں انگشت نمائی کی زیادہ پروا نہیں ہوتی جو عارضی کامیابی اور خوشحالی میں یقین رکھتی ہیں۔ اس قسم کا مزاج رکھنے والے افراد کی زندگی میں کوئی 'کل' نہیں ہوتا صرف 'آج'

ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ٹیا لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا کی بہت معتقد تھی کیونکہ ان لوگوں نے ٹیا کو 'آج' کی تمام آسائشیں اور راحتیں مہیا کر دی تھیں۔ سوچتے سوچتے مجھے گفتگو کا وہ حصہ یاد آیا جب میں نے اس سے پوچھا تھا کہ کیا اسے علم ہے کہ ہم لوگ بادشاہوں کی وادی میں کیوں جا رہے ہیں۔ اس نے اس سوال کا جواب نہیں دیا تھا خوبصورتی سے بات ٹال گئی تھی لیکن اس نے اس وقت جن نظروں سے مجھے دیکھا تھا وہ بے معنی نہیں تھیں۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ اسے اچھی طرح علم ہے کہ بادشاہوں کی وادی کے سفر کے غرض و غایت کیا ہے لیکن اس نے مجھے بتانے سے احتراز کیا تھا۔ آخر کیوں؟ جواب صرف ایک ہی ہو سکتا ہے کہ اسے لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا نے منع کر دیا ہوگا۔

پھر میں نے بے چین ہو کر سوچا کہ آخر اس پردہ پوشی کی ضرورت کیا ہے؟ کیوں وہ لوگ مجھے زیادہ تر باتوں سے لاعلم رکھتے ہیں اس کا بھی صرف ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ کہ وہ لوگ ابھی تک مجھ پر اعتماد نہیں کرتے۔ ہر چند کہ میں نے اپنے طرز عمل میں کافی تبدیلی کر لی ہے تاہم ابھی تک وہ لوگ میری جانب سے مشکوک ہیں اور بدستور یہ سمجھتے ہیں جب بھی موقع ملے گا میں عدم تعاون کا مظاہرہ کروں گا۔ خیر مجھے اس بات کی چنداں پروا نہیں تھی کہ وہ لوگ مجھے کیا سمجھتے ہیں۔ میں تو ٹیا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس نے جس نوعیت کے احساسات کا اظہار کیا تھا تقریباً ویسے ہی احساسات ریفا اور آئرین وغیرہ نے ظاہر کیے تھے۔ ایمن سوسائٹی ان کے لیے بہت اہمیت رکھتی تھی اور لارڈرے کا درجہ کسی صورت میں دیوتاؤں سے کم نہ تھا۔ دوسرا اہم ترین فرد ڈاکٹر نیفا تھا جو پجاری یا پیشوا کی حیثیت رکھتا تھا اور مجھے کہیں بھی کوئی ایسا اشارہ نہیں ملا تھا جس سے اندازہ ہوتا کہ سوسائٹی کے ممبروں میں سے کوئی بھی لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا کے خلاف ہو جائے گا۔

پھر مجھے ٹیا کی آخری بات یاد آئی۔ اس نے کہا تھا۔ میں ٹیا ہوں اور ساڑھے تین ہزار سال پہلے عمن عونس دوئم کی ملکہ تھی۔ لاحول ولاقوۃ۔ میں نے جھلا کر سوچا۔ شاید یہ لوگ سب کے سب فائز العقل ہیں اور ناقابل یقین باتوں پر اعتقاد رکھتے ہیں مگر جہاں تک تاریخی حقائق کا تعلق ہے اس میں شک نہیں کہ عمن عونس دوئم کی پہلی بیوی کا نام ملکہ ٹیا تھا۔ جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ شہزادی سیتامن۔ جب شہزادی سیتامن جوان ہوئی تو عمن عونس دوئم نے اس سے شادی کر لی تھی۔ بعد ازاں وہ ایک اور بچے کا باپ بنا تھا جس کا نام طوخ آمن تھا مگر یہ بات آج تک پائے ثبوت کو نہیں پہنچ سکی کہ طوخ آمن اس کی لڑکی سیتامن کے بطن سے پیدا ہوا تھا یا ملکہ ٹیا کے بطن سے۔ خیر یہ سارے حقائق ساڑھے تین ہزار سال پرانے ہیں۔ طوخ آمن کسی کے بطن سے بھی پیدا ہوا ہو۔ سوال یہ ہے کہ ملکہ ٹیا سے جو عرف عام میں کوئین ٹی کہلاتی تھی اس ٹیا کا کیا تعلق ہے۔ جو اس وقت ہمارے درمیان موجود ہے۔ ساڑھے تین ہزار سال کا عرصہ درمیان میں حائل ہے۔ اس کے باوجود وہ کہتی ہے کہ وہی ملکہ ٹیا ہے۔ گویا یہ لوگ نظریہ حیات بعد الموت میں بھی یقین رکھتے ہیں۔ مجھے یاد آیا کہ فراعین مصر کے زمانے میں لاشوں کو مسالوں سے محفوظ کرنے کا رواج بھی اسی نظریے کی بنیاد پر تھا کہ ان کے خیال میں مرنے والے کو کچھ عرصہ کے بعد دوبارہ دنیا میں واپس آنا تھا اور اب ٹیا کے اس بیان کا مطلب گویا یہ ہوا کہ وہ ساڑھے تین ہزار سال بعد دنیا میں واپس آ گئی ہے پھر یکا یک ایک دہشت انگیز خیال نے میرے ذہن میں جنم لیا۔ اگر وہ ملکہ ٹیا ہے، تو پھر میں کیا ہوں؟

شب جشن ایمن میں لارڈرے نے ٹیا کے متعلق مجھ سے کہا تھا ''یہ تمہاری دلہن ہے۔''
میں نے ایک سگریٹ جلائی پھر گلاس اٹھا کر وہسکی کا ایک گھونٹ لیا اور پھر کھڑکی کی چوکھٹ سے کہنیاں ٹکا کر نیچے جھانکا۔ الاہرام کے اردگرد پھیلے ہوئے باغ میں سناٹا اور ویرانی چھائی ہوئی تھی کہیں کوئی آواز نہیں تھی۔ سامنے والی سڑک بھی دور تک ویران نظر آ رہی تھی اگر اس وقت میں اٹھوں اور کپڑے پہن کر نیچے اتروں اور پھر اطمینان سے گیٹ کھول کر باہر چلا جاؤں تو مجھے کوئی نہیں دیکھے گا اور میں ایمن سوسائٹی کی دسترس سے دور نکل جاؤں گا۔ بظاہر یہ بالکل آسان لگتا ہے مگر اس کے باوجود محض خیال خام ہے۔ میں نے پھر نیچے جھانکا۔ اگرچہ کوئی نظر نہیں آ رہا تھا تاہم مجھے معلوم تھا کہ حسن عبید گومزیا اسٹارکی میں سے کوئی نہ کوئی موجود ہوگا اور اکیلا نہیں بلکہ اس کے ساتھ دو خوفناک گرے ہاؤنڈ بھی ہوں گے۔ یہ روزانہ کا معمول تھا کہ کوئی نہ کوئی شخص رات بھر رکھوالی کے لیے جاگتا تھا اور دونوں کتے جو دن میں بند رہتے تھے رات میں کھول دیے جاتے تھے چنانچہ اس صورت میں میرے لیے تقریباً ناممکن تھا کہ رات کے دوسرے پہر الاہرام سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو سکتا۔

☆☆☆

دوسرے دن جاگا تو طبیعت بڑی کسل مند ہو رہی تھی۔ یہ رات میں دیر تک نیند نہ آنے اور زیادہ شراب نوشی کا نتیجہ تھا۔ جسم بھی ٹوٹ رہا تھا جیسے جوڑ جوڑ الگ ہو جائے گا۔ میں نے زہر کا علاج زہر سے کیا یعنی وہسکی کا ایک بڑا پیگ لیا اور غسل خانے میں گھس گیا۔ نیم گرم شاور اور وہسکی کی بدولت طبیعت کافی بحال ہو گئی۔ جب میں نیچے ڈائننگ ہال میں پہنچا تو ساڑھے گیارہ بج چکے تھے اور دن کے معمولات جاری ہوئے دیر ہو چکی تھی۔ عورتیں کچن میں دوپہر کے کھانے کی تیاری میں جٹی ہوئی تھیں اور لارڈرے وغیرہ ڈرائنگ روم میں تھے باقی لوگ اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ میں نے ناشتا کیا اور پھر سیاہ کافی کا ایک کپ لے کر لائبریری میں چلا گیا۔ لندن سے تین چار اخبار روزانہ آتے تھے اور میرا معمول تھا کہ ناشتے کے بعد ان کا مطالعہ کرتا تھا۔ اس دن اخباروں میں کوئی خاص خبر نہیں تھی بلکہ بیشتر اخباروں نے تو جوڈی یا رابن کے کیس کا ذکر ہی نہیں کیا تھا۔ صرف ٹائمز نے اندرونی صفحات پر اسکاٹ لینڈ یارڈ کی جانب سے جاری کیا گیا ایک بیان شائع کیا تھا جس میں پرانی باتیں ہی دہرائی گئی تھیں اور پھر اس امید کا اظہار کیا گیا تھا کہ پولیس بہت جلد کسی مفید نتیجے پر پہنچ جائے گی۔
نیشنل اخباروں کے علاوہ ونڈسر کا مقامی اخبار بھی روز آتا تھا۔ اس دن کے شمارے میں لارڈرے کے متعلق ایک چھوٹی سی خبر شائع کی گئی تھی۔ اس خبر کے مطابق لارڈرے برانڈ اپنے منیجر کارسن کے ہمراہ بزنس ٹرپ پر مشرق وسطیٰ کے ممالک کو روانہ ہو گیا تھا۔ اخبار نے مزید لکھا تھا کہ لارڈرے مشرق وسطیٰ کے دورہ مکمل کرنے کے بعد غالباً سب کانٹی نیٹ اور جاپان بھی جائے گا۔ خبر پڑھ کر میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ اخبار کے بیچارے ایڈیٹر کو کیا علم کہ لارڈرے کہاں ہے اور کیوں گیا ہے؟ اس نے تو اس خبر کو من وعن اسی طرح شائع کر دیا تھا جس طرح رے پیلس سے اخباری بیان جاری کیا گیا ہوگا۔ لارڈرے نے مسٹر رائمل کو بطور خاص ہدایت کی تھی کہ منیجر کارسن کی عدم موجودگی میں وہ مناسب وقفے سے اخباری بیانات جاری کرتا رہے۔ اس کا مقصد احتیاط کے سوا اور کچھ نہ تھا۔
جب میں اخبارات کے مطالعے سے فارغ ہوا تو مجھے اطلاع ملی کہ درزی آ گیا ہے چنانچہ مجھے ڈرائنگ

روم میں جانا پڑا۔ درزی ایک عمر رسیدہ آدمی تھا۔ پستہ قد اور دبلا پتلا۔ اس کے بشرے سے صاف پتا چلتا تھا کہ کافی حریص اور بے حس قسم کا آدمی ہے مگر وہ اپنے کام میں یقیناً مہارت رکھتا تھا۔ میں ایک لاتعلق تماشائی کی طرح اس کے ہاتھوں کی حرکات وسکنات کو دیکھتا رہا اور وہ سبز رنگ کے فیتے سے میرے جسم کو ناپتا رہا۔ میں نے اس سے یا لارڈرے سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ کس قسم کے ملبوسات تیار کرے گا۔ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی مگر اتنا اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ پوشاکیں مختلف قسم کی ہوں گی۔ میرے بعد ٹیا کی باری آئی پھر لارڈرے، ڈاکٹر نیفا اور باربرا وغیرہ کی ناپ لی گئی۔ جب درزی اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس جانے لگا تو لارڈرے نے اسے خصوصیت کے ساتھ تاکید کی کہ وقت کم ہے لہٰذا اسے لاپروائی سے کام نہیں لینا چاہیے اور یہ کہ سارے ملبوسات مقررہ وقت تک ہر حال میں تیار ہو جانے چاہئیں۔ درزی نے وعدہ کیا کہ وہ ایسا ہی کرے گا پھر وہ چلا گیا۔

تین بجے کے بعد لارڈرے، ڈاکٹر نیفا اور منیجر کارسن باہر چلے گئے کہ انہیں مزید خریداری کرنی تھی۔ البتہ اس دن باربرا ان کے ساتھ نہیں گئی۔ اس کے بجائے وہ لوگ ٹیا، روز آلبہ اور اولگا کو اپنے ساتھ لے گئے۔ احمد جمال بھی ہمراہ تھا۔ میں نے ہر چند کہ پوچھا نہیں تاہم ان کی گفتگو سے اندازہ ہو گیا کہ کسی گولڈا اسمتھ کے پاس جا رہے ہیں۔ جو قاہرہ شہر سے باہر کہیں مضافات میں رہتا تھا۔ غالباً انہیں کچھ زیورات خریدنا یا بنوانا تھے۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو میں کچھ دیر ادھر ادھر بھٹکتا رہا۔ آدمی کے پاس کرنے کے لیے کچھ نہ ہو تو اس پر بیزاری طاری ہو جاتی ہے۔ میرا خیال بھی کچھ ایسا ہی تھا میں الاہرام کی عمارت تک محدود تھا اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں، جو کام بھی کرتا جلدی سے اس سے جی اکتا جاتا حالانکہ الاہرام میں بلیئرڈ موجود تھا یا میں باغ میں ٹینس کورٹ بھی تھا۔ ان کے علاوہ دوسرے لوازمات بھی تھے مگر آدمی ایک ہی عمارت میں محدود بلکہ مسدود ہو کر زیادہ دیر اسنوکر کھیل سکتا ہے اور نہ شطرنج۔ سہ پہر کے بعد میں نے کینوس کی ایک کرسی اٹھائی اور باہر چلا گیا۔

سہ پہر کی دھوپ نارنجی ہو چلی تھی۔ میں نے کرسی ایک درخت کے نیچے ڈال لی اور اس پر نیم دراز ہو گیا۔ صحرا کی جانب سے آنے والی ہوا میں معمولی سی حدت تھی جو بری نہیں تھی۔ سائے میں ایک عجیب سا سناٹا اور کاہلی طاری تھی۔ میں کرسی پر نیم دراز آنکھیں بند کیے مختلف سوچوں میں ڈوبا رہا۔ ان سوچوں کا مرکز بہر حال لارڈرے وغیرہ ہی تھے۔ ان کی موجودہ مصروفیات اور پھر وادی کا سفر وغیرہ اور یہ اس وقت کی بات ہے کہ میں نے معاً چونک کر آنکھیں کھول دیں اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

یک لخت مجھے وہ نادیدہ ہستی یاد آ گئی تھی جو لندن میں ہر لمحہ ہر پل میرے ساتھ تھی جسے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن جس کی موجودگی کو میں نے ہمیشہ اس طرح محسوس کیا تھا جیسے وہ کوئی زندہ اور ٹھوس ہستی ہو مگر گزشتہ کافی دنوں سے نہ تو مجھے اس کی یاد آئی تھی اور نہ ہی اس کو اپنے آس پاس محسوس کیا تھا آخر وہ کہاں تھی۔ کہاں چلی گئی تھی اگر وہ نادیدہ اور پراسرار ہستی واقعی کوئی وجود رکھتی ہے تو کہاں غائب ہو گئی ہے۔ میں نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ آخری بار کب میں نے اس کی موجودگی کو محسوس کیا تھا لیکن یاد نہ آ سکا۔ رے پیلس میں وہ یقیناً میرے آس پاس رہتی تھی۔ اکثر و بیشتر اس کی چلت پھرت کو محسوس کیا تھا پھر وہ غائب ہو گئی۔ رے پیلس سے آئرلینڈ اور پھر قاہرہ تک سفر کے دوران اور اس کے بعد اس کا وجود کا احساس نہیں ہوا تھا۔ آخر کیوں؟ میں حیرت زدہ ہو کر سوچتا رہا۔ آخر وہ کہاں غائب ہو گئی؟ کیا واقعی وہ تھی یا یہ کہ اس کے ہونے کا احساس محض میرے لاشعور

کی کسی بھٹکتی ہوئی رو کا کرشمہ تھا۔ شاید یہ دوسری ہی بات درست تھی۔ میرے پراگندہ ذہن نے اسے تشکیل کرلیا تھا۔ ورنہ اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو وہ اس طرح غائب نہ ہوتی۔

ذہن کو دفعتاً ایک جھٹکا سا لگا۔ یوں جیسے بجلی کی رو چمکتی ہے اور پھر میں نے بالکل غیر ارادی طور پر گھوم کر نیچے دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ دائیں اور بائیں جانب بھی کوئی نہیں تھا۔ میں نے یکا یک ہونٹوں پر زبان پھیری اور آہستہ سے کہا۔

''کیا تم یہاں ہو؟''

ہلکی سی ہنسی کی آواز جیسے چاندی کی گھنٹیاں بجتی ہیں پھر اس کی نقرئی آواز آئی ''تمہارا کیا خیال ہے؟'' میں نے اس کی آواز نہیں سنی صرف اس کے تاثرات کو محسوس کیا۔ یہ عجیب بات تھی۔ قطعاً ناقابل یقین ہے۔ میں نے اسے یاد کیا ہی تھا کہ وہ آموجود ہوئی اور یوں میرا خیال پھر باطل ہوگیا کہ اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ میں چند لمحے استعجاب کے عالم میں بیٹھا رہا پھر آہستہ سے کہا۔

''تو گویا تم واقعی یہاں موجود ہو۔''

وہ ایک بار پھر ہنسی ''ہاں۔''

''کیا تمہیں معلوم تھا کہ میں تم کو یاد کر رہا ہوں۔''

اس بار اس نے کچھ نہیں کہا البتہ میں نے ایک ہلکی سی مہک محسوس کی۔ ایسا لگتا تھا وہ میرے بالکل نزدیک آگئی ہے۔ میں بھی خاموش رہا۔ یہ سب کچھ مجھے بڑا غیر عقل سا لگ رہا تھا۔ اس کا ہونا اور نہ ہونا ایسا طلسم تھا جس کا تجزیہ کم از کم میری عقل نہیں کرسکتی تھی۔ خاموشی کا ایک سبب شاید یہ بھی تھا کہ وہ کافی دنوں سے غائب تھی اور اب اچانک اس طرح آگئی تھی جیسے میرے قریب ہی موجود رہی ہو چنانچہ میرا حیران ہونا قدرتی امر تھا اور میری خاموشی اسی حیرت کی بنا پر تھی۔ جب کچھ دیر یوں ہی گزر گئی تو اس نے کہا۔

''کیا سوچ رہے ہو۔ کیا میرا آنا اچھا نہیں لگا؟''

''نہیں، نہیں، یہ بات نہیں ہے۔'' میں نے جلدی سے کہا ''میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ تم اتنے دنوں سے کہاں غائب تھیں؟''

''میں کہیں غائب نہیں تھی۔'' اس کی آواز محسوس ہوئی ''میں تو ہر وقت تمہارے ہی پاس تھی۔''

''تمہارا مطلب ہے تم اس وقت بھی میرے پاس ہوتی تھیں جب میں تمہیں یاد نہیں کرتا تھا۔''

''ہاں۔''

''مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے۔'' میں نے اعتراضاً کہا ''جب تم میرے پاس ہوتی ہو تو میں تمہیں ضرور محسوس کرتا ہوں۔''

''یہ ضروری نہیں ہے۔'' اس کا جواب میری سماعت سے ٹکرایا ''میں تمہارے آس پاس ہوتی ہوں لیکن جب تک اپنی موجودگی کا احساس نہ کراؤں۔ تب تک تم کو علم نہیں ہوسکتا۔''

''یہ تو بڑی انوکھی بات ہے۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

اس کی خفیف سی ہنسی کا کھنکتا ہوا تاثر محسوس ہوا۔ ''ہاں یہ تو ہے۔'' پھر اس نے کہا ''تم مجھے کیوں یاد کر رہے

تھے؟''

''کوئی خاص وجہ نہیں تھی۔ بس یونہی تمہارا خیال آ گیا۔'' میں نے جواب دیا ''میں حیران تھا کہ تم آخر کہاں غائب ہو گئیں۔ آخری بار تمہاری موجودگی کا احساس رے پیلس میں ہوا تھا پھر میں یہاں چلا آیا اور اب تم بھی یہاں موجود ہو۔ سوال یہ ہے کہ تمہیں میرے یہاں آنے کی بابت کیسے علم ہوا؟''

اس نے جواب دیا ''مگر اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔''

مجھے یکا یک اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ واقعی اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ وہ رے پیلس میں ہر دم میرے پیچھے رہتی تھی کم از کم جشن ایمن سے پہلے کئی بار میں نے اس کی موجودگی کو محسوس کیا تھا۔ لہٰذا اسے اس بات کا علم ہونا کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی کہ میں قاہرہ جا رہا ہوں یا یہ کہ لے جایا جا رہا ہوں۔ میں نے مسکرا کر اعتراف کیا ''تم ٹھیک کہتی ہو مگر میں حیران ہوں کہ تم یہاں کیوں کر آ گئیں؟''

''کیوں؟''

''لندن اور قاہرہ میں تو بہت فاصلہ ہے نا؟''

وہ ہنسی ''ہاں، فاصلہ تو بہت ہے مگر میرے لیے نہ فاصلوں کی اہمیت ہے نہ وقت کی۔ مجھے جہاز یا ٹرین میں سفر کرنے کے ٹکٹ بھی نہیں خریدنا پڑتا۔ میں کھلی ہوا کی طرح آزاد اور خود مختار ہوں جب اور جہاں چاہوں چلی جاتی ہوں۔''

میں چند لمحے خاموش رہا۔ اب میرے اوپر وہ پہلے والی حیرت اور گومگوں کیفیت طاری نہیں تھی۔ میرا اعتماد بحال ہو چکا تھا اور اس سے اس نظر نہ آنے والی پراسرار ہنسی سے باتیں کرنا اچھا لگ رہا تھا حالانکہ اس وقت اگر کوئی شخص مجھے دیکھتا تو یہی سمجھتا کہ میں سنکی ہوں اور تنہائی میں اپنے آپ سے باتیں کیا کرتا ہوں۔ کچھ دیر کے سکوت کے بعد میں نے کہا۔

''ایک بات پوچھوں، تم جواب دو گی؟''

''پوچھو؟''

میں نے ذرا سوچ کر کہا ''تم کافی دنوں سے میرے ساتھ کچھ اس طرح موجود ہو جیسے میرا سایہ میرے ساتھ ہوتا ہے یعنی جب وہ نہیں ہوتا تب بھی ہوتا ہے اور جہاں تک مجھے یاد آتا ہے۔ پہلی بار مجھے تمہارے وجود کا احساس بار برا..... کے گھر میں ہوا تھا۔ تم بار برا کو جانتی ہو۔ ہاں میں وہی سیاہ فام..... دلربا لڑکی جس کا گھر شیفرڈ زلیش میں تھا۔ تب سے اب تک تم میرے ساتھ ہو میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیا تم میرے بارے میں سب کچھ جانتی ہو؟''

''ہاں میرا خیال ہے کہ میں تمہارے بارے میں سب کچھ جانتی ہوں۔'' اس نے جواب دیا ''مگر تم نے یہ بات کیوں کہی؟''

''اور کیا تم لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفا کے بارے میں بھی سب کچھ جانتی ہو۔'' میں نے اس کے سوال کے جواب دینے کے بجائے دوسرا سوال کیا۔

''ہاں میرا خیال ہے۔ میں انہیں بھی جانتی ہوں!''

''کیا تم ان سے بھی اسی طرح ہم کلام ہوتی ہو۔ جس طرح مجھ سے اور کیا وہ لوگ بھی تم سے واقف ہیں؟''

وہ پھر ہنسی۔ اس کی ہنسی کا ترنم میرے احساس سے ٹکرایا ''تم آج اس طرح کی باتیں کیوں کر رہے ہو؟ کچھ اور باتیں کرو نا!''

گویا وہ اس کا جواب نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس میں کیا مصلحت تھی یہ اندازہ لگانا میرے لیے دشوار امر تھا۔ ہو سکتا ہے وہ لوگ اس کی موجودگی کو اس طرح محسوس کرتے ہوں جس طرح میں کرتا ہوں مگر یہ ضروری نہیں تھا اس کی نادیدہ ہستی کا وجود فطری یا غیر فطری، مرئی ہو یا غیر مرئی۔ اگر اس کا ذہنی رابطہ صرف مجھ سے ہے تو ضروری نہیں کہ لارڈرے وغیرہ سے بھی ہو۔ میں نے قدرے ٹھہر کر دوسرا سوال کیا۔

''اگر تم میرے بارے میں سب کچھ جانتی ہو تو پھر تمہیں علم ہوگا کہ میں لارڈرے وغیرہ کے ساتھ بہ رضا و رغبت نہیں ہوں۔ میری حیثیت ایک قیدی کی سی ہے۔ وہ لوگ ہر لمحہ میری نگرانی کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر تم دیکھ سکتی ہو کہ حسن عبید برآمدے میں اس وقت سے موجود ہے جب سے میں باہر آیا ہوں۔ بظاہر وہ کوئی کام کر رہا ہے لیکن درحقیقت اس کا مقصد میری نگرانی کرنا ہے۔ کیا تم مجھے بتا سکتی ہو کہ ان لوگوں نے یہ سلوک میرے ساتھ کیوں کیا ہے۔ مجھے اس طرح قیدی بنانے سے ان کا کیا مقصد ہے؟''

فوری طور پر مجھے کوئی جواب محسوس نہیں ہوا پھر ایسا لگا جیسے اس نے گہری سانس لی ہو۔ میں انتظار کرتا رہا۔ آخر کار اس نے کہا ''تم ٹھیک کہتے ہو تم آزاد اور خود مختار نہیں ہو اور تم اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتے لیکن اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟''

''اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔'' میں نے زچ ہو کر کہا ''مجھے ٹھیک نہیں معلوم کہ لارڈرے وغیرہ یہ سب کچھ کیوں کر رہے ہیں تاہم اتنا واضح ہے کہ وہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہ کوئی مناسب بات نہیں یا کم از کم مجھے پسند نہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ لوگ بادشاہوں کی وادی میں کیوں جا رہے ہیں وہاں جانے سے ان کا مقصد کیا ہے؟''

ایک بار پھر خاموشی کا وقفہ حائل ہوا لگتا تھا۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی پھر اس نے کہا ''تم بادشاہوں کی وادی میں نہیں جانا چاہتے؟''

''نہیں۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ میں مطمئن نہیں ہوں۔'' میں نے کہا ''مجھے نہیں معلوم کیا ہوگا اور اسی لیے الجھن کا شکار ہوں۔ وہ لوگ میرے خلاف مسلسل سازشیں کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے قانون کی نظروں میں مجرم بنایا اور اب یہاں لے کر آئے ہیں، وہ لوگ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟''

ایک بار پھر مجھے محسوس ہوا جیسے اس نے طویل سانس لی ہو پھر اس کا جواب میرے ذہن میں موصول ہوا ''تم سوچتے بہت ہو اس لیے پریشان رہتے ہو۔ بہتر ہے کہ تم اپنے ذہن کو الجھانا ترک کر دو اور.....''

''اور کیا؟''

''اور یہ کہ خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دو۔'' اس نے کہا ''تم نے خود کہا ہے کہ تمہاری مسلسل نگرانی کی

جاتی ہے اگر کوئی غلط قدم اٹھاؤ گے تو نتائج تمہارے حق میں بہتر نہ ہوں گے۔"

پھر وہ معاً چپ ہوگئی۔ کم از کم میں نے یہی محسوس کیا۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھی مگر ارادہ ترک کر دیا۔ میں بھی خاموش رہا اس کا جواب میری توقع اور خواہش کے برعکس تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھی، بے شک نظر نہیں آتی تھی لیکن شعوری یا غیر شعوری طور پر اس نادیدہ ہستی کو اپنی دوست محسوس کرتا تھا اس احساس کی بنیاد شاید اس پر تھی کہ ایک بار اس نے مولی کو ڈھونڈنے میں میری مدد کی تھی اور دوسری بار میری جان بچائی تھی۔ جب میں پولیس سے بچنے کے لیے ایسکورٹ گاڑی میں فرار ہوا تھا مگر اس کا جواب کسی دوستی یا ہمدردی کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔ اس نے قریب قریب وہی بات کہی تھی جو باربرا اور لارڈرے وغیرہ نے کہی تھی۔ اس کے جواب میں ایک ایسی دھمکی تھی جو دوستانہ انداز میں دی تھی تو کیا وہ بھی میری دوست نہیں ہے؟ اس احساس سے مجھے بڑی مایوسی ہوئی پھر میں نے مزید کچھ نہیں کہا۔ بلکہ اس کی باتیں سنتا رہا۔ وہ بار بار کہہ رہی تھی "عجلت سے کام مت لو۔ گھبراؤ مت جو کچھ ہوگا اچھا ہی ہوگا۔ آنے والے دنوں میں تمہارے لیے اجالا ہی اجالا ہے اندھیرا نام کو بھی نہیں ہوگا۔ وقت بظاہر تمہارے ساتھ نہیں لیکن درحقیقت وقت کا ایک ایک لمحہ تمہارا دوست ہے۔"

مگر وہ درست نہیں کہہ رہی تھی۔ یہ وقت ہی تو تھا جو میرا حریف تھا جس نے عین وقت پر مجھے دھوکا دیا تھا اور بار بار مصائب و آلام میں مبتلا کیا تھا۔ یہ وقت ہی تھا جو مجھے نگار وطن سے گھسیٹ کر دیار غیر میں لایا تھا اور ایمن سوسائٹی تک لے گیا تھا ایک عیار اور مکار دوست کی طرح مجھے مصائب میں تنہا چھوڑ کر خود دور کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اگر وقت ذرا بھی مجھ پر مہربان ہوتا تو شاید میرا وطن مجھ سے نہ چھوٹتا۔ شاید میں باربرا اور ڈاکٹر نیفا سے متعارف نہ ہوتا اور شاید اس وقت قاہرہ کی اس عمارت الاہرام میں نہ ہوتا لیکن وقت خود مجھے بہکا کر تاریک راہوں کی طرف لے گیا تھا۔ میں نے اس کی باتوں پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ چپ چاپ سنتا رہا۔ جب وہ خاموش ہوئی تو میں بھی خاموش رہا اور پھر نہ جانے کیوں نہ جانے کیسے۔ اس وقت مجھے اچانک ویرا ہمشائر کا دھیان آ گیا۔ اس نادیدہ ہستی کی طرح ویرا ہمشائر کو بھی میں نے بہت دن سے نہیں دیکھا تھا۔ کبھی کبھار وہ یاد ضرور آئی تھی مگر اس سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ آخری بار اسے ونڈسر کے مضافاتی فارم ہاؤس میں دیکھا تھا۔ اس کے بعد پھر وہ نظر نہیں آئی تھی۔ جشن ایمن کے موقع پر مجھے پورا یقین تھا کہ وہ جشن میں شریک ہوگی کیونکہ باربرا کے بیان کے مطابق وہ بھی ایمن سوسائٹی کی ایک اہم ممبر تھی مگر بعد ازاں ایک موقع پر لارڈرے نے بھی اس کی تصدیق کی تھی لیکن وہ جشن ایمن میں نہیں آئی تھی۔ حد یہ ہے کہ کسی نے اس کا ذکر تک نہیں کیا تھا پھر ہم سب قاہرہ چلے آئے لیکن ویرا نہیں آئی۔ میں نے سوچا پتا نہیں وہ کہاں ہوگی۔ لندن میں یا ونڈسر میں۔ کیا اسے علم ہوگا کہ ہم لوگ قاہرہ چلے آئے ہیں۔ یقیناً ہوگا کیونکہ وہ سوسائٹی کی اہم رکن ہے اور وہ ایک غیر عقلی بات ہے کہ اسے سوسائٹی کے اہم پروگرام کی اطلاع نہ دی جاتی ہو۔

یکا یک مجھے اس نادیدہ ہستی کی آواز محسوس ہوئی "کیا سوچ رہے ہو؟"

"کچھ نہیں۔" میں نے اسے ویرا کے بارے میں بتانا مناسب نہ سمجھا۔

"میں بتاؤں تم کیا سوچ رہے ہو؟"

"کیا؟"

''تم ویرا ہمشائر کو یاد کر رہے ہو۔''

''کک..... کیا۔'' میں نے یکلخت چونک کر کہا۔ حیرت کی ایک تند و تیز لہر میرے وجود کے اوپر سے گزر گئی۔ شک و شبہے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس نے صاف صاف ویرا ہمشائر کا نام لیا تھا۔ میں نے تذبذب کے ساتھ کہا۔

''تم ویرا کو جانتی ہو؟''

''ہاں۔'' اس کا جواب موصول ہوا ''تم اسی کو یاد کر رہے تھے نا؟''

میں نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر آہستہ سے کہا ''تو تم میرے خیالات بھی پڑھ لیتی ہو۔''

''ہاں.....'' اس نے جواب دیا ''تم جو کچھ سوچتے ہو مجھے اس کا علم ہو جاتا ہے۔''

میں نے کچھ نہیں کہا۔ آہستہ آہستہ کنپٹی سہلاتا رہا۔ چند لمحے بعد اس نے خود ہی کہا ''تم ویرا ہمشائر سے ملنا چاہتے ہو؟''

میں یکا یک بے معنی انداز میں ہنس پڑا ''مگر وہ تو لندن میں ہے۔''

''نہیں، وہ یہیں ہے۔ تم چاہو تو ابھی اس سے مل سکتے ہو۔''

''ابھی مل سکتا ہوں، کہاں، کیسے؟'' میں نے پوچھا۔ مجھے اپنی ہوش مندی پر شبہ ہو رہا تھا۔

''اگر تم مین روڈ پر بائیں طرف جاؤ تو کوئی دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک پارک ہے۔ ویرا اس وقت وہاں موجود ہے اور پارک کے مغربی حصے میں چہل قدمی کر رہی ہے۔ تم ملنا چاہو تو جاؤ ورنہ ممکن ہے وہ چلی جائے۔''

میں نے بے یقینی کی حالت میں اپنے سر کو زور سے جھٹکا دیا ''مگر تمہیں کیسے پتا چلا کہ ویرا اس وقت پارک میں موجود ہے۔''

وہ ہنسی۔ میں نے اس کی ہنسی کا ترنم صاف طور پر محسوس کیا پھر میں نے سوچا کہ دیکھنا چاہیے کہ وہ سچ کہہ رہی ہے یا نہیں۔ میرے ساتھ تو انہونیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اس ایک انہونی کو اور آزما کر دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔ چنانچہ میں نے برآمدے کی طرف دیکھا۔ برآمدے کی دائیں جانب والے کمرے کی کھڑکی میں پیڈی کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ وہ شاید وہاں کسی کام میں مصروف تھا پھر میں نے حسن عبید کو آواز دی اور اس سے کہا کہ پیڈی کو بلا لائے۔ حسن عبید، یس سر کہہ کر اندر چلا گیا۔ دو منٹ بعد پیڈی نمودار ہوا۔ اس نے اس سے کہا کہ گھر بیٹھے بیٹھے کچھ اکتاہٹ سی محسوس کرنے لگا ہوں اور یہ کہ کچھ دیر ٹہلنے کے خیال سے باہر جانا چاہتا ہوں۔ لہٰذا وہ باربرا سے اجازت لے آئے۔ میں زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں واپس آ جاؤں گا۔

''ماسٹر آپ باہر جانے چاہتے ہیں؟'' پیڈی نے حیرت سے کہا۔

''ہاں۔'' میں نے چڑ کر جواب دیا ''گھبراؤ مت میں فرار ہونے کی کوشش نہیں کروں گا۔ تم باربرا کو اطمینان دلا سکتے ہو اور تم بھی میرے ساتھ چلنا۔''

پیڈی نے کچھ نہیں کہا۔ اپنی حیرت کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتا ہوا عمارت میں چلا گیا۔ اتنے عرصے میں یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے باہر جانے کی خواہش ظاہر کی تھی لہٰذا اس کا متعجب ہونا بے جا نہیں تھا۔ وہ تقریباً پانچ منٹ میں واپس آ گیا۔ باربرا نے اجازت دے دی تھی مگر تاکید کی تھی کہ میں جلد واپس آ جاؤں۔ میں پیڈی کے

ساتھ باہر روانہ ہوا اور سڑک پر بائیں طرف چلنے لگا۔ سائے میں ڈھلتی ہوئی سہ پہر کی خاموشی پھیلی ہوئی تھی چونکہ یہ مضافاتی سڑک تھی۔ اس لیے ٹریفک بھی نہیں تھا۔ بس کبھی کبھار کوئی اکا دکا کار گزر جاتی تھی۔ میں دھول میں اٹی ہوئی سڑک پر آہستہ آہستہ چلتا رہا۔ پیڈی میرے دائیں جانب چل رہا تھا اور بھی تک شش و پنج میں مبتلا تھا مگر اس نے زبان سے مزید کچھ نہیں کہا تھا۔ اس وقت اس کھلی سڑک پر پوری خود مختاری کے ساتھ چلتے ہوئے میں نے ایک ایسا سکون اور آسودگی محسوس کی جس کی تشریح کرنا ممکن نہیں۔ سانسوں کی گھٹن معدوم ہو گئی تھی اور یوں لگتا تھا جیسے میرے کندھوں پر سے کوئی بوجھ اتر گیا ہو۔ خود کو غبارے کی طرح ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا اور شاید اسی بنا پر میری رفتار کچھ تیز ہو گئی تھی۔ دو فرلانگ کا فاصلہ کچھ زیادہ نہیں ہوتا۔ تھوڑی ہی دیر میں قدموں نے یہ فاصلہ طے کر لیا۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ وہاں کوئی پارک ہو گا مگر پارک موجود تھا۔ اس نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔ میں معاً چونک کر رک گیا اور کسی ایسے آدمی کی طرح جو وہم کے مرض میں مبتلا ہو۔ پارک کے زنگ آلود گیٹ کو الجھی ہوئی نظروں سے گھورنے لگا۔

پھر میں پارک میں داخل ہوا۔ پیڈی نے تقلید کی۔ اسے کچھ کہنے یا پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی وہ تو محض ساتھ دینے یا زیادہ بہتر الفاظ میں نگرانی کرنے کے لیے میرے ساتھ تھا۔ پہلے میں سیدھا پارک کے وسطی حصہ میں گیا پھر آہستہ آہستہ مغربی کونے کی طرف چلنے لگا۔ پارک میں زیادہ لوگ نہیں تھے۔ چند بوڑھے ادھر ادھر بینچوں پر بیٹھے آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ کسی نے بھی ہماری طرف توجہ نہیں دی۔ میں جیسے جیسے آگے بڑھتا گیا۔ دل کی دھڑکن میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا۔ کچھ ایسی کیفیت تھی جیسے میں خلا میں معلق ہوں۔ نہ اوپر جاتا ہوں اور نہ نیچے آتا ہوں۔ یہ کشاکش اس بنا پر تھی کیونکہ میں ویرا ہمشائر کا سامنا کرنے والا تھا۔ اس نادیدہ ہستی نے کہا تھا دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک پارک ہے اور ویرا تمہیں اس پارک میں مل سکتی ہے۔ پارک موجود تھا۔ لہٰذا ویرا کے موجود نہ ہونے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ ویرا..... ویرا ہمشائر، پرشکوہ، پرتمکنت، خوابوں کی طرح پُراسرار حقیقتوں کی طرح ناقابل تردید لیکن سوال یہ ہے کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔ ویرا ہمشائر سے کیوں ملنا چاہتا ہوں۔ اس سے کیا باتیں کروں گا۔ اس سوال کا میرے ذہن میں کوئی جواب نہیں تھا پھر میں نے سوچا کہ اس سوال سے زیادہ اہم بات یہ ہے ویرا یہاں موجود ہے یا نہیں۔ اگر موجود ہے تو گویا اس نادیدہ ہستی کا دعویٰ درست ہے اور ویرا واقعی لندن سے قاہرہ آ چکی ہے مگر کب اور کیوں؟ اور پھر ایمن سوسائٹی میں اس کا ذکر کیوں نہیں ہوا۔ کیا باربرا اور لارڈ رے وغیرہ کو ویرا کی قاہرہ میں آمد کا علم نہیں ہے؟ ویرا قاہرہ میں موجود تھی تو الاہرام میں کیوں نہیں آئی۔ وہ ایمن سوسائٹی کی ممبر ہوتے ہوئے بھی دور دور رہتی ہے۔ اہم میٹنگوں میں بھی شریک نہیں ہوئی آخر کیوں؟ میں اپنی سوچوں میں ڈوبا ہوا پارک کے مغربی حصے میں پہنچ گیا پھر میں نے پیڈی سے کہا کہ وہ کسی جگہ بیٹھ جائے اور میرا انتظار کرے۔ میں کچھ دیر تنہا چہل قدمی کرنا چاہتا ہوں۔ پیڈی کے رویے سے پتا چلتا تھا کہ اسے یہ بات پسند نہیں آئی ہے۔ تاہم جب میں نے اسے اطمینان دلایا کہ وہ مجھ پر اعتماد کر سکتا ہے تو اس نے تعرض نہیں کیا اور ایک بینچ پر بیٹھ گیا۔ میں دور و یہ کیاریوں میں کھلے ہوئے خوشنما اور خوش رنگ پھولوں کو دیکھتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

تقریباً دس قدم چل کر دائیں جانب گھوما اور تب میں نے دیکھا کہ وہ موجود تھی۔ ایک بینچ پر تنہا بیٹھی تھی۔ اس کے آس پاس کیاریوں میں پھول ہی پھول کھل رہے تھے اور ان پھولوں کے درمیان وہ خود بھی ایک شاداب

پھول کی طرح نظر آ رہی تھی۔ اس نے ہلکا نارنجی لباس پہن رکھا تھا جو اپنی تراش خراش کی بنا پر خاصا غیر معمولی سا لگ رہا تھا۔ اس کے سنہرے بال شانوں پر آوارہ تھے۔ میں ٹھٹک کر رہ گیا اور چپ چاپ اسے دیکھتا رہا وہ بھی مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ خوبصورت اور پر معنی، نہ جانے کیوں ایسا لگا جیسے وہ میری ہی منتظر جیسے اسے معلوم تھا کہ میں آنے والا ہوں۔ کیونکہ اس کے بشرے سے کسی تعجب کا اظہار نہیں ہوا تھا۔ کم از کم میں نے ایسا ہی محسوس کیا۔ مجھے اپنے حواس بحال کرنے اور دل کی دھڑ دھڑاہٹ کو اعتدال پر لانے میں چند منٹ لگ گئے پھر میں نے اس کی مترنم آواز سنی۔

''ہیلو۔ ہیلو۔'' میں نے آہستہ سے کہا اور پھر اس خوشبو کو محسوس کیا۔ جو اس کے مرمریں بدن سے اڑ کر مجھ تک پہنچ رہی تھی۔ یہ خوشبو بھینی بھینی اور بے حد روح پرور مگر بڑی منفرد تھی۔ آج کی تمام خوشبوؤں سے بالکل الگ۔ ویرا کے علاوہ میں نے کہیں اور اس خوشبو کو محسوس نہیں کیا تھا۔

قدرے توقف کے بعد اس نے مجھے بینچ پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ مجھے یہاں دیکھ کر متعجب ہوئے..... ہے نا.....''

''ہاں مجھے واقعی حیرت ہوئی۔'' میں نے ایمانداری سے کہا اور آگے بڑھ کر بینچ پر اس کے قریب بیٹھ گیا مگر اس طرح کہ ہم دونوں کے درمیان کم از کم دو فٹ کا فاصلہ تھا پھر میں نے بات آگے بڑھائی۔ ''آپ تو لندن میں تھیں، نہیں بلکہ ونڈسر میں تھیں، یہاں کب آئیں؟''

اس کے یاقوتی لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''پچھلی ہفتے آئی ہوں۔''

پچھلے ہفتے یعنی تقریباً اس وقت جب ہم لوگ آئے تھے۔ میں نے سوچا پھر جیب میں ہاتھ ڈالا ہر چند کہ میرے حواس بحال ہو چکے تھے۔ تاہم بے چینی کسی حد تک اب بھی باقی تھی۔ جیب میں ہاتھ اس لیے ڈالا تھا تاکہ سگریٹ نکالوں مگر یکا یک یاد آ گیا کہ ویرا کو سگریٹ کا دھواں پسند نہیں۔ چنانچہ سگریٹ پینے کا ارادہ ترک کر دیا اور ویرا کی بات سننے لگا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

''عجیب اتفاق ہے میں یہاں پارک میں ذرا ہوا خوری کے لیے آئی تھی۔ گمان بھی نہیں تھا کہ آپ سے ملاقات ہو جائے گی۔''

میں نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ کیونکہ ویرا سچ نہیں کہہ رہی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ واقعی ہوا خوری کے لیے آئی ہو مگر قاہرہ میں اس کی موجودگی اتفاقیہ نہیں تھی وہ نہ صرف لارڈ رے اور باربرا سے واقف تھی بلکہ ایمن سوسائٹی کی ممبر بھی تھی۔ اسے یقیناً معلوم تھا کہ ہم لوگ الاہرام میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور عین ممکن تھا کہ وہ باربرا اور لارڈ رے وغیرہ سے مل بھی چکی ہو۔ میں کچھ دیر سوچتا رہا لیکن سمجھ میں نہ آیا کہ کیا باتیں کروں۔ اگرچہ میں چاہتا تھا کہ اس سے پوچھوں کہ اگر وہ باربرا سے واقف تھی۔ تو..... میری موجودگی میں اس سے عدم شناسائی کا اظہار کیوں کیا تھا۔ نیز یہ کہ وہ جشن ایمن میں کیوں نہیں آئی تھی وغیرہ وغیرہ لیکن مناسب نہ معلوم ہوا۔ یقین تھا کہ اس کے جواب مجھے مطمئن نہ کر سکیں مگر کچھ نہ کچھ کہنا تو تھا ہی میں نے ذرا ٹھہر کر پوچھا۔

''کیا یہاں قاہرہ میں بھی آپ کا مکان ہے۔''

''ہاں۔'' اس نے مسکرا کر کہا ''یہاں بھی میرا ایک مکان ہے۔''

''آپ کو قاہرہ پسند ہے؟''

ویرا نے مجھے دیکھا اس کے یاقوتی لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ ''مجھے مصر بہت پسند ہے۔ میں دنیا کے اکثر ملکوں میں جاتی ہوں لیکن کہیں بھی جی نہیں لگتا۔ ہر دم یہ ملک یاد آتا ہے۔'' اس کی آواز رفتہ رفتہ جذباتی ہوتی گئی۔ چہرہ اوپر اٹھ گیا اور نگاہیں خلا میں جم گئیں۔ ''یہاں کی آبادیاں، گاؤں، شہر، نخلستان اور راہگزار ہر پل یاد آتے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے مجھے آوازیں دے رہے ہوں۔ چنانچہ میں مصر واپس آ جاتی ہوں ۔ صدیوں سے یہ فضا اور مناظر میری روح میں رچے بسے ہوئے ہیں۔ یہاں کے ذرے ذرے کو میں صدیوں سے جانتی ہوں۔ یہ ملک، یہاں کی فضا میں سانس لے رہی ہوں۔ اس کا ماضی اور اس کا حال میری ذات کی تکمیل اور میرا تعارف ہے۔ مصر کے بغیر میں کچھ نہیں ہوں اور پھر وہ معاً رک گئی اور گردن اوپر اٹھائے، اک حالتِ استغراق میں چند ثانیے آسمان کی نیلگوں وسعتوں کو گھورتی رہی پھر کچھ اس طرح جیسے کہیں بہت دور سے بول رہی ہو، اس نے مزید کہا ''اور..... اور جو سچ پوچھو تو مصر نے مجھے صدیوں کی زندگی عطا کی ہے۔''

''آپ کو واقعی مصر سے بڑا لگاؤ ہے۔'' میں نے کہا۔

اس نے ایک جھٹکے سے گردن موڑی اور میرے چہرے پر نگاہیں جما کر مسکرائی ''مصر میری جان ہے۔''

اس کے لب و لہجے سے جس جذبے کا اظہار ہو رہا تھا۔ اسے محسوس کرنا میرے لیے مشکل نہ تھا۔ میں نے یکا یک ہولے سے سانس لی۔ ٹھیک کہتی ہو ویرا ہمپشائر، تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں بھی اپنے وطن کی مٹی کے لیے کچھ ایسی ہی کشش و محسوس کرتا ہوں۔ فرق صرف یہ ہے کہ جب بھی تمہارا جی چاہتا ہے تم مصر آ جاتی ہو لیکن میں کچھ اس طرح بے وطن ہوا ہوں کہ اب شاید کبھی واپس نہ جا سکوں گا کیونکہ یہ اختیار اور ارادے کی بات ہے۔ تم اپنے ارادوں میں خود مختار ہو، میں نہیں ہوں مگر یہ سب کچھ میں نے زبان سے نہیں کہا۔ دل ہی دل میں سوچتا رہا پھر میں نے بائیں طرف دیکھا یونہی، بغیر کسی خیال یا ارادے کے پیڈی سامنے والی روش سے گزر رہا تھا۔ ہر چند کہ اس کا انداز ٹہلنے کا سا تھا مگر درحقیقت وہ مجھے دیکھ رہا تھا۔ شاید اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ میں موجود ہوں مجھے متوجہ پا کر وہ دوسری طرف دیکھنے لگا اور لاپرواہی کے ساتھ چلتا ہوا آگے جا کر دوسری طرف مڑ گیا۔

کچھ دیر کے سکوت کے بعد ویرا نے کہا ''کیا آپ یہاں کہیں قریب ہی میں مقیم ہیں.....؟''

''ہاں۔'' میں نے جواب دیا ''یہاں سے تھوڑی دور ایک عمارت الاہرام ہے۔ میں اس میں مقیم ہوں۔''

''یہ پارک تفریح کے لیے اچھی جگہ ہے۔'' اس نے مزید کہا ''شاید آپ بھی چہل قدمی کے لیے آئے تھے۔''

میں ہولے سے مسکرایا۔ وہ کتنی سادگی کے ساتھ جان بوجھ کر انجان بن رہی تھی۔ بے شک اس کے دانست میں، میں پارک میں چہل قدمی کے لیے آیا مگر میری قاہرہ آمد اور الاہرام میں قیام سے وہ بلاشبہ واقف تھی پھر بھی لاعلمی کا اظہار کر رہی تھی۔ میں نے دزیدہ نظروں سے اس کے تابناک چہرے کو دیکھا اور پھر یکا یک کچھ سوچ کر کہا۔ ''ہاں، یہ پارک بلاشبہ بہت خوبصورت ہے مگر میں یہاں چہل قدمی کے لیے نہیں آیا تھا۔''

''پھر۔'' اس نے استفہامیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔

''دراصل میں آپ سے ملنے آیا تھا۔''

''مجھ سے ملنے!'' اس نے حیرت سے کہا ''مگر آپ کو میرے یہاں ہونے کا علم کیسے ہوا؟''

''مجھے علم نہیں تھا۔'' میں نے بہت دھیان سے اس کے بشرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا ''اس کے باوجود مجھے یہ احساس تھا کہ آپ یہاں موجود ہوں گی۔ یہ احساس کس بنا پر تھا۔ یہ مجھے خود نہیں معلوم۔ آپ چاہیں تو اسے میری چھٹی حس کہہ سکتی ہیں۔ مجھے خود بخود یقین ہو گیا تھا کہ آپ یہاں اس وقت موجود ہوں گی۔''

''یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔''

''ہاں ہے۔'' میں نے مسکرا کر کہا ''آپ کو شاید یقین نہیں آئے لیکن یہ سچ ہے۔ مجھے کبھی کبھی کچھ باتوں کا علم ہو جاتا ہے، اس کی حیرت فطری نہیں ہے بلکہ وہ قصداً خود کو حیرت زدہ ظاہر کر رہی ہے۔ شاید اسے میری باتوں کا یقین نہیں آیا تھا یا ممکن ہے کوئی اور وجہ ہو۔ میں نے بھی یہ جھوٹ جان بوجھ کر بولا تھا۔ صرف دیکھنے کے لیے اس کا ردعمل کیا ہوتا ہے۔ اسے اس نادیدہ ہستی کے بارے میں بتانے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ جو ہر دم میرے ساتھ رہتی تھی اور جس نے اس کے پارک میں موجود ہونے کی اطلاع دی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ اس نادیدہ ہستی کے وجود پر اعتبار نہ کرتی۔ کچھ دیر کے توقف کے بعد اس نے کہا۔

''یہ واقعی تعجب کی بات ہے۔ عموماً انسانوں کی چھٹی حس اتنی تیز نہیں ہوتی۔''

اسی وقت میں نے پیڈی کو دوبارہ دیکھا۔ وہ ٹہلتا ہوا واپس آ رہا تھا۔ پہلے کی طرح اس بار بھی وہ کن انکھیوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے یکا یک گھڑی پر نظر ڈالی اور پھر ویرا سے کہا۔

''اچھا اب میں چلوں گا۔ کافی وقت ہو گیا ہے۔''

ویرا نے شب بخیر کہا اور توقع ظاہر کی کہ جلد ہی پھر ہماری ملاقات ہو گی۔ میں پیڈی کے پاس آیا اور ہم دونوں گیٹ کی جانب چل پڑے۔ جب ہم گرد آلود سڑک پر الاہرام کی طرف چل رہے تھے تو پیڈی نے یکا یک کہا۔

''ماسٹر کافی دیر ہو گئی ہے۔ باربرا ناراض ہو گی۔ آپ نے ایک گھنٹے میں واپس ہونے کے لیے کہا تھا۔''

''باربرا ناراض نہیں ہو گی۔'' میں نے اسے اطمینان دلایا ''دراصل اس عورت سے باتیں کرنے میں وقت کا دھیان ہی نہ رہا تھا۔''

''کس عورت سے باتیں کرنے میں؟'' پیڈی نے چونک کر پوچھا۔

''وہی جو بینچ پر میرے ساتھ بیٹھی تھی۔''

''آپ کے ساتھ بینچ پر کوئی عورت بیٹھی تھی؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں، ہاں۔ تم نے دیکھا ہو گا۔''

''مگر..... مگر۔'' پیڈی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ وہ کچھ ایسی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ جیسے یہ طے کرنے کی کوشش کر رہا ہو کہ میں نے جو کچھ کہا ہے، وہ سنجیدگی سے کہا ہے یا مذاق میں پھر شاید وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکا اور خاموش ہو کر سگریٹ جلانے لگا۔

☆☆☆

رفتہ رفتہ پیڈی سے میرا ربط و ضبط بڑھنے لگا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اسٹار کی، گومز اور دوسرے افراد

پیڈی کی راہ ورسم زیادہ نہیں تھی یا پھر ممکن ہے کہ اسے باربرا اور لارڈرے وغیرہ نے بطور خاص پابند کیا ہو کہ وہ زیادہ وقت میرے ساتھ گزارے۔ چنانچہ اسے جب بھی موقع ملتا وہ میرے پاس آ جاتا۔ وہ ایک شوخ اور زندہ دل آدمی تھا۔ ایک ایسا آدمی جو کسی بھی پریشانی سے دل برداشتہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر مسئلے کو ہنسی میں اڑا دیتا ہے۔ ایسے لوگ زندگی کے بارے میں بڑے بڑے منصوبے نہیں بناتے بلکہ چند مخصوص اور محدود خواہشوں پر اکتفا کر لیتے ہیں۔ یہ پیڈی بلا کا پھرتیلا اور نڈر بھی تھا۔ اس کی زندگی میں نہ کوئی مسئلہ تھا نہ کوئی الجھن۔ اس نے شادی نہیں کی تھی۔ نہ ہی کرنے کا کوئی ارادہ رکھتا تھا۔ اسی طرح اس نے کبھی کسی سے کسی قسم کی محبت بھی نہیں کی تھی۔ اس بار اس نے مجھ سے کہا تھا۔

''ماسٹر! عورت اور مرد کا ساتھ ضرورت کا ہے، لہٰذا اس میں محبت کا دخل نہیں ہونا چاہیے۔''

''مگر تم محبت کے وجود سے تو انکار نہیں کر سکتے۔''

''بے شک، محبت کا ہونا از بس کہ ضروری ہے۔'' اس نے کہا ''لیکن آپ محبت انسانوں سے کیجیے۔ دوستوں اور پڑوسیوں سے کیجیے۔ ایٹم کی طرح محبت کو بھی بہتر مقاصد کے لیے استعمال ہونا چاہیے۔ نہیں کہ ایک عورت کے چکر میں پڑ کر پاگل بن جائیں یہ بڑی مضحکہ خیز بات ہے۔''

''مگر.....''

''میں جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے متفق نہیں ہوں گے۔'' پیڈی نے مزید کہا تھا ''لیکن میں آپ سے اس کے لیے اصرار بھی نہیں کروں گا۔ آپ کا خیال آپ کا اپنا ہے۔ میرا نظریہ میرا ہے اور میں سمجھتا ہو کہ عورت کی محبت بہت سی خرابیوں کا باعث بنتی ہے۔ مثال کے طور پر ایڈورڈ ہشتم کو ہی لے لیجیے۔ انگلستان کا بادشاہ تھا لیکن مسز سمپسن کے چکر میں پڑ کر نہ صرف تاج وتخت سے محروم ہوا بلکہ اسے جلاوطن بھی ہونا پڑا۔ اگر وہ انگلستان کا بادشاہ رہتا تو انسانوں کی کتنی خدمت کر سکتا تھا مگر ایک عورت نے اسے کہیں کا نہ رکھا۔ کیا یہ قابلِ افسوس بات نہیں ہے؟''

پیڈی کے نقطہ نظر سے یہ واقعی افسوس ناک بات تھی مگر اس کا ایک اور پہلو بھی تھا اور وہ یہ کہ بڑے جذبے اور جرات کی بات ہے کہ آپ عشق کی سربلندی کے لیے اتنی بڑی قربانی دے سکیں۔ بھلا اس دنیا میں کتنے لوگ ایسے ہوئے ہیں کہ محبت کریں اور رسم وفا اس طرح نبھائیں کہ تاج وتخت کو ٹھوکر لگا دیں مگر چونکہ پیڈی اپنی مخصوص افتادِ طبع کے باعث اس رمز کو نہیں سمجھ سکتا تھا لہٰذا میں نے اس سے اس موضوع پر کبھی زیادہ گفتگو نہیں کی۔

پیڈی بہت باتونی بھی تھا اور اس کے پاس گفتگو کے لیے ان گنت موضوعات بھی تھے۔ اس کی معلومات کا دائرہ کار بھی بہت وسیع تھا۔ محبت اور عورت سے لے کر سیاست، ادب، فلم، سائنس، تاریخ اور جغرافیہ تک ہر موضوع پر باتیں کر سکتا تھا لیکن اس کے پسندیدہ موضوع صرف تین تھے۔ عورت، گھڑ دوڑ اور تاریخ۔ خاص طور پر مصر کی چار پانچ ہزار سالہ تاریخ پر اس کی معلومات حیرت انگیز تھیں۔ وہ نہ صرف یہ بتا سکتا تھا کہ مختلف فراعین مصر کا سن پیدائش کیا ہے بلکہ یہ بھی بتا سکتا تھا کہ ان کے اہرام کی تعمیر میں کتنے دن لگے تھے۔ کس فرعون کی کتنی بیویاں تھیں اور کون سا فرعون کون سی بیماری میں مبتلا تھا۔ ایک بار میں نے اس سے پوچھا کہ اسے مصر کی تاریخ سے اتنی دلچسپی کیوں ہے۔ جواب میں اس نے بتایا کہ اسے صرف مصر کی تاریخ سے دلچسپی نہیں ہے، پورے ایشیا

اور مڈل ایسٹ کی تاریخ سے بھی دلچسپی ہے کیونکہ اس خطۂ زمین کی تاریخ پراسرار اور سنسنی خیز واقعات سے بھری پڑی ہے اور اسے مجموعی طور پر پراسرار واقعات سے بڑی دلچسپی ہے۔

ایسی ہی ایک رات تھی جب اس نے مجھ سے کہا ''ماسٹر! آپ کو عورتوں سے دلچسپی ہے۔''

''ابے ڈفر۔'' میں نے چڑ کر کہا ''عورتوں سے بھلا کسے دلچسپی نہیں ہوتی۔''

''بہت سے لوگوں کو نہیں ہوتی۔'' پیڈی ہنستے ہوئے بولا ''مثلاً میرے بڑے چچا کو عورتوں سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ انہوں نے عمر بھر شادی نہیں کی۔ ایک مکان میں تنہا رہتے تھے اور کسی بھی حال میں کسی عورت کا وجود اپنے مکان میں برداشت نہیں کرتے تھے۔ ایک بار ایک بہت دولت مند عورت ان پر عاشق ہوگئی..... وہ کوئی چالیس بیالیس سال کی تھی۔ اگر چہ چچا اس سے شادی کر لیتے تو لاکھوں پونڈ کے مالک بن جاتے مگر انہوں نے گوارا نہ کیا اور اس عورت سے شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔''

''گویا وہ بھی بالکل تمہاری طرح تھے۔'' میں نے پوچھا۔

''نہیں، بالکل میری طرح نہیں تھے۔'' پیڈی نے وضاحتی انداز میں کہا۔ ''میں شادی اور محبت کے چکر میں نہیں پڑتا لیکن عورتوں کو پسند کرتا ہوں۔ عورت کے بغیر زندگی گزارنا میرے لیے بہت مشکل ہے جبکہ چچا کا معاملہ قطعی برعکس تھا۔ وہ عورتوں کے وجود سے بھی دور بھاگتے تھے۔''

''شاید تم ایمن سوسائٹی میں بھی عورتوں ہی کی وجہ سے شامل ہوئے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

پیڈی یکا یک جھینپتے ہوئے انداز میں زور زور سے ہنسنے لگا۔

میں صوفے پر ذرا پھیل کر آرام سے نیم دراز ہو گیا۔ میرے کمرے میں ہلکی نیلی روشنی پھیلی ہوتی تھی اور کمرے کے باہر ہر سو اندھیرا کا راج رہا تھا۔ مصر کی الف لیلوی رات ریگستانوں اور آبادیوں پر اپنا آنچل پھیلا چکی تھی۔ ہر چند کہ وقت زیادہ نہیں ہوا تھا مگر اتنی رات بہر حال جا چکی تھی کہ بیشتر افراد اپنے اپنے کمروں میں سو چکے تھے۔ صرف ہم دونوں جاگ رہے تھے۔ پچھلے کئی ان سے یہ معمول بن گیا تھا کہ رات ہوتے ہی پیڈی میری کمرے میں آ جاتا پھر وہسکی یا برانڈی کی بوتل کھل جاتی۔ جام چلنے لگے اور میں پیڈی کی لن ترانیوں کو برداشت کرتا رہتا۔ میں خود کم بولتا تھا۔ پیڈی کو زیادہ سنتا تھا۔ اس سے میرا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ شاید پیڈی کسی وقت نشے میں کوئی ایسی بات کہہ جائے..... جو میرے لیے نئی اور مفید ثابت ہو۔ اس کے علاوہ پیڈی کے متعلق یہ جاننے کا موقع بھی مل سکتا تھا وہ ایمن سوسائٹی کے بارے میں کیا خیالات رکھتا ہے مگر تین چار راتیں یوں ہی گزر گئی تھی، نہ مجھے کوئی بات معلوم ہوئی تھی اور نہ پیڈی کے خیالات کا کوئی اندازہ ہوا تھا۔ ریفا اور ٹیا کی طرح وہ بھی دل و جان سے ایمن سوسائٹی کا معترف اور معتقد تھا۔

وہ کچھ دیر تک ہنستا رہا پھر بے تکلفی سے بولا ''عورتوں کے لیے اگر جنگیں لڑی جا سکتی ہیں تو کیا میں اتنا بھی نہیں کر سکتا۔''

''گویا سوسائٹی نے تمہیں وہ سب کچھ مہیا کر دیا ہے۔'' میں نے کہا ''جس کی تمہیں آرزو تھی۔''

''ہاں۔''

''تمہارا ایمن سوسائٹی کے بارے میں خیال ہے؟''

''آپ میری ذاتی رائے جاننا چاہتے ہیں؟''

''ہاں۔''

پیڈی نے گھوم کر دروازے کی جانب دیکھا پھر آواز کو ذرا دبا کر بولا ''میرے لیے ایمن سوسائٹی جنت سے کم نہیں۔ سوسائٹی کا ممبر بننے کے بعد مجھے ہر طرح کا عیش حاصل ہوا۔ مجھے وہ سب کچھ مل گیا بصورتِ دیگر ہرگز نہ ملتا۔ ماسٹر آپ ایک بار میرے گھر آئے تھے ..... وہاں آپ نے دیکھا ہوگا کہ کمروں میں ہر طرف عورتوں اور گھوڑوں کی تصویریں تھیں کیونکہ یہی میرے دو سب سے بڑے شوق ہیں۔ وہ تصویریں فرضی نہیں ہیں۔ بلکہ وہ عورتیں کبھی میری زندگی میں تھیں۔ اسی طرح گھوڑوں کی تصویریں بھی حقیقی ہیں۔ وہ سب کے سب انگلستان کے مشہور گھوڑے ہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ جاکی بنوں گا تو دولت و شہرت حاصل ہوگی اور یورپ میں یہ دونوں چیزیں اپنے ساتھ عورتوں کی فوج لے کر آتی ہیں لیکن میں بطور جاکی کامیاب نہیں ہوا۔ نتیجے میں میرے خواب بھی پورے نہیں ہوئے۔''

''اور پھر تم ایمن سوسائٹی میں شامل ہوگئے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں۔''

''مگر سوسائٹی میں تو اتنی زیادہ عورتیں نہیں ہیں۔'' میں نے اعتراض کیا ''صرف چند عورتیں ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ صرف چند عورتوں پر اکتفا کرنا تمہارے مزاج کے خلاف ہے۔''

پیڈی معنی خیز انداز میں ہنس پڑا ''ماسٹر آپ نہیں جانتے۔'' اس نے اپنے گلاس میں مزید وہسکی انڈیلتے ہوئے کہا ''آپ کی حیثیت ایک بادشاہ جیسی ہے۔ جس طرح ایک بادشاہ کو اپنی رعایا اور اپنی مملکت کے بارے میں ہر بات کا ٹھیک ٹھاک علم نہیں ہوتا، اسی طرح آپ کو ایمن سوسائٹی کے متعلق کل باتوں کا علم نہیں۔ درحقیقت ایمن سوسائٹی کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ انگلستان کے چھ شہروں میں سوسائٹی کی شاخیں ہیں۔ اس کے علاوہ پیرس، فرینکفرٹ، ویانا، اسٹاک ہوم، ایمسٹرڈیم، روم اور قاہرہ میں بھی شاخیں ہیں۔ سوسائٹی کے ممبروں کی تعداد آپ کے علم و اطلاع سے بہت زیادہ ہے۔ لندن اور ونڈسر میں آپ صرف چند ممبروں سے ملے تھے۔ دوسرے بے شمار ممبروں کے بارے میں آپ کو کوئی علم نہیں حتیٰ کہ آپ نے ایمن ٹمپل بھی نہیں دیکھا جو سوہو میں ہے۔''

''ایمن ٹمپل؟'' میں نے چونک کر پوچھا ''یہ کیا بلا ہے؟''

''یہ بلا نہیں ہے۔'' پیڈی نے ہنس کر کہا ''یہ ایمن سوسائٹی کے ممبروں کی عبادت گاہ ہے، جہاں ہر پندرہویں دن عبادت کی جاتی ہے اور سارے لندن اور ونڈسر کے ممبران وہاں عبادت کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ درحقیقت وہی ایک ایسی جگہ ہے جہاں آپ زیادہ تر ممبروں سے مل سکتے ہیں۔''

''وہاں کس کی پوجا کی جاتی ہے؟'' میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

''اسائرس، رے اور اخن عاتن کی پوجا کی جاتی ہے۔'' پیڈی نے بتایا۔

میں کچھ دیر سوچتا رہا پھر پوچھا ''سوال یہ ہے کہ مجھے وہاں کیوں نہیں لے جایا گیا؟''

''مجھے علم نہیں۔'' پیڈی نے سگریٹ جلائی ''شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ عام لوگوں کی عبادت گاہ ہے اور آپ کا شمار عام ممبروں میں نہیں ہوتا۔ ایمن سوسائٹی میں ممبر کئی درجوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ صرف کچھ ممبروں کو

رے پیلس اور ایمن مینشن جانے کی اجازت ملتی ہے۔ زیادہ تر ممبر صرف ایمن ٹمپل جاتے ہیں، اور انہیں سوسائٹی کی بہت سی سرگرمیوں کے متعلق کوئی اطلاع بھی نہیں دی جاتی۔''

''تم بھی ایمن ٹمپل جاتے تھے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں.....''

''عبادت کرنے یا.....'' میں نے مسکرا کر اسے غور سے دیکھا۔

پیڈی جھینپے ہوئے انداز میں ہنسنے لگا۔ ایمن سوسائٹی ایک فری سوسائٹی ہے ماسٹر تمام مروجہ اخلاقی، تہذیبی اور سماجی قدریں سوسائٹی کے ممبروں میں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ میں ٹمپل جاتا تھا مگر عبادت کے لیے نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ عورتوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے.....''

میں نے مزید کچھ نہیں کہا۔ سگریٹ جلائی اور سوچ میں ڈوب گیا۔ پیڈی مسلسل بولے جا رہا تھا۔ اپنے بارے میں اور اپنے ماں باپ کے بارے میں۔ اس کی ماں ایک بہت نیک، خدا ترس اور ایثار پسند عورت تھی۔ ہر اتوار کو باقاعدگی سے چرچ جاتی تھی اور اپنی آمدنی کا ایک حصہ بڑی پابندی سے رفاہی اداروں کو دیتی تھی لیکن اس کا باپ ایک عیاش اور آوارہ آدمی تھا وہ اپنا گھر اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر چلا گیا تھا اور پیشہ ور عورتوں کے ساتھ رہنے لگا تھا۔ پیڈی بولتا رہا لیکن میری توجہ اس کی باتوں کی طرف زیادہ نہیں تھی۔ میرا ذہن تو اس نئی اطلاع میں الجھ گیا تھا کہ ایمن سوسائٹی کی ایک عبادت گاہ بھی ہے۔ جسے ایمن ٹمپل کہتے ہیں اور یہ کہ سوسائٹی کے ممبروں کی تعداد میرے قیاس سے کہیں زیادہ ہے۔ سوال یہ ہے مجھے ایمن ٹمپل کیوں نہیں لے جایا گیا۔ نہ ہی اس کے متعلق کوئی اطلاع دی گئی۔ آخر کیوں.....؟ شاید وجہ وہی ہو کہ میرا شمار عام ممبروں میں نہیں ہوتا اس لیے مجھے وہاں لے جانا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ جب پیڈی خاموش ہوا تو میں نے پر خیال نظروں سے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''پیڈی کیا تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ طوطنخ آمن اس دنیا میں دوبارہ واپس آئے گا.....؟''

''کم از کم کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہے.....'' اس نے جواب دیا۔

''تم نے خود وہ کتابیں پڑھی ہیں.....'' اس نے کہا۔ ''ہاں مگر ان کی زبان بڑی ثقیل ہے۔ آسانی سے سمجھ میں نہیں آتی۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تم بھی یہی سمجھتے ہو کہ طوطنخ آمن پھر دنیا میں آئے گا۔''

پیڈی چند لمحے سوچتا رہا پھر اس نے کہا ''شاید یہ سچ ہو، شاید نہ ہو۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ ماسٹر آپ کو علم ہے کہ اس عجائب خانہ روزگار میں بہت سی ایسی باتیں ہوتی ہیں جو انسانی فہم سے بالاتر ہیں۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ طوطنخ آمن بھی واپس آ ہی جائے اور اگر ایسا ہوا تو مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ میں تو پہلے ہی سے اس کے عقیدت مندوں کے گروہ میں شامل ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ زور زور سے ہنسنے لگا۔

میں نے چندے توقف کے بعد کہا ''تمہارے خیال میں مجھے کیوں اس سوسائٹی میں شامل کیا گیا ہے.....؟''

پیڈی نے فوراً ہی کچھ نہیں کہا۔ اس نے چند ساعت تک بہت گہری نظروں سے مجھے دیکھا۔ گویا چہرے

سے میری اندرونی کیفیت کو جاننے کی کوشش کر رہا ہو پھر اس نے ٹھوس اور ٹھہری ہوئی آواز میں کہا "ماسٹر ڈاکٹر نیفا کہتا ہے کہ آپ کے جسم پر وہی نشانیاں ہیں جو عمن عونس دوئم کے جسم پر تھیں۔"

"لاحول ولاقوۃ....." میں نے دل ہی دل میں کہا۔

اس رات پیڈی کافی دیر تک میرے ساتھ رہا۔ جب وہ گیا تو ایک بجنے والا تھا۔ رات گہری ہو چکی تھی اور سناٹا ہر سو طاری تھا۔ پیڈی کے جانے کے بعد بھی میں کچھ دیر تک بیٹھا رہا اور پیڈی سے ہونے والی گفتگو پر غور کرتا رہا۔ خصوصاً اس کا آخری جملہ میرے ذہن میں مسلسل گردش کر رہا تھا۔ "تمہارے جسم پر بھی وہی نشانیاں ہیں جو عمن عونس دوئم کے جسم پر تھیں۔" اس جملے کے مفہوم اور پس منظر میں کسی حد تک سمجھ سکتا تھا مگر صرف کسی حد تک کیونکہ مجھے لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا کے آئندہ پروگرام کا تفصیلی علم نہیں تھا۔ ایک طرف ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ طوطنخ آمن اس دنیا میں دوبارہ واپس آئے گا۔ دوسری طرف میرے جسم پر وہ علامتیں موجود تھیں جو عمن عونس دوئم کے جسم پر تھیں اور تیسری طرف ٹیا کا کہنا تھا کہ ساڑھے تین ہزار سال پہلے وہی عمن عونس دوئم کی ملکہ تھی۔ یہ تینوں ایک ہی تصویر کے ٹکڑے تھے اور میں کافی حد تک اندازہ لگا سکتا تھا کہ یہ ٹکڑے تصویر میں کس طرح فٹ ہوں گے مگر مجموعی طور پر مجھے پیڈی کی گفتگو سے مایوسی ہی ہوئی تھی۔ دو ایک نئی باتیں معلوم ضرور ہوئی تھیں مگر وہ میرے کام کی نہ تھیں۔ دوئم یہ کہ وہ بھی میرے مطلب کا آدمی نہ تھا۔ ایمن سوسائٹی نے اسے وہ سب کچھ دیا تھا جو عام حالات میں اسے ہرگز نہ ملتا۔ لہٰذا یہ قرین قیاس نہ تھا کہ وہ سوسائٹی کے خلاف میرا ساتھ دے گا۔

میں نے وہسکی کا آخری گھونٹ حلق میں انڈیلا پھر سگریٹ بجھائی اور اٹھ کر کپڑے تبدیل کیے۔ سونے کا لباس پہن کر میں نے بتی بجھا کر ٹیبل لیمپ جلا دیا۔ کمرے میں مدھم روشنی پھیل گئی اور یہ اسی وقت کی بات ہے کہ میرے کانوں میں ایک آواز آئی، ایسا لگا جیسے کوئی دروازہ بند ہوا ہے۔ مجھے کسی نامعلوم احساس کی بنا پر تجسس ہوا۔ اتنی رات جا چکی ہے۔ آخر کون ہو سکتا ہے۔ پیڈی کا کمرا تو نچلی منزل پر ہے اور اسے دیر ہو چکی ہے۔ میں متجسس انداز میں چلتا ہوا کھڑکی تک گیا اور پردہ ہٹا کر درمیانی راہداری میں جھانکا۔ میرے کمرے کے مقابل لارڈرے کا کمرا تھا اور اس کی بجلی روشن تھی۔ مجھے کھڑکی کے پردے پر ایک سایہ نظر آیا جو ہولے ہولے چلتا ہوا دائیں سے بائیں گیا تھا۔ اگر وہ سایہ لارڈرے کے بھاری بھرکم اور گول مٹول جسم کا ہوتا تو کوئی بات نہ تھی۔ میں مطمئن ہو کر سو جاتا مگر وہ سایہ ایک عورت کا تھا۔

فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگی۔ تجسس نے اکسایا۔ کم از کم دیکھنا تو چاہیے کون ہے؟ میں نے چپکے سے دروازے کھولا اور باہر نکل آیا۔ آس پاس کے کمرے اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ میں دبے قدموں سے چلتا ہوا لارڈرے کے کمرے تک گیا۔ کھڑکی کے پردوں کے درمیان اتنی درز تھی کہ میں اندر دیکھ سکتا تھا۔ ٹھنڈے شیشے سے پیشانی ٹکا کر اندر جھانکا تو سب سے پہلے نگاہ لارڈرے پر پڑی۔ وہ سفید چرمی صوفے پر دائیں طرف بیٹھا تھا۔ بائیں جانب والے صوفے پر بار برا بیٹھی تھی اور وہ گویا بار برا ہی تھی جس کا سایہ میں نے پردے پر دیکھا تھا۔ ان دونوں کے درمیان تیسرے صوفے پر جو ہستی فروکش تھی۔ وہ نہ تو ڈاکٹر نیفا تھا، نہ کارن اور نہ ٹیا یا روز آلبہ یا ریفا۔ بلکہ وہ ویرا تھی..... ویرا ہمپشائر.....!

میں یکا یک اس طرح ساکت ہو کر رہ گیا۔ جیسے میرا جسم بالکل بے جان ہو گیا ہو۔

ویرا نے سفید فراک پہن رکھا تھا۔ پیروں میں سنہری چپلیں تھیں اور گلے میں ننھے ننھے سفید موتیوں کا ایک ہار پڑا تھا۔ دائیں ہاتھ کی شفاف کلائی میں ایک بریسلیٹ نظر آ رہا تھا۔ جس میں جڑے ہوئے ان گنت موتی دور سے بھی صاف دکھائی دے رہے تھے۔ وہ حسب معمول دلکش اور طرح دھار دکھائی دے رہی تھی۔ یہ یقیناً اس کی شخصیت کا بانکپن تھا کہ وہ ہر لباس میں اور ہر سجاوٹ میں شہزادیوں کی طرح باوقار اور تمکنت لگتی تھی۔ میں چپ چاپ اور دم بخود کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ کچھ اس طرح گویا مجھے شبہ ہوا کہ وہ ویرا نہیں ہے مگر وہ ویرا ہی تھی اور یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے اسے لارڈرے اور باربرا کے ساتھ دیکھا تھا اور وہ بھی آدھی رات کے بعد لارڈرے کے کمرے میں۔ وہ کب عمارت میں آئی تھی اور کیسے آئی تھی۔ یہ مجھے علم نہ تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ دس بجے تک میں نچلی منزل میں تھا اور ڈرائنگ روم میں منیجر کارسن کے ساتھ شطرنج کھیلتا رہا تھا۔ وہاں اس وقت روز آلبہ، باربرا، اسٹارکی اور ڈاکٹر نیفا بھی موجود تھے۔ اس وقت تک ویرا نہیں آئی تھی۔ نہ ہی اس کا کوئی ذکر ہوا تھا۔ خیر روز آلبہ یا اسٹارکی وغیرہ ویرا کا ذکر کر بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ اس سے واقف نہیں تھے مگر باربرا اور ڈاکٹر نیفا تو واقف تھے اور اگر انہیں معلوم تھا کہ ویرا آنے والی ہے تو کم از کم مجھے تو بتا سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا تھا اس کا مطلب یہ ہوا کہ ویرا ہمشائر بعد میں آئی ہوگی اور بغیر اطلاع کے آئی ہوگی۔ اگر یہ قیاس درست ہے تو پھر کسی نے اس کے لیے بیرونی گیٹ ضرور کھولا ہوگا۔ کیونکہ دس بجتے ہی بیرونی گیٹ بند کر دیا جاتا تھا۔ مجھے علم نہیں تھا کہ اس رات پہرے داری پر کون مامور تھا۔ حسن عبید، اسٹارکی یا گومز۔ کم از کم پیڈی تو نہیں تھا۔ کیونکہ وہ میرے ساتھ تھا۔ میں نے طے کیا کہ صبح اس سلسلے میں ضرور چھان بین کروں گا۔

میں پھر ویرا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ بڑے دھیان سے لارڈرے کی باتیں سن رہی تھی اور لارڈرے اپنے داہنے ہاتھ کو زور زور سے جنبش دے کر بڑے پرجوش انداز میں کچھ کہہ رہا تھا۔ ہر چند کہ میں ان کی آوازیں نہیں سن سکتا تھا۔ تاہم یہ اندازہ لگانا کچھ دشوار نہ تھا کہ وہ کسی اہم مسئلے پر گفتگو کر رہے ہیں۔ لارڈرے کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں اور ہونٹوں کے کناروں پر تھوک کا جھاگ نظر آ رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ سحر زدہ کیفیت میں ہو۔ جب وہ خاموش ہوا تو ویرا نے کچھ کہا پھر وہ دونوں باربرا کی طرف متوجہ ہو گئے باربرا بے حد جوشیلے انداز میں کچھ کہہ رہی تھی اور اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے دونوں ہاتھوں کو فضا میں بار بار حرکت دے رہی تھی۔

مجھے اس وقت بڑی مایوسی اور بے کسی محسوس ہوئی۔ کاش میں ان کی گفتگو سن سکتا۔ یہ قطعی طے تھا کہ وہ کسی اہم مسئلے پر بات چیت کر رہے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ویرا نہ آتی مگر میں ان کی آوازیں نہیں سن سکتا تھا۔ زندگی میں ایسے مواقع بہت کم آئے تھے۔ جب کہ میں اتنی بے بسی محسوس کی ہو۔ کاش میں کچھ کر سکتا۔ کسی طرح ان کی باتیں سن سکتا۔ یکا یک مجھے اس نادیدہ ہستی کا دھیان آ گیا۔ وہ جس کا کوئی نام نہیں تھا لیکن جو ہر دم میرے ساتھ رہتی تھی۔ اگر وہ میری دوست ہے تو شاید کچھ مدد کر سکے۔ شاید لارڈرے وغیرہ کی بات چیت سے مجھے آگاہ کر سکے۔ میں نے یک لخت آنکھیں بند کیں اور اسے یاد کیا۔ دھیان کی پوری شدت سے یاد کیا اور پھر اسے مخاطب کیا۔

''کیا تم میرے پاس ہو.....؟'' میں نے دل ہی دل میں کہا۔

مگر مجھے کچھ محسوس نہیں ہوا۔ کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔

میں نے پھر کہا ''اے میری نادیدہ دوست! کیا تم میرے پاس ہو۔ تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتیں.....؟''

مگر اس بار بھی کوئی جواب نہیں ملا اور نہ میرے احساس کو اس کی موجودگی کا کوئی اشارہ ملا۔

میں نے تیسری بار کوشش کی۔ اسے دل و دماغ کی پوری یکسوئی اور شدت سے یاد کیا اور آواز دی ''تم کہاں ہوں؟ میرے پاس کیوں نہیں آتیں، مجھے جواب کیوں نہیں دیتیں۔ کیا تم میرے پاس نہیں ہو؟'' مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ کوئی جواب نہیں، اس کی موجودگی کا کوئی احساس نہیں۔ یہ بڑے تعجب کی بات تھی۔ اس پراسرار ہستی نے کہا تھا کہ وہ ہر پل میرے آس پاس رہتی ہے اور یہ کہ میں جب بھی چاہوں، اس کی موجودگی کو آواز دے کر محسوس کر سکتا ہوں اور اس سے ہمکلام ہو سکتا ہوں۔ اگر یہ سچ تھا تو اس وقت کہاں تھی۔ میں اسے آوازیں دے رہا تھا لیکن وہ غائب تھی۔ آخر کیوں؟ کیا اس نے سچ نہیں کہا تھا۔ تنگ آ کر میں نے آنکھیں کھول دیں اور دوبارہ کمرے میں جھانکا۔ میں نے دیکھا ویرا ہمپشائر اب اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی اور کمرے میں ٹہل ٹہل کر کچھ کہہ رہی تھی۔ اس کے چہرے سے کسی حد تک بے چینی اور اضطراب کا اظہار ہو رہا تھا۔ جیسے کوئی بات اندر ہی اندر اسے پریشان کر رہی ہو۔ میں چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر یکایک میری سماعت سے قدموں کی چاپ ٹکرائی۔ شاید سیڑھیوں کی جانب سے کوئی آ رہا تھا۔ میں نے بہ عجلت ادھر ادھر دیکھا اور پُرلپک کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ دوسرے لمحے میں نے ڈاکٹر نیفا کو راہداری میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس نے سلیپنگ گاؤن اور سلیپر پہن رکھے تھے۔ اس کا چہرہ حسب معمول ستا ہوا اور بے روح نظر آ رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا لارڈرے کے کمرے تک آیا پھر اس نے دستک دی۔ چند سیکنڈ بعد دروازہ کھلا اور وہ اندر چلا گیا۔

اگلا دن الاہرام میں بے حد مصروفیت کا دن تھا۔

وہ بدھ کا دن تھا اور اس سے اگلے دن یعنی جمعرات کو علی الصباح ہمیں بادشاہوں کی وادی کے لیے روانہ ہو جانا تھا۔ اس بنا پر صبح سے ہی الاہرام میں مصروفیت کا آغاز ہو گیا تھا مگر میرے لیے وہ دن مصروفیت سے زیادہ حیرتوں کا دن تھا۔ اس دن میں نے انوار بے کو دیکھا، ماریا کو دیکھا اور ایک لاش دیکھی جو محض میرا فریب نظر تھا۔ یا شاید نہیں تھا۔ مجھے ٹھیک سے معلوم نہیں۔ اس دن میں صبح سویرے ہی جاگ گیا تھا۔ ہر چند کہ گزشتہ رات تقریباً چار بجے سویا تھا اور اصولاً مجھے دیر تک سونا چاہیے تھا لیکن غالباً زیادہ نشے اور رات کی الجھنوں کے باعث جلد آنکھ کھل گئی۔ جسم کا ایک ایک جوڑ پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ سر میں گویا گولے سے چھوٹ رہے تھے اور آنکھیں انگاروں کی مانند جل رہی تھیں۔ میں نے سلیپنگ سوٹ اتار کر پھینکا اور غسل خانے میں گھس گیا۔ جب جسم و جان اتنے خراب اور خستہ اور کشیدہ ہوں تو نیم گرم پانی آب حیات سے کم نہیں ہوتا۔ میرے حواس بھی بحال ہونے لگے۔ غسل کے دوران میرا ذہن مسلسل ویرا ہمپشائر میں الجھتا رہا۔ وہ رات میں کیوں آئی تھی، کب اور کیسے آئی تھی؟ کیا ڈاکٹر نیفا، لارڈرے اور باربرا کے علاوہ دوسروں کو بھی اس کی آمد کا علم ہو گا اور کیا وہ اب بھی الاہرام میں موجود ہو گی۔ یہ معلوم نہیں تھا۔ ہم لوگ اگلے دن روانہ ہونے والے تھے۔ ہو سکتا ہے وہ بھی ہمارے ساتھ جا رہی ہو۔ جب میں نہا رہا تھا تو دروازہ کھلنے کی آواز آئی پھر غسل خانے کا دروازہ کھلا اور سونیا کا چہرہ نظر آیا۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ میں ناشتا اپنے کمرے میں ہی کروں گا یا نیچے آؤں گا۔ میں نے اسے مطلع کیا کہ غسل سے فارغ

ہو کر نیچے ہی آؤں گا۔ سونیا ''آل رائٹ ماسٹر'' کہہ کر واپس چلی گئی۔

کپڑے تبدیل کر کے میں نے برانڈی کا ایک بڑا پیگ لیا اور پھر کمرے سے باہر آیا پھر میرے قدم خود بخود بار برا کے کمرے کی جانب اٹھ گئے۔ اس میں کسی ارادے کا دخل نہیں تھا اور میں یہ بھی یقین سے کہہ سکتا کہ کون سا جذبہ اس اقدام کا متحرک بنا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ میرے لاشعور میں بار برا اور ویرا کے متعلق گفتگو کرنے کی خواہش رہی ہو۔ ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا تھا اور بار برا کا اپنے کمرے میں ہونا بن قیاس تھا۔ میں نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ عموماً میں کسی کے کمرے میں جانے سے پہلے دستک نہیں دیتا تھا۔ یہ بھی لارڈ رے کا حکم تھا اس کا کہنا تھا کہ تمہیں کسی کے کمرے میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینے کی ضرورت نہیں اور بار برا کے کمرے میں جانے کے لیے تو ویسے بھی کسی تکلف کی ضرورت نہیں تھی۔

کمرے میں خاموشی تھی اور کھڑکیوں پر پردے پڑے ہونے کی بنا پر اندھیرا بھی تھا۔ میں نے بتی جلا کر گردوپیش پر نظر ڈالی۔ سامنے پلنگ تھا اور بار برا اس پر سو رہی تھی اس کے بال تکیے پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے گردن تک ایک نفیس مخمل چادر اوڑھ رکھی تھی۔ اس کا چہرہ ایسے رخ سے تھا کہ ٹھوڑی کا کچھ حصہ، بایاں رخسار اور بائیں آنکھ کا نصف حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ اسے بیدار کرنا اچھا نہ لگا۔ میں نے سوچا۔ بعد میں بات کر لوں گا۔ یہ طے کر کے میں واپسی کے لیے مڑا مگر پھر یکا یک مجھے شبہ ہوا کہ وہ بار برا نہیں ہے۔ یہ احساس کیوں ہوا۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ شاید اس بنا پر کہ وہ رخسار اور ٹھوڑی مجھے اجنبی سی محسوس ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں وہ رخسار سیاہ فام بھی نہیں تھا۔ میں یکا یک گھوما اور تیز تیز قدموں سے پلنگ تک گیا اور پھر چہرے پر نظر پڑتے ہی میرے شبہے کی تصدیق ہو گئی۔ وہ بار برا نہیں تھی۔

وہ چہرہ اجنبی تھا۔ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا مگر وہ چہرا بے حد دلکش تھا۔ بڑے تیکھے اور دلآویز نقش و نگار تھے۔ کشادہ پیشانی، بے حد ستواں ناک، ترشے ہوئے گلابی ہونٹ، پلکیں بے حد گھنی اور لمبی اور صاف محسوس ہوتا تھا کہ آنکھیں بڑی بڑی اور خوبصورت ہوں گی، رنگ ہر چند کہ قدرے سانولا تھا مگر اس میں بڑی جاذبیت اور کشش تھی اس کے سیاہ گھنے بال گھٹاؤں کی طرح تکیے پر پھیلے ہوئے تھے۔ وہ عورت بلاشبہ بہت حسین تھی اور یہ بات ایک بار پھر پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ لارڈ رے کو حسین چہروں کا انتخاب کا بہت سلیقہ تھا مگر وہ عورت کون تھی کب الاہرام میں آئی تھی؟ میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بار برا کے کمرے میں اور اس کے بستر پر سونے کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ اجنبی نہیں تھی۔ ممکن ہے وہ بھی سوسائٹی کی ممبر رہی ہو اور گزشتہ رات آئی ہو۔ میں نے محویت اور پسندیدگی کے ساتھ اس کے خوابیدہ چہرے کو دیکھا تھا۔ معاً ایک عجیب اور غیر معمولی بات نے میری توجہ کھینچ لی۔ سانس لینے سے ناک کے نتھنے ہمیشہ متحرک رہتے ہیں مگر اس کے نتھنے بالکل ساکت تھے۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کی ناک کے سامنے کیا مگر سانس کی آمد و رفت کا کوئی احساس نہیں ہوا۔ سانس لینے سے جو خفیف سی آواز پیدا ہوتی ہے، وہ بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ میں نے جلدی سے وہ چادر الٹ دی جو اس نے اوڑھ رکھی تھی پھر میری نگاہ اس کے سینے پر جم گئی۔ اس نے ایک کشادہ گلے والی نائٹی پہن رکھی تھی۔ اس کا سینہ بالکل ساکت تھا۔ حالانکہ سانس کے زیر و بم سے اسے ابھرنا اور دبنا چاہیے تھا۔ میں نے بہ عجلت اس کا ہاتھ پکڑا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو میں اس گداز ہاتھ کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا مگر وہ ایسا موقع نہیں تھا اس وقت تو میں یہ

جاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کے جسم میں زندگی کے کوئی آثار ہیں یا نہیں۔ اس کا ہاتھ بالکل سرد تھا۔ برف کی طرح ٹھنڈا اور بے جان۔ اس میں بظاہر زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے!

وہ عورت شاید مر چکی تھی۔

اگلے پانچ منٹ میں، میں نے جو کچھ کیا، وہ سب کا سب محض غیر شعوری عمل تھا۔ تو مجھے یہ علم تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں اور نہ یہ جانتا تھا کہ کیا کرنا چاہیے۔ میں نے اس کا ہاتھ کچھ اس طرح احتیاط سے رکھا گویا وہ نازک کانچ کا بنا ہوا تھا اور ذرا سی ٹھیس لگنے سے ٹوٹ سکتا تھا پھر میں گھبرا کر پیچھے ہٹا اور اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھا۔ حالانکہ وہاں پسینہ نہیں تھا پھر میں نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور سیدھا اس ٹیبل کی طرف گیا جہاں شراب کی بوتلیں رکھی تھیں۔ میں نے شاید وہسکی یا شاید برانڈی یا شاید جن کا ایک بڑا جام تیار کیا اور ایک ہی سانس میں حلق سے نیچے اتار لیا پھر میں نے اپنے تئیں صوفے پر بیٹھے ہوئے پایا۔ میرے ہاتھ سگریٹ جلانے کی کوشش کر رہے تھے اور نگاہ بدستور اس عورت پر جمی ہوئی تھی۔ وہ اس طرح ساکت و سامت پڑی تھی جیسے بے خبر سو رہی ہو۔ آخر وہ کون تھی، کب اور کیسے باربرا کے کمرے میں پہنچی؟ اور اگر وہ واقعی مر چکی تھی تو اس کی موت کا سبب کیا تھا؟ ظاہری طور پر موت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی۔ نہ ہی چہرے سے کسی قسم کی بیماری کا پتا چلتا تھا۔ درحقیقت وہ ایک صحت مند عورت تھی۔ میں صوفے پر بیٹھا پلک جھپکائے بغیر اسے گھورتا رہا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ کچھ دیر بعد میں پھر اٹھا اور دوبارہ پلنگ کے نزدیک گیا اور بہت غور سے اسے دیکھنے لگا۔ شاید مجھے غلط فہمی ہوئی ہو۔ شاید وہ زندہ ہو اور واقعی سو رہی ہو مگر اس کے نتھنے بدستور ساکت تھے اور چہرے پر زندگی کے کوئی آثار نہیں آئے تھے۔

☆☆☆

میرے حواس پوری طرح بحال ہونے میں چند منٹ اور لگے۔ پھر میں نے ایک بار اور اس کا جائزہ لیا۔ اس کے گلے میں ویسا ہی لاکٹ پڑا ہوا تھا۔ جیسے لاکٹ ایمن سوسائٹی کے سارے ممبر پہنتے تھے۔ انگوٹھی بھی موجود تھی۔ گویا وہ بھی بہر حال سوسائٹی کی ممبر تھی۔ مجھے آہستہ آہستہ ایک گہرے اور جاں سوز دکھ نے گھیرنا شروع کر دیا۔ وہ بہت حسین تھی اور حسن کا مرنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔ جس کسی بھی شکل میں ہو۔ ایک دلکش چہرہ ہو یا ایک خوشنما پھول ہو۔ ایک دلآویز جذبہ ہو یا ایک جانفزا معصومیت ہو، حسن جب بھی مرتا ہے مجھے دکھ ہوتا ہے۔ وہ بھی بہت خوبصورت تھی اور مر گئی تھی۔ مجھے اس سے ایک بے نام سی لیکن شدید ہمدردی محسوس ہوئی۔ نہ صرف اس کی دلکشی کی بنا پر، بلکہ اس بنا پر بھی کہ اس کی لاش باربرا کے کمرے میں پڑی تھی اور اگر اس موت کی وجہ فطری نہیں تھی تو یہ سوچنے کی قابل لحاظ وجوہ موجود تھیں کہ اس کی موت کی ذمہ داری ایمن سوسائٹی کے اوپر عائد ہوتی ہے۔ جس طرح انہوں نے رابن اور جوڈی کو قتل کیا تھا اسی طرح انہوں نے اس انجان دوشیزہ کو بھی ہلاک کر دیا تھا۔ میں نے ایک بار پھر اس کے جسم کو بغور جائزہ لیا مگر جوڈی اور رابن کی طرح اس کا جسم خون سے محروم نہیں تھا۔ گویا اسے قتل کرنے کا وجہ خون کا حصول نہیں بلکہ کچھ اور تھی۔

میں نے سگریٹ ایش ٹرے میں بجھائی پھر بتی بند کی اور کمرے سے باہر آیا۔ میں جلد از جل باربرا کو تلاش کرنا چاہتا تھا تا کہ اس سے اس عورت کے متعلق پوچھوں۔ وہ کون تھی اور یہ کہ اس کی موت کا سبب کیا تھا مگر جب نیچے جانے کے لیے سیڑھیاں طے کر رہا تھا تو میرے ذہن نے سوچنا شروع کیا کہ اس سلسلے میں مجھے کسی تجسس کا اظہار نہیں کرنا چاہیے بلکہ بہتر یہ ہے کہ اپنی زبان بند رکھوں اور دیکھتا رہوں۔ اگر وہ عورت واقعی مر چکی ہے تو وہ لوگ اس کی لاش کو زیادہ دیر نہیں چھپا سکتے۔ جلد ہی اس کا انکشاف ہو جائے گا اور پھر مجھے یہ جاننے کا موقع مل سکے گا کہ لارڈرے اور باربرا کے تاثرات کیا ہیں۔ نہ صرف یہی بلکہ یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ عورت کون تھی، اس کا نام کیا تھا اور یہ کہ اس کی لاش کب اور کیسے باربرا کے کمرے میں پہنچی۔

ناشتے کے لیے میں ڈرائنگ روم میں نہیں گیا بلکہ کچن میں ہی چلا گیا۔ آئرین نے مجھے ناشتا دیا مگر کھانے میں جی نہ لگا۔ اگر آپ نے ایک لاش دیکھی ہو اور وہ لاش ایک سرو قد اور حسین عورت کی ہو تو آپ کچھ کھا نہیں سکتے۔ میں نے بھی سیاہ کافی کے ایک کپ پر اکتفا کیا پھر اٹھ کر ٹہلتا ہوا برآمدے کی جانب چلا گیا۔ اگرچہ مجھے علم تھا کہ بیشتر افراد ڈرائنگ روم میں ہیں مگر ڈرائنگ روم میں جانے سے قبل میں حسن عبید سے دو چار باتیں کرنا چاہتا تھا۔

حسن عبید برآمدے میں نہیں تھا۔ البتہ چارلس پونڈ موجود تھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ جھک کر تعظیم دی پھر مؤدب لہجے میں بولا۔

''صبح بخیر ماسٹر.....''

میں نے سر کی جنبش سے جواب دے کر اسے سگریٹ کے لیے اشارہ کیا۔ جب اس نے سگریٹ جلا کر دی تو میں نے کہا۔

''گزشتہ رات یہاں نگرانی پر کوئی معمور تھا.....''

''میں ہی تھا ماسٹر.....'' اس نے مستعدی سے جواب دیا ''البتہ دو بجے کے بعد میں سونے کے لیے چلا گیا

تھا اور میری جگہ گومز آ گیا تھا.....''

میں نے چند لمحے ٹھہر کر رواداری کے انداز میں کہا ''کیا کل رات کوئی آیا تھا.....؟''

''کل رات.....نہیں تو ماسٹر..... کیوں؟''

''کچھ نہیں، بس یوں ہی پوچھا۔ میرا خیال تھا، شاید کوئی آیا ہو.....'' میں نے جان کر جھوٹ بولا ''گزشتہ رات میں نے کچھ آوازیں سنی تھیں.....'' پھر ایک لمحہ ٹھہر کر اضافہ کیا ''کیا تم سارا وقت یہیں ..... رہے تھے۔ میرا مطلب ہے کچھ دیر کے لیے کہیں گئے تو نہیں تھے.....؟''

''صرف ایک گلاس پانی اور اسپرین لینے گیا تھا.....'' بونڈ مسکرا کر بولا۔

''کیا تمہارے سر میں درد ہو رہا تھا.....؟''

''نہیں، ڈاکٹر نیفا کے سر میں درد ہو رہا تھا.....'' بونڈ نے بتایا ''وہ میرے پاس کوئی بارہ بجے رات میں آئے تھے۔ کہنے لگے، سر درد کی وجہ سے نیند نہیں آ رہی ہے۔ کچھ دیر مجھ سے کل کے سفر کے متعلق باتیں کرتے رہے پھر انہوں نے پانی اور اسپرین لانے کے لیے کہا۔ چنانچہ مجھے کچن تک جانا پڑا مگر میری غیر موجودگی میں وہ یہاں موجود رہے تھے۔ آپ نے غالباً ہم دونوں کی آوازیں سنی ہوں گی.....''

''ہاں شاید ایسا ہی ہو۔'' میں نے کہا اور گھوم کر ڈرائنگ روم کی طرف چل پڑا۔ برآمدے سے کچن تک جانے اور آنے میں کم از کم چار یا پانچ منٹ ضرور لگتے تھے اور ایک لاش کو عمارت کے اندر لانے کے لیے اتنا وقت بہت کافی تھا۔ گویا وہ لاش اگر واقعی گزشتہ رات الاہرام میں لائی گئی تھی تو اسی وقت لائی گئی ہوگی۔ ورنہ ڈاکٹر نیفا کو بونڈ سے اسپرین منگانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ خود بھی کچن میں جا سکتا تھا۔ جب وہ چارلس بونڈ کے پاس آیا تھا تو بارہ بجے کا وقت تھا اور تقریباً ایک بجے میں نے اسے لارڈرے کے کمرے میں جاتے دیکھا تھا۔ غالباً لاش اس نے پہلے نیچے کسی کمرے میں رکھی ہوگی اور پھر بعد میں ان سب نے مل کر اسے باربرا کے کمرے میں منتقل کیا ہوگا مگر کیوں؟ لاش کو الاہرام میں لانے اور باربرا کے کمرے میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ انہی سوچوں میں ڈوبا ہوا میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔

ڈرائنگ روم میں اچھا خاصا ہنگامہ برپا تھا۔ ان گنت مختلف قسم کی اشیا میزوں اور فرش پر بکھری ہوئی تھیں۔ تیار شدہ ملبوسات، ان گنت ڈبے اور شیشیاں، ایک میز پر زیورات کا انبار تھا۔ کچھ پرانے طرز کے برتن بھی تھے۔ ان کے علاوہ کینوس کے بڑے بڑے تھیلوں میں کچھ سامان رکھا تھا۔ اسٹارکی، گومز، احمد جمال، باربرا اور روز آلبہ وغیرہ سامان تھیلوں اور ہارڈ بورڈ کے ڈبوں میں رکھنے میں مصروف تھے۔ ڈاکٹر نیفا اور لارڈرے انہیں ہدایات دے رہے تھے۔ مجھے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر لارڈرے یکا یک مسکرایا اور چہک کر بولا۔

''ہیلو بھتیجے کیا حال ہے.....؟''

''میں ٹھیک ہوں، تم سناؤ چچا.....''

''ہاہاہا..... ہوہوہو.....'' لارڈرے زور زور سے ہنسا ''کچھ نہ پوچھو بھتیجے۔ میں خوش ہوں، بہت خوش ہوں۔ آخر کار سارے مرحلے طے ہو گئے۔ ہم نے سارا انتظام کر لیا ہے! یہ دیکھو.....''

''دیکھ رہا ہوں.....'' میں نے کہا ''یہ سامان تو بہت زیادہ ہے.....''

''لیکن ہمیں اس کی ضرورت تھی.....'' لارڈرے نے کہا پھر اس نے میرے چہرے کو گھورتے ہوئے پوچھا ''کیا بات ہے بھتیجے۔ تم کچھ پریشان ہو.....؟''

''نہیں.....صرف معمولی سی تھکاوٹ ہے.....'' میں نے جواب دیا۔

''وہسکی پیو.....وہسکی.....'' لارڈرے ہنسا ''وہسکی ذہنی اور جسمانی اضمحلال کو دور کرتی ہے'' پھر وہ زور سے چلایا ''اولگا، ہمارے بھتیجے کو وہسکی دو.....بڑا پیگ.....''

لیکن میں نے سر کے اشارے سے اولگا کو منع کر دیا۔

لارڈرے بہت خوش اور پرجوش نظر آ رہا تھا۔ کسی ایسے بچے کی طرح جسے اس کی پسند کے سارے کھلونے مل گئے ہوں۔ اس کا چہرہ اندرونی ہیجان کی بنا پر سرخ ہو رہا تھا۔ وہ بار بار ہاتھوں کو زور زور سے حرکت دیتا اور مختلف اشیا کو مختلف تھیلوں میں رکھنے کے لیے کہتا۔ ساتھ ہی وہ مجھ سے باتیں بھی کرتا جا رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے جملے اس کے منہ سے متواتر پھسل رہے تھے..... ''یہ فولڈنگ ٹیبل ہے، یہ گلاب دان ہے.....یہ فائر بال ہے، اس میں مقدس آگ روشن کی جائے گی اور یہ سیاہی مائل بوتلیں دیکھ رہے ہو، ان میں شراب ہے۔ تم یقین نہیں کرو گے مگر یہ شراب تین سو سال پرانی ہے اور یہ وہی مخصوص شاہانہ شراب ہے جو فراعین مصر پیا کرتے تھے..... اور.....''

''فراعین مصر پیا کرتے تھے!'' میں نے بات کاٹ کر کہا ''مگر تین چار ہزار سال پرانی شراب کا نسخہ تمہیں کہاں سے ملا ہوگا.....؟''

''بس کہانی ہے بھتیجے.....'' لارڈرے نے سیدھے ہاتھ کو زور سے حرکت دے کر کہا.....''اس زمانے کی کئی شرابوں کو کشید کرنے کے طریقے اور مطلوبہ اشیا کے نام اور مقدار کئی کتابوں میں درج ہیں۔ کتاب ارفینا میں بھی تفصیلاً ان شرابوں کا ذکر ہے اور عرب اور یورپ میں ایسے کئی دولت مند لوگ موجود ہیں جو بطور خاص اپنے لیے ان شرابوں کو کشید کراتے ہیں۔ یہ شوق کی بات ہے بھتیجے! اعلیٰ درجے کی شراب کا لطف اٹھانا ہو تو قدیم مصری شراب پیو۔ اس سے بہتر شراب کشید کرنا ممکن نہیں.....''

''مگر تمہیں تین سو سال پرانی شراب کہاں سے ملی.....؟''

لارڈرے مسکرایا ''بھتیجے ہم کافی دنوں سے کوشش کر رہے تھے اور انجام کار ہم نے ایک بوڑھے دولت مند مصری یہودی کو تلاش کر لیا جو پیرس میں رہتا ہے اس کی عمر پچاسی سال ہے۔ اسے اپنے باپ سے ورثے میں شراب کی گیارہ بوتلیں ملی تھیں۔ پچھلے چالیس سال میں اس نے چھ بوتلیں خود استعمال کر لی تھیں۔ باقی پانچ میں سے تین ہم خرید لائے۔''

''لیکن اس نے تمہارے ہاتھ کیوں بیچیں، یہ تو اس کے باپ کا ورثہ تھا.....؟''

لارڈرے نے مجھے گہری نظروں سے دیکھا ''اس لیے، کیونکہ وہ یہودی ہے اور دس ہزار پونڈ کوئی معمولی رقم نہیں ہوتی۔''

میں نے کچھ نہیں کہا۔ البتہ ہونٹوں پر زبان ضروری پھیری۔ اس نے شراب کی صرف تین بوتلوں کے لیے دس ہزار پونڈ کی خطیر رقم خرچ کر دی تھی۔ یہ معمولی بات نہیں تھی مگر لارڈرے سے کچھ بعید نہیں تھا۔ وہ دس ہزار تو

کیا بیس ہزار بھی خرچ کر سکتا تھا۔ میں کچھ دیر ان بوتلوں کو دیکھتا رہا۔ جو اپنی ساخت کے اعتبار سے واقعی بہت پرانی نظر آ رہی تھیں۔ ان میں تین سو سال پرانی شراب بند تھی۔ پتا نہیں اتنی کہنہ شراب کا ذائقہ کیسا ہو گا، نشہ کیسا ہو گا؟ میں نے اتنی پرانی شراب پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ میں نے یکا یک لارڈرے سے پوچھا۔

''آخر اس شراب کو حاصل کرنے کی ایسی کیا ضرورت تھی.....؟''

''ضرورت تھی بھتیجے.....'' اس نے جلدی سے جواب دیا ''اس شراب کی اپنی ایک روایت ہے۔ ایک تاریخ ہے اور ایک تہذیبی اہمیت ہے۔ فراعین مصر اسے خاص تقریبات میں پیتے تھے۔ مثلاً تاج پوشی اور شادی وغیرہ.....اس شراب کے بغیر کوئی اہم تقریب مکمل نہیں ہوتی تھی.....''

میں نے گردن ہلا کر کہا ''تو گویا ہم لوگ واقعی روانہ ہو رہے ہیں؟''

لارڈرے یکا یک چونکا، مسکرایا پھر بولا ''اس میں شبہ نہیں بھتیجے، ہم واقعی کل روانہ ہو رہے ہیں۔ برسوں کا انتظار اور منصوبہ بندی اب تکمیل تک پہنچنے کو ہے۔ بس تھوڑا سا انتظار اور ہے۔ تھوڑا سا وقت اور باقی ہے پھر یہ صدیوں پر پھیلا ہوا انتظار ختم ہو جائے گا اور خواب پورا ہو گا جسے وقت نے ساڑھے تین ہزار سال تک دیکھا ہے اور.....پھر اس دنیا کی تقدیر بدل جائے گی.....''

میں نے مزید کچھ نہیں کہا پھر میری نگاہ ادھر ادھر بھٹکنے لگی اور تب مجھے وہ آدمی نظر آیا۔ جس پر اب تک نگاہ نہیں پڑی تھی۔ وہ ایک طویل القامت اور بے حد مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ اس کا رنگ سانولا تھا۔ بال گھونگھریالے اور ہونٹوں پر گھنی مونچھیں تھیں۔ چہرے کی ساخت نے صاف بتا دیا کہ مصری نژاد ہے۔ وہ ہارڈ بورڈ کے ایک بڑے بکس میں فولڈنگ کرسیاں رکھنے میں مصروف تھا لیکن مجھے متوجہ پا کر یکا یک کھڑا ہو گیا۔ سر جھکا کر تعظیم دی پھر مسکرا کر بولا۔

''میں انوار بے ہوں.....''

اسی وقت لارڈرے پھر ہماری طرف متوجہ ہو گیا اور ہاتھ ہلا کر بولا ''آہا بھتیجے اس سے ملو۔ یہ انوار بے ہے۔ نخلستان سعدیہ گیا ہوا تھا۔ آج صبح واپس آیا ہے۔''

میں نے مسکرا کر سر کو جنبش دی۔ انوار بے کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں اور ان میں ایک بے چین سی چمک تھی۔ اس کے جبڑوں کی ہڈیاں غیر معمولی طور پر چوڑی تھیں جو اس کے چہرے کو باقی جسم کے لیے قطعی غیر موزوں بناتی تھیں۔ مجموعی طور پر وہ ایک ایسا آدمی تھا جس میں قوت ارادی اور قوت فیصلہ کا فقدان ہوتا ہے۔ ایسے لوگ بہادر اور سنگ دل ہوتے ہیں لیکن سہارے کے محتاج رہتے ہیں۔ وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر کسی نہ کسی کا محکوم ہونا پسند کرتے ہیں۔ میں نے چند ثانیے اس کا جائزہ لے کر کہا۔

''مگر تمہیں تو کئی دن پہلے واپس آنا تھا.....؟''

''بس ماسٹر.....'' انوار بے کی آواز بھاری اور بھدی تھی ''مگر سفر کے انتظامات میں کچھ اڑچنیں پیدا ہو گئی تھیں۔ اس لیے واپسی میں تاخیر ہو گئی۔''

یکا یک مجھے ماریا کا خیال آیا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ انوار بے کے ساتھ ماریا نام کی ایک عورت بھی نخلستان سعدیہ گئی ہوئی تھی۔ میں نے انوار بے سے پوچھا ''اور وہ ماریا کہاں ہے، وہ بھی تو تمہارے ساتھ تھی.....؟''

اس سے پہلے کہ انوار بے کچھ کہتا۔ یکا یک دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ میں نے یونہی بے دھیانی سے گھوم کر دیکھا۔ میرے ہاتھ میں سگریٹ تھی، وہ چھوٹ کر گر گئی پھر میں نے اپنے آپ کو شدید اچنبھے اور صدمے کے عالم میں دو تین قدم پیچھے ہٹتے دیکھا پھر میرے کانوں سے بار برا کی آواز ٹکرائی۔

''ہیلو ماریا۔ نیند تو اچھی آئی نا.....؟''

دروازے میں وہی عورت کھڑی تھی جسے میں نے بار برا کے بستر پر مردہ حالت میں دیکھا تھا۔

میں نے گھبراہٹ اور شدید خالی الذہنی کے ساتھ بار برا سے زور سے کہا'' مجھے ایک جام دو۔''

اولگا نے تعمیل کی۔ جام میرے ہاتھ میں آیا تو ہولے ہولے تھرتھرا رہا تھا۔ میں نے جلدی سے ایک بڑا گھونٹ بھرا اور پھر ماریا کو دیکھا۔ وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی'' ہاں، میں بہت اچھی طرح سوئی ہوں.....'

پھر مجھے اپنے شانے پر لارڈ رے کا ہاتھ محسوس ہوا اور اس کی سیٹی بجاتی ہوئی آواز سنائی دی'' یہ وہی ماریا ہے۔ تم ابھی پوچھ رہے تھے نا.....''

میں نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور کچھ کہے بغیر ماریا کو دیکھنے لگا۔ وہ میرے سامنے کھڑی تھی، بالکل زندہ سلامت کھڑی تھی۔ ایک جیتی جاگتی، دلکش اور دلربا عورت مگر میں اسے کیا سمجھوں۔ ابھی کچھ ہی دیر قبل میں نے اسے بار برا کے بستر پر دیکھا تھا۔ اس وقت اس کا جسم بالکل بے جان محسوس ہوا تھا۔ نہ سانس کی آمد و رفت کا کوئی ثبوت ملا تھا۔ نہ اس کے جسم میں زندگی کی حرارت محسوس ہوئی تھی۔ اس کا ہاتھ برف کی طرح سرد تھا۔ کیا مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔ کیا وہ میرا فریب نظر تھا۔ وہ مری نہیں تھی بلکہ سچ مچ سو رہی تھی اور میں غلطی سے اسے مردہ سمجھ بیٹھا تھا۔ میں نے بے یقینی کے ساتھ ایک بار پھر اسے گھورا۔ اگر مجھے کچھ دھوکا نہیں ہوا تھا تو اب وہ میرے سامنے کیوں کھڑی تھی۔ شاید مجھے سچ مچ غلط فہمی ہوئی تھی اور میں ذہنی انتشار اور الجھن کی بنا پر اسے مردہ سمجھ بیٹھا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اب وہ میرے سامنے اس طرح نہ کھڑی ہوتی۔ ہر چند کہ میرے ذہن میں سائیں سائیں ہو رہی تھی اور دل کی دھڑ دھڑاہٹ میں کئی گناہ اضافہ ہو گیا تھا مگر میں نے کسی نہ کسی خود کو سنبھال لیا۔ میری توقع کے مطابق وہ واقعی بہت حسین تھی۔ اس کا قد لمبا تھا اور جسم بے حد سڈول، رنگ اگرچہ سانولا تھا مگر وہ اس کی دلکشی کو گھٹاتا نہیں بلکہ بڑھاتا تھا۔ اس کے چہرے کے تیکھے اور کھڑے نقش و نگار واضح طور پر اعلان کر رہے تھے کہ وہ عرب کے ہی کسی ملک سے تعلق رکھتی ہے۔ مصری، فلسطینی یا شامی مگر اس کی آنکھوں کا تاثر کچھ اچھا نہیں تھا۔ ہر چند کہ کٹورا جیسی بڑی بڑی اور خوبصورت آنکھیں تھیں مگر تجسس بجھی اور پھیکی پھیکی تھیں۔ وہ کچھ اس انداز میں مجھے دیکھ رہی تھی۔ جیسے وہ وہاں ہوتے ہوئے بھی وہاں نہ ہو، یا جیتے جاگتے میں سپنا دیکھ رہی ہو۔ وہ مسلسل مجھے دیکھ رہی تھی۔ شاید متوقع تھی کہ میں کچھ کہوں گا لیکن میں خاموش رہا تو اس نے کہا۔

''گڈ مارننگ ماسٹر، میں آپ سے ملنے کی بے حد مشتاق تھی.....!''

میرے ذہن کو ایک اور جھٹکا لگا۔ پتا نہیں کیوں ایسا محسوس ہوا کہ وہ آواز میں نے پہلے بھی کہیں سنی ہے مگر کہاں؟ میں نے بے چینی سے سر کو جھٹکا دیا..... وہ آواز..... وہ آواز..... آخر وہ آواز شناسا سی کیوں محسوس ہوئی۔ کیا یہ بھی میرے شعور کی کسی کی کرشمہ سازی ہے۔ میں تو پہلے ماریا سے کبھی نہیں ملا۔ کبھی اسے دیکھا بھی نہیں پھر اس کی آواز مجھے اجنبی کیوں نہیں لگی۔ میں نے اسے کہاں سنا ہے مگر کچھ یاد نہ آیا۔ میں نے خود کو سنبھال

کر کہا۔

''صبح بخیر ماریا۔ میں بھی تمہیں دیکھنا چاہتا تھا۔''

ماریا نے اپنے سروقد جسم کو نصف جھکایا ''مجھے امید ہے ماسٹر کہ آپ مجھے پسند کریں گے.....!''

''تم بہت خوبصورت ہو.....!'' میں نے آہستہ سے کہا۔

پھر میں نے میز سے ڈبہ اٹھا کر ایک سگار نکالا اور اسے جلا کر دروازے کی جانب بڑھنے لگا تو لارڈ رے نے کہا۔

''کہاں جا رہے ہو بھتیجے.....؟''

''ذرا برآمدے میں جا رہا ہوں.....''

میں نے جواب دیا اور باہر نکل گیا۔ اپنے حواس پوری طرح بحال کرنے کے لیے واقعی کھلی ہوا اور تھوڑی سی تنہائی کی ضرورت تھی۔ بدھ کا وہ پورا دن مصروفیت میں گزرا۔ ہر شخص کسی نہ کسی کام میں جتا ہوا تھا۔ دوپہر ہونے تک چند افراد آ گئے اور کام میں ہاتھ بٹانے لگے۔ ان لوگوں کا تعلق ایمن سوسائٹی کی قاہرہ شاخ سے تھا۔ یہ لوگ پہلی بار الاہرام آئے تھے۔ پورچ میں جیپیں اور کاریں کھڑی تھیں اور پیک کیا ہوا سامان ان میں رکھا جا رہا تھا۔ چونکہ میرے لیے کام نہ تھا۔ اس لیے میں ادھر ادھر ڈولتا رہا۔ ماریا نے بھی کسی کام میں حصہ نہیں لیا دوپہر تک وہ ڈرائنگ روم میں موجود رہی پھر باربرا کے کمرے میں آرام کرنے چلی گئی۔ اسے زندہ اور چلتے پھرتے دیکھ کر مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا تھا۔ اس کا اثر دیر تک قائم رہا۔ دوسری حیرت انگیز بات یہ تھی کہ لارڈ رے، ڈاکٹر نیفا اور باربرا کے سوا اور کسی کو یہ علم نہ تھا کہ ماریا رات کو کس وقت اور کیسے آئی تھی۔ نہ ہی کسی نے اس کی اس طرح اچانک آمد پر تعجب کا اظہار کیا۔ غالباً ان کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ ماریا واپس آ گئی ہے اور بس، اسی طرح ویرا ہمشائر کا کوئی ذکر نہیں ہوا۔ دوسروں کو تو شاید اس کا علم ہی نہ ہوگا مگر باربرا اور لارڈ رے وغیرہ نے بھی اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ صبح جب میں جاگا تو ویرا الاہرام میں موجود نہیں تھی۔ گویا وہ رات ہی میں واپس بھی چلی گئی تھی اور میں اس اسرار کو حل کرنے سے قاصر تھا کہ وہ کس طرح آئی اور گئی ہوگی۔ چارلس بونڈ اور گومز تمام رات جاگتے رہے تھے انہوں نے ویرا کو آتے جاتے ضرور دیکھا ہوگا مگر وہ لوگ خاموش تھے۔ مصلحتاً یا پھر اس لیے کہ انہیں واقعی علم نہ تھا۔ البتہ انوار بے کے متعلق مجھے بتایا گیا تھا کہ وہ چھ بجے کے بعد آیا تھا اور میرا قیاس تھا کہ پہلے وہ بارہ بجے رات میں آیا ہوگا اور ماریا کی لاش ڈاکٹر نیفا کے حوالے کر کے واپس چلا گیا ہوگا مگر ماریا مری کب تھی۔ وہ تو زندہ تھی اور صحت مند بھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نصف رات کو وہ اکیلی ہی آئی ہوگی اور آنے سے پیشتر غالباً اس نے فون پر ڈاکٹر نیفا کو اطلاع دے دی ہوگی۔

اگلے دن علی الصبح ہم الاہرام سے روانہ ہو گئے۔ ابتدا میں یہ پروگرام بنا تھا کہ تمام ممبر تین گروپوں میں تقسیم کر دیے جائیں گے اور تینوں گروپ چوبیس گھنٹے کے فرق سے نخلستان سعدیہ روانہ ہوں گے مگر بعد ازاں حالات میں کچھ ایسی تبدیلیاں ہوئیں کہ پروگرام بدل دیا گیا اور طے کیا گیا کہ تینوں گروپ ایک دوسرے سے چند گھنٹوں کے فرق کے ساتھ روانہ ہوں گے۔ نخلستان سعدیہ تک جانے کے لیے کاروں کے علاوہ چار جیپوں کا بندوبست کیا گیا تھا۔ یہ کاریں اور جیپیں کرائے پر حاصل کی گئی تھیں۔ رولز رائیس اور مرسیڈیز الاہرام میں ہی چھوڑ دی گئیں

تھیں۔ ساتھ ہی تین افراد بھی الاہرام میں رک گئے تھے۔ ان تینوں کا تعلق سوسائٹی کی قاہرہ شاخ سے تھا۔ انہیں ہماری واپسی تک الاہرام میں ہی ٹھہرنا تھا۔ کیونکہ بادشاہوں کی وادی میں ایک رات گزارنے کے بعد ہمیں بہرحال واپس قاہرہ آنا تھا۔

تین جیپوں کا پہلا گروپ اجالا پھیلنے سے پہلے روانہ ہوا۔ ان تینوں جیپوں میں زیادہ تر سامان بار کر دیا گیا تھا۔ اسٹارکی، گومز، بونڈ، آئرین اور انوار بے وغیرہ پہلے قافلے میں گئے۔ دوسرا گروپ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد روانہ ہوا۔ اس گروپ میں ماریا کے ساتھ زیادہ تر افراد اور باقی سامان چلا گیا اور جب تیسرا گروپ الاہرام سے رخصت ہوا تو سات بج رہے تھے۔ تیسرے گروپ میں صرف دو کاریں تھیں۔ پہلی کار میں روز آلبہ، سونیا، پیڈی، احمد جمال اور ڈاکٹر نیفا تھے۔ دوسری کار میں میرے علاوہ لارڈرے، باربرا اور ٹیا تھے۔ باربرا کار چلا رہی تھی ٹیا اور لارڈرے پچھلی سیٹ پر تھے جبکہ میں باربرا کے برابر اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ وہ ایک دلکش اور روشن صبح تھی۔ دمکتا ہوا سورج مشرقی افق پر کچھ اس طرح نمودار ہوا تھا جیسے کسی نئی نویلی دلہن کے ماتھے پر جھومر اور جس طرح جھومر دلہن کے رخ زیبا کو روشن کر دیتا ہے۔ اسی طرح سورج نے بھی چہرۂ گیتی کو منور کر دیا تھا۔ ہر سو سنہرا سنہرا اجالا پھیلا ہوا تھا۔ سڑکوں پر رفتہ رفتہ زندگی کی ہنگامہ آرائی بڑھتی جا رہی تھی۔ میں کار میں بیٹھا ہوا چپ چاپ ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا جو اپنے کاروبار پر جانے کے لیے گھروں سے نکل پڑے تھے اور تیزی سے ادھر ادھر جا رہے تھے۔ قاہرہ کی سڑکوں اور گلیوں پر ابھی تک ایک ہلکا سا دھندلکا سا مسلط تھا۔ ریگستانوں کے دن گرم ہوتے ہیں مگر راتیں خنک ہوتی ہیں۔ یہ خنکی ابھی تک فضا میں موجود تھی لیکن جیسے جیسے اجالا بڑھتا گیا ویسے ویسے خنکی میں کمی ہوتی گئی۔

شہری حدود سے نکلنے میں کچھ دیر تھی پھر ہم اس سڑک پر آ گئے جو سعدیہ تک جاتی تھی۔ یہ ایک پتلی سی غیر ہموار سڑک تھی کہیں چڑھائی اور کہیں اتار، جگہ بہ جگہ چھوٹے بڑے گڑھے بھی تھے۔ لگتا تھا، برسہا برس سے اس کی مرمت نہیں کی گئی تھی۔ سڑک کے دونوں کناروں پر کانٹے دار خودرو جھاڑیاں اور کہیں کہیں درخت بھی تھے جو ببول سے مشابہ نظر آتے تھے۔ چاروں طرف دور تک ریگستان پھیلا ہوا تھا۔ پرشکوہ اور پرہیبت، کہیں کہیں سنگلاخ چٹانیں بھی نظر آ جاتی تھیں۔ بہت دور ریت کے بلند ٹیلے اس طرح دکھائی دیتے تھے جیسے عظیم الجثہ عفریت قطار در قطار بیٹھے ہوں۔ اس سارے منظر کی بے پناہ وسعت دل پر ایک دبدبہ سا طاری کرتی تھی اور پھر جیسے جیسے سورج چڑھتا گیا اور دھوپ کی چمک میں اضافہ ہوتا گیا۔ ویسے ویسے وہ سارا منظر اور بھی دلکش اور نمایاں ہوتا گیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے سارے میں سونے کی بارش ہو رہی ہو۔

باربرا خاموشی سے کار چلا رہی تھی۔ دوسری کار جس میں ڈاکٹر نیفا وغیرہ تھے۔ ہم سے کوئی نصف فرلانگ آگے چل رہی تھی۔ اس سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ اتنی دیر میں، میں نے بمشکل تین چار کاریں، ایک لاری اور اونٹوں کا ایک مختصر سا قافلہ دیکھا تھا۔ دور تک کہیں بھی حرکت کا عمل نظر نہیں آتا تھا۔ صرف سکوت تھا اور سناٹا اور ویرانی۔ میری نظریں اس ویرانی میں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں لیکن کان کبھی کبھی لارڈرے براؤن کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ جو مسلسل بولے جا رہا تھا۔ کچھ اس طرح گویا ٹیا کو کوئی حیرت انگیز..... اور محیر العقل کہانی سنا رہا ہو۔ وہ ٹیا کو سفر کے بارے میں بتا رہا تھا۔ کب ہم سعدیہ پہنچیں گے۔ وہاں کتنی دیر قیام کریں گے اور

پھر وادی تک پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا۔ وغیرہ وغیرہ..... یہ تمام تفصیلات میں کئی بار سن چکا تھا۔ اس لیے میرا دھیان اس کی طرف سے ہٹ گیا تھا اور میں ایک بار پھر صحرا کے سینے پر اڑتی ہوئی ریت کے دھند کو دیکھنے لگا۔

یکا یک لارڈ رے نے مجھے مخاطب کیا "بھتیجے کچھ پیو گے.....؟"

کافی دیر ہو گئی تھی۔ میں نے کچھ پیا نہیں تھا۔ نہ ہی صبح ناشتا کیا تھا اور اب مجھے کافی بھوک لگ رہی تھی۔ میں نے آہستہ سے جواب دیا "بعد میں..... پہلے کچھ کھاؤں گا....."

لارڈ رے نے باسکٹ سے ٹماٹر اور سلاد کا سینڈوچ نکال کر مجھے تھما دیا۔ سینڈوچ خواہ کسی بھی قسم کا ہو مجھے کچھ زیادہ اچھے نہیں لگتے تھے۔ اس وقت ٹماٹر اور سلاد کا وہ سینڈوچ بہت لذیذ لگا۔ میں آہستہ آہستہ سینڈوچ کھاتا رہا اور باہر دیکھتا رہا۔ اس وقت ہماری گاڑی ایک چھوٹے سے جھنڈ کے قریب سے گزری تھی۔ یہ جھنڈ چند کھجوروں اور کچھ دوسرے درختوں پر مشتمل تھا۔ درمیان میں ایک چھوٹا سا جوہڑ بھی تھا اور جھنڈ کے اردگرد کچھ بھیڑیں خودرو جھاڑیوں کی پتیاں اور گھاس چرنے میں مصروف تھیں۔ جوہڑ کے قریب ایک لڑکا بیٹھا ہوا بانسری بجانے میں مصروف تھا۔ میرے کانوں میں بانسری کی مدھر اور رسیلی آواز آئی تو دل یکا یک بے چین ہو گیا۔ وہ دھن بڑی ہی روح پرور تھی اور ہوا کے دوش پر دور تک پھیل رہی تھی۔ میں ایک عالم محویت میں اس لڑکے کو دیکھنے لگا۔ وہ ایک معمولی سا لڑکا تھا۔ اس کے جسم پر ایک لمبے بوسیدہ اور میلے کرتے کے سوا کچھ نہیں تھا اور وہ کچھ اس طرح بانسری بجانے میں مگن تھا، جیسے دنیا کی کسی بھی دوسری بات سے اسے کوئی تعلق نہ ہو۔ میں نے یکا یک غیر ارادی طور پر اس لڑکے سے اپنا موازنہ کیا۔ ہر چند کہ وہ ایک غریب چرواہا ہے، ایک بوسیدہ کرتا اور ایک پرانی بانسری اس کی کل کائنات ہے۔ اس نے کبھی لندن، پیرس اور روم کا سپنا بھی نہیں دیکھا ہو گا مگر اس کے باوجود مجھ سے بدرجہا بہتر ہے۔ کم از کم اسے کسی بات کا غم نہیں۔ کوئی خوف نہیں اور کوئی پابندی نہیں۔ اسے وہ شے حاصل ہے جو مجھے میسر نہیں اور جسے آزادی اور خودمختاری کہتے ہیں۔ وہ لڑکا اپنے وقت کے ایک ایک لمحے کا خود مالک ہے۔ جبکہ میرا ہر لمحہ پابند اور محکوم ہے۔ بیش قیمت لباس پہننے اور قیمتی گاڑی میں سفر کرنے کے باوجود۔ میں ایک تنگدست آدمی ہوں لیکن وہ بہت دولت مند ہے کیونکہ اگر وہ ابھی اٹھ کر گھر چلا جائے تو اسے کوئی نہیں روکے گا جبکہ میں چاہوں بھی تو وہاں سے کہیں نہیں جا سکتا۔

رفتہ رفتہ گاڑی دور ہوتی گئی اور بانسری کی وہ دلنواز لے کچھ اس طرح معدوم ہو گئی جیسے کوئل کی دلدوز چیخ فضا میں دم توڑتی ہے۔ یا جیسے آسمان پر ٹوٹے ہوئے ستارے کی روشنی تحلیل ہوتی ہے یا جیسے کسی بے سہارا آدمی کا سفینہ امید ڈوبتا ہے اور پھر کچھ دیر میں وہ لڑکا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ سعدیہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا مشکل سے چالیس پچاس گھر رہے ہوں گے پورا گاؤں کھجور اور سنگتروں کے باغات سے گھرا ہوا تھا۔ آس پاس میں ایک دو چراگاہیں بھی تھیں۔ جب ہم سعدیہ پہنچے تو سہ پہر ہو رہی تھی اور گاؤں کی مسجد سے اذان کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ موذن جو کوئی بھی تھا، بڑا خوش الحان تھا۔ اس کی آواز میں ایک دلکش اور رعب آمیز گونج تھی۔ وہ بڑے جذبے کے ساتھ اذان کے الوہی الفاظ کا اعلان کر رہا تھا۔ اللہ اکبر..... اللہ اکبر..... اللہ سب سے بڑا ہے..... اللہ سب سے بڑا ہے۔ میں بڑے دھیان سے اذان کے الفاظ سنتا رہا۔ حتیٰ کہ اذان ختم ہو گئی مگر اس کے الفاظ کی الوہی گونج دیر تک فضا میں تیرتی رہی۔

ہم لوگ گاؤں میں نہیں گئے۔ کیونکہ ہمارے قیام کا بندوبست جس جگہ کیا گیا تھا وہ گاؤں سے باہر کوئی ڈیڑھ دو فرلانگ کے فاصلے پر تھی۔ یہ ایک چھوٹی سی عمارت تھی۔ جسے عموماً مسافر خانے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ اس میں کوئی پانچ چھ کمرے تھے۔ ایک طویل دالان تھا اور پھر کچی مٹی کی دیواروں سے گھرا ہوا ایک وسیع احاطے میں کھجور کے چند درخت اور ایک کنواں تھا۔ یہ مسافر خانہ دو تین دن کے لیے کرائے پر اس شرط کے ساتھ حاصل کیا گیا تھا۔ کہ نہ تو اس میں کوئی دوسرا مسافر قیام کرے گا اور نہ ہی مسافر خانے کا مہتمم وہاں رکے گا۔ چنانچہ مہتمم جوانوار بے کے بیان کے مطابق ایک بوڑھا اور نیک آدمی تھا۔ پہلے قافلے کے پہنچنے پر وہاں سے چلا گیا تھا۔

ہمیں اس عمارت میں صرف رات بھر ٹھہرنا تھا۔ چنانچہ جیپوں سے اتنا ہی سامان نکالا گیا جس کی ضرورت تھی۔ مثلاً کچھ کمبل، چادریں اور کچھ برتن وغیرہ۔ میرے سونے کا بندوبست جس کمرے میں کیا گیا تھا۔ اس میں میرے ساتھ لارڈرے اور باربرا بھی تھے۔ دروازے کے باہر دالان میں کارسن اور بونڈ نے اپنی چارپائیاں لگائیں۔ اس کمرے کی عقبی دیوار میں کوئی کھڑکی نہیں تھی اور مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ لوگ مجھے آزادی اور خودمختاری کا ایک لمحہ بھی نہیں دینا چاہتے۔ کیا پتا آزادی کے ایک لمحہ میں، میں کیا کر بیٹھوں۔ فرار ہونے کے لیے ایک لمحہ بہت ہوتا ہے لیکن یہ محض ان کا خیال خام تھا۔ میں فی الحال ایسی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ ایسی کوئی بھی کوشش سرِدست کامیاب نہیں ہوگی۔

رات کے کھانے کے بعد ایک چھوٹی سی کانفرنس منعقد ہوئی۔ لارڈرے، ڈاکٹر نیفا، باربرا اور احمد جمال وغیرہ سفر کے اگلے مرحلے کی تفصیلات طے کر رہے تھے۔ مجھے چونکہ ایسی میٹنگوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس لیے میں کنویں کی طرف چلا گیا۔ رات ہو گئی تھی اور طلسمی اندھیرا آسمان سے ریگستان کے ذرے ذرے پر برسنے لگا تھا۔ دور تک ستاروں کی محفل سجی تھی اور سارے میں ایک نشاط انگیز اور رومان پرور سناٹا طاری تھا۔ میں کنویں کے قریب آہستہ آہستہ ٹہلتا رہا اور سوچتا رہا بلکہ سچ یہ ہے کہ سوچنے کی کوشش کرتا رہا کیونکہ میرے ذہن میں کوئی واضح خیال موجود نہیں تھا۔ بلکہ مختلف باتیں ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ جیسے بے شمار کیچوے کلبلا رہے ہوں۔ تبھی میں نے ماریا کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ اس نے ایک لمبا مصری طرز کا کرتا اور بڑے گھیر کا زیر جامہ پہن رکھا تھا۔ رات کے اس طلسمی سناٹے میں وہ مجھے یکایک بے حسین نظر آئی۔ جیسے الف لیلیٰ کی کوئی روایتی شہزادی ہو، میں دفعتاً محو ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ حسین ہونا ایک بات ہے لیکن شخصیت کا بانکپن دوسری چیز ہے۔ کوئی عورت حسین ہونے کے ساتھ شخصیت کا بانکپن بھی رکھتی ہو تو وہ دل و نگاہ کو ایک لمحے میں تاراج کر ڈالتی ہے۔ ماریا کے سراپا میں بھی یہ تمکنت اور وقار موجود تھا۔ اسے دیکھ کر نہ جانے کیوں مجھے ویرا ہمپشائر کا خیال آیا شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ویرا کی طرح ماریا کا حسن بھی بڑا پرشکوہ تھا۔ وہ ہولے ہولے چلتی ہوئی میرے قریب آئی اور مسکرا کر بولی۔

''ہیلو ماسٹر.....''

ذہن کو پھر ایک جھٹکا لگا۔ وہ آواز..... وہ آواز دلکش، ترنم خیز، مگر شناسا سی، آخر وہ آواز کہاں سنی ہے۔ مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ اس کی آواز میرے لیے اجنبی نہیں مگر میں نے ماریا سے اس بارے میں کچھ نہیں کہا۔ اپنے

آپ کو سنبھال کر آہستہ سے جواب دیا۔

''ہیلو.....''

''آپ یہاں کیوں چلے آئے.....؟'' اس نے پوچھا۔

''کیونکہ وہاں میرے لیے کچھ نہیں تھا.....'' میں نے جواب دیا ''ان کی میٹنگ میں میرا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ وہ لوگ جو کچھ بھی طے کریں گے، وہی درست ہوگا مگر تم کیوں چلی آئیں.....؟''

''کیونکہ میری عدم موجودگی سے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا.....'' ماریا نے کہا ''اس کے علاوہ ایک وجہ اور بھی ہے۔''

''کیا.....؟''

''میں آپ سے باتیں کرنا چاہتی تھی.....''

یہ کہہ کر وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ اس کی ہنسی بہت دلکش تھی۔ سفید اور ہموار دانتوں کی قطاریں روشن ہوگئی جیسے موتی جگمگ جگمگ کرنے لگے ہوں۔ میں حیرت زدہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ اس کی آواز کی طرح اس کی ہنسی بھی مجھے مانوس اور جانی پہچانی سی محسوس ہوئی۔ یوں لگا جیسے میں اس مترنم ہنسی سے پہلے متعارف ہو چکا ہوں مگر کیوں.....؟'' مجھے آخر ایسا کیوں محسوس ہوتا ہے.....؟ میں نے ذرا بے چینی سے سر کو دیا اور آہستہ سے کہا۔

''مجھ سے باتیں کرنا چاہتی تھیں..... کیوں؟''

''اس لیے کہ آپ کا ذکر بہت سنا تھا۔ بہت دیر سے آپ کی منتظر تھی۔ چنانچہ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ آپ کیسے ہیں۔ ماسٹر آپ نہیں جانتے، جب سے ہم نے سنا تھا کہ آپ آنے والے ہیں، تب سے میں اور میرے ساتھی بہت بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے تھے.....''

''اب تو تم نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ اب کیا خیال ہے.....؟'' میں نے پوچھا۔

'ماریا آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے قریب سے گزری اور کنویں کی جگہ پر بیٹھ گئی پھر مسکرا کر بولی ''ماسٹر آپ بہت وجیہہ ہیں۔ بالکل ویسے ہی ہیں جیسا آپ کو ہونا چاہیے تھا۔ آپ کی شخصیت کا ہر انداز شاہانہ ہے۔''

میں نے گردن موڑ کر برآمدے کی جانب دیکھا۔ ڈاکٹر نیفا کے کمرے میں ان لوگوں کی میٹنگ بدستور جاری تھی پھر میں بھی جگت پر ماریا کے برابر بیٹھ گیا اور اس سے پوچھا۔

''ماریا! تمہارا پورا نام کیا ہے.....؟''

''ماریا گورین..... کیوں.....؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔

''کچھ نہیں، ویسے ہی پوچھا تھا۔'' میں نے جواباً کہا پھر ایک لمحہ ٹھہر کر پوچھا ''ماریا کیا تم سے میری پہلے کبھی ملاقات ہوئی ہے.....؟''

ماریا نے جواب دینے سے پہلے ایک بار پھر مجھے غور سے دیکھا۔ جیسے جاننا چاہتی ہو کہ اس سوال سے درحقیقت میرا مقصد کیا ہے پھر اس نے کہا ''نہیں ماسٹر! میرا خیال ہے کہ ہم پہلے کبھی نہیں ملے ہیں۔ آپ کا زیادہ وقت لندن میں گزرا ہے۔ جبکہ میں لندن صرف ایک بار گئی ہوں اور وہ بھی اس وقت جب آپ وہاں نہیں تھے مگر آپ نے یہ سوال کیوں پوچھا.....؟''

''کوئی خاص وجہ نہیں تھی.....'' میں نے کہا ''نہ جانے کیوں ایسا لگتا ہے کہ میں تم سے پہلے بھی مل چکا ہوں۔''

''نہیں ماسٹر! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے اور ایسا اکثر ہوتا ہے۔ دراصل جب کوئی بہت پرانی بھولی بسری یاد ابھرتی ہے تو ذہن ایسی ہی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ میرا خیال ہے آپ برسوں پہلے کسی ایسی عورت سے ملے ہوں گے جو مجھ سے مشابہ ہوگی پھر وہ عورت آپ کے ذہن سے نکل گئی اور اب آپ مجھ سے ملے ہیں تو وہ یاد ابھر آئی ہے اور آپ کو ایسا لگتا ہے جیسے آپ مجھ سے پہلے کہیں مل چکے ہیں.....''

''شاید ایسا ہی ہو.....'' میں نے کہا پھر اس سے پوچھا ''ماریا مجھے اپنے بارے میں کچھ اور بتاؤ.....''

''ماسٹر میں اپنے بارے میں کیا بتاؤں.....'' ماریا سوچتے ہوئے بولی ''میں تو معمولی سی عورت ہوں۔ میرا باپ مصری عیسائی تھا اور ماں فلسطینی یہودی۔ میں پیرس میں پیدا ہوئی تھی اور وہیں پلی بڑھی پھر جب میری ماں کا انتقال ہو گیا تو اپنے باپ کے ساتھ مصر چلی آئی۔ پہلے ہم اسمٰعیلیہ میں رہتے تھے لیکن باپ کی موت کے بعد میں قاہرہ آ گئی اور یہیں مستقل رہائش اختیار کر لی.....''

میں نے پر خیال انداز میں اسے گھورتے ہوئے کہا ''مگر گورین تو یہودی نام ہے.....''

''ہاں، یہ میرے شوہر کا نام ہے جو شادی کے صرف ایک سال بعد ایک حادثے میں مر گیا تھا.....''

''گویا تم یہودی ہو.....''

''میں صرف ماریا ہوں۔ مجھے یہودیت اور عیسائیت سے کوئی دلچسپی نہیں.....'' ماریا نے صاف الفاظ میں جواب دیا۔

کچھ دیر کے توقف کے بعد میں نے پوچھا ''اور تم ایمن سوسائٹی میں کب اور کیسے شامل ہوئی تھیں.....؟''

''میں خود ایمن سوسائٹی میں شامل نہیں ہوئی تھی.....'' ماریا نے جواب دیا ''بلکہ مجھے سوسائٹی میں شامل ہونے کے لیے کہا گیا تھا.....''

''کس نے کہا تھا.....؟'' میں نے پوچھا۔

''اسائرس نے.....''

میں نے یکا یک چونک کر اس کے چہرے کو دیکھا۔ شاید وہ مذاق کر رہی تھی مگر وہ مذاق نہیں کر رہی تھی! جو کچھ اس نے کہا تھا سنجیدگی سے کہا تھا۔ میرے چہرے پر پھیلی ہوئی حیرت دیکھ کر اسے اندازہ ہو گیا کہ میں نے اس کی بات کا یقین نہیں کیا ہے۔ چنانچہ اس نے مزید کہا ''مگر یہ سچ ہے ماسٹر، میں اس رات کو کبھی نہیں بھول سکتی جب میں نے خواب میں اسائرس اور ارفینا کو دیکھا تھا۔ میں ایک بہت بڑے ہال میں کھڑی تھی جس کے در و دیوار اور ستونوں سے روشنی پھوٹ رہی تھی اور چھت میں ان گنت ستارے ناچ رہے تھے۔ سامنے ایک مرصع اور زرکار تخت پر اسائرس فروکش تھا اور دائیں جانب ارفینا دست بستہ کھڑا تھا۔ سبز جسم والے عظیم ترین اسائرس نے مجھے ایمن سوسائٹی میں شامل ہونے کا حکم دیا تھا۔ میں نے پوچھا کہ ایمن سوسائٹی کہاں ہے اور میں اس میں کیسے شامل ہو سکتی ہوں۔ تب ارفینا نے بتایا کہ تم سات کھڑکیوں والی سبز عمارت میں جاؤ وہاں سفید انگلیوں والا ایک بوڑھا آدمی ملے گا اسے سب کچھ معلوم ہے۔ تم اس سے اسائرس کا ذکر کرنا وہ تمہیں اسائرس کے غلاموں میں شامل کر

لے گا۔ اگلے دن جب میں سو کر اٹھی تو سات کھڑکیوں والی سبز عمارت کی تلاش میں نکل پڑی۔ ان دنوں قاہرہ میں کئی عمارتیں سبز رنگ سے رنگی ہوئی تھیں مگر صرف ایک میں سات کھڑکیاں تھیں۔ میں اس عمارت میں گئی تو اس بوڑھے آدمی سے ملاقات ہوئی اس کا نام بنجامن تھا۔ میں نے اس سے اپنے خواب کا ذکر کیا اور اس نے مجھے سوسائٹی کا ممبر بنالیا۔ وہ عمارت دراصل ایمن سوسائٹی کی قاہرہ شاخ کا صدر دفتر ہے اور اب بھی شہر کے وسطی حصے میں موجود ہے۔''

''کیا اس شخص کی انگلیاں واقعی سفید تھیں.....؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں، دراصل بنجامن برص کا مریض تھا۔ اس وجہ سے اس کے ہاتھوں اور پیروں کی انگلیاں سفید ہوگئی تھیں.....''

''اب وہ شخص کہاں ہے؟''

''اب وہ مر چکا ہے۔ دراصل اس دنیا میں اس کا وقت پورا ہو چکا تھا چنانچہ اسائرس نے اس سے کہا کہ اب تم واپس آ جاؤ لہٰذا وہ چلا گیا.....''

''تمہارا مطلب ہے، اس نے خودکشی کر لی.....''

''نہیں نہیں.....اس کی موت کا ذکر اس طرح نہیں کرنا چاہیے.....'' ماریا نے جلدی سے کہا ''حقیقت یہ ہے کہ وہ اسائرس کے پاس واپس چلا گیا ہے۔''

یہ کہہ کر وہ آہستہ سے ہنس دی۔ ایک بار پھر شعلہ سا لپکا، ایک بار پھر ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ وہ ہنسی بڑی مانوس سی محسوس ہوئی۔ بالکل جانی پہچانی اور پھر میں یکا یک سٹپٹا کر رہ گیا۔ نہ جانے ایسا کیوں لگا جیسے اس ہنسی کی صوتی تاثر میں نہ صرف ویرا ہمشائر کی آواز کی جھلک موجود ہے بلکہ اس نادیدہ و پراسرار ہستی کے ہنسنے کی ادا بھی شامل ہے، جس کا کوئی نام نہیں تھا لیکن جو ہر دم میرے سائے کی طرح میرے ساتھ رہتی تھی۔ میں یقین و وہم کے درمیان الجھا ہوا اسے دیکھتا رہا۔ یہ یقیناً میری یادداشت کا فتور تھا۔ میری یادداشت کے خانوں میں کئی آوازیں جمع ہوگئی ہیں اور وہ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہوتی رہتی ہیں۔ اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ ماریا نے میری طرف توجہ نہیں دی تھی۔ میرے استعجاب اور کشمکش سے بے خبر، وہ صاف اور تیکھے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''میں جانتی ہوں ماسٹر ابھی آپ ان باتوں کا یقین نہیں کریں گے مگر ایک دن آئے گا جب آپ ان باتوں کو مان لیں گے کیونکہ یہی اسائرس اور عظیم تر اخن عاتن کی مرضی ہے.....''

دوسرے دن صبح جب میں بیدار ہوا بلکہ کیا گیا تو چھ بج چکے تھے۔ پارٹی کے زیادہ تر افراد تقریباً سامان لے کر کچھ دیر پیشتر ہی روانہ ہو چکے تھے۔ صرف چند افراد باقی تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ پروگرام میں پھر کچھ تبدیلی کی گئی ہے۔ پہلے یہ طے کیا گیا تھا کہ پوری پارٹی اونٹوں پر سفر کرے گی مگر بعد میں جیپوں کو بھی استعمال کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ تمام سامان لے کر کچھ افراد تین جیپوں پر گئے تھے۔ باقی افراد اونٹوں پر سوار ہوئے تھے۔ انوار بے کے بیان کے مطابق راستے میں کچھ ٹکڑے ایسے بھی پڑتے تھے جہاں نرم ریت کے اونچے ٹیلے تھے اور جیپیں وہاں نہیں جا سکتی تھیں۔ اس راستے سے صرف اونٹوں کو جانا تھا جبکہ تینوں جیپوں کو ایک خاصا طویل چکر کاٹ کر دوسرے راستے سے جانا تھا۔ اس دوسرے راستے پر ریت زیادہ نرم نہیں تھی اور جیپیں بہ آسانی سفر کر سکتی

تھیں۔

''مگر اس کی ضرورت ہی کیا تھی.....'' میں نے عدم دلچسپی کے باوجود اعتراض کیا۔

''ضرورت تھی ماسٹر.....'' انوار بے نے جواب دیا ''ہمارے پاس اتنی جیپیں نہیں ہیں کہ پوری پارٹی سارا سامان لے کر سفر کر سکے۔ بدقسمتی سے ایک جیپ میں کچھ نقص پیدا ہو گیا ہے اور وہ صحرا میں جانے کے قابل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تین جیپوں پر ہم نے سامان بھیجا ہے، باقی لوگوں کو اونٹوں پر سفر کرنا پڑے گا۔ اگر ہمارے پاس سامان زیادہ نہ ہوتا تو سبھی لوگ اونٹوں پر سفر کرتے مگر بدقسمتی سے ہمارے پاس سامان کی مقدار بہت زیادہ ہے.....''

میں نے کچھ نہیں کہا۔ ویسے بھی میرا اعتراض محض برائے اعتراض تھا۔ ورنہ مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ ہم لوگ کیونکر سفر کریں گے۔ اونٹوں کا انتظام پہلے ہی کر لیا گیا تھا۔ دراصل سعدیہ ہی میں ایک شتربان رہتا تھا۔ اس سے مطلوبہ تعداد میں اونٹ کرائے پر حاصل کیے گئے تھے اور وہ صبح منہ اندھیرے ہی آ گیا تھا۔ وہ ایک سیدھا اور نیک آدمی تھا اور اسے صرف اپنے کرائے سے غرض تھی۔ اس بات سے کوئی مطلب نہیں تھا کہ ہم لوگ کس نیت اور مقصد سے وادی میں جا رہے ہیں۔ اسے ہماری واپسی تک مسافر خانے ہی میں ٹھہرنا تھا۔ تاکہ ہماری کاروں کی حفاظت کرے اور پھر ہمارے واپس آنے پر اپنے اونٹ وصول کرے۔ وہ اس اضافی ذمہ داری کو نبھانے پر بڑی خوشی سے تیار ہو گیا تھا۔

میں نے ناشتا کیا اور پھر ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔ ہم چھ افراد تھے۔ لارڈ رے براؤن، باربرا، انوار بے، ماریا، کارسن اور میں۔ چار اونٹوں کا مختصر قافلہ رفتہ رفتہ پھیلتی ہوئی دھوپ میں ریگستان کی طرف چل پڑا۔ ہمیں معلوم تھا کہ جیسے جیسے دن چڑھے گا اور دھوپ تیز ہو گی، ویسے ویسے گرمی بڑھتی جائے گی اور دوپہر کے وقت تو جان لیوا حدت اور تپش ہو گی مگر اس کا انتظام پہلے ہی کر لیا گیا تھا۔ اول یہ کہ اونٹوں پر چھتریاں لگی ہوئی تھیں جو دھوپ سے بچاتی تھیں اور دوئم یہ کہ ہمارے پاس پانی وافر مقدار میں موجود تھا۔ لہٰذا ہمیں یقین تھا کہ کسی خاص تکلیف کے بغیر ہم منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے۔

کچھ دیر میں سعدیہ کے کچے مکان اور کھجور کے درخت نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اب ہمارے اردگرد ریت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ جدھر نظر جاتی تھی، ریت کا سمندر لہریں لیتا نظر آتا تھا اور مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس سمندر میں میرے لیے کیا ہے۔ اندھیرا ہے یا اجالا۔ مصائب ہیں یا آزادی، زندگی ہے یا موت۔ کون جانے اس سمندر میں میرے لیے صرف طوفان ہوں، کنارہ کوئی نہ ہو۔ ممکن ہے اس اندھے صحرا سے نکلنا مجھے کبھی نصیب نہ ہو اور موت کا عفریت جو اس ریگ زار میں نہ جانے کس روپ میں چھپا بیٹھا ہو، مجھے کسی بھی وقت اچانک نگل جائے۔ میں چپ چاپ بیٹھا تھکی تھکی اور خاموش نظروں سے سونے چاندی جیسی سنہری روپہلی ریت کو دیکھتا رہا اور میرا اونٹ ہولے ہولے جگالی کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔

ویلی آف دی کنگز..... مصر کی ہزاروں سال پرانی تاریخ کی ان گنت پراسرار اور حیرت ناک کہانیوں کا مدفن ہے۔ اس وادی میں پائے جانے والے آثار فراعین مصر کے زمانے کی تہذیبی، معاشرتی اور سماجی زندگی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ دور تک بکھرے ہوئے کھنڈرات کو دیکھ کر کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے یہاں کبھی ایک پوری

بستی ریت اور مٹی میں دب گئی ہو۔ بلاشبہ اس میں صدیوں کا عرصہ لگا ہوگا مگر انجام کار آبادی کے تمام مشتملات زیر زمین دفن ہو گئے اور پھر سینکڑوں سال کا عرصہ گزر گیا۔ ادوار آئے گزر گئے۔ نئی تہذیبیں وجود میں آئیں اور مٹ گئیں وقت صفحۂ گیتی پر نئی نئی داستانیں لکھتا رہا پھر ایک دن جب کھوج لگانے والے لوگوں نے اس وادی کا پتا لگایا اور یوں مصر کی ہزاروں سال پرانی تاریخ کے کہنہ اور بوسیدہ نقوش ایک بار پھر ابھر کر دنیا کے سامنے آئے اور ارمند قدیم کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کی توجہ کے مرکز بن گئے۔ پوری وادی چھوٹے بڑے مکانوں، پتلی پتلی پر پیچ گلیوں اور مقبروں اور اہراموں کا مجموعہ ہے۔ کچھ کھنڈرات ایسے ہیں جنہیں دیکھ کر عمارت کی شکل و صورت کا اندازہ ہو جاتا ہے مگر کافی کھنڈرات ایسے ہیں جو کسی قسم کی واضح نشاندہی نہیں کرتے۔ چنانچہ یہ اندازہ لگانا دشوار ہوتا ہے کہ وہاں مکان تھا، مندر تھا یا کوئی ایسی عمارت تھی جو پبلک کے عام استعمال کے لیے تھی۔ وادی میں کئی محلات کے آثار بھی ہیں جن میں طوطنخ آمن اور عمن عونس کے محل بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ اس وادی میں طوطنخ کا مقبرہ بھی دستیاب ہوا تھا مگر یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ طوطنخ آمن کے مقبرے میں سوائے چند اشیا کے اور کچھ نہیں ملا تھا۔ یعنی اس کا تابوت اور اس کا سارا خزانہ مقبرے میں نہیں تھا۔ بلکہ وادی سے کافی فاصلے پر ایک ویران سی پہاڑی کے اندر دفن تھا اور تقریباً پچاس سال پیشتر دو انگریزوں نے دریافت کیا تھا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ طوطنخ آمن کے زمانے میں مقبروں اور اہراموں کی چور بہت عام ہو گئے تھے۔ وہ لمبی لمبی زیر زمین سرنگیں بنا کر مقبروں میں چلے جاتے تھے اور سارا خزانہ اڑا لیتے تھے ان شاطر چوروں کی وجہ سے روسا، امرا اور فرائین بہت تنگ آ گئے تو انہوں نے یہ طریقہ نکالا کہ تدفین کے باقاعدہ مقبرے بنوائے گئے مگر اپنی لاش اور خزانہ مقبرہ کے بجائے کسی ویران مقام پر خفیہ طور پر دفن کرا دیتے۔ تاکہ چوروں کے دست برد سے محفوظ رہیں اور جب اس دنیا میں واپس آئیں تو ان کا خزانہ ان کے ساتھ ہو۔

ہم لوگ شام کا اندھیرا پھیلتے ہی وادی میں پہنچ گئے تھے۔ نخلستان سعدیہ سے وادی تک کا سفر گویا زیادہ تکلیف دہ نہیں تھا مگر تیز دھوپ، گرم ہوا اور ریت کے اڑتے ہوئے ذروں نے مجھے خاصا پریشان کیا تھا۔ سفر کی طوالت کے بارے میں بھی ہمارا اندازہ غلط نکلا تھا۔ خیال تھا کہ سہ پہر کے اختتام سے قبل ہم اس مقام پر پہنچ جائیں گے۔ جہاں کچھ دیر کے لیے عارضی طور پر قیام کرنا تھا مگر جب ہم اس مقام پر پہنچے تو شام کا اندھیرا آسمان سے اترنے لگا تھا۔ پہلے دونوں گروپ ہم سے پہلے ہی پہنچ چکے تھے اور بے چینی سے ہمارے منتظر تھے۔ وہ مقام عارضی پڑاؤ کے لیے واقعی بہت مناسب تھا۔ وہاں پر کچھ صحرائی درخت اور خودرو جھاڑیاں تھیں۔ درختوں اور جھاڑیوں کا وہ جھنڈ ایک چھوٹی سی پہاڑی کے دامن میں تھا۔ ہم نے وہاں کچھ دیر قیام کیا۔ منہ ہاتھ دھونے اور ہلکا سا ناشتا کرنے کے بعد انوار بے، اسٹار کی اور بونڈ وغیرہ تقریباً سامان دو جیپوں پر لاد کر وادی کی جانب روانہ ہو گئے۔ اس وقت شام کا جھٹپٹا ہونے لگا تھا۔ دھوپ کبھی کی رخصت ہو چکی تھی۔ صرف دن کا اجالا باقی تھا اور وہ بھی آہستہ آہستہ دم توڑ رہا تھا۔ ہم لوگ بے چینی سے انوار بے کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔ پروگرام کے مطابق ہم لوگ اس وقت تک وادی کا رخ نہیں کر سکتے تھے جب تک انوار بے واپس آ کر سب ٹھیک ہے کی اطلاع نہ دیتا۔ سب سے زیادہ ڈاکٹر نیفا بے تاب تھا۔ وہ کبھی بھاگ کر پہاڑی پر چڑھ جاتا اور گردن اچکا اچکا کر وادی کی جانب دیکھنے لگتا پھر بھاگ کر لارڈ رے کے پاس آتا اور بے چینی سے کہتا۔

''ابھی تک انوار بے واپس نہیں آیا۔ پتا نہیں اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے.....؟''

''آخر اتنی گھبراہٹ کیوں؟'' میں نے ایک بار چڑ کر کہا ''انوار بے واپس آ ہی جائے گا۔ تھوڑی بہت دیر ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے.....''

''فرق پڑتا ہے ماسٹر.....'' ڈاکٹر نیفا نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا ''ایک بج کر تیرہ منٹ اور سترہ سیکنڈ سے قبل سارے انتظامات کی تکمیل بہت ضروری ہے.....''

''وہ کیوں؟'' میں نے مزید چڑ کر کہا۔

''آپ ابھی نہیں سمجھیں گے.....مگر میں سمجھاتا ہوں.....'' ڈاکٹر نیفا نے بے چینی سے ہونٹ چباتے ہوئے کہا ''کتاب.....ارفینا میں یہی وقت درج ہے۔ اسائرس نے کہا تھا کہ یہی وہ مبارک گھڑی ہے جس پر اسائرس اور ارفینا کی پیش گوئی کا انحصار ہے اگر یہ گھڑی گزر گئی تو.....تو.....مگر نہیں مجھے ایسا فال بدزبان سے نہیں نکلنا چاہیے۔ پیش گوئی ضرور پوری ہوگی۔ ہماری محنت کو اکارت نہیں جانا چاہیے لیکن سوال یہ ہے کہ یہ کم بخت انوار بے اب تک کیوں نہیں آیا.....'' یہ کہہ کر وہ پھر پہاڑی کی جانب بھاگ گیا۔

آخر کار انوار بے واپس آیا اور اس نے اطلاع دی کہ ہر بات پروگرام کے مطابق ہے۔ چنانچہ باقی ماندہ سامان جیپوں پر لادا گیا اور ہم لوگ وادی کی جانب روانہ ہو گئے۔ اونٹ پڑاؤ پر ہی چھوڑ دیے گئے تھے اور ان کی نگرانی کے لیے ایک آدمی رک گیا تھا۔ پڑاؤ سے وادی کا فاصلہ کچھ زیادہ نہیں تھا مگر راستہ چونکہ ہموار اور پتھریلا تھا اس لیے وادی تک پہنچنے میں کوئی ایک گھنٹا لگ گیا۔ ہم جس جگہ سے وادی میں داخل ہوئے۔ وہ دو اونچی پہاڑیوں کے درمیان ایک تنگ اور دشوار گزار راستہ تھا اور بظاہر ایک درے کی طرح نظر آتا تھا۔ جیپیں ہچکولے کھاتی ہوئی آگے بڑھتی رہیں۔ حتیٰ کہ ہم نے وہ دشوار گزار راستہ طے کر لیا اور اور وادی میں داخل ہو گئے۔ اس وقت ہم قدرے اونچائی پر تھے اور وہاں سے وادی میں دور تک پھیلے ہوئے کھنڈرات صاف نظر آتے تھے۔ میں اس سارے منظر کو ان بوسیدہ اور کہنہ کھنڈرات کو کچھ اس طرح دیکھتا رہا۔ جیسے کوئی ڈراؤنا سپنا دیکھ رہا ہوں۔ بادشاہوں کی اس وادی کے بارے میں نے بارہا مختلف اخبارات و رسائل میں مضامین پڑھے تھے اور تصویریں دیکھی تھیں مگر کبھی گمان بھی نہیں تھا کہ ایک دن مجھے بھی کھینچ کر وادی میں لے جائے گا۔ ہونی کے رمز کو آج تک کوئی نہیں سمجھا۔ میں بھی نہیں سمجھا ہوں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ ہونی کا علم نہ ہونے سے ہی زندگی میں رنگا رنگی پیدا ہوتی ہے۔ محبت، خوشی، کامیابی اور خوش فہمی ہی نہیں، دکھ، ناکامی، الجھن اور مایوسی اور نفرت اور دشمنی بھی زندگی کی کشش کو بڑھاتی ہے محبت کے ساتھ نفرت نہ ہوتی، دوستی کے ساتھ دشمنی نہ ہوتی اور آنے والے وقت کے بارے میں لاعلمی نہ ہوتی تو زندگی اتنی پھیکی، بے روح اور بے مصرف بن جاتی کہ لوگ خود ہی گلا گھونٹ کر مر جاتے لیکن یہ مختلف اور منفی جذبات ہی ہیں جو جینے کی امنگ میں اضافہ کرتے ہیں۔ آدمی طرح طرح کے دکھ جھیلتا ہے۔ ناکامی اور مایوسی سے دوچار ہوتا ہے۔ خوف اور دہشت کے مرحلوں سے گزرتا ہے پھر بھی جینا چاہتا ہے۔ ہر نیا تجربہ اسے مزید جینے پر اکساتا ہے چاہے اس کا جینا مرنے سے بھی بدتر ہو مگر پھر بھی وہ مرنا پسند نہیں کرتا۔ زندگی کا لالچ دنیا میں سب سے اہم لالچ ہے۔

اگر مجھے ہونی کا علم ہوتا تو میں کیا کرتا.....؟ یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے مگر یہ طے ہے کہ میں لندن کا رخ

ہرگز نہ کرتا اور مصر تو شاید کبھی نہ جاتا لیکن ایسا سوچنے سے کیا حاصل، ہونی ہو چکی تھی اور میں بادشاہوں کی وادی میں پہنچ چکا تھا اور اس وقت جب ہماری جیپیں پر پیچ اور غیر ہموار گلیوں میں ہچکولے کھاتی آگے بڑھ رہی تھیں، میں اپنے آپ کو کئی پراسرار اور خوفناک وہموں میں گھرا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے میرے اردگرد بے شمار پرانی اور آوارہ روحیں چل پھر رہی ہیں۔ مجھے خواہ مخواہ ان کی سرگوشیاں، قدموں کی چاپ اور سانسوں کی بازگشت سنائی دے رہی تھی۔ شاید یہ رات کی پراسرار طلسمی تاریکی کا نتیجہ تھا۔ ہزاروں سال پرانے کھنڈرات جہاں سے ان گنت ممیاں نکالی گئی تھیں اور پھر رات کا اندھیرا، سناٹا اور ویرانی۔ چنانچہ اگر مجھے طرح طرح کے وہم گھیر رہے تھے تو کوئی تعجب کی بات نہیں تھی اور اگر ارواح خبیثہ کا کوئی وجود ہے تو ممکن ہے وہاں واقعی طوطنخ آمن اور عمن عونس دوئم اور دوسرے فراعین کی ارواح موجود رہی ہوں۔

کچھ دیر میں ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں ڈاکٹر نیفا کے بیان کے مطابق ہمیں تمام رات قیام کرنا تھا۔ یہ دراصل عمن عونس دوئم کا وہ محل تھا جہاں اس نے ملکہ ٹیا سے شادی کی تھی۔ تاریخ کا مجھے زیادہ علم نہیں لیکن ڈاکٹر نیفا کے بیان اور لارڈ رے نے جو کچھ بتایا وہ یہ تھا کہ عمن عونس دوئم نے ملکہ ٹیا سے شادی کرنے کے بعد کچھ عرصہ اس محل میں قیام کیا تھا پھر اس نے ایک اور محل بنوایا تھا اور وہاں منتقل ہو گیا تھا بعد ازاں جب طوطنخ آمن نے عنان حکومت سنبھالی تو واپس اسی محل میں آ گیا تھا اور کچھ مدت تک اسی محل میں مقیم رہا تھا۔ میں نے حیرت اور کشمکش کے ملے جلے احساس کے ساتھ ان بوسیدہ اور شکستہ حال کھنڈروں کو دیکھا۔ بے شک وہاں کسی زمانے میں، یعنی طوطنخ آمن کے وقت ایک پرشکوہ اور خوبصورت محل ہو گا مگر اب مٹی کا ایک ملبہ اور بدنما کھنڈر بن چکا تھا۔ جس کے تاریک کونوں میں صحرائی پرندے بسیرا کرتے تھے اور شکستہ دیواروں کی دراڑوں میں چوہے اور طرح طرح کے حشرات الارض رہتے تھے مگر ان کھنڈروں کو دیکھ کر یہ اندازہ ضرور ہوتا تھا کہ محل خاصا وسیع رہا ہو گا۔ کیونکہ وہاں متعدد کمروں، راہداریوں اور ہال وغیرہ کے آثار موجود تھے۔ ایک ستون کا صرف تھوڑا سا حصہ ٹوٹا ہوا تھا۔ جبکہ دو ستون نصف سے زیادہ گر گئے تھے اور چوتھا ستون محض دو ڈھائی فٹ باقی رہ گیا تھا۔ ہال کے دائیں جانب ایک پتلی سی گلی نظر آئی جو غالباً راہداری رہی ہو گی۔ گلی کے دونوں جانب مٹی کے ڈھیر کی صورت میں خاصی اونچی دیواریں موجود تھیں۔ ہال سے ملحق دو کوٹھریاں تھیں اور ان کے پیچھے ایک کافی کشادہ کمرہ تھا اور حیرت انگیز طور پر کوٹھریوں اور کمرے کی چھتیں سلامت تھیں۔ غالباً آثار قدیمہ کی کھدائی کرنے والوں نے بطور خاص یہ اہتمام کیا تھا کہ ان کی چھتیں نہ گرنے پائیں۔ وادی میں ایسے کئی کمرے، مقبرے اور تہہ خانے موجود تھے جن کی چھتوں کو مسمار ہونے سے بچا لیا گیا تھا۔ میں نے دونوں کوٹھیروں اور کمرے کا بڑے غور سے جائزہ لیا تھا۔ اس وقت باربرا اور ماریا میرے ساتھ تھیں۔ ان کوٹھریوں اور کمرے کی دیواریں بے حد خستہ ہو چکی تھیں۔ ان میں دراڑیں پڑ گئی تھیں اور مٹی جھڑنے لگی تھی مگر ان پر بنے ہوئے عجیب اور نامانوس نقش و نگار اب بھی نمایاں تھے۔ وہی مخصوص تصویریں جو مصری آثار قدیمہ پر عموماً پائی جاتی ہیں۔ کمرے کی دیواروں پر جو تصویریں تھیں، ان میں ایک عورت کو سنگار اور سجاوٹ کے مختلف مرحلوں سے گزرتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ کہیں کنیزیں اس کے بال سنوار رہی تھیں اور کہیں آنکھوں پر کاجل لگا رہی تھی ممکن ہے وہ کمرہ کسی شہزادی کی خواب گاہ کے طور پر استعمال ہوتا رہا ہو اور شاید یہ ہی خیال درست تھا۔ کیونکہ ایک تصویر میں اس عورت کو ایک مرد کی گردن پر بانہیں ڈالے ہوئے دکھایا گیا تھا۔

میں کمرے اور خاص طور پر ان تصویروں کے مشاہدے سے فارغ ہو کر باہر آیا اور اس پتلی سی گلی کو دیکھا جو کوٹھریوں اور کمرے کے درمیان تھی۔ وہ گلی بے حد پتلی تھی۔ بمشکل دو فٹ چوڑی رہی ہوگی۔ ممکن ہے وہ گلی درحقیقت وہاں نہ رہی ہو بلکہ آثار قدیمہ کی کھدائی کے وقت بن گئی ہو۔ انہی کے آگے محل کے دوسرے حصے کے آثار تھے۔ میں نے چند منٹ گلی کا جائزہ لینے میں صرف کیے پھر باربرا اور ماریا کے ساتھ واپس چلا گیا۔

ہال کے فرش پر وہ تمام اشیا بکھری ہوئی تھیں جو ہم اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ اسٹار کی اور گومز شامیانہ لگانے میں مصروف تھے۔ کارسن نے فولڈنگ ٹیبل کھول دی تھی اور ان پر مختلف چیزیں قرینے سے رکھ رہا تھا۔ ہال کے مغربی کونے میں فولڈنگ کرسیاں رکھی تھیں۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور بے دھیانی اور لاتعلقی سے اس سارے منظر کو دیکھتا رہا۔ وہ سارا منظر کسی طرح حقیقت نہیں لگتا تھا بلکہ بڑا غیر فطری اور آسیبی دکھائی دیتا تھا۔ جیسے کوئی ناخوشگوار سپنا ہو۔ ساڑھے تین ہزار سال بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ پرانے بوسیدہ اور آسیب زدہ کھنڈرات کے ایک شکستہ ہال کے گرد آلود فرش پر متعدد لیمپ روشن تھے اور کچھ لوگ جو چاروں طرف سے اندھیرے، سناٹے اور ویرانی کے پس منظر میں بھٹکی ہوئی آوارہ روحوں کی طرح لگتے تھے۔ ایک عجیب وغریب رسم کو منانے کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے۔ لیمپوں کی روشنی اس منظر کو اور بھی سنسنی خیز بنا رہی تھی۔ میں چپ چاپ ان لوگوں کو ادھر ادھر بھاگتے اور مختلف کام کرتے دیکھتا رہا۔ کبھی میری نگاہ لارڈرے پر جم جاتی تھی جو اپنے بھاری بھرکم اور گول مٹول جسم کے ساتھ ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہل رہا تھا اور مختلف لوگوں کو ہدایات دے رہا تھا اور کبھی میں ڈاکٹر نیفا کو دیکھنے لگتا۔ جو سب سے زیادہ مصروف نظر آ رہا تھا اس کا ستا ہوا استعوانی چہرہ حسب معمول بے رنگ اور بے روح دکھائی دیتا تھا۔ البتہ اس کے اندرونی احساسات کا کچھ اندازہ آنکھوں سے ہوتا تھا۔ اس میں بے چینی اور اضطراب کی چمک نمایاں تھی اور صاف پتا چلتا تھا کہ وہ اندرونی طور پر شدید ہیجان میں مبتلا ہے۔ میں کچھ دیر تک گہرائی کے ساتھ اس منظر کو دیکھتا رہا پھر اکتاہٹ بڑھی تو میں نے اس وادی کا ایک چکر لگانے کا ارادہ کیا۔

لارڈرے کو میرا یہ خیال بالکل پسند نہیں آیا۔ اس نے کہا کہ وقت کم ہے اور مجھے ادھر ادھر بلا مقصد گھوم کر وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے مگر میں نے کہا صرف تھوڑی دیر کے لیے جانا چاہتا ہوں۔ جب تک لوگ تیاری مکمل کر دو گے، میں واپس آ جاؤں گا۔ تب اس نے بادل نخواستہ مجھے اجازت دے دی اور میں ایک عدد ٹارچ لے کر وادی کی مٹر گشتی پر نکل پڑا۔

میں کافی دیر سے وادی کی گلیوں میں بھٹکتا پھر رہا تھا۔ کھویا کھویا اور سحر زدہ وادی کبھی بے شک بادشاہوں کی وادی رہی ہوگی اور وہاں زندگی اپنی پوری حرارت اور توانائی کے ساتھ رواں دواں رہی ہوگی مگر اب وہاں ویرانی تھی اور موت سکوت، اب وادی بھوتوں کا مسکن معلوم ہوتی تھی۔ کبھی وہاں طوطنخ آمن، عمن عونس اول اور دوئم، رعمیس اور دوسرے فراعین نے بڑی شان وشوکت اور جاہ وجلال کے ساتھ خدائی کی تھی لیکن اب ان کی خدائی خاک میں مل چکی تھی اور زبان حال سے آدمی کی بے ثباتی اور عبرت کی داستان بیان کر رہی تھی۔ میں حیرت، محویت اور تجسس کے ساتھ کھنڈرات پر لکھی ان کہانیوں کو پڑھتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ اس وقت جس گلی سے گزر رہا تھا۔ اس کے دونوں جانب اونچی اونچی کچی دیواریں تھیں۔ گلی بتدریج اوپر کی جانب جا رہی تھی۔ ٹارچ کی روشنی

میں چڑھائی طے کرتا رہا۔ پیڈی اور گومز میرے ساتھ تھے۔ اوپر پہنچ کر میں رک گیا۔ دائیں جانب ایک وسیع تالاب سا دکھائی دیتا تھا۔ ٹارچ کی روشنی چاروں طرف ڈال کر میں نے جائزہ لیا۔ تالاب کے کونوں پر چار ستون تھے۔ جواب تقریباً منہدم ہو چکے تھے۔ میں جس جگہ کھڑا تھا۔ وہاں پر چند سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں، گویا عمارت میں داخلے کا دروازہ اسی جگہ تھا۔ کچھ تو ٹارچ کی مدد سے اور کچھ چاند کی روشنی کے باعث ہر شے بہر حال صاف دکھائی دیتی تھی۔ میں نے تالاب کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد پیڈی کو مخاطب کیا۔

''تمہارے خیال میں یہ کس قسم کی عمارت ہو سکتی ہے.....؟''

''بظاہر تو تالاب سا لگتا ہے.....'' پیڈی نے جواب دیا ''مگر ستونوں کی موجودگی کا مطلب ہے کہ اس کے اوپر چھت بھی رہی ہوگی۔ چنانچہ ہو سکتا ہے کہ یہ پبلک حمام رہا ہو۔'' میں نے سر ہلایا ''ہاں میرا بھی ایسا ہی خیال ہے.....''

دفعتاً گومز نے کہا ''ماسٹر کافی دیر ہو گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں اب واپس چلنا چاہیے۔''

میں نے گھڑی پر نظر ڈالی ''نہیں، ابھی کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی ہے۔'' میں نے کہا ''تھوڑی دیر کے بعد چلیں گے۔''

''مگر لارڈ رے نے کہا تھا.....'' گومز نے مجھے سمجھانا چاہا۔

''تم فکر نہ کرو۔ لارڈ رے تمہیں کچھ نہ کہے گا.....'' میں نے ذرا چڑ کر کہا اور آگے بڑھ گیا۔

میں تالاب سے آگے بڑھا تو چند سیڑھیاں ملیں، جو تعداد میں نو تھیں۔ اس سے پتا چلتا تھا کہ وہ تالاب یا حمام اونچائی پر واقع تھا۔ میں نے یہ بھی نوٹ کیا کہ وہ حمام طوطنخ آمن کے محل سے کافی قریب تھا۔ اردگرد جن عمارتوں کے آثار تھے۔ وہ بھی طرز بناوٹ کے اعتبار سے امرا کی معلوم ہوتی تھیں۔ چنانچہ ممکن ہے وہ حمام شاہی افراد کے استعمال کے لیے رہا ہو۔ میں نے دھیرے دھیرے سیڑھیاں طے کیں اور اوپر پہنچا۔ یہاں ایک چھوٹا سا غیر ہموار قطعۂ زمین تھا۔ گردوپیش میں کئی چھوٹی دیواریں تھیں۔ دائیں جانب ایک تنگ سرنگ نما راہ تھی۔ سامنے کچھ فاصلے پر اونچے نیچے ٹیلوں کا ایک سلسلہ نظر آ رہا تھا اور بائیں طرف کچھ دور چھوٹی چھوٹی کوٹھریوں کی ایک قطار تھی جو کبھی مقبرے رہے ہوں گے ان کے عقب میں چند ستون نظر آ رہے تھے جو ایک دائرے کی شکل میں تھے، میں نے کوٹھریوں یا مقبروں کی طرف قدم بڑھایا تو گومز نے ایک بار پھر پس وپیش کا مظاہرہ کیا۔

''ماسٹر میرا خیال ہے اب ہمیں.....''

مگر میں نے سنی ان سنی کر دی اور اچک کر ایک دیوار پر چڑھ گیا۔ پیڈی اور گومز نے تقلید کی مگر مجبوری، وہ لوگ میری اس بے وقت مٹر گشتی سے خوش نظر نہیں آتے تھے اور بار بار واپس چلنے کے لیے کہتے تھے۔ ان کا میرے ساتھ آنا بھی وجہ مجبوری تھا۔ ہے کہ لارڈ رے مجھے تنہا کھنڈروں میں جانے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ مبادا میں مٹر گشتی کرنے جاؤں اور پلٹ کر ہی نہ آؤں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ان دونوں کو میرا سایہ بنا دیا تھا۔ میں اپنے دونوں سایوں کو ساتھ لے کر دیوار کے دوسری جانب اترا اور اس طرف بڑھنے لگا جہاں متعدد ستون ایک دائرے کی شکل میں کھڑے تھے۔ اس وقت پیڈی نے زبان کھولی اور گومز کی رہنمائی میں کہا۔

''ماسٹر، اب ہمیں چلنا چاہیے۔ سب انتظار کر رہے ہوں گے''

''ہاں، ہاں.....'' میں نے لاپروائی سے ہاتھ جھلایا ''بس ابھی چلتا ہوں، گھبراؤ مت.....''

پھر میں ناہموار زمین پر اچک کر چلتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ چاند ایک بار پھر بادل کے ایک آوارہ ٹکڑے کے پیچھے روپوش ہو گیا تھا اور مجھے راستہ دیکھنے کے لیے اپنی ٹارچ کا سہارا لینا پڑ رہا تھا۔ آسمان ہر چند ابر آلود نہیں تھا۔ مگر کچھ چھوٹے بڑے ٹکڑے میں سے بھٹک کر چلے آئے تھے اور چاند کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔ جب چاند نکل آتا تو ہر سو پیلی پیلی مردہ سی روشنی پھیل جاتی اور کھنڈروں کو مزید پراسرار اور آسیبی بنا دیتی پھر جب بادل کا کوئی ٹکڑا چاند کو چھپا لیتا تو ہر طرف تاریکی چھا جاتی اور گردوپیش کے بلند و پست ٹیلے آسمان کے پیش منظر میں پر ہیبت عفریتوں کی طرح نظر آنے لگتے۔ میں نے ٹارچ کی روشنی میں زمین کا وہ غیر ہموار ٹکڑا طے کیا اور کوٹھریوں کے پاس جا پہنچا۔ وہ کوٹھریاں یا مقبرے تعداد میں پانچ تھے۔ گزرتے ہوئے ہزاروں برسوں نے ان کی دیواروں اور چھتوں کو خستہ کر ڈالا تھا۔ دو مقبروں کی نصف کے قریب چھتیں زمین بوس ہو چکی تھیں۔ دروازہ کسی میں نہیں تھا۔ صرف کھلے در تھے۔ جو قبروں کی تاریک دہانوں کی طرح دکھائی دیتے تھے۔ میں چند منٹ انہیں دیکھتا رہا پھر آگے بڑھا اور مقبروں کے دائیں جانب سے گھوم کر اس قطعۂ زمین پر پہنچا جہاں متعدد ستون ایستادہ تھے۔ وہ تعداد میں سات تھے اور ایک دائرے کی شکل میں تھے۔ وہ قطعہ زمین خاصا وسیع تھا اس کی زمین ہموار مگر گرد آلود تھی۔ ایک جانب چوڑی سیڑھیاں تھیں جو غالباً اس عمارت میں داخلے کے لیے استعمال ہوتی ہوں گی مگر یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ وہاں کس قسم کی عمارت رہی ہوگی۔ کوئی دربار ہال، پوجا گھر یا کوئی اسی قسم کی عمارت۔ سات ستونوں کی موجودگی کا مطلب تھا کہ وہ عمارت بھی شاہی افراد کے استعمال میں رہی ہوگی۔ ممکن ہے کہ وہ طوطخ آمن اور عمیسس یا عمن عونس ناچ رنگ اور عیش و طرب کی محفلیں سجاتے ہوں۔ یا ممکن ہے کہ اس ہال میں امرا، روسا اور اہم سرکاری افراد حکومتی مسائل سے متعلق اہم نوعیت کی میٹنگیں منعقد کرتے ہوں۔

گومز نے ایک بار پھر بے چینی کا مظاہرہ کیا ''ماسٹر کافی دیر ہو گئی ہے.....''

میں کچھ دیر ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر آخر کار میں نے کہا ''اچھی بات ہے، چلو.....''

''وہ لوگ یقیناً ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے.....'' پیڈی نے آگے بڑھتے ہوئے کہا ''ہمیں جلد از جلد پہنچنا چاہیے.....''

پیڈی کا خیال درست تھا۔ ہمیں واقعی کچھ دیر ہو گئی تھی اور لارڈ رے وغیرہ بے تابی سے ہمارا انتظار کر رہے تھے جب ہم واپس پہنچے تو اس نے خفا ہو کر کہا۔

''بھتیجے تم کہاں غائب ہو گئے تھے.....؟''

''کیا ہمیں دیر ہو گئی ہے.....؟'' میں نے خواہ مخواہ انجان بننے کی کوشش کی۔''

''یقیناً..... یقیناً.....'' اس نے زور سے داہنے ہاتھ کو جنبش دی۔ ''وقت کم ہے۔ تم ذرا جلدی سے کپڑے تبدیل کر لو۔'' میں نے زبان سے کچھ کہنے کے بجائے صرف سر کو اثبات میں جنبش دینے پر اکتفا کیا پھر میں نے گردوپیش کا جائزہ لیا۔ ہونٹوں پر زبان پھیری اور آہستہ آہستہ ہاتھ اٹھا کر کنپٹی کھجائی۔ اتنی دیر میں وہاں دنیا ہی بدل چکی تھی، کچھ دیر پہلے کا ویران کھنڈر اب خوب آراستہ و پیراستہ نظر آ رہا تھا۔ متعدد لیمپ روشن تھے۔ ایک طرف شامیانہ لگا ہوا تھا۔ شامیانہ کے نیچے دو بڑی اور خاص سجی ہوئی کرسیاں رکھی تھیں۔ دائیں جانب ایک کافی

بڑی ٹیبل تھی۔ جس پر مختلف قسم کی اشیا رکھی ہوئی تھیں۔ کرسیوں سے آگے تقریباً پانچ چھ فٹ کے فاصلے پر وہ فائٹر بال رکھا تھا جو سائز میں ایک بہت بڑے پیالے کی طرح نظر آتا تھا۔ اس میں آگ روشن تھی۔ شامیانے کے باہر ایک دائرے کی شکل میں متعدد کرسیاں رکھی تھیں۔ بائیں طرف کئی ٹیبل ایک قطار میں رکھی تھیں اور ان پر کھانے پینے کی اشیا اور شراب کی بوتلیں قرینے سے سجی ہوئی تھیں۔ یہ سارا ساز و سامان دیکھ کر مجھ پر واضح ہوا کہ کیونس کے بڑے بڑے تھیلوں میں کیا تھا۔ ان سب لوگوں نے کپڑے بھی تبدیل کر لیے تھے اور عورتیں اپنی آرائش اور سجاوٹ سے فارغ ہو چکی تھیں۔ عورتوں کے جسم پر قدیم مصری طرز کے لباس تھے۔ جوان کے جسم کو چھپانے سے زیادہ نمایاں کر رہے تھے۔ ان کے زیر جامے صرف کمر تک پہنچتے تھے۔ سینوں کی ستر پوشی محض ایک چوڑے جھالردار کپڑے سے کی گئی تھی۔ جسم کے باقی حصے عریاں تھے۔ بالوں کی سجاوٹ بھی قدیم انداز کی تھی۔ مردوں کے جسم پر چوکور گلے والے چھوٹے کرتے اور گھٹنوں تک پہنچنے والے زیر جامے تھے۔ البتہ لارڈ رلے ڈاکٹر نیفا اور کارنس کی پوشاکیں مختلف تھیں ان کے جسم پر لمبے کرتے تھے جو ٹخنوں تک پہنچ رہے تھے۔ لارڈ رلے کے کرتے کا رنگ سفید تھا۔ اس نے سر پر ایک تاج بھی پہن رکھا تھا۔ جو درخت کی شاخوں اور پتیوں کا مجموعہ تھا اور غالباً کسی دھات سے بنایا گیا تھا۔ ڈاکٹر نیفا کا لباس سیاہ تھا۔ اس کے گلے میں بڑے بڑے رنگین موتیوں کی ایک سہ لڑی مالا پڑی تھی۔ سر پر سیاہ گول ٹوپی تھی اور ہاتھ میں ایک کتاب۔ جشن ایمن کی طرح اس رات بھی وہ اپنے حلیے سے کوئی پجاری یا پروہت نظر آتا تھا۔ کارنس کی پوشاک کا رنگ سبز تھا مگر اس کا کرتا لارڈ رلے اور ڈاکٹر نیفا کی طرح پورا آستین کے بجائے نصف آستین کا تھا۔

عجیب نظارہ تھا وہ، ناقابلِ یقین، خواب کی دنیا کا کوئی ٹکڑا۔ یوں لگتا تھا جیسے میں واقعی ساڑھے تین ہزار سال کا فاصلہ طے کر کے کسی فرعون کے دربار میں جا پہنچا ہوں۔ یقین نہیں آتا تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے مگر بلاشبہ ہوا تھا اور میری نظروں کے سامنے موجود تھا۔ وہ سب کے سب آج کے زمانے میں ہوتے ہوئے بھی نہیں تھے۔ اس ویران اور سالخوردہ کھنڈر میں انہوں نے ماضی کو زندہ کر دیا تھا۔ وہاں حسین و طرح دار عورتیں تھیں۔ ریفا، اولگا، آئرین، باربرا اور سونیا وغیرہ۔ وہ سب مصری باندیوں کے روپ میں چل پھر رہی تھیں۔ ان کے دلکش اور شاداب بدن اور انوکھی سجاوٹ، حسن ہی حسن اور جوانی ہی جوانی۔ راجہ اندر کا روایتی محل اس سے بہتر تو نہ رہا ہوگا۔ شاید اسے بھی ایسی ہی پریاں میسر نہ آئی ہوں۔ جیسی اس ویرانے میں لارڈ رلے نے جمع کر دی تھیں۔ نگاہ تھی کہ ٹکتی ہی نہ تھی۔

پھر میری نگاہ ٹیا پر پڑی اور میں مبہوت ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ سامان نوش کی میزوں کے قریب ایک کرسی پر براجمان تھی۔ کیسا نظارہ تھا، کیسی آرائش تھی۔ کیا حسن تھا۔ شاید ایسے ہی تیکھے، بے پناہ اور خرمن حواس میں آگ لگا دینے والے حسن کے لیے قیامت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ میں محو ہو کر اس زندہ قیامت کو دیکھتا رہا۔ ایسی رعنائی تھی اس کے سراپا میں کہ پلک جھپکنے کا عمل بھول گئی تھی۔ اس نے ایک سرخ زیر جامہ پہن رکھا تھا۔ جس میں جگہ جگہ موتیوں کی لڑیاں ٹنکی ہوئی تھیں۔ پیروں میں سنہری چپلیں تھیں۔ ان کا اوپری حصہ بھی موتیوں سے مرصع تھا۔ سینے پر محض ایک سرخ ریشمی کپڑا تھا۔ جس میں سنہرے موتیوں کی خوبصورت جھالر لٹک رہی تھی۔ گلے میں وہی مخصوص لاکٹ تھا جو ایمن سوسائٹی کے سبھی ممبر پہنتے تھے۔ کمر میں ایک چوڑی مرصع پٹی تھی۔

بازوؤں پر بازو بند تھے جو دراصل سونے کے کڑے ہوئے سانپوں کی شکل کے تھے۔ سر پر ایک نازک سا خوبصورت تاج تھا۔ آنکھوں کے پپوٹے سنہرے رنگ سے رنگے ہو گئے تھے۔ ہونٹوں پر گہری سرخ لپ اسٹک تھی اور گالوں پر شفق پھوٹ رہی تھی۔ ٹیا سر سے پیر تک اتنی حسین نظر آ رہی تھی کہ اگر آپ اسے ایک نظر دیکھ کر مر جائیں تو آپ کو قطعی افسوس نہ ہوگا۔

لیکن میں نہیں مرا بلکہ خاموش نظروں سے دیکھتا رہا۔ ٹیا بھی میری جانب متوجہ ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بڑی شوق پرشوق اور نشاط انگیز چمک تھی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ، ایسی مسکراہٹ جو ہر دل کی دنیا کو ایک لمحے میں تاراج کر ڈالتی ہے۔ مسکرانا ایک فن ہے، ہر عورت اس فن سے واقف نہیں ہوتی۔ محض ہونٹوں کے کھنچاؤ کو مسکراہٹ کہنا مسکراہٹ کی توہین ہے۔ یہ ایک ایسی شاعری ہے۔ جسے بڑی نزاکت اور لطافت سے بیان کیا جاتا ہے۔ ایک نفیس و دلکش مسکراہٹ عورت کی دلبری اور رعنائی کو ہزار گنا بڑھا دیتی ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ بہت سی عورتیں خوبصورت نہیں لگتیں کیوں کہ انہیں مسکرانا نہیں آتا مگر ٹیا مسکرانے کے فن سے بخوبی واقف تھی۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ کس موقعے پر کس انداز میں مسکرانا چاہیے۔ چنانچہ اس وقت بھی اس کی مسکراہٹ بالکل ویسی ہی تھی جیسی ہونی چاہیے تھی۔ ایک خوبصورت کنایہ کی طرح، جس میں اس کی دلبری کے سارے انداز نمایاں ہو گئے تھے۔

ٹیا کے نظارہ جمال سے ابھی میں محظوظ ہو ہی رہا تھا کہ لارڈرے نے ایک بار پھر ٹوکا ''بھتیجے اب جاؤ بھی، وقت بہت کم ہے.....''

''اچھی بات ہے.....'' آخر کار میں نے طویل سانس لے کر کہا۔

باربرا اور ماریا میرے دائیں بائیں کھڑی تھیں۔ میں ان کی معیت میں کوٹھری کی جانب چل پڑا۔ ڈاکٹر نیفا بھی میرے ساتھ تھا، ہم کوٹھری میں داخل ہوئے اور میں نے حیرت سے ادھر ادھر دیکھا۔ کوٹھری کے فرش پر پلاسٹک کی ایک شیٹ بچھی تھی۔ اس پر مختلف قسم کی اشیا رکھی ہوئی تھیں۔ ایک طرف کینوس کے تھیلے پڑے تھے۔ ان کے ساتھ ہی دو چھوٹی ٹیبل بھی تھیں اور ان پر کچھ کپڑے، زیورات اور چھوٹی بڑی کئی شیشیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک تاج بھی تھا اور یہ تاج بالکل ویسا ہی تھا جیسا لارڈرے نے پہنا ہوا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس کے تاج کا رنگ سبز تھا جبکہ اس کا رنگ سنہرا تھا۔ ایک جانب دو تین کرسیاں پڑی تھیں۔ گویا کوٹھری میک اپ روم کے طور پر استعمال کی جا رہی تھی۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر کپڑوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کچھ کہنا چاہا تھا کہ باربرا بول پڑی۔

''ماسٹر کپڑے اتارو.....''

''کیا.....؟''

''کپڑے اتارو.....'' اس بار ماریا نے کہا۔

میں نے ایک ایک کر کے سارے کپڑے اتار دیے۔

کچھ دیر میں میرا حلیہ بالکل بدل گیا۔ میں خود تو اطمینان سے سگریٹ پیتا رہا جبکہ سارے فرائض باربرا، ماریا اور ڈاکٹر نیفا نے انجام دیے۔ انہوں نے پہلے میرے جسم پر کوئی خوشبودار شے ملی پھر ہتھیلیاں اور ناخن رنگے

پھر چوکور گلے والا ڈھیلا ڈھالا کرتا پہنایا اور کمر میں ایک مرصع پٹی باندھی۔ کرتے کا رنگ سنہرا تھا اور پٹی کا سرخ۔ اس میں سات مختلف رنگوں کے موتی ٹنکے ہوئے تھے پھر لاکٹ اور انگوٹھی پہنائی گئی۔ اس کے بعد چہرے کی ''مرمت'' شروع ہوئی۔ پورے چہرے پر خوشبو دار کریم ملی گئی۔ ہونٹوں پر لپ اسٹک لگائی گئی بھنوؤں اور پپوٹوں کو کئی رنگوں سے رنگا گیا۔ میرا جی متلانے لگا تھا۔ پپوٹوں اور بھنوؤں کے رنگوں کی چپچپاہٹ اور ہونٹوں پر گہری لپ اسٹک کی موجودگی کا احساس کراہیت پیدا کر رہا تھا مگر میں سوائے ضبط کرنے کے اور کر ہی کیا سکتا تھا۔ جب تمام مراحل طے ہو گئے۔ پیروں میں چپلیں اور سر پر تاج بھی فٹ کر دیا گیا تو میں نے آئینہ دیکھا بلکہ آئینے میں اس شخص کو دیکھا جو میرے بجائے نظر آ رہا تھا۔ اس کی کمان کی طرح تنی ہوئی سیاہ بھنوؤں، سنہرے اور سبز پپوٹوں اور سرخ ہونٹوں کو دیکھ کر مجھے سرکس کے مسخرے یاد آ گئے۔ اپنے لیے کم از کم میں مسخرا ہی تھا مگر ڈاکٹر نیفا، باربرا اور ماریا کے احساسات مختلف تھے اور جب میں واپس شامیانے کے نیچے پہنچا تو باقی لوگوں کے احساسات بھی مجھ سے برعکس تھے۔ ان لوگوں نے تالیاں بجا کر میرا خیر مقدم کیا۔ وہ لمحہ گویا ان کے منصوبے اور پھر طویل انتظار کا نقطۂ عروج تھا۔ وہ وقت آ پہنچا تھا۔ جب کتابوں میں لکھی ہوئی پیش گوئی (کم از کم ان کے خیال میں) پوری ہونے والی تھی اور وہ مجھے اسی روپ میں دیکھ رہے تھے، جس میں دیکھنا چاہتے تھے۔ یہ روپ عمن عونس دوم کا تھا۔ جو غالباً رعمیسس اول یا دوئم کا بیٹا اور طوطنخ آمن کا باپ تھا۔ یہ بات چند منٹ بعد مجھ پر واضح ہوئی۔ جب ڈاکٹر نیفا نے اس شاہانہ رسم کی ابتدائی تقریر شروع کی۔

مجھے شامیانے کے نیچے بڑی دونوں مرصع و منقش کرسیوں میں سے ایک پر بٹھا دیا گیا پھر ٹیا سامنے سے چل کر آئی۔ یوں سبک قدموں سے ہولے ہولے چل کر، جیسے دریا کی لہر یا ہوا کا جھونکا یا خوشبو کا خرام۔ اس کے قدموں کی ہر جنبش پر رقص کا گمان ہو رہا تھا۔ میرے سامنے پہنچ کر وہ ٹھہر گئی پھر آہستہ آہستہ جھکی اور میرے آگے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی پھر اس نے میرے دونوں ہاتھ تھامے اور گردن کا خفیف سا خم دے کر اس نے باری باری دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا اور ٹھیک اس وقت جب اس کے یاقوتی لب میرے ہاتھوں کو چوم رہے تھے۔ ڈاکٹر نیفا نے کوئی خوشبو دار شے ہم دونوں پر چھڑکنا شروع کر دی۔ ساتھ ہی وہ زور زور سے کچھ پڑھ بھی رہی تھی۔ جو میری سمجھ میں بالکل نہیں آیا کیونکہ زبان یقینی طور پر قدیم مصری تھی اور غالباً وہ بھی دعاؤں کی کتاب میں درج کوئی دعا تھی جب ٹیا بوسہ دے کر فارغ ہو چکی تو لارڈ رے اور ماریا نے اسے شانوں سے پکڑ کر اٹھنے میں مدد دی۔ پھر ایک شال اس کے کاندھوں پر ڈالی۔ وہ بیش قیمت اور خوبصورت شال تھی۔ کم از کم اتنی بیش بہا اور نفیس شال میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ سیاہ دبیز مخمل سے بنائی گئی تھی۔ کناروں پر چھ انچ چوڑی طلائی بیل تھی جو انسانی ہاتھ کی کاریگری کا اعلیٰ ترین نمونہ تھی۔ ایک نظر دیکھتے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ وہ بیل سونے کے تاروں سے بنائی گئی ہے اور یہ بھی ممکن تھا کہ اس میں جڑے ہوئے موتی بھی اصلی رہے ہوں۔

پھر رسم کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ ڈاکٹر نیفا میرے دائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں دو تین کتابیں تھیں۔ لارڈ رے، باربرا، ماریا اور کارن ہمارے پیچھے ایستادہ تھے۔ باقی افراد سامنے نصف دائرے میں پڑی ہوئی کرسیوں پر براجمان ہو چکے تھے۔ ہر طرف گہرا سکوت طاری تھا اور ہر شخص کی نگاہ ڈاکٹر نیفا کے زرد استخوانی

چہرے پر جمی ہوئی تھی۔ فضا میں یکا یک ایسا شدید تناؤ پیدا ہو گیا تھا کہ مجھے گھبراہٹ ہونے لگی۔ دل کی دھڑکن میں اضافہ ہو گیا اور کچھ ایسا محسوس ہونے لگا جیسے کوئی بہت ہی انوکھی، بہت ہی اہم اور نا قابلِ یقین بات ہونے والی ہے۔

ڈاکٹر نیفا چند لمحے خاموش کھڑا رہا اور گردن اٹھا کر شامیانے کی سرخ چھت کو گھورتا رہا۔ لیمپوں کی مدھم اور پیلی روشنی میں وہ کسی ایسے جادوگر کی طرح دکھائی دے رہا تھا جو اگلے لمحے کوئی حیرت ناک شعبدہ دکھانے والا ہو۔ وہ کچھ دیر ایسی حالت میں کھڑا رہا پھر اس نے بایاں ہاتھ فضا میں بلند کیا وہ اونچی آواز میں بولا۔

''ساتھیو! ساڑھے تین ہزار سال کا عرصہ گزرا جب اس سرزمین پر عمن عونس دوئم حکومت کرتا تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا طوخ آمن بادشاہ بنا۔ طوخ آمن اس دنیا کا مالک تھا۔ وہ بہت جلد اسائرس کے پاس واپس چلا گیا کیونکہ اسے پھر واپس آنا تھا۔ طوخ آمن سے اخن عاتن نے کہا تھا۔ تم اس دنیا میں واپس آؤ گے پھر رعمیس نے کہا تھا، تم اس دنیا میں واپس آؤ گے پھر اسائرس نے کہا تھا، تم اس دنیا میں واپس آؤ گے پھر اسائرس نے کہ جس کا جسم سبز تھا، اپنی بیوی سے کہا تھا، ہم نے یہ دنیا طوخ آمن کو سونپ دی۔ وہ اس دنیا میں پھر واپس آئے گا اور تا ابد خدائی کرے گا..... میرے ہاتھ میں کتاب ارفینا ہے۔ یہ کتاب طوخ آمن کے شاہی مندر کے سب سے بڑے پجاری ارفینا نے لکھی تھی۔ جو طوخ آمن اور ملکہ ٹیا کی ذاتی کنیز افریٹی کا باپ تھا۔ ارفینا نے اپنی بیٹی افریٹی کے سپرد یہ خدمت کی تھی کہ یہ طوخ آمن کی واپسی کی پیش گوئی کو تکمیل تک پہنچائے۔ چنانچہ وہ انتظار کرتی رہی اور بار بار اس دنیا میں آتی رہی۔ حتیٰ کہ ساڑھے تین ہزار سال کا عرصہ گزر گیا اور پیش گوئی کے پورا ہونے کا وقت آ پہنچا۔''

ڈاکٹر نیفا یکا یک چپ ہو گیا اور چند ثانیے کسی گہرے خیال میں ڈوبا رہا پھر اس نے دوبارہ سلسلہ تقریر شروع کیا ''ساتھیو! طوخ آمن کی دنیا میں واپسی کی پوری پیش گوئی اگرچہ کتابوں میں درج ہے مگر تم میں سے زیادہ تر لوگ پیش گوئی کی پوری تفصیل سے آگاہ نہیں ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ میں اس کی تفصیل سے تم سب لوگوں کو باخبر کر دوں۔ سب سے پہلے تو میں یہ کہوں گا کہ تم اور میں ہم سب اسائرس ہیں کہ طوخ آمن کی واپسی کا اہم ترین فریضہ ہم لوگوں کو سونپا گیا۔ میں تم سب کو مبارک باد دیتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ ہم سب اسائرس اور اخن عاتن کی نظروں میں سرخرو ہوئے ہیں۔ ہم نے یہ اہم فریضہ بہ حسن و خوبی تکمیل کو پہنچایا ہے اور جب طوخ آمن اس دنیا میں آئے گا اور اس دنیا کی عنان ملکیت سنبھالے گا تو جیسا کہ وعدہ کیا گیا ہے، وہ ہمیں ہماری محنتوں کا ثمر عطا کرے گا اور ہمیں خلعت فاخرہ سے سرفراز فرمائے گا۔ یہ وعدہ طوخ آمن نے افریٹی اور ارفینا سے کیا تھا اور اس کا پورا حال کتاب ارفینا میں درج ہے.....''

اتنا کہہ کر ڈاکٹر نیفا پھر لمحے بھر کے لیے رکا پھر اس نے اونچی آواز میں ''اخن عاتن، اخن عاتن'' کہا پھر ''ایمن، ایمن'' کہا پھر ''اسائرس، اسائرس'' کہا اور پھر بلند آواز سے کوئی دعا پڑھنے لگا۔ میں نے بے چینی سے کرسی پر پہلو بدلا۔ دل کی گھبراہٹ ابھی تک کم نہیں ہوئی تھی اور اختلاجی کیفیت بدستور طاری رہی پھر میں نے گردوپیش میں دیکھا۔ میرے سامنے فائر بال میں آگ دھڑا دھڑ جل رہی تھی۔ پیچھے کھڑے ہوئے لارڈز وغیرہ اور سامنے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے لوگ بے جان بتوں کی طرح نظر آتے تھے مگر ان کی بصارت و سماعت کا

مرکز بہر حال ڈاکٹر نیفا تھا اور ڈاکٹر نیفا کی گہری آواز رات کے طلسمی سناٹے میں کسی پاگل روح کی غیر فطری چیخ کی طرح گونج رہی تھی۔ جب وہ دعا سے فارغ ہوا۔ تو اس نے پھر تقریر کا سلسلہ آگے بڑھایا۔

''تو ساتھیو! اس پیش گوئی کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ اب سے ساڑھے تین ہزار سال قبل عمن عونس دوئم کی شادی ملکہ ٹیا سے ہوئی تھی۔ تم تعجب کرو گے اور شاید یقین نہیں کرو گے مگر یہ حقیقت ہے کہ ان کی شادی ٹھیک اسی جگہ ہوئی تھی جس جگہ ہم اس وقت موجود ہیں۔ یہی فرش تھا اور ٹھیک اسی جگہ عمن عونس دوئم اور ملکہ ٹیا کی کرسیاں رکھی تھیں اور یہ بھی سچ ہے کہ ہم میں سے بیشتر افراد اس وقت بھی اس شادی میں شریک تھے۔ یہ اسائرس کا کرم ہے کہ اس نے ہم میں سے کئی افراد کو دوسری بار بھی اس شادی میں شرکت کا موقع عطا کیا۔ ہاں، یہ فرق ضرور ہے کہ اس وقت سر کے اوپر کھلا آسمان نہیں تھا۔ بلکہ یہاں ایک بے حد عظیم الشان، زرکار، مرصع و مزین ہال تھا اس وقت عمن عونس دوئم اور ملکہ ٹیا کی کرسیاں بھی خالص سونے کی تھیں اور بیش بہا ہیرے موتیوں اور جواہرات سے مزین تھیں۔ اس کے علاوہ اس وقت شادی کی رسوم کی تکمیل میرے ذمے نہیں تھی۔ بلکہ یہ فرض ارفینا نے انجام دیا تھا۔ میں اس پہلی شادی میں اس جگہ بیٹھا تھا جہاں اس وقت حسن عبید بیٹھا ہے مگر ارفینا نے دوسری شادی کا فرض میرے ذمے سونپا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت ارفینا کے بجائے میں یہاں کھڑا ہوں.....''

ڈاکٹر نیفا نے سلسلہ کلام جاری رکھا ''تو میرے ساتھیو! اسائرس، اخن عاتن اور ایمن کے عقیدت مندو، ٹھیک یہی جگہ تھی، یہی دن اور یہی تاریخ تھی اور ٹھیک یہی ساعت تھی۔ جب عمن عونس دوئم اور ملکہ ٹیا کی شادی ہوئی تھی اور انہوں نے اس کمرے میں سہاگ رات منائی تھی.....'' یہ کہتے ہوئے اس نے اس کمرے کی جانب اشارہ کیا جو دونوں کوٹھریوں کے پیچھے تھا ''اور پھر ان کی شادی کے نتیجے میں طوطنخ آمن پیدا ہوا تھا۔ طوطنخ آمن جو اس دنیا کا مالک ہے۔ عمن عونس دوئم کو زیادہ دن اس دنیا میں نہیں رہنا تھا چنانچہ وہ واپس اسائرس کے پاس چلا گیا اور پھر طوطنخ آمن نے زمان حکومت سنبھالی۔ جب وہ بادشاہ بنا تو صرف چودہ سال کا تھا۔ وہ فراعین مصر میں سب سے زیادہ شان و شوکت والا بادشاہ تھا۔ سب سے خوبصورت طرح دار اور پرشکوہ۔ ایسا دلربا کہ ہر عورت اس پر فدا تھی اور ایسا پر عظمت کہ ہر مرد اس کا ادنیٰ غلام تھا۔ یہ اس کی دلربائی اور عظمت ہی تھی کہ اسائرس نے اسے اپنے سب سے عزیز از جان دیوتا کا درجہ دے دیا تھا پھر جب وہ اکیس سال کا ہوا تو اسائرس نے اسے بلا لیا صرف اس لیے کیونکہ اسے پھر دنیا میں واپس آنا تھا۔''

ڈاکٹر نیفا ایک لمحے کے لیے رکا۔ اس نے ایک بار پھر وہ خوشبودار شے ہم دونوں کو چھڑکی اور پھر کہنا شروع کیا ''اسائرس نے ارفینا کو تفصیل سے بتا دیا تھا کہ طوطنخ آمن کی واپسی کی پیش گوئی کب اور کیوں کر عمل میں آئے گی۔ چنانچہ ارفینا نے لکھا ہے کہ صبح و شام کا تسلسل جاری رہے گا۔ گھڑیاں گزریں گی۔ حتیٰ کہ طوطنخ آمن کی واپسی کا وقت آ پہنچے گا..... ارفینا نے مزید لکھا ہے کہ ساڑھے تین ہزار سال بعد ایک نوجوان ایشیا میں پیدا ہوگا اور پھر وہ سمندر پر سفر کرے گا اور اسکندریہ ہوتا ہوا یورپ جائے گا اس نوجوان کی ذات میں وہ تمام علامتیں موجود ہوں گی جو عمن عونس دوئم کی ذات میں تھیں۔ اس کی ہتھیلی پر ایک سرخ ستارا طلوع ہوگا اور اس کی پشت پر سات تل ہوں گے۔ اس کے داہنے پیر کے انگوٹھے کی لکیریں دائرے کی شکل میں ہوں گی اور اس کی پیدائش گرہن کے وقت ہوئی ہوگی۔ وہ نوجوان دراصل عمن عونس دوئم کا باپ ہوگا اور پھر انہی دنوں ایک لڑکی بھی پیدا ہوگی جس

کی رگوں میں تین قوموں کا خون ہوگا اور اس کی ذات میں وہ تمام خصوصیات اور علامتیں موجود ہوں گی جو ملکہ ٹیا کی ذات میں تھیں۔ حتیٰ کہ وہ لڑکی اس بیماری میں بھی مبتلا ہوگی جس میں ملکہ ٹیا تھی۔ یہ لڑکی دراصل اصل ملکہ ٹیا کے روپ میں ہوگی پھر رے اور نیفامل کراخن عاتن اور اسائرس اور ایمن کے عقیدت مندوں کی مدد سے ان دونوں کو یکجا کریں گے پھر وہ سب لوگ مصر جائیں گے اور عمن عونس دوئم کے محل میں جمع ہوں گے۔ برسوں کی گردش کے بعد ایک بار پھر وہی دن وہی تاریخ اور وہی ساعت پلٹ کر آئے گی اور عمن عونس دوئم کے محل میں، ٹھیک اسی ہال میں، جہاں ان کی پہلی بار شادی ہوئی تھی، نیفا، عمن عونس دوئم اور ملکہ ٹیا کی دوسری شادی کا فرض انجام دے گا اور وہ دونوں اسی کمرے میں سہاگ رات منائیں گے۔ جس میں پہلی بار سہاگ رات منائی تھی اور پھر ان کی شادی کے نتیجے میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو دراصل طوخ آمن ہوگا اور جب طوخ آمن جوان ہوگا تو دنیا کا مالک بنے گا جیسا کہ اسائرس نے وعدہ کیا ہے.....''

اتنا کہہ کر ڈاکٹر نیفا یکا یک چپ ہو گیا اور جس طرح تانبے کے سکہ کے کسی وسیع ترین ہال میں گرنے کی گونج دیر تک باقی رہتی ہے۔ اسی طرح اس کی سرد اور بے روح آواز گونج کسی آسیبی چیخ کی طرح دیر تک فضا میں تیرتی رہی۔ میں نے یکا یک گھبرا کر اپنے دونوں ہاتھوں کو دیکھا جن کی انگلیاں ایک دوسرے میں اتنی قوت سے پھنسی ہوئی تھی کہ پوریں اور ناخن سفید پڑ گئے تھے۔ میرے ہونٹ انگاروں کی طرح جل رہے تھے اور سانسوں میں شعلوں کی تپش تھی اور میں صاف محسوس کر رہا تھا کہ میرا جسم کپڑوں کے اندر خشک پتے کی طرح تھر تھر کانپ رہا ہے۔ خدایا! یہ سب کیا ہے؟ یہ سب میں کیا سن رہا ہوں۔ یہ لوگ آخر کون ہیں؟ انسان ہیں یا خبیث روحیں۔ یہ لوگ آخر یہ سب کیا کہہ رہے ہیں۔ میں عمن عونس دوئم تھا اور یہ لڑکی جو میرے پہلو میں بیٹھی تھی، ملکہ ٹیا تھی۔ ہم دونوں کی ساڑھے تین ہزار سال قبل شادی ہوئی تھی اور میں طوخ آمن کا باپ بنا تھا۔ اب اتنا طویل عرصہ گزرنے کے بعد ہم دونوں پھر دنیا میں واپس آ گئے ہیں۔ ایک بار پھر ہماری شادی ہو رہی تھی اور اس شادی کے نتیجے میں ایک بار پھر طوخ آمن پیدا ہوگا اور اس دنیا کی عنان ملکیت سنبھالے گا۔ دنیا میں ایسا کون ذی ہوش ہے جو ان خرافات پر رتی برابر بھی یقین کرے گا مگر یہ لوگ یقین کرتے ہیں اسی لیے انہوں نے یہ سارا کھیل رچایا ہے۔ ان گنت سازشیں کی ہیں، قتل کیے ہیں اور مجھے مجرم بنایا ہے اور اب اس ویرانے میں لے کر آئے ہیں تاکہ اس بے ہودہ پیش گوئی کو تکمیل تک پہنچا سکیں، جو سراسر کسی پاگل پجاری کے ذہن کی پیداوار ہے..... خدایا..... خدایا، میں کیا کروں۔ میں نے گھبرائی ہوئی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ کسی ایسے پرندے کی طرح جو پنجرے میں بند ہو اور بار بار نکلنے کی کوشش کرتا ہو مگر صرف پر پھڑ پھڑا کر رہ جاتا ہو۔ میرے لیے کوئی جائے فرار نہیں تھی۔ سارے دروازے بند اور سارے راستے مسدود ہو چکے تھے۔ اوپر نیچے دائیں بائیں کہیں کوئی روزن نہیں تھا اور پرندہ پر پھڑ پھڑانے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔''

میری کیفیت کو کسی نے بھی محسوس نہیں کیا کیونکہ کوئی بھی میری طرف متوجہ نہیں تھا۔ سب ہی لوگ بدستور ڈاکٹر نیفا کی طرف متوجہ تھے اور ڈاکٹر اونچی آواز میں کہہ رہا تھا ''تو ساتھیوں! صدیوں کا انتظار ختم ہوا۔ ہم اپنی منزل پر آ پہنچے۔ بس کچھ دنوں کی بات اور ہے پھر اسائرس کا کہا پورا ہو جائے گا۔ آج کی رات بہت اہم ہے اور بہت مقدس ہے۔ ہم یہاں اس ہال کے فرش پر موجود ہیں۔ دولہا اور دلہن بھی موجود ہیں اور سب کچھ ویسا ہی ہے

جیسا کتابوں میں درج ہے، میں کہ اسائرس کا ادنیٰ غلام ہوں اس سمے لمحوں کی صدا سن رہا ہوں اور ستاروں کی چال کی دیکھ رہا ہوں اور اس ساعت کو آسمان سے اترتے ہوئے محسوس کر رہا ہوں۔ جب شادی کی رسم تکمیل کو پہنچی تھی۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ ہمیں شادی کی رسوم کا آغاز کر دینا چاہیے اگر ذرا بھی دیر ہوئی اور وہ ساعت گزر گئی تو..... مگر نہیں مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے اسائرس مجھ پر اور ہم سب پر کرم کرے.....''

یہ کہہ کر ڈاکٹر نیفا خاموش ہو گیا اور دعاؤں کی کتاب کے صفحات الٹنے لگا۔ میں پتھرائی ہوئی نظروں سے چپ چاپ دیکھتا رہا۔ فائر بال میں صندل اور زیتون کی لکڑیاں ڈالی گئیں۔ باربرا نے دائیں جانب ایک ٹیبل رکھی اور اس پر شراب کی وہ تین بوتلیں سجائیں جو لارڈ رے نے پیرس کے یہودی سے خریدی تھیں پھر ماریا نے دو بلوریں جاموں میں شراب انڈیلی اور ایک ایک جام مجھے اور ٹیا کو تھما دیا اور اس کے بعد لارڈ رے ایک چھوٹا سا بت لے کر آیا جو کانسی یا تانبے کا بنا ہوا تھا۔ اس کا سائز ایک فٹ سے بھی کم رہا ہوگا۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کس کا بت تھا۔ ایمن کا، اسائرس کا یا اخن عاتن کا۔ کیونکہ ان تینوں مصری دیوتاؤں کی شکل وصورت کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں تھا۔ چنانچہ وہ ان میں سے کسی کا بھی ہو سکتا تھا یا ممکن ہے وہ کسی اور مصری دیوتا کا بت رہا ہو۔ اس کی شکل بڑی بھیانک تھی۔ چہرے اور بالوں سے وہ کسی مرد کا بت معلوم ہوتا تھا لیکن اس کے سینے کے ابھار اس کے جسم کو نسوانی ظاہر کرتے تھے۔ لارڈ رے نے اسے فائر بال کے سامنے رکھ دیا پھر اس نے جیب سے ایک چھوٹا سا مخملی بکس نکالا اور اس میں سے ایک انگوٹھی برآمد کی۔ بڑی خوبصورت اور بیش قیمت انگوٹھی تھی اس میں جڑا ہوا لعل ایک بڑے بادام کے برابر اور دل کی شکل کا تھا۔ لارڈ رے نے وہ انگوٹھی مجھے دی اور مسکرا کر مدھم لہجے میں بولا۔

''بھتیجے یہ انگوٹھی عمن عونس نے ملکہ ٹیا کو شادی کے وقت پہنائی تھی.....''

میں نے استفہامیہ نظروں سے اسے گھورا۔

''یہ بالکل سچ ہے یہ انگوٹھی ساڑھے تین ہزار سال پرانی ہے'' لارڈ رے نے وضاحت کی ''یہ انگوٹھی ملکہ ٹیا کے مقبرے سے نکلی تھی۔ اس وقت آثار کی کھدائی پر جو انجینئر مامور تھا۔ اس نے اسے چرا لیا تھا اور بعد میں بھاری رقم کے عوض میرے ہاتھ بیچ دیا تھا۔ تب سے یہ میرے پاس محفوظ تھی۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ دن بہت جلد آئے گا۔ جب عمن عونس ایک بار پھر یہ انگوٹھی ملکہ ٹیا کو پہنائے گا.....''

یہ کہہ کر وہ مسکرانے لگا اور چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔

انتظامات مکمل ہو گئے۔ ایک بار پھر سب لوگ اپنی اپنی جگہوں پر چلے گئے اور تب ڈاکٹر نیفا نے اونچی آواز سے دعائیں پڑھنی شروع کیں۔

اور یہ کوئی دو گھنٹے بعد کی بات ہے، جب میں اپنی لرزتی ہوئی ٹانگوں پر شکستہ اور درماندہ جسم کا بوجھ اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا یہ بیان کرنا میرے لیے ممکن نہیں کہ اس وقت میری کیا کیفیت تھی۔ قلم بے بس نظر آتا ہے اور الفاظ عاجز دکھائی دیتے ہیں۔ میں اپنے آپ کو بالکل دیوانہ محسوس کر رہا تھا۔ میں نے سنا تھا کہ بھنگ کا نشہ کرنے والوں کو ہنسی بہت آتی ہے۔ ہنسنا شروع کرتے ہیں تو گھنٹوں ہنستے رہتے ہیں۔ اس وقت میرا بھی جی چاہ رہا تھا کہ ہنسوں، خوب ہنسوں، خوب زوردار قہقہے لگاؤں اور دیوانوں کی طرح ناچنے لگوں۔ میں نہیں جانتا کہ

یہ خواہش کیوں تھی شاید اس شراب کا اثر تھا جو فراعین مصر پیا کرتے تھے اور جس کے چھ سات پیگ مجھے پینے پڑے تھے۔ یا پھر اس شادی کا اثر تھا جس کے مراحل سے مجھے ابھی ابھی گزرنا پڑا تھا۔ وجہ کچھ بھی ہو مگر میں ہنسنا چاہتا تھا اور اپنے آپ پر ہنسنا چاہتا تھا کیونکہ مجھ جیسا آدمی شاید اس دنیا میں کوئی دوسرا نہ ہوگا۔ میں بیسویں صدی کا آدمی ہوں مگر میری شادی ساڑھے تین ہزار سال قبل کے رواج کے مطابق ابھی ابھی انجام کو پہنچی تھی مگر میں ہنس نہیں سکا۔ بلکہ ہنسنے کے خیال پر رونا آ گیا۔ یہ سوچ کر کہ قسمت نے جو ستم میرے ساتھ کیا ہے کسی دوسرے کے لیے اس کا تصور بھی محال ہے۔

میرے سر میں گولے سے چھوٹ رہے تھے اور سارے جسم میں ایسی جلن ہو رہی تھی، گویا چنگاریاں اوپر سے نیچے تک دوڑ رہی ہوں۔ سانس لینے میں بھی دشواری ہو رہی تھی اور غالباً زیادہ نشے کی بنا پر بصارت بھی متاثر ہوئی تھی۔ نگاہ کبھی ٹھیک ٹھاک کام کرتی اور کبھی مختلف اشیا ایک دوسرے میں گڈمڈ ہونے لگتیں اور شکلیں دھندلا جائیں اور مجھے ٹھہر کر اور نگاہ جما کر دیکھنا پڑتا تھا۔ پہلے کبھی تین ہزار سال پرانی شراب نہیں پی تھی۔ پینا تو درکنار دیکھی بھی نہیں تھی مگر اب اتنی کہنہ شراب کے کئی بڑے پیگ میرے معدے میں اتر چکے تھے اور میرے حواس کو منتشر کر رہے تھے۔ عجیب شراب تھی وہ بھی، اس کا رنگ اچھا نہیں تھا، ذائقہ بھی عجیب تھا۔ اس میں مٹھاس بھی تھی اور تلخی بھی۔ پیتے وقت ایسا گمان بھی نہیں ہوتا تھا کہ اس کا نشہ اتنا تیز ہوگا۔ اگر ذرا بھی شبہ ہوتا تو میں کم شراب پیتا مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ میں انجانے میں چھ سات یا دس سے بھی زیادہ بڑے پیگ پی گیا تھا اور اب یوں محسوس کر رہا تھا جیسے زمین پر نہیں چل رہا ہوں، بلکہ ہوا میں اڑ رہا ہوں.....

کمرے میں داخل ہو کر میں رک گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ تو یہی کمرہ تھا جہاں عمن عونس دوئم جیسے شہنشاہ نے ملکہ ٹیا کے ساتھ سہاگ رات منائی تھی۔ بڑا غریب بادشاہ تھا بے چارہ کہ اسے اس سے بڑا کمرہ میسر نہیں آیا تھا۔ میں نے یونہی بے دھیانی سے سوچا اور بلا ارادہ کنپٹی پر ہاتھ پھیرا۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ اس کمرے کو شاہانہ انداز میں آراستہ کیا جاتا پھر بھی اسے مناسب طور پر سجا دیا گیا تھا۔ دیواروں پر چند تصویریں آویزاں تھیں۔ نصف سے زیادہ فرش پر ایک رنگین چادر بچھی تھیں جو اتنی دبیز تھی کہ دیکھنے میں دری کی طرح نظر آتی تھی۔ دائیں جانب والی دیوار کے قریب ایک سنگل فولڈنگ بیڈ لگا تھا۔ بیڈ کے ساتھ میں ایک ٹیبل رکھی تھی جس پر نہ صرف ایک لیمپ روشن تھا بلکہ شراب سے بھری ہوئی ایک بلوریں صراحی، چند گلاس، پانی کا جگ اور ایک چوڑی طشتری میں مختلف پھل بھی موجود تھے۔ سگریٹ کی تین چار ڈبیاں بھی رکھی تھیں۔ عمن عونس دوئم بے شک فروٹ بھی کھاتا ہوگا اور شراب بھی پیتا ہوگا مگر وہ پال مال اسپیشل برانڈ کے سگریٹ بھی پیتا تھا یا نہیں، یہ مجھے نہیں معلوم۔ بے چارہ، ایسا بادشاہ ہونا بھی آخر کس کام کا کہ پال مال کے سگریٹ تک میسر نہ ہوں اس سے بہتر ہے کہ آدمی کسی پلاسٹک فیکٹری میں کام کر لے مالٹے کی بیئر پیئے اور کہ پال مال سگریٹ کا لطف اٹھائے۔ میری ذہنی خستگی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ میں غیر ارادی طور پر اس قسم کی احمقانہ باتیں سوچ رہا تھا پھر میں بیڈ کے ساتھ میں پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا اور ٹیا کو دیکھنے لگا۔

''میں تمہیں کیسی لگ رہی ہوں.....؟''

''بہت اچھی.....'' میں نے اپنی آواز سنی جو بڑی اجنبی سی لگی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی دوسرا آدمی بات کر

رہا ہے۔

''میں بہت خوش ہوں۔ اتنی خوش کہ بیان نہیں کر سکتی.....'' اس نے پھر کہا۔

''کیوں.....؟''

اس نے حیرت سے مجھے گھورا۔ ''اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ آخر کو ہماری شادی ہوئی ہے جس بات کا اتنے دن سے انتظار تھا۔ وہ انجام کار پوری ہوئی۔ شادی کیا خوشی کی بات نہیں ہے۔ کیا تم خوش نہیں ہو.....؟''

میں نے یکا یک ہنس کر بات کو سنبھالنے کی کوشش کی ''کیا مجھے خوش ہونا چاہیے.....؟''

''ہاں یقیناً.....'' اس نے شراب کا گھونٹ لیا ''اب میں تمہاری بیوی ہوں۔ اب ہمارے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں۔ کوئی پابندی نہیں۔ ہمیں ایک دوسرے سے ملنے کا حق حاصل ہو چکا ہے اور اب تم چاہو تو مجھے.....''

وہ یکا یک چپ ہو گئی اور مسکرانے لگی۔ وہی مسکراہٹ، برق پاش اور نشاط آمیز، آوازیں دیتی ہوئی۔ میں نے سگریٹ ایش ٹرے میں بجھائی اور حیران ہو کر سوچا کہ یہ کیا ماجرا ہے، یہ کیا بات ہے۔ ٹیا تو وہ لڑکی ہے جس کا حسن و شباب تو سب سے منفرد اور طرح دار ہے۔ جسے دیکھ کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی تھیں اور بازو بے قرار ہونے لگتے تھے اور جسے پانے کے لیے میں ہر دم بے تاب رہتا تھا۔ وہی ٹیا میرے سامنے بیٹھی تھی۔ سر سے پیر تک دلہنوں کی طرح سجی سنوری مگر..... پھر بھی مجھے اچھی نہیں لگ رہی ہے، بالکل اچھی نہیں لگ رہی ہے۔ نہ اس کا جسم متاثر کرتا ہے، نہ اس کا چہرہ، نہ سنہرے بال اور نہ شربتی آنکھیں۔ آخر یہ کیا بات ہے میں اپنے احساسات کی اس تبدیلی کو کیا سمجھوں۔ میں اس سوال میں الجھتا اور حیران ہوتا رہا اور میرے کان باہر سے آنے والی آوازوں کو سنتے رہے۔ باہر سے بدستور ہنسی، قہقہوں اور ننھی ننھی مسرور چیخوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ گویا شادی کے بعد والا ہنگامۂ جشن ابھی تک برپا تھا۔ شادی کی عجیب و غریب رسوم تقریباً نصف گھنٹے میں تکمیل تک پہنچی تھیں۔ ڈاکٹر نیفا نے متعدد دعائیں پڑھی تھیں جو میرے لیے محض بے سرا راگ تھیں پھر اس عجیب و غریب بت کی پوجا کی گئی تھی اس کے بعد آگ کے لپکتے ہوئے شعلوں میں طرح طرح کے خوشبودار مسالے چھڑک کر شادی کی دعاؤں کا ورد کیا گیا تھا اور پھر ڈاکٹر نیفا کے اشارے پر میں نے وہ انگوٹھی ٹیا کو پہنا دی تھی۔ یہ گویا شادی کی تکمیل تھی مگر پوری طرح نہیں کیونکہ اس کے بعد باربرا، ریفا اولگا اور ماریا نے رقص کا مظاہرہ کیا تھا۔ لارڈ رے کی اطلاع کے مطابق وہ رقص بھی رسم شادی کا ضروری حصہ تھے۔ اسائرس رقص و موسیقی کا دلدادہ تھا اور اس کی خوشنودی حاصل کیے بغیر شادی مکمل نہیں ہو سکتی تھی چنانچہ وہ سب اگلے ایک گھنٹے تک اسائرس کو خوش کرتی رہی تھیں۔ سب کے آخر میں ماریا نے رقص کیا تھا اور اس کا رقص دیکھ کر مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی تھی۔ عجیب رقص تھا اسے دیکھ کر لطف و نشاط اور عیش و سرور کا کوئی احساس نہیں ہوتا تھا بلکہ دل پر ایک دبدبہ سا طاری ہوتا تھا۔ ایک خوف سا محسوس ہوتا تھا۔ وہ رقص بلاشبہ بے حد شیطانی تھا اور اگر اسائرس اس قسم کے رقص سے لطف اندوز ہوتا تھا تو بڑی تعجب کی بات ہے مگر یہ ممکن ہو سکتا ہے، آخر کو وہ اسائرس ہے۔ قدیم مصر کا شاید سب سے عظیم و جلیل دیوتا اور اگر دیوتا اس قسم کی حرکتیں نہ کریں تو پھر ان میں اور عام انسانوں میں فرق ہی کیا رہ جائے۔

☆☆☆

ماریا کا رقص ختم ہوا تو گویا شادی مکمل ہوگئی اور پھر جشن شروع ہوگیا۔ وہی تمام باتیں جن سے میں پہلے بھی دوچار ہو چکا تھا۔ یہ جشن بھی جشن ایمن کی طرح تھا۔ اس فرق کے ساتھ کہ وہ جشن ونڈسر کے رئے پیلس میں منایا گیا تھا اور یہ جشن بادشاہوں کی وادی کے ویران کھنڈرات میں منایا جا رہا تھا۔ وہی سامان ناؤ نوش، چیخ و پکار، چھینا جھپٹی، ہنسی قہقہے، خرافات کا ایک سیلاب تھا جو چاروں طرف سے امنڈ امنڈ کر آ رہا تھا۔ شراب پانی کی طرح بہہ رہی تھی مگر مجھے، ٹیا کو اور لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفا کو صرف وہ شراب پینا پڑی جو تین سو سال پرانی تھی اور جو فراعین مصر پیا کرتے تھے۔ کچھ دیر بعد ٹیا کمرے میں پہنچا دی گئی اور پھر ڈاکٹر نیفا نے مجھ سے کہا۔

''ماسٹر اب آپ بھی جائیں.....''

مجبوراً مجھے کمرے میں جانا پڑا۔

چند لمحوں کے بعد ٹیا نے کہا ''راجو! تم کیا سوچنے لگے.....!''

''کچھ نہیں۔'' میں نے جواب دیا ''میں تو تمہیں دیکھ رہا ہوں.....''

''تو پھر یہاں آؤ نا میرے پاس.....''

مجھے ٹیا کی زبان سے یہی بات سننے کی توقع تھی کیونکہ یہ بات اس کی آنکھیں کافی دیر سے کہہ رہی تھیں اور میں جان کر بھی انجان بنا ہوا تھا مگر اب کہ اس نے یہ بات کہہ دی تھی تو مجھے اٹھنا ہی پڑا۔ ہر چند کہ میرا جی نہیں چاہتا تھا۔ اتنی مدت میں یہ پہلا موقع تھا کہ میرا دل ٹیا جیسی لڑکی کے قریب جانے پر آمادہ نہیں تھا اس کے برعکس میرا درماندہ جسم، ذہن اور نشے سے بوجھل آنکھیں بے خبر ہو جانے کا تقاضا کر رہی تھیں مگر دونوں ہی باتیں ممکن نہ تھیں۔ نہ میں سو سکتا تھا اور نہ ٹیا سے دور رہ سکتا تھا۔ میں بے دلی سے اٹھ کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ ٹیا ایک لہر کی طرح مچل کر میرے قریب آ گئی۔

میں نہیں جانتا، ٹیا کے کیا احساسات تھے مگر اس کے قرب میں بالکل لطف نہیں آیا۔ کوئی سرور محسوس نہیں ہوا، دل میں کوئی لہر نہیں اٹھی۔ حالانکہ یہ وہی ہونٹ تھے جنہیں ایک بار میں نے چوما تو سر سے پیر تک نشے میں ڈوب گیا تھا اور اس کے ہونٹوں کی لذت کئی دن تک میرے ہونٹوں پر رچی رہی تھی مگر اس بار وہ نشہ طاری نہیں ہوا۔ میں نے چند لمحوں تک اس کا جائزہ اس طرح لیا۔ گویا بیگار ٹال رہا ہوں پھر میں نے زور سے جسم و جان کی پوری قوت سے اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا کیونکہ میں یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اس کی قربت مجھے لطف و سرور میں مبتلا کر رہی ہے پھر میں نے اس کی آنکھوں کو چوما اور بے حد مدھم لہجے میں کہا.....

''ٹیا مجھے نیند آ رہی ہے.....''

''تو پھر.....؟'' وہ اپنا رخسار میرے گال پر رگڑنے لگی۔

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم دونوں سو جائیں۔'' میں نے بے حد رومانی لہجے میں سرگوشی کی مگر پھر فوراً ہی احساس ہوا کہ میں نے یہ بات غلط انداز میں کہی ہے اور میرا یہ اندیشہ درست نکلا۔ ٹیا نے چونک کر مجھے دیکھا اور حیرت سے بولی۔

''نہیں، تم ایسا نہیں کر سکتے.....''

''مگر میں بہت تھک گیا ہوں.....'' میں نے پھر کہا۔

''بے کار کی باتیں مت کرو.....'' ٹیا نے نرم آواز میں اپنی ناراضگی کا اظہار کیا..... ''آج کی رات بہت اہم ہے اور ہمیں ہر حال میں سہاگ رات منانا ہوگی۔ بصورت دیگر تم خود ہی سوچو کہ ڈاکٹر نیفا اور لارڈ رے کا ردعمل کیا ہوگا۔ جب انہیں پتا چلے گا کہ ہم نے پوری رات سو کر گزاری ہے.....''

''مگر انہیں کیسے پتا چلے گا.....؟''

ٹیا چند انچ پیچھے سرک گئی، اس نے مجھے غور سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں گہری چمک تھی۔ ایسی چمک جس سے طنز کے ساتھ ساتھ تھوڑی سی خود غرضی کا اظہار بھی ہوتا تھا پھر یکا یک وہ مسکرائی اور نوکیلے لہجے میں بولی۔

''ماسٹر میں انہیں بتاؤں گی.....''

پھر میں نے کچھ نہیں کہا، کچھ کہنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ ٹیا کے لہجے میں ارادے کی قطعیت کا صاف اظہار ہو رہا تھا۔ جو کچھ اس نے کہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ کرے گی بھی ضرور، اور اگر میں مزید اس سے کچھ کہتا تو کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔ چنانچہ میں اگر رات یونہی گزار دیتا تو وہ سب سے پہلے لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفا کو مطلع کرتی اور پھر وہ لوگ مجھے ماسٹر کہہ کر پکارتے تھے، اچانک میرے دشمن ہو جاتے۔ انہوں نے یہ سارا کھیل رچانے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ سازشیں کی تھیں، قتل کیے تھے اور لاکھوں روپے خرچ کیے تھے۔ چنانچہ اب وہ کیونکر یہ گوارا کر سکتے تھے کہ ان کی ساری کوششیں محض لاحاصل ثابت ہوں۔ مجھے یقین تھا کہ وہ سر جو تعظیم دینے کے لیے جھکتے ہیں میرا سر قلم کر دینے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

میں کچھ دیر خاموشی سے غور کرتا رہا بلکہ زیادہ سچ یہ ہے کہ اپنے منتشر ذہن کو ایک مرکز پر لانے کی کوشش کرتا رہا۔ جو کچھ میرے ذہن میں تھا۔ وہ واضح ہوتے ہوئے بھی واضح نہیں تھا۔ کئی آڑی ترچھی، مبہم اور مدھم شکلیں تھیں اور میں ان مبہم شکلوں کو واضح طور پر ترتیب دینے کی کوشش کر رہا تھا مگر یہ بڑا دشوار کام تھا۔ نشے کے باعث ذہن اتنا مفلوج سا ہو رہا تھا کہ کوئی بھی خیال واضح نہیں ہو پا رہا تھا پھر میں نے یہ کوشش ترک کر دی اور باہر سے آنے والی آوازوں کو سننے لگا۔ جشن کا ہنگامہ اور شور و شغب بدستور جاری تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ ان کا جشن ساری رات یا کم از کم تین چار بجے رات تک ضرور چلے گا۔ ٹیا اس دوران مجھے گہری توجہ سے دیکھتی رہی تھی۔ اس کے چہرے سے تجسس ہویدا تھا۔ گویا وہ میرے چہرے سے اندرونی احساسات کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں معاً مسکرایا اور اس کے شفاف دمکتے گال پر انگلی رکھ کر کہا۔

''اچھی بات ہے، میری جان! ہم سہاگ رات ضرور منائیں گے۔''

یہ کہہ کر میں ذرا اس کی طرف کھسکا۔ اپنا ہاتھ اس کے کمر میں ڈال دیا۔ ٹیا میری بات سن کر خوش ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے رومان انگیز مسرت کا اظہار ہونے لگا تھا۔ ایک بار پھر اس کا ریشمی بدن میرے بازوؤں میں سما گیا۔

میرا ایک ہاتھ ٹیا کے شانے پر تھا۔ دوسرا اس کی کمر میں تھا اور جو ہاتھ اس کی کمر میں تھا۔ وہ ہولے ہولے اس کے جسم کے پیچ و خم اور نشیب و فراز کو طے کرتا ہوا اوپر جانے لگا تھا۔ حتیٰ کہ گردن تک پہنچ گیا پھر یکا یک میں نے اس کا گلا دبوچ لیا۔ ٹیا زور سے اچھلی۔ اس نے چیخنے کے لیے منہ کھولا مگر کامیاب نہیں ہو سکی۔ میری گرفت اتنی سخت تھی کہ اس کی آواز حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئی پھر میں نے اسے نرم نرم گدے پر گرا دیا۔ ٹیا بری طرح تڑپ

رہی تھی۔ ہاتھ اور پیر چاروں طرف زور زور سے پٹک رہی تھی مگر میں نے اسے اس طرح چھاپ رکھا تھا کہ وہ گرفت سے نہیں نکل سکتی تھی۔ اس کی آنکھیں پھیل کر رہ گئی تھیں، ان میں خوف تھا، دہشت تھی اور حیرت تھی۔ جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو کہ جو شخص ابھی چند لمحے قبل اس کے لب و لعلیں کو چوم رہا تھا۔ اب اسے گلا گھونٹ کر مار ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے کئی بار چیخنے اور کسی کو مدد کے لیے پکارنے کی کوشش کی لیکن میں نے اسے کامیاب نہیں ہونے دیا۔ رفتہ رفتہ اس کا دم گھٹنے لگا۔ سانسوں کی آمد و رفت خرخراہٹ میں بدل گئی اور پیرست پڑنے لگے۔ اس وقت مجھے وہ رات یاد آ گئی۔ جب میں سڈنی کی تلاش میں مولی کی فلیٹ پر گیا تھا اور مولی کے انکار سے برافروختہ ہو کر میں نے اس کی گردن دبائی تھی۔ اس کا جسم بھی اسی طرح پھڑ پھڑایا تھا، اسی طرح اس نے بھی چیخنے اور خود کو بچانے کی جان توڑ کوشش کی تھی اور ناکام رہی تھی مگر یہ فرق ضرور ہے کہ اس وقت مجھ پر اس حد تک وحشت اور جنون کا غلبہ تھا کہ میں واقعی اسے مار ڈالنا چاہتا تھا اور اگر اس نے سڈنی کا پتا بتانے کی ہامی نہ بھری ہوتی تو یقیناً آج زندہ نہ ہوتی۔ جبکہ اس وقت میرا ٹیا کو مارنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں اسے صرف بے ہوش کر دینا چاہتا تھا۔ تاکہ وہ میری راہ میں حارج نہ ہو سکے۔ چند منٹ میں اس کا جسم بالکل ڈھیلا پڑ گیا۔ آنکھیں بے رونق ہو گئیں اور سانسوں کی آمد و رفت صرف اتنی ہی رہ گئی جو اس کے زندہ رہنے کا ثبوت تھی۔ تب میں نے اسے احتیاط سے لٹا دیا اور ایک ریشمی چادر اس کے تقریباً عریاں جسم پر ڈال دی۔

مجھے بڑی گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ دل کی دھڑ دھڑاہٹ معمول سے کئی گناہ بڑھ گئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے میں نے واقعی ٹیا کو مار ڈالا ہے۔ اپنے حواس کو یکجا کرنے کے لیے میں نے سگریٹ کا سہارا لیا۔ ہاتھ بڑھا کر ڈبیا اٹھائی تو دیکھا کہ میری انگلیاں بری طرح کانپ رہی تھیں۔ گھبراؤ مت..... گھبراؤ مت..... میں نے اپنے آپ سے کہا۔ ”گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے ذہن کو قابو میں رکھو اور سکون سے ہر قدم اٹھاؤ۔ خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ لوگ باہر جشن کی خرمستیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ انہیں کچھ پتا نہیں ہے اور اگر تم ہوشیاری اور احتیاط سے کام لو گے تو ابھی کئی گھنٹے تک انہیں کسی قسم کا شبہ نہیں ہو گا اور تم با آسانی یہاں سے بھاگ سکو گے..... میں نے خود کو سہارا دینے کی کوشش کی اور بمشکل تمام سگریٹ جلائی۔

ٹیا کو بے ہوش کرنا بے حد ضروری تھا اور وہ بھی اس وقت جب باہر جشن کا ہنگامہ بدستور جاری تھا۔ کیونکہ جب تک جشن ختم نہیں ہو جاتا۔ تب تک وہ کمرے کا رخ نہیں کریں گے اور مجھے اتنا وقت مل جائے گا کہ میں فرار ہو کر زیادہ سے زیادہ دور جا سکوں۔ وہ ابھی کئی گھنٹوں تک اسی غلط فہمی میں مبتلا رہیں گے کہ اندر کمرے میں عمن عونس اور ملکہ ٹیا داد عیش دینے میں مصروف ہیں..... بے چاری ملکہ ٹیا..... میں نے گردن گھما کر ٹیا کے زرد چہرے کو دیکھا۔ وہ ایک مرجھائے ہوئے پھول کی طرح بے حس و حرکت پڑی تھی، عمن عونس دوئم نے اس کے گلستان شباب کی گل چینی نہیں کی تھی۔ بلکہ ایک غیر عاشقانہ انداز میں اسے بے ہوش کر دیا تھا۔ یہ ایک ایسی بات تھی جس کا ٹیا کو گمان بھی نہیں رہا ہو گا مگر میرے لیے یہ آخری موقع تھا اور میں اسے گنوانا کسی حال میں گوارا نہیں کر سکتا تھا۔

کچھ دیر میں میرے اوسان کسی حد تک بحال ہو گئے پھر میں اٹھا۔ سگریٹ ایش ٹرے میں بجھا دی اور کمرے کا جائزہ لیا۔ وہاں میرے کام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ ماسوائے سگریٹوں کے، میں نے ٹیا کا باریک ریشمی

رومال اٹھا کر سارے پیکٹ اس میں باندھ لیے۔ لائیٹر بھی رکھ لیا پھر دروازے کی جانب بڑھا۔ باہر نکلنے سے پہلے میں نے ایک الوداعی نظر ٹیا پر ڈالی اور اپنے دل میں اس کے لیے تھوڑی سی ہمدردی محسوس کی۔ نہ جانے کیوں مجھ پر جرم اور ندامت کا احساس طاری تھا۔ حالانکہ پشیمانی کی کوئی بات نہیں تھی ان لوگوں نے میرے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ مجھے طرح طرح کے صدمات اور اذیتوں سے دوچار کیا تھا۔ مجھے قاتل بنایا تھا اور مجھے چوہوں کی طرح بلوں میں چھپنے پر مجبور کر دیا تھا۔ جبکہ میں نے صرف اتنا ہی کیا تھا کہ اپنی جان بچانے کے لیے ٹیا کو بے ہوش کر دیا تھا مگر لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا کی سازشوں میں ٹیا کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ وہ تو خود بھی میری طرح ان لوگوں کی سازش کا شکار ہوئی تھی اور غالباً یہی وجہ تھی کہ میں نے اپنے دل میں اس کے لیے ہمدردی محسوس کی۔ چند منٹ تک اسے غور سے دیکھتا رہا شاید اس کے حسن کے نظارے کا یہ آخری موقع ہو پھر کبھی ہم ملیں نہ ملیں ممکن ہے اس لمحے سے ہمارے راستے ہمیشہ کے لیے الگ ہو جائیں مگر میں اس کی دلربا صورت کو ہمیشہ یاد رکھوں گا کیونکہ اتنے حسین چہرے بار بار دیکھنے کو نہیں ملتے اور پھر یہ بھی تو ہے کہ میں نے اس کے ساتھ کچھ لمحے ایسے گزارے ہیں جو ہمیشہ یاد رہیں گے۔ اگر بھولنا چاہوں گا تو بھی نہیں بھول سکوں گا۔

پھر میں کمرے سے باہر نکل گیا۔

کمرے اور کوٹھریوں کا درمیانی فاصلہ بہت زیادہ نہیں تھا اور خوش قسمتی سے دونوں کوٹھریوں اور شامیانے اور کمرے کے درمیان تھیں۔ چنانچہ وہ مجھے کمرے سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے تھے اور یقیناً ان کی غلطی تھی کہ انہوں نے کسی کو کمرے کی نگرانی کے لیے مقرر نہیں کیا تھا۔ شاید اس لیے کہ انہیں میری جانب سے کسی غلط اقدام کی توقع نہیں تھی، میں دبے قدموں دائیں طرف بڑھا اور مٹی کے ایک ڈھیر کے پیچھے چھپ گیا۔ وہاں سے میں شامیانے کو صاف دیکھ سکتا تھا۔ وہ لوگ بدستور جشن کا لطف اٹھا رہے تھے۔ شراب لنڈھائی جا رہی تھی اور ساتھ ہی رقص و موسیقی کا ہنگامہ برپا تھا۔ غالباً ریفا رقص کر رہی تھی اور اسٹار کی یا کارسن نے کوئی ساز چھیڑ رکھا تھا۔ ان کی ہنسی، قہقہوں اور شور و غل کی آوازیں رات کے سناٹے میں دور تک پھیل رہی تھی۔ میں ٹیلے کی آڑ میں چھپا ہوا انہیں دیکھتا رہا۔ وہ کوٹھری میرے بائیں جانب تھی، جس میں، میں نے کپڑے تبدیل کیے تھے۔ اس کوٹھری میں جانا بہت ضروری تھا ظاہر ہے کہ میں اس صورت میں فرار نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ میرے جسم پر قدیم مصری کرتا ہو اور پیروں میں چپلیں۔ میرے اپنے کپڑے اس کوٹھری میں رکھے تھے اور بھاگنے سے پہلے انہیں حاصل کرنا از بس ضروری تھا۔

تقریباً آٹھ دس منٹ انتظار کرنا پڑا پھر بادل کا ایک آوارہ ٹکڑا تیرتا ہوا آیا اور چاند کے رخ روشن پر نقاب بن گیا۔ وہ لمحہ میرے لیے گویا قدرت کی جانب سے ایک انمول انعام تھا۔ اندھیرا پھیلتے ہی میں لپک کر آگے بڑھا اور کوٹھری کی دیوار کے ساتھ چپک کر سرکتا ہوا کھلے در تک پہنچ گیا اور پھر دوسرے ہی لمحے کوٹھری کے اندر تھا۔ خوف اور سراسیمگی کے باعث میرا برا حال تھا۔ کہیں کسی کی نگاہ اتفاقاً کوٹھری کی جانب نہ اٹھ گئی ہو۔ طرح طرح کے وسوسے میرے دل و دماغ میں نشتر کی طرح چبھ رہے تھے مگر میں نے پراہ نہیں کی۔ اگر ایک بار اپنا اعتماد کھو دیتا تو پھر فرار ہونا مشکل تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے اوسان بحال رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی۔ چلتی ہوئی سانسوں اور دھڑ دھڑاتے ہوئے دل کو سنبھال کر میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ خوش قسمتی سے ایک تھیلا مل گیا۔ میں

نے بہ عجلت اپنے کپڑے، جوتے اور دوسری دو ایک چیزیں اس میں رکھیں اور واپس کوٹھری کے در پر آیا مگر باہر نکلنا ممکن نہیں ہو سکا۔ کیونکہ چاندنی ایک بار پھر چاروں طرف پھیل گئی تھی۔

خدایا..... خدایا میں کیا کروں..... میں نے مضطرب ہو کر اپنے آپ سے کہا۔ اب میں کیا کروں کیسے باہر جاؤں۔ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ کوٹھری میں میرا مدفن بن جائے۔ اس کم بخت چاندنی کو بھی اسی وقت پھیلنا تھا۔ آخر وہ مردود بادل کدھر گیا۔ کچھ دیر اور وہ چاند کو چھپائے رہتا تو کیا ہرج تھا..... میں نے بے حد گھبرا کر کہا، مگر بڑی احتیاط کے ساتھ باہر جھانکا۔ ہر چند کہ فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود وہ لوگ مجھے دھندلے دھندلے نظر آئے، رقص اب بھی جاری تھا مگر اب سونیا رقص کر رہی تھی اور باقی سب لوگ اس کے ناچ کی سنگت تالی بجا کر رہے تھے۔ بظاہر کوئی کوٹھری کی طرف متوجہ نہیں تھا لیکن فرض کرو اگر ان میں سے کوئی بھی لارڈ رے یا ڈاکٹر نیفایا بار برایا کارسن کسی ضرورت سے کوٹھری میں آ جائے تو.....

یہ ایسا دہشت ناک خیال تھا کہ میرا دل دو چار بار دھڑکنا بھول گیا۔

لیکن انتظار کے سوا اور کوئی چارہ بھی کیا تھا۔ جب تک ایک بار پھر بادل کا کوئی ٹکڑا رحمت خداوندی بن کر چاند کے اوپر نہ آئے، میں باہر نہیں نکل سکتا۔ تب تک مجھے صرف انتظار کرنا تھا اور یہ انتظار بڑا اذیت ناک تھا۔ فرض کرو بادلوں کے آنکھ مچولی کا کھیل بند کر دیا اور چاندنی بادشاہوں کی وادی کی بلند و پست میں یونہی پھیل رہی تو، تو کیا ہوگا؟ یہ چاندنی میرے لیے موت کا کفن بن جائے گی۔ میں نے بے چین ہو کر کنپٹی پر ہاتھ پھیرا جو آگ کی طرح دہک رہی تھی۔ میرے جسم کے سارے بال کانٹوں کی طرح کھڑے تھے اور سارا بدن یوں جل رہا تھا گویا میرے چاروں طرف آگ جل رہی ہو۔ سانسوں میں شعلوں کی تپش تھی اور حلق خشک ہو کر پتھر کی طرح سخت ہو گیا تھا۔ یکا یک مجھے خیال آیا کہ پانی تو لیا ہی نہیں ہے جب ہم سعدیہ سے روانہ ہوئے تھے تو ہمارے پاس کئی چھاگلیں تھیں خوش قسمتی سے چھاگلیں اسی کوٹھری میں رکھی ہوئی تھیں اور مزید خوش قسمتی یہ تھی کہ ان میں سے چند میں پانی موجود تھا۔ میں نے دو بھری ہوئی چھاگلیں اٹھا کر گلے میں ڈال لیں۔

پھر میں کوٹھری کے در کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور وحشت زدہ نظروں سے باہر جھانکنے لگا۔ انتظار کے جاں گسل لمحات رینگ رینگ کر گزر رہے تھے اور ہر گزرتے لمحے کے ساتھ میرا دل مایوسی اور احساس شکست کے بھنور میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ شاید یہ چاندنی یونہی چٹکی رہے گی اور اندھیرا نہیں ہوگا اور بادل کے وہ مردہ منحوس، ذلیل ٹکڑے اب چاند کے نزدیک نہیں آئیں گے اور میں..... اور میں..... مگر یہ کیا..... اوہ میرے خدایا۔ خوشی سے میرا دل یکا یک لبالب بھر گیا اور نگاہیں اندھیرے کی اس چوڑی پٹی پر جم گئیں جو رفتہ رفتہ پھیلتا جا رہا تھا۔ بادل کا کوئی ٹکڑا پھر چاند کو مستور کر رہا تھا اور اندھیرا میرے لیے امید اور مسرت کی روشنی بن کر ارد گرد پھیلتا جا رہا تھا۔ اگلے چند لمحوں میں ہر طرف تاریکی مسلط ہو گئی۔ میں نے محتاط نظروں سے شامیانے کی جانب دیکھا اور پھر ہتھیلیوں اور گھٹنوں کے بل رینگ کر کوٹھری سے بل نکل آیا۔

تاریکی کا وہ وقفہ بہت مختصر تھا مگر میرے لیے نہیں۔ اس مختصر سے وقفے میں ہی واپس کوٹھری اور کمرے کے درمیانی حصے میں پہنچ گیا تھا پھر میں نے تیز تیز قدموں سے چلنا شروع کر دیا۔ چپلیں میں پہلے ہی پھینک چکا تھا اور اتنا موقع نہیں تھا کہ جوتے پہن سکتا۔ تھیلا ہاتھ میں دبائے میں ننگے پیر ہی بھاگتا رہا ارد گرد بادشاہوں کی وادی

کے آسیبی کھنڈرات تھے۔ سر کے اوپر کھلا آسمان تھا اور پیروں کے نیچے ناہموار زمین تھی۔ مٹی کے چھوٹے بڑے کنکر میرے تلوؤں میں بری طرح چبھ رہے تھے اور چلنے میں دشواری پیدا کر رہے تھے مگر میں بھاگتا رہا۔ جن ذہنی اذیتوں، خوف اور دہشت سے میں دوچار رہا تھا ان کے سامنے تلوؤں کی تکلیف ہیچ تھی۔ زندگی بچانے کی خواہش بہرحال ہر تکلیف پر غالب آجاتی ہے۔

کچھ دیر بعد جب میں نے محسوس کیا کہ میں کافی دور نکل آیا ہوں تو بے اختیار دوڑنا شروع کر دیا۔ یہ عمل غیر ارادی تھا میرے لاشعور میں کہیں نہ کہیں یہ احساس چھپا ہوا تھا کہ مجھے جلد از جلد زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہیے۔ جتنا زیادہ دور نکل جاؤں گا اتنا ہی بچنے کا امکان بڑھ جائے گا۔ کچھ دیر بعد میں بائیں طرف گھوم گیا۔ یہ ایک پتلا سا ٹیڑھا سا راستہ تھا۔ جو بتدریج اونچائی کی طرف جا رہا تھا۔ میں ہانپتا ہوا اونچائی طے کر رہا تھا۔ چاند ایک بار پھر نکل آیا تھا اور چاروں طرف کھیت کوتی چاندنی میں، میں اپنا راستہ صاف دیکھ سکتا تھا۔ تقریباً سو گز اوپر جا کر میں ٹھہر گیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ دراصل میں اس باقاعدہ سڑک کو تلاش کر رہا تھا جو وادی میں آنے جانے کے لیے عام طور پر استعمال ہوتی تھی وہ سڑک وادی کے وسط میں تھی میں نے وادی کے جو نقشے دیکھے تھے ان کے مطابق وہ پکی سڑک جو آثار کی کھدائی کے دوران خود بخود بن گئی تھی، آگے جا کر عام شاہراہ سے مل جاتی تھی اگر وہ سڑک مجھے مل جائے تو پھر شاہراہ تک پہنچنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہوگا مگر وہ وسطی سڑک آخر ہے کہاں.....؟''

شادی کی رسوم شروع ہونے سے بیشتر جب میں وادی میں چہل قدمی کے لیے نکلا تھا تو میرا مقصد واقعی ''چہل قدمی'' نہیں تھا بلکہ میں اس وقت بھی دراصل اس درمیانی سڑک کو تلاش کر رہا تھا اور میرا خیال ہے کہ میں نے اس وقت اسے دیکھا بھی تھا۔ جب ہم سات ستونوں والے قطعۂ زمین پر پہنچے تھے تو اس جگہ سے کچھ فاصلے پر قدرے نشیب میں ایک چوڑی پٹی نظر آئی تھی اور میری دانست میں وہ وادی کی وسطی سڑک ہی تھی مگر اب وہ سڑک کہاں گئی؟ نہ تو مجھے وہ راستہ ملا تھا۔ جس پر چہل قدمی کی تھی۔ نہ وہ تالاب یا حمام اور نہ وہ سات ستونوں والا قطعۂ زمین یقیناً میں راستہ بھٹک کر دوسری سمت میں نکل گیا تھا۔

اب کیا کروں؟ میں نے سوچا اور ہاتھ اٹھا کر ہتھیلی کھجائی پھر ادھر ادھر دیکھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ نشے کے باعث میرے جسم میں عجیب سی سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ سر میں درد بھی ہونے لگا تھا اور آنکھوں میں ایسی جلن ہو رہی تھی کہ گویا چنگاریاں سلگ رہی ہوں چاروں طرف بھدا سے، بدصورت آثار تھے اور ان کے درمیان میں پتلی پتلی تاریک گلیاں تھیں اور مجھے نہیں معلوم تھا کہ ان میں کون سی گلی میرے لیے نجات کا راستہ ہے؟ کچھ دیر وہیں کھڑا رہا پھر چھاگل کندھے سے اتار کر دو گھونٹ پانی پیا۔ سوکھے ہوئے حلق میں پانی پہنچا تو ایک عجیب سی راحت اور توانائی محسوس ہوئی۔ لرزتی ہوئی ٹانگوں میں یکا یک طاقت عود کر آئی اور میں ایک بار پھر آگے بڑھنے لگا۔

کچھ دیر بعد میں ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں اردگرد بہت سے آثار موجود تھے۔ چھوٹے چھوٹے کئی مکان، منڈیریں، سیڑھیاں ایک دو مقبرے بھی تھے اور ایک اندھا کنواں بھی موجود تھا۔ ساڑھے تین ہزار سال پہلے اس کنویں میں شفاف، تازہ اور فرحت بخش پانی موجود ہوگا اور لوگ اس پانی سے اپنی پیاس بجھاتے ہوں گے مگر

اب وہ کنواں سوکھ چکا تھا اور اس کا دہانہ ایک اندھے اور ہولناک غار کی طرح نظر آ رہا تھا۔ کنویں کے قریب ہی دو پتھریلی سلیں پڑی ہوئی تھیں ہر چند کہ مجھے علم نہ تھا مگر یہ قیاس کیا جا سکتا تھا کہ ان سلوں سے کنویں کا دہانہ بند رہا ہوگا اور پھر کھدائی کے دوران اسے کھولا گیا ہوگا۔ میں نے خواہ مخواہ ایک پتھر اٹھا کر کنویں کے اندر پھینکا اور پھر بے چینی سے ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں پر کئی پتلی پتلی گلیاں تھیں اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرف جاؤں۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر پھر ہتھیلی کھجائی پھر تھیلا اور چھاگلیں اتار کر زمین پر رکھیں اور کپڑے اتارنے شروع کر دیے۔ وہاں دیکھنے والا کوئی نہیں تھا لہٰذا میں نے بے تکلفی سے سارے کپڑے اتار دیے اور انہیں کنویں میں پھینک دیے پھر پتلون، قمیص اور جوتے وغیرہ پہن کر تیار ہوا اور بائیں طرف ایک پتلی سی گلی میں گھس گیا۔

مجھے فرار ہوئے تقریباً نصف گھنٹہ یا اس سے زیادہ ہو چکا تھا مگر بدستور وسوسے دل میں بار بار سر اٹھا رہے تھے اور خوف مسلسل دامن گیر تھا۔ اس کے باوجود مجھے یقین تھا کہ ابھی لارڈرے وغیرہ کو میرے فرار کا علم نہیں ہوا ہوگا۔ ان کی ہدایات کے مطابق مجھے سہاگ رات سے فارغ ہو کر واپس ان کے پاس جانا تھا اور رات کے پچھلے پہر کی پوجا میں شریک ہونا تھا اور اس کے لیے کئی گھنٹوں کا وقت درکار تھا چنانچہ ابھی کئی گھنٹوں تک انہیں میرے فرار کا علم نہیں ہو سکتا تھا۔ ہاں، یہ اندیشہ ضرور تھا کہ اگر ٹیا کو جلدی ہوش آ گیا تو وہ لوگ باخبر ہو جائیں گے اور اسی بنا پر میں جلد از جلد زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہتا تھا۔ اس پتلی سی گلی کو طے کرنے میں چند منٹ لگے پھر مجھے سیڑھیاں ملیں جو تعداد میں چھ یا سات تھیں۔ میں انہیں طے کر کے مجھے پہنچا اور دائیں طرف مڑ گیا۔

اور ٹھیک اسی وقت میرے کانوں میں یکا یک آواز آئی۔

''راجو.....راجو.....''

وہ آواز بار برا کی تھی اور رات کے سناٹے میں دور تک گونجتی چلی گئی تھی۔ یک لخت میں اس طرح سٹپٹا کر رک گیا۔ گویا زمین نے پیر پکڑ لیے ہوں۔ دل ایک بار زور سے دھڑکا پھر رک گیا اور پھر زور زور سے دھڑ دھڑانے لگا۔ فوری طور پر سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کروں۔ بار برا نے مجھے بلند آواز سے پکارا تھا اور اس کا مطلب تھا کہ انہیں میرے فرار کا علم ہو گیا ہے مگر کیوں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے ابھی مجھے بھاگے ہوئے زیادہ دیر تو نہیں ہوئی تھی ابھی تو وہ لوگ جشن کے ہنگاموں میں مصروف تھے پھر انہیں میرے فرار کا علم کیسے ہوا۔ صرف ایک ہی وجہ ممکن ہو سکتی تھی اور وہ یہ کہ ٹیا کو قبل از وقت ہوش آ گیا ہوگا۔ یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی ضرورت سے کمرے کی طرف گئے ہوں۔ خیر، وجہ کچھ بھی ہو۔ انہیں میرے فرار کا علم بہر حال ہو چکا تھا اور وہ سب میری تلاش میں نکل پڑے تھے۔

ایک بار پھر آواز آئی۔

''راجو.....تم کہاں ہو.....؟'' یہ لارڈرے کی آواز تھی۔ بالکل سیٹی سے مشابہ، جیسے تیز ہوا گونجتی ہے

''راجو.....راجو.....واپس آ جاؤ.....''

اس کے بعد میں نے ڈاکٹر نیفا کی آواز سنی۔

''ماسٹر.....ماسٹر.....کہاں ہو تم، ہم تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔''

کئی منٹ تک میں ساکت و سامت کھڑا رہا۔ رگوں کے اندر خون کا ایک ایک قطرہ جم گیا تھا اور جسم و ذہن

اس طرح بے حس و حرکت ہو گئے تھے کہ حرکت کرنا دشوار نظر آتا تھا ان کی آواز کافی فاصلے سے آئی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ لوگ ابھی میرے نزدیک نہیں پہنچے تھے مگر قریب پہنچنے میں کتنی دیر لگے گی۔ وہ تعداد میں بہت ہیں اور چاروں طرف سے مجھے تلاش کریں گے تو بہت جلد آ جائیں گے اور پھر..... اور پھر..... مگر میں یہاں کیا کر رہا ہوں۔ کیوں چپ چاپ کھڑا ہوا ہوں۔ کیا اس لیے کہ وہ لوگ آ کر مجھے پکڑ لیں۔ یہ خیال ایسا تھا کہ دفعتاً جسم میں بجلی سی کوند گئی اور میں یکا یک سرپٹ بھاگنے لگا۔ اندھے کنویں سے آگے ایک چوڑا قطعۂ زمین تھا اس کے بعد ایک پتلا سا راستہ بتدریج نیچے کی طرف چلا گیا تھا۔ میں بے تحاشہ اسی راستے پر بھاگتا چلا گیا۔ مجھے کسی بات کا ہوش نہیں تھا صرف ایک ہی دھن سوار تھی اور وہ یہ کہ زیادہ سے زیادہ دور چلا جاؤں، بلکہ ہو سکے تو اس وادی سے باہر نکل جاؤں۔ صرف اسی صورت میں خود کو بچانا ممکن تھا۔ نیچے پہنچ کر میں محض ایک لمحے کے لیے رکا پھر دائیں طرف دوڑنے لگا۔

''ماسٹر.....''

ایک بار پھر آواز بلند ہوئی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ آواز گومز کی تھی اور کافی قریب سے آئی تھی یا وہ لوگ میرے نزدیک آ گئے تھے۔ یا پھر میں خود ہی نادانستگی میں بھاگتا ہوا ان کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔ میں یکا یک رک گیا۔ گومز کی کھردری آواز کی بازگشت ابھی تک میرے کانوں میں سیسہ انڈیل رہی تھی اور جب وہ دوسری بار چلایا تو اس کی آواز اور بھی قریب سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں نے فیصلہ کرنے میں صرف ایک سیکنڈ صرف کیا اور پھر واپس مڑ کر تیز قدموں سے دوڑنے لگا۔ ہر چند کہ پیروں کے نیچے کچی اور گرد آلود زمین تھی۔ اس کے باوجود میرے قدموں کی چاپ خاصی اونچی تھی اور یہ کوئی اچھی بات نہیں تھی اگر وہ لوگ کہیں قریب ہی ہیں تو یقیناً میرے قدموں کی آواز سن لیں گے مگر میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ قدموں کی آواز پروا کیے بغیر میں بے تحاشہ دوڑتا رہا۔

کوئی پچاس گز آگے گیا ہوں گا کہ ایک بار پھر کانوں میں آواز آئی۔

''ماسٹر..... ماسٹر.....''

یہ آواز صریحاً سونیا کی تھی۔ گویا وہ سب کے سب میری جستجو میں نکل کھڑے ہوئے تھے۔ سونیا کی آواز سامنے سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی اور ابھی اس کی آواز کی بازگشت معدوم بھی نہیں ہوئی تھی کہ پے در پے کئی آوازوں نے رات کے سکوت و سناٹے کو مجروح کر ڈالا۔ ماسٹر راجو اور عالم کی مختلف آوازیں میری سماعت سے ٹکرائیں اور یہ آوازیں کم از کم تین اطراف سے آئی تھیں۔ آگے، پیچھے اور بائیں جانب سے میں یکا یک رک گیا اور وحشت زدہ ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اب صرف ایک ہی سمت باقی بچی تھی، جدھر میں جا سکتا تھا یعنی دائیں طرف، اور چونکہ ایک لمحہ بھی ضائع کرنا مناسب نہ تھا اس لیے میں اندھا دھند دائیں طرف بھاگنے لگا۔

اس طرف چند آثاروں کے علاوہ دو تین اونچے ٹیلے بھی تھے جو چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کی طرح نظر آتے تھے اور صورت کچھ ایسی تھی کہ ان ٹیلوں پر چڑھنا ناگزیر تھا۔ میں پوری قوت سے دوڑتا ہوا اوپر چڑھا اور دو ٹیلوں کے درمیانی خلا میں گھستا چلا گیا پھر ایک جگہ رک کر میں نے پیچھے گھوم کر دیکھا۔ کھنڈرات کے بلند و پست میں مجھے کئی ٹارچوں کے روشن دائرے ادھر ادھر دوڑتے نظر آئے۔ ساتھ ہی تھوڑے تھوڑے وقفے سے آوازیں بھی

بلند ہوتی تھیں۔ کبھی سونیا کی آواز سنائی دیتی۔ کبھی لارڈ رے کی اور کبھی کسی اور کی۔ چاند ایک بار پھر چھپ گیا تھا اور اندھیرا ہر سو مسلط ہو گیا تھا۔ میرے پاس اگرچہ ٹارچ موجود تھی مگر میں اسے استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ میں اونچائی پر تھا۔ اگر ٹارچ استعمال کرتا تو وہ لوگ ضرور دیکھ لیتے۔ چنانچہ میں اندھیرے ہی میں لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

پتا نہیں یہ کم بخت، منحوس کھنڈرات کیسے تھے۔ بھول بھلیوں کی طرح پیچیدہ، کہ ان سے نکلنے کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی تھی۔ ہر راستہ دوسرے راستہ سے ملتا تھا اور ہر دوسرا راستہ تیسرے راستے پر ختم ہوتا تھا۔ پتا نہیں بادشاہوں کی وادی میں واقعی اتنی ہی گلیاں تھیں..... یا کھدائی کے دوران بن گئی تھیں۔ میں زیادہ دیر ان پر پیچ گلیوں میں نہیں بھٹک سکتا تھا۔ اس صورت میں وہ لوگ بہر حال مجھے تلاش کر لیتے کیونکہ ان کی تلاش کا دائرہ رفتہ رفتہ پھیلتا جا رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ مجھے چاروں طرف سے گھیر لیں گے اور میرا بچنا محال ہو جائے گا۔

ٹیلوں کے درمیانی درے سے گزر کر میں دوسری جانب پہنچا اور سنبھل سنبھل کر نیچے اترنے لگا۔ چاند ابھی تک روپوش تھا اور اندھیرے میں راستہ طے کرنا بے حد دشوار لگ رہا تھا۔ کسی نہ کسی طرح وہ ڈھلوان طے کی اور نیچے پہنچا اور پھر مجھے رک جانا پڑا۔

آواز ایک بار پھر آئی تھی اور قریب سے آئی تھی پھر میری نگاہ ٹارچ کے روشن ہالے پر پڑی جو دائیں جانب تقریباً پچیس تیس گز کے فاصلے پر حرکت کر رہا تھا۔ گویا وہ لوگ دائیں طرف سے چکر کاٹ کر ٹیلے کے عقبی حصے میں پہنچ چکے تھے۔ میں سانس روکے کھڑا تھا۔ ٹارچ کی روشنی بدستور گردش کر رہی تھی پھر مجھے دو دھندلے انسانی ہیولے بھی نظر آئے اور ان کی آوازیں بھی سنائی دیں مگر الفاظ سمجھ میں نہیں آئے۔ میں جس جگہ کھڑا تھا، وہ کھلی ہوئی جگہ تھی اور وہاں چھپنے کے لیے کوئی آڑ نہیں تھی۔ میں نے یکا یک ہراساں ہو کر آسمان کو دیکھا۔ چاند بادل کے ایک بھورے ٹکڑے کے پیچھے چھپا ہوا تھا مگر کسی بھی لمحے نمودار ہو سکتا تھا اگر چاند نکل آیا اور چاندنی پھیل گئی تو پھر میں دیکھ لیا جاؤں گا۔ بچنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہے گا۔ بادل کا ٹکڑا لمحہ بہ لمحہ سرک رہا تھا اور چاند کی روشنی دم بدم واضح ہوتی جا رہی تھی۔ میرا سارا جسم پسینے میں تر ہو گیا۔ خدایا! کیا کروں؟ پھر میں نے ٹارچ کی متحرک روشنیوں کی طرف دیکھا۔ وہ اب کچھ اور قریب آ گئی تھیں گویا میرا وہ لوگ اسی سمت بڑھ رہے تھے جہاں میں کھڑا تھا۔ میں یکا یک تیزی سے بائیں طرف گھوما اور ٹیلے کے کنارے کنارے سرپٹ بھاگتا چلا گیا۔

پتا نہیں، انہوں نے میرے قدموں کی آواز سنی یا نہیں مگر مجھے اس کی پروا بھی نہیں تھی۔ میں تو ہر بات اور ہر خدشے سے بے نیاز ہو کر دوڑ رہا تھا۔ تقریباً پچاس گز کا فاصلہ طے کیا اور پھر بائیں طرف گھوم گیا۔ اس طرف کئی عمارتوں کے شکستہ کھنڈر موجود تھے۔ جگہ جگہ صحرائی جھاڑیاں اور کانٹے دار درخت بھی تھے۔ شکستہ آثار کے عقب میں ایک اونچا ٹیلا نصف دائرے کی شکل میں کسی عظیم الجثہ عفریت کی طرح لیٹا ہوا نظر آتا تھا۔ میں ایک چھوٹی سی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی جھاڑی کے پیچھے رک گیا اور اپنی بکھری ہوئی سانس کو جمع کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ نشے اور تھکن کی بنا پر میں بری طرح نڈھال ہو رہا تھا۔ اتنی بھاگ دوڑ کے بعد پیاس بھی لگنے لگی تھی۔ حلق میں گویا کانٹے اگ آئے تھے۔ میں تھوڑی دیر تک کتے کی طرح ہانپتا رہا پھر کندھے سے چھاگل اتاری اور جب ٹھنڈے، میٹھے اور فرحت انگیز پانی کا گھونٹ حلق میں اترا تو کانوں میں آواز آئی۔

''راجو.....راجو.....تم کہاں ہو.....؟''

گھبراہٹ میں چھاگل میرے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچی۔ کیونکہ وہ آواز لارڈرے کی تھی اور بالکل نزدیک سے آئی تھی، اتنی نزدیک سے گویا وہ میرے سامنے ہی موجود ہو اور اگلے ہی لمحے میرا یہ اندیشہ درست ثابت ہوا۔ وہ لوگ واقعی بالکل قریب موجود تھے لیکن سامنے نہیں، بلکہ دیوار کی دوسری طرف تھے۔ وہ دیوار بمشکل چار ساڑھے چار فٹ بلند تھی اور میرا سر دوسری جانب سے نظر آتا تھا۔ میں جلدی سے بیٹھ گیا اور رینگ کر جھاڑی کے اندر گھس گیا۔ اسی لمحے مجھے لارڈرے کی آواز سنائی دی۔

''آخر وہ کہاں جا سکتا ہے.....؟''

''کہیں نہیں.....'' دوسری آواز ڈاکٹر نیفا کی تھی ''وہ یہیں وادی میں موجود ہے۔ جب تک صبح نہیں ہوگی، وہ وادی سے نکل نہیں سکتا۔''

''اور صبح ہونے سے پہلے اس کا ملنا بہت ضروری ہے.....'' تیسری آواز نسوانی تھی اور مجھے پہچاننے میں دشواری نہیں ہوئی کہ وہ روز آلبہ کی آواز تھی۔''

''مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ بھاگا کیوں.....؟'' لارڈرے کی غضبناک آواز سنائی دی۔

''میں تو پہلے ہی اس کی طرف سے کچھ زیادہ مطمئن نہیں تھی.....'' روز آلبہ نے کہا۔

''مجھے خود ہی تعجب ہے، آخر اسے بھاگنے کی کیا ضرورت تھی.....'' ڈاکٹر نیفا نے کہا۔

''کچھ بھی ہو.....'' لارڈرے کی آواز سے شدید غیض و غضب کا اظہار کر رہا تھا۔ ''اس کا ملنا بہت ضروری ہے.....''

''اور وہ بھی آج رات.....'' ڈاکٹر نیفا کا لہجہ سنگدلی اور سفاکی کا مظہر تھا ''آج کی رات اہم ہے، آج کی رات گزرنی نہیں چاہیے۔ ان دونوں کی سہاگ کی رسم ہر حال میں تکمیل تک پہنچنی چاہیے کہ یہ بہت ضروری ہے۔ اگر آج کی رات گزر گئی تو اگلے کئی ہزار سال تک.....''

''میں.....میں اس باسٹرڈ کو زندہ نہیں چھوڑوں گا.....'' لارڈرے نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

میں جھاڑی کے اندر دم سادھے بیٹھا رہا۔ سانس لینے میں بھی احتیاط برت رہا تھا کہ کہیں وہ لوگ سانسوں کی آواز نہ سن لیں پھر میں نے ان کے قدموں کی آوازیں سنیں۔ وہ لوگ مخالف سمت میں جا رہے تھے۔ رات کے طلسمی سناٹے میں ایک بار پھر پے در پے تین آوازیں گونجیں جو میرا نام پکار رہی تھیں۔ ابھی تک قسمت یقیناً مہربان تھی کہ میں ان کی نظروں میں نہیں آیا تھا لیکن قسمت کتنی دیر تک ساتھ دے گی، یہ مجھے نہیں معلوم تھا۔ تقریباً پانچ سات منٹ تک میں اسی طرح جھاڑیوں میں دبکا رہا اور وہاں چھپے رہنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ جسمانی اضمحلال کسی حد تک دور ہو گیا۔ ٹانگوں میں پھر اتنی سکت عود کر آئی کہ میں چل سکوں لیکن دماغی حالت بدستور خستہ تھی۔ نشے کا اتار بڑا اذیت رساں ثابت ہو رہا تھا۔ سر درد میں بھی کچھ اضافہ ہو گیا تھا۔ وہاں مزید ٹھہرنا مناسب نہ تھا لہٰذا کچھ دیر بعد میں جھاڑی سے باہر آیا اور حتی الامکان کھنڈرات کی آڑ لیتا ہوا اس طرف بڑھنے لگا۔ جدھر پہاڑی تھی۔ کچھ دیر میں، میں پہاڑی کے دامن میں پہنچ گیا۔ یہ پہاڑی یا ٹیلا زیادہ اونچا نہیں تھا اور نصف دائرے کی شکل میں کافی دور تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ میں نے یکا یک پہاڑی پر چڑھنا شروع کر دیا اوپر پہنچنے میں

زیادہ دیر نہیں لگی۔ جب میں اوپر پہنچا تو چاند ایک بار پھر نکل آیا اور دور تک پھیلی ہوئی چاندنی میں، میں نے اس سارے منظر کو زیادہ واضح طور پر دیکھا۔ میرے سامنے دور تک وادی کے آسیبی اور منحوس کھنڈرات پھیلے ہوئے تھے اور جگہ جگہ ٹارچوں کے روشن دائرے حرکت کرتے نظر آ رہے تھے۔ وہ پہاڑی جس پر میں کھڑا ہوا تھا، وادی کے گرد اس طرح پھیلی ہوئی تھی گویا نصف وادی کی حد بندی کر رہی ہو میں ایک دراڑ میں چپ چاپ بیٹھا ٹارچ کے متحرک دائروں کو دیکھتا رہا اور انتظار کرتا رہا۔ جب چاند ایک بار پھر بادل کے ایک آوارہ خرام ٹکڑے کے پیچھے چھپ گیا تو میں دراڑ سے نکلا اور تیزی سے اونچائی کی طرف بڑھنے لگا۔ صحرا کے آسمان پر عموماً بادل نہیں ہوتے مگر اس رات میری قسمت یقیناً مجھ پر مہربان تھی کہ آسمان پر بادلوں کے کئی ٹکڑے موجود تھے اور وہ مسلسل چاند کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔ چند منٹ میں، میں پہاڑی کے اوپر پہنچ گیا اور پھر سرعت سے دوسری طرف اترنے لگا۔ پہاڑی نے بلاشبہ وادی کی حد بندی کی تھی مگر اس کا کیا کیا جائے کہ پہاڑی کے دوسری طرف بھی متعدد آثار موجود تھے۔ بوسیدہ اور شکستہ کھنڈرات کے درمیان مجھے دو اہرام ہوں کے ہیولے بھی نظر آئے لیکن اس سے بھی زیادہ ستم انگیز بات یہ تھی کہ اس طرف بھی دو تارچوں کے روشن دائرے حرکت کرتے نظر آ رہے تھے۔

میں معارک گیا۔ تو آخر کار وہ لوگ اس طرف بھی پہنچ گئے ہیں..... میں نے مایوسی سے سوچا..... اب کیا کروں کدھر جاؤں؟ یہ لوگ عقب میں بھی موجود ہیں اور سامنے بھی موجود ہیں۔

کھنڈرات اور اہراموں سے آگے حد نظر تک لق دق صحرا پھیلا ہوا تھا مگر میں وہاں نہیں جا سکتا تھا۔ وادی سے نکلنے کے تمام راستے سردست میرے لیے بند تھے۔

میں آزردہ ہو کر وہیں بیٹھ گیا۔ جسم و جان سے بالکل ٹوٹ کر، جب مجبوری چاروں طرف سے گھیرتی ہے اور سارے راستے مسدود کر دیتی ہے۔ تو آدمی بے موت مر جاتا ہے۔ میں بھی اس وقت نیم جان ہو گیا تھا۔ تھکا ہارا، ناکارہ اور خراب و خستہ ذہن یہ طے کرنے سے قاصر تھا کہ اب کیا کروں۔ نہ آگے جا سکتا تھا اور نہ پیچھے۔ کئی منٹ تک اسی طرح پژمردہ سا میں بیٹھا رہا اور نشیب میں چکراتی ہوئی روشنیوں کو دیکھتا رہا۔ بڑی لاتعلقی سے گویا وہ کوئی فلم کا منظر تھا اور میں محض تماشائی پھر آخر کار اٹھا نیچے جانا خلاف مصلحت تھا۔ اگر ادھر ادھر بھٹکتا رہتا تو یقیناً ان کے چنگل میں پھنس جاتا۔ بہتر یہی تھا کہ کہیں چھپ جاؤں۔ تھوڑی ہی جستجو کے بعد ایک مناسب جگہ مل گئی یہ ایک چھوٹی سی کھوہ تھی۔ ایک مختصر سا غار کہنا زیادہ مناسب ہوگا ممکن ہے وہ کسی جانور کی رہائش گاہ ہی ہو مگر خوش قسمتی سے وہ جانور اس وقت کھوہ میں موجود نہیں تھا۔ میں گھٹنوں کے بل رینگتا ہوا اندر گھس گیا اور اس طرح ترچھا ہو کر بیٹھ گیا کہ باہر سے میرے نظر آنے کا ہر امکان بالکل ختم ہو جائے لیکن میں خود ذرا سی گردن جھکا کر با آسانی باہر دیکھ سکوں پھر میں نے بمشکل تمام چھاگل اتاری اور چند گھونٹ پانی پیا۔ کہا جاتا ہے آب حیات ایسی معجزاتی صفات کا حامل ہوتا ہے کہ مردے جلا دیتا ہے۔ مجھے اس دعوے کو تسلیم کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کیونکہ اس وقت پانی کے ان چند گھونٹوں نے واقعی میرے رفتہ رفتہ مردہ ہوتے ہوئے جسم کو نئی زندگی عطا کر دی۔

پھر میں نے گردن ذرا سی جھکائی اور باہر ادھر ادھر دوڑتی ہوئی روشنیوں کو دیکھنے لگا۔

رات دھیرے دھیرے گزرتی گئی لیکن یہ اور بات ہے کہ رات کے گزرنے کا فطری عمل سب کے لیے

یکساں نہیں ہوتا۔ وہ رات کسی کے لیے تو عیش کی رات رہی ہوگی کسی کے لیے کامیابی کی رات رہی ہوگی۔ کہیں کسی نومولد کے لیے دنیا میں پہلی بار آنکھ کھولنے کی رات رہی ہوگی اور کہیں اس رات کچھ زندگیوں کے چراغ گل ہوا ہوگا۔ میرے لیے وہ رات مایوسی، دکھ، پچھتاوے اور ناامیدی کی رات تھی۔ بیتے دنوں کی یاد پچھتاوے میں مبتلا کر رہی تھی۔ چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغے میں گھرے ہونے کا احساس مایوسی پیدا کر رہا تھا اور زندگی بھر خوشیوں سے اور کامیابیوں سے اور فریدہ سے محروم ہونے کا خیال دل میں دکھ کے نشتر چبھو رہا تھا۔ نیند آنے کا تو خیر سوال ہی نہ تھا کہ جب آدمی اتنے خطرات میں گھرا ہو اور شدید بے آرامی کے عالم میں ایک کھوہ کے اندر قید ہو تو سو نہیں سکتا۔ مجھے بھی نیند نہیں آئی۔ کھوہ کے اندر مڑا تڑا بیٹھا باہر دیکھتا رہا اور سوچتا رہا کہ اگر وہ لوگ میری تلاش میں پہاڑی کے اوپر بھی آ گئے تو کیا ہوگا۔ ہر چند کہ میں کھوہ کے اندر چھپا ہوا ہوں، تاہم کسی نے سامنے سے ٹارچ کی روشنی اندر ڈالی تو..... تو کیا؟ ابھی سے اس سوال پر سراسیمہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ جب ایسا ہوگا تو دیکھا جائے گا۔ گھبراؤ مت..... میں نے خود کو تسلی دی۔

جب صبح کے تقریباً پانچ بجے تو مجھے ایک اور خیال نے ستانا شروع کر دیا۔ اس بات کی طرف پہلے دھیان نہیں گیا تھا۔ میں نے سوچا، صبح ہو جائے گی اور چاروں طرف اجالا پھیل جائے گا تب میں وادی سے کیوں کر نکل سکوں گا۔ دن کی روشنی میں ان کی نظروں سے محفوظ رہنا ناممکن ہو جائے گا۔ وادی کی حدود سے نکلنے کے لیے رات کا اندھیرا بہت ضروری تھا۔ مجھے پچھتاوا ہونے لگا۔ آخر یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا تھا مگر خیر! ابھی بدستور رات ہے اور میں کوشش کروں تو وادی سے نکل سکتا ہوں۔ یہ سوچ کر غار سے باہر نکلا۔ اتنی دیر تک اس چھوٹی سی کھوہ کے اندر جھک کر بیٹھے رہنے سے سارے اعضا بری طرح اکڑ گئے تھے۔ رگیں اور پٹھے..... بے حس سے ہو گئے تھے۔ کھڑا ہوا تو لمحے بھر کے لیے اکڑ کر رہ گیا۔ آنکھوں میں رنگین ستارے ناچنے لگے اور گھٹنوں اور کمرے میں درد کی تیز ٹیسیں دوڑ گئیں۔ کچھ ایسا لگا جیسے میں اپنے قدموں کو جنبش بھی نہیں دے سکوں گا مگر چند منٹ میں حالت قدرے بحال ہو گئی اور میں نے جھک کر بہت محتاط انداز میں نیچے اترنا شروع کر دیا۔ پہاڑی کے دونوں جانب ٹارچوں کی روشنیاں بدستور گردش کر رہی تھیں مگر اس طرف ان کی تعداد زیادہ تھی جدھر ہم نے جشن منایا تھا جبکہ دوسری طرف دو یا تین دائرے دکھائی دیتے تھے۔ اب وہ لوگ مجھے آوازیں نہیں دے رہے تھے۔ شاید انہیں یقین ہو چکا تھا کہ میں سچ مچ فرار ہو چکا ہوں اور محض آوازیں دینے سے واپس نہیں آؤں گا۔ اب ان کی ساری توجہ مجھے تلاش کرنے پر مرکوز تھی اور انہیں یقین تھا کہ میں ابھی تک وادی میں ہی کہیں روپوش ہوں۔

کچھ فاصلے طے کرنے کے بعد میں زمین پر بیٹھ گیا اور ہتھیلیوں کا سہارا لے کر کسی چوپائے کی طرح دھیرے دھیرے نیچے اترنے لگا۔ گو کہ ابھی بدستور رات تھی اور چاند کچھ دیر پہلے ڈوب چکا تھا مگر صحراؤں میں صبح ہونے سے پہلے جو مدھم سا اجالا پھیل جاتا ہے، وہ ہر طرف طاری تھا اور وہ اجالا بہرنوع اتنا تھا کہ کافی دور سے کسی انسانی ہیولے کو، اگر وہ متحرک بھی ہو، دیکھا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں گھٹنوں اور ہتھیلیوں کا سہارا لینے پر مجبور ہوا تھا۔ ہر چند کہ اس طرح ڈھلان طے کرنے میں از حد دشواری ہو رہی تھی مگر اس کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔ آدمی کی جان پر بنی ہو تو وہ شعلوں پر بھی چل سکتا ہے۔ میرے تو صرف گھٹنے چھل رہے تھے۔ زندگی زیادہ قیمتی شے ہے۔ گھٹنے زخمی ہو جائیں تو ان کی مرہم پٹی کی جا سکتی ہے لیکن زندگی کی مرہم پٹی ممکن نہیں۔ چنانچہ میں نے بھی

گھٹنوں کی پروا نہیں کی اور بدستور کچھوے کی طرح رینگ رینگ کر نیچے اترتا رہا۔

جب نیچے پہنچا تو اجالا کچھ اور واضح ہو چکا تھا۔ میں نے محتاط مگر متوحش نظروں سے گردوپیش میں دیکھا اور پھر دائیں جانب بھاگنا شروع کر دیا۔ اوپر سے جو کچھ میں نے دیکھا تھا اس کے مطابق ٹارچ کی روشنیاں بائیں طرف تھیں اور دائیں طرف وادی کی حد زیادہ لمبی نہیں تھی۔ کچھ کھنڈرات تھے۔ اس کے بعد لق دق صحرا، اور صحرا میں کچھ فاصلے پر مغربی سمت میں چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں اور ٹیلوں کا ایک طویل سلسلہ۔ اگر میں کھنڈرات سے نکل جاؤں اور پھر مغربی سمت میں بھاگنا شروع کروں تو کچھ ہی دیر میں، یعنی روشنی پوری طرح پھیلنے سے پیشتر، ان پہاڑیوں تک پہنچ سکتا ہوں اور اگر ایک بار ان پہاڑیوں میں پہنچ جاؤں تو پھر ان لوگوں کی دسترس سے نکل جانا ممکن ہو جائے گا۔ میں گھبرایا ہوا۔ سہما ہوا کسی ہرن کی طرح دہشت زدہ تیز تیز قدموں سے بھاگتا رہا۔ اگرچہ اس طرف بھی چھوٹے چھوٹے راستے بنے ہوئے تھے مگر میں نے انہیں نظر انداز کر دیا اور حتی الامکان کھنڈرات کی آڑ لے کر دوڑتا رہا۔ جیسے جیسے زمین پیروں کے نیچے سرک رہی تھی ویسے ویسے وحشت اور خوف میں اضافہ ہو رہا تھا۔ دل کی دھڑ دھڑاہٹ بڑھتی جا رہی تھی اور امید اور ناامیدی پیروں کی زنجیر بن رہی تھی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ٹھیک اس وقت کمند ہاتھ سے چھوٹ جائے جبکہ لب بام بالکل قریب ہو۔ کہیں کوئی بائیں طرف سے نہ آ جائے۔ کہیں کوئی دائیں طرف سے نہ آ جائے، ممکن ہے کوئی سامنے کھڑا ہو۔ کبھی میں گھبرا کر پیچھے دیکھتا۔ کبھی دائیں بائیں اور کبھی سامنے اپنے قدموں کی آواز، گو کہ وہ زیادہ اونچی نہیں تھی مگر مجھے بے حد دہشت ناک لگ رہی تھی۔ جیسے کسی بڑے سے ڈنکے پر مسلسل و متواتر چوٹ ماری جا رہی ہو۔ پیروں کی ہر دھمک میرے دل پر کسی وزنی گولے کی طرح گرتی تھی مگر اس وقت قسمت یقیناً مائل بہ کرم تھی کہ میرے ہاتھ لب بام تک پہنچ گئے۔ میں کھنڈرات سے باہر نکلا اور جسم و جان کی پوری توانائی سے مغربی سمت میں دوڑنے لگا۔ سامنے حد نظر تک راہگزار پھیلا ہوا تھا اور آسمان سے اجالے کی سفیدی دم بہ دم ریگستان کے سینے پر اترتی جا رہی تھی۔ اس سے ہر لمحے کا وزن میرے اپنے وزن سے کئی گنا بڑھ گیا تھا۔ جو میرے وجود کو پیسے ڈال رہا تھا کیونکہ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اجالا بڑھ رہا تھا اور اتنے اجالے میں کھلے میدان میں بھاگنا گویا اپنی بدبختی اور موت کو آواز دینے کے مترادف تھا۔ وہ لوگ اگر کسی اونچے ٹیلے پر موجود ہوں تو مجھے دور سے بھی دیکھ سکتے تھے۔ آخر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ وقت کچھ دیر کے لیے ٹھہر جائے۔ اجالا چند منٹ کے لیے رک جائے۔ آخر کو دنیا میں طوفان آتے ہیں، زلزلے آتے ہیں، قحط پڑتے ہیں، سورج اور چاند گرہن ہوتے ہیں، تو پھر اگر اس وقت لمحات کا سفر تھوڑی دیر کے لیے تھم جائے تو کیا ہرج ہو جائے گا۔ کون سی قیامت آ جائے گی..... خدایا..... خدایا..... مگر میرے سوچنے سے کیا ہوتا تھا۔ میں ایک حقیر و کمترین آدمی، لمحوں کی گردش پر میری خواہش کیسے اثر انداز ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ روشنی رفتہ رفتہ بڑھتی گئی اور میری دہشت میں اضافہ کرتی گئی اور ہر پل بڑھتی ہوئی روشنی کے ساتھ ساتھ میری رفتار میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔

لیکن آخر کار میں ان پہاڑیوں کے نزدیک جا پہنچا۔

اگرچہ میری حالت اس قابل نہیں رہ گئی تھی کہ مزید چند قدم بھی چل سکوں مگر خوف اور خطرے کا احساس آدمی کے اندر ایسی ہمت اور توانائی پیدا کر دیتا ہے جس کا ادراک عام حالات میں اسے کبھی نہیں ہوتا۔ میرا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ تھکن اور درد کے باعث مجھے اپنا پورا جسم ایک پھوڑے کی طرح محسوس ہو رہا تھا پھر بھی میں

اندھا دھند پہاڑی پر چڑھتا چلا گیا۔ یہ خشک پہاڑیاں تھیں البتہ کہیں کہیں کانٹے دار جھاڑیوں کے گچھے ضرور موجود تھے۔ زمین بھی زیادہ پتھریلی نہیں تھی۔ میں ہانپتا ہوا اوپر پہنچا اور پھر آگے ہی بڑھتا چلا گیا۔ اجالا اب پوری طرح پھیل چکا تھا اور ریت کا سمندر اونچی نیچی پہاڑیاں اور ٹیلے صاف نظر آتے تھے۔ سورج گو کہ ابھی نہیں نکلا تھا مگر مشرقی افق پر بڑھتی ہوئی روشنی اعلان کر رہی تھی کہ سورج کچھ ہی دیر میں طلوع ہوا چاہتا ہے۔ میں کوئی سو گز تک دوڑتا چلا گیا۔ پھر رک گیا۔ اب میں ایسی جگہ پہنچ چکا تھا جہاں تقریباً محفوظ تھا۔ اول تو یہ کہ بادشاہوں کی وادی سے کافی دور نکل آیا تھا۔ دوئم یہ کہ میرے اردگرد اونچے نیچے ٹیلے موجود تھے اور میں کسی بھی جگہ بہ آسانی چھپ سکتا تھا۔ یہاں پر کئی دراڑیں تھیں جو بہترین پناہ گاہ بن سکتی تھیں۔ کچھ دیر تک میں وہیں کھڑا رہا اور تجسس آمیز نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ مختلف خیالات میرے ذہن میں چکرا رہے تھے۔ سب سے اہم اور تشویش کن خیال یہ تھا کہ اب میں کیا کروں گا۔ اگر میں واقعی بچ کر نکل آیا ہوں اور بالفرض محال لارڈرے وغیرہ مجھے تلاش کرنے میں ناکام رہے ہیں تو میرا اگلا قدم کیا ہوگا۔ میں کہاں جاؤں گا۔ چاروں طرف ویران اندھا صحرا ہے۔ نہ کوئی راستہ ہے، نہ کوئی پگڈنڈی اور مجھے بالکل علم نہیں کہ قاہرہ کس طرف ہے اسکندریہ کس طرف ہے اور نخلستان سعدیہ کس طرف ہے۔ حد یہ ہے کہ مجھے یہ علم بھی نہیں کہ قاہرہ یا اسکندریہ اس وادی سے کتنے فاصلے پر ہیں۔ سورج کی مدد سے سمتوں کا اندازہ تو لگایا جا سکتا تھا مگر یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ قاہرہ کس رخ پر ہے۔ میں سمت اور فاصلے دونوں ہی سے لاعلم تھا پھر اس صورت میں کیا کروں گا، کدھر جاؤں گا اور کیونکر کسی آبادی میں پہنچوں گا؟

خیر یہ بعد کی بات ہے، یہ سوال تو اس وقت درپیش ہوگا جب واقعی یہ طے ہو جائے گا کہ میں لارڈرے اور ڈاکٹر نیفاوغیرہ کے چنگل سے نکل آیا ہوں۔ ابھی یہ طے نہیں ہوا ہے۔ وہ لوگ بدستور مجھے تلاش کر رہے ہیں اور جب میں انہیں وادی میں نہیں ملوں گا تو لازماً وہ لوگ اپنی تلاش کا دائرہ وسیع کر دیں گے چنانچہ سب سے پہلے تو مجھے ان کی دسترس سے بہت دور نکل جانے کی سعی کرنا چاہیے۔ میں نے وہیں سے وادی کی طرف نظر ڈالی۔ وہاں ہر طرف سکوت و سناٹا مسلط تھا۔ سورج اب نمودار ہونے لگا تھا اور اس کی سنہری چمکتی تازہ دھوپ وادی پر سونے کی طرح برس رہی تھی اور چمکتی ہوئی دھوپ میں وادی کے آثار عجیب نظارہ پیش کر رہے تھے۔ کچھ ایسا تاثر ہویدا تھا جیسے وہ وادی بادشاہوں کی نہیں بھوتوں کی ہو۔ میں کچھ دیر تک وادی کے کہنہ اور شکستہ کھنڈرات پر نظریں جمائے رہا پھر آگے بڑھا اور دو ٹیلوں کے درمیان اگی ہوئی ایک گھنی جھاڑی کے عقب میں چلا گیا۔ اب اور چلنا ممکن نہ تھا۔ میرے اعصاب بالکل مفلوج ہو رہے تھے۔ پیروں میں مزید چلنے کی ذرا بھی سکت نہ تھی اور سر گویا پھٹا جا رہا تھا۔ آگے بڑھنے سے بیشتر ضروری تھا کہ کچھ دیر ستا لوں پھر یہ بھی ہے کہ مجھے اب شدید بھوک لگنے لگی تھی۔ پتا نہیں کتنی دیر ہو گئی تھی کہ معدے میں سوائے شراب کے اور کچھ نہیں پہنچا تھا اور جسمانی توانائی بحال کرنے کے لیے نہ صرف ستانا بلکہ کچھ کھانا بھی ضروری تھا۔

میں جھاڑی کے عقب میں بیٹھ گیا۔ یہ جگہ خاصی محفوظ دکھائی دیتی تھی۔ اگر کوئی شخص سامنے سے آ بھی جائے تو مجھے آسانی سے نہیں دیکھ سکے گا اور پچھلی جانب کسی کے آنے کا سوال ہی نہ تھا کیونکہ اس طرف چڑھائی تھی اور کچھ آگے جا کر دونوں ٹیلے آپس میں مل گئے تھے۔ میں زمین پر پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا۔ بالکل بے جان ہو

کر، کچھ عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ ذہن یقین و گمان کے درمیان معلق تھا۔ وادی سے بچ کر نکل آنا ایک خواب سا لگتا تھا کیا میں واقعی ان کے چنگل سے نکل آیا ہوں۔ کیا واقعی اب وہ لوگ مجھے تلاش نہیں کر سکیں گے۔ کیا واقعی یہ ممکن ہو گیا ہے۔ شک و شبہے کے سوالات میرے سامنے قطار در قطار کھڑے تھے اور میں خود کو یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ واقعی یہ ممکن ہو گیا ہے۔ ہاں، بلاشبہ یہ ناممکن..... ممکن ہو چکا ہے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا پھر چھاگل سے ایک گھونٹ پانی پیا اور پھر تھیلا کھول کر دیکھنا شروع کر دیا کہ میں عجلت میں کیا کیا اشیا اپنے ساتھ لایا ہوں۔

☆☆☆

''ماسٹر!'' میرے کانوں میں مدھم سی آواز آئی۔

جب ہیروشما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے گئے تھے تو ان کا دھماکا بھی اتنا شدید اور تباہ کن نہیں رہا ہو گا جتنی وہ مدھم سی آواز مجھے محسوس ہوئی۔ آنکھ اس طرح کھلی گویا ڈیلے ابل کر باہر آ گئے ہوں پھر میں نے اپنے جسم کو جست کرتے ہوئے محسوس کیا۔ یہ عمل بھی بالکل اضطراری تھا پھر میں کھڑا ہو گیا اور اپنی آواز سنی۔ دہشت زدہ اور سہمی ہوئی جیسے وہ آواز کہیں بہت دور سے آ رہی ہو۔

''تم.....'' مجھے اپنی آواز خود سننے میں بھی دشواری ہوئی مگر اس نے سن لی۔

''ہاں میں۔'' اس نے کہا۔

''مگر..... مگر.....'' پتا نہیں میں نے کیا کہنا چاہا مگر کہہ نہ سکا پھر میں نے گردن اچکا کر اس کے پیچھے دیکھنے کی کوشش کی تو اس نے کہا۔

''ماسٹر! میں اکیلا ہوں، اور کوئی نہیں میرے ساتھ.....''

میں نے طویل سانس لی اور نفرت انگیز اور کینہ توز نظروں سے گھورا۔ وہ پیڈی تھا اور جھاڑیوں کی طرف کھڑا تھا اور مجھے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ جن میں تمسخر تھا اور شرارت بھی لیکن غصے یا نفرت کا پتا نہیں چلتا تھا پھر میں نے دل ہی دل میں خود کو کئی غلیظ گالیاں دیں کیونکہ یہ چند منٹ کے لیے آنکھ لگ جانے کا شاخسانہ تھا کہ پیڈی وہاں پہنچ گیا تھا۔ اگر میں جاگ رہا ہوتا تو وہ ہرگز مجھے تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ چند لمحوں کے سکوت کے بعد میں نے کہا۔

''باقی لوگ کہاں ہیں؟''

''تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔''

تو پیڈی اکیلا ہے، میں نے دفعتاً سوچا اور گویا یہ بھی قسمت کا کرم ہے۔ اگر اس کے ساتھ دو تین افراد ہوتے تو میں کیا کرتا۔ ظاہر ہے کہ کچھ نہیں کر سکتا تھا مگر پیڈی بالکل اکیلا ہے اور میں بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ میں آہستہ آہستہ چل کر جھاڑی سے باہر آیا۔ پیڈی دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا تھا لیکن میری نگاہ بدستور اس پر جمی ہوئی تھی اور ذہن میں خیالات کا طوفان تھا۔ کیا یہ چھوٹا سا آدمی مجھے روک لے گا، کیا میری محنت رائیگاں چلی جائے گی اور لب بام ہاتھ میں آ کر چھوٹ جائے گا۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ میں نے اندر ہی اندر اپنے وجود کو چلاتے ہوئے سنا۔ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ پیڈی اکیلا ہے، اور وہ تمہیں بالکل نہیں روک سکتا۔ ہاں ٹھیک ہے، وہ

جذبہ جو میرے اندر سلگ رہا تھا، اچانک شعلہ بن کر بھڑک اٹھا۔ میں برقی سرعت کے ساتھ پیڈی کی طرف بڑھا۔ پیڈی کو یقیناً اس بات کی توقع نہیں تھی، وہ بوکھلا کر پیچھے ہٹا اور اس نے کچھ کہا بھی، مگر یہ اور بات ہے کہ میں نہیں سن سکا۔ مجھ پر جنون سوار تھا۔ میں اس شخص کو بلاشبہ جان سے مار ڈالنا چاہتا تھا جو میرے راستے کی رکاوٹ بننے کے لیے آ گیا تھا۔ اب کہ میں اپنے پیروں کی تمام زنجیروں کو توڑ کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو چکا تھا تو پھر اس زندان میں واپس نہیں جا سکتا تھا۔ خواہ کچھ بھی ہو۔ میں اپنی آزادی کے لیے ہر کام کر سکتا تھا۔ حتیٰ کہ پیڈی کو قتل بھی کر سکتا تھا۔

وہ چند قدم پیچھے ہٹا، شاید بھاگنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر میں نے اتنا موقع نہیں دیا۔ اگر وہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو جاتا تو ظاہر ہے کہ لارڈ رے وغیرہ کو اطلاع دے دیتا اور یہ مجھے کسی صورت گوارا نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے اسے اپنے گھونسوں کی زد سے نہیں نکلنے دیا۔ پے در پے گھونسے مارتا رہا پھر اس کا توازن بگڑ گیا اور نیچے گر پڑا۔ دوسرے لمحے میں نے دیکھا میں اس کے سینے پر سوار ہوں اور میرے ہاتھ اس کی گردن پر ہیں۔ پیڈی کی حالت بری طرح دگرگوں ہو چکی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا اور میری گرفت سے نکلنے کے لیے بری طرح جدوجہد کر رہا تھا لیکن میری گرفت لمحہ بہ لمحہ سخت ہوتی گئی۔ قتل کرنا بدترین جرم ہے اور میں نے تو کبھی سپنے میں بھی گمان نہیں کیا تھا کہ کسی جیتے جاگتے انسان کی جان لینے کا قصد کروں گا مگر زندگی میں یہ دوسرا موقع تھا کہ میں سچ مچ قتل کا ارتکاب کرنے کی نیت رکھتا تھا۔ پہلی بار موی پنجوں کی گرفت میں آئی تھی اور اب پیڈی تھا۔ موی تو خیر بچ گئی تھی کہ اس کے دن ابھی باقی تھے لیکن پیڈی کے دن پورے ہو چکے۔ اب یہ شخص نہیں بچ سکتا۔ اسے مرنا ہی پڑے گا کیونکہ اگر میں اس کو چھوڑ دوں تو پھر میری موت یقینی ہو جائے گی۔

چند لمحوں میں پیڈی کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ آنکھیں ویران ہو گئیں اور پیشانی کی رگیں ابھر آئیں۔ بس کچھ لمحوں کی بات ہے پھر راستے کی یہ رکاوٹ ختم ہو جائے گی۔ تعجب ہے کہ مجھے اس وقت پیڈی پر ذرا بھی ترس نہیں آیا۔ جیسے جیسے اس کے چہرے پر موت کی سیاہی پھیلتی گئی، میرا سکون بڑھتا گیا۔ زندگی میں پہلی بار یہ تجربہ ہوا ہوا کہ کسی کی موت کیونکر دوسرے کے لیے خوشی کا سبب بنتی ہے۔ پیڈی بدستور جدوجہد کر رہا تھا۔ اس نے ایک بار جسم و جان کی پوری قوت صرف کر کے خود کو چھڑانے کی کوشش کی اور پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔

''ماسٹر..... ماسٹر..... پلیز۔''

''بکواس مت کرو۔'' میں نے غصے اور نفرت سے کہا۔

''مگر..... میری..... بات تو..... سنو۔'' اس نے الفاظ ٹکڑوں میں یاد کیا۔

''ہرگز نہیں۔'' میں نے کہا ''میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔''

''ماسٹر خدا کے لیے.....''

''سوری پیڈی!'' میں نے تند لہجے میں کہا ''میں مجبور ہوں کیونکہ مجھے بہر حال اپنی جان بچانا ہے۔''

''مگر ماسٹر..... مم..... میری بات.....''

مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ وہ ایک بار پھر زور سے مچلا لیکن زخمی پرندے کی طرح پھڑ پھڑا کر رہ گیا۔ میری گرفت کچھ اور سخت ہو گئی تھی۔ اس کے حلق سے کچھ ایسی آوازیں نکلیں جیسے اس کا دم نکل رہا ہو۔ یہ

احساس بڑا دہشت ناک تھا۔ پہلے کبھی کسی کو قتل نہیں کیا تھا اس لیے مجھے علم نہیں تھا کہ جب آدمی دم توڑ رہا ہو تو کیسا لگتا ہے۔ لمحے بھر کو میرا ارادہ متزلزل ہو گیا۔ شاید ایک ثانیے کے لیے میری گرفت کچھ نرم ہو گئی تھی کیونکہ اس ایک لمحے میں پیڈی ایک بار پھر اپنی آواز میرے کانوں تک پہنچانے میں کامیاب ہو گیا، اس نے کہا۔

''ماسٹر! تم جس لڑکی سے محبت کرتے تھے، اس کے نام پر.....''

میرے ہاتھ یکا یک ڈھیلے پڑ گئے۔

اگرچہ میرے دل میں غصے اور نفرت کا لاوا کھول رہا تھا پھر بھی میں نے اسے چھوڑ دیا کیونکہ اس نے فریدہ کا ذکر کیا تھا۔ وہ فریدہ جس نے مجھے زندگی کا سب سے بڑا دکھ دیا تھا۔ ایک بار پھر میرے راستے کی دیوار بن گئی تھی۔ وہ بے مہر و بے وفا لڑکی کے سامنے موجود ہو یا نہ ہو، مجھے دکھ پہنچانے سے باز نہیں آتی مگر اس کم بخت پیڈی نے اس کا نام کیوں لیا کیا اسے علم تھا کہ اس کا نام میرے موجود ارادوں کو موم کی طرح پگھلا کر رکھ دے گا۔ ہاں یقیناً وہ جانتا تھا، ورنہ اس کا نام نہ لیتا۔ میرا جی چاہ رہا تھا کہ اس کے منہ پر اتنے تھپڑ ماروں کہ کھال ادھڑ جائے یا اس کی زبان کھینچ لوں جو فریدہ کا نام لینے کی مرتکب ہوئی تھی مگر میں نے کچھ نہیں کیا۔ بے اختیار اسے چھوڑ دیا اور وہ ہانپتا ہوا پیچھے سرک گیا پھر میں نے انتہائی طیش کے عالم میں کہا۔

''لیکن اگر تم نے چلانے یا بھاگنے کی کوشش کی تو جان سے مار ڈالوں گا۔''

پیڈی نے کچھ نہیں کہا۔ وہ کتے کی طرح منہ کھول کر ہانپ رہا تھا اور دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن سہلا رہا تھا۔ میں چپ چاپ بیٹھا ہوا اسے خوں آشام نظروں سے گھورتا رہا۔ اس کے حواس بحال ہونے اور سانسیں اعتدال پر آنے میں چند منٹ لگے، پھر اس نے کہا۔

''ماسٹر! تم مجھے جان سے کیوں مارنا چاہتے ہو؟''

''تو پھر تمہارے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے تھا؟'' میں نے چڑ کر کہا۔

''کم از کم میری بات تو سنئے۔''

''بکو مت۔'' میں نے مزید غصے سے کہا ''کیا مجھے علم نہیں ہے کہ تم لوگ میرے لیے موت کا جال لے کر گھوم رہے ہو۔ اس صورت میں کچھ سننے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔''

پیڈی کچھ دیر چپ رہا اور بہت غور سے مجھے دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے کا رنگ رفتہ رفتہ بحال ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سوچ کی جھلکیاں تھیں۔ لگتا تھا اور کچھ کہنا چاہتا ہے، لیکن طے نہیں کر پا رہا ہے کہ کس طرح کہے۔ آخر کار میں نے ہی کہا۔

''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''ماسٹر! تم فرار کیوں ہوئے ہو؟''

میں بھنا کر رہ گیا۔ عجیب ڈفر آدمی ہے۔ ایسا احمقانہ سوال پوچھ رہا ہے۔ غالباً اسے بھی احساس ہو گیا تھا کہ اس نے یا تو غلط سوال پوچھا ہے یا غلط انداز میں پوچھا ہے چنانچہ فوراً ہی کہنے لگا۔

''میرا مطلب ہے ماسٹر تمہارے لیے کیا کچھ نہیں تھا۔ ساری آسائشیں مہیا کر دی گئی تھیں اور پھر ٹیا جیسی خوبصورت لڑکی تمہارے پہلو میں تھی۔ اس کے باوجود تم بھاگ آئے۔ میرے خیال میں تو یہ بڑی غلط بات

تھی۔''

''تمہارے خیال میں یہ غلط بات ہوگی۔'' مجھے اس کی ہر بات پر غصہ آ رہا تھا ''مگر میری نظر میں نہیں، میں نے جو کچھ کیا ہے۔ ٹھیک کیا ہے میں اور زیادہ احمق بننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ سب کے سب فاتر العقل لوگ ہیں۔ پاگل اور مخبوط الحواس بیسویں صدی میں طوطخ آمن کی واپسی کی بات کرتے ہیں.....'' میں اور بھی کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن خیالات کی یورش اتنی زیادہ تھی کہ میں چپ ہو گیا۔ پیڈی مجھے بہت متفکرانہ نظروں سے گھور رہا تھا۔ میں خاموش ہوا تو اس نے کہا۔

''ماسٹر! تم دوسروں سے مختلف کیوں ہو؟''

''کیا مطلب؟'' میں نے جھنجلا کر کہا۔ اس کی باتیں کم از کم میری دانست میں تو بالکل بے سروپا تھیں۔

''میرا مطلب ہے کہ تم سوسائٹی کے دوسرے ممبروں کے مقابلے میں کیوں مختلف ہو؟ وہ سب کے سب سوسائٹی سے بہت خوش اور مطمئن ہیں اور کبھی بھی سوسائٹی سے الگ ہو جانے کی بات نہیں کرتے۔ کسی نے بھی اب تک فرار ہونے کی کوشش نہیں کی۔ یہی نہیں بلکہ وہ لوگ واقعی ارفینا اور اسائرس کی پیشگوئیوں پر یقین رکھتے ہیں مگر تم سب کو چھوڑ کر بھاگ نکلے آخر کیوں؟ کیا تم ایمن مینشن میں ڈاکٹر نیفا کے پاس نہیں گئے تھے؟''

''گیا تھا، کیوں؟''

''اور تم نے اس سے گفتگو بھی کی تھی؟''

''ہاں، تمہارا مطلب کیا ہے آخر؟'' میں نے تلخی سے پوچھا۔

پیڈی نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے مگر پھر بند کر لیے۔ اس کی تجسس آمیز نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ قدرے توقف کے بعد اس نے کہا ''ماسٹر اب تم کیا کرو گے۔''

لاحول ولاقوۃ، میں پھر جھنجلا گیا۔ آخر یہ شخص اتنے فضول اور نامعقول سوالات کیوں پوچھ رہا ہے۔ اب کیا یہ بھی پوچھنے کی بات ہے کہ میں کیا کروں گا لیکن کسی نہ کسی طرح میں نے اپنی جھنجلاہٹ پر قابو پا لیا پھر میں نے اسے بتایا کہ میں کیا کروں گا۔ وہ بڑے دھیان سے میری باتیں سنتا رہا۔ میں نے کہا کہ خواہ کچھ ہو جائے۔ میں واپس نہیں جاؤں گا۔ ہرگز ہرگز واپس نہیں جاؤں گا۔ اگر موت مقدر ہو چکی ہے تو بے شک مر جاؤں گا۔ مجھے اس کی پروا نہیں ہے کہ موت کیوں کر آئے گی۔ اگر صحرا میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اور پانی کے ایک ایک قطرے کو ترس ترس کر مرنا پڑا تو بھی کوئی بات نہیں ہے مگر میں ایمن سوسائٹی میں واپس نہیں جاؤں گا اور اگر پیڈی نے میرے راستے میں حائل ہونے کی کوشش کی تو اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔

پیڈی نے کہا ''مگر وہ لوگ تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' میں نے کہا پھر پوچھا ''مگر رات میں انہیں میرے فرار ہونے کا علم کیونکر ہوا تھا۔ کیا ٹیا ہوش میں آ گئی تھی؟''

''نہیں، ماریا نے اطلاع دی تھی۔''

''ماریا نے!'' میں نے حیرت سے کہا ''کیا وہ میرے کمرے میں گئی تھی؟''

''پتا نہیں، شاید گئی ہو۔'' پیڈی نے جواب دیا ''ہم لوگ جشن کے ہنگاموں میں ڈوبے ہوئے تھے۔

اچانک ماریا نے کہا کہ تم بھاگ گئے ہو چنانچہ ہم سب کمرے میں گئے اور دیکھا کہ تم وہاں موجود نہیں ہو اور ٹیا بے ہوش پڑی ہے۔ ہم ٹیا کو ہوش میں لائے پھر اس نے بتایا کہ تم نے اس کا گلا گھونٹ کر بے ہوش کر دیا تھا چنانچہ ہم نے فوراً ہی تمہیں تلاش کرنا شروع کر دیا۔''

میں کچھ دیر خاموش رہا پھر چھاگل اٹھائی جو کچھ دور پڑی تھی۔ ایک گھونٹ پانی پی کر میں نے دو سگریٹ جلائیں۔ ایک پیڈی کو دی اور پھر اس سے پوچھا ''مگر تم یہاں کیونکر پہنچ گئے؟''

''دراصل میں نے تمہیں اس وقت دیکھ لیا تھا جب تم میدان میں بھاگ رہے تھے چنانچہ میں بھی ادھر آ گیا۔ تم جھاڑی کے پیچھے چھپ گئے تھے۔ اس بنا پر تلاش کرنے میں کچھ دیر ہو گئی تھی۔''

میں نے یکا یک چونک کر اسے گھورا ''تمہارا مطلب ہے کہ تم ادھر اکیلے آئے ہو۔ کسی اور کو اس بات کا علم نہیں ہے؟''

''ہاں۔'' پیڈی نے جواب میں کہا ''مگر مجھے اتنا علم ہے کہ ان لوگوں نے اپنی تلاش کا دائرہ وسیع کر دیا ہے۔ جب تک اندھیرا تھا تب تک ڈاکٹر نیفا کا خیال تھا کہ تم وادی سے نکل سکو گے، مگر صبح ہوتے ہی وہ چاروں طرف پھیل گئے اور اب وہ تمہیں وادی کے باہر ہر طرف تلاش کر رہے ہیں اور کوئی تعجب نہیں ہو گا کہ کچھ ہی دیر میں وہ لوگ ادھر بھی آ جائیں۔''

میں نے دفعتاً پیڈی کے ہاتھ پکڑ لیے ''سنو پیڈی!'' میں نے بڑے جوش کے ساتھ مگر قدرے خوشامدانہ انداز میں کہنا شروع کیا ''تم مجھے یہاں سے نکل جانے دو میں تمہارا بے حد شکر گزار رہوں گا۔ تم نے اس لڑکی کا واسطہ دیا تھا جس سے میں محبت کرتا تھا۔ تم نے بھی کبھی کسی لڑکی سے شاید محبت کی ہو، میں اس کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ مجھے نکل جانے دو۔ بھول جاؤ کہ تم یہاں آئے تھے۔ تم نے مجھے دیکھا تھا۔ ان لوگوں کو اس بات کا علم نہیں ہو گا اور تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی اور میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمہارا احسان مند رہوں گا۔''

پیڈی مسکرا کر بولا ''ماسٹر میں نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی مگر میں تمہارا ساتھ دوں گا۔''

''کیا مطلب؟''

''میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔''

''مگر کیوں؟ تم ایمن سوسائٹی کو میری خاطر کیوں چھوڑو گے؟'' میں نے حیرت سے کہا ''اس میں تو بڑے خطرات ہیں۔ میرے ساتھ تم بھی مارے جاؤ گے۔''

''میں جانتا ہوں۔''

''پھر بھی یہ خطرہ مول لے رہے ہو۔'' میری حیرت بدستور قائم تھی۔ ''اور پھر تم شراب روپے اور لڑکیوں.....''

''جانتا ہوں ماسٹر!'' پیڈی نے ہاتھ ہلا کر کہا ''میں ان سب عیاشیوں اور عشرتوں سے محروم ہو جاؤں گا اگرچہ جہاں تک روپے، شراب اور لڑکیوں کا تعلق ہے تو ایمن سوسائٹی میرے لیے جنت سے کم نہیں۔ اس کے باوجود میں سوسائٹی کو چھوڑنا چاہتا ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ پچھلے کچھ عرصے سے سوسائٹی کا تعلق سی آئی اے اور مافیا سے بھی ہو گیا ہے اگرچہ میرے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ میرا یہ شبہ درست ہے۔

دراصل لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا کا خیال ہے کہ جب تک دنیا کے موجود حکمران زندہ ہیں۔ تب تک ان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا اور طوطخ آمن کی حکومت ساری دنیا پر قائم نہیں ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مافیا اور سی آئی اے سے گٹھ جوڑ کرلیا ہے۔''

''یار وضاحت کرو، میں سمجھا نہیں۔'' میں نے حیرت زدہ ہوکر کہا۔

پیڈی چند لمحے سوچتا رہا ''ماسٹر! دراصل آپ نے عین سہاگ رات کی رات میں فرار ہوکر سارا منصوبہ چوپٹ کردیا ہے۔'' آخر کار اس نے کہا ''اگر آپ فرار نہ ہوتے اور سہاگ رات تکمیل تک پہنچ جاتی تو ان کے عقیدے کے مطابق طوطخ آمن کی پیدائش عمل میں آتی پھر جب وہ جوان ہوتا تو ساری دنیا کا بادشاہ بنتا مگر اس کے لیے بہت ضروری تھا کہ سیاسی طور پر ایمن سوسائٹی کا اثر دنیا کے ہر ملک میں بہت گہرا ہو اور مناسب وقت آنے پر ممکن ہو کہ موجودہ حکومت کا تختہ الٹ کر سوسائٹی اپنے مطلب کے آدمیوں کو حاکم بنا سکے۔ ڈاکٹر نیفا کو یقین ہے کہ دنیا کی وہ تمام حکومتیں جو ایمن سوسائٹی اور مافیا کے زیر اثر ہوں گی، بلا پس و پیش طوطخ آمن کی بالادستی کو تسلیم کرلیں گے اور اس طرح طوطخ آمن ساری دنیا کا بادشاہ بن جائے گا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ایک طرف تو سوسائٹی کے سی آئی اے اور مافیا سے گٹھ جوڑ کیا ہے تاکہ دنیا کے تمام ترقی پذیر اور ترقی یافتہ اور پس ماندہ ممالک میں سیاسی سازشوں اور دہشت گردی کا سلسلہ شروع کیا جائے اور دوسری طرف تقریباً پوری دنیا میں ایمن سوسائٹی کی شاخیں بھی قائم کرنے کا منصوبہ رہے اس کا فائدہ نہ ہوگا کہ وقت ضرورت اپنے مطلب کے آدمی حاکم بنائے جاسکیں گے۔''

میں چند ثانیے احمقوں کی طرح پیڈی کی شکل دیکھتا رہا وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اس پر یقین کرنا آسان نہ تھا۔ بھلا ایسا کیوں کر ہوسکتا ہے مگر لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا جیسے سنکی اور پاگل لوگوں سے کچھ بعید نہ تھا۔ وہ ایسا منصوبہ بنا سکتے تھے۔ قطع نظر اس کے کہ ایسا کوئی بھی عالمگیر منصوبہ یہ کبھی بھی شرمندۂ تکمیل نہیں ہوسکتا تھا۔ آخر کار میں شش و پنج کے بھنور سے نکلا اور پیڈی سے کہا۔

''کیا سی آئی اے اور مافیا کو بھی ایمن سوسائٹی کے عقائد کا علم ہے؟''

''ہرگز نہیں۔'' پیڈی نے جواب دیا ''انہیں اگر اس بات کا علم ہو تو وہ ہرگز ایمن سوسائٹی کا ساتھ نہیں دیں گے۔ وہ لوگ تو سمجھتے ہیں کہ ایمن سوسائٹی بھی مافیا جیسی ایک تنظیم ہے، جو سیاسی مقاصد کے لیے کام کرتی ہے۔ اب صورت یہ ہے کہ اگر کسی ملک میں سیاسی انتشار پھیلانا مقصود ہو اور یہ کام سی آئی اے خود نہ کرنا چاہتی ہو تو وہ مافیا یا ایمن سوسائٹی سے درخواست کرے گی اور ایمن سوسائٹی یا مافیا اس ملک میں گڑبڑ پھیلانا شروع کردیں گی۔ سی آئی اے اس خدمت کے عوض نہ صرف ایمن سوسائٹی کو مالی امداد دے گی بلکہ اگر ایمن سوسائٹی کبھی کسی ملک میں تبدیلی لانے کی خواہش مند ہو تو بھی سی آئی اے پوری مدد کرے گی۔ یوں سمجھ لیجیے کہ تینوں تنظیمیں ایک دوسرے سے پورا تعاون اور اتحاد کریں گی۔ اس میں ایمن سوسائٹی کا سب سے زیادہ فائدہ ہے کیونکہ سوسائٹی کو اپنی شاخیں پوری دنیا میں پھیلانا مقصود ہیں اور اس کے لیے بہت بڑی رقم درکار ہے۔ جو صرف سی آئی اے اور مافیا سے ہی مل سکتی ہے۔''

''یار مجھے یقین نہیں آتا۔'' میں نے گومگو کی حالت میں کہا۔

''مجھے بھی یقین نہیں آتا۔ مگر اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے۔ لارڈرے بے شک بہت دولت مند آدمی ہے مگر اتنا دولت مند بھی نہیں ہے کہ پوری دنیا میں سوسائٹی کو پھیلانے کے اخراجات برداشت نہ کر سکے۔ یہ مقصد صرف سی آئی اے اور مافیا کے تعاون اور مدد سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔''

''میں تو سمجھتا تھا کہ ایمن سوسائٹی ایک چھوٹی سی تنظیم ہے۔'' میں نے کہا۔

''آپ کا خیال درست ہے ماسٹر!'' پیڈی نے کہا ''پہلے یہ بہت چھوٹی جماعت تھی۔ بمشکل چند ممبر تھے۔ لندن اور قاہرہ میں اس کی شاخیں تھیں مگر اب یہ یورپ کے کئی ملکوں میں پھیل چکی ہے اور جیسا کہ میں نے کہا کہ اب لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا اسے پوری دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں۔''

''مگر تمہیں کیوں کر شبہ ہوا کہ سوسائٹی نے سی آئی اے اور مافیا سے گٹھ جوڑ کر لیا ہے؟''

پیڈی چند لمحے خاموش رہا پھر اس نے کہا ''ماسٹر یہ چند ماہ پہلے کی بات ہے یعنی اس وقت کی جب تم نئے نئے باربرا وغیرہ سے متعارف ہوئے تھے۔ اس وقت تمہارے ایشیا کے ایک چھوٹے ملک میں، جس کی سرحد ایک بڑے کمیونسٹ ملک سے ملتی ہیں۔ سیاسی طور پر بڑی گڑبڑ ہوئی تھی۔ شاید تم نے اخباروں میں پڑھا ہو۔ بعد میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ اس سازش کے پیچھے سی آئی اے کا ہاتھ تھا مگر سازش کے جرم میں جو شخص گرفتار ہوا تھا اس کا تعلق لندن سے تھا اور یقین کرو کہ وہ ایمن سوسائٹی کا ممبر تھا پھر اس شخص کو سزا ہو گئی تھی اور وہ اب بھی اس ملک کی جیل میں سزا بھگت رہا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور واقعہ بھی ایسا ہوا جو میرے شبہے کا سبب بنا اور وہ یہ کہ ایک بار میں نے لارڈرے کے دفتر میں ایک ایسے شخص کو دیکھا جو برطانیہ میں مافیا کی تنظیم کا ایک اہم رکن ہے۔ اس نے کوئی دو گھنٹے لارڈرے کے ساتھ تنہائی میں گزارے تھے۔ سوال یہ ہے کہ وہ لارڈرے سے ملنے کیوں آیا اور دو گھنٹے تک خفیہ ملاقات کا مقصد کیا تھا؟ ان دو واقعات سے مجھے شک ہوا کہ شاید سوسائٹی نے سی آئی اے اور مافیا سے گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔''

''شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔'' آخر کار میں نے کہا ''مگر پھر بھی تم سوسائٹی کو کیوں چھوڑنا چاہتے ہو؟''

اس نے مجھے حیرت سے گھورا ''ماسٹر! کیا اب بھی تم نہیں سمجھے۔'' پھر اس نے قدرے وقفہ دے کر مزید کہا ''اچھی بات ہے، میں سمجھاتا ہوں۔ بات دراصل یہ ہے ماسٹر کہ میں روپے سے عشق کرتا ہوں، شراب کا شوقین ہوں اور عورتوں کا رسیا ہوں مگر قاتل، سازشی اور دہشت گرد بننا میرے لیے ممکن نہیں۔ اب فرض کرو کہ میرا شبہ درست ہے اور سوسائٹی نے واقعی مافیا اور سی آئی اے سے گٹھ جوڑ کر لیا ہے تو پھر اس صورت میں یہ عین ممکن ہے کہ کل کو کسی سربراہ مملکت کو قتل کرنے کا کام میرے سپرد کر دیا جائے۔ تب پھر میں کیا کروں گا۔ بہتر کے ایسا وقت آنے سے قبل ہی میں سوسائٹی سے نکل جاؤں۔ یہ کام کسی ملک کے عوام کو انتشار اور بے اطمینانی میں مبتلا کرنے سے کہیں بہتر ہے۔''

میں نے تحسین آمیز نظروں سے پیڈی کو دیکھتے ہوئے سر ہلایا ''تم ٹھیک کہتے ہو مگر میرے ساتھ تم بھی مارے جاؤ گے۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' اس نے آسمان کو گھورتے ہوئے کہا ''لارڈرے نے ڈاکٹر نیفا، کارلس، باربرا اور اسٹار کی وغیرہ بہت ضدی، سنگدل، منتقمانہ مزاج رکھنے والے اور کمینہ خصلت انسان ہیں۔ وہ ہار کبھی نہیں مانیں

گے اور دنیا کے آخری کونے تک ہمارا پیچھا کریں گے۔ چنانچہ ہمارے بچنے کا امکان بہت کم ہے۔ اس کے باوجود میں تمہارا ساتھ دینا چاہتا ہوں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میری زندگی میں تم پہلے آدمی ہو جو مجھے پسند آئے ہو۔ ہم اگر خوش قسمتی سے اس صحرا سے زندہ بچ کر نکل جانے میں کامیاب ہو گئے تو میں امریکا چلا جاؤں گا۔ وہاں ریاست کنٹکی کے ایک دور دراز علاقے میں میری ایک رشتے کی چچی رہتی ہیں۔ انہوں نے مجھے ایک بار بلایا بھی تھا۔ میں وہیں مستقل سکونت اختیار کروں گا۔''

پیڈی ٹھیک کہتا تھا..... اگر ہم زندہ بچ گئے تو؟ اور یہ ''تو'' ایسی کھائی کی طرح تھا جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا اور اگر بالفرض محال ہم اس عظیم ترین ریگستان سے نکل بھی گئے تو بھی زندہ بچ جانے کی کوئی ضمانت موجود نہیں کیونکہ اگر پیڈی کا خیال درست ہے تو پھر مافیا اور سی آئی اے والے بھی ہمیں کتوں کی طرح ساری دنیا میں ڈھونڈتے پھریں گے۔ ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں اور ان کی ناک بھی بہت لمبی ہے۔ وہ بہرحال کہیں نہ کہیں ہماری بو سونگھ لیں گے۔ پیڈی تو خیر امریکا چلا جائے گا میں کہاں جاؤں گا؟ مگر یہ سوال بہت قبل از وقت ہے اگر اس صحرا سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا، تب سوچوں گا کہ میں کہاں جاؤں گا۔ چنانچہ میں نے پیڈی سے کہا۔

''کیا ہم یہیں بیٹھے رہیں گے؟''

''نہیں۔'' اس نے اٹھتے ہوئے جواب دیا ''میرا خیال ہے ہمیں چلنا چاہیے۔ وہ لوگ کسی وقت بھی ادھر آسکتے ہیں۔ بہتر ہے کہ ہم اس سے پہلے ہی زیادہ سے زیادہ دور نکل جائیں۔'' پھر اس نے ذرا ٹھہر کر کہا ''ماسٹر! میری ایک تجویز ہے۔''

''کیا؟''

''میں نیچے جاتا ہوں۔'' اس نے کہا ''ان لوگوں کو ابھی علم نہیں ہے کہ میں تمہارا ساتھ دے رہا ہوں۔ چنانچہ اگر کسی جگہ کوئی مجھے مل بھی گیا تو اسے کوئی شبہ نہیں ہوگا۔ تم پہاڑیوں کے اوپر چلو۔ میں تمہیں نیچے سے بوقت ضرورت مناسب اشارے دیتا رہوں گا مگر تم کوشش کرنا کہ زیادہ تر آڑ میں رہ کر سفر طے کرو۔ جب ہم مناسب فاصلہ طے کر لیں گے تو ایک دوسرے کے ساتھ ہو جائیں گے۔''

یہ تجویز ہر طرح مناسب تھی چنانچہ میں راضی ہو گیا۔ پیڈی نے چھاگل سے دو گھونٹ پانی پیا پھر خدا حافظ کہہ کر نیچے اترنے لگا۔ میں ایک ٹیلے کی آڑ سے اسے دیکھتا رہا۔ اگرچہ میرے دل میں شک و شبہے اور پس و پیش کے جذبات موجزن تھے۔ ممکن ہے یہ محض پیڈی کی چال ہو۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے مجھے دھوکا دینے کے لیے یہ ساری داستان تراشی ہو اور نیچے پہنچتے ہی وہ دوسرے لوگوں کو بلا لے۔ آخر کو وہ ایمن سوسائٹی کا پرانا ممبر ہے۔ اس کا کیا بھروسہ مگر میں اس پر اعتماد کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ پیڈی کی حیثیت میرے لیے تنکے کے سہارے سے زیادہ نہیں تھی لیکن میں یہ سہارا لینے پر مجبور تھا۔ پیڈی کو نیچے پہنچنے میں تقریباً نصف گھنٹہ لگ گیا۔ کچھ دیر تک وہ کھڑا ہوا ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر شاید وہ مطمئن ہو گیا کہ آس پاس کوئی نہیں ہے چنانچہ اس نے ہاتھ ہلا کر مجھے روانہ ہونے کا اشارہ کیا۔ میری حالت بدستور خراب و خستہ تھی۔ جسم کا ایک ایک جوڑ دکھ رہا تھا اور... سر میں گویا گولے سے چھوٹ رہے تھے۔ اس وقت میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہیں لیٹ جاؤں اور بے خبر

سو جاؤں مگر یہ ممکن نہ تھا۔ بادل نخواستہ اٹھنا پڑا۔ پیڈی کے پاس وہسکی کی نصف بوتل موجود تھی، وہ اس کی روانگی سے پیشتر میں نے لے لی تھی نشہ ٹوٹنے کے نتیجے میں جو کسل مندی اور اضمحلال پیدا ہوا تھا۔ اس کا علاج شراب سے ہی ہو سکتا تھا۔ میں نے تلخ وہسکی کے دو تین گھونٹ حلق سے اتارے، پھر تھیلا اور چھاگلیں کندھے پر لٹکائیں، بوتل ہپ پاکٹ میں رکھی اور پھر کچھ اس طرح آگے بڑھنا شروع کیا جیسے میرا ہر قدم کسی اندھے کنویں کی طرف اٹھ رہا ہو۔

میرے ذہن میں پیڈی کی جانب سے بدستور شک وشبہ موجود تھا۔ میرا ساتھ دینے کے لیے اس نے جو دلائل دیے تھے گو کہ وہ کافی مضبوط تھے پھر بھی میں مطمئن نہ تھا۔ ممکن ہے پیڈی کی نیت ٹھیک نہ ہو۔ ہو سکتا ہے، وہ کوئی چال چل رہا ہو مگر حالات ایسے تھے کہ میں اس کا اعتبار کرنے پر مجبور تھا۔ کم از کم دیکھنا تو چاہیے کہ اس کا ارادہ اور نیت کیا ہے؟ البتہ یہ ضرور ہے کہ میں نے اس پر اندھا اعتماد نہیں کیا تھا۔ اپنی جانب سے پوری طرح محتاط اور ہوشیار تھا۔ جب تک اطمینان نہیں ہو جاتا تب تک نہ صرف اس پر نگاہ رکھوں گا بلکہ اس کی کسی بھی بات کا اعتبار نہیں کروں گا۔ اگر پیڈی مخلص نہیں ہے اور کوئی چال چل رہا ہے تو صرف اسی صورت میں میں اپنا تحفظ کر سکتا تھا۔

پیڈی نے ایمن سوسائٹی کے متعلق جو کچھ کہا تھا اور سی آئی اے اور مافیا سے گٹھ جوڑ کے بارے میں جو تفصیل بتائی تھی، وہ بھی واضح نہیں تھی۔ خود پیڈی کو بھی شک وشبہ ہی تھا۔ کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا چنانچہ مجھے بھی کچھ زیادہ یقین نہیں تھا مگر یہ گمان بھی تھا کہ پیڈی کے خیالات درست ہو سکتے ہیں۔ ایمن سوسائٹی ہر چند کہ کوئی عالمی تنظیم نہیں تھی مگر اس کے مقاصد بہت وسیع تھے اور ان مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اسے عالمگیر سطح پر پھیلانا از بس کہ ضروری تھا اور اس کے لیے ایک خطیر رقم کی مستقل ضرورت تھی۔ لارڈ رے برانڈ بے شک بہت دولت مند ہے اور اس کے ذرائع آمدنی بھی بہت وسیع ہیں مگر سوسائٹی کو عالمی سطح پر پھیلانے کے اخراجات برداشت کرنا یقیناً اس کے بس کی بات نہیں چنانچہ یہ عین ممکن ہے کہ سوسائٹی نے مافیا اور سی آئی اے سے گٹھ جوڑ کر لیا ہو۔ اس صورت میں نہ صرف ہر دو اداروں سے بھاری رقوم ہی مل سکتی تھیں بلکہ دنیا بھر میں شاخیں پھیلانے کے سلسلے میں ان کی مدد بھی حاصل ہو سکتی تھی۔ مافیا اور سی آئی اے کی اپنی شاخیں شاید دنیا کے ہر ملک میں نہیں ہیں مگر ان کے کارکن ہر جگہ موجود ہیں۔ جو ایمن سوسائٹی کو ہر طرح کی مدد دے سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ کہنا کہ پیڈی کا کہنا درست نہیں کچھ مناسب نہ ہوگا، البتہ اس بات میں کسی شک وشبے کی گنجائش موجود نہیں تھی کہ سوسائٹی سے فرار ہو کر میں نے اپنے لیے ان گنت مصائب وآلام کو دعوت دی ہے۔ پیڈی کو کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں خود بھی سمجھ سکتا تھا کہ لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفا مجھے کسی صورت معاف نہیں کریں گے۔ وہ اس عظیم ریگستان کے چپے چپے پر مجھے تلاش کریں گے اور اگر قسمت کا کوئی مہربان لمحہ مجھے اس ریگستان سے نکال لے گیا تو وہ ساری دنیا میں مجھے تلاش کرتے پھریں گے۔ خواہ میں قطب شمالی پر چلا جاؤں یا قطب جنوبی پر۔ وہ مجھے ہر حال میں ڈھونڈیں گے اور اپنی ہزیمت اور ناکامی کا انتقام لیں گے۔

میں اپنے شکستہ اور ماندہ جسم کو دھیرے دھیرے گھسیٹتا رہا۔ سورج رفتہ رفتہ بلند ہو رہا تھا اور دھوپ کی تمازت میں بتدریج اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ میرے سامنے حد نظر تک اونچی نیچی پہاڑیوں کے سلسلے اور تپتا ہوا زرد ریگستان

پھیلا ہوا تھا۔ جو آسمان سے شعلوں کی برستی دھوپ میں میدان حشر کی مثال نظر آ رہا تھا مگر یہ فرق ضرور تھا کہ میدان حشر اتنا ویران اور سنسان نہیں ہوگا جتنا وہ ریگستان تھا۔ جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی، کوئی ذی روح نظر نہیں آتا تھا صرف ننگی پہاڑیاں تھیں، ریت کے میدان تھے اور ویرانی تھی۔ ایسی ویرانی کہ دل پر ہول سا طاری ہوتا تھا۔ البتہ کبھی کبھی صحرائی پرندے ضرور نظر آتے تھے۔ آسمان بھی خالی تھا۔ ماسوا چند پرندوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ وہ بادل کے ٹکڑے پتا نہیں کہاں غائب ہو گئے تھے جو رات میں چاند کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔

وہ پہاڑی سلسلہ بھی عجیب تھا۔ ایک دائرے کی طرح گھومتا ہوا کئی میل تک چلا گیا تھا۔ اس میں نشیب و فراز بھی بہت تھے۔ کبھی ڈھلان آتی تو ایسی عمودی کہ اترنا مشکل ہو جاتا پھر چڑھائی کا سامنا کرنا پڑتا مگر اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ سردست میں انہی پہاڑیوں میں سفر کروں کیونکہ کھلے میدان میں وہ آڑ میسر نہ آتی جو پہاڑیوں پر حاصل تھی۔ پیڈی بدستور نیچے سفر کر رہا تھا۔ دو گھنٹے سے زیادہ ہو چکے تھے اور اب تک سب خیریت رہی تھی۔ یعنی ایمن سوسائٹی کے کسی فرد کا سامنا نہیں ہوا تھا مگر ایک بار میں نے کم از کم تین افراد کو دیکھا ضرور تھا۔ دائیں جانب کھلے میدان کے سینے پر وہ تینوں دھبوں کی صورت نظر آئے تھے۔ فاصلہ بہت تھا اور میں انہیں صحرائی جھاڑیوں کے دھبے ہی سمجھتا، بشرطیکہ وہ متحرک نہ ہوتے مگر وہ حرکت کر رہے تھے اور بتدریج دائیں سے بائیں جانب بڑھ رہے تھے۔ البتہ یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ ایمن سوسائٹی کے ممبر ہی تھے یا کچھ اور لوگ تھے۔ صحرا کا یہ حصہ جہاں ہم دونوں سفر کر رہے تھے ہر چند کہ ویران اور بے آب و گیاہ تھا مگر ایسا نہیں ہے کہ اس طرف کبھی انسانی قدم نہ پہنچے ہوں۔ کبھی کبھار غیر ملکی سیاح یا مقامی بدوؤں کا کوئی قافلہ ادھر سے ضرور گزرتا ہوگا چنانچہ ممکن ہے کہ وہ تینوں بھی غیر متعلق افراد رہے ہوں۔ کچھ دیر میں وہ تینوں دھبے اونچے نیچے ٹیلوں کے عقب میں غائب ہو گئے۔

میں نے تقریباً نصف گھنٹہ اور سفر کیا پھر ہمت جواب دے گئی۔ گزشتہ پوری رات اور دن کا بیشتر حصہ جن حالات میں گزرا تھا اس نے مجھے جسمانی اور ذہنی طور پر بالکل خستہ کر ڈالا تھا۔ اس کے علاوہ میں بھوکا بھی تھا۔ سونے کا کوئی موقع میسر نہیں آیا تھا چنانچہ مسلسل بھاگ دوڑ، بیداری اور بھوک کا نتیجہ یہ نکلا کہ میرے لیے مزید چلنا تقریباً ناممکن ہو گیا۔ ایک ایک قدم اتنا بھاری ہو گیا تھا گویا میرے پیروں میں وزنی گولے بندھے ہوں۔ سانس میں شعلوں کی تپش تھی۔ لگتا تھا سینے کے اندر کوئی الاؤ جل رہا ہو۔ میں کچھ دیر اور چلنے بلکہ اپنے جسم کی زندہ لاش گھسیٹنے کی کوشش کی پھر مزید قدم اٹھانے کا یارا نہ رہا۔ اس وقت میں جس جگہ تھا وہاں پہاڑی زیادہ اونچی نہیں تھی۔ وہاں پر کئی دراڑیں اور کھوہ نظر آ رہی تھیں جو چھپنے اور آرام کرنے کے لیے نہایت موزوں تھیں چنانچہ میں ایک جگہ رک کر انتظار کرنے لگا۔ حتیٰ کہ پیڈی سامنے دکھائی دیا۔ میں نے زور زور سے ہاتھ ہلانا شروع کر دیا۔ آواز دینا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ مجھے کافی زور سے چلانا پڑتا اور یہ دانش مندی کے خلاف ہوتا۔ مبادا کوئی آس پاس موجود ہو اور میری آواز سن لے۔ خوش قسمتی سے پیڈی متوجہ ہو گیا اور مجھے ہاتھ لہراتے دیکھ کر رک گیا پھر اس نے ہاتھ ہلا کر اشارے سے پوچھا۔

''کیا بات ہے؟''

''ادھر آؤ۔'' میں نے اشارہ کیا۔

پیڈی نے پھر اشارہ کیا جو میری سمجھ میں نہیں آیا۔ اتنے فاصلے سے ہاتھ ہلا کر بات چیت کرنا آسان نہ تھا لہٰذا میں نے جواب نہیں دیا۔ میں ایک چھوٹے سے ٹیلے کی آڑ میں بے دم ہو کر بیٹھ گیا۔ مجھے یقین تھا کہ کوئی جواب نہ پا کر پیڈی خود ہی اوپر آئے گا اور ایسا ہی ہوا۔ چونکہ اس جگہ چڑھائی زیادہ نہ تھی اس لیے کچھ ہی دیر میں وہ اوپر آ گیا۔ اس کا چہرہ دھوپ کی حدت سے سرخ ہو رہا تھا۔ گال اور پیشانی جھلسی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ کتے کی طرح منہ کھول کر ہانپ رہا تھا۔ میرے نزدیک آ کر وہ دھپ سے زمین پر بیٹھ گیا اور پھولتی ہوئی سانس کے ساتھ بولا۔

''کیا بات ہے ماسٹر؟''

میں نے اپنی پنڈلیوں کو آہستہ آہستہ دباتے ہوئے کہا ''اب اور چلنا میرے لیے ممکن نہیں، کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔''

پیڈی نے میرے اس فیصلے پر فوری طور پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اس کی سانس بری طرح پھول رہی تھی۔ چنانچہ چند منٹ تک وہ اپنی سانسیں درست کرتا رہا پھر اس نے گردوپیش کا جائزہ لیتے ہوئے کہا ''میں مانتا ہوں کہ آپ تھک گئے ہیں مگر ابھی ہم نے کچھ زیادہ فاصلہ طے نہیں کیا ہے اور ممکن ہے کہ وہ لوگ.....

''کچھ بھی ہو۔'' میں نے سختی سے اس کی بات کاٹی ''میں اب اور نہیں چل سکتا۔''

پیڈی کچھ دیر چپ رہا ''اچھی بات ہے۔'' آخر کار اس نے کہا ''ہم دوپہر یہیں گزاریں گے اور سہ پہر کے وقت پھر سفر کریں گے مگر.....''

میں نے استفہامیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

❖ اس دلچسپ ترین داستان کے مزید واقعات حصہ ② میں ملاحظہ فرمائیں ❖

فلم نگری کی ان کہی سچی داستانیں

فلمی البم

ماہنامہ سرگزشت کا ہر دلعزیز اور مقبول عام سلسلہ

اداکاروں اور اداکاراؤں
کے معاشقے، اسکینڈل
جھوٹے سچے افسانے
لفظ لفظ تاریخ
سطر سطر انکشافات

معروف صحافی، ادیب اور روایت کار
علی سفیان آفاقی
کی تہلکہ خیز اور رازہائے درون خانہ کو آشکار کرتی یادداشتیں

فلم اور فلمی صنعت سے منسلک واقعات و حادثات
پردہ سیمیں کے عقب میں جاری سرگرمیوں کا آنکھوں دیکھا حال

قیمت فی حصہ
275 روپے
ڈاک خرچ فی حصہ
25 روپے

حصہ اول جلد شائع ہو رہا ہے

کتاب کی قیمت بذریعہ منی آرڈر یا کراس چیک ارسال فرمائیں

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس 23 کراچی 74200
فون: 5802551-5895313 فیکس: 5802551
kitabiat1970@yahoo.com
رابطے کے لئے: C-63 فیز III ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین روڈ کورنگی روڈ کراچی 75500

اردو میں سب سے زیادہ شائع ہونے والی سرگزشت

مکمل ناول

صبیحہ

راوی: صبیحہ بانو

مصنف: ایچ اقبال

قیمت: 200/- روپے

ڈاک خرچ: 29/- روپے

دولت مند، آزاد خیال
پُرکار، خوبصورت اور
خطرناک صبیحہ بانو،
جنہیں لوگ جانتے ہیں
مگر نہیں جانتے۔
جرائم پیشہ افراد انہیں
"چھلاوہ"
کہتے ہیں

صبیحہ بانو کی یادگار سرگزشت

صبیحہ بانو کی زندگی بہت عجیب اور خطرناک حالات سے گزرتی رہی۔ جہاں ایک طرف تو حسن و عشق کی کرم فرمائیاں ہیں تو دوسری طرف قتل و غارت گری کے قصے۔ ایک عورت ہوتے ہوئے بھی خلاف فطرت اسکو مردوں سے زیادہ عورتوں میں دلچسپی تھی۔

کتاب کی قیمت بذریعہ پیشگی ڈرافٹ، منی آرڈر یا کراسڈ چیک ارسال فرمائیں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

رابطے کے لئے: C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین روڈ کورنگی روڈ کراچی 75500

جاسوسی ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

صلیبی کیپٹن

مصنف: ایم۔ اے راحت

اس انسان کی کہانی جو صدیوں سے زندہ ہے
اور شاید آج بھی کہیں موجود ہو

انسان کی ترقی اور تنزلی کے حیات افروز واقعات. اس شخص کی زبانی جو ہر دور میں موجود رہا ہے. اس نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور جو کچھ اس پر بیتی، اس نے اس داستان کو انتہائی سنسنی خیز بنا دیا. وہ داستان جس میں حسن کی راعنائیاں بھی ہیں اور عشق کی کارفرنیاں بھی. خونی جنگیں بھی ہیں اور بادشاہت کے چرچے بھی. وہ شخص جس عہد میں بھی رہا اپنے پیچھے ہزاروں داستانیں چھوڑ گیا. جب وہ تھک جاتا تو سمندر اسکو اپنی آغوش میں لے لیتا تھا

سنسنی خیز رومانوی کہانیوں کے پرستاروں کیلئے

5 حصے مکمل
قیمت فی پیٹ
-/330 روپے

کتاب کی قیمت بذریعہ پیشگی ڈرافٹ، منی آرڈر یا کراسڈ چیک ارسال فرمائیں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200
فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551
E-mail:kitabiat1970@yahoo.com
رابطے کے لئے: C-63 ڈیفنس فیز II ایکس ٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ کراچی

ہر دور کی مقبول کہانی

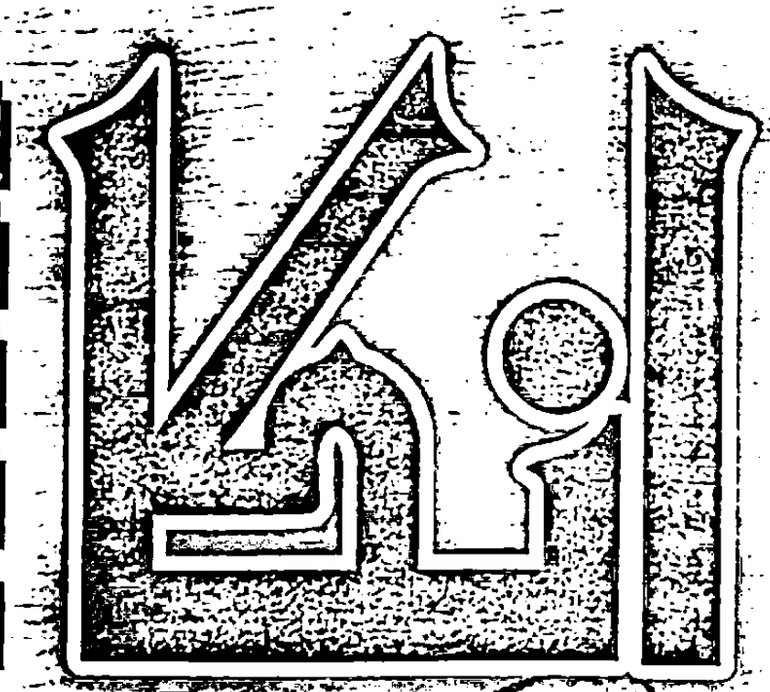

تحریر: انوار صدیقی

راوی: جمیل احمد خان

قیمت فی حصہ: 50 روپے

ڈاک خرچ فی حصہ: 23 روپے

2 حصے مکمل ناول

انکا، ایک دوانچ کی گڑیا جس کو پانے کیلئے کئی مہان پنڈت اور سادھو اپنی جان کی بازی ہار گئے۔ جس کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ جس کے پاس آجائے اسے دنیا کی تمام دولتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ وہ جس کا ٹھکانہ انسان کا سر ہے اور جس کی غذا انسانی خون ہے جب اپنی مرضی سے جمیل احمد خان کے سر پر آتی ہے تو اپنے ساتھ کیسے کیسے ہنگامے اور کیسے کیسے نت نئے آگ اور خون کے کھیل تماشے لاتی ہے۔ وہ اسکی مدد سے جو چاہتا ہے حاصل کر سکتا ہے۔ وہ اسکے قدموں میں حسن اور دولت کے ڈھیر لگا دیتی ہے اور جب وہ ان چیزوں کا عادی ہو جاتا ہے تو وہی راحتِ جاں دشمنِ جاں بن جاتی ہے۔

براہ کرم کتاب کی قیمت بذریعہ منی آرڈر یا کراسڈ چیک ارسال فرمائیں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

رابطے کے لئے: C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین روڈ کورنگی روڈ کراچی 75500

بدنام ترین مجرم چارلس سوبھراج کے جرائم کی سنسنی خیز اور مکمل تفصیل

چارلس سوبھراج کی سرگزشت

میں ملاحظہ فرمائیں





قیمت:-/40 روپے

ڈاک خرچ: 23 روپے

کتاب کی قیمت بذریعہ منی آرڈر یا کراسڈ چیک ارسال فرمائیں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

E-mail:kitabiat1970@yahoo.com

رابطے کے لئے: C-63 ڈیفنس فیز II ایکسٹینشن ذی ایچ اے مین کورنگی روڈ کراچی

7 واں اور 8 واں حصہ شائع ہو چکا ہے

راوی: وجدان علی

تحریر: اقبال کاظمی

قیمت فی حصہ:-/60 روپے

ڈاک خرچ فی حصہ:-/23 روپے

آتش فشاں

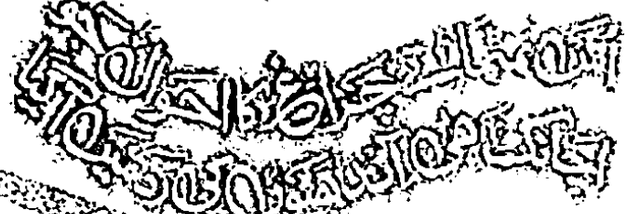

6 حصے کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں

ظلم و ستم کے شعلوں میں جلنے والے ایک معصوم ذہن کی لرزہ خیز سرگزشت

وہ اپنے ماں باپ کے بہیمانہ قتل کا شاہد تھا۔ اسکے سینے میں ایک قبرستان آباد تھا اور اس کا دماغ کسی آتش فشاں کی طرح ابل رہا تھا۔ اسکے شب و روز کی ہر کروٹ اسکے لئے نت نئے ہنگاموں کی پیامبر تھی۔ بے رحم سفاک قاتل اسے بھی صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہتے تھے۔ وہ اپنے دشمنوں کو خوب جانتا پہچانتا تھا لیکن ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ اسکو ایسی پناہ گاہ کی تلاش تھی جہاں وہ ان درندوں سے محفوظ رہ کر خود کو اتنا توانا و طاقت ور بنا سکے کہ وہ اسکا بال بھی بیکا نہ کر سکیں۔ بالآخر قدرت اسے ایک ایسی جگہ لے گئی جہاں اسکی زندگی ایک نئے سانچے میں ڈھلنے والی تھی۔

کتاب کی قیمت بذریعہ پیشگی ڈرافٹ، منی آرڈر یا کراسڈ چیک ارسال فرمائیں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون: 5802551-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

رابطے کے لئے: C-63 فیز III ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین روڈ کورنگی روڈ کراچی 75500

زندہ کرداروں پر مشتمل روایت شکن سلسلہ

شکاری

ایک کفن بردوش نوجوان کی داستان حیرت
معاشرے کے رستے ہوئے ناسوروں کا مرقع عبرت

مکمل سیٹ منگوانے کیلئے
مبلغ -/1200 روپے روانہ کریں

قیمت فی حصہ: 60 روپے
ڈاک خرچ: 23 روپے
20 حصے مکمل

مصنف: احمد اقبال

راوی: سکندر بخت

معاشرے کے ان ناسوروں کی روداد جو گوشت پوست سے گزر کر
انسانی ہڈیوں میں اتر رہے تھے۔ ایک کفن بردوش نوجوان کی کہانی
جس کے روز و شب موت کی بستی میں گزر رہے تھے۔ جلتے دن سلگتی
راتیں، آس و یاس، خوف و ہراس، شیریں خواب تلخ حقیقتیں۔

کتاب کی قیمت بذریعہ پیشگی ڈرافٹ، منی آرڈر یا کراس چیک ارسال فرمائیں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200
فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551
kitabiat1970@yahoo.com
رابطے کے لئے: C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین روڈ کورنگی روڈ کراچی 75500

belong to SANOBER IQBAL



SALMAN's CHOICE

بڑے شہروں میں

کتابیات پبلی کیشنز اور مکتبہ نفسیات

کی کتب کے ہول سیل ڈسٹری بیوٹر

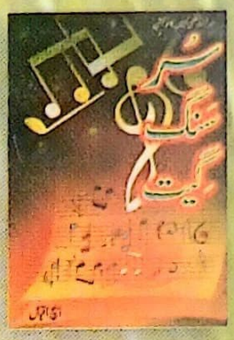





الکوثر ایجنسی

فریئر مارکیٹ۔ کراچی فون: 7723601



شفیق نیوز ایجنسی

اخبار مارکیٹ۔ 1 اسپتال روڈ۔ لاہور

فون: 7236688 موبائل: 0300-9477121

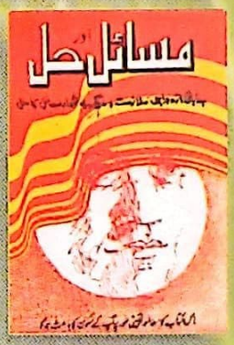

اشرف بک ایجنسی

کمیٹی چوک۔ راولپنڈی فون: 5531610



شمع بک اسٹال

بھوانہ بازار۔ فیصل آباد فون: 613449



مہران نیوز ایجنسی

اسٹیشن روڈ۔ حیدر آباد فون: 780128

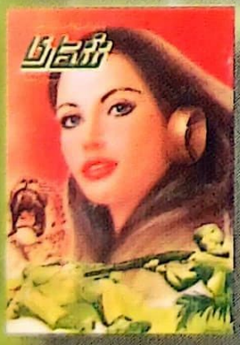

زرباغ خان نیوز ایجنسی

حفیظ مارکیٹ 33۔ چوک یادگار۔ پشاور

فون: 213525





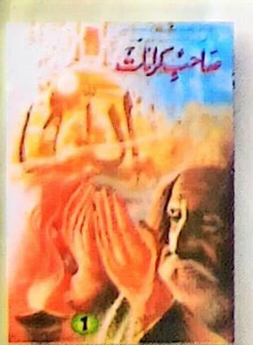

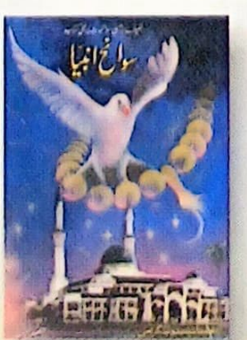

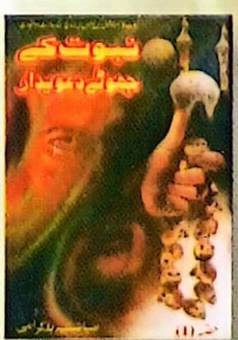

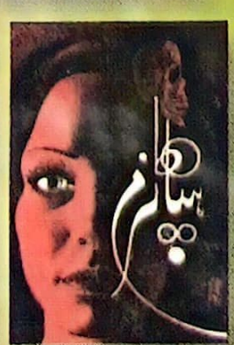

70ء کی دہائی میں شائع ہونے والا
سسپنس ڈائجسٹ کا یادگار اور مقبول مانہ سلسلہ

SALMAN's CHOICE

فرعون

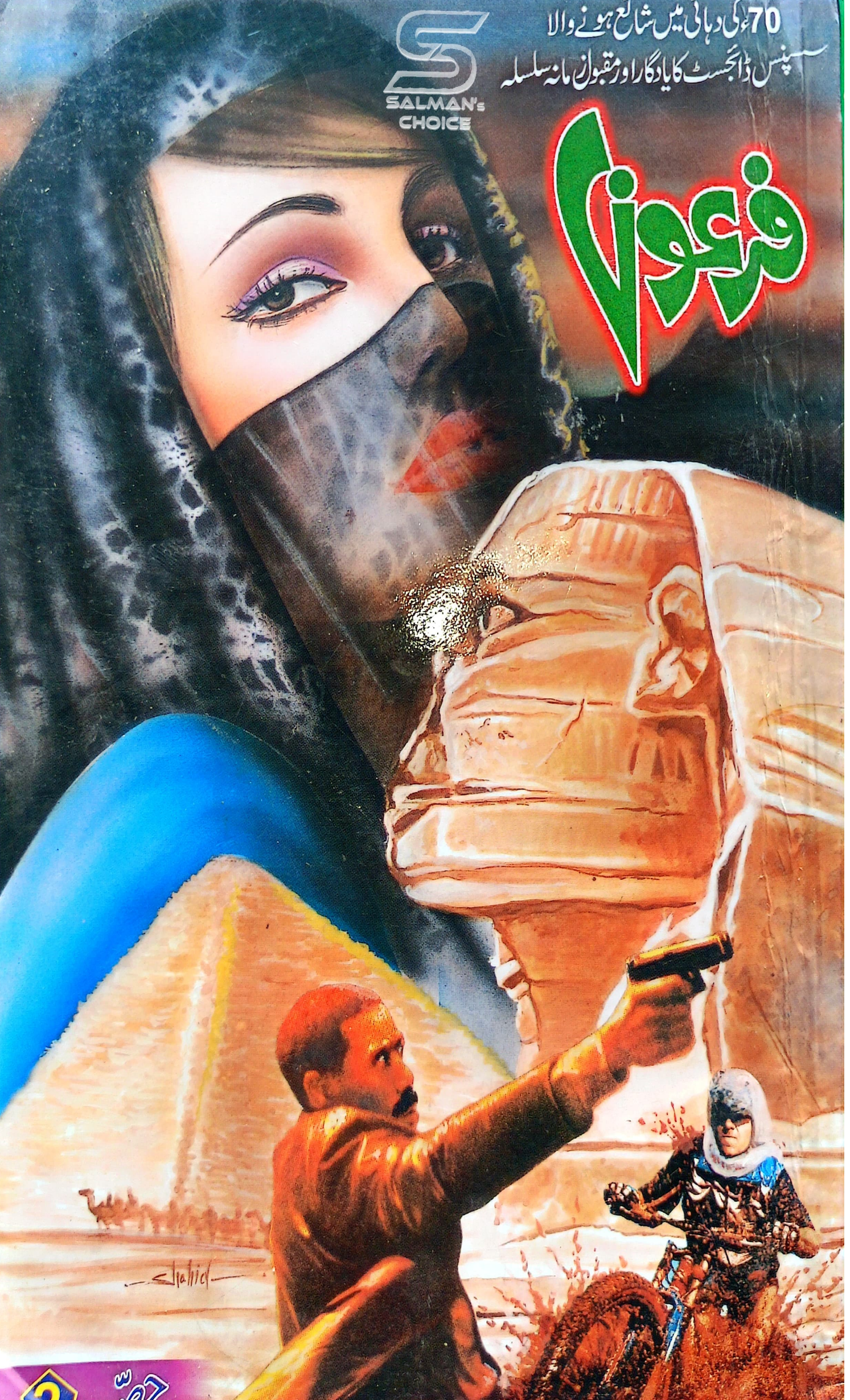

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں



بار اوّل _____

قیمت _____

ناشر _____

مطبوعہ _____ ابن حسن آفسٹ پریس

ہاکی اسٹیڈیم۔کراچی

اردو کمپوزنگ

اردو کمپوزرز C-63 فیز II ایکس ٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ
(اختر کالونی بس اسٹاپ کے سامنے) کراچی 75500

ناشر

کتابیات پبلی کیشنز

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

پوسٹ بکس 23 رمضان چیمبرز بلمور یا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی 74200

رابطے کے لئے: C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین روڈ کورنگی روڈ کراچی 75500

belong to SANOBER IQBAL



''یہاں بیٹھنا مناسب نہیں۔ ہمیں کافی دور سے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ بہتر ہوگا ہم کوئی زیادہ بہتر اور محفوظ جگہ تلاش کریں۔''

''تم تلاش کرو۔ میں تو اب اٹھ بھی نہیں سکتا۔'' میں نے بیزاری سے جواب دیا۔

پیڈی فوراً ہی اٹھ کر چلا گیا۔ میں آنکھیں بند کیے گرد آلود زمین پر پاؤں پسارے اس کا انتظار کرتا رہا۔ ابھی کچھ زیادہ وقت نہیں ہوا تھا اس کے باوجود گرمی میں اضافہ ہو چکا تھا۔ دھوپ میں غضب کی حدت تھی۔ میں نے سوچا، جب دوپہر ہوگی تو کیا حال ہوگا لندن میں موسم خزاں کی ابتدا تھی۔ سردی شروع نہیں ہوئی تھی پھر بھی خاصی خنکی ہوتی تھی مگر مصر کا معاملہ بالکل ہی برعکس تھا۔ رات میں بے شک خنکی ہو جاتی تھی مگر دن بہت گرم ہوتے تھے۔ پتا نہیں مئی جون میں ان صحراؤں کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ میں انہی سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ پیڈی واپس آ گیا۔ اسے ایک ایسی جگہ مل گئی تھی جہاں ہم کچھ دیر سکون سے گزار سکتے تھے۔ دراصل ایک چوڑی دراڑ تھی۔ اس کا ایک حصہ کافی گہرا تھا اور اوپر کا ایک کونا اس طرح آگے کی جانب جھکا ہوا تھا کہ چھوٹا سا سائبان بن گیا تھا۔ ہم دونوں اس سائبان کے نیچے چلے گئے۔ تپتی ہوئی دھوپ سے اچانک سائے میں پہنچا تو دل و دماغ کو ایک انوکھی تازگی اور راحت کو احساس ہوا۔ سایہ اور ٹھنڈک کیسی انمول راحت ہے، اس کا ادراک پہلے کبھی نہیں ہوا تھا یا کم از کم اس حد تک نہیں ہوا تھا۔ میں ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا۔ پیڈی دائیں طرف بیٹھا تھا۔ اس نے چھاگل کی

طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔
''ماسٹر تھیلے میں کیا ہے؟''
''خود ہی دیکھ لو۔'' میں نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا ''اور ہاں پانی زیادہ مت پینا، صرف دو ہی چھاگلیں ہیں۔''
پیڈی نے تھیلے کی جانب ہاتھ بڑھایا۔ میں نے دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اچھی طرح علم تھا کہ تھیلے میں پیڈی کو کیا ملے گا۔ فرار ہوتے وقت میں نے کچھ چیزیں تھیلے میں ڈال لی تھیں۔ اس کوٹھری میں اگرچہ پھلوں کے علاوہ کچھ سینڈوچ بھی موجود تھے مگر عجلت اور گھبراہٹ کے باعث میں کھانے کا کچھ زیادہ سامان نہیں لے سکا تھا۔ چند سیب، تھوڑی کھجوریں، تین چار سینڈوچ، ایک چاقو، ایک نائیلون کی پتلی ڈوری اور دو ایک دوسری چیزیں۔ سینڈوچ میرے لیے بے کار تھے کیونکہ وہ ابلے ہوئے گوشت کے تھے اور چونکہ مجھے اچھی طرح علم نہیں تھا وہ گوشت کہاں سے خریدا گیا تھا اس لیے میں نہیں کھا سکتا تھا۔ پیڈی نے سینڈوچ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو میں نے کہا۔
''تم کھالو، میں نہیں کھاؤں گا۔''
''ماسٹر! یہ تو بہت کم کھانا ہے۔'' پیڈی نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔
''تو پھر؟'' میں نے ایک سیب اٹھایا۔
''مطلب یہ کہ اس کھانے کے سہارے آج کا دن تو گزر جائے گا لیکن کل ہم لوگ کیا کریں گے؟''
''شاید اس وقت تک کسی آبادی میں پہنچ جائیں۔'' میں نے ایک موہوم سی آس کا سہارا لینے کی کوشش کی۔
''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' پیڈی نے کہا ''لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں کسی غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہیے۔''
''کیوں؟''
''کیونکہ ہم پیچھے نہیں جا سکتے۔ ہمیں بہر حال آگے بڑھنا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ شمال مشرق کی طرف سفر کرنا ہے اور جو کچھ مجھے حسن عبید اور انوار بے سے معلوم ہوا ہے اس کے مطابق شمال مشرق کی طرف میلوں تک ننگے صحرا کے سوا کچھ نہیں۔ چنانچہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہمیں کسی آبادی تک پہنچنے میں کئی دن بلکہ کئی ہفتے لگ جائیں۔''
''تم مجھے ڈرانے کی کوشش کر رہے ہو۔'' میں نے دفعتاً غصے سے کہا۔
''نہیں، نہیں۔ یہ بات نہیں۔'' پیڈی جلدی سے بولا ''بلکہ میں تو ایک ایسے امکان کا اظہار کر رہا ہوں جس کا سامنا کرنا بعید از قیاس نہیں اور فرض کیجئے اگر ایسا ہوا تو ہم کیا کریں گے۔ اس لق و دق جہنم کو طے کرنے کے لیے نہ تو یہ کھانا کافی ہے، نہ پانی کی دو چھاگلیں۔ یہ ساری چیزیں تو زیادہ سے زیادہ شام تک ختم ہو جائیں گی۔''
پیڈی نے جو کچھ کہا تھا اس کا ایک ایک لفظ درست تھا۔ یہ ریگستان، ریگستان کم تھا، آگ کا سمندر زیادہ تھا۔ نیز یہ بھی سچ تھا کہ ہم واپس نہیں جا سکتے تھے۔ ہمیں ہر صورت میں آگے ہی بڑھنا تھا اور آگ کے اس عظیم اور بے پناہ سمندر کو عبور کرنے کے لیے چند پھل اور دو چھاگلیں کافی نہیں تھیں مگر میں کر ہی کیا سکتا تھا۔ اگر کوئی اندازہ پہلے سے ہوتا کہ مجھے اس قسم کی صورت حال سے دوچار ہونا پڑے گا تو نہ صرف کھانے کی اشیا سے تھیلا ہی بھر لیتا بلکہ پانی کی جتنی بھی چھاگلیں کوٹھری میں موجود تھیں، سب ہی اٹھا لاتا۔ چند لمحے میں چپ رہا تو پیڈی نے

خود ہی کہا۔

''ماسٹر! ایک بات کہوں؟''

''کہو!''

پیڈی سوچتے ہوئے بولا ''ماسٹر! ابھی ہم لوگ کچھ زیادہ دور نہیں آئے ہیں، چنانچہ اگر میں واپس جاؤں تو.....''

میں یکا یک چونک کر سیدھا ہو گیا ''تم.....تم واپس آ جاؤ گے؟''

''ہاں۔'' پیڈی نے دوسرے سینڈوچ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا ''وادی یہاں سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے اور انہیں اس بات کا گمان بھی نہیں ہوگا کہ میں تمہارا ساتھ دے رہا ہوں۔ چنانچہ میں اگر واپس جاؤں تو کھانے کا مزید سامان اور چند ایک چھاگلیں لے کر واپس آ سکتا ہوں۔ مجھے چند گھنٹے سے زیادہ نہیں لگیں گے۔ اتنی دیر میں تم کافی آرام بھی کر سکتے ہو۔ اگر ہمارے پاس کھانے کا مزید سامان اور پانی ہوگا تو ہم بغیر کسی دشواری کے آگے سفر کر سکیں گے۔''

میں نے پیڈی کو گہری نظروں سے گھورا۔ شک و شبہ میرے دل میں کروٹیں لینے لگا تھا۔ آخر وہ کیوں واپس جانا چاہتا ہے اس کی نیت کیا ہے، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اس کا ارادہ بدل گیا ہو اور اب وہ میرا ساتھ نہ دینا چاہتا ہو۔ یقیناً یہی بات ہوگی۔ میں نے دل ہی دل میں خود سے کہا۔ اب پیڈی واپس جا کر انہیں میرے متعلق اطلاع دینا چاہتا ہے۔ ایک لمحے کے لیے میرے دل میں خواہش ابھری کہ گلا دبا کر پیڈی کو مار ڈالوں، یہی بہتر ہے جب تک وہ میرے ساتھ رہے گا۔ میں شک و شبے اور تذبذب کی دلدل میں پھنسا رہوں گا مگر پھر میں نے اس خیال کو جھٹک دیا اور پیڈی سے کہا۔

''اگر تم ضرورت سے زیادہ کھانا اور پانی لے کر آؤ گے تو کیا انہیں شبہ نہیں ہوگا؟''

''اول تو مجھے امید نہیں کہ وہاں کوئی ملے گا۔ کیونکہ سب ہی تمہیں تلاش کر رہے ہوں گے اور اگر کوئی مل بھی گیا تو میں کوئی معقول بہانہ بنا سکتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کسی کو بھی شبہ نہیں ہوگا۔'' پیڈی نے بات جاری رکھی ''علاوہ ازیں ایک بات اور بھی ہے اگر میں واپس جاؤں تو تازہ صورت حال کا علم بھی ہو سکتا ہے۔ وہ لوگ تمہیں کہاں تلاش کر رہے ہیں اور ان کے آئندہ کے منصوبے کیا ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ سعدیہ کی سمت میں انہوں نے کوئی ناکہ بندی کی ہے یا نہیں۔ کیونکہ وہاں ہم نے اونٹ اور جیپ چھوڑی ہے۔ اگر ہمیں ایک جیپ مل جائے تو فرار ہونا نہایت آسان ہو جائے گا۔''

پیڈی ٹھیک کہتا تھا۔ اگر ایک جیپ مل جائے تو اس ریگزار سے، جس کا بظاہر کسی بھی سمت میں کوئی اختتام نظر نہیں آتا تھا، نکلنا ہمارے لیے بہت آسان ہو جائے گا۔ اب اگر انہوں نے اس پڑاؤ کو نظر انداز کر دیا ہے، جہاں اونٹ چھوڑے تھے تو ہم وہاں جا سکتے تھے مگر میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ پیڈی کے مخلص ہونے کی کوئی ضمانت موجود نہیں تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے دھوکا دینے کا ارادہ رکھتا ہو، چنانچہ میں نے یکا یک سخت لہجے میں کہا۔

''نہیں۔''

پیڈی معاً خاموش ہو گیا اور گہری نظروں سے مجھے گھورنے لگا۔ غالباً اس نے میرے احساسات کا اندازہ کر لیا تھا۔ چند لمحوں کے سکوت کے بعد اس نے کہا۔

''تم کو میرا اعتبار نہیں ہے..... ہے نا؟''

''کیا مجھے تمہارا اعتبار کرنا چاہیے؟'' میں نے پلٹ کر سوال کیا۔۔

پیڈی نے سر ہلا کر کہا ''ماسٹر! میں سمجھتا ہوں کہ تمہارا پس و پیش جائز ہے۔ ان حالات میں کوئی بھی میرا اعتبار نہیں کرے گا مگر میں یقین دلاتا ہوں کہ.....''

''نہیں۔'' میں نے پھر سختی سے کہا ''واپس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بے شک پانی کی کمی کی بنا پر ہمیں دشوار اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا مگر ریگستان کے پہاڑی حصوں میں اکثر چشمے بھی ہوتے ہیں۔ ہمیں بھی کہیں نہ کہیں کوئی چشمہ مل جائے گا۔

''اور اگر نہ ملا تو.....؟''

''دیکھا جائے گا۔''

پیڈی چپ ہو گیا۔ میں بھی خاموش رہا پھر ہمارے درمیان اور کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ اگرچہ میں پیڈی سے کچھ اور باتیں پوچھنا چاہتا تھا مگر کچھ تو تھکن اور کچھ بیزاری کی بنا پر ارادہ ترک کر دیا۔ ہم کھانے سے فارغ ہوئے تو ایک ایک گھونٹ پانی پیا کہ اس سے زیادہ کی گنجائش نہ تھی۔ چھاگلیں اگرچہ خاصی بڑی تھیں مگر ان میں پانی کی مقدار بہر نوع اتنی نہ تھی کہ دیر تک ہمارا ساتھ دے سکتیں۔ چند منٹ بعد میں نے ہپ پاکٹ سے وہسکی کی بوتل نکالی۔ میں کبھی بھی شراب پینے کا عادی نہیں رہا تھا۔ کبھی کبھار محض شوقیہ طور پر بیئر پی لیا کرتا تھا مگر کچھ عرصے سے شراب سے اتنا واسطہ رہا تھا کہ میں کافی عادی ہو گیا تھا۔ خاص طور پر ذہنی اور جسمانی خشکی کی حالت میں تو فوراً شراب کا خیال آتا تھا۔ اس وقت بھی میری حالت بہت خراب ہو رہی تھی۔ ہڈیوں کا ایک ایک جوڑ دکھ رہا تھا۔ سر کے اندر دھماکے سے ہو رہے تھے اور اعصاب اتنے پراگندہ تھے، گویا ساری قوت قطعی طور پر زائل ہو چکی ہو۔ میں نے بوتل دیکھی۔ اس میں چند گھونٹ سے زیادہ وہسکی نہیں تھی۔ میں نے بوتل چپ چاپ پیڈی کی طرف بڑھا دی۔

''تم پی لو ماسٹر، مجھے خواہش نہیں ہے۔''

میں نے بوتل ہونٹوں کی طرف بڑھائی تو معاً مجھے اپنا چہرہ نظر آیا۔ وہسکی کی بوتل پر نہیں، تصور کی سطح پر۔ بھاگ دوڑ اور افراتفری کی بنا پر دھیان ہی نہ رہا تھا۔ اب سکون کا سانس میسر ہوا تو خیال آیا کہ میرے چہرے پر ابھی تک عمن وعونس دوئم کا میک اپ موجود ہے۔ گال اور پپوٹے رنگے ہوئے ہیں۔ ہونٹوں پر سرخی ہے۔ کپڑے تو خیر رات میں بدل لیے تھے لیکن چہرے کا رنگ وروغن صاف کرنے کا کوئی موقع نہیں ملا تھا۔ گویا میرا چہرہ اب بھی ''رنگین'' ہو گا۔ یہ خیال بڑا مضحکہ خیز تھا۔ مجھے یکا یک ہنسی آئی۔ وہسکی کا ایک گھونٹ لے کر میں نے پیڈی سے کہا۔

''میرا چہرہ کیسا لگتا ہے؟''

پیڈی آنکھیں بند کیے نیم دراز تھا۔ آواز سن کر اس نے پلکیں کھولیں، گھوم کر مجھے دیکھا پھر مسکرایا ''ایک

بات میں یقین سے کہہ سکتا ہوں اور وہ یہ کہ عورتیں بھی اتنی نفاست سے لپ اسٹک نہیں لگاتی ہیں۔ اس وقت تو بار برا کے بقول تم واقعی ''ماشوک'' لگتے ہو۔''

''شپ اپ۔'' میں نے بھنا کر کہا۔

لیکن پیڈی ہنستا ہی رہا۔ اب تک اس نے بھی دھیان نہیں دیا تھا۔ اب جو میں نے توجہ دلائی تو اسے لطف اندوز ہونے کا پورا موقع ملا۔ چند لمحے کے بعد بولا ''عرصہ ہوا میں نے بلیک پول میں ایک سرکس دیکھا تھا۔ اس کے جوکر کا میک اپ بھی اتنا عمدہ نہیں تھا، جتنا تمہارا ہے۔''

میں نے سر ہلایا ''میرا بھی یہی خیال ہے مگر وہ لوگ تو مجھے عمن وعونس دوئم سمجھتے ہیں۔''

پیڈی نے پیکٹ اٹھا کر سگریٹ نکالتے ہوئے کہا ''اور میں یہ کہوں گا ماسٹر کہ آپ نے ذرا جلد بازی سے کام لیا۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے عمن عونس دوئم ہی بن جاتے تو کیا ہرج تھا۔ کم از کم ٹیا جیسی خوبصورت لڑکی.....''

''بکواس مت کرو۔'' میں نے چڑ کر کہا۔

میں نے بھی ایک سگریٹ جلائی۔ چہرے کے ''لیپے پتے'' ہونے کا احساس ایک بار پھر کراہیت پیدا کرنے لگا تھا لیکن سر دست اس کراہیت کو برداشت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ جب تک فاضل پانی میسر نہ آئے۔ تب تک میں چہرے کے رنگوں کو نہیں دھو سکتا تھا۔ اب اگر جوکر لگتا ہوں، آخر اس میں نقصان ہی کیا ہے۔ جو پانی میرے پاس ہے، اسے زیادہ بہتر مقصد یعنی جان بچانے کے لیے استعمال ہونا چاہیے۔ منہ دھونے کے لیے نہیں پھر میں ذرا اطمینان سے نیم دراز ہو گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

☆☆☆

میرا سونے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ صرف اپنے تھکے ہوئے اور ماندہ ذہن و اعصاب کو کچھ آرام پہنچانا مقصود تھا۔ اسی نیت سے میں ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ کر، آنکھ بند کیے لیٹا تھا۔ سوچا تھا کچھ دیر لیٹا رہوں گا تو تھکن اور اضمحلال میں کسی حد تک کمی ہو جائے گی مگر نیند ہر جگہ اور ہر حال میں آ جاتی ہے۔ تپتا ہوا ریگستان ہو یا زندان کی تیرہ تار کوٹھری، نیند ہر جگہ آ جاتی ہے اور جب نیند آتی ہے تو آدمی ہر خوف اور اندیشے، غم اور پریشانی کو بھول جاتا ہے اور بے خبر سو جاتا ہے۔ میں بھی سو گیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی سو گیا۔ اس بات کا احساس بھی نہیں ہوا کہ کب اور کیسے نیند آئی۔ میں ذہن کو بیدار رکھنے کی کوشش کرتے کرتے غافل ہو گیا پھر جب آنکھ کھلی تو دھوپ دراڑ کے اندر سرک آئی تھی اور میرے پیروں کو چھو رہی تھی۔ میں نے نیند کے نشے میں بوجھل آنکھیں نیم وا کر کے ادھر ادھر دیکھا۔ تھیلا اور چھاگلیں موجود تھیں، مگر پیڈی نہیں تھا۔ پیڈی کہاں گیا۔ میں یکا یک اچھل کر بیٹھ گیا اور ہراساں نظروں سے گرد و پیش کا جائزہ لینے لگا۔ ایک ساتھ ان گنت اندیشے اور خوف میرے ذہن میں سوئیوں کی طرح چبھنے لگے تھے۔ یہ کمبخت مردود پیڈی کہاں چلا گیا۔ کہیں فرار نہ ہو گیا ہو۔ حد ہو گئی حماقت کی، میں آخر سویا کیوں؟ بھلا یہ بھی کوئی سونے کا مرقد تھا، لاحول ولا قوۃ۔ میں گھبرایا ہوا دراڑ سے باہر آیا اور دو تین منٹ تک سراسیمہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ چلچلاتی ہوئی دھوپ ہر سو گویا آگ لگا رہی تھی مگر پیڈی کا کہیں پتا نہ تھا۔

''سالے، ذلیل، کتے تم کہاں ہو؟'' پھر میں نے دبے ہوئے لہجے میں آواز دی۔

''پیڈی! پیڈی۔''

چند ثانیے بعد پیڈی بائیں طرف ایک ٹیلے کے عقب سے نمودار ہوا۔ ''کیا بات ہے ماسٹر؟''

''تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟'' میں نے جھنجلا کر کہا۔

میرے چہرے پر اڑتی ہوئی ہوائیاں دیکھ کر وہ دھیرے سے ہنسا۔ ''ماسٹر! تم سمجھ رہے تھے کہ میں فرار ہو گیا۔''

میں اس بات کا کیا جواب دیتا چنانچہ کچھ دیر چپ رہا پھر میں نے کہا ''تم وہاں کیا کر رہے تھے؟''

''یہاں آؤ تو میں تمہیں بھی دکھاؤں۔''

میں آگے بڑھا۔ ہم دونوں ٹیلے کے پیچھے گئے اور تب میری سمجھ میں خود بخود آ گیا کہ پیڈی وہاں کیا کر رہا تھا۔ جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا کہ وہ پہاڑی سلسلہ نصف دائرے کی شکل میں تھا اور ہم جس جگہ پر تھے، وہاں پر اس سلسلے کا تقریباً اختتام تھا یعنی کوئی تیس چالیس گز آگے جا کر پہاڑی بتدریج ڈھلان کی شکل اختیار کرتی ہوئی ہموار زمین سے مل گئی تھی۔ جس جگہ ہم دونوں کھڑے تھے وہاں سے وادی کے آثار صاف نظر آ رہے تھے مگر فاصلہ کچھ زیادہ نہ تھا۔ گویا ہم نے دو ڈھائی گھنٹے میں کچھ زیادہ سفر نہیں کیا تھا۔ وادی اور پہاڑی کے درمیان جو ریت کا میدان تھا اس میں چار اونٹوں کا مختصر سا قافلہ نظر آ رہا تھا اور وہ قافلہ ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔

پیڈی نے یکا یک کہا ''کیا اب بھی میرا بھروسا نہیں ہے؟''

میں نے ہونٹوں پر زبان پھیری ''کیا یہ وہی لوگ ہیں؟''

''بلاشبہ، میں لارڈرے کا بھاری بھرکم جسم یہاں سے بھی پہچان سکتا ہوں۔'' پیڈی نے ایک اور ٹیلے کی آڑ لیتے ہوئے کہا ''ایسا لگتا ہے کہ اب تک وہ لوگ تمہیں وادی کے آس پاس تلاش کر رہے تھے مگر اب انہوں نے تلاش کا دائرہ بھی وسیع کر دیا ہے۔ کوئی تعجب نہ ہوگا کہ کچھ لوگ جیپوں پر بھی نکل گئے ہوں۔'' پھر اس نے ایک لمحہ توقف کیا ''ماسٹر اب کیا کریں؟''

میں نے بے بسی سے شانوں کو جنبش دی اور پیڈی کی طرف دیکھا۔

تقریباً پانچ منٹ بعد ہم دونوں بہ عجلت پہاڑی سے نیچے اتر رہے تھے۔ اونٹوں کا وہ قافلہ پہاڑی کے دائیں جانب تھا چنانچہ ہم نے بائیں طرف بھاگنے کا ارادہ کیا۔ اس طرف زمین ہموار نہیں تھی۔ کہیں چھوٹے بڑے ٹیلے تھے کہیں ہموار قطعات تھے۔ کہیں چڑھائی اور کہیں ڈھلان، ریگستان کے اس حصے میں صحرائی جھاڑیاں بھی بہ کثرت تھیں۔ ہم دونوں پہاڑی سے نیچے اترے اور اندھا دھند بھاگنے لگے۔ میرا ذہن بالکل خالی ہو رہا تھا۔ اس ریگزار کی طرح جو اس وقت ہمارے اردگرد میلوں تک پھیلا ہوا تھا اس ریگزار میں کچھ نہیں تھا۔ میرے ذہن میں بھی کچھ نہیں تھا۔ صرف دھوپ تھی اور یہ دھوپ اضطراب اور اندیشوں کی آگ بھڑکا رہی تھی۔ مجھے یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ اگلے نصف گھنٹے میں ہم نے کتنا فاصلہ طے کیا مگر یہ اطمینان ضرور تھا کہ لارڈرے وغیرہ بہرحال ہمیں نہیں پا سکتے کیونکہ وہ پہاڑی سلسلے کے دوسری جانب تھے اور انہیں چکر کاٹ کر ہماری طرف آنے کے لیے کافی وقت درکار تھا۔ تب تک ہم بہت دور جا سکتے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں میری سانس پھولنے لگی۔ دھوپ کی تپش اتنی زیادہ تھی کہ میرا جسم دہکنے لگا۔ جوتوں کے اندر دونوں پیر انگاروں کی مانند جل رہے تھے۔ پیڈی کا بھی تقریباً ایسا ہی حال تھا۔ ہم نے ایک مختصر سا ریتیلا قطعۂ زمین عبور کیا اور چھوٹے بڑے ٹیلوں کے

درمیان پہنچ گئے۔ نصف گھنٹے میں ہم نے ہر چند کہ کچھ زیادہ فاصلہ طے نہیں کیا تھا مگر نسبتاً محفوظ جگہ پر پہنچ گئے تھے پھر میں ایک ٹیلے کی آڑ میں رک گیا اور تجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پیڈی نے سفید اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا ''ماسٹر ایک گھونٹ پانی دو۔''

میں نے چھاگل اس کی جانب بڑھائی ''اب کیا کریں؟''

پیڈی نے ایک کے بجائے دو گھونٹ پانی پیا پھر بولا ''ماسٹر رکنے کا تو خیر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمیں بہر حال چلنا پڑے گا مگر میری ایک تجویز ہے۔''

''کیا؟''

''ہم ساتھ میں چلنے کے بجائے الگ الگ چلیں تو زیادہ بہتر رہے گا۔'' اس نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا ''اس طرح ہم ایک دوسرے کے لیے زیادہ مفید ثابت ہو سکیں گے۔ فرض کرو مجھے کوئی راستے میں مل جائے تو اسے مجھ پر شبہ نہیں ہوگا اور میں تمہیں بروقت ہوشیار کر سکوں گا اور اگر تمہیں کوئی مل جائے تو میں تمہاری مدد کے لیے قریب ہی موجود ہوں گا۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں شمال مشرق کی طرف دو گھنٹے اور سفر کرنا چاہیے۔ اس کے بعد ہم کوئی مناسب پناہ گاہ ڈھونڈ کر کچھ دیر آرام کریں گے۔''

بظاہر پیڈی کی تجویز ہر طرح سے مناسب اور مفید لگتی تھی مگر میں نے پس و پیش سے کام لیا۔ تب اس نے چڑ کر کہا۔

''ماسٹر تمہارا رویہ قطعی طور پر دوستانہ نہیں ہے۔ تمہیں میرا اعتبار کرنا چاہیے۔ اگر میرے دل میں کھوٹ ہوتی تو میں یقیناً اس وقت فرار ہو گیا ہوتا جب تم بے خبر سو رہے تھے۔''

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اس پر بھروسا کرنے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے کہا ''اچھی بات ہے، چلو۔''

ہم نے پھر آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ اس جگہ زمین کے بلند و پست ہونے کے باعث یہ خطرہ نہیں تھا کہ ہمیں دور سے بھی دیکھ لیا جائے گا تاوقتیکہ کوئی زیادہ بلند مقام پر ہو اور دوربین کا استعمال کرے۔ ہم ایک دوسرے سے تقریباً تیس قدم کے فاصلے پر چلے گئے تھے اور اندازے سے شمال مشرق کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اندازے سے اس لیے کیونکہ ہمیں سمتوں کا یقینی طور پر کوئی علم نہیں تھا۔ ہم صرف سورج سے رہنمائی حاصل کر سکتے تھے اور اس وقت جب میں مناسب رفتار سے چل رہا تھا تو مایوسی اور بے کسی نے ایک بار پھر میرے دل میں بھنور بنانے شروع کر دیے۔ میں نے ساری رات بھاگنے میں گزاری تھی۔ دن میں بھی کئی گھنٹے سفر کیا تھا۔ اس کے باوجود میں ان لوگوں کی دسترس سے باہر نہیں نکل سکا تھا اور اب وہ لوگ میری جستجو میں اونٹوں پر نکل پڑے تھے۔ پیڈی کا یہ خدشہ بھی درست تھا کہ ممکن ہے وہ لوگ جیپوں کو بھی استعمال کر رہے ہوں اور اگر یہ اندیشہ درست ہے تو پھر ہمارے بچنے کا امکان نہ ہونے کے برابر رہ جاتا ہے۔ کسی بھی وقت کوئی ہمیں دیکھ لے گا یا اچانک کوئی سامنے آ جائے گا کیونکہ وہ لوگ چاروں طرف پھیل گئے ہیں اور ہر جگہ مجھے تلاش کر رہے ہیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان کے پاس کھانے اور پانی کی ایک چھاگل رہ گئی ہے مگر وہ شام ہونے تک ضرور ختم ہو جائے گی، اس کے بعد میں کیا کروں گا؟

اس کے بعد موت مجھے چاروں طرف سے گھیر لے گی اور.....

مگر یہ خیال بڑا دہشت ناک تھا۔ موت کا خیال ہمیشہ دہشت ناک ہوتا ہے۔ میں نے اس خیال کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی۔ آدمی خود کو فریب دینے کے لیے ان گنت بہانے اور تاویلیں تراشتا ہے۔ میں نے بھی سوچنا شروع کر دیا کہ موت آ جائے گی تو آ جائے۔ آخر کو زندگی کا اختتام موت ہی کی شکل میں ہوتا ہے۔ سبھی تو اتنے نصیب والے نہیں ہوتے کہ اپنے گھر اپنے بستر پر، اور اپنے پیاروں کے درمیان سکون کی موت مریں۔ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو پانی میں ڈوبتے ہیں۔ کچھ خلا میں مرتے ہیں، کچھ کو درندے چیر پھاڑ ڈالتے ہیں اور کئی ایسے ہوتے ہیں جنہیں تختۂ دار پر موت آتی ہے۔ یہ صحرا بھی ایک ایسی مقتل گاہ ہے جہاں گزشتہ ہزاروں لاکھوں برسوں سے ان گنت لوگ بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر مرے ہوں گے۔ طوفان میں گھر کر ریت میں دفن ہو گئے ہوں گے۔ میں بھی اگر موت آ ہی گئی تو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاؤں گا پھر میرا گوشت گل گل کر بہہ جائے گا پھر میری ہڈیاں ریت میں دفن ہو جائیں گی اور.....اور.....لاحول ولاقوۃ۔ میں آخر کیا سوچ رہا ہوں۔ میں نے جھلا کر خود سے کہا مگر اس میں میرے ذہن کا زیادہ قصور نہیں تھا۔ صورت حال ہی ایسی تھی کہ میرا ذہن، مایوسی اور بے کس ذہن اوم گھوم کر موت کی طرف چلا جاتا تھا۔ میری حالت اس شخص کی سی ہو رہی تھی جسے لب بام تک پہنچنے کے لیے رسی تو مل گئی ہو مگر ساتھ ہی اس کی انگلیاں بھی کٹ چکی ہوں۔

دفعتاً میرے کانوں میں قدموں کی آواز آئی۔

☆☆☆

میں نے گھوم کر دائیں جانب دیکھا۔ پیڈی لپکتا ہوا میری طرف چلا آ رہا تھا۔ میں ٹھہر کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ پیڈی کے چہرے پر بے چینی اور خوف کے آثار تھے۔ میں نے جلدی سے پوچھا۔

''کیا بات ہے پیڈی؟''

''ماسٹر میرے ساتھ آؤ، میں تمہیں دکھاتا ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ پھر پلٹ گیا۔ میں نے تقلید کی۔ پیڈی کے اضطراب سے صاف ظاہر تھا کہ اس نے کوئی بہت ہی خاص بات دیکھی ہے۔ ہم نے کوئی پچاس گز کا فاصلہ طے کیا اور تب انکشاف ہوا کہ اس نے جو کچھ دیکھا تھا واقعی وہ بہت اہم تھا۔ دراصل وہ ایک جیپ تھی جو اس جگہ سے تقریباً سو یا ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ کھلے میدان میں اور چاروں طرف دور تک ریت کا وسیع و عریض سمندر پھیلا ہوا تھا۔ دو افراد جیپ کے اندر تھے اور دو باہر کھڑے تھے۔ میں نے فوراً پہچان لیا۔ وہ کارسن اور انوار بے تھے۔ اگر ہم دونوں آڑ میں نہ ہوتے تو انہوں نے یقیناً ہمیں دیکھ لیا ہوتا۔ ہم جس جگہ پر تھے وہاں پر ٹیلوں کے بلند و پست کا سلسلہ یکا یک ختم ہو گیا تھا۔ آگے ریت کا کھلا میدان تھا اور شاید اسی بنا پر وہ لوگ جیپ کو آگے نہیں لے گئے تھے۔ میں چند ثانیے انہیں دیکھتا رہا پھر یکا یک نیم جان ہو کر ایک تودے پر بیٹھ گیا۔

''میری نظر ان لوگوں پر اتفاقاً ہی پڑ گئی تھی۔'' پیڈی نے دھیمی آواز میں کہا ''خوش قسمتی سے میں خود اس وقت آڑ میں تھا۔ اس وجہ سے ان لوگوں کی نظروں میں نہیں آ سکا تھا۔''

میں نے بے چین نظروں سے اس کی طرف دیکھا مگر زبان سے کچھ نہیں کہا۔

پیڈی نے کچھ دیر بعد خود ہی کہا ''مگر یہ بہت برا ہوا۔ ہمیں شمال مشرق کی طرف جانا تھا مگر اب ان لوگوں نے راستہ روک لیا ہے۔ پیچھے لارڈ رے وغیرہ ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں؟''

میں نے اب بھی کچھ نہیں کہا۔ میرا ذہن تقریباً ماؤف سا ہو رہا تھا۔

پیڈی کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے کہا ''لیکن ماسٹر ہم یہاں بیٹھے نہیں رہ سکتے، چلو اٹھو۔''

''کہاں؟''

اس نے ہاتھ سے عقبی سمت میں اشارہ کیا ''صرف یہی ایک راستہ باقی رہ جاتا ہے۔''

''مگر اس طرح تو ہم لوگ وادی کی طرف واپس جائیں گے۔'' میں نے متوحش ہو کر کہا۔

''ہاں، مگر اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے۔ دائیں بائیں وہ لوگ موجود ہیں اور آگے ہم جا نہیں سکتے۔ لہٰذا پیچھے ہی چلنا پڑے گا۔

''مگر میرا خیال ہے کہ اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم کچھ دور پیچھے جا کر پھر بائیں طرف مڑ جائیں گے۔ تم یہاں سے دیکھ سکتے ہو کہ ٹیلوں کا یہ سلسلہ آگے جا کر پھر بائیں طرف مڑ گیا ہے۔ ہم چکر کاٹتے ہوئے اسی طرف جائیں گے اور پھر شمال مشرق کی سمت پکڑ لیں گے لیکن ماسٹر! جلدی کرو، یہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں۔''

میں نے تجسس آمیز نظروں سے اسے گھورا۔

پیڈی نے گردن آگے بڑھا کر جیپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''بظاہر وہ لوگ چار نظر آتے ہیں لیکن فرض کرو کہ پانچ یا چھ ہوں اور دوسرے دو ایک آدمی اس وقت ان ٹیلوں میں ہمیں تلاش کر رہے ہوں تو پھر اس صورت میں وہ ہمیں کسی بھی وقت دیکھ سکتے ہیں لہٰذا ہمیں فوراً روانہ ہو جانا چاہیے۔''

پیڈی ٹھیک کہتا تھا چنانچہ میں فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا اور پھر ہم دونوں تیزی سے بھاگنے لگے۔ صرف خوشی اور کامیابی ہی نہیں بلکہ خوف بھی آدمی کے اندر غیر معمولی پھرتی اور توانائی پیدا کر دیتا ہے۔ میری حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ اگرچہ دھوپ کی شدت اور جسمانی تھکاوٹ نے مجھے نیم جان کر دیا تھا۔ ایک کے بعد دوسرا قدم اٹھانا دشوار لگتا تھا مگر اس کے باوجود میں حیرت انگیز طور پر تیز قدموں سے چل رہا تھا۔ ہم حتی الامکان ٹیلوں کے آڑ لے کر بھاگتے رہے۔ یہ عجیب ستم تھا کہ جس وادی سے بچ کر میں بھاگا تھا۔ حالات مجھے ایک بار پھر اس طرف لے جا رہے تھے۔ پیڈی کا یہ خیال ٹھیک تھا کہ ہم کچھ دور تک پیچھے جائیں گے پھر بائیں طرف گھوم جائیں گے کیونکہ ٹیلوں اور چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا سلسلہ ایک دائرے کی شکل میں بائیں طرف چلا گیا تھا۔ ہم اس طرف کچھ دیر سفر کرنے کے بعد شمال مشرق کی سمت پکڑ سکتے ہیں مگر فرض کرو کہ بدقسمتی نے ادھر بھی ہمارا راستہ روک لیا تب؟

میرے سر پر دہکتا ہوا سورج تھا، پیروں کے نیچے جلتی ہوئی زمین تھی اور چاروں طرف وہ لوگ تھے جو طوطخ آمن کو دنیا میں واپس لانا چاہتے تھے اور جو میرے آگے سر جھکاتے تھے کیونکہ ان کے خیال میں، میں عمن عونس تھا مگر اب وہ لوگ میرا سر قلم کر دینے کے درپے تھے۔ میں نے بے چینی سے اپنی گردن پر ہاتھ پھیرا اور پھر رفتار میں مزید اضافہ کر دیا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اس گردن میں کبھی بار بر انے بانہیں حمائل کی تھیں، کبھی ریفانے،

کبھی اولگا نے اور کبھی روز آلبہ نے مگر اب وہی لوگ اس گردن پر نہایت سنگدلی اور بے مہری سے خنجر چلا سکتی ہیں۔ وہ جو کل تک محبوب تھیں آج قاتل کا روپ بھر کر گھوم رہی ہیں۔ تصویر کا دوسرا رخ بڑا اذیت ناک تھا۔ میں نے سر کو زور سے جھٹکا اور پیڈی کی طرف دیکھا۔ وہ افتاں و خیزاں اپنے تئیں گھسٹتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ تبھی میری نظریں بائیں طرف اٹھی اور میں نے پیڈی سے کہا۔

''ادھر دیکھو۔''

پیڈی نے ادھر دیکھا، اس کا منہ کھل گیا پھر اس نے گھوم کر مجھے دیکھا ''مگر ماسٹر؟''

''فکر نہ کرو، ہم کافی دور نکل آئے ہیں۔'' میں نے کہا ''یہ جگہ بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ ہمیں کچھ دیر ٹھہر جانا چاہیے۔''

پیڈی کی اپنی حالت اتنی خراب و خستہ ہو چکی تھی کہ اس نے مزید جرح نہیں کی۔ چپ چاپ اس غار کی طرف بڑھ گیا۔ جس کی جانب میں نے اشارہ کیا تھا۔

☆☆☆

اس غار کا دہانہ کافی چھوٹا تھا۔ بمشکل اتنا کہ ہم گھٹنوں کے بل رینگ کر اندر داخل ہو سکے لیکن اندر سے وہ کافی کشادہ تھا۔ وہ سرنگ نما غار قدرتی بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ممکن ہے وہ کبھی انسانی ہاتھوں کے طفیل وجود میں آیا ہو اور یہ بھی ممکن تھا کہ اسے کسی جانور نے اپنی رہائش گاہ کے طور پر بنایا ہو کیونکہ وہ غار اندر سے ایک کھوہ کی طرح نظر آتا تھا۔ اس کے اندر بہت بو جھل اور ناگوار بو بسی ہوئی تھی۔ ابتدائی چند منٹ بہت تکلیف دہ اور ناقابل برداشت محسوس ہوئے۔ کم از کم مجھے تو ایسا لگا جیسے میں اس سرنگ نما کھوہ میں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکوں گا لیکن گرد آلود فرش پر نیم دراز ہوتے ہی مضمحل اور کشیدہ جسم کو ایسا آرام میسر آیا کہ بو کا احساس خود بخود رفع ہو گیا۔ میں نے چھاگل اتار کر دو گھونٹ پانی پیا۔ اگرچہ اس عیاشی کی گنجائش موجود نہیں تھی مگر خار آلود زبان اور خشک حلق نے مجبور کر دیا۔ ٹھنڈا اور میٹھا پانی ایک حیات آفرین کی طرف جسم کے انگ انگ میں تازگی پہنچاتا چلا گیا پھر میں نے چھاگل پیڈی کی طرف بڑھا دی۔ اس نے بھی دو گھونٹ لیے اور پانی کے نشے سے لذت سے چند لمحے تک لطف اندوز ہوتا رہا پھر چھاگل ہلا کر بولا۔

''تین چوتھائی چھاگل رہ گئی ہے۔''

میں نے پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی بات کا جواب دینے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں تھے۔

کچھ دیر بعد میں نے آنکھیں کھول کر گردن گھمائی۔ پیڈی پشت ٹکائے آنکھیں بند کیے گہری سانسیں لے رہا تھا۔ اس کا چہرہ ڈھلسا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ ہونٹوں پر پپڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ بال گرد آلود ہو رہے تھے۔ مجھے یکا یک اس پر ترس آیا۔ آخر اس کو اس عذاب میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ سوسائٹی کو چھوڑنا چاہتا تھا تو کسی وقت بھی چھوڑ دیتا۔ کسی کو اس پر شبہ بھی نہ ہوتا اور وہ چپکے سے امریکا چلا جاتا مگر میرا ساتھ دے کر وہ خود بھی مصیبت میں پڑ گیا تھا۔ ابھی تو لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفا کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ پیڈی میرا ساتھ دے رہا ہے لیکن جلد یا بدیر انہیں معلوم ہو جائے گا اور جب معلوم ہو جائے گا تب..... میں نے ہاتھ اٹھا کر ہتھیلی کھجائی.....

تب کیا ہوگا؟ تب پیڈی بھی بے موت مارا جائے گا۔ میرے ساتھ ساتھ وہ پیڈی کو بھی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیں گے..... میں نے ایک بار پھر ہتھیلی کھجائی اور آہستہ سے پیڈی کو پکارا۔

''کیا بات ہے؟'' اس نے آنکھیں کھولے بغیر کہا۔

میں نے اپنے ذہن میں تازہ وارد خیالات سے اسے آگاہ کیا۔

پیڈی کے ہونٹوں پر ایک مضمحل سی مسکراہٹ پھیل گئی ''کہتے تو تم ٹھیک ہو ماسٹر۔ اگر میں کسی وقت چپکے سے امریکا فرار ہو جاتا تو میرے حق میں زیادہ مفید ہوتا مگر اب یہ بات بعد از وقت ہے۔ اب تو جو قدم اٹھا چکا ہوں، اس سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔''

''کیوں؟ تمہارے لیے تو اب بھی موقع ہے۔''

''ہاں یقیناً مگر میں ایسا ہی آدمی ہوں۔ میری ماں کہتی تھی کہ میں بہت ضدی آدمی ہوں۔''

میں نے پھر ہتھیلی کھجائی۔ پتا نہیں اتنی دیر سے کھجلی کیوں ہو رہی ہے۔ میں چند منٹ تک ہتھیلی کو کھجلاتا رہا پھر تھیلے میں ہاتھ ڈال کر سگریٹ نکالی۔ کھانے کا سامان ختم ہو چکا تھا۔ پانی بھی بہت تھوڑا رہ گیا تھا مگر سگریٹ خاصی تعداد میں موجود تھے اور یہ بڑی اچھی بات تھی۔ میں نے ایک سگریٹ پیڈی کو دی۔ ایک اپنے ہونٹوں میں دبائی۔ پیڈی نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا ''یہ تم بار بار ہتھیلی کیوں کھجا رہے ہو؟'' پھر خود ہی چونک کر بولا ''آہا، میں سمجھا۔''

بتانے کی ضرورت نہیں پڑی، وہ خود ہی سمجھ گیا تھا۔ میں بار بار ہتھیلی کھجاتا رہا۔ کھجلی اتنی شدید تھی کہ میرے لیے خود کو روکنا تقریباً ناممکن تھا۔ چند ہی منٹ میں ہتھیلی کے عین وسط میں ایک بڑا سا دانہ ابھر آیا جو کھجانے کے ساتھ ساتھ بتدریج سرخ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ سائز میں مٹر کے دانے سے بھی بڑا تھا اور کسی حد تک ہلال کی شکل میں تھا۔ کچھ لمحے اور گزرے کہ وہ دو دو ڑا اتنا نمایاں اور سرخ ہو گیا جیسے بیر بہوٹی ہوتی ہے۔ اگرچہ اس میں روشنی نہیں تھی مگر سرخی اتنی گہری تھی کہ وہ روشن سا لگتا تھا۔ پیڈی پلکیں جھپکائے بغیر حیرت سے اس دانے کو گھور رہا تھا۔ اس نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر غیر یقینی لہجے میں کہا۔

''ماسٹر! یہ کوئی نئی یا عجیب بات نہیں۔ کھجلی ہوتی ہے اور کھجلانے کے نتیجے میں دو دو ڑا بھی ابھرتا ہے مگر ایسا جسم کے مختلف حصوں میں ہوتا ہے۔ ہتھیلی میں نہیں اور پھر یہ دانہ تو بہت نمایاں اور سرخ ہے۔ میں نے تو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔''

''تم نے نہیں دیکھا تھا مگر بار برا نے دیکھا تھا۔'' میں نے بتایا ''اور تبھی سے میرے لیے خرابی شروع ہوئی تھی۔''

''کیا ایسا اکثر ہوتا ہے؟''

''ہاں، لیکن کوئی وقت مقرر نہیں، کسی بھی وقت ہو سکتا ہے۔''

''یہ کتنی دیر رہے گا۔'' اس نے پھر پوچھا۔

''صرف چند منٹ، کبھی کبھی نصف گھنٹے تک بھی رہتا ہے۔'' میں نے کہا ''جب تک کھجلی کی تحریک رہے گی، یہ دانہ بھی رہے گا۔ اس کے بعد خود بخود معدوم ہو جائے گا۔''

''ڈاکٹر نیفا کہتا ہے کہ ایسا دانہ عمن عونس دوئم کی ہتھیلی پر بھی ابھرتا تھا۔''

''ڈاکٹر نیفا کی ایسی تیسی۔'' میں نے جھلا کر کہا۔ پیڈی ہونٹ پھیلا کر ہنسنے لگا۔

کھجلی کی تحریک کوئی چار پانچ منٹ رہی پھر رفتہ رفتہ معدوم ہونے لگی اور بیر بہوٹی جو میری ہتھیلی پر براجمان تھی، مدھم پڑنے لگی، حتیٰ کہ آئندہ چند منٹ میں بالکل غائب ہوگئی۔ پیڈی کے لیے اس دانے کا نمایاں ہونا اور پھر معدوم ہونا از حد تعجب خیز تھا۔ اس نے حیرت سے کہا۔

''ماسٹر واقعی تعجب کی بات ہے۔''

''ہاں۔'' میں نے تسلیم کیا ''مگر یہ ایک قسم کی جلدی بیماری سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ کھجلی ایک عالمگیر مرض ہے لیکن میرے لیے تو یہ بیماری بدقسمتی کا جواز بن گئی ہے۔''

پیڈی چپ رہا۔ میں نے بھی مزید کچھ نہیں کہا۔ باہر اگرچہ شدید دھوپ اور غضب کی گرمی تھی لیکن غار کے اندر کچھ ایسی ٹھنڈک تھی جو جسم و جان کو بہت راحت پہنچا رہی تھی۔ وہ بو جسے ہم نے پہلے نظر انداز کر دیا تھا۔ اب پھر ستانے لگی تھی۔ عجیب سی بو تھی وہ بالکل نامانوس اور انتہائی کراہیت آمیز۔ پتا نہیں وہ کسی صحرائی جانور کے جسم کی بو تھی یا پھر وہ کسی جانور کے گوشت کے گلنے سڑنے سے پیدا ہوئی تھی۔ ہر چند کہ وہ بو دل و دماغ پر بہت ناگوار بوجھ ڈال رہی تھی مگر ہم دونوں ہی نے پروا نہیں کی۔ وہ غار ہی ہمارے لیے ایک بہترین پناہ گاہ کی حیثیت رکھتا تھا اور محض اس بو کی وجہ سے ہم اس پناہ گاہ سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔

چند منٹ بعد میں نے کہا ''پیڈی! مجھے کچھ ایمن سوسائٹی کے بارے میں بتاؤ۔''

''کیا بتاؤں ماسٹر! تمہیں تو خود ہی ساری باتوں کا علم ہے۔'' اس نے آنکھیں کھولے بغیر جواب دیا۔

''مجھے صرف ان باتوں کا علم ہے جن کا تعلق زیادہ تر میری ذات سے رہا ہے لیکن میری ذہن میں ان گنت سوالات ہیں۔ متعدد الجھنیں ہیں جو مجھے مسلسل پریشان کرتی رہتی ہیں۔ ہو سکے تو مجھے ان سوالوں کے جواب دو۔''

پیڈی نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا پھر آہستہ سے بولا ''کون سے سوالات ماسٹر؟''

''یہی کہ ایمن سوسائٹی کب بنی، کس نے قائم کی اور یہ کہ ان گنت لوگ جو سوسائٹی کے ممبر ہیں، آخر ممبر کیوں بنے؟''

''ماسٹر!'' پیڈی نے رواداری میں کہا ''میں نے شاید تمہیں ایک بار بتایا تو تھا۔''

''ہاں، مگر تم نے پوری وضاحت نہیں کی تھی۔'' میں نے جرح کے انداز میں کہا ''تم نے کہا تھا کہ عموماً لوگ عیش و عشرت اور روپے پیسے کی بنا پر ممبر بنے ہیں مگر یہ وجہ کچھ زیادہ مضبوط نہیں ہے۔ کیونکہ سوسائٹی کا عقیدہ ہے کہ طوطخ آمن دوبارہ آئے گا۔ اس احمقانہ عقیدے پر چند فاتر العقل لوگ تو ایمان لا سکتے ہیں، اتنے زیادہ لوگ نہیں۔ خود تم نے بھی تسلیم کیا تھا کہ تم روپے، شراب اور عورتوں کی خاطر ممبر بنے تھے اور یہ کہ تم طوطخ آمن کی واپسی کے نظریے پر کچھ زیادہ یقین نہیں رکھتے۔ چنانچہ ذہن میں جو الجھن ہے وہ یہی ہے کہ بیشتر ممبر تعلیم یافتہ، ذہین اور باشعور لوگ ہیں پھر وہ لوگ آخر اس نظریے پر کیوں یقین رکھتے ہیں؟''

پیڈی مسکرایا ''ماسٹر! مطلب براری اور مختلف قسم کے مفادات کے لیے لوگ اکثر ایسی باتوں کو مان لیتے

ہیں۔اس میں کوئی ہرج نہیں ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو مگر اس حد تک نہیں مانتے۔" میں نے مزید جرح کی "تم نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں ایمن مینشن میں ڈاکٹر نیفا کے پاس گیا تھا یا نہیں، اس بات سے تمہارا کیا مطلب تھا؟"

پیڈی نے فوراً ہی کچھ نہیں کہا۔اس نے تھیلے سے سگریٹ نکال کر جلائی۔کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا "ماسٹر! میں سمجھ گیا تمہارا کیا مطلب ہے۔تمہیں یاد ہوگا کہ الاہرام میں ہم دونوں نے اس موضوع پر کافی گفتگو کی تھی مگر تم نے زیادہ تر میرے بارے میں سوالات کیے تھے اور میں نے جو کچھ بتایا تھا، وہ غلط نہیں تھا لیکن یہ ایک لمبی داستان ہے کہ ایمن سوسائٹی کا سلسلہ کب اور کیسے شروع ہوا۔"

"اور میں وہی سننا چاہتا ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ اب اس سلسلے میں تمہیں سب کچھ تفصیل سے بتانے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔" پیڈی نے کہا "یہ محض اتفاق ہے کہ مجھے ایمن سوسائٹی کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوا ہے۔اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ میں جب ممبر نہیں بنا تھا۔اس وقت بھی لارڈ ریے کے بہت قریب تھا کیونکہ میں اس کے گھوڑوں کی جاکی تھی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ میرے مراسم پروفیسر ریمزے سے بہت گہرے تھے جو ایمن سوسائٹی کے بانیوں میں سے ایک تھا۔اس نے مجھے بے شمار ایسی باتیں بتائی تھیں جن کا علم ڈاکٹر نیفا اور لارڈ ریے کے سوا کسی کو بھی نہیں کیونکہ عام ممبران باتوں سے واقف ہونے کے مجاز نہیں۔پروفیسر ریمزے نے مجھے بھی سخت تاکید کر دی تھی کہ میں ان باتوں کا ذکر کسی سے نہ کروں۔"

"پروفیسر ریمزے... کون تھا؟" میں نے پوچھا۔

"جیسا کہ میں نے کہا کہ وہ سوسائٹی کے تین بانیوں میں سے ایک تھا۔" پیڈی نے جواب دیا "وہ اپنے نام کے ساتھ پروفیسر کا لفظ استعمال کرتا تھا لیکن درحقیقت پروفیسر نہیں تھا البتہ اسے مصر کی تاریخ سے جنون کی حد تک دلچسپی تھی۔حتیٰ کہ اس نے اپنا اصل نام بھی ترک کر دیا تھا اور نیا نام ریمزے اختیار کر لیا تھا جو دراصل رمسیس کی نئی شکل ہے۔وہ ایک دبلا پتلا بھلو سا آدمی تھا۔اس کی عادتیں عجیب و غریب تھیں۔مثلاً یہ کہ وہ کبھی نہیں نہاتا تھا۔کبھی سر کے بال نہیں تراشتا تھا۔اسے جرابیں پہننے سے نفرت تھی اور ٹائی باندھنے کو بھی وہ حماقت سمجھتا تھا۔وہ کبھی شکریہ نہیں کہتا تھا۔عورتوں کے معاملے میں بھی وہ عجیب المزاج تھا یعنی کبھی وہ کسی عورت کے پاس نہیں جاتا تھا مگر اسے عورتوں کے بارے میں باتیں کرنے، گندے لطیفے سننے اور عریاں تصویریں دیکھنے کا بہت شوق تھا۔میرے پاس اسی چکر میں آتا تھا۔مجھ سے عورتوں کی کہانیاں سنتا اور پھر مجھے ایمن سوسائٹی کے بارے میں بتاتا۔"

"اب وہ کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مر چکا ہے۔" پیڈی نے کہا "اس کی موت پراسرار حالات میں ہوئی تھی۔آج تک یہ پتا نہیں چل سکا کہ وہ کیونکر مرا تھا۔عام خیال یہ ہے کہ اس کا ہارٹ فیل ہو گیا تھا۔یا پھر اس نے خودکشی کر لی تھی۔"

"مگر اس سے تمہاری تمہید ایمن سوسائٹی....." میں نے کہنا چاہا۔

"میں اسی طرف آ رہا ہوں۔" پیڈی بات کاٹ کر بولا "لیکن اصل واقعات بتانے سے پیشتر ضروری ہے کہ

چنداور اہم باتیں بتادوں مثلاً یہ کہ لارڈ رے کا نام 'رے' اور ڈاکٹر نیفا کا نام 'نیفا' نہیں ہے۔ بلکہ ان دونوں نے یہ نام ڈیڈ پول کے ذریعے باضابطہ طور پر اس وقت اختیار کیے تھے جب ایمن سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا تھا۔ رے دراصل مصریوں کے ایک دیوتا 'رعے' کی موجودہ شکل ہے۔ اسی طرح نیفا میں رعمسیس اول یا دوئم کے زمانے میں سب سے بڑے شاہی پجاری کا نام تھا۔ ان دونوں نے یہ نام کیوں اختیار کیے، اس کی وجہ سیدھی سادی ہے۔ دراصل عمن عونس دوئم کا ایک چچا تھا۔ اس کا نام رعے تھا۔ لارڈ رے کو پورا یقین ہے کہ دراصل وہ خود ہی عمن عونس دوئم کا چچا رعے ہے اور یہ کہ وہ اب تک کئی بار دنیا میں آ چکا ہے۔ اسی بنا پر وہ تمہیں اپنا بھتیجا کہتا تھا۔ اسے یقین ہے کہ تم عمن عونس ہو اور وہ تمہارا چچا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر نیفا بھی خود کو شاہی پجاری نیفا سمجھتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ رعمسیس کے زمانے میں دو شاہی پجاری نیفا تھا مگر کسی بات پر اسائرس اس سے ناراض ہو گیا تھا۔ چنانچہ جب اگلی بار وہ دنیا میں آیا۔ یعنی عمن عونس اور ملکہ ٹیا کی شادی کا فرض انجام دیا تھا پھر اسائرس نے نیفا کی خطا معاف کر دی اور یہ فرض اسے سونپ دیا کہ ساڑھے تین ہزار سال بعد وہ عمن عونس اور ملکہ ٹیا کی دوسری شادی کی رسوم انجام دے گا۔''

میں خاموش بیٹھا تھا۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفا کے ناموں کی حقیقت پہلی بار میرے علم میں آئی تھی۔ پیڈی نے سلسلۂ کلام جاری رکھا مگر مناسب یہ ہوگا کہ میں ارفینا کے متعلق بھی کچھ بتادوں۔ میں نے خود نہیں پڑھا لیکن پروفیسر ریمزے نے جو کچھ بتایا تھا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ارفینا عمن عونس دوئم اور طوطنخ آمن کے دور میں شاہی پجاری تھا گویا اس نے باپ بیٹے دونوں کا زمانہ دیکھا تھا۔ اس کی ایک بیٹی تھی، اس کا نام افریٹی تھا۔ پہلے وہ عمن عونس دوئم کی اور پھر طوطنخ آمن کی ذاتی کنیز رہی تھی اور کہا جاتا ہے کہ وہ طوطنخ آمن پر عاشق تھی۔ وہ بہت حسین تھی۔ اتنی حسین اور پرشکوہ کہ اس کے حسن کو بیان کرنے کے لیے الفاظ نہیں ملتے۔ یہ بات طے ہے کہ وہ عمر میں طوطنخ آمن سے کافی بڑی رہی ہوگی۔ اس کے باوجود اس کا عشق اتنا شدید تھا کہ جب طوطنخ آمن مر گیا تو اس نے خود کو زندہ ہی حنوط کرا کر طوطنخ آمن کے ٹومب کے قریب دفن کر لیا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ عمن عونس سے بھی عشق کرتی تھی۔ حقیقت کیا ہے، یہ مجھے علم نہیں لیکن اس وقت کی بعض روایات کے مطابق یہ ممکن ہے کہ وہ یکے بعد دیگرے عمن عونس اور طوطنخ آمن دونوں ہی کی محبوبہ رہی ہو، کیونکہ اس زمانے میں ذاتی کنیز کا مطلب ذاتی ملکیت بھی ہوتا تھا۔ خیر تو اس نے خود کو زندہ دفن کر لیا تھا۔ باوجود اس کے کہ طوطنخ آمن کی اپنی ممی اس کے مقبرے کے بجائے ویرانے میں دفن کی گئی تھی۔ تاکہ چوروں سے محفوظ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ طوطنخ آمن کی ممی بادشاہوں کی وادی سے دور ایک پہاڑی کے اندر ملی تھی مگر افریٹی کی ممی طوطنخ آمن کے مقبرے سے متصل ایک تہ خانے سے دستیاب ہوئی تھی۔ افریٹی کی حنوط شدہ لاش آج بھی لندن کے میوزیم میں رکھی ہے۔ شاید تم نے دیکھی ہوگی۔''

''ہاں۔'' میں نے یکا یک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا ''میں نے دیکھی ہے اور وہیں پہلی بار میری ملاقات باربرا سے ہوئی تھی۔''

پیڈی نے قدرے توقف کے بعد پھر کہنا شروع کیا ''خیر تو میں کہہ رہا تھا کہ ارفینا شاہی پجاری تھا۔ پروفیسر ریمزے کا کہنا تھا کہ ارفینا برسہا برس کی محنت، ریاضت اور عبادت کے بعد سب سے بڑے پجاری کے منصب

تک پہنچا تھا مگر تم چاہو تو یہ آسانی کہہ سکتے ہو کہ وہ پاگل تھا کچھ اور واقعات بھی ایسے ہیں جو ارفینا کے سنکی ہونے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ طوطنخ آمن کی موت کے بعد جب اس کی بیٹی افریٹی نے خود کو زندہ دفن کرلیا تھا تو ارفینا نے ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب میں بے شمار دعائیں، تاریخی واقعات اور متعدد پیش گوئیاں ہیں۔ اس کا نام "کتاب ارفینا" ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ پورا قصہ اس کتاب کی بدولت ہی شروع ہوا۔"

"مگر یہ کتاب، ڈاکٹر نیفا کے ہاتھ کیسے لگی؟" میں نے متجسس ہو کر پوچھا۔

"میں وہی بیان کرنے جا رہا ہوں۔" پیڈی نے سگریٹ بجھاتے ہوئے کہا "جو واقعات میرے علم میں ہیں۔ وہ پروفیسر ریمزے سے معلوم ہوئے تھے۔ پروفیسر نے یہ واقعات مختلف موقعوں پر بیان کیے تھے۔ اس بنا پر انہیں ربط و تسلسل نہیں تھا پھر بھی میں انہیں مربوط شکل میں بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ سب سے پہلے میں ڈاکٹر نیفا کا ذکر کرتا ہوں۔ کیونکہ کتاب ارفینا اس کو ملی تھی اور اس نے ایمن سوسائٹی کے قیام کی کوشش شروع کی تھی۔ ڈاکٹر نیفا دراصل ایک ماہر آثار قدیمہ ہے۔ ساتھ ہی وہ ہیپناٹزم پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ قدیم مصر کی تاریخ سے اسے بہت زیادہ دلچسپی ہے۔ جب تک ایمن سوسائٹی کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا۔ اس وقت تک ڈاکٹر نیفا کو ایک ماہر "ریچپٹالوجسٹ" کی حیثیت سے بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اس کا سونا، جاگنا، اوڑھنا، بچھونا، غرضیکہ ہر بات مصریات کے گرد گھومتی تھی۔ وہ کبھی کوئی ایسی کتاب نہیں پڑھتا تھا جو فراعین مصر کے ذکر سے خالی ہو۔ اس نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ فراعین کے آثار کی تلاش میں صرف کر دیا تھا۔ ہر سال دو برس کے بعد وہ مصر آتا اور مہینوں ریگستانوں میں بھٹکتا رہتا۔ یہ کام وہ تنہا ہی کیا کرتا تھا۔ البتہ چند ایک بار لارڈ رے بھی اس کے ساتھ مصر آیا تھا۔ اس وقت لارڈ رے، لارڈ سکن کے نام سے جانا جاتا تھا۔ لارڈ رے کو خود بھی مصریات سے بہت دلچسپی تھی۔ اس نے اپنی لائبریری میں سینکڑوں کتابیں مصریات کے موضوع پر جمع کر رکھی تھیں۔ کئی مجسمے اور دوسری یادگار اشیا بھی اس کے پاس تھیں جو فراعین مصر کے اہراموں سے حاصل ہوئی تھیں۔ حتیٰ کہ ان دنوں اس نے اپنے بعض گھوڑوں کے نام بھی فراعین کے ناموں پر رکھے تھے۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ فراعین مصر شان و شوکت کے مظہر تھے اور شان و شوکت کا جذبہ آدمی کے اندر آگے بڑھنے اور فتح کر لینے کی امنگ پیدا کرتا ہے۔ اس طویل تمہید کا مقصد یہ ہے تاکہ آپ یہ سمجھ سکیں کہ ڈاکٹر نیفا اور لارڈ رے کا ایک خاص ذہنی پس منظر تھا۔ جو اس سارے قصے کی بنیاد بنا۔"

اتنا کہہ کر پیڈی رک گیا اور چند لمحے سوچتا رہا پھر اس نے کہا "اب میں اصل واقعے کی طرف آتا ہوں۔ ایک بار ڈاکٹر نیفا حسب عادت مصر آیا۔ لارڈ رے بھی اس کے ساتھ تھا وہ دونوں کافی دنوں تک ویرانے میں گھومتے پھرتے رہے پھر لارڈ رے واپس چلا گیا مگر نیفا مصر میں ہی مقیم رہا اور بدستور ویلی آف دی کنگز اور آس پاس کے علاقوں میں بھٹکتا رہا۔ پروفیسر ریمزے کے بیان کے مطابق ایک دن جب نیفا صحرا میں گیا تو پلٹ کر نہیں آیا بلکہ راستہ بھول کر ریگستان کے اندرونی علاقے میں چلا گیا پھر اسے طوفان نے گھیر لیا۔ اس کے پاس کھانا اور پانی بالکل ختم ہو گیا۔ ڈاکٹر نیفا بھوکا پیاسا پاگلوں کی طرح ادھر ادھر بھٹکتا رہا۔ اسی حالت میں دو تین دن گزر گئے۔ اس کی حالت بے حد خراب ہو چکی تھی۔ تیز بخار تھا، بھوک اور پیاس کے باعث اس کے حواس مختل ہو چکے تھے۔ اس حالت دیوانگی میں وہ ایک غار میں جا پہنچا۔ اس غار کے اندر ایک پتلی سرنگ تھی جو ایک اور غار

پر ختم ہوتی تھی پہلے کبھی کسی انسان نے اس سرنگ کے اندر قدم نہیں رکھا تھا۔ کیونکہ وہ بڑے بڑے پتھروں سے بند تھی مگر اتفاقات کے ہاتھوں ڈاکٹر نیفا اس سرنگ کے اندر جا پہنچا اور وہ سرنگ اسے دوسرے غار میں لے گئی۔ جو دراصل ارفینا کا مدفن تھا۔ اس غار میں نہ صرف ارفینا کی شکستہ اور بوسیدہ ممی ہی رکھی تھی بلکہ اور بھی بہت سی اشیا موجود تھیں۔ مثلاً طوخ آمن کا مجسمہ، انگوٹھیاں، لاکٹ، بازو بند، افریٹی کی تصویریں، پوجا وغیرہ کے لیے استعمال ہونے والے مسالے، شراب کی بوتلیں جن میں شراب نہیں تھی دیوتاؤں کے مجسمے اور دوسری بے شمار اشیا۔ ایک تصویر میں اسائرس کو اپنی بیوی کے ساتھ محو صحبت دکھایا گیا تھا۔ ان اشیا کے علاوہ کئی کتابیں بھی تھیں۔ جن میں سے ایک کتاب 'ارفینا' تھی۔ یہ بات پروفیسر ریمزے کو بھی نہیں معلوم تھی کہ ڈاکٹر نیفا نے اس غار میں کتنے دن گزارے لیکن اس کا قیاس تھا کہ وہ کئی روز اس غار میں پڑا رہا پھر وہ باہر آیا اور تب اس کی ملاقات ریمزے سے ہوئی۔ پروفیسر ریمزے خود بھی صحرا میں بھٹکتا پھر رہا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا تھا۔ وہ خود بھی کئی دن کا بھوکا پیاسا اور بیمار تھا مگر اس کی دیوانگی اس حد تک نہیں پہنچی تھی۔ جس حد تک ڈاکٹر نیفا کی۔ پروفیسر ریمزے نے مجھے جو کچھ بتایا۔ اسے سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ یہ ایسے دہشت ناک واقعات ہیں جن پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا مگر پروفیسر ریمزے کا اصرار تھا کہ یہ واقعات سچ ہیں۔ اس کا کہنا تھا کہ جب میں نے ڈاکٹر نیفا کو دیکھا۔ تب وہ ایک تودے کی آڑ میں پڑا ہوا تھا۔ اس کا نصف جسم ریت سے ڈھکا ہوا تھا اور اس کی حالت بے حد خراب و خستہ ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں۔ بخار سے اس کا سارا جسم انگارے کی طرح تپ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ پھٹے ہوئے تھے اور ان سے خون رس رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ایک بنڈل دبا ہوا تھا اور بار بار چلا رہا تھا۔ میں نیفا ہوں..... میں نیفا ہوں..... وہ بنڈل دراصل کتاب ارفینا تھی۔ جو ارفینا نے پتلے چمڑے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر لکھی تھی۔ ماسٹر تم نے ڈاکٹر نیفا کے ہاتھ میں کتاب ارفینا کو جو نسخہ دیکھا تھا وہ اصل نہیں تھا بلکہ وہ محض فوٹو کاپی تھی۔ اصل کتاب تو ایمن مینشن میں محفوظ ہے۔ خیر تو میں کہہ رہا تھا ڈاکٹر نیفا جنون اور ہذیان کی حالت میں تھا۔ اسے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ جب پروفیسر ریمزے نے اسے آواز دی تو وہ اور بھی زور زور سے چلانے لگا..... میں نیفا ہوں..... میں نیفا ہوں..... پروفیسر اسے بڑی مشکل سے پرسکون کرنے میں کامیاب ہوا پھر اس نے آنکھیں کھولیں اور پروفیسر ریمزے کو دیکھ کر کہا۔

''طوخ آمن اس دنیا میں واپس آئے گا۔''

پیڈی چند لمحے کے لیے رک گیا۔ ہم نے ایک ایک سگریٹ جلائی اور پیڈی نے ایک بار پھر سلسلۂ کلام شروع کیا'' پروفیسر ریمزے نے اس وقت کے واقعات بڑی تفصیل سے بیان کیے تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ ڈاکٹر نیفا کو کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ وہ ذہنی اعتبار سے تقریباً دیوانہ ہو چکا تھا اور شدید بخار کے باعث مسلسل حالت ہذیان میں رہتا تھا۔ یا تو خاموش رہتا اور خلا میں گھورتا رہتا اور یا پھر زور زور سے چلاتا اور مصری دیوتاؤں کو آوازیں دیتا۔ پروفیسر ریمزے کو اسے سنبھالنے میں بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ خاص طور پر اس لیے بھی کہ اس کی اپنی حالت بھی بے حد ناگفتہ بہ تھی۔ کھانے اور پینے کے لیے ان کے پاس کچھ نہیں تھا۔ وہ دونوں کئی روز تک صحرا میں بھٹکتے رہے۔ پروفیسر ریمزے کا بیان تھا کہ اسے اس بات کی خفیف سی امید بھی نہیں تھی کہ وہ دونوں زندہ بچ سکیں گے۔ انہوں نے بھوک اور پیاس کا مقابلہ کرنے کے لیے صحرائی جھاڑیوں کی جڑیں کھائیں اور اس

کی ٹہنیوں کو چبا چبا کر پیٹ بھرا۔ پھر انہیں ایک مردہ پرندہ مل گیا جسے وہ بے تکلف کھا گئے۔ یوں ایک بار پیٹ بھر گیا اور پھر وہ بھٹکتے ہوئے آخر کار ایک نخلستان میں جا پہنچے۔ پروفیسر ریمزے کا کہنا تھا کہ اس موقع پر ان دونوں کا زندہ بچ جانا ایک ایسا معجزہ تھا جس پر یقین کرنے میں اسے ہمیشہ تامل ہوتا تھا۔ وہ دونوں کئی روز تک اس نخلستان میں پڑے رہے۔ وہاں ایک حکیم بھی تھا جس نے ان کا علاج کیا۔ چند دن بعد وہ سفر کرنے کے قابل ہو گئے۔ تو قاہرہ آئے اور پھر لندن پہنچے۔ ان دنوں ڈاکٹر نیفا لندن کے مضافات میں کہیں رہتا تھا۔ جب وہ اپنی رہائش گاہ پر پہنچا تو کچھ ہی دیر بعد لارڈرے بھی آ گیا مگر ڈاکٹر نیفا نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔ صرف ایک جملہ کہا اور وہ یہ تھا کہ ''تم رعع ہو۔'' پھر وہ اپنی اسٹڈی میں بند ہو گیا اور مسلسل تین دن تک وہیں رہا وہ تین دن اس نے مکمل طور پر تنہائی میں گزارے اور کتاب ارفینا کا مطالعہ کرتا رہا۔ پروفیسر ریمزے بھی ساتھ میں ہی مقیم تھا۔ وہ ڈاکٹر نیفا کے لیے ناشتا اور کھانا تیار کرتا اور دروازے پر رکھ دیتا جسے ڈاکٹر نیفا کسی وقت اٹھا لیتا تھا۔ وہ رفع حاجت کے لیے بھی باہر نہیں نکلتا تھا۔ بلکہ اس مقصد کے لیے وہ بوتل اور پاٹ استعمال کرتا تھا۔ وہ بوتل اور پاٹ دروازے پر رکھ دیتا۔ جنہیں پروفیسر ریمزے باتھ روم میں لے جا کر صاف کر دیتا۔ تین دن اور تین راتیں ڈاکٹر نیفا نے اسی اسٹڈی میں گزاریں پھر وہ باہر آ گیا۔ اس موقع پر لارڈرے بھی وہیں موجود تھا۔ پروفیسر ریمزے کا بیان تھا کہ اس وقت ڈاکٹر نیفا کی حالت بڑی عجیب تھی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ ہو رہی تھیں اور اس پر پوری طرح وحشت طاری تھی۔ اسٹڈی سے باہر آتے ہی اس نے لارڈرے کی طرف انگلی اٹھا کر کہا ''تم رعع ہو۔ عمن عونس تمہارا بھتیجا تھا۔'' پھر اس نے پروفیسر ریمزے سے کہا ''تم رعمسیس ہو.....'' اس کے بعد اس نے بلند آواز سے اعلان کیا کہ میں نیفا ہوں اور میں نے پوری کتاب پڑھ لی ہے اور یہ کہ طوطخ آمن اس دنیا میں دوبارہ آنے والا ہے۔ پروفیسر ریمزے کا بیان ہے کہ اس رات جب لارڈرے واپس اپنی رہائش گاہ پر گیا تو اس کی ملاقات عمن عونس دوئم، ملکہ ٹیا اور ارجینا، افریٹی اور طوطخ آمن سے ہوئی۔''

''کیا بکواس ہے؟'' معا میں نے جھلا کر کہا۔

''بلاشبہ بکواس ہی ہے۔'' پیڈی نے چھاگل اٹھا کر ایک گھونٹ لیا ''مگر پروفیسر ریمزے کہتا تھا کہ یہ سچ ہے۔ لارڈرے کی ملاقات واقعی عمن عونس وغیرہ سے ہوئی تھی۔ وہ عظیم و جلیل روحیں لارڈرے کے پاس آئی تھیں اور انہوں نے تصدیق کی تھی کہ ڈاکٹر نیفا جو کچھ کہتا ہے وہ درست ہے۔ لارڈرے واقعی عمن عونس کا چچا ہے اور یہ طوطخ آمن کی دنیا میں واپسی کا وقت آ گیا ہے۔ صبح ہوئی تو لارڈرے نے ڈاکٹر نیفا کو فون کیا اور کہا کہ میں رعع ہوں پھر وہ اسپتال چلا گیا کیونکہ وہ سخت بیمار ہو گیا تھا۔ وہ کئی دن تک حالت بخار میں تقریباً نیم بے ہوش سا پڑا رہا پھر جب اچھا ہوا تو ایک دن تینوں دوست ڈاکٹر نیفا کی رہائش گاہ پر جمع ہوئے اور تب ہی لوگوں نے ایمن سوسائٹی کے قیام کا منصوبہ بنایا۔''

''پھر کیا ہوا؟'' میں نے بے چینی سے پوچھا۔

''انہوں نے تمام تر واقعات کا از سر نو جائزہ لیا۔'' پیڈی نے دوبارہ ابتدا کی ''سب سے پہلے انہوں نے کتاب ارفینا کو پھر سے پڑھا۔ اس کا ایک ترجمہ تیار کیا۔ ساتھ ہی انہوں نے چمڑے کے اوراق کی فوٹو کاپیاں بنائیں کیونکہ چمڑے کے دو ٹکڑے بے حد خستہ حالت میں تھے اور زیادہ استعمال سے ضائع ہو سکتے تھے پھر انہوں

نے سوسائٹی کے قیام کی تفصیلات مرتب کیں۔ بعدازاں انہوں نے باضابطہ طور پر اپنے نام تبدیل کیے پھر سلکن ہاؤس کا نام بدل کر ایمن مینشن رکھا اور پھر مصر روانہ ہو گئے۔

''مصر..... کیوں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''کیونکہ یہ بہت ضروری تھا وہاں پر.....'' پیڈی نے کہنا چاہا مگر پھر رک گیا اور گھبرا کر غار کے دہانے کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر تشویش کی لکیریں تھیں۔ اس نے مجھے بھی خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ دوسرے لمحے میری سمجھ میں آ گیا کہ اس کی خاموشی اور تشویش کا سبب کیا تھا۔ دراصل غار کے باہر دفعتاً قدموں کی آوازیں ابھریں تھیں۔ ہر چند کہ ریت کی وجہ سے وہ آوازیں مدھم تھیں۔ تاہم اتنی واضح بہرحال تھیں کہ ہم نے سن لیں۔ وہ کئی افراد معلوم ہوتے تھے اور چونکہ آوازیں دم بدم قریب آ رہی تھیں۔ اس لیے یہ طے تھا کہ وہ لوگ غار کی طرف ہی آ رہے ہیں۔

میرا دل یکا یک زور زور سے دھڑکنے لگا۔ خدایا یہ کیا؟ کہیں یہ لوگ غار کے اندر نہ جھانک لیں کہیں انہیں پتا نہ چل جائے؟ میں خوف اور تذبذب میں گھرا ہوا دم سادھے بیٹھا رہا۔ یکا یک فضا میں اتنا تناؤ پیدا ہو گیا کہ تھا کہ مجھے سانس لینے میں دشواری محسوس ہونے لگی۔ پیڈی کی حالت بھی مجھ سے مختلف نہ تھی۔ ہم دونوں کی نظریں غار کے دہانے پر اس طرح جمی ہوئی تھیں کہ پلک تک نہیں جھپک رہی تھی۔ قدموں کی آوازیں لمحہ بہ لمحہ قریب آتی گئیں۔ حتیٰ کہ غار کے دہانے سے اندر آنے والی روشنی پر ایک سایہ نمودار ہوا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ لوگ غار کے سامنے پہنچ گئے تھے پھر مجھے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

''پتا نہیں وہ کہاں غائب ہو گیا ہے.....؟''

''جائے گا کہاں؟'' ایک اور آواز ابھری ''صحرا میں ہی کہیں نہ کہیں ہو گا۔''

میں نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور پیڈی کی جانب دیکھا۔ ان دونوں کی آوازوں کو پہچاننے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی۔ وہ سونیا اور اسٹار کی کی آوازیں تھیں پھر تیسری آواز سماعت سے ٹکرائی..... اور وہ آواز گومز کی تھی۔

''ٹھیک ہے، وہ کہیں نہ کہیں تو ضرور ہو گا، مگر کہاں ہم کتنی دیر سے اسے تلاش کر رہے ہیں.....''

''وہ بچ کر نہیں جا سکتا۔'' سونیا کی آواز ابھری۔ ''ہم جلد یا بدیر اسے ڈھونڈ لیں گے۔ وہ کب تک بھوک اور پیاس کا مقابلہ کرے گا۔ آخر کار اسے سامنے آنا پڑے گا۔''

''ممکن ہے، وہ اس علاقے سے بہت دور نکل گیا ہو۔''

''نہیں۔'' سونیا نے پھر کہا ''ہمارے آدمی ہر سمت میں پھیل گئے ہیں اور یہ تقریباً ناممکن ہے کہ وہ ہماری نظروں میں آئے بغیر نکل جائے۔ کیونکہ صرف ایک سمت میں اونچے نیچے ٹیلے ہیں اور ہر طرف کھلا ریگستان ہے، جسے وہ آسانی سے عبور نہیں کر سکتا۔''

خاموشی کا ایک مختصر وقفہ حائل ہوا پھر اسٹار کی کی آواز سنائی دی۔ ''پیڈی کا بھی کچھ پتا نہیں چلتا۔ نہ جانے وہ کہاں غائب ہو گیا ہے۔''

''ہاں، یہ تعجب کی بات ہے۔'' گومز نے کہا ''مجھے اچھی طرح یاد ہے گزشتہ رات جب ہم ماسٹر کی تلاش میں

روانہ ہوئے ہیں، تو وہ بھی ساتھ تھا۔ غالباً وہ ماسٹر کی تلاش میں اکیلا ہی کسی طرف چلا گیا مگر سوال یہ ہے کہ اب وہ کہاں ہے اور اس نے ہم لوگوں سے کوئی رابطہ کیوں نہیں قائم کیا؟''

''ممکن ہے وہ راستہ بھول کر کہیں دور نکل گیا ہو.....'' اسٹارکی نے کہا۔

''ہاں یہ ہو سکتا ہے، صحرا میں راستہ بھول جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔'' گومز کا جواب سنائی دیا۔

''مجھے تو کوئی تعجب نہ ہوگا۔'' سونیا کی آواز ابھری ''اگر ہمیں کسی جگہ اس کی لاش ملے۔''

''کیا مطلب؟''

''پیڈی اکیلا ہے۔'' سونیا نے سپاٹ لہجے میں کہا ''مجھے ڈر ہے کہ ماسٹر سے اس کا سامنا ہو گیا تھا اور ماسٹر نے اپنے تحفظ کے خاطر اسے مار دیا ہوگا۔ اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ زندہ ہوتا تو ضرور رابطہ قائم کرتا۔''

ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ اسٹارکی یا گومز نے سونیا کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ شاید سونیا کی بات میں اتنا وزن تھا کہ انہوں نے کوئی تبصرہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ہم دونوں بدستور مہر بہ لب بیٹھے تھے اور وحشت زدہ نظروں سے غار کے دہانے کو گھور رہے تھے۔ ہر گزرتا لمحہ ہمارے حواس پر زہر کی بوند بن کر گر رہا تھا۔ بلکہ شاید دنیا کا خطرناک ترین زہر بھی اتنا ہلاکت خیز نہیں ہوگا۔ جتنے وہ لمحات تھے۔ کبھی کبھی تو مجھے شبہ ہوتا کہ وقت ٹھہر گیا ہے اور دنیا کی گردش تھم گئی ہے۔ کچھ دیر تک میں یونہی لمحوں کی پھانسی پر لٹکا رہا پھر ایک اور مصیبت نازل ہوئی۔ یکا یک اسٹارکی نے کہا۔

''یہ..... یہ غار کیسا ہے؟''

''یہ تو مجھے کسی جانور کی کھوہ معلوم ہوتی ہے۔'' گومز نے کہا۔

''ممکن ہے۔'' سونیا کی آواز آئی ''ذرا دیکھو تو اندر کیا ہے۔''

میرا دل یکا یک اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ہلکا سا شبہ بھی نہیں تھا کہ وہ لوگ غار کا جائزہ بھی لیں گے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ ہماری آزادی کا وقت پورا ہو گیا۔ بدقسمتی یہ تھی کہ ہم دونوں اپنے دفاع میں کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ ہم غار کے اندر تھے۔ اگر باہر ہوتے تو اپنا بچاؤ کرنا ممکن ہوتا۔ غار کے اندر کچھ حصہ ایک گہرے خم کی صورت میں تھا اور ہم دونوں وہیں بیٹھے تھے۔ ہم نے سرعت سے اپنے پاؤں گھسیٹ لیے اور سر پشت سے ٹکا دیے پھر میں دھڑکتے دل کے ساتھ انتظار کرنے لگا۔ غار کے باہر تھوڑی سی ہلچل ہوئی پھر یکا یک روشنی معدوم ہو گئی۔ شاید کوئی شخص جھک کر غار کے دہانے سے اندر جھانک رہا تھا۔ میں اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا مگر اس کے جسم نے روشنی کی آمد اس حد تک روک لی تھی کہ غار کے اندر خاصا اندھیرا ہو گیا۔ میرے لیے گردن جھکانا ناممکن تھا۔ میں صرف آنکھوں کو حرکت دے سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے کن انکھیوں سے دیکھنے کی کوشش کی پھر بھی اس کا چہرہ واضح طور پر نظر نہیں آیا۔ وہ چند منٹ تک اندر جھانکتا رہا پھر غار کے دہانے سے ہٹ گیا۔ خوش قسمتی چند منٹ کے لیے ہمارے آس پاس موجود تھی کیونکہ غار کے اندرونی خم اور اندھیرے کی بنا پر وہ ہمیں نہیں دیکھ سکا تھا۔ اندھیرا بے شک بدبختی کی علامت ہوگا مگر اس وقت تو ہمارے لیے نوید حیات بن گیا تھا۔ میں نے یکا یک سکون کا سانس لیا اور پھر اسٹارکی کی آواز سنائی دی۔

''اس میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔غالباً یہ کسی جانور کی بھٹ ہے۔''
چند ثانیے خاموشی رہی پھر سونیا نے کہا''اب کدھر چلیں.....؟''
اس بات کا کسی نے جواب نہیں دیا۔قدرے توقف کے بعد گومز نے کہا''بلا ڈی ہیل، کتنی ہیٹ ہے۔لاؤ ذرا پانی دو۔''
پھر کوئی شخص غار کے دہانے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔کہ روشنی کی آمد ایک بار پھر مسدود ہو گئی۔ہم دونوں چپ چاپ بیٹھے انتظار کرتے اور آوازیں سنتے رہے۔پانی کے گھونٹ حلق سے اتارنے کی ہلکی ہلکی آوازیں آئیں پھر لائٹر کے چلنے کی آواز سنائی دی۔مجھے اب بہت زیادہ الجھن ہونے لگی تھی۔آخر یہ کم بخت جاتے کیوں نہیں۔یہاں کس لیے مر رہے ہیں۔اگر یہ لوگ اسی طرح غار کے دہانے پر کھڑے رہے تو پھر اس کی ضرورت ہی باقی نہ رہے گی کہ یہ لوگ مجھے تلاش کر کریں اور موت کے گھاٹ اتار دیں۔کچھ دیر میں یہیں اور اسی حالت میں میرا دم گھٹ جائے گا۔میں نے بے چینی سے گردن کو خفیف سی جنبش دی اور کن انکھیوں سے پیڈی کو دیکھا وہ اس طرح ساکت بیٹھا تھا گویا سنگی بت ہو۔خود میں بھی اپنے جسم کو کسی قسم کی حرکت نہیں دے رہا تھا۔نہ ہی اکڑی ہوئی ٹانگوں پر پھیلا سکتا تھا کہ اس طرح آوازیں ہوتیں اور وہ لوگ سن لیتے۔پتا نہیں کتنی دیر گزر گئی اور نہ جانے ہم کتنی دیر تک خوف و دہشت، امید و نا امید اور اضطراب و تذبذب کے بھنور میں ڈوبتے ابھرتے رہے پھر آخر کار سونیا کی آواز سنائی دی۔وہ چلنے کے لیے کہہ رہی تھی پھر ہم نے قدموں کی آوازیں سنیں۔غار کا دہانا ایک بار پھر روشن ہو گیا اور میں نے معاً اس طرح گہری گہری سانسیں لینا شروع کیں، جیسے میرے جسم پر رکھا ہوا ہزاروں من وزنی بوجھ دفعتاً ہٹ گیا ہو۔

☆☆☆

پیڈی کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور جب اس نے سگریٹ جلانے کی کوشش کی تو اس کے ہونٹ بھی تھرتھرا رہے تھے۔خود میری حالت بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔یہ دراصل سونیا اور گومز وغیرہ کے چلے جانے کا ردعمل تھا کہ ہمارے اعصاب کشیدہ ہو کر رہ گئے تھے اور ذہن اس حقیقت کو قبول کرنے میں شامل تھا کہ سر پر آئی ہوئی بلا ٹل گئی ہے۔آدمی پھانسی کے تختے پر چڑھ کر ہی نہیں، پھانسی کے تختے سے اتر کر بھی نیم جان ہو جاتا ہے۔اس وقت مجھے یہ دھیان بھی آیا کہ غار میں داخل ہونے پر اگر پیڈی نے قدموں کے نشان مٹانہ دیے ہوتے تو ہمارا بچنا یقیناً ممکن نہ ہوتا مگر پیڈی نے نشان مٹا دیے تھے۔میں نے پیڈی سے کہا۔
''تمہیں نشانات مٹانے کا خیال کیوں آیا تھا؟''
''محض اتفاق تھا۔'' پیڈی نے دھیرے سے کہا''یونہی خیال آ گیا تھا کہ نشانات مٹا دینے چاہئیں تا کہ یہ پتا نہ چلے کہ غار میں کوئی گیا ہے۔''
پھر ہم دونوں چپ ہو گئے اور دھیرے دھیرے سگریٹ پیتے رہے۔یہ دراصل اپنے حواس بحال کرنے کی ایک لاشعوری کوشش تھی۔کچھ دیر بعد میں نے کہا''پیڈی بلا تو خیر ٹل گئی ہے اب تم مجھے آگے کے واقعات بتاؤ۔''
پیڈی نے میری طرف گردن گھمائی۔اس کا چہرہ ابھی تک پھیلا ہو رہا تھا۔شاید اس کے اعصاب کچھ زیادہ ہی کشیدہ ہو گئے تھے۔اس نے ہاتھ بڑھا کر چھاگل اٹھائی۔ایک گھونٹ بھرا، پھر بولا''ماسٹر پانی بہت تھوڑا رہ گیا

ہے جب یہ ختم ہو جائے گا تب ہم کیا کریں گے؟''

''تب کی تب دیکھی جائے گی۔'' میں نے چڑ کر کہا ''تم مجھے سوسائٹی کے بارے میں بتاؤ؟''

''ٹھیک ہے.....'' پیڈی نے سر ہلایا ''میں کیا بتا رہا تھا؟''

''تم کہہ رہے تھے کہ لارڈ رے وغیرہ مصر روانہ ہو گئے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''اوہ..... ہاں۔'' پیڈی نے آہستہ سے کہا اور چند ساعت غور کرتا رہا۔ جیسے اپنے ذہن میں واقعات کی کڑیاں جوڑ رہا ہو پھر اس نے کہنا شروع کیا۔ ''ان لوگوں کا مصر جانا نہایت ضروری تھا۔ تاکہ ارفینا کے مدفن میں رکھی ہوئی اشیا لندن لا سکیں۔ وہ اشیا ہر اعتبار سے ایمن سوسائٹی کے مشن کے لیے ضروری تھیں۔ خیر تو وہ تینوں مصر گئے اور کئی دن تک صحرا میں بھٹکتے رہے۔ کیونکہ ڈاکٹر نیفا کو بالکل یاد نہیں تھا کہ وہ غار کس جگہ ہے۔ صحرا میں راستے نہیں ہوتے۔ نہ ہی ڈاکٹر نیفا نے غار کی بازیافت کے لیے نشانیاں مقرر کی تھیں۔ اسے اس بات کا ہوش ہی کہاں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسے غار کے محل وقوع کے بارے میں کچھ بھی یاد نہیں تھا اور اسی بنا پر انہیں کئی دن تک صحرا میں پا پیادہ بھٹکنا پڑا مگر اس بار انہوں نے بھوک اور پیاس کا سامنا نہیں کیا کیونکہ ان کے پاس کھانے پینے کی اشیا موجود تھیں۔ اگر وہ غار نہیں ملتا تو ممکن ہے آج صورت حال مختلف ہوتی مگر ہونی ہو کر رہتی ہے۔ چنانچہ وہ غار بھی آخر کار انہیں مل گیا۔ دراصل پروفیسر ریمزے کو وہ جگہ مل گئی تھی۔ جہاں اس نے ڈاکٹر نیفا کو ریت میں دبا ہوا پایا تھا۔ ارفینا کا مدفن وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ انہوں نے تھوڑی سی جستجو کے بعد اسے تلاش کر لیا اور پھر تقریباً تمام اشیا لندن لے آئے۔ مجھے علم نہیں کہ وہ اس میں کیوں کر کامیاب ہوئے تھے مگر یہ سچ ہے کہ مصر اور لندن کے محکمہ کسٹم کو ان اشیا کے متعلق کچھ بھی پتا نہیں چلا تھا اور آج بھی پوری دنیا ان اشیا کی دریافت سے لاعلم ہے۔ میں آپ کو ان اشیا کی مختصر تفصیل بتا چکا ہوں۔ ان میں طوطنخ آمن کا ایک چھوٹا مجسمہ بھی تھا۔ آپ نے ایمن سوسائٹی رے پیلس اور دوسرے مقامات پر طوطنخ آمن کا مجسمہ دیکھا تھا۔ وہ دراصل اسی چھوٹے مجسمہ کی نقل ہے۔ جو لاکٹ سوسائٹی کے ممبر پہنتے ہیں۔ وہ بھی ایک اصل لاکٹ کی نقل ہیں۔ جو ارفینا کی ممی کے گلے میں پڑا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ دوسری چیزیں مثلاً انگوٹھی، تاج، کڑے اور ملبوسات وغیرہ بھی ارفینا کے مدفن سے پائی جانے والی اشیا کی بنیاد پر تیار کیے گئے تھے۔ لارڈ رے نے سارے اصلی نوادرات ایمن سوسائٹی کے تہہ خانے میں محفوظ کیے ہیں۔ جہاں لارڈ رے، ڈاکٹر نیفا اور باربرا کے سوا کسی کو بھی جانے کی اجازت نہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ بھی وہاں نہیں گئے ہوں گے۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔'' میں نے گردن ہلائی ''میں وہاں نہیں گیا تھا مگر یہ بات عجیب ہے بحیثیت عمن عونس میری اہمیت تو سب سے زیادہ ہے پھر وہ اشیا مجھے کیوں نہیں دکھائی گئیں۔''

''اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ابھی وہ لوگ آپ پر پورا اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔''

میں نے گردن ہلائی ''شاید ایسا ہی ہو۔'' پھر میں نے پوچھا ''مگر ارفینا کی ممی کا کیا ہوا۔ کیا وہ لوگ اسے لندن نہیں لائے تھے۔''

''نہیں۔'' پیڈی نے جواب دیا ''ارفینا کی ممی کو لندن لانا ممکن نہیں تھا۔ اسمگل تو وہ لوگ شاید کر سکتے تھے مگر پروفیسر ریمزے کے بیان کے مطابق ارفینا کی ممی اتنی خستہ حالت میں تھی کہ اسے غار سے نکالنا قطعی غلط ہوتا اور

ممی ضائع ہو جاتی۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ممی اب بھی اسی ریگستان میں موجود ہے۔"

"ہاں۔" پیڈی نے کہا "وہ اب بھی اسی صحرا میں کسی جگہ موجود ہے۔ پروفیسر ریمزے نے بتایا تھا کہ انہوں نے ساری اشیا نکالنے کے بعد غار کا دہانہ بند کر دیا تھا اور سرنگ کے دہانے پر بھی مٹی کے بڑے بڑے تودے اور جھاڑیاں جمع کر دی تھیں۔

"مگر یہ تو اور بھی تعجب کی بات ہے۔" میں نے اعتراض کیا "تم کہتے ہو کہ اس واقعے کو کئی سال گزر گئے ہیں مگر آج تک ارفینا کی ممی پھر دریافت نہیں ہوئی۔ حالانکہ دنیا کے اکثر ممالک کے ماہرین آج بھی مصری آثار کی کھوج میں لگے رہتے ہیں اور آئے دن نئے نئے انکشافات ہوتے ہیں اور نئی ممیاں دریافت کی جاتی ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ارفینا کی ممی کسی نے دریافت نہیں کی۔"

پیڈی نے سر کو جنبش دی "میں آپ سے متفق ہوں۔ یہ واقعی تعجب کی بات ہے مگر میرے خیال میں اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ارفینا کی ممی مصری آثار اور بادشاہوں کی وادی سے بہت دور ویرانے میں دفن ہے۔ جہاں عام طور پر کسی آثار کے ہونے کا کوئی امکان نہیں اور اسی بنا پر ماہر آج تک وہاں نہیں پہنچ سکے۔ اگر وہاں کچھ اور آثار بھی ہوتے تو ارفینا کی ممی بھی اب تک یقیناً دریافت ہو چکی ہوتی۔"

"ہاں۔ میرا خیال ہے کہ یہی وجہ ہوگی۔" میں نے اتفاق کیا۔

پیڈی نے چند لمحے سکوت کے بعد پھر سلسلۂ کلام کو آگے بڑھایا "خیر تو مصر سے واپسی کے بعد ایمن سوسائٹی قائم کر دی گئی اور رفتہ رفتہ ممبر بھی بننے لگے۔ میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے کارسن اور اس کے بعد باربرا بنے تھے مگر ممبر سازی کی تفصیل میں جانے کے بجائے میں پہلے کتاب ارفینا کا ذکر کروں گا۔ یہ بڑی عجیب و غریب کتاب ہے۔ ایک بار پروفیسر ریمزے نے مجھے یہ کتاب دکھائی تھی۔ میں خود قدیم مصری زبان نہیں پڑھ سکتا۔ پروفیسر رمزے نے اس کے پہلے دو پیراگراف کا ترجمہ سنایا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر وہ دو پیرے اس کتاب میں نہ ہوتے تو شاید ایمن سوسائٹی کبھی قائم نہ ہوتی۔ مجھے وہ ترجمہ یاد تو نہیں مگر اس کا مطلب جو کچھ تھا وہ یہ تھا کہ....." میں ارفینا ہوں اور میں نے یہ کتاب اسائرس اور اخن عاتن اور ایمن کے ایما پر لکھی ہے اور میں اعلان کرتا ہوں کہ اب سے ساڑھے تین ہزار سال بعد طوطنخ آمن اس دنیا میں واپس آئے گا۔ کیونکہ اسائرس کی منشا یہی ہے۔ میں ارفینا کہ طوطنخ آمن کا شاہی پجاری ہوں، مر جاؤں گا اور صحرا میں دفن ہو جاؤں گا اور میری بیٹی افریٹی جو طوطنخ آمن کی داسی اور محبوبہ ہے۔ میرے مدفن کی حفاظت کرے گی۔ حتیٰ کہ ساڑھے تین ہزار سال کا عرصہ گزر جائے گا پھر صحرا میں ایک شخص وارد ہوگا۔ وہ بھوکا اور پیاسا ہوگا اور راستہ بھول چکا ہوگا اس شخص کو ستارہ شناسی اور انسانوں کو محکوم بنانے پر کمال حاصل ہوگا اور وہ شخص دراصل نیفا ہوگا۔ وہ مجھ سے پہلے شاہی پجاری کے منصب پر فائز تھا۔ وہ شخص میرا مدفن دریافت کر لے گا پھر وہ ریت کی چادر اوڑھ لے گا اور تب ایک اور شخص آئے گا جو پہلے شخص کی جان بچائے گا اور پھر وہ دونوں مغرب کی طرف جائیں گے اور اس شخص سے ملیں گے جو مخلول اور زرد جواہر کا مالک ہوگا اور وہ شخص دراصل رع کا نیا روپ ہوگا۔"

اتنا کہہ کر پیڈی یکا یک چپ ہو گیا۔ میں نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر غیر یقینی لہجے میں کہا "کیا واقعی ایسا ہی

لکھا تھا۔"

"ہاں، بدقسمتی یہی ہے۔" پیڈی نے سر ہلایا۔ ماسٹر مجھے زیادہ وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ خود بھی جانتے ہیں کہ اتفاقات کی کیا اہمیت سے انکار ممکن ہے۔ اس دنیا میں بے شمار واقعات نہ ہوئے ہوتے، اگر اتفاقات نے ان کے وقوع پذیر ہونے کا جواز پیدا نہ کیا ہوتا۔ چنانچہ ایک باشعور اور ذی ہوش آدمی کے نکتہ نظر سے یہ اتفاق ہی تھا کہ ارفینا کا غار جب ڈاکٹر نیفا نے دریافت کیا تو وہ تنہا تھا نیز یہ کہ اسے علم نجوم اور ہپناٹزم میں زبردست مہارت بھی حاصل تھی پھر وہ نقاہت اور بیماری کی وجہ سے چلنے کے قابل بھی نہ رہا تو ہوا نے ریت سے اس کے جسم کو ڈھک دیا۔ اس کے بعد پروفیسر ریمزے نے اسے بچایا۔ اتفاق سے وہ بھی اکیلا تھا پھر وہ دونوں مغرب کی طرف یعنی لندن گئے جہاں وہ لارڈ رے سے ملے جو محلوں اور جواہر کا مالک تھا۔ یعنی بہت دولت مند تھا۔ یہ تو پہلے پیرے کی تفصیل تھی۔ اب دوسرے پیرے کی طرف آیئے۔ دوسرے پیراگراف میں وقت اور ساعت کے بارے میں تفصیل درج تھی۔ ڈاکٹر نیفا نے فوراً ستاروں کی چال کا حساب لگایا اور تب اس پر انکشاف ہوا کہ وہ ساعت کچھ عرصے بعد آنے والی ہے۔ جس کا ذکر پیش گوئی میں ہے۔ اب یہ اتفاقات کا ستم ہے کہ ساری باتیں تقریباً اسی طرح ظہور میں آئیں۔ جس طرح کتاب کے پہلے دو پیروں میں درج تھیں۔ لہٰذا ڈاکٹر نیفا کو، جو ایک طرف تو پہلے ہی مصریات کے جنون میں مبتلا تھا اور دوسری طرف بھوک، پیاس اور بیماری کے باعث ذہنی اختلال کا شکار تھا۔ فوراً یقین ہو گیا کہ پیش گوئی سچ ہے اور ضرور پوری ہو گی اور یہ کہ پیش گوئی کی تکمیل کے لیے لارڈ رے ہی کو منتخب کیا گیا ہے۔ مزید اتفاق یہ ہوا کہ کتاب ارفینا میں مختلف فراعین، دوسرے شاہی افراد اور چند ایک شاہی پجاریوں کے ہاتھوں کی لکیروں کے نقشے بھی درج تھے۔ ان میں رع کی لکیروں کا نقشہ بھی تھا جو اتفاق سے لارڈ رے کے ہاتھوں سے مل گیا تھا۔ کم از کم لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفا کا یہی بیان ہے۔ میں خود یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ایک اور نقشہ عمن عونس دوئم کے ہاتھ کا تھا۔ اس نقشے کی تصدیق کسی حد تک ایک اور کتاب سے ہوئی۔ جو کافی مدت قبل کسی نجومی نے لکھی تھی۔ اب وہ کتاب کبھی نہیں ملتی۔ صرف کچھ نجومیوں کے پاس مل جاتی ہے۔ اس کا ایک نسخہ ڈاکٹر نیفا کے پاس بھی تھا۔ اس میں عمن عونس دوئم کے ہاتھ جا جو نقشہ تھا وہ کافی حد تک ویسا ہی تھا جیسا کتاب ارفینا میں تھا اور ماسٹر میں سمجھتا ہوں کہ ساری بدقسمتی یہی ہے کہ آپ کے ہاتھ کی لکیریں بھی شاید اس نقشے سے کلی یا جزوی طور پر مماثلت رکھتی ہیں۔ اسی بنا پر انہوں نے آپ کو عمن عونس سمجھ لیا۔ اگر یہ سارے واقعات کسی اور رنگ میں پیش آئے ہوتے یعنی یہ کہ اگر ڈاکٹر نیفا کے ساتھ دو چار آدمی اور بھی ہوتے یا پیش گوئی کا وقت گزارنے کے بعد ارفینا کا مدفن دریافت ہوا ہوتا تو پھر صورتحال مختلف ہوتی مگر اتفاق سے ساری باتیں اسی طرح ہوئیں جس طرح کتاب میں درج تھیں۔ لہٰذا لارڈ رے وغیرہ کو یقین ہو گیا کہ وہ پیش گوئی صحیح ہے اور انہوں نے ایمن سوسائٹی قائم کر دی۔

میں نے یکا یک ہاتھ ہلا کر کہا "تمہاری باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ اتفاقات ناگزیر ہوتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ انہیں میرے متعلق کیونکر علم ہوا تھا؟"

"مجھے علم نہیں۔" پیڈی نے کہا "لیکن میرا خیال ہے کہ آپ پیرس میں کسی نجومی کے پاس گئے تھے۔"

"ہاں..... تمہیں کیوں کر پتا چلا۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔

''صرف میرا اندازہ ہے۔'' پیڈی نے جواب دیا ''لیکن اتنا مجھے معلوم ہے کہ جب آپ لندن آئے تھے تبھی سے آپ کی نگرانی کی جارہی تھی۔ دراصل یورپ کے بڑے بڑے شہروں میں کچھ اہم نجومی ہیں۔ ان میں چند ایک سوسائٹی کے ممبر ہیں اور جو نہیں ہیں ان سے بھی سوسائٹی کا رابطہ قائم رہتا ہے۔ لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفا نے ان لوگوں سے کہہ رکھا تھا کہ جب بھی کوئی ایشیائی نوجوان ان کی نظروں سے گزرے جس کی ہاتھ کی لکیریں عمن عونس کے نقشے سے مطابقت رکھتی ہوں اور اس کی ذات کے ساتھ دوسری علامتیں بھی موجود ہوں تو وہ فوراً لارڈ رے کو مطلع کردیں۔ اس خدمت کے عوض لارڈ رے نے بھاری رقم پیش کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ چونکہ آپ کی آمد سے قبل ایک شخص کو پیرس بھیجا گیا تھا۔ اس لیے میرا اندازہ ہے کہ آپ اس نجومی کے پاس گئے ہوں گے اور اسی نے لارڈ رے کو مطلع کیا ہوگا پھر آپ کے لندن آتے ہی آپ کی نگرانی شروع کردی گئی اور جب انہیں اطمینان ہوگیا کہ آپ کی شخصیت پیش گوئی کے عین مطابق ہے تو بار برا کے ذریعے آپ سے رابطہ و تعلق قائم کیا گیا۔

میں نے ایک اور سگریٹ جلائی اور بے چینی سے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ پیڈی نے جو کچھ بیان کیا تھا اس سے اگرچہ ان گنت ''کیوں اور کیسے'' کی وضاحت ہوگئی تھی۔ تاہم اس کی بیان کردہ کہانی اتنی انوکھی اور غیر عقلی تھی کہ میں مزید اضطراب کا شکار ہوگیا۔ متعدد معاملات بدستور میرے ذہن میں کچوکوں کی طرح کلبلا رہے تھے۔ جشن ایمن، شادی کی رسوم، سڈنی اور جوڈی کا قتل اور ویرا ہمشائر وغیرہ مگر میں نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ انتظار کرتا رہا حتیٰ کہ پیڈی نے خود ہی سلسلۂ کلام کو آگے بڑھایا۔

''ماسٹر مجھے اکثر باتیں معلوم ہیں لیکن جو کچھ علم میں ہے وہ ضرور بیان کروں گا۔ پروفیسر ریمزے کا بیان تھا کہ لارڈ رے، ڈاکٹر نیفا اور خود پروفیسر ریمزے سوسائٹی کے اولین ممبر تھے۔ اس کے بعد کارسن اور بار برا ممبر بنے پھر جیسے انہیں اپنے مطلب کے افراد ملتے گئے۔ ممبروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ ماسٹر آپ نے پوچھا تھا کہ سوسائٹی میں جو لوگ ہیں وہ پڑھے لکھے، ذہین اور صحت مند لوگ ہیں۔ آخر وہ سب کیوں سوسائٹی کے اغراض و مقاصد میں یقین رکھتے ہیں۔ آپ کا تعاقب کرنا بجا ہے لیکن میں آپ کو اس کا پس منظر بتاتا ہوں جیسا کہ میں نے بیان کیا کہ ڈاکٹر نیفا کو ہپناٹزم میں زبردست مہارت حاصل ہے۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہنے پر تیار ہوں کہ دنیا کا کوئی بھی ہپناٹسٹ ڈاکٹر نیفا کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ ڈاکٹر نیفا کا کمال یہ ہے کہ وہ کسی بھی فرد کو طویل عرصے کے لیے اور بعض اوقات زندگی بھر کے لیے ٹرانس میں لاکر اپنے تابع فرمان بنا سکتا تھا۔ ساتھ ہی وہ بڑی آسانی سے کسی بھی عورت یا مرد کی ذہنی افتاد کو بدل سکتا ہے۔ ایک شریف، نیک اور پاک باز عورت کو آوارہ اور عیاش بنا دینا اس کے لیے مشکل نہیں۔ اسی طرح ایک متقی اور پرہیزگار مرد کے احساسات و خیالات کو وہ بہت آسانی سے بدل سکتا ہے۔'' اتنا کہہ کر پیڈی نے یکایک دوسری طرف دیکھا اور پوچھا ''ماسٹر میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ آپ ایمن مینشن گئے تھے یا نہیں.....؟''

''ہاں.....ہاں.....'' میں نے تعجب سے گردن ہلائی۔

پیڈی نے کہا ''ٹھیک ہے، سبھی کو جانا پڑتا ہے۔ وہاں ڈاکٹر نیفا سے ملاقات ہوتی ہے اور وہ انہیں ہپناٹزم کرتا ہے۔ چنانچہ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ پڑھے لکھے، ذہین اور صحت مند لوگ سوسائٹی کے ممبر کیوں ہیں۔

دراصل یہ سب کے سب ہپناٹزم کے زیر اثر ہیں۔ یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں اور طوطخ آمن اور عمن عونس کے متعلق جو اعتقادات پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ سب ہپناٹزم کی بدولت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے ذہن سے نہیں سوچتے بلکہ ڈاکٹر نیفا کے ذہن سے سوچتے ہیں۔ سوسائٹی کے ممبروں کی تعداد میں اسی طرح اضافہ ہوگا کہ جب بھی انہیں کوئی اپنے مطلب کا آدمی ملا۔ اسے ایمن مینشن لے گئے اور جب وہ واپس ہوا تو ذہنی طور پر مختلف آدمی بن کر، سوسائٹی میں خوبصورت عورتوں کی تعداد بہت ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ لارڈ رے خود بھی خوبصورت عورت کا شیدائی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان عورتوں کو بہر طور عمن عونس کی کنیزیں بننا تھا۔ اسی لیے اُن کا خوبصورت اور جوان ہونا ضروری تھا۔ انگلینڈ کے بعد قاہرہ میں سوسائٹی کی شاخیں بھی قائم ہوئی۔ اتفاق سے انہیں وہاں بنجامن مل گیا تھا۔ وہ بالکل ویسا ہی آدمی تھا جیسا انہیں درکار تھا پھر یورپ کے دوسرے شہروں میں بھی شاخیں قائم کی گئیں۔ ان شہروں میں کئی نجومیوں نے جو ہپناٹزم میں بھی مہارت رکھتے تھے اور سوسائٹی کے ممبر ہیں۔ ممبر سازی میں ڈاکٹر نیفا اور لارڈ رے کی مدد کی پھر ایمن ٹمپل قائم ہوا اور.....''

پیڈی کہتا رہا۔ اس کی سرسراتی ہوئی مدھم آواز غار کی محدود فضا میں گونجتی رہی اور میری آنکھوں کے سامنے فلم چلتی رہی۔ مجھے وہ وقت یاد آیا جب بار بار مجھے ایمن مینشن لے گئی تھی اور پھر مجھے ایک ہال میں ڈاکٹر نیفا کے ساتھ تنہا چھوڑ کر خود عمارت کے کسی اور حصے میں چلی گئی تھی۔ مجھے یاد آیا کہ میں نے ایک مشروب پیا تھا اور پھر مجھ پر غنودگی طاری ہوگئی تھی۔ اس وقت ڈاکٹر نیفا میری آنکھوں کے سامنے ایک لاکٹ ہلا رہا تھا اور کچھ کہہ رہا تھا پھر مجھ پر ایک گہری نشاط انگیز نیند طاری ہوگئی تھی اور میں نے ایک سپنا دیکھا تھا۔ اس سپنے میں، میں نے عمن عونس دوئم کو دیکھا تھا اور اس سے باتیں کی تھیں مگر درحقیقت وہ سپنا نہیں تھا بلکہ ڈاکٹر نیفا مجھے ہپناٹز کر رہا تھا اور میں اس کی زبان سے ادا ہونے والی باتوں کو خواب میں تصویروں کی طرح دیکھ رہا تھا۔ گویا اس وقت ڈاکٹر نیفا میرے ذہن میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں ریاض عالم راجو نہیں بلکہ عمن عونس ہوں۔ یکا یک میں نے زور سے کنپٹی کھجائی اور حیران ہو کر سوچا کہ آخر پھر ایسا ہوا کیوں نہیں۔ میں نے خود کو عمن عونس کیوں نہیں سمجھا اور طوطخ آمن کی واپسی کی پیش گوئی پر مجھے یقین کیوں نہیں آیا۔ میں تو اب بھی اپنے آپ کو ریاض عالم ہی سمجھتا ہوں۔ میں نے یکا یک پیڈی سے کہا۔

''کیا تم بھی ایمن مینشن گئے تھے۔''

''ہاں.....''

''تو پھر تمہارے اوپر ہپناٹزم کا اثر کیوں نہیں ہوا؟''

پیڈی دفعتاً ہنسنے لگا۔ ''اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ٹرانس میں آنے سے پہلے ہی سو گیا تھا یعنی سچ مچ مجھے نیند آ گئی تھی اور میں ہپناٹائز نہیں ہو سکا تھا۔ بعد ازاں جب ڈاکٹر نیفا نے مجھے بیدار کیا تھا تو ساری بات میری سمجھ میں آ گئی تھی مگر میں نے اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ ضرورت بھی کیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ سوسائٹی کا ممبر بننے کے بعد مجھے کیا سہولت اور آسائشیں حاصل ہوں گی۔ لہٰذا میں نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے پتا چلتا کہ میں ڈاکٹر نیفا کا تابع فرمان نہیں ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے گردن ہلائی ''لیکن سوال یہ ہے کہ میرے ٹرانس میں نہ آنے کی کیا وجہ ہے.....؟''

''اس ضمن میں یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے۔'' پیڈی نے جواب دیا ''ہوسکتا ہے کہ آپ کو بھی نیند آ گئی ہو اس کے علاوہ ایک دوسری وجہ بھی ہوسکتی ہے اور وہ یہ کہ بعض افراد کی دماغی اور اعصابی ساخت ایسی ہوتی کہ وہ کبھی بھی ہپناٹز نہیں کیے جاسکتے۔ ممکن ہے آپ بھی ایسے ہی افراد میں سے ہوں۔''

میں نے سر کو آہستہ سے اثبات میں جنبش دی۔ پیڈی کا کہنا ٹھیک ہے۔ ہپناٹزم کے بارے میں جو معلومات مجھے حاصل تھیں ان کے مطابق بعض افراد یا تو ہپناٹزم کیے نہیں جاسکتے اور اگر وہ ٹرانس میں آ بھی جائیں تو بہت مختصر وقفے کے لیے۔ میرے بارے میں غالباً یہ دوسری ہی بات درست تھی۔ میں نے سر کو ہلا کر کہا ''پیڈی میرے ذہن میں بہت الجھنیں تھیں۔ ان گنت سوالات تھے مگر تمہارے بیان کے بعد ایمن سوسائٹی کے قیام کا پس منظر مجھ پر واضح ہوگیا۔ گو کہ میں اب بھی ان تمام باتوں کو خرافات ہی سمجھتا ہوں اور اس بات کو ماننے سے انکار کرتا ہوں کہ میں عمن عونس دوئم ہوں اور یہ کہ طوطنخ آمن اس دنیا میں واپس آئے گا لیکن چند ایک باتیں اور بھی جو مجھے پریشان کرتی ہیں۔ مثلاً سڈنی اور جوڈی کا قتل اور ان کی موت کا الزام میرے سر پر تھوپنا اور پھر جشن ایمن میں لہو کی رسم وغیرہ۔ کیا یہ باتیں بھی کتاب ارفینا میں درج ہیں.....''

پیڈی نے کچھ کہنے سے پہلے چہرے پر ہاتھ پھیرا پھر گردن جھکا کر غار کے دہانے سے باہر جھانکا ''ہاں۔'' آخر کار اس نے پہلو بدلتے ہوئے کہا ''یہ سب کچھ بھی چمڑے کے ان ٹکڑوں پر یا شاید دوسری کتاب میں جو ارفینا کے مدفن سے ملی تھیں۔ درج تھا مگر کچھ ایسی باتیں بھی ہوئی ہیں جو ان کے منصوبے یا پیش گوئی کا حصہ نہیں تھیں۔ مجھے اس سلسلے میں کچھ زیادہ تفصیل نہیں معلوم ہے لیکن اتنا علم ہے کہ کتاب میں ایک ایسے آدمی کا ذکر تھا جس نے طوطنخ آمن کو مارنے کی کوشش کی تھی۔ ارفینا نے لکھا تھا کہ طوطنخ آمن کی دنیا میں دوبارہ آمد سے قبل اس شخص کا عمن عونس کے ہاتھوں مرنا ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ازاں بعد یہ شخص پھر طوطنخ آمن کو ہلاک کرنے کی کوشش کرے گا۔ کتاب میں شاید یہ بھی لکھا تھا کہ یہ شخص عمن وعونس کے سامنے ڈوب کر مرے گا پھر ارفینا نے اس شخص سے متعلق کچھ علامتیں اور خصوصیات درج کی تھیں۔ اب یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ اتفاق سے سڈنی کے ساتھ وہ تمام علامتیں موجود تھیں جن کا ذکر کتاب میں تھا۔ چنانچہ لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفا کے نقطۂ نظر سے سڈنی کا مرنا گویا طے ہو چکا تھا۔ اگر انتظار تھا تو صرف آپ کا۔ ویسے بھی سڈنی سے چھٹکارا حاصل کرنا بہت ضروری تھا کیونکہ اس کی بعض ساتھی لڑکیاں اور دو ایک مرد پچھلے کچھ عرصے میں ایمن سوسائٹی میں شامل ہوئے تھے اور اسے سوسائٹی کے بارے میں کچھ باتیں بھی معلوم تھیں۔ ان وجوہ سے اس کا مرنا بہت ضروری تھا.....''

''گویا وہ بے چارہ بلاوجہ مارا گیا.....'' میں نے کہا۔

پیڈی نے گردن ہلائی ''ہاں، وہ مجرمانہ مزاج کا آدمی تھا۔ اسمگلنگ اور دوسرے ناجائز دھندے کرتا تھا مگر اس کو سزا دینا عدالت کا کام تھا۔ ایمن سوسائٹی کا نہیں جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے۔ پہلے لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفا کا ارادہ تھا کہ کسی وقت ایسے حالات پیدا کر دیے جائیں گے کہ سڈنی آپ کی آنکھوں کے سامنے دریا، سمندر یا کسی سوئمنگ پول میں ڈوب کر مر جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ باربرا کی وجہ سے آپ کے اور سڈنی کے درمیان مخاصمت پیدا ہوئی۔ ''ہاٹ لپس'' میں جھگڑا ہوا اور اس کے بعد جو حالات پیدا ہوئے ان کا پیش گوئی یا ڈاکٹر نیفا کے منصوبے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ سارے واقعات اتفاق سے خود بخود وقوع پذیر ہوئے اور پھر یہ بھی

اتفاق کی ستم ظریفی ہے کہ سڈنی آپ کے سامنے ڈرم میں ڈوب کر مر گیا۔ آپ نے پوچھا ہے کہ جوڈی وغیرہ کے قتل کا الزام آپ کے سر کیوں تھوپا گیا۔ وجہ سیدھی سادی ہے۔ ڈاکٹر نیفا کا کہنا تھا کہ آپ قدرے ''باغیانہ فطرت'' کے مالک ہیں اور آسانی سے سوسائٹی کے مقاصد پر عمل پیرا ہونے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ آپ کو ہپناٹز کرنے کے باوجود ڈاکٹر نیفا کو پورا اطمینان نہیں تھا۔ لہٰذا آپ کو مجرم بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ ساری زندگی جیل میں گزارنے سے کہیں بہتر تھا کہ آپ سوسائٹی کے مقاصد کو مان لیں۔ رابن کے ساتھ بھی یہی المیہ ہوا۔ اسے سوسائٹی کے متعلق چند اہم باتیں معلوم ہو گئی تھیں۔ وہ ایک راست باز اور حق گو آدمی تھا۔ اس نے اپنی بہن سونیا کو بھی سوسائٹی سے دور رہنے کی بارہا تلقین کی تھی۔ چنانچہ جب لارڈرے کو معلوم ہوا کہ رابن نے آپ سے ملاقات کی ہے تو اسے ختم کر دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ مجھے یہ تو علم نہیں کہ اسے کس نے مارا لیکن اس کی لاش ڈکی میں اس لیے رکھی گئی تھی کہ اس کے قتل کا الزام آپ کے سر آئے۔''

میں نے یکا یک آنکھیں بند کر لیں۔ یکا یک میرا دل ڈوبنے لگا تھا۔ مجھے افسوس ہوا، کاش پیڈی نے یہ ساری باتیں مجھے نہ بتائی ہوتیں۔ یہ احساس بڑا جاں سوز تھا کہ سڈنی اور رابن وغیرہ محض میری وجہ سے مارے گئے تھے۔ میں قاتل ہوتے ہوئے بھی اس وقت خود کو مجرم محسوس کر رہا تھا۔ ان بے گناہ انسانوں کا خون میری گردن پر ہے۔ اگر میں کم بخت نامراد لندن نہ آیا ہوتا۔ تو شاید وہ لوگ زندہ ہوتے، میں نے یکا یک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''اور جوڈی۔''

پیڈی تھوڑی دیر چپ رہا اور سوچتا رہا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا۔ جیسے وہ خود بھی ان باتوں کے ذکر سے پشیمان سا ہو گیا ہے۔ کیونکہ بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر وہ خود بھی بہرحال ان سرگرمیوں میں ملوث تھا۔ قدرے توقف کے بعد آخر کار اس نے کہا ''جوڈی کے بارے میں مجھے کچھ علم نہیں۔ صرف چند بار اسے دیکھا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اچھی لڑکی تھی مگر اس کی بدقسمتی یہ تھی کہ وہ سڈنی کے ہتھے چڑھ گئی تھی اور سڈنی اسے شاید جبراً اپنے برے دھندوں میں استعمال کرنے لگا تھا۔ جب سڈنی سے اس کا جھگڑا ہوا تھا۔ تب ہی جوڈی کو قتل کر دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا مگر اس کی موت کی ذمہ داری آپ کے سر تھوپنے کا کوئی خیال نہ تھا۔ بلکہ منصوبہ یہ تھا کہ اس کا قتل سڈنی کے اوپر عائد کیا جائے گا اور پھر ایسے حالات پیدا کیے جائیں گے کہ وہ وہی کچھ کرے جو لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا چاہیں مگر بدقسمتی سے جوڈی کی موت کے فوراً بعد آپ اس کے فلیٹ پر پہنچے۔ چنانچہ منصوبے میں فوری طور پر تبدیلی کی گئی اور پینی کے ذریعے آپ کے خلاف بیان دلوایا گیا۔ اس طرح سڈنی کے ساتھ ساتھ آپ بھی مجرم بن گئے۔ دوسری طرف پینی نے آپ کو یہ بتایا کہ اسے سڈنی نے دھمکا کر آپ کے خلاف بیان دلوایا ہے۔ چنانچہ آپ سڈنی کی تلاش میں لگ گئے۔ تاکہ اپنی بے گناہی ثابت کر سکیں۔ سڈنی کو اس پوری سازش کا کسی حد تک اندازہ تھا مگر وہ ثابت نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی وہ آپ کے خیالات بدل سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرا کوئی راستہ نہ پا کر وہ ونڈسر کے گودام میں چھپ گیا۔'' اتنا کہہ کر پیڈی نے گردم گھمائی اور پوچھا ''غالباً، جوڈی نے آپ کو کوئی خط لکھا تھا؟''

''ہاں۔''

''بے چاری۔'' پیڈی نے طویل سانس لی ''شاید اس نے آپ سے مدد طلب کی ہوگی۔ ممکن ہے کہ وہ آپ کو سڈنی کے متعلق کچھ بتاتی اور یہ بھی ہوسکتا تھا کہ ایمن سوسائٹی کے بارے میں کوئی بات بتاتی۔ کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ اسے بھی سڈنی کی وساطت سے یا کسی اور ذریعے سے کچھ باتیں معلوم ہوگئی ہوں مگر اس کو اس کا موقع نہیں ملا کہ آپ کو خبردار کرسکتی۔ بدقسمتی جب گھیرتی ہے تو چاروں طرف سے گھیرتی ہے۔''

پیڈی ٹھیک کہتا تھا۔ بدقسمتی جب گھیرتی ہے تو ہر طرف سے گھیرتی ہے۔ دائیں بائیں، اوپر نیچے، ہر طرف سے گھیرتی ہے۔ تڑ سا تڑ سا کر اور تڑ پا تڑ پا کر اور سسکا سسکا کر آدمی کو مارتی ہے۔ سارے راستے مسدود کردیتی ہے۔ تمام سہارے توڑ دیتی ہے اور ساری امیدوں کو ذبح کردیتی ہے۔ بے چاری جوڈی، اگر بدقسمتی سے اس کے راستے کی دیوار بنی ہوتی تو میں وقت پر پہنچ گیا ہوتا اور اس کی جان بچ جاتی۔ غار کے اندر گہری خاموشی طاری تھی۔ میں چپ چاپ بیٹھا تھا اور میری آنکھوں کے سامنے وہ سارا منظر فلم کی طرح چل رہا تھا۔ میں جوڈی کے فلیٹ کی سیڑھیاں طے کر رہا ہوں پھر میں کمرے میں داخل ہوتا ہوں۔ سامنے جوڈی کی لاش پڑی ہے۔ میں خوف اور دہشت میں ڈوبی نظروں سے اس کے بوٹے سے بدن کو دیکھ رہا ہوں پھر میں کرسی پر بیٹھ گیا ہوں اور اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا ہوں، میں نے سگریٹ جلائی ہے اور کش پر کش لگا رہا ہوں لیکن نظریں بدستور اس کی لاش پر جمی ہوئی ہیں۔ اس کا گلا کٹا ہوا ہے مگر فرش پر بہت تھوڑا سا خون ہے..... بہت تھوڑا خون ہے..... تو پھر..... تو پھر سارا خون کہاں گیا۔ آخر سارا خون کہاں گیا؟

اور تب وہ بات میری زبان پر آ گئی جو بہت دنوں سے ایک آسیبی خواب کی طرح میرے ذہن پر مسلط تھی، میں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''پیڈی جشن ایمن میں رقص قربانی کے لیے جو سرخ سیال استعمال ہوتا تھا۔ وہ..... وہ خون تھا نا.....؟''

پیڈی نے ہونٹوں پر زبان پھیری مگر کچھ بولا نہیں۔

''وہ خون تھا نا.....'' میں نے پھر کہا ''جوڈی اور رابن کا خون..... ہے نا۔''

پیڈی نے آخر کار سر کو زور سے جھٹکا دے کر کہا۔ ''ماسٹر! ان لوگوں نے ایک تیر سے دو شکار کیے تھے۔ ایک طرف تو آپ کو مجرم بنا دیا اور دوسری طرف رقص قربانی کے لیے خون بھی حاصل کرلیا۔ کیونکہ رقص قربانی کے لیے خون کی بھی بہرحال ضرورت تھی۔ اگر جوڈی اور رابن کو نہ قتل کرتے تو کسی اور کو کرتے۔ کتاب ارفینا میں ایسا ہی لکھا تھا۔''

''کیا ہر جشن کے موقع پر خون کی قربانی دی جاتی تھی؟''

''نہیں، عام ممبروں کے لیے کوئی جشن نہیں ہوتا تھا۔ خاص ممبروں مثلاً ریفا، اولگا، کارسن وغیرہ جیسے افراد کے لیے جانوروں کا خون استعمال ہوا تھا۔ انسانی خون کی ضرورت میرا خیال ہے کہ صرف ٹیا کے لیے تھی.....''

پیڈی نے جواب دیا ''مگر میں اس ضمن میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

میں نے یکایک ہاتھ ہلایا ''سنو پیڈی ایک بات اور یاد آئی، ذرا اس کی وضاحت بھی کرو۔''

''کیا.....؟''

''جب میں پہلی بار روز آلبہ کے بیوٹی سیلون میں گیا تھا تو میں نے شوکیس میں ایک مجسمہ دیکھا تھا جو ملکہ

سیتامن کا تھا اور باربرا نے بتایا تھا طوطنخ آمن سیتامن کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر میری شادی ملکہ سیتامن سے ہونی چاہیے تھی نا کہ ملکہ ٹیا سے۔''

پیڈی مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ بڑی عجیب تھی۔ اسے کوئی معنی دینا مشکل تھا۔ اس میں کچھ تمسخر تھا، کچھ طنز تھا اور کچھ تذبذب۔ اس نے چند ساعت توقف کیا جیسے ٹال دینا چاہتا ہوں مگر میں منتظر رہا تو اس نے کہا ''ماسٹر اس کی وجہ یہ ہے کہ طوطنخ آمن پہلی بار ملکہ سیتامن کے بطن سے پیدا ہوا تھا اور اس بار اسے ملکہ ٹیا کے بطن سے پیدا ہونا تھا۔''

''یہ بکواس ہے.....؟'' میں جھلا گیا۔

''بلاشبہ یہ بکواس ہے.....'' پیڈی نے کہا ''لیکن اس کا ذمہ داری بھی ارفینا ہے۔ محققین نے آج تک جو تاریخی کتابیں لکھی ہیں ان میں یہی بتایا گیا ہے کہ طوطنخ آمن کی ماں کوئین ٹی تھی اور ملکہ سیتامن اس کی سوتیلی ماں تھی لیکن کتاب ارفینا کے مطابق یہ غلط ہے۔ ارفینا نے لکھا ہے کہ طوطنخ آمن کی ماں دراصل ملکہ سیتامن تھی۔ ملکہ ٹیا اس کی سوتیلی ماں تھی۔ ارفینا نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسائرس اور ایمن اور اخن عاتن کی خواہش ہے کہ دوسری بار طوطنخ آمن ملکہ ٹیا کے بطن سے پیدا ہو۔ اس طرح دونوں عورتوں کو طوطنخ آمن کو اپنی کوکھ سے جنم دینے کا اعزاز حاصل ہو جائے گا۔''

''لاحول ولاقوۃ.....'' میں نے دفعتاً غصے سے کہا۔

''کیا.....؟''

''کچھ نہیں.....'' میں نے دھیرے سے جواب دیا ''سنو پیڈی میں نے اپنی زندگی میں اس سے زیادہ نامعقول، واہیات اور بے ہودہ بات نہیں سنی..... میرا خیال ہے کہ یہ شخص ارفینا بالکل ہی پاگل تھا۔''

پیڈی نے کچھ نہیں کہا۔ اس نے طویل سانس لی اور ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

پھر میں نے پیر سکوڑ لیے اور سر گھٹنوں میں دے کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس سے میرا دل دکھ کے ناقابل بیان بوجھ تلے دب کر رہ گیا تھا اور میرا سارا جسم خشک پتے کی طرح تھر تھر کانپ رہا تھا۔ خدایا..... خدایا..... تو نے مجھے یہ آنکھیں کیوں دیں جنہوں نے ایسے مناظر دیکھے اور یہ کان کیوں دیے جنہوں نے یہ خرافات سنیں اور یہ دل کیوں دیا جو اب بھی زندہ ہے اور دھڑک رہا ہے۔ میرے تصور میں سارے منظر پھر زندہ ہو گئے۔ خون سے بھرا ہوا تھال اور باربرا اور ریفا کا وحشیانہ رقص، طوطنخ آمن کا خون میں لتھڑا ہوا مجسمہ اور ہال میں چاروں طرف اڑتی ہوئی خون کی چھینٹیں مگر وہ خون کتنا معصوم اور مظلوم تھا۔ وہ خون ایک کمزور اور بے سہارا لڑکی کا تھا جو بدقسمتی کا شکار ہو گئی تھی۔ وہ لڑکی لندن آئی تھی تاکہ اپنی زندگی میں رنگ بھر سکے مگر ہوا یہ کہ اس کے اپنے خون کا رنگ طوطنخ آمن اور عمن عونس دوئم کی بھینٹ چڑھا دیا گیا اور وہ لڑکی فریاد تک نہ کر سکی۔ خدایا..... خدایا۔

اور وہ خون رابن کا تھا جو ایک نیک آدمی تھا۔ جو سچائی اور شرافت پر یقین رکھتا تھا۔ اس نے مجھے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔ مجھے یہ بتانا چاہا تھا کہ میں کن فائر العقل اور وحشی لوگوں میں پھنس گیا ہوں مگر یہ راست بازی اس کا جرم بن گئی۔ اسے قتل کر دیا گیا اور اس کا خون..... سچا اور بے ضرر خون اس کی رگوں سے نچوڑ کر ان فرعونوں کی بھینٹ چڑھا دیا گیا جو ساڑھے تین ہزار سال سے بھی قبل مرکھپ کر فنا ہو چکے ہیں..... خدایا..... خدایا۔

اور پھر سڈنی..... میں نے معا اپنے جسم میں جھرجھریوں کی ایک سرد لہر محسوس کی۔ اس کی موت کتنی دردناک تھی۔ ڈرم میں گر کر اس کے جسم کا گوشت پوست، رگیں، آنکھیں، زبان، بال، ناخن اور دوسرے اعضا گل گل کر تحلیل ہو گئے ہوں گے۔ وہ بے شک اچھا آدمی نہیں تھا۔ جرم کرتا تھا مگر اسے سزا دینا عدالت کا کام تھا اور کسی عدالت نے اسے کوئی سزا نہیں سنائی تھی پھر بھی وہ مر گیا تھا اور موت بھی ایسی کہ سوچ کر دل اور روح پر کپکپی طاری ہوتی ہے۔ کیا سڈنی کو کبھی سپنے میں بھی گمان ہوا ہوگا کہ وہ ایسی دردناک موت مرے گا۔ لوگ مرتے ہیں اور قبر میں دفن ہوتے ہیں تو کم از کم ایک نشان باقی رہ جاتا ہے مگر سڈنی کو قبر کو نشان بھی نصیب نہیں ہوا تھا۔ خدایا ..... خدایا۔

میں چپ چاپ گھٹنوں میں سر جھکائے آنکھیں بند کیے بیٹھا رہا اور لمحات میرے سر کے اوپر سے چپکے چپکے گزرتے رہے۔

☆☆☆

سہ پہر کا آغاز تھا۔ دھوپ کا رنگ ہلکا نارنجی ہونے لگا تھا مگر اس کے باوجود تپش میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی بلکہ شاید کچھ اضافہ ہی ہو گیا تھا۔ مجھے کچھ حبس بھی محسوس ہو رہا تھا۔ صحرا میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک اک عالم ہو مسلط تھا۔ ہوا کی سرسراہٹ کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔ دوپہر سے قبل ہوا بالکل نہیں تھی مگر اب ہلکی ہلکی چلنے لگی تھی جو ریت کے زروں کو اس طرح اڑا رہی تھی کہ چاروں طرف دور تک ایک غبار سا چکراتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ پیڈی اور میں کوئی پانچ قدم کے فاصلے سے ایک دوسرے کے آگے پیچھے چل رہے تھے۔ ہم نے کافی دیر سے آپس میں بات نہیں کی تھی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ہم غار میں کافی طویل گفتگو کر چکے تھے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ شاید بھوک پیاس اور جسمانی اضمحلال کے باعث ہم دونوں پر شدید بیزاری طاری تھی۔ زبان کو ہلانا بھی ناگوار لگتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم خاموش تھے اور دکھتی ہوئی ٹانگوں کو کسی نہ کسی طرح گھسیٹ کر آگے بڑھ رہے تھے۔ اگرچہ دن میں سفر کرنا دانشمندی کے خلاف تھا مگر اس علاقے میں ٹھہرنا بھی کسی طرح مناسب نہیں تھا۔ لارڈرے اور اس کے تمام ساتھی ٹکڑوں میں بٹ کر ہمیں بلکہ درحقیقت مجھے چاروں طرف تلاش کر رہے تھے۔ اگر ہم اس علاقے میں رکتے تو اندیشہ تھا کہ کسی بھی وقت تلاش کر لیے جاتے۔ پیڈی کا اصرار تھا کہ ہمیں جلد از جلد زیادہ سے زیادہ دور چلا جانا چاہیے۔ ہر چند کہ میں اس بات کے حق میں نہیں تھا۔ وہ غار ہمارے لیے بہترین پناہ گاہ تھی مگر پیڈی کی دلیل میں بھی وزن تھا۔ ہم جب تک اس علاقے میں رہیں گے خطرہ تلواریں بن کر سر پر لٹکتا رہے گا۔ میں نے اصرار کیا تھا کہ رات میں سفر کرنا مناسب ہوگا مگر پیڈی متفق نہیں ہوا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ہم رات میں سفر کریں گے تو زیادہ غیر محفوظ رہیں گے کیونکہ وہ لوگ ہر طرف موجود ہیں اور ان کے پاس طاقتور ٹارچیں ہیں۔ ہم اندھیرے کے باعث اپنے گردوپیش سے اچھی طرح باخبر نہیں ہو سکیں گے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ دن میں ہی سفر کرنے کا خطرہ مول لیا جائے۔ پیڈی کی دلیل بظاہر جی کو لگتی تھی پھر بھی میں پوری طرح مطمئن نہیں تھا۔ کوئی بات تھی جو میرے ذہن میں چبھ رہی تھی یا پھر شاید میرے اعصاب اتنے تھک گئے تھے لیکن کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر تھا۔ چنانچہ میں نے اس سے حجت نہیں کی تھی اور ہم غار سے نکل پڑے تھے۔

ہم کوئی ایک گھنٹے سے سفر کر رہے تھے مگر ساٹھ منٹ کا یہ سفر آسان نہ تھا۔ وہم، اندیشے اور خطرات مسلسل

مجھے ڈراتے تھے ہوا کا کوئی تیز جھونکا دائیں بائیں سے گزرتا تو میں چونک جاتا۔ ایسا لگتا جیسے کوئی آ گیا ہے۔ کسی نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔ سامنے کوئی اونچا ٹیلا نظر آتا تو خواہ مخواہ دھڑکا لگ جاتا کہ لارڈرے یا ڈاکٹر نیفا اس کے عقب میں چھپے ہمارے منتظر ہوں گے۔ کوئی گھنی جھاڑی دکھائی دیتی تو میں بے ارادہ اسے کینہ توز نظروں سے گھورنے لگتا۔ ممکن ہے اس جھاڑی کے پیچھے کارسن بیٹھا ہو یا بونڈ تک لگائے ہمارا منتظر ہو۔ اس وقت مجھے بڑی مایوسی کا احساس ہو رہا تھا۔ اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا۔ کہ پیڈی کی بات کیوں مانی۔ وہیں غار میں چھپے رہتے تو اچھا تھا۔ رات میں سفر کرنا دن کی نسبت کہیں زیادہ محفوظ تھا مگر اس میں پیڈی کا قصور بھی کیا تھا۔ میرا ساتھ دے کر اس نے گویا اپنی موت کو دعوت دی تھی۔ چنانچہ اس کا خوفزدہ ہونا فطری تھا اور عالم خوف اور مایوسی میں آدمی غلط فیصلے کرتا ہے۔ پیڈی سے بھی غلطی ہو گئی۔ اب پریشان ہونے اور خود کو ہراساں کرنے سے کیا فائدہ۔ یہ آخری خیال ایسا تھا جس سے مجھے تھوڑی سی ڈھارس ملی اور اپنے آپ پر اور پیڈی پر آیا ہوا غصہ دھیرے دھیرے رفع ہو گیا۔

مگر ایک گھنٹا خیریت سے گزر گیا اور کسی ناخوشگوار صورتحال کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

یکا یک پیڈی رک گیا اور میری جانب دیکھنے لگا۔ میں نے اس کے نزدیک پہنچ کر کہا ''کیا بات ہے.....؟''

پیڈی نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ چپکے سے اپنے شانے سے چھاگل اتار کر اس طرح ہلائی کہ پانی کی آواز میرے کانوں تک پہنچ گئی۔

''پیاس لگی ہے.....؟''

پیڈی نے اثبات میں سر ہلا کر کہا ''لیکن سوال یہ ہے کہ کل ہم کیا کریں گے؟''

''صرف ایک گھونٹ۔'' میں نے تنبیہ انگلی اٹھا کر کہا ''اور وہ بھی اتنا چھوٹا کہ صرف زبان تر ہو جائے۔ کل کی کل دیکھی جائے گی۔''

ہم دونوں نے ایک ایک گھونٹ پانی پیا پھر ایک ایک سگریٹ جلائی اور دو تین کش لینے کے بعد میں نے کہا۔

''پیڈی آخر ہم کب تک چلتے رہیں گے؟''

پیڈی نے آگے بڑھتے ہوئے کہا ''ماسٹر یہ سوال مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں۔ اپنے آپ سے پوچھیں؟''

میں نے گردن ہلائی اور دل ہی دل میں اپنے آپ سے کہا ''ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس سوال کا جواب تم نہیں دے سکتے مگر میں بھی تو نہیں دے سکتا کسے پتا ہے کہ ہمیں کب تک چلنا پڑے گا۔ کبھی یہ صحرا ختم ہو گا یا نہیں اور ہمیں کوئی جائے پناہ ملے گی یا نہیں، ممکن ہے کہ یہ صحرا کبھی ختم ہی نہ ہو اور ہم یونہی بھٹکتے بھٹکتے آخر کار موت کی آغوش میں جا پہنچیں۔ اگر ایسا ہوا تو تعجب کی بات نہیں ہو گی۔ ہمارے پاس کھانے کا سامان پہلے ہی ختم ہو چکا تھا اور پانی صرف چند گھونٹ باقی رہ گیا تھا۔ بے دھیانی میں یہ غلطی ہوئی تھی کہ ہم نے پانی زیادہ استعمال کیا تھا۔ جب پانی بالکل نہیں ہو گا، کھانا بالکل نہیں ہو گا۔ تب ہم کیا کریں گے۔ میلوں تک پھیلا ہوا یہ اندھا ریگستان اور سر پر تپتا ہوا سورج اور شعلوں کی طرح دہکتی ہوئی ہوا اور بھوک اور پیاس..... تب ہم کیا کریں گے۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی پھر آسمان کو دیکھا اور رفتار تیز کی۔

ہمارا سفر واپسی کے رخ پر تھا۔ یعنی ہم ویلی آف دی کنگز کی طرف ہی جا رہے تھے مگر قدرے بائیں طرف

ہٹ کر میرا اندازہ تھا کہ ہمیں کوئی ایک میل اور چلنا پڑے گا پھر ہم بائیں طرف ہی گھومیں گے اور ایک لمبا چکر کاٹتے ہوئے شمال مشرق کا رخ کریں گے۔ اگر اس وقت تک خیریت رہی اور ہم نے چند میل کا فاصلہ طے کر لیا تو پھر لارڈرے کی دسترس سے نکل جانا ممکن ہو جائے گا لیکن صرف لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا کی دسترس سے نکلنا ہی ممکن ہوگا۔ زندگی کے بچ جانے کی کوئی ضمانت نہیں ہوگی۔ یعنی یہ عین ممکن ہے کہ ہم لارڈرے کی دسترس سے نکل جائیں گے مگر پھر یہ اندھا، پیاسا، سنگدل اور بے حس ریگستان..... میں نے سگریٹ کا ٹوٹا پھینکا اور جوتے سے مسل دیا۔

آدمی مر جاتا ہے۔ دنیا کی ہر شے مر جاتی ہے۔ تاریخ نے ہمیں بتایا ہے کہ رستم و سہراب جیسے شہ زور، چنگیز و ہلاکو جیسے ظالم۔ بڑے بڑے فرمانروا، سب آخر کار فنا کی گود میں چلے گئے تھے۔ ان گنت تہذیبیں بنی اور مٹ گئی تھیں۔ بابل و نینوا جیسے شہر تباہ ہو گئے تھے۔ کیونکہ بقا کسی شے کو نہیں ہے مگر ایک چیز کبھی نہیں مٹتی۔ کبھی ختم نہیں ہوتی اور وہ ہے امید۔ جو کسی حال میں فنا نہیں ہوتی۔ وہ شخص جو تختہ دار پر کھڑا ہو اور جس کی گردن میں پھانسی کا پھندا پڑ چکا ہو، امید اس کے دل میں جاگزیں رہتی ہے کہ شاید کوئی معجزہ ہو جائے۔ ہم دونوں کی امید بھی نہیں مری تھی۔ یہ بیساکھیاں بہت کمزور سہی پر ہمیں ان پر سہارا تھا۔ ہم دونوں ان بیساکھیوں پر اپنے آپ کو گھسیٹ گھسیٹ کر چلتے رہے۔ کچھ وقت اور گزر گیا۔ سورج اب مغرب میں قدرے جھک گیا تھا۔ دھوپ کی زردی کچھ مدھم ہو گئی تھی اور تپش بھی کم ہو گئی تھی۔ شام کے آثار رفتہ رفتہ پھیلتے جا رہے تھے۔

یکا یک میں نے پیڈی سے کہا ''آؤ کچھ دیر ستا لیں.....''

پیڈی نے مخالفت نہیں کی۔ شاید تھکن کے باعث وہ خود بھی اسی فکر میں تھا۔ ہم ایک ٹیلے کے دامن میں بیٹھ گئے۔ یہ جگہ اتنی محفوظ تو نہیں تھی جتنا وہ غار تھا مگر بہر حال مناسب تھی۔ آگے خشک گھنی جھاڑی تھی اور درمیان میں ہم دونوں بیٹھے تھے۔ اطراف سے ہمارا دیکھ لیا جانا ممکن تھا مگر آسان نہ تھا۔ ہم دونوں کچھ دیر چپ چاپ بیٹھے لمبی لمبی سانسیں لیتے رہے۔ مجھے اور یقیناً پیڈی کو شدید پیاس لگی تھی۔ حلق بالکل خشک ہو رہا تھا مگر ہم پانی پینے کی عیاشی نہیں کر سکتے تھے۔ صرف چند گھونٹ باقی رہ گئے تھے اور انہیں زیادہ سے زیادہ دیر تک چلانا بہت ضروری تھا۔ اگر ایک بار یہ پانی ختم ہو گیا تو پھر کون جانے کب میسر آئے۔ ممکن ہے، پھر کبھی پانی کے لمس و لذت سے حظہ اٹھانے کا موقع ملے ہی نا.....

دفعتاً پیڈی نے کہا ''ماسٹر کچھ بات کرو.....''

''کیا بات کروں.....؟''

''کچھ بھی.....'' اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اچھا تو مجھے سوسائٹی کے بارے میں اور کچھ بتاؤ۔''

''کیا.....؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا ''میں سب کچھ تو بتا چکا ہوں۔''

''نہیں، ابھی چند ایک باتیں باقی ہیں۔'' میں نے کہا ''ان میں سے ایک میرا عمن عونس دوئم بننا ہے۔ مجھ سے بار بار کہا گیا تھا کہ پیش گوئی کا وقت پورا ہوتے ہی میں عمن عونس بن جاؤں گا۔ ساری دنیا میرے قدموں میں جھک جائے گی اور دنیا کی تمام آسائشیں، مسرتیں اور کامیابیاں میری راہ میں بچھ جائیں گی اور یہ کہ وقت

ساڑھے تین ہزار سال سے میرا منتظر تھا وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح کے ان گنت جملے باربرا، لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا وغیرہ نے مجھ سے کہے تھے۔ تمہیں خود بھی ان باتوں کا علم ہے۔ تم نے ایمن سوسائٹی کا جو واقعاتی پس منظر بتایا ہے، وہ بہت سی باتوں کی وضاحت کرتا ہے مگر ساری دنیا کی بادشاہت تو مجھے نہیں مل سکتی۔ لارڈرے وغیرہ اتنے فاتر العقل نہیں ہو سکتے اور نہ ہی دنیا اتنی بے وقوف ہے کہ مجھے بادشاہ مان لے پھر ان لوگوں نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں واقعی دنیا کا حکمران بن جاؤں گا۔"

پیڈی ہولے سے مسکرایا پھر اس نے کہا "ماسٹر! آپ نے کبھی وایونا کا نام سنا ہے۔"

"وایونا..... نہیں تو..... یہ کیا چیز ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ چیز نہیں، بلکہ ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ اسکاٹ لینڈ کے ساحل سے چند میل کے فاصلے پر، اس کا رقبہ پانچ میل سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ جزیرہ کارگل خاندان کی ملکیت ہے کچھ عرصہ ہوا، یہ جزیرہ فروخت کے لیے رکھا گیا تھا مگر بکا نہیں پھر لارڈرے نے یہ جزیرہ لے لیا۔ میرا خیال ہے کرائے پر یا پھر ممکن ہے کہ جزیرے کے موجودہ منتظم اور لارڈرے کے درمیان کسی اور قسم کا معاہدہ ہوا ہو۔ بہرحال اب جزیرہ کلی طور پر لارڈرے کے قبضے میں ہے۔ پہلے یہاں لوگ پکنک منانے اور کارگل خاندان کے نوادرات دیکھنے آیا کرتے تھے مگر اب کوئی نہیں آتا۔ کیونکہ لارڈرے نے مکمل پابندی لگا رکھی ہے۔ اسی جزیرے پر ایک قلعہ نما محل ہے۔ جسے ابھی چند ہی دن ہوئے نہایت اعلیٰ پیمانے پر آراستہ کیا گیا ہے۔"

"اس تفصیل کا میرے سوال سے کیا تعلق ہے؟" میں نے جھلا کر کہا۔

"ہے۔" پیڈی نے جواب دیا "آپ نے کہا تھا کہ دنیا بے وقوف نہیں ہے مگر آپ نے جو بات پوچھی ہے اس کا ایک اور پہلو بھی ہے۔"

"کیا؟"

"وہ لوگ آپ کو دنیا کے لیے بادشاہ نہیں بنانا چاہتے تھے بلکہ صرف اپنے لیے بنانا چاہتے تھے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیں کہ دنیا مانتی نہ مانتی لیکن وہ لوگ تو آپ کو دنیا کا بادشاہ تسلیم کر لیتے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ سوسائٹی کے ممبروں کی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہے۔ یہ سارے ممبر صرف آپ کو دنیا کا مالک تصور کرتے اور آپ کے احکامات کی تعمیل کرتے۔ برطانیہ اور امریکا کے صدر کی اہمیت ان کی نظروں میں کچھ بھی نہ ہوتی لیکن آپ نے ایک اشارہ آبرو پر وہ جان بھی دے دیتے۔ میں نے جزیرہ وایونا کا ذکر اسی لیے کیا کیونکہ پروگرام کے مطابق ہم سب کو شادی کر کے رسم سے فارغ ہو کر انگلینڈ اور پھر وایونا جانا تھا۔ آپ کا قیام وایونا کے محل میں ہوتا۔ وہاں خدام اور کنیزیں ہوتیں۔ دنیا کی ساری ممکنہ آسائشیں مہیا کر دی جاتیں۔ آپ کے لیے ایسی شان و شوکت کا اہتمام کیا جاتا جو صرف بادشاہوں کو حاصل ہوتی ہے۔ وایونا کی حیثیت ایک طرح سے دارالحکومت کی ہوتی۔ پورے یورپ سے سوسائٹی کے ممبر آتے، محل میں دربار منعقد کیے جاتے۔ ایک پوری کابینہ ترتیب دی جاتی جو سوسائٹی کے کاروبار کو چلاتی اور اس طرح پوری پیش گوئی حرف بہ حرف صحیح ہو جاتی۔ یہ ابتدائی مرحلہ تھا یعنی عمن عونس کا دور، پیش گوئی کے دوسرے حصے یعنی طوطخ آمن کے دور کے لیے اس پروگرام پر عمل کیا جاتا، جس کا میں پہلے ہی ذکر کر چکا ہوں۔ اب اگر آپ خود کریں تو احساس ہوگا کہ آپ کی حکومت ایک ایسی حکومت ہوتی، جو

ہوتے ہوئے بھی نہ ہوتی۔ یعنی دنیا کو علم نہ ہوتا لیکن عمن عونس کی بادشاہت قائم ہو جاتی۔"

اتنا کہہ کر پیڈی چپ ہو گیا۔ میں بھی خاموش رہا۔ ذہن میں جو خلش تھی۔ وہ کافی حد تک رفع ہو گئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عمن عونس دوئم کی بادشاہت کو دنیا سے منوانے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ اتنا ہی کافی تھا کہ وہ لوگ مجھے عمن عونس دوئم تسلیم کر لیتے اور اس طرح ان کے یقین اور اعتقاد کے مطابق پیشگوئی پوری ہو جاتی۔ خدایا، یہ سب کیا ہے؟ میں نے حیران ہو کر سوچا۔ ایک کے بعد دوسرا اسرار دوسرے کے بعد تیسرا اسرار، ابھی اور کتنے راز باقی ہیں۔ جن سے مجھے دوچار ہونا پڑے گا۔ مجھے اس بات پر بھی تعجب ہوا کہ مجھ سے اکثر باتیں کیوں مخفی رکھی گئیں۔ مثلاً یہی وایونا۔ اس جزیرے کا ذکر پہلے کبھی نہیں ہوا۔ ایمن ٹمپل کے متعلق بھی کبھی کچھ نہیں بتایا گیا تھا اور بھی کئی باتیں تھیں۔ آخر انہیں مجھ سے پوشیدہ رکھنے کا جو راز تھا ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ ہر بات مجھے اس وقت بتاتے جب اس کی ضرورت ہوتی ہے۔

یکا یک پیڈی نے کہا "ماسٹر اب چلیں....."

میں نے آمادگی ظاہر کی تو اس نے مجھے چند منٹ اور رکنے کے لیے کہا۔ اس کا ارادہ تھا کہ اطراف کا جائزہ لے لے اور راستے کا تعین کر لے تو ہم روانہ ہوں۔ میں نے اثبات میں گردن کو جنبش دی۔ وہ چلا گیا اور تب میں نے ایک تودے سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس وقت میرے ذہن کی بڑی عجیب و غریب حالت ہو رہی تھی۔ عمن عونس دوئم، طوطنخ آمن، ملکہ ٹیا، کتاب ارفینا، جشن ایمن، رقص قربانی، جوڈی اور رابن کا خون، سڈنی کی دردناک موت، کنیزیں، وزیر، کابینہ، سی آئی اے، مافیا، رسم شادی اور وایونا، یہ سارے انکشافات اتنے حیرت ناک تھے کہ میرے دماغ کی رگیں چٹخنے سی لگی تھیں۔ مجھے اتنے غیر فطری، غیر عقلی اور تقریباً ناممکن العمل انکشافات کی ہرگز توقع نہیں تھی۔ اگر پیڈی نہ ہوتا تو مجھ پر یہ راز ہائے سربستہ بھی منکشف نہ ہوتے۔ اس نے تقریباً ساری گرہیں کھول دی تھیں۔ صرف چند سوال رہ گئے تھے۔ مجھے امید تھی کہ وہ ان کے جواب بھی ضرور دے گا۔ البتہ ایک سوال ایسا ہے، جس کا جواب شاید وہ بھی نہ دے سکے اور وہ سوال یہ ہے کہ وہ نادر ہستی کون ہے؟

میں دفعتاً اٹھ کر بیٹھ گیا اور حیرت سے کنپٹی کھجلانے لگا۔ کئی دن ہو گئے تھے کہ مجھے اس نادیدہ اور پراسرار ہستی کی موجودگی کا کوئی احساس نہیں ہوا تھا۔ نہ ہی اس کا خیال آیا تھا۔ پتا نہیں کیا بات تھی، خدا جانے کیا اسرار تھا، وہ کہاں تھی، مجھے اس کی موجودگی محسوس کیوں نہیں ہوتی۔ مجھے یاد آیا کہ پچھلی بار جب میں نے اسے یاد کیا تھا اور باتیں کرنے کی کوشش کی تھی تو ناکامی ہوئی تھی۔ تمام تر ذہنی یکسوئی کے باوجود میں نے نہ اس کے وجود کو محسوس کیا تھا اور نہ اس کی آواز محسوس کی تھی۔ میں نے معاً آنکھیں بند کیں اور اسے یاد کیا۔ ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔ ایک لطیف لہر احساس سے ٹکرائی اور یکا یک میں نے محسوس کیا کہ وہ میرے قریب..... بالکل قریب موجود ہے۔ حیرت کا حملہ اتنا شدید تھا کہ میں چند لمحے تک گنگ سا رہا پھر میں نے کہا۔

"کیا تم میرے پاس موجود ہو؟"

ہلکی سی ہنسی کا جھماکا ذہن سے ٹکرایا۔ ایک عجیب سی خوشبودار گرد محسوس ہوئی پھر اس کی آواز کو میرے ذہن نے سنا "ہاں....."

''کمال ہے۔'' میں بدستور حیرت زدہ تھا۔ ''تم کہاں غائب ہوگئی تھیں.....؟''

''کیوں؟ کیا تم مجھے یاد کرتے رہے تھے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں.....''

''کیوں؟''

میں نے گھوم کر دائیں بائیں اور پیچھے دیکھا مگر وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ اس کے باوجود مجھے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بائیں طرف موجود ہے اور کوئی تین چار فٹ کے فاصلے پر بیٹھی ہے۔ وہ خوشبو، نامانوس، بھینی بھینی اور ٹھنڈی جو اس کی موجودگی پر محسوس ہوتی تھی، اس وقت بار بار میرے نتھنوں سے ٹکرا رہی تھی۔ حالانکہ صرف چند منٹ پہلے اس خوشبو کا کہیں وجود نہ تھا۔ میں نے دفعتاً بائیں طرف ہاتھ بڑھایا۔ یکا یک اس کی ہنسی کا تاثر احساس سے ٹکرایا اور ساتھ ہی اس کی آواز بھی محسوس ہوئی۔ ''مجھے چھونے کی کوشش کر رہے ہو مگر افسوس ہے کہ تم مجھے چھو نہیں سکتے۔'' پھر یوں لگا جیسے میرے ہاتھ کی پہنچ سے بچنے کے لیے دو تین فٹ پیچھے سرک گئی ہو۔

میں مسکرایا۔ اس نے لمحے بھر توقف کے بعد کہا ''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔''

''کوئی خاص وجہ نہیں تھی۔ ویسے ہی اکیلے پن سے گھبرا کر تم سے باتیں کرنا چاہتا تھا مگر تم کہاں غائب ہوگئی تھی.....؟''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کم از کم میں نے کچھ بھی محسوس نہیں کیا پھر میں نے خود ہی کہا ''کیا گزشتہ چند دنوں میں تم میرے پاس نہیں تھیں.....؟''

''نہیں.....''

''کیوں؟ کوئی خاص وجہ تھی؟''

''ہاں، کچھ مجبوری تھی.....''

میں نے یہ نہیں پوچھا کہ کیا مجبوری تھی۔ اس نے کچھ اس انداز میں جواب دیا تھا۔ جس سے مترشح تھا کہ وہ اس بارے میں مزید کچھ کہنا سننا چاہتی۔ مجھے بھی کوئی وجہ نظر آئی کہ خواہ مخواہ اس سے جرح کرتا۔ چند لمحے کے سکوت کے بعد میں نے کہا ''ایک بات تمہیں بتاؤں.....؟''

''بتاؤ.....'' اس کا جواب موصول ہوا۔

''اب مجھے تم سے ڈر نہیں لگتا۔''

وہ یکا یک کھلکھلا کر ہنسنے لگی اور ہر چند کو آواز سنائی نہیں دیتی تھی مگر مجھے چاندی کی گھنٹیوں کا خیال آ گیا۔ اس کی ہنسی کا تاثر ننھی ننھی گھنٹیوں کی جھنکار سے مشابہ تھا۔ وہ چند لمحے ہنستی رہی پھر بولی ''کیا پہلے ڈرتے تھے؟''

''ہاں.....'' میں نے سر ہلا کر کہا ''پہلے مجھے واقعی بہت ڈر لگتا تھا.....؟''

''کیوں.....؟''

''شاید اس لیے کہ تم دکھائی نہیں دیتیں، نہ ہی تمہاری آواز سنائی دیتی ہے۔ میں تمہیں اور تمہاری آواز کو صرف محسوس کرتا ہوں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں.....؟''

اس نے سرگوشی میں کہا ''مگر اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔ تمہیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچاتی.....''

قدرے توقف کے بعد میں نے کہا ''کیا تمہیں میرے موجودہ حالات کا علم ہے.....؟''

''ہاں، کسی حد تک.....''

میں نے ہاتھ اٹھا کر کنپٹی پر پھیرا اور مایوسی سے اس طرف دیکھا، جدھر میرے احساس کے مطابق وہ بیٹھی تھی پھر میں نے کہا ''میں ہر طرف سے مصائب میں گھرا ہوا ہوں۔ وہ لوگ مجھے چاروں طرف تلاش کر رہے ہیں۔ کیونکہ وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتے ہیں اور میں نہیں جانتا کہ میں اس ریگستان سے زندہ اور محفوظ نکل سکوں گا۔ کیا تمہیں ان باتوں کا علم ہے اور کیا تم بتا سکتی ہو کہ میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو سکوں گا یا نہیں.....؟''

اس نے اس بات کا جواب دینے کے بجائے کہا ''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم نے فرار ہو کر صحیح قدم اٹھایا ہے.....؟''

''کیا میں نے غلط قدم اٹھایا ہے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ تو مجھے نہیں معلوم۔'' اس کا جواب محسوس ہوا ''مگر یہ طے ہے کہ تم نے ہزاروں دشمن پیدا کر لیے ہیں اور تم اکیلے ان سب کا مقابلہ کب تک.....''

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ یکا یک میرے کانوں میں بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز آئی۔ دائیں جانب سے پیڈی بے تحاشا دوڑتا چلا آیا تھا۔ جب وہ قریب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ اس کی سانس بری طرح پھول رہی ہے اور چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ میں نے اٹھتے ہوئے کہا ''کیا بات ہے پیڈی؟''

''ماسٹر وہ.....وہ۔'' اس نے ہانپتے ہوئے الفاظ ٹکڑوں میں ادا کیے ''ادھر.....وہاں..... ماریا کی لاش پڑی ہے۔''

''ماریا کی لاش.....کہاں.....کدھر؟'' میں نے سٹپٹا کر پوچھا۔

''اس طرف۔ میرے ساتھ آیئے۔''

یہ کہہ کر وہ واپس گھوما اور پھر دوڑنے لگا۔ میں نے اس کی تقلید کی۔ میرے تصور میں ماریا کا سانولا لیکن دلکش چہرہ گھوم رہا تھا اور وہ منظر جب میں نے اسے باربرا کے بستر پر بظاہر مردہ حالت میں دیکھا تھا۔ اگر پیڈی نے واقعی ماریا کی لاش دیکھی ہے تو یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔ یہ واقعہ کیوں کر ہوا ہوگا۔ کیا وہ تنہا تھی یا اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ جو اس کی موت کے بعد اس کی لاش وہیں چھوڑ کر چلے گئے مگر اس کی موت کا سبب کیا ہو گا؟ میں انہی خیالوں میں الجھا ہوا دوڑتا رہا۔ ہم نے تقریباً ایک فرلانگ کا فاصلہ طے کیا پھر ہم ایک دراڑ سے گزر کر ایک اونچے ٹیلے کے دامن میں پہنچے اور تب پیڈی یکا یک سٹپٹا کر رک گیا۔ اس کی آنکھوں سے حیرت بوند بوند کر کے ٹپک رہی تھی۔

''یہاں تو کوئی لاش نہیں ہے۔'' میں نے برگشتہ ہو کر اسے گھورا۔

''ماسٹر میں سچ کہہ رہا ہوں۔ لاش یہیں تھیں، اس جگہ۔'' پھر اس نے گھوم کر ہاتھ سے اپنے عقب میں اشارہ کیا۔ ''میں نے اس چٹان سے لاش دیکھی تھی پھر میں یہاں آیا تو پتا چلا کہ وہ لاش ماریا کی ہے۔ ٹھیک اسی جگہ، یہ دیکھئے، نشان بھی صاف موجود ہے۔ وہ مر چکی تھی۔ اس کے بعد میں بھاگ کے آپ کو اطلاع دینے گیا تھا۔''

میں نے تذبذب اور شک و شبہے کے ساتھ پیڈی کو گھورا پھر زمین کے اس حصے کو دیکھا، جہاں اس نے اشارہ

کیا تھا۔ اس جگہ، نرم ریتلی زمین پر واقعی ایک انسانی جسم کا خاصا واضح نشان موجود تھا۔ جیسے کوئی شخص وہاں کچھ دیر لیٹا رہا ہو مگر وہاں کوئی لاش نہیں تھی..... کیا پیڈی نے کوئی سپنا دیکھا تھا؟

اگلی صبح آئی تو اپنے جلو میں میرے لیے مزید مصائب و آلام لے کر آئی۔ اس دن کے بعد دیگرے کئی واقعات ایسے ظہور پذیر ہوئے جنہوں نے میرے حواس اور ذہن کو بری طرح متاثر کیا اور میرے لیے یہ طے کرنا تقریباً ناممکن ہو گیا کہ میں کیا کروں؟ وہ رات بھی بہت تکلیف اور پریشانی سے گزری تھی۔ اس وقت ہم جس جگہ تھے وہاں چھپنے کے لیے کوئی مناسب جگہ نہیں تھی۔ اس لیے ہم نے سفر جاری رکھا تھا۔ باوجود اس کے ایک قدم اٹھانا بھی دشوار ہو رہا تھا پھر بھی ہمیں اپنے درماندہ جسم کو گھسیٹنا پڑا۔ شام کو اندھیرا دھیرے دھیرے پھیلتا جا رہا تھا اور اس آسیبی اور پراسرار اندھیرے کے پیش نظر میں اطراف میں پھیلے ہوئے اونچے نیچے ٹیلے عظیم الجثہ عفریتوں کی طرح دکھائی دیتے تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ کچھ دیر میں چاند نکل آئے گا اور ہر سو چاندنی پھیل جائے گی اور آسمان پر چونکہ بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہیں ہے اس لیے گزشتہ رات والا اندھیرے اجالے کا کھیل بالکل نہیں ہوگا بلکہ چاندنی مسلسل پھیلی رہے گی اور تب ہمارے لیے سفر کرنا دشوار ہو جائے گا مگر جب تک چاند نکلے تب تک ہمیں زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہیے۔ ہم اپنے اندازے کے مطابق ایک طویل چکر کاٹ کر بائیں جانب کافی دور آ گئے تھے اور اگر ہمارا قیاس غلط نہیں تھا تو ہم شمال مشرق کی طرف ہی چل رہے تھے مگر اس کے باوجود یہ بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی تھی کہ ہم لارڈرے وغیرہ کی دسترس سے نکل آئے ہیں۔ میں ایسی کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہو سکتا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ لوگ اطراف میں کہیں نہ کہیں ضرور موجود ہوں گے اور مجھے تلاش کر رہے ہوں گے۔

ہم دونوں آگے پیچھے خاموشی سے قدم بہ قدم چل رہے تھے۔ نہیں بلکہ زیادہ سچ یہ ہے کہ وہ خوف جو میرے ذہن میں سانپ بن کر بیٹھا تھا اور مسلسل مجھے ڈس رہا تھا، وہ مجھے چلنے پر مجبور کر رہا تھا۔ گویا میرا ایک کے بعد دوسرا قدم اٹھانا اور ایک میکانکی عمل تھا۔ چلتے رہو، چلتے رہو۔ دماغ میں یہی ایک احساس گردش کر رہا تھا۔ باقی ساری صلاحیتیں اگر فنا نہیں تو مفلوج ضرور ہو چکی تھیں۔ سوچنا سمجھنا اور کوئی ایک بات طے کرنا میرے لیے دشوار امر تھا۔ اپنی ذات کا یقین و اعتماد متزلزل ہو چکا تھا۔ قوت ارادی نام کی کوئی شے کبھی مجھ میں رہی ہوگی، مگر اس وقت نہیں تھی اور اگر تھی تو بہت کمزور۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جو قدم بھی اٹھاتے تھے وہ پچھلے اقدام کی تردید کرتا تھا۔ اس وقت تو نہیں لیکن بعد میں مجھے ان غلط اور کمزور فیصلوں کا خیال ستاتا تھا۔ کبھی ہم یہ طے کرتے کہ رات میں سفر کرنا مناسب رہے گا اور کبھی دن میں سفر کرنے کو زیادہ محفوظ خیال کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی خیال درست نہیں تھا۔ خطرہ ہر وقت موجود تھا۔ دن میں بھی اور رات میں بھی مگر ہم اس وقت جس طرح کی صورت حال سے دوچار تھے، یہ ان کا تقاضا تھا کہ ہم پورے یقین اور بھروسے کے ساتھ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے قاصر تھے اور میں سمجھتا ہوں کہ میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو اس کا طریق عمل ہم سے مختلف نہ ہوتا۔ کوئی شخص اگر ہر طرف سے نادیدہ آفات میں گھر چکا ہو تو پھر اس کی قوت ارادی کا متاثر ہونا قطعی فطری ہے۔ وہ اگر درست فیصلہ کرے گا تب بھی شک و شبہے کا شکار رہے گا کہ کہیں اس نے کوئی غلطی تو نہیں کی ہے۔

ہم نے اس ٹیلے کے پاس کوئی ایک گھنٹہ اور گزارا تھا۔ جہاں پیڈی نے ماریا کی لاش دیکھی تھی۔ لاش وہاں

نہیں تھی مگر پیڈی کا اصرار تھا کہ اس نے لاش دیکھی تھی۔ وہ قسم کھا کر بار بار کہتا تھا کہ اس نے نہ تو کوئی سپنا دیکھا ہے اور نہ اسے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ لاش وہاں موجود تھی۔ اس نے چھو کر دیکھا تھا اور اسے پورا یقین تھا کہ ماریا مر چکی تھی مگر اب لاش وہاں نہیں تھی البتہ اس جگہ نرم ریت پر ایک انسانی جسم کا خاکہ کافی نمایاں صورت میں موجود تھا۔ لگتا تھا کوئی شخص وہاں کچھ دیر لیٹا رہا ہو۔ پیڈی کے بار بار قسم کھانے کے باوجود مجھے اعتبار نہیں تھا۔ میرا بدستور یہی خیال تھا کہ اسے غلط فہمی ہوئی ہے، جیسے مجھے ہوئی تھی۔ ماریا بار برا کے پلنگ پر سو رہی تھی اور میں اسے مردہ سمجھ بیٹھا تھا۔ غالباً یہی پیڈی کے ساتھ ہوا ہوگا۔ ممکن ہے ماریا، اس جگہ کچھ دیر کے لیے لیٹ گئی ہو اور اس کی آنکھ لگ گئی ہو۔ تبھی پیڈی نے اسے دیکھا ہوگا اور غلطی سے مردہ سمجھ بیٹھا ہوگا۔ ہم نے احتیاطاً اطراف کا جائزہ بھی لیا تھا۔ اس خیال سے کہ ممکن ہے پیڈی نے ماریا کی لاش کسی اور جگہ دیکھی ہو مگر لاش کہیں بھی نہیں تھی۔ البتہ ایک اور چیز ایسی ملی جس سے پیڈی کے دعوے کی کسی حد تک تصدیق ہوگئی۔ یعنی یہ ثابت ہوگیا کہ ماریا واقعی اس جگہ کسی وقت موجود رہی تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا رومال تھا۔ اس رومال کے وسط میں طوطنخ آمن کی تصویر پرنٹ کی ہوئی تھی۔ میں نے شاید پہلے ذکر نہیں کیا مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایمن سوسائٹی کے کچھ ممبر اپنے پاس ایسے رومال رکھتے تھے جن پر طوطنخ آمن کی تصویر چھپی ہوتی تھی۔ مجھے یہ علم نہیں کہ لارڈ رے یہ رومال کہاں تیار کراتا تھا۔ خود میرے پاس ایسا رومال نہیں تھا۔ شاید اس لیے کہ میرا شمار عام ممبروں میں نہیں ہوتا تھا۔ وہ رومال جو اس جگہ ہمیں ملا۔ بلاشبہ ماریا کا تھا کیونکہ اس کے ایک کونے میں سرخ ریشم سے لفظ ماریا کڑھا ہوا تھا اور وہ ہمیں اس ٹیلے سے جہاں پیڈی کے بیان کے مطابق لاش پڑی تھی کوئی تیس چالیس قدم کے فاصلے پر ملا تھا۔ قیاس اغلب تھا کہ جب ماریا وہاں سے روانہ ہوئی ہوگی تو رومال گر گیا ہوگا۔ جب میں نے رومال اٹھایا تو میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا تھا کیوں کہ اس میں سے ہلکی ہلکی خوشبو آ رہی تھی اور خوشبو مجھے جانی پہچانی لگ رہی تھی۔ میں اس خوشبو سے پہلے بھی متعارف ہو چکا تھا مگر کہاں؟ بار برا، روز آلبہ، سونیا، اولگا، ریفا۔ نہیں ان میں سے کوئی بھی نہیں پھر کہاں میں اس عجیب ہلکی ہلکی مگر قدرے نامانوس خوشبو سے دوچار ہوا تھا۔ ذہن پر بہت زور دیا مگر یاد نہ آ سکا۔ میں نے رومال پیڈی کی طرف بڑھا کر کہا تھا۔

''ذرا اسے سونگھو تو؟''

اس نے رومال ناک کے سامنے لہرا کر کہا تھا ''عجیب سی خوشبو ہے مگر کچھ بھلی نہیں لگتی۔''

''تمہیں یاد ہے کہ تم نے یہ خوشبو پہلے کہاں سونگھی تھی؟''

''نہیں کچھ یاد نہیں آتا۔''

''خیر۔'' میں نے کہا تھا ''اس رومال کے ملنے سے یہ ثابت ہوگیا کہ ماریا اس جگہ موجود تھی مگر میں نہیں سمجھتا کہ تم نے اس کی لاش دیکھی ہوگی۔''

''ماسٹر میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' پیڈی نے جھلا کر کہا تھا ''میں نے اسے چھو کر دیکھا تھا۔ اس کا ہاتھ نہ صرف سرد تھا بلکہ اس کی نبض بھی ساکت تھی۔ مجھے قطعی یقین ہے کہ وہ مر چکی تھی۔''

''تو پھر اس کی لاش کہاں گئی؟''

پیڈی لاجواب ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

پھر ہم وہاں سے روانہ ہو گئے تھے۔ ماریا کی لاش پیڈی نے دیکھی ہو یا اسے غلط فہمی ہوئی ہو مگر یہ بات طے تھی کہ وہاں پر ماریا کچھ دیر ٹھہری ضرور تھی۔ چنانچہ ہمارا وہاں مزید ٹھہرنا مناسب نہ تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اب بھی آس پاس کہیں موجود ہو اور ہمیں دیکھ لے۔ لہٰذا ہم فوراً چل پڑے تھے۔ وہ رومال میری جیب میں موجود تھا اور وقتاً فوقتاً اس کی خوشبو میری ناک سے ٹکرائی اور مجھے خلجان میں مبتلا کرتی تھی۔ کہاں سونگھی ہے یہ خوشبو میں نے؟ لیکن یاد نہیں آتا تھا۔ باوجود کوشش کے یاد نہیں آتا تھا پھر میں نے سوچا کہ اس میں اس قدر پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ رومال ماریا کا ہے لہٰذا یہ خوشبو بھی ماریا ہی استعمال کرتی ہو گی اور میں نے اسی کے پاس سونگھی ہو گی۔ یقیناً یہی بات درست ہے۔ میں نے اپنے آپ کو تسلی دی۔

مجھے کچھ ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں کہ ہم کب تک چلتے رہے اور کیوں کر چلتے رہے۔ اپنے جسم کی زندہ لاش کو گھسیٹنے کا عمل کبھی خوشگوار نہیں ہوتا۔ نیز مجھے یہ بھی اندازہ نہیں کہ ہم نے کتنا فاصلہ طے کیا لیکن جب رات ہو گئی اور سناٹا ہر سو مسلط ہو گیا اور مجھ میں مزید چلنے کا یارا نہ رہا تو میں نے پیڈی سے کہا کہ اب کسی جگہ رک جانا چاہیے۔ اس وقت رات کے پہلے پہر کی آخری گھڑیاں تھیں۔ آسمان کفن کی صورت میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک محیط تھا اور اس کفن کے وسط میں پیلا چاند یوں لٹکا ہوا تھا جیسے کسی مردہ جسم کی کھلی ہوئی آنکھ۔ چاروں طرف پھیکی، بے روح چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ پیڈی نے بحث کی نہ اختلاف، چپ چاپ راضی ہو گیا۔ ہم نے تھوڑی سی جستجو کے بعد ایک ایسی جگہ تلاش کر لی جہاں چھپ کر رات یا رات کا کچھ حصہ گزارا جا سکتا تھا۔ یہ دو چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کے درمیان ایک مختصر سی خلا تھی۔ ہم نے ادھر ادھر سے کچھ خشک جھاڑیاں اکٹھی کیں اور انہیں درمیانی خلا کے آگے اس طرح رکھ دیا کہ ان کے پیچھے تقریباً چھپ گئے۔ میں نے ٹیلے کی نرم مٹی سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ میرے ذہن میں خیالات کا ہجوم تھا لیکن یہ دوسری بات ہے کہ ذہنی خستگی کے باعث کوئی بھی خیال واضح نہیں تھا۔ مختلف سوچیں ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو رہی تھیں پھر میرا دھیان اپنی موجودہ حالت کی طرف گیا اور میں دل ہی دل میں یکا یک ہنس دیا۔ انتہائی دکھ اور لاچاری کے عالم میں آدمی یا تو ہنستا ہے یا روتا ہے۔ مجھے اپنے آپ پر ہنسی آئی تھی۔ کبھی سپنے میں بھی گمان نہیں ہوا تھا کہ قسمت مجھے ایسی صورت حال سے دوچار کرے گی۔ یہ عظیم ترین اندھا، بہرہ اور بے حس ریگستان اور میں۔ یہ بے کسی، لاچاری اور جان بچانے کی دیوانہ وار جدوجہد اور میں۔ یہ آسیبی سناٹا اور طلسمی اندھیرا اور میں۔ میری قسمت میں آخر یہ سب کچھ کیوں لکھا تھا۔ میری زندگی میں یہ راتیں..... یہ مختلف النوع اور انوکھی راتیں کیوں آئیں۔ ایک رات وہ تھی جب فریدہ نے میری بھیگی ہوئی آنکھوں کی پروا کیے بغیر بڑی بے مہری سے مجھ سے قطع تعلق کیا تھا پھر ایک رات وہ تھی جب روز آلبہ جیسی سنہری حسینہ میرے بازوؤں میں آئی تھی اور پھر ایک رات وہ تھی جب باربرا کا سیاہ ہیرے سے ترشا ہوا بدن میرے پہلو میں پھیلا تھا اور ایک رات یہ ہے کہ میں بھوکا پیاسا درماندہ دریدہ ذہن اور خستہ جاں موت کے ریگستان میں ایک ٹیلے کی آڑ میں چھپا بیٹھا ہوں۔ یہ ساری راتیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں مگر ایک بات ان میں مشترک ہے اور وہ یہ کہ اگر میں زندہ رہا تو انہیں زندگی کی آخری سانس تک یاد رکھوں گا۔

مگر کیا میں زندہ رہوں گا؟

یکا یک میرا دل بھر آیا۔ مایوسی رگ و ریشے میں سرایت کرتی چلی گئی۔ نہیں، اب کسی خوش فہمی کی گنجائش نہیں۔ میں چاروں طرف سے سراب میں گھرا ہوا ہوں۔ اب میرے زندہ بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ میرا دل یکا یک غم واندوہ کے بھنور میں ڈوبتا چلا گیا۔ یہ صحرا، یہ سنگدل صحرا بہر حال مجھے کھا جائے گا۔ موت کسی نہ کسی صورت میری سانسوں کی ڈور توڑ ڈالے گی۔ چاروں طرف دشمن موجود ہیں۔ طوطخ آمن، رعیس، ایمنوفس، ملکہ ٹیا، افریٹی، نیفا اور ارفینا اور پھر اخن عاتن، ایمن، رع اور اسائرس۔ یہ بڑے خطرناک دشمن ہیں۔ یہ کبھی معاف نہیں کرتے۔ جسے ہلاک کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں، اسے ضرور مار ڈالتے ہیں۔ یہ مجھے بھی مار ڈالیں گے۔ انہوں نے مجھے مارنے کے لیے ہزاروں سال انتظار کیا ہے اور اب یہ سب کے سب لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفا اور کارسن اور ٹیا اور باربرا اور ماریا کی صورت میں میرے چاروں طرف موجود ہیں۔ یہ لوگ بہر حال مجھے تلاش کر لیں گے اور جان سے مار ڈالیں گے اور بہ فرض محال ان لوگوں سے بچ کر نکل جانے میں کامیاب ہو بھی جاؤں تو کیا یہ صحرا مجھے چھوڑ دے گا۔ میں نے یکا یک پیڈی سے کہا۔

''پیڈی! کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم لوگ بچ جائیں گے؟''

پیڈی نے معاً آنکھیں کھولیں۔ اندھیرے میں مجھے گھور کے دیکھا پھر اس نے جواب دیا مگر اس نے مجھے جھوٹی تسلی دینے اور خواب دکھانے کی کوشش نہیں کی بلکہ نہایت ایمانداری اور صاف گوئی سے کہا ''نہیں۔''

میں نے افسردگی سے سر ہلایا ''تم ٹھیک کہتے ہو۔ اب ہم نہیں بچیں گے۔ موت بہر حال آ جائے گی اور یہ کتنی بے چارگی کی موت ہوگی۔''

''مگر ہمیں امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔'' اس نے قدرے ٹھہر کر کہا۔

''ٹھیک ہے لیکن ہم کریں گے کیا؟''

''ہم کوشش کرتے رہیں گے۔'' پیڈی نے جواب دیا مگر اس کے لہجے میں تیقن کا فقدان تھا ''ہمارے پاس اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں ہے۔ اگر ہم ہمت ہار کر بیٹھ گئے تو گویا اپنی ہلاکت کو خود ہی دعوت دیں گے۔''

''تمہاری بات عقلی نقطۂ نظر سے بالکل درست ہے۔ مگر مجھے ڈر ہے کہ ہم شاید اس صحرا سے زندہ نہیں نکل سکیں گے۔''

پیڈی نے بالوں میں ہاتھ پھیرا پھر لمبی سانس لے کر بولا ''ماسٹر! آپ کی بات بھی غلط نہیں۔ جو کچھ مجھے پروفیسر ریمزے اور بعد ازاں انوار بے سے معلوم ہوا ہے۔ اس کے مطابق یہ ایک بے حد طویل و عریض صحرا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں اتنے بڑے ریگستان صرف دو تین ہی ہیں۔ خاص طور پر شمال مشرق کی سمت میں تو میلوں تک سوائے ریت کے کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ آپ کا یہ کہنا درست ہے کہ اس ریگستان سے نکل جانا ایک معجزے سے کم نہیں ہوگا۔''

میں نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور جرح کے انداز میں کہا ''یہ جانتے ہوئے بھی تم نے شمال مشرق میں جانے کا فیصلہ کیا ہے؟''

''ہاں، کیونکہ مجبوری ہے۔'' اس نے جواب دیا ''آپ کو لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفا کی طرف سے کسی قسم کی خفیف سی خوش فہمی میں بھی مبتلا نہیں رہنا چاہیے۔ اس نے اب تک تاہوہ، اسکندریہ، اسماعیلیہ اور دوسرے

مقامات پر اپنے آدمیوں کو مقرر کر دیا ہوگا چنانچہ ہم اس طرف نہیں جا سکتے۔ ہمیں شمال مشرق کی طرف ہی جانا پڑے گا۔ اس طرف ریگستان کی وسعت میلوں تک پھیلی ہوئی ہے اور میری معلومات کے مطابق صحرا میں کہیں کہیں نخلستان بھی ہیں۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ کسی نخلستان میں پہنچ جائیں۔ اس کے بعد طے کریں گے کہ آگے کیا کرنا چاہیے۔''

میں نے تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد کہا ''تو گویا یہ طے ہے کہ لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا وغیرہ مجھے قتل ضرور کریں گے۔''

''ہاں۔''

''کیا یہ بھی پیش گوئی کا حصہ ہے؟''

پیڈی نے چند لمحے سوچا پھر کہا ''ماسٹر! کتاب ارفینا کے متعلق مجھے جتنا کچھ معلوم تھا وہ آپ کو بتا چکا ہوں۔ میری معلومات کے مطابق پیش گوئی یہی ہے کہ اگر کسی وجہ سے پیش گوئی کا ایک حصہ یعنی رسم شادی نہ ہو سکے تو آپ کو ہلاک کر دیا جائے مگر کتاب ارفینا میں صرف اتنا ہی درج نہیں ہے، جتنا میں نے آپ کو بتایا ہے۔ یہ تو محض ایک حصہ تھا۔ اس میں اور بھی کئی دعائیں، واقعات اور پیش گوئیاں درج ہیں۔ چنانچہ ہو سکتا ہے کہ طوطنخ آمن کی واپسی والی پیش گوئی کا کوئی اور حصہ بھی ہو۔ کوئی تیسرا یا چوتھا یا پانچواں حصہ۔ یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے حصے کی ناکامی کے بعد بھی پیش گوئی کو کسی اور طریقے سے پورا کیا جا سکے گا مگر مجھے ان تفصیلات کا کوئی علم نہیں ہے۔''

''دوسرے الفاظ میں گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ لوگ مجھے ہلاک کرنے کے بجائے پکڑنے کی کوشش کریں گے تاکہ پیش گوئی کو پورا کیا جا سکے۔''

''ہاں۔'' پیڈی نے سر ہلایا ''لیکن میں یقین سے کچھ نہیں کر سکتا۔ صرف میرا قیاس ہے۔''

اور اس کا قیاس درست ہونے کے ان گنت امکانات موجود تھے۔ ایمن سوسائٹی بہر حال بے شمار رازہائے سربستہ کا نام تھا اور لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا کی حیثیت ایسے جادوگروں کی تھی جن کے تھیلے سے کیا نکلے گا۔ یہ اندازہ لگانا تقریباً ناممکن تھا۔ ہو سکتا ہے کہ پیش گوئی کی تکمیل کی کوئی اور صورت یا صورتیں بھی موجود ہوں جن پر وہ لوگ عمل کرنے کی کوشش کریں۔ میں نے اس ضمن میں اور کوئی گفتگو نہیں کی کہ یہ سعی لاحاصل کے مترادف ہوتا۔ قیاس کے گھوڑے دوڑانے سے فائدہ بھی کیا تھا۔ میں نے جیب سے سگریٹ نکالی۔ ایک پیڈی کو دی، ایک اپنے ہونٹوں میں دبائی پھر آہستہ سے کہا۔

''تھوڑی سی عیاشی کر لیں۔''

پیڈی نے چھاگل ہلائی ''تین چار گھونٹ سے زیادہ نہیں ہوں گے۔''

''لاؤ یار کل کی کل دیکھی جائے گی۔'' میں نے غصے سے کہا۔

پھر ہم کچھ ادھر ادھر کی گفتگو کرتے رہے۔ پیڈی نے مجھے اپنے بعض بڑی ریسوں کا حال سنانے لگا جنہیں وہ خواہش اور کوشش کے باوجود نہیں جیت سکا تھا۔ باوصف اس کے کہ اس کا گھوڑا ایزن کا سب سے اچھا گھوڑا تھا۔ کچھ دیر کے بعد آخر کار گفتگو ختم ہو گئی۔ ہم دونوں تھک کر اور بیزار ہو کر چپ ہو گئے۔ میں نے آنکھیں بند کر

لیں۔ مصائب، آلام، بھوک اور پیاس کے ان گنت لمحے آگے ہیں۔ کیوں نہ اس وقت کچھ دیر سو لیا جائے مگر مجھے نیند نہیں آئی۔ البتہ ذہن و اعصاب پر ایک غفلت سی ضرور طاری رہی۔ مجھے فرار ہوئے تقریباً چوبیس گھنٹے ہو گئے تھے مگر ابھی تک میں بادشاہوں کی وادی سے کچھ زیادہ دور نہیں جا سکا تھا اور ہر چند کہ میرے فرار کے فوراً بعد ہی لارڈ رے وغیرہ میری تلاش میں نکل پڑے تھے تاہم وہ مجھے نہیں پا سکے تھے۔ اس کے باوجود وہ کئی گروپوں میں بٹ کر ہر طرف میری تلاش میں سرگرداں تھے۔ مجھے یوں ہی خیال آیا کہ کیا واقعی وہ مجھے تلاش نہیں کر سکے تھے یا یہ کہ انہوں نے جان کر مجھے پکڑنا نہیں چاہا تھا۔ بلکہ قصداً ایسے حالات پیدا کیے تھے کہ میں ادھر ادھر بھاگتا پھروں شاید ایسا ہی ہو۔ میں نے سوچا، ہو سکتا ہے کہ وہ ہر لمحہ اس بات سے باخبر رہے ہوں کہ میں کہاں ہوں اور کیا کر رہا ہوں لیکن کسی خاص مقصد کے تحت مجھے پکڑنے کے بجائے انہوں نے صرف مجھ پر نگاہ رکھنے پر اکتفا کیا ہو۔ اگر یہ خیال درست ہے تو پھر وہ مقصد کیا ہو سکتا ہے۔ میں سوچتا رہا اور رات دھیرے دھیرے رینگتی ہوئی۔ حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔

اس دن کا سورج دوسرے لاکھوں کروڑوں انسانوں کے لیے روشنی لایا ہو گا مگر میرے لیے اس کے دامن کے اجالے کی ایک کرن بھی نہیں تھی۔ ہاں، اندھیرا، صرف اندھیرا، مزید آفات، مصائب اور دکھ کا اندھیرا۔ جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا کہ اس دن کئی ایسے واقعات پیش آئے جنہوں نے میرے حواس اور اعصاب کو بری طرح متاثر کیا اور میرے لیے یہ طے کرنا مشکل ہو گیا کہ میں کیا کروں۔ جب ہم عارضی پناہ گاہ سے نکلے تو دھوپ ہر طرف پھیل چکی تھی۔ سارے میں سناٹا طاری تھا اور گو کہ ابھی صبح ہوئی ہی تھی مگر دھوپ میں بہت حدت تھی۔ ریت کا ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کر رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے پورے ریگستان میں ہر شے بالکل ساکت و جامد ہو گئی ہو۔ مجھے خود کوئی تجربہ نہیں تھا لیکن سنا تھا کہ صحرا میں ایسے سکوت کا مطلب ہوتا ہے آندھی۔ میں نے جب یہ بات پیڈی سے کہی تو اس نے بھی اتفاق کیا۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ آندھی یا طوفان کا آنا آئندہ چند گھنٹوں میں ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ چوبیس گھنٹوں کے بعد آندھی آئے مگر یہ کوئی طے شدہ کلیہ نہیں کبھی کبھی صرف آثار ہی پیدا ہوتے ہیں لیکن آندھی نہیں آتی۔

پھر ہم دونوں چل پڑے۔ اس عالم میں کہ ہمارے پاس نہ پینے کے لیے پانی کا ایک قطرہ تھا۔ تھیلا میرے کندھے سے لٹکا ہوا تھا مگر اس میں سگریٹ اور دوسری اشیا کے سوا کچھ نہیں تھا۔ چھاگل بھی موجود تھی۔ پیڈی کے اصرار کے باوجود میں نے اسے پھینکنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ امید موہوم ہی سہی، مگر بہر حال تھی کہ شاید کسی وقت خوش قسمتی سے کہیں پانی مل جائے تو پھر چھاگل بھر لوں گا۔ صحرا میں کھانے کے بغیر آدمی کئی دن جی سکتا ہے لیکن پانی کے بغیر ایک لمحہ اس طرح گزرتا ہے کہ زندگی موت سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔

ہم دونوں چلتے رہے۔ قدم بہ قدم آگے بڑھتے رہے۔ جیسے جیسے سورج چڑھ رہا تھا اور دھوپ تیز ہو رہی تھی، ویسے ویسے میرے جسم کے اندر ہر حصے میں تپش بڑھتی جا رہی تھی۔ سانس گرم ہو گئی تھی اور حلق بری طرح خشک ہو رہا تھا۔ پیڈی کی حالت بھی مجھ سے مختلف نہیں تھی مگر ہم نے ایک دوسرے سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ چپ چاپ رہے۔ ایک گھنٹہ اسی حالت میں گزر گیا اور تب پہلا واقعہ پیش آیا۔

ہم دونوں ایک ٹیلے کے قریب پہنچے۔ اس کی بلندی تو زیادہ نہیں تھی۔ البتہ پھیلاؤ کافی وسیع تھا۔ ہم نے چند

منٹ وہاں گزارے اور تھوڑی سی بحث و تمحیص کے بعد سمت کے تعین پر متفق ہو گئے۔ شمال مشرق کی طرف جانے کے لیے ہمیں اس ٹیلے کے دوسری طرف پہنچنا تھا۔ ہم ٹیلے کے کنارے کنارے چکر کاٹتے ہوئے دوسری طرف پہنچے اور تب ہماری نظر چارلس بونڈ پر پڑی۔ وہ تقریباً چالیس یا پچاس گز کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ خوش قسمتی سے ہم دونوں اس وقت آڑ میں تھے اس لیے وہ ہمیں نہیں دیکھ سکا۔ وہ اکیلا تھا اور بڑی توجہ سے سامنے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کا تنہا ہونا تعجب خیز امر تھا کیونکہ جہاں تک میرا علم اور قیاس تھا وہ لوگ تین تین چار چار افراد کے گروپ میں ہٹ ہٹ کر مجھے ڈھونڈ رہے تھے۔ ممکن ہے چارلس بونڈ کے ساتھ بھی دو تین افراد ہو رہے ہوں اور وہ اس وقت اطراف کا جائزہ لینے چلے گئے ہوں۔ یا ممکن ہے کہ بونڈ رات میں کسی وقت اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا ہو۔ ہم دونوں پیچھے کھسک کر کچھ اور آڑ میں ہو گئے اور گردن ذرا سی آگے بڑھا کر اسے دیکھنے لگے۔ میں نے دبے لفظوں میں پیڈی سے اپنے خدشات کا اظہار کیا۔ پیڈی نے گردن کی خفیف سی جنبش سے تسلیم کیا کہ بونڈ کا تنہا ہونا واقعی تعجب خیز ہے پھر میں نے اس سے کہا کہ ہمیں فوراً روانہ ہو جانا چاہیے کیونکہ بونڈ کے ساتھ کچھ اور لوگ ہیں اور وہ ادھر ادھر جائزہ لینے گئے ہیں تو ممکن ہے کہ وہ ہمیں دیکھ لیں مگر پیڈی اپنی جگہ سے نہیں ہلا، بدستور بونڈ کو گھورتا رہا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

''ماسٹر! اس کے پاس چھاگل ہے۔''

''ہاں ہے۔'' میں نے مضطربانہ لہجے میں کہا ''مگر میں کہہ رہا ہوں کہ ہمیں فوراً.....''

''اور اس کے پاس ایک تھیلا بھی ہے۔'' پیڈی نے حریصانہ آواز میں پھر کہا۔

''تھیلے کو گولی مارو۔'' میں جھنجلا کر بولا ''آؤ جلدی کرو، ہم اس طرف چلتے ہیں۔'' میں نے بائیں جانب اشارہ کیا۔

''تم آخر کیا سوچ رہے ہو؟'' میں نے معاً اسے گھورا۔ مگر پیڈی نے سنی ان سنی کر دی تھی۔ ''تھیلے میں شاید کچھ کھانے کا سامان بھی ہوگا۔''

''ماسٹر!'' پیڈی نے گردن گھمائی اور اپنے پپڑی زدہ ہونٹوں پر زبان پھیری ''اسے یہ علم نہیں کہ میں آپ کا ساتھ دے رہا ہوں۔ چنانچہ آپ یہاں چھپے رہیں۔ میں اس کے پاس جاتا ہوں۔ میں اس سے کہوں گا کہ میں بھی ماسٹر کی تلاش میں مسلسل بھٹکتا پھر رہا ہوں اور بدقسمتی سے لارڈ رے وغیرہ سے میرا رابطہ قائم نہیں رہ سکا۔ نیز یہ کہ میرے پاس پانی اور کھانا ختم ہو چکا ہے پھر میں اس سے دونوں اشیا لے کر واپس آ جاؤں گا۔''

''اور اگر اس نے اصرار کیا کہ تم اس کے ساتھ ہی رہو، تب؟''

''میں انکار کر دوں گا۔'' پیڈی نے کہا ''میں اس سے کہوں گا کہ میں تنہا ہی آپ کو تلاش کروں گا۔''

پیڈی کی بات میں کوئی وزن نہیں تھا چنانچہ میں نے انکار کر دیا مگر اس نے میری بات پر قطعی دھیان نہیں دیا اور اس سے پہلے کہ میں اس کے ارادے سے باخبر ہوتا وہ لپک کے آگے بڑھ گیا۔ پچھلے کئی غلط فیصلوں کی طرح یہ بھی ایک غلط قدم تھا مگر شاید بھوک اور پیاس نے پیڈی کو کچھ زیادہ ہی ہراساں کر دیا تھا۔ شاید اس میں بھوک اور پیاس کا مقابلہ کرنے کی ہمت بالکل نہیں رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بونڈ کے شانے پر لٹکے ہوئے تھیلے اور چھاگل نے اسے بے تاب کر دیا تھا۔ میں چپ چاپ کھڑا رہا اور سراسیمہ نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ تیز تیز قدموں

سے بونڈ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس وقت کئی خیالات میرے ذہن میں یکے بعد دیگرے آئے جن میں سے ایک یہ تھا کہ مجھے پیڈی کی عاقبت نااندیشی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اس جگہ سے فوراً روانہ ہو جانا چاہیے۔ پیڈی نے جو حماقت کی ہے وہ نہ صرف اس کی مصیبت کا سبب بنے گی بلکہ میرے لیے بھی ہلاکت کا پیش خیمہ بن جائے گی۔ بونڈ اتنا بے وقوف نہیں ہو سکتا کہ پیڈی کی تاویلات کو تسلیم کر لے۔ وہ ضرور رجوع کرے گا۔ کہ تم اب تک کہاں تھے اور تم نے بقیہ لوگوں سے رابطہ قائم کیوں نہیں کیا؟ وغیرہ وغیرہ۔ پیڈی ان سوالوں کا کیا جواب دے گا۔ ممکن ہے وہ کوئی غلطی کر بیٹھے۔ بہتر یہی ہے کہ میں فوراً بھاگ نکلوں مگر باوجود خواہش کے میں اس پر عمل نہیں کر سکا۔ تجسس کی کسی اندرونی لہر نے میرے قدم روک لیے اور میری نگاہ پلک جھپکنے کے عمل سے غافل ہو کر پیڈی پر جمی رہی۔ میں نے دیکھا کہ وہ بونڈ کے پاس پہنچا۔ فاصلہ ہر چند کہ زیادہ تھا پھر بھی میں نے بونڈ کی حرکات سے واضح طور پر محسوس کر لیا کہ اسے پیڈی کو دیکھ کر شدید حیرت ہوئی ہے پھر میں نے اسے دیکھا کہ وہ آپس میں باتیں کرنے لگے ہیں۔ آواز مجھ تک نہیں پہنچ سکتی تھی لیکن ان کے ہاتھوں کی تیز تیز حرکات سے صاف اندازہ ہوتا تھا کہ ان کی گفتگو کچھ خوشگوار نہیں ہے۔ چارلس بونڈ انتہائی جوشیلے انداز میں کچھ کہہ رہا تھا۔ پیڈی کا انداز بھی اس سے مختلف نہیں تھا۔ ان کی گفتگو تقریباً تین چار منٹ چلی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا، اس کا مجھے گمان بھی نہ تھا۔ میں نے پیڈی کو گھومتے ہوئے دیکھا پھر چارلس بونڈ کو جھپٹتے دیکھا۔ پیڈی نیچے گر پڑا اور پھر اس سے قبل کہ وہ اٹھتا بونڈ نے اسے چھاپ لیا۔ دونوں بری طرح گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ چارلس بونڈ شاید پیڈی کا گلا دبانے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہوا۔ پستہ قد اور پتلا دبلا پیڈی دفعتاً اس کی گرفت سے نکل گیا۔

میری حالت اس وقت عجیب تھی۔ حواس کچھ دیر کے لیے بالکل جواب دے گئے تھے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں؟ بھاگ نکلوں یا پیڈی کی مدد کے لیے جاؤں۔ پیڈی کی مدد کرنا اخلاقی، انسانی اور دوستانہ نقطۂ نظر سے میرا فرض تھا۔ آخر کو اس نے انتہائی بدترین حالات میں میرا ساتھ دیا تھا مگر اس کی مدد کا دوسرا پہلو کیا ہوتا۔ اپنی موت کو خود بلا کر گلے لگانا۔ چنانچہ میرے لیے صرف ایک ہی راستہ تھا۔ وہ یہ کہ پیڈی کو اس کے حال پر چھوڑ کر فرار ہو جاؤں مگر میں فرار بھی نہ ہو سکا۔ اپنے آپ سے تقریباً بے خبر ہو کر ان کو لڑتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پیڈی ادھر ادھر بھاگ رہا تھا اور مناسب موقع ملنے پر لپک کر وار بھی کرتا تھا۔ بونڈ جو پیڈی کے مقابلے میں زیادہ جسیم اور قد آور تھا۔ پیڈی کو پکڑنے کی دیوانہ وار کوشش کر رہا تھا۔ اتنی دیر میں کم از کم ایک بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی تھی اور وہ یہ کہ بونڈ واقعی تنہا تھا۔ اگر تنہا نہ ہوتا تو ضرور آواز دے کر اپنے ساتھیوں کو بلاتا۔ البتہ میں یہ قیاس کرنے سے قاصر تھا کہ ان کی لڑائی کس بنا پر ہوئی ہے۔ ان کا چوہے بلی کا کھیل مزید چند منٹ تک چلا پھر میں نے دیکھا کہ بونڈ نے چاقو نکال لیا ہے اور لپک لپک کر پیڈی کو دبوچنے کی کوشش کر رہا ہے اور آخر کار وہ کامیاب ہو ہی گیا۔ اس نے پیڈی کی آستین پکڑ لی اور دونوں ایک بار پھر گتھم گتھا ہو گئے۔ میں نے پیڈی کو گھونسہ چلاتے ہوئے دیکھا پھر بونڈ کا ہاتھ فضا میں بلند گیا اور چند فٹ کے فاصلے پر جا گرا۔ دوسرے لمحے پیڈی بھی اس کی گرفت سے نکل گیا پھر میں نے دیکھا کہ پیڈی نے چاقو اٹھایا اور پوری قوت سے پھینک کر مارا۔ نشانہ خطا نہیں گیا۔ چاقو بونڈ کے سینے پر لگا۔ اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور پھر میں نے اسے لہرا کر گرتے ہوئے دیکھا۔

دوسرے لمحے میں نے خود کو اندھا دھند پیڈی کی طرف دوڑتے ہوئے پایا۔

قریب پہنچ کر میں نے دیکھا کہ بونڈ کے سینے سے خون کا فوارہ ابل رہا ہے۔ اس کی آنکھیں چڑھی ہوئی ہیں اور رفتہ رفتہ ڈوبتی جا رہی ہیں۔ اتفاق سے چاقو عین اس کے دل پر لگا تھا۔ اسے دم توڑنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ پیڈی ایک جانب کھڑا تھا اور کتوں کی طرح زبان نکال کر ہانپ رہا تھا۔ بونڈ کے پاس جو اشیا تھیں وہ ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں۔ تھیلا ایک طرف پڑا تھا۔ دوسری طرف دوربین تھی۔ کچھ فاصلے پر ایک چھوٹے سے گڑھے میں چھاگل بھی پڑی ہوئی تھی مگر سب سے زیادہ اندوہناک بات یہ تھی کہ چھاگل کا ڈھکن کسی وجہ سے کھل گیا تھا اور چونکہ اس کا منہ نیچے کی جانب تھا، اس لیے سارا پانی بہہ گیا تھا۔

میں نے دفعتاً تند لہجے میں کہا ''یہ..... یہ تو مر گیا ہے۔''

''ہاں۔'' پیڈی ہانپتا ہوا بولا ''میں کیا کرتا۔''

''مگر..... مگر تم نے مار ڈالا ہے۔''

پیڈی نے چونک کر مجھے گھورا۔ ''آپ کا کیا مطلب ہے ماسٹر؟''

''آخر اسے قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' میں نے مزید غصے سے کہا۔

''ماسٹر!'' پیڈی ہونٹ چبا کر بولا ''آپ اس حالت میں بھی اخلاق اور انسانیت کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔''

واقعی یہ عجیب بات تھی۔ بونڈ تو ان لوگوں کا نمائندہ تھا جو دشمنی اور انتقام کے سارے ہتھیاروں سے لیس ہو کر میری تلاش میں نکلے تھے۔ نہ صرف یہی بلکہ چارلس بونڈ خود بھی اگر مجھے پا لیتا تو یقیناً کوئی اچھا سلوک نہ کرتا۔ شاید قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کرتا۔ اس کے باوجود مجھے اس کا مرنا اچھا نہیں لگا تھا۔ پیڈی کو آخر کیا حق حاصل تھا کہ وہ اس کی جان لے۔ میں نے قدرے تذبذب کے بعد ترش لہجے میں کہا۔

''مگر تم نے اسے مارا کیوں، اس کی کیا ضرورت تھی؟''

''اگر میں ایسا نہ کرتا تو وہ مجھے اور پھر آپ کو قتل کر دیتا۔'' پیڈی نے بدستور ہانپتے ہوئے کہا ''آپ نے دیکھا ہوگا کہ چاقو اسی نے نکالا تھا اور پہلے وار بھی اسی نے کیا تھا۔''

میں چپ ہو گیا۔ اختلاف کی گنجائش نہ تھی۔ میں نے خود بونڈ کو چاقو نکالتے اور پھر پیڈی پر حملہ کرتے دیکھا تھا۔ چند ثانیے بعد میں نے کہا ''مگر اس نے تم پر حملہ کیوں کیا تھا؟''

''کیونکہ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ میں آپ کا ساتھ دے رہا ہوں۔''

''کیا؟'' میں نے چونک کر اسے گھورا۔

''ہاں۔'' پیڈی نے سر ہلایا ''نہ صرف بونڈ بلکہ سبھی کو یہ بات معلوم ہو چکی ہے۔ بونڈ نے یہ بھی بتایا تھا کہ لارڈ نے باقاعدہ طور پر حکم جاری کر دیا ہے کہ مجھے قتل کر دیا جائے۔ بونڈ نے اسی بنا پر مجھ پر حملہ کیا تھا۔ مجھے قتل کرنے کے بعد وہ آپ کو تلاش کرتا کیونکہ یہ قیاس کرنا مشکل نہیں تھا کہ آپ بھی ہیں آس پاس ہی کہیں ہوں گے۔''

''مگر یہ بات ان لوگوں کو کیسے معلوم ہوئی؟'' میں نے تند لہجے میں پوچھا۔

''مجھے خود حیرت ہے۔'' پیڈی نے جواب دیا ''پتا نہیں ان لوگوں کو کیوں کر علم ہو گیا۔''

''کیا واقعی تمہیں حیرت ہے؟'' میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اسے گھورا۔

پیڈی نے یکا یک تلخی سے کہا ''ماسٹر مجھ پر خواہ مخواہ شبہ نہ کرو۔ تمہارا ساتھ دے کر میں ویسے ہی مصیبت میں پڑ گیا ہوں۔ اگر اس میں بھی کوئی میرا ہاتھ ہوتا تو میں بونڈ کو قتل نہ کرتا۔ بھوک اور پیاس کے عذاب میں مبتلا نہ ہوتا لیکن میری دوستی اور ہمدردی پر انعام یہ ہے کہ مجھ پر شبہ کر رہے ہو۔ بھلا مجھے کیسے علم ہو سکتا ہے کہ انہیں میری اور تمہاری رفاقت کی بابت کیسے پتا چلا۔''

میں نے فوراً ہی کچھ نہیں کہا۔ گھوم کر ایک نظر بونڈ کی لاش پر ڈالی پھر پیڈی کو دیکھا۔ میرا ذہن بالکل الجھ کر رہ گیا تھا۔ پیڈی کا استدلال اگرچہ اپنی جگہ درست تھا مگر یہ بات بعید از فہم تھی کہ لارڈرے کو اس بات کا علم کیونکر ہوا۔ آخر کار میں نے کہا۔ ''تم مجھے پوری بات بتاؤ۔''

پیڈی آہستہ آہستہ کہنے لگا ''جب میں یہاں پر پہنچا تو سخت حیران ہوا۔ غالباً اسے امید نہیں تھی کہ میں خود ہی چل کر اس کے پاس جاؤں گا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ ماسٹر کہاں ہیں۔ میں نے کہا کہ مجھے علم نہیں۔ میں تو خود ماسٹر کی تلاش میں بھٹکتا پھر رہا ہوں پھر اس نے پوچھا کہ میں اب تک کہاں تھا۔ میں نے اس بات کا جواب دیا تو وہ کہنے لگا کہ ماسٹر کے دن پورے ہو چکے، وہ کہیں بھی چلے جائیں، زندہ نہیں بچیں گے پھر اس نے کہا کہ میری سانسیں بھی گنی جا چکی ہیں کیونکر لارڈرے اور باقی تمام افراد کو علم ہو چکا ہے کہ میں ایمن سوسائٹی سے بغاوت کا مرتکب ہوا ہوں، اور یہ کہ میری موت کا حکم جاری کیا جا چکا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ ساری باتیں بالکل غلط ہیں۔ میں نے ایمن سوسائٹی سے ہرگز غداری نہیں کی ہے، مگر اس نے میرا اعتبار نہیں کیا اور اس بات پر اصرار کیا کہ میں اس کے ساتھ لارڈرے کے پاس چلوں۔ ماسٹر آپ خود ہی سوچئے کہ اس صورت میں میرے لیے کیا راستہ باقی رہ جاتا تھا۔''

''شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔'' آخر کار میں نے تسلیم کیا ''اور کیا بتایا تھا اس نے؟''

''اور کچھ نہیں، البتہ اس نے یہ ذکر ضرور کیا تھا کہ دو افراد واپس قاہرہ بھیجے گئے ہیں۔ چنانچہ اب تک تمام بڑے شہروں میں ایمن سوسائٹی کے مقامی آدمی مقرر ہو چکے ہوں گے جو ریلوے اسٹیشنوں، بندرگاہوں، ہوائی اڈوں اور تمام بڑی شاہراہوں کی نگرانی کریں گے تاکہ آپ اگر کسی طرح بڑے شہر میں پہنچ بھی جائیں تو ملک سے باہر نہ جا سکیں۔''

میں نے اپنے جسم کے اندر جھرجھری سی محسوس کی۔ پیڈی میری طرف توجہ دیئے ہوئے بغیر بدستور کہہ رہا تھا ''مزید بری خبر یہ ہے کہ لارڈرے نے قاہرہ سے مزید آدمی بلوائے ہیں تاکہ آپ کی تلاش میں آسانی ہو۔ وہ نہیں چاہتا کہ آپ اس ریگستان سے کسی بھی حال میں باہر نکل سکیں۔''

اتنا کہہ کر پیڈی چپ ہو گیا۔ میں نے بھی مزید کچھ نہیں پوچھا۔ پیڈی نے جو خبریں دی تھیں وہ اگر واقعی درست تھیں تو بلاشبہ میرے دن پورے ہو چکے تھے۔ لارڈرے کے ساتھ پہلے ہی کافی آدمی تھے۔ دس پندرہ اور آ گئے تو وہ بہ آسانی میرا قصہ ختم کر دیں گے۔ میں نے مایوسی سے دونوں ہاتھ ملے اور گھوم کر بونڈ کی لاش کو دیکھا۔ اس کے سینے سے ابھی تک خون ابل رہا تھا لیکن آنکھیں بے نور ہو چکی تھیں۔ پیڈی کا اقدام قتل کسی بھی طرح سے ناجائز نہیں تھا۔ اس نے ہم دونوں ہی کی سلامتی اور حفاظت کے لیے وار کیا تھا مگر اس کے باوجود مجھے بونڈ کا

مرنا اچھا نہیں لگا۔ اس سے ایک بے نام سی ہمدردی محسوس ہوئی۔ میری دانست میں وہ بھی بہر حال لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفا کی دیوانگی کی بھینٹ چڑھ گیا تھا پھر میں نے پیڈی کی جانب دیکھا۔ وہ آگے بڑھ کر اس جگہ جا کر کھڑا ہوا تھا جہاں چھاگل پڑی ہوئی تھی۔ یہ کتنے ستم اور بدقسمتی کی بات تھی کہ پیڈی نے بونڈ کی جان بھی لی تھی پھر بھی پانی ہاتھ نہیں لگا تھا۔

میں نے یکا یک کہا ''کیا بونڈا کیلا تھا؟''

''ہاں، مگر میں نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ کیوں؟'' پیڈی نے جواب دیا۔

''لیکن یہ قطعی اغلب ہے کہ دوسرے لوگ قریب ہی کہیں موجود ہوں۔'' میں نے اندیشہ ظاہر کیا۔

''ہاں، میرا خیال ہے ہمیں جلدی کرنی چاہیے۔''

ہم دونوں تقریباً پندرہ بیس منٹ کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے۔ پندرہ منٹ کا عرصہ کچھ زیادہ نہیں ہوتا مگر ہم نے اتنی ہی دیر میں بونڈ کی لاش اور دوسری غیر ضروری اشیا مثلاً چھاگل، تھیلا وغیرہ ریت میں دبا دی تھیں۔ البتہ دوربین میں نے اپنے شانے میں لٹکا لی تھی۔ دوسری چند چیزیں بھی جیب میں ڈال لی تھی۔ اس خیال سے کہ شاید کبھی وہ کسی کام آ جائیں۔ ہم تیز تیز قدموں سے چلتے رہے۔ اونچے ٹیلوں اور ریت کے تودوں کی آڑ لے کر۔ گو کہ ہم دونوں ہی کی جسمانی حالت ایسی نہیں تھی۔ گرمی، پیاس، بھوک اور کمزوری نے بے حال کر دیا تھا مگر رکنا ناممکن تھا چنانچہ ہم تیز قدموں سے آگے بڑھتے گئے۔ جب سانس پھول جاتی اور قدم اٹھانا دشوار ہو جاتا تو چند منٹ کے لیے رک جاتے۔ اس کے بعد پھر چل پڑتے۔ یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے لیکن میرا اندازہ ہے کہ ہم نے ایک گھنٹے میں کوئی دو ڈھائی میل کا فاصلہ طے کر لیا۔ اس وقت ہم دونوں جس جگہ تھے وہاں سے بادشاہوں کی وادی کے آثار نظر نہیں آتے تھے مگر یہ اندازہ ضرور ہوتا تھا کہ ہم کافی دور نکل آئے ہیں۔ ہمارا رخ بدستور شمال مشرق کی طرف ہی تھا۔ ابھی تک ہم ناہموار زمین پر ہی سفر کر رہے تھے۔ ریگستان کا یہ حصہ ٹھوس تھا اور اونچے ٹیلوں اور پہاڑیوں پر مشتمل تھا مگر یہ اندازہ کرنا مشکل نہ تھا کہ اور چند میل چلنے کے بعد ریگستان کا ریتیلا حصہ شروع ہو جائے گا۔ کیونکہ اب زمین نرم ہونا شروع ہو گئی تھی اور قدم اٹھانے میں قدرے دشواری پیش آنے لگی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ جب ہمیں کھلے ریگستان میں سفر کرنا پڑے گا تب کیا ہو گا۔ کیونکہ یہ بہر حال طے تھا کہ دو تین میل کا فاصلہ طے کر لینے کے بعد ہم لارڈ رے کی دسترس سے دور نہیں آئے ہیں۔ وہ لوگ قرب و جوار میں ضرور موجود ہوں گے اور جب ہم کھلے ریگستان میں سفر کریں گے تو ہمارا دیکھ لیا جانا بعید از قیاس نہیں ہے اور تب مجھے افسوس اور پچھتاوے نے گھیرنا شروع کر دیا۔ سہاگ رات کے کمرے سے فرار ہو کر اب تک جو کچھ میں نے کیا تھا۔ سب حماقت نظر آنے لگا۔ آخر شمال مشرق کی طرف بھاگنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ مجھے سیدھا قاہرہ کا رخ کرنا چاہیے تھا۔ ایک بار شہر پہنچ جاتا تو پھر دیکھا جاتا۔ ہونی تو ہو کر رہتی ہے۔ قسمت میں اگر مصائب و آلام ہی لکھے ہیں تو ان کا سامنا قاہرہ میں کرتا۔ ریگستان کی تپتی ہوئی زمین پر بھٹکنے اور بھوک و پیاس کی آگ سے جھلسنے کی کیا ضرورت تھی مگر یہ سب کچھ سوچنے سے اب کیا حاصل، جو کچھ ہونا تھا، ہو چکا، ممکن ہے کہ اس میں ہی میرے لیے کوئی بہتری لکھی ہو۔ میں ایسے ہی متضاد خیالات سے الجھا ہوا چلتا رہا۔ دھوپ کی شدت اور تپش میں اب اور اضافہ ہو گیا تھا۔ حد نگاہ تک محیط نیلے آسمان پر سورج کا گولہ ایک عظیم انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔ کئی

گھنٹوں کے گہرے سکوت کے بعد اب ہوا بھی چلنے لگی تھی اور معمول سے قدرے تیز تھی لیکن آندھی نہیں تھی۔ تیز ہوا کے باعث ریت کے ذرے ایک غبار کی صورت چاروں طرف اڑتے پھر رہے تھے۔ یہ غبار اتنا دبیز تھا کہ دس بارہ فٹ کے فاصلے کی چیزیں واضح نظر نہیں آتی تھیں بلکہ رات کے تودے اور خشک جھاڑیاں دھبوں کی طرح دکھائی دیتی تھیں۔ رفتہ رفتہ ہوا تیز ہوتی گئی اور ریت کا غبار نہ صرف زیادہ بلند بلکہ زیادہ گہرا ہوتا گیا۔

یکا یک پیڈی نے کہا ''ماسٹر لگتا ہے، آندھی آنے والی ہے.....''

''ہاں، کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے.....'' میں نے تشویش انگیز نظروں سے گردوپیش کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''ماسٹر کیوں نہ چند منٹ کے لیے کہیں رک جائیں۔'' پیڈی نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

میں نے چونک کر پیڈی کے چہرے پر نظر ڈالی۔ اس کی حالت بے حد خستہ ہو چکی تھی۔ چہرہ ست کر سکڑ گیا تھا۔ آنکھیں دھندلائی ہوئی تھیں اور ہونٹ بالکل سوکھ کر بدنما ہو گئے تھے۔ اسے شاید سانس لینے میں بھی دشواری ہو رہی تھی کیونکہ وہ منہ کھول کر بری طرح ہانپ رہا تھا۔ میں نے دفعتاً پوچھا۔

''پیڈی تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

پیڈی کے ہونٹ اسی طرح پھیل گئے جیسے اس نے مسکرانے کی کوشش کی ہو پھر اس نے خشک ہونٹوں پر سوکھی ہوئی زبان پھیر کر کہا۔

''ماسٹر، میں ٹھیک ہوں۔''

مگر وہ ٹھیک نہیں کہہ رہا تھا۔ مجھے بھی یہ سوال نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔ اس کی حالت تو اس کے چہرے پر لکھی تھی۔ صاف پتا چلتا تھا کہ بھوک اور پیاس نے اسے نڈھال کر دیا ہے۔ ممکن ہے وہ بیمار بھی ہو گیا ہو۔ میں نے متجسس نظروں سے اطراف کا جائزہ لیا۔ نگاہ کسی مناسب جگہ کی متلاشی تھی۔ جہاں ہم نہ صرف اڑتی ہوئی ریت سے ہی بلکہ دھوپ سے بھی بچ سکیں پھر میں نے اسے دائیں طرف آنے کے لیے کہا۔ میری رفتار غالباً کچھ تیز تھی۔ پیڈی ست قدموں سے چل رہا تھا۔ جب میں تیس چالیس قدم کا فاصلہ طے کر کے ایک ٹیلے کی آڑ میں پہنچا اور گھوم کر پیچھے دیکھا تو پیڈی نظر نہیں آیا۔ ریت کے دبیز غبار بارہ پندرہ فٹ سے آگے کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ میں چند منٹ انتظار کرتا رہا تھا۔ ہوا اب اور تیز ہو گئی تھی اور ریت کی دھند پانچ چھ فٹ کی بلندی تک چکراتی پھر رہی تھی۔ یقیناً آندھی کے آثار تھے۔ مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ ریگستان کی آندھی کیسی ہوتی ہے مگر اس وقت تھوڑی ہی دیر میں اندازہ ہو گیا۔ ریت کے ذرے منہ پر چیونٹوں کی طرح چبھ رہے تھے۔ آنکھ کھولنا دشوار تھا۔ میں نے ایک ہاتھ سے آنکھوں پر سائبان بنایا اور پیڈی کو دیکھنے کی کوشش کی مگر اس کا کہیں پتا نہیں تھا۔ چند منٹ مزید انتظار کے بعد میں اندازے سے اس طرف چلا، جدھر میں نے پیڈی کو چھوڑا تھا۔ ہوا دائیں سے بائیں چل رہی تھی اور اتنی تیز تھی کہ میں ایک قدم آگے بڑھتا تو وہ فٹ بائیں طرف دھکیل دیتی۔ بدوقت تمام میں نے دس پندرہ گز کا فاصلہ طے کیا لیکن پیڈی کہیں دکھائی نہیں دیا۔ تیز ہوا کی بنا پر شاید وہ کسی اور طرف نکل گیا تھا۔ میں یکا یک بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا.....

اب کیا کروں؟

محض چند منٹ کے وقفے کے بعد اور چند فٹ کے فاصلے نے ہمیں ایک دوسرے سے دور کر دیا تھا۔ کاش

میں تیز نہ چلا ہوتا بلکہ اس کے ساتھ رہا ہوتا تو یہ صورت حال پیش نہ آتی۔ میں نے ایک بار پھر دائیں بائیں دیکھا۔ یہ طے کرنا مشکل تھا کہ میں نے اسے کس جگہ چھوڑا تھا پھر میں نے اسے بلند آواز سے پکارنے کا ارادہ کیا اگر وہ آس پاس کہیں ہوگا تو ضرور جواب دے گا مگر اس کی نوبت نہیں آئی۔

یکا یک میری نگاہ ان لوگوں پر پڑی۔ وہ لوگ کچھ فاصلے پر تھے۔ شاید بیس پچیس قدم کے فاصلے پر، ریت کے غبار میں مجھے ان کے دھندلے خاکے نظر آئے اور پھر غائب ہوگئے۔ اگر انسانی خاکہ صرف ایک ہوتا تو میں یہی سمجھتا کہ وہ پیڈی ہے لیکن وہ دو تھے یا شاید تین یا چار۔ یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ محض میرا فریب نظر رہا ہو۔ کیونکہ ان کی جھلک صرف چند لمحوں کے لیے نظر آئی تھی پھر وہ ریت کی دھند میں غائب ہوگئے تھے۔ میں یکا یک خوفزدہ ہوکر ساکت کھڑا رہ گیا۔ تمام حسیات گویا مفلوج ہوکر رہ گئیں۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ ان انسانی خاکوں کی ہلکی سی جھلک کو کیا سمجھوں اور کیا کروں۔ تبھی میرے کانوں میں ایک آواز آئی۔ آواز کافی ہلکی تھی۔ چنانچہ نہ تو میں آواز کو پہچان سکا اور نہ الفاظ سمجھ میں آئے۔ میں یکا یک گھوما اور بائیں طرف دوڑنے لگا۔ تیز تیز جسم و جان کی پوری قوت سے چونکہ ہوا اسی رخ پر چل رہی تھی۔ اس لیے میری رفتار کافی تیز تھی۔ میں اندھا دھند بھاگتا چلا گیا۔ پیڈی کو چھوڑ کر بھاگنا ہر چند کہ مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ شاید بیمار تھا اور اسے میری مدد کی ضرورت تھی مگر میں اسے ڈھونڈنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ جن انسانی ہیولوں کو میں نے دیکھا تھا۔ اگر وہ میرا فریب نظر نہیں تھا تو گویا لارڈرے کے آدمی آس پاس ہی موجود تھے۔ میرا وہاں رک کر پیڈی کو تلاش کرنا اپنی موت کو آواز دینے کے مترادف ہوتا۔ لہٰذا میں بھاگتا رہا تیز اور تیز میری سانس بری طرح پھول رہی تھی۔ ہوا کے ریت سے بھرے ہوئے تھپیڑے مجھے بار بار دائیں بائیں دھکیل رہے تھے پھر بھی میں بھاگتا رہا پھر یکا یک میرے کانوں میں آواز آئی۔

''ارے وہ کون ہے؟''

''کہاں.....؟''

''وہ اس طرف، لگتا ہے کوئی آدمی ہے.....''

''نہیں تو، شاید تمہیں دھوکا ہوا ہے.....''

چونکہ میری ساری توجہ بھاگنے پر مرکوز تھی۔ اس لیے میں آوازوں پر زیادہ دھیان نہیں دے سکا۔ البتہ الفاظ ضرور سمجھ میں آگئے مگر یہ طے کرنا تقریباً ناممکن تھا کہ وہ آوازیں کتنے فاصلے سے آئی تھیں۔ ہوسکتا ہے، فاصلہ کافی رہا ہو اور ہوا کے تیز جھونکوں کی بنا پر آواز میرے کانوں تک پہنچ گئی ہو۔ میرے سارے جسم میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ یہ خیال چابک کی طرح میرے دل و دماغ پر پڑا کہ میں دیکھ لیا گیا ہوں۔ نتیجے میں میری رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز ہوگئی۔ خوف گویا مجھے پیچھے سے دھکیل رہا تھا۔ مجھے کسی بات کا احساس نہیں تھا۔ ہوا کا، نہ ریت کا اور نہ اپنی جسمانی خستگی کا، ریت کا دبیز غبار جو کچھ دیر پہلے زحمت بنا ہوا تھا۔ اب رحمت نظر آنے لگا تھا۔ کیونکہ یہ ریت کا سرمئی غبار ہی تھا جس نے مجھے چھپا لیا اور میں صاف بچ کر نکل آیا۔

☆☆☆

دو گھنٹے بعد ہوا کا زور ٹوٹ گیا۔

اگرچہ مجھے آندھی یا طوفان کی توقع تھی کم از کم آثار ایسے ہی تھے مگر آندھی نہیں آئی۔ ہوا کچھ اور تیز ہوگئی تھی پھر رفتہ رفتہ ہلکی ہونے لگی اور حتیٰ کہ فضا ایک بار پھر پرسکون ہوگئی۔ ریت کی دھند بھی معدوم ہوگئی۔ اس وقت میں جس جگہ بیٹھا تھا وہ عجیب جگہ تھی۔ نہ جانے میں کس سمت میں بھاگا تھا اور کدھر نکل گیا تھا۔ یہ بھی طے کرنا آسان نہیں تھا کہ میں نے کتنا فاصلہ طے کیا تھا۔ اتنا جانتا ہوں کہ جب تک میرے اعصاب نے ساتھ دیا تھا اور قویٰ شل نہیں ہوئے تھے۔ میں بھاگتا رہا تھا پھر تھک کر اور بالکل پست ہو کر ایک جگہ گر گیا تھا اور جب تک ہوا کا زور نہیں ٹوٹا تھا میں وہیں پڑا رہا تھا۔ اس بات کی پروا بھی نہیں رہ گئی تھی کہ لارڈرے کے آدمی آ جائیں گے۔ اگر آتے ہیں تو آ جائیں اور مجھے پھانسی پر چڑھا دیں۔ یا زندہ دفن کر دیں۔ یا میرا جسم کتوں سے نچوا دیں۔ میں اب کچھ نہیں کر سکتا۔ میں اب اور نہیں دوڑ سکتا۔ پیاس بھوک اور تھکن، بھلا اس حالت میں اور کیسے دوڑ سکتا ہوں۔ چنانچہ میں وہیں آنکھیں بند کیے پڑا رہا اور کتے کی طرح زبان نکال کر ہانپتا رہا اور تپتا ہوا سورج میرے ہونٹوں میں سرخ بلب کی مانند جلتا رہا۔ حتیٰ کہ ہوا مدھم ہوگئی۔ سینے میں سانس بھی سمانے لگی تھی چنانچہ میں اٹھا اور آگے بڑھا۔

وہ جگہ عجیب تھی جہاں میں بیٹھا تھا۔ وہاں سے آگے ڈھلان تھی اور یہ ڈھلان کافی گہری اور وسیع تھی اور ایک پیالے کی طرح نظر آتی تھی۔ نشیب میں جگہ جگہ چھوٹے بڑے ٹیلے تھے مگر ان کی بناوٹ بڑی مصنوعی سی لگتی تھی۔ یعنی وہ قدرتی نظر نہیں آتے تھے بلکہ ایسا لگتا تھا۔ جیسے وہ انسانی ہاتھوں کے رہین منت ہیں۔ ممکن ہے، اس جگہ کبھی کوئی آبادی رہی ہو اور وہ چھوٹے بڑے طویل اور گول تودے دراصل اس آبادی کے آثار ہوں۔ وہاں جھاڑیاں بھی کافی نظر آتی تھیں۔ میں ڈھلان کے کنارے پر ایک تودے کی آڑ میں بیٹھا ہوا لاتعلقی سے نشیب کی جھاڑیوں اور ٹیلوں کو دیکھتا رہا۔ تقریباً دوپہر ہو چکی تھی اور سورج کی عمودی کرنیں۔ ریگستان کے سینے پر گویا شعلے دہکا رہی تھی۔ اس عالم میں مزید سفر کرنا ناممکن تھا۔ میں تن بہ تقدیر وہاں بیٹھا تھا اور انتظار کر رہا تھا۔ مجھے سمت کا بھی کچھ ٹھیک ٹھیک اندازہ نہ تھا مگر میں نے طے کر لیا تھا کہ جب سورج مغرب میں چھپ جائے گا اور دھوپ کی حدت میں کمی ہوگی تب آگے بڑھوں گا۔

خدا جانے پیڈی کہاں تھا۔ کدھر نکل گیا تھا، وہ مجھے شدید پشیمانی کا احساس ہوا۔ اپنے آپ سے تھوڑی سی نفرت بھی محسوس ہوئی۔ یہ بڑی کمینگی اور خودغرضی کی بات تھی کہ میں اسے چھوڑ کر بھاگ آیا تھا۔ خاص طور پر اس حالت میں کہ اس کی حالت بہت خراب تھی۔ اسے میری مدد اور دیکھ بھال کی شدید ضرورت تھی مگر میں کر ہی کیا سکتا تھا۔ حالات ایسے تھے کہ اگر میں اسے تلاش کرتا تو خود خطرے میں پڑ جاتا۔ میں نے جو قدم اٹھایا تھا۔ وہ اخلاقی لحاظ سے مناسب ہی سہی لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے یکا یک طویل سانس لی اور بے چینی سے ادھر ادھر دیکھا۔ اس وقت تنہائی کے احساس نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ پیڈی کے ہونے سے کم از کم تھوڑا سا سہارا تو تھا اور یہ سہارا بہت غنیمت تھا اور کچھ نہ سہی۔ دل کو ایک تسلی ضرور حاصل تھی مگر اب میں اس رفاقت سے محروم ہو چکا تھا اور بالکل اکیلا ہو گیا تھا اور یہ اکیلا پن میرے حوصلوں کو مزید پست کر رہا تھا۔ دور تک پھیلا ہوا اندھا بے حس اور سنگدل ریگستان اور تنہا میں۔ یہ بھوک پیاس اور بے چارگی اور بے کسی اور تنہا میں اور پھر چاروں طرف پھیلے ہوئے ان گنت دشمن اور تنہا میں..... خدایا میں کیا کروں گا۔

میں تھوڑا سا اور پیچھے سرک کر آڑ میں ہو گیا پھر جیب سے سگریٹ نکالی اور جلا کر ایک دو کش لیے۔ یہ بڑی عجیب بات تھی کہ پیاس سے میرے حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے پھر بھی میں خود کو سگریٹ پینے سے باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ یہ قطعی غیر ارادی عمل تھا۔ اس طرح میں خود کو بہلانے کی غیر شعوری کی کوشش کر رہا تھا۔ ویسے میرے پاس تھا بھی کیا۔ سوائے سگریٹ کے کچھ نہیں تھا۔ سگریٹ پیٹ نہیں بھرتی تھی، پیاس نہیں بجھائی تھی مگر ایک تسکین ضرور مہیا کرتی تھی۔ چند منٹ گزر گئے۔ سگریٹ ختم ہو گئی۔ میں نے ٹوٹا ریت میں دبا کر بجھا دیا اور تب میرے کانوں میں ہلکی سی چاپ کی آواز آئی۔

میں نے گھوم کر بائیں طرف دیکھا۔

موت کا تجربہ کیسا ہوتا ہے۔ یہ آج تک کوئی نہیں بتا سکا۔ مرنے والا، آدمی کیسی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے اور جب دم نکلتا ہے تو کیسا محسوس ہوتا ہے۔ یہ کسی کو علم نہیں لیکن اس وقت مجھے تھوڑا بہت اندازہ ضرور ہوا کہ مرتا ہوا آدمی کیسا محسوس کرتا ہوگا۔ میری پلکیں جھپکنا بھول گئی تھی۔ جسم اور ذہن ہر قسم کے احساس سے عاری ہو گیا تھا۔ گرد و پیش کی ہر شے، بالکل ساکت ہو گئی تھی اور شاید میں تھوڑی دیر کے لیے دو تین منٹ کے لیے مر گیا تھا لیکن پھر آہستہ آہستہ مجھ میں زندگی کے آثار دوبارہ پیدا ہوئے اور میں نے سرعت سے چاقو نکالنے کی کوشش کی مگر اس نے نرم لہجے میں کہا۔

''نہیں راجو نہیں، ایسا مت کرو۔''

میرا ہاتھ رک گیا اور میں نے الجھی ہوئی مگر خوفزدہ نظروں سے اسے گھورا۔

وہ ماریا تھی۔ اس کے جسم پر باریک کپڑے کا بلاؤز تھا جو دو تین جگہ سے مسک گیا تھا۔ جامنی رنگ کی پتلون تھی۔ جس کے پائنچے گھٹنوں سے پھاڑ کر نکال دیے گئے تھے۔ اس کے بال بکھرے اور گرد و غبار سے اٹے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے پر کوئی میک اپ نہیں تھا۔ اس کے باوجود اچھی لگ رہی تھی۔ کچھ لوگوں کی شخصیت ایسی ہوتی ہے کہ ہر حال میں اچھی لگتی ہے۔ ماریا بھی ایسے ہی لوگوں میں سے ایک تھی۔ ہر چند کہ دھوپ نے اس کے سانولے رنگ کو مزید جھلسا دیا تھا مگر سانولے رنگ میں جو ایک مخصوص انفرادیت اور کشش ہوتی ہے وہ فنا نہیں ہوئی تھی۔ میں خاموشی کے گہرے اور جان لیوا لمحوں کی سولی پر لٹکا ہوا کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر میں نے متجسس اور متوحش نظروں سے اطراف کا جائزہ لیا۔ کیا وہ تنہا ہے یا کچھ اور لوگ بھی اس کے ساتھ ہیں۔ اس نے میرے تجسس کو بھانپ لیا۔ نرم لہجے میں بولی۔

''راجو پریشان نہ ہو، میں تنہا ہوں.....''

میں نے بے چینی سے ہونٹوں پر زبان پھر کر کہا ''مگر تم یہاں کیسے پہنچ گئیں.....؟''

''محض اتفاق ہے، مجھے علم نہیں تھا کہ تم یہاں ہو.....''

''اور وہ لوگ کہاں ہیں.....؟'' میری آواز میں ہلکی سی تھرتھراہٹ تھی۔

''پتا نہیں.....'' اس نے کہا ''چند گھنٹے پہلے تک میں ان کے ساتھ تھی مگر پھر بچھڑ گئی۔ انہوں نے شاید تمہیں یا کسی کو دیکھا تھا۔ اس وقت ہوا بہت تیز تھی اور کچھ ٹھیک دکھائی نہیں دیتا تھا پھر وہ لوگ تمہیں یا جس کو بھی دیکھا تھا پکڑنے کے لیے ادھر ادھر بھاگے۔ تب ہی میں ان سے بچھڑ گئی اور بھٹکتی ہوئی اس طرف نکل آئی مگر تم تنہا

کیوں ہو.....؟''

''کیا مطلب.....؟''

''پیڈی کہاں ہے.....''

''میں نے یکا یک طویل سانس لی ''یہ بات تم مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو.....؟''

''کیونکہ وہ تمہارے ساتھ تھا..... ہے نا.....''

میں تھوڑی دیر چپ رہا اور غور سے اسے دیکھتا رہا پھر میں نے کہا ''مگر تم لوگوں کو یہ بات کیونکر معلوم ہوئی۔''

وہ مسکرائی، اس کی مسکراہٹ بڑی معنی خیز تھی۔ جیسے اسے میرے سوال کا جواب معلوم ہو مگر اس نے جواب دیا یا نہیں۔ صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفا لیا کیا ''ہمیں یہ بات تو شروع ہی میں معلوم ہو گئی تھی۔'' پھر اس نے پوچھا ''کہاں ہے وہ.....؟''

''مجھے نہیں معلوم.....'' آخر کار میں نے آہستہ سے کہا کیونکہ میں بڑا نروس ہو رہا تھا ''وہ ہوا میں مجھ سے بچھڑ گیا تھا۔ میں نے کچھ دیر اسے تلاش کرنے کی سعی کی تھی مگر پھر مجھے بھاگنا پڑا۔''

''گویا وہ تم ہی تھے۔ جسے ان لوگوں نے دھند میں دیکھا تھا۔''

''ہاں۔''

ماریا چپ ہو گئی مگر وہ بہت غور سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے گہری فکر اور تجسس کا اظہار ہو رہا تھا مگر خود میرا تجسس کسی حد تک کم ہو گیا تھا۔ دل کو ایک ڈھارس سی مل گئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ تنہا ہے یہ بات سچ ہی معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ اگر اس کے ساتھ کچھ لوگ اور ہوتے تو اب تک ضرور سامنے آ گئے ہوتے۔ اس کا تنہا ہونا میرے لیے سلامتی کا جواز تھا۔ آخر کو وہ عورت ہے۔ مجھ پر غالب نہیں آ سکتی۔ میں ایک عورت کے مقابلے میں بہر حال اپنا دفاع کر سکتا ہوں اور پھر میرے پاس چاقو بھی ہے۔ اپنی جان بچانے کے لیے دوسرے کی جان لینا برا نہیں۔ معاشرے اور قانون نے بہر حال مجھے یہ حق دیا ہے میں نے ایک بار پھر اسے غور سے دیکھا۔ اس کا خوبصورت اور تراشا ہوا صندلی بدن جگہ جگہ سے سکے ہوئے بلاؤز میں سے جھانک رہا تھا مگر میری نگاہ اس کے بے حجاب سینے یا ننگے بازوؤں پر نہیں بلکہ اس تھیلے پر تھی جو اس کے بائیں شانے پر لٹکا ہوا تھا۔ ماریا نے میری نگاہوں سے ٹپکتی ہوئی گرسنگی کو دیکھ لیا۔ مسکرا کر بولی ''راجو بھوکے ہو.....؟''

میں نے جواب نہیں دیا۔ صرف ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''شاید تمہیں پیاس بھی لگی ہے..... ہے نا.....''

نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے گردن اثبات میں ہلا دی۔ وہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھی اور میرے قریب بیٹھ گئی پھر تھیلا اتارا اور میرے حوالے کر دیا۔ میں نے معاً بڑی بے تابی اور عجلت سے تھیلے میں ہاتھ ڈالا اور ساری چیزیں نکال لیں۔ کاغذ میں لپٹا ہوا ایک سینڈوچ، دو تین بسکٹ اور چھوٹی چھاگل۔ میں نے بے قراری سے چھاگل ہلائی۔ وہ پوری بھری ہوئی تھی۔ میں یکا یک ایک حریص اور گرسنہ نظروں سے سینڈوچ کو گھورنے لگا۔ کھانا..... کھانا..... دنیا کی سب سے قیمتی اور لذیذ اور پیاری شے۔ دنیا کی کوئی بھی شے کھانے کی قدر قیمت اور

لذت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ نہ دنیا کا سارا سونا اور سارے ہیرے اور جواہرات اور نہ سات ملکوں کی بادشاہت، ہر شے کھانے کے سامنے ہیچ ہے۔ بے قیمت ہے۔ آخری سچائی صرف روٹی ہے۔ میں نے بے تابی سے سینڈوچ اٹھالیا۔ وہ سینڈوچ گوشت کا تھا اور سڑ چکا تھا کیوں کہ اس سے بدبو کے بھپکے اٹھ رہے تھے۔ ایمن سوسائٹی میں شامل ہونے کے بعد میں نے کبھی گوشت نہیں کھایا تھا۔ صرف انڈے، سبزی اور پنیر وغیرہ پر گزارا کرتا تھا مگر اس وقت میں نے اس بات کی پروا نہیں کی۔ نہ ہی بدبو کے بھپکوں کو خاطر میں لایا۔ بھوک آدمی کو بہت کچھ کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ آدمی بھوک سے تنگ آ کر خودداری اور عزت کو بیچتا ہے۔ چوری کرتا ہے، قتل کرتا ہے۔ میں بھی بھوکا تھا، بہت بھوکا تھا مگر میں قتل نہیں کر رہا تھا۔ عزت نہیں بیچ رہا تھا۔ صرف گوشت کا ایک ٹکڑا کھا رہا تھا۔ جو مجھے نہیں کھانا چاہیے تھا۔ باوجود اس کے کہ وہ سینڈوچ سڑ چکا تھا پھر بھی بے حد لذیذ معلوم ہوا۔ اتنا کہ اس سے پہلے کبھی میری زبان پر ایسی لذت میسر نہیں آئی تھی۔ سینڈوچ ختم ہوا تو میں نے بسکٹ پر ہاتھ صاف کیا پھر چھاگل اٹھائی اس کا تسمہ ٹوٹا ہوا تھا اور شاید اسی بنا پر ماریا نے اسے بھی تھیلے میں ڈال لیا تھا۔ میں نے اس کا ڈھکنا کھولا اور حد درجہ بے صبری کے ساتھ کئی گھونٹ حلق سے اتار لیے۔ پانی زیادہ ٹھنڈا نہیں تھا مگر اس کی لذت ایسی بے پناہ تھی کہ میں سر سے پیر تک سرشار ہو گیا۔ ایک عجیب سی تراوٹ اور تازگی مجھ پر طاری ہو گئی۔ رگ رگ میں زندگی لہر بن کر دوڑنے لگی پھر مجھ پر نشہ سا طاری ہو گیا۔ اتنی طویل بھوک اور پیاس کے بعد کھانا اور پانی معدے میں پہنچا تو جسم و ذہن پر نقاہت آمیز سرور طاری ہونا قطعی فطری تھا۔ میں نے ریت پر دونوں ہاتھ پھیلا دیے اور آنکھیں بند کر لیں اور زبان پر مچلتے ہوئے سینڈوچ اور پانی کے ذائقے کا لطف لینے لگا۔ میں نے دنیا کی تمام بہترین اور بیش قیمت شرابیں پی تھیں۔ حتیٰ کہ اس شراب کا ذائقہ بھی چکھا تھا جو تین سو سال پرانی تھی اور جسے فراعین مصر خاص موقعوں پر پیا کرتے تھے مگر پہلی بار اس وقت پہلی بار یہ ادراک ہوا کہ جو لذت اور نشہ روٹی کے ٹکڑے اور پانی کے گھونٹ میں ہے وہ کسی شراب میں نہیں۔ شراب کا نشہ صرف ذہن کو بہکاتا اور منتشر کرتا ہے جبکہ ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا نشہ حیات آفرین ہوتا ہے اور روح کو سرشار کرتا ہے۔ میں کئی منٹ تک دانہ گندم کے نشے میں مست ہو کر آنکھیں بند کیے نیم دراز رہا۔ ماریا نے مجھے نہیں ٹوکا۔ چپ چاپ بیٹھی رہی، پھر آخر کار میں نے آنکھیں کھولیں اور ماریا کو دیکھا اور چھاگل ہلا کر کہا۔

''یہ تو پوری بھری ہوئی تھی۔ کیا تم نے پانی نہیں پیا تھا۔''

''نہیں..... میرا مطلب ہے کہ میرے پاس ایک چھاگل اور تھی۔'' اس نے ہولے سے جواب دیا۔

میں نے ایک اور گھونٹ لیا پھر چاروں طرف نظر دوڑائی۔ دور تک اک عالم ہو مسلط تھا۔ بھری دوپہر تھی اور ایسی تپتی ہوئی گویا ہر طرف الاؤ دہک رہے ہوں۔ غنیمت یہ تھا کہ ہم جس جگہ بیٹھے تھے، وہاں ہماری پشت پر ایک اونچا تودہ تھا اور یہ طے تھا کہ اس کا سایہ شام تک قائم رہے گا چند منٹ خاموشی میں گزرے پھر ماریا نے کہا۔

''راجو ایک بات پوچھوں.....؟''

''پوچھو.....''

''تم اب کیا کرو گے؟''

مجھے معلوم تھا کہ ماریا یہ ذکر ضرور چھیڑے گی اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ میں ٹال مٹول سے کام نہیں لے

سکوں گا لیکن یہ بات میرے ذہن میں واضح نہیں تھی کہ مجھے اس سے کتنی بات کرنی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے فوراً جواب دینے میں تامل کیا۔ کچھ دیر سوچتا رہا پھر میں نے طے کیا کہ حتی الامکان مختصر اور مبہم گفتگو کروں گا کیونکہ میں بہر حال ماریا پر اعتبار کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ کون جانے اس کے دل میں کیا ہے۔ وہ بہر حال ایمن سوسائٹی کی ممبر ہے۔ چنانچہ ضروری نہیں کہ میرے لیے مخلص ہو۔ میں جتنا کم اسے بتاؤں گا۔ اتنا ہی میرے لیے مفید ہوگا۔ میں نے ذرا ٹھہر کر سہولت سے کہا۔

''ماریا، تمہارے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

وہ مسکرائی، بڑی معنی خیز اور تیکھی مسکراہٹ تھی ''کیا تم میری بات مانو گے.....؟''

ماریا چند ثانیے مجھے غور سے دیکھتی رہی پھر اس نے میرے شانے پر اپنا ہاتھ رکھا اور میٹھے لہجے میں کہنے لگی۔

''راجو تم نے جو کچھ کیا اچھا نہیں کیا۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ میں نے فرار ہو کر اچھا نہیں کیا؟'' میں نے کہا۔

''ہاں.....'' اس نے گردن کو جنبش دی ''تمہیں شاید اندازہ نہیں ہے کہ تم کتنے مصائب میں گھر گئے ہو۔''

''کیوں.....؟''

ماریا نے سرسراتے ہوئے لہجے میں جواب دیا ''کیونکہ تم اس ریگستان سے واقف نہیں ہو۔ اس کی وسعت اور ہولناکی تمہارے قیاس سے بھی کئی گناہ زیادہ ہے۔ تم اس ریگستان سے بچ کر نکل نہیں سکتے۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ تیس سے بھی زیادہ افراد تمہیں چاروں طرف تلاش کر رہے ہوں۔ وہ ہر طرف موجود ہیں اور یہ محض اتفاق ہے یا شاید تمہاری خوش قسمتی کہ تم اب تک بچے ہوئے ہو مگر کب تک، آخر کار وہ لوگ تمہیں تلاش کر لیں گے۔ درحقیقت تم سے بڑی غلطی ہوئی ہے۔ تمہیں فرار نہیں ہونا چاہیے تھا۔ آخر اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ تمہارے لیے وہ تمام لوازمات اور آسائشیں اور راحتیں مہیا کی گئی تھیں جن کا سپنا دنیا کے لاکھوں لوگ ہر پل دیکھتے ہیں پھر بھی عمر بھر محروم رہتے ہیں۔ تم کورتی برابر اندازہ نہیں ہے کہ تم نے کیسی بے پناہ شان و شوکت کو ٹھکرا دیا ہے۔

شان و شوکت، جو مجھے فرعون، عمن عونس دوئم بن کر حاصل ہوئی مگر میں فرعون نہیں بننا چاہتا..... یہ پہلا خیال تھا جو میرے ذہن میں گونجا مگر میں نے اپنے لب بھینچ لیے۔ ایسی بات کہنا مناسب نہ تھا۔ اس کے برعکس میں نے قدرے تعجب سے کہا ''تیس سے زیادہ افراد مگر میرا خیال ہے کہ لوگ بیس سے کم تھے۔'' ہاں'' ماریا نے گردن ہلائی ''مگر اب کافی آدمی قاہرہ سے بلا لیے گئے ہیں اور میرا خیال ہے کہ وہ اب تک آ چکے ہوں گے۔ چند ایک جیپیں بھی منگوائی گئی ہیں۔ اب وہ لوگ تمہیں..... اور زیادہ منظم ہو کر اور زیادہ وسیع پیمانے پر تلاش کریں گے تم آخر ان سے کب تک بچو گے؟''

اس کے آخری جملے کا ایک ہی جواب تھا لیکن میں نے کہنا ضروری نہیں سمجھا۔ میں تو پہلے ہی یہ طے کر چکا تھا کہ کم سے کم بولوں گا اور پھر اس بات کا جواب دینے کی ضرورت تھی بھی کیا، میرا فرار اک اقدام جنوں ہی سہی مگر اٹھ چکا تھا اور جنوں خرد کی طرح مصلحت کوشی اور پس و پیش میں یقین نہیں رکھتا۔ جنوں تو اک ادائے رندانہ ہے۔ ہاتھ بڑھا تو بڑھ گیا قدم اٹھا تو اٹھ گیا اور جنوں میں جب قدم اٹھاتا ہے تو پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھتا۔ ماریا شاید ان

باتوں کو نہ سمجھتی۔ چنانچہ میں خاموش رہا۔ ماریا نے چند لمحے کے توقف کے بعد خود ہی کہا۔

''راجو تلافی کا موقع اب بھی موجود ہے۔''

''یعنی.....''

''واپس چلو، لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفا تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔''

میں یکا یک اٹھ کر بیٹھ گیا۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر چاقو کا دستہ مضبوطی سے پکڑ لیا اور پوری طرح چاق و چوبند ہو گیا تا کہ اگر کوئی ناخوشگوار صورت پیدا ہو تو اس کا مقابلہ کر سکوں، کیونکہ اس بات کا امکان موجود تھا کہ میرا جواب سن کر ماریا کوئی اور قدم اٹھائے ہو سکتا ہے کچھ اور لوگ آس پاس موجود ہوں اور وہ انہیں آواز دے کر بلائے پھر میں نے مضبوط اور فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''نہیں۔''

''کیوں.....؟''

میں نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر اسے گھورا ''تم سمجھ سکتی ہو مجھے اس سوال کا جواب دینے کی ضرورت نہیں.....؟''

ماریا نے مایوسی سے کہا ''لیکن تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم کیا کر رہے ہو.....''

''یہ میرا مسئلہ ہے، تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔'' میں نے تلخی سے کہا ''میں واپس نہیں جانا چاہتا۔ جو قدم اٹھا چکا ہوں اس پر قائم رہوں گا۔ اس بات کی میری لیے کوئی اہمیت نہیں کہ میرا کیا حشر ہو گا۔ اگر اس بات کی پرواہ ہوتی تو بھاگتا ہی کیوں؟''

ماریا چپ رہی اور الجھی ہوئی نظروں سے مجھے گھورتی رہی۔ اس کے چہرے پر مایوسی کے تاثرات تھے۔ شاید اسے یہ توقع تھی کہ وہ میرا ارادہ بدلنے میں کامیاب ہو جائے گی مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ کچھ دیر چپ رہی تو میں نے مزید کہا ''دیکھو ماریا، تم بہت اچھی ہو لیکن میں نہیں مانتا کہ ایمن سوسائٹی اور ڈاکٹر نیفا اور لارڈ رے وغیرہ کے بارے میں تمہارے کیا احساسات ہیں جہاں تک میرا تعلق ہے میں عمن عونس نہیں بننا چاہتا مجھے وایونا کی بادشاہت اور سینکڑوں کنیزیں نہیں چاہئیں۔ تم اس مقصد کے لیے کسی اور شخص کو تلاش کر سکتی ہو اس دنیا میں آخر میں ہی اکیلا تو نہیں ہوں۔''

''وایونا.....'' ماریا نے حیرت سے کہا ''تمہیں وایونا کے بارے میں کیونکر معلوم ہوا.....؟''

''پیڈی نے بتایا تھا.....'' میں نے بے دھیانی میں جواب دیا پھر میں سی آئی اے اور مافیا کا ذکر کرنا چاہتا تھا کہ سٹپٹا کر چپ ہو گیا۔ مجھے یہ باتیں نہیں کرنی چاہیے تھیں۔ وایوانا کا ذکر بھی بے دھیانی میں ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ ان تفصیلات کے ذکر سے ہو سکتا ہے کہ میرے لیے مزید دشواریاں پیدا ہوں یا ممکن ہے پیڈی کو کوئی نقصان اٹھانا پڑے۔ ماریا مجھے گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

''پیڈی نے اور کیا بتایا تھا.....!''

''اور کچھ نہیں.....'' میں نے رواروی کا انداز اختیار کیا ''صرف اتنا ہی کہا تھا کہ مصر سے واپسی پر ہم لوگوں کو وایونا جانا تھا۔ یہ بات بھی اس لیے میرے ہی ایک سوال کے جواب میں بتائی تھی۔''

ماریا کے پیروں کو دھوپ چھونے لگی تھی چنانچہ وہ تھوڑی پیچھے سرک گئی اور سر پشت سے ٹکا لیا۔ اس کے چہرے پر گہری سوچ کے آثار تھے۔ جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہے، کچھ پوچھنا چاہتی ہے مگر طے نہیں کر پا رہی ہے کہ پوچھے یا نہ پوچھے۔ مجھے کچھ گھبراہٹ سی ہو رہی تھی۔ الجھن اور اضطراب کی لہریں رگ و ریشے میں دوڑتی رہی تھیں۔ یہ الجھن کیوں تھی، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اتنا ضرور سمجھ سکتا تھا کہ یہ بے چینی ماریا کی اچانک اور غیر متوقع کی آمد کی بنا پر نہیں، نہ ہی دھوپ کی حدت اور پسینے کے باعث ہے جو میرے کپڑوں کے نیچے جسم کے ہر حصے پر چپچپاہٹ پیدا کر رہا تھا تو پھر یہ بے چینی کیوں ہے؟ مجھے یاد آیا کہ کچھ اسی قسم کی کیفیت اس وقت بھی مجھ پر طاری ہوئی تھی جب الاہرام کے ہال میں ماریا سے سامنا ہوا تھا اور اس وقت بھی جب سعدیہ کے مسافر خانے میں شام کے وقت کنویں کی جگت پاس اس سے چند منٹ گفتگو کی تھی۔ آخر اس کی ذات میں ایسی کیا بات تھی کہ میرے حواس کشیدہ ہونے لگتے ہیں۔ کہیں اس کی وجہ اس کی آواز تو نہیں..... میں نے گردن گھما کر اس کا صندلی چہرہ دیکھا شاید یہی وجہ ہے کہ دھیمی دھیمی سرسراتی ہوئی مترجم آواز سن کر مجھے بار بار خیال ہوتا ہے کہ اس آواز کو پہلے بھی کہیں سنا ہے۔ جب بھی ماریا سے سامنا ہوا اور اس سے گفتگو کی مجھے یہ احساس ضرور ہوا۔ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے۔ اس کی آواز میں موسیقی کے تمام سر ہیں اور یہ مجھے اچھے لگتے ہیں مگر پھر بھی مجھے گھبراہٹ میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ ہاں، شاید یہی وجہ ہے کہ میں نے دل ہی دل میں کہا پھر میں نے بھی اپنے پیر پیچھے سرکائے اور جیب میں ہاتھ ڈالا۔ معدے میں ایک سینڈوچ اور پانی کے چند گھونٹ پہنچ چکے تھے اور اب مجھے سگریٹ کی خواہش محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے سگریٹ جلائی تو ماریا ایک دو فٹ دور سرک گئی۔ میں نے اس سے بھی سگریٹ کے لیے پوچھا مگر اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ہم چپ چاپ بیٹھے آسمان سے برستی زرد دھوپ میں ریگستان کے تپتے ہوئے بلند و پست کو گھورتے رہے۔ ماریا کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے لیکن خود میرا ذہن ان گنت خیالوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب کیا کروں گا۔ ماریا کی ہم نشینی میں کوئی قدم اٹھانا مشکل تھا۔ میں حالات سے اکیلے ہی نبرد آزما ہونا چاہتا تھا لیکن ماریا سے کیونکر پیچھے چھڑاؤں۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ میرے کہنے پر وہ چپ چاپ چلی جائے۔ میں ابھی انہی سوچوں میں غطاں تھا کہ ماریا نے پھر اپنا سوال دہرایا ''ماسٹر اب تم کیا کرو گے.....؟''

مجھے ایک بار پھر سوچنا پڑا۔ اس سوال کا کیا جواب دوں۔ کیا اسے بتا دوں یا جھوٹ بولوں مگر جھوٹ کی بنیاد بہت کمزور ہوگی۔ وہ فوراً سمجھ جائے گی اور پھر جھوٹ بولوں گا بھی کیا۔ مناسب یہی ہے کہ اسے اپنے ارادے سے آگاہ کر دوں، چنانچہ میں نے کہا ''میں جاؤں گا.....''

''کہاں.....؟''

''جہاں بھی حالات لے جائیں گے۔'' میرے لہجے میں تیقن بالکل واضح تھا۔ ''اب چل پڑا ہوں تو آگے ہی جاؤں گا پیچھے نہیں مڑوں گا۔ تم مجھے روکنے کی کوشش نہیں کرو گی.....؟''

ماریا نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا ''مگر ماسٹر تم اس ریگستان سے واقف نہیں ہو۔ تم اس سے بچ کر نہیں نکل سکو گے۔''

میں مسکرایا ''ماریا میری جان، اگر تم مجھے موت سے ڈرا رہی ہو تو سنو، عام انسانوں کی طرح میں بھی موت

سے ڈرتا ہوں۔ زندگی سے مجھے پیار ہے لیکن اگر موت آ ہی جائے تو پھر نہیں ڈروں گا۔ موت مقدر ہو چکی ہے تو مر جاؤں گا لیکن واپس نہیں جاؤں گا۔"

ماریا تھوڑی دیر سوچتی رہی "ماسٹر! میں تمہیں ڈرا نہیں رہی ہوں....." آخر کار اس نے نرم لہجے میں کہا "میں جو کچھ بھی کہہ رہی ہوں وہ تمہاری بہتری اور بھلائی کے لیے کہہ رہی ہوں۔ میرے شب و روز یہیں گزرے ہیں اور میں جانتی ہوں کہ آدمی اگر ان صحراؤں میں گم جائے تو کیسی صعوبتیں پیش آتی ہیں پھر بھی اگر تم واپس جانا چاہتے ہو تو میں نہیں روکوں گی۔ نہ لارڈرے وغیرہ کو مطلع کروں گی..... بلکہ تمہاری مدد کروں گی۔"

میں نے یکا یک زہر خند کیا "تم کیوں میری مدد کرو گی.....؟"

میری آواز میں چھپے طنز کے زہر کو اس نے محسوس کر لیا۔ "تم مجھے غلط نہ سمجھو، میری مدد خود غرضی سے عاری نہیں ہے لیکن بات صرف اتنی ہے کہ تمہارے پکڑے جانے کا الزام میں اپنے سر نہیں لینا چاہتی۔ چنانچہ میں تمہیں ایک ایسی جگہ پہنچا دوں گی جہاں سے تم بہ آسانی ریگستان سے باہر نکلنے کا انتظام کر سکو گے مگر اس کے باوجود میں بدستور یہی چاہوں گی کہ تم واپس چلو۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ میری خواہش بدستور یہی ہے کہ لارڈرے وغیرہ تمہیں تلاش کر لیں۔"

میں چند ثانیے اسے گہری نظروں سے گھورتا رہا پھر میں نے کہا "تو پھر ماریا اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ تم مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ۔"

"نہیں۔"

"کیوں.....؟"

ماریا نے معاً ہاتھ اٹھا کر حد نظر تک پھیلے ریگستان کے نشیب و فراز کی جانب اشارہ کیا "ماسٹر اس صحرا کے چپے چپے پر، ہر ٹیلے میں اور ہر دراڑ کے اندر موت گھات لگائے بیٹھی ہے اور میں نہیں چاہتی کہ تم ان مصائب کا شکار ہو جو تمہیں موت کے پنجوں تک لے جائیں۔ اسی لیے میں چاہتی ہوں کہ تمہیں ایک مناسب و محفوظ مقام تک پہنچا دوں۔ اس کے بعد تم جانو اور تمہارا کام۔"

"مگر تم ایسا کیوں کرو گی.....؟" میں نے پھر جرح کی۔

ماریا کی بڑی بڑی دمکتی ہوئی آنکھیں میرے چہرے کا طواف کرنے لگیں۔ ان میں ایک عجیب سی وارفتگی تھی اور جب وہ بولی تو یہ وارفتگی اس کی آواز سے ٹپک رہی تھی۔ اس نے کہا "ماسٹر تم نہیں جانتے۔ نہ ہی تم مجھے پہچانتے ہو۔ کیونکہ تم پر غفلت، بے یقینی کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ آئینہ تو موجود ہے پر تم اس میں حقیقتوں کا عکس نہیں دیکھتے۔ تم نے از خود وہ راستہ اختیار کیا ہے جو موت کی طرف جاتا ہے اور یہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔ دل کی بات ہے ماسٹر اور اس دل میں جو میرے سینے کے اندر دھڑکتا ہے۔ تمہارے لیے خواہشات کے سوا کچھ نہیں، پہلے بھی، آج بھی اور آئندہ بھی۔ یہ دل صرف تمہاری بہتری کا خواہاں رہا ہے اور رہے گا۔ تم مشکل میں ہو گے تو مجھے تکلیف ہو گی۔ تمہاری سانس چلے گی تو میرا وجود خاکستر ہو گا۔ تمہاری خدمت اور تابعداری ہمیشہ سے میرا شیوہ رہا ہے شاید تمہیں اس حقیقت کا ادراک نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے تمہیں ایک محفوظ مقام تک پہنچانے کا ارادہ کیا ہے بلکہ بات صرف اتنی سی ہے کہ تمہارے دوبارہ گرفتار ہونے کا الزام میں اپنے سر نہیں لینا چاہتی۔"

ماریا نے کافی طویل جواب دیا تھا لیکن یہ الگ بات ہے کہ میری سمجھ میں بہت کچھ نہیں آیا۔ البتہ اس کا مافی الضمیر ضرور واضح ہو گیا تھا۔ میں نے الجھ کر کہا ''مگر تم کوئی ایسی صورت پیدا کر سکتی ہو کہ وہ لوگ مجھے پکڑ لیں۔ مثلاً تم مجھے کسی ایسے راستے پر لے جا سکتی ہو جہاں لارڈرے سے وغیرہ سے سامنا ہو جائے.....''

''نہیں.....نہیں.....یقین کرو، میں ایسا نہیں کروں گی؟''

''تم مجھے کہاں لے جاؤ گی.....؟''

ماریا نے جواب دینے سے پہلے ایک لمحہ غور کیا پھر گرد و پیش کا گہری نظروں سے جائزہ لیتے ہوئے بولی ''یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک گاؤں ہے۔ گاؤں کیا ایک چھوٹا سا نخلستان سمجھو، تیس چالیس نفوس کی آبادی ہے۔ میں تمہیں وہاں پہنچا دوں گی۔ امید ہے وہاں پر تمہیں ہر قسم کی مدد مل جائے گی اور وہ لوگ تمہیں کسی قریبی شہر میں پہنچا دیں گے۔ جہاں سے تم آگے جا سکو گے۔''

ماریا نے بات ختم کی اور مسکرانے لگی۔ اس کی مسکراہٹ بڑی معنی خیز تھی۔ میں نے تعجب سے پوچھا ''کیوں.....اور اس طرح کیوں مسکرا رہی ہو.....؟''

ماریا نے ہاتھ ہلا کر کہا ''ماسٹر کتنی عجیب ہے۔ ایک طرف تو میں تمہاری مدد کروں گی اور یہ چاہوں گی کہ تم پر کوئی آنچ نہ آئے اور دوسری طرف میں یہ بھی چاہوں گی کہ لارڈرے تمہیں تلاش کر لے لیکن میں نہیں جانتی کہ میری کون سی خواہش پوری ہو گی۔''

ماریا کی آخر بات کے جواب میں، میں نے کچھ نہیں کہا۔ اگرچہ میں خاموش نہیں ہونا چاہتا تھا۔ بولنا چاہتا تھا۔ آدمی اپنے اندر چھپے ہوئے وہم، شک اور خوف کے احساسات کا سدباب اس طرح بھی کرتا ہے کہ اپنے ذہن کو دوسری طرف لگا دیتا ہے۔ چنانچہ میں بھی بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ پیڈی نے جو اطلاعات بہم پہنچائی تھیں۔ میں ان کا ذکر کرنا چاہتا تھا۔ ماریا ان کی تصدیق یا تردید کر سکتی تھی۔ وہ مجھے بتا سکتی تھی کہ ایمن سوسائٹی کا مافیا اور سی آئی اے سے کوئی گٹھ جوڑ ہے یا نہیں۔ نیز یہ کہ اب لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا کے میرے متعلق کیا ارادے ہیں۔ وہ مجھے ختم کرنا چاہتے ہیں یا یہ پیش گوئی کی تکمیل کا کوئی اور طریقہ بھی ابھی موجود ہے اور وہ اس پر عمل کرنے کے خواہش مند ہیں۔ کتاب ارفینا نے اس ضمن میں کچھ کہا ہے یا نہیں۔ اگر کہا ہے تو کیا؟ اس کے علاوہ بھی دو ایک اور سوال میرے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔ میں نے پیڈی سے متعدد سوالات کیے تھے اور اس نے ان کے جواب دیے تھے مگر میں اس سے ویرا ہمشائر کے متعلق کچھ نہیں پوچھ سکا تھا اور پیڈی کے رویے سے بھی ایسا کوئی اشارہ نہیں ملا تھا کہ وہ ہمشائر سے واقف ہے لیکن ممکن ہے کہ ماریا واقف ہو۔ ویرا ہمشائر قاہرہ میں موجود تھی اور ایک رات الاہرام میں بھی آئی تھی اور جس رات وہ آئی تھی اس سے اگلی صبح میں نے ماریا کو باربرا کے بستر پر دیکھا تھا۔ لہٰذا یہ قیاس کرنا غلط نہ تھا کہ ممکن ہے، ماریا ویرا سے واقف ہو۔ دوسرا سوال خود ماریا کی ذات سے تعلق رکھتا تھا۔ میں نے جب اسے باربرا کے پلنگ پر دیکھا تھا تو وہ مجھے مردہ لگی تھی پھر جب پیڈی نے گزشتہ شام اسے دیکھا تھا تو وہ بھی یہی سمجھا تھا کہ وہ مر چکی ہے۔ آخر ایسا کیوں ہوا۔ ہم دونوں ہی کو یہ غلط فہمی کیوں ہوئی لیکن میں نے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ اگر میں زبان کھولوں تو کیا وہ جواب دے گی؟ پیڈی پر تو بوجوہ میں نے اعتبار کر لیا تھا لیکن ماریا پر بھروسا کرنے کے لیے دل آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ کوئی بات تھی جو عجیب اور غیر معمولی

تھی اور مجھے اندر ہی اندر..... شش و پنج میں مبتلا کر رہی تھی مگر وہ کیا بات تھی۔ میں سمجھ نہیں سکتا تھا۔ اس بنا پر مجھے یقین تھا کہ وہ کچھ نہیں بتائے گی اور اگر بتائے گی بھی تو سچ نہیں بولے گی۔

دن آخر کار ڈھل گیا اور سورج، آگ کی بارش کرنے والا سورج انجام کار مغرب کی طرف جھک گیا۔ ٹیلوں اور پہاڑیوں کے سائے طویل ہو گئے، فضا میں سلگتی ہوئی آنچ مدھم پڑ گئی۔ دھوپ پہلے نارنجی ہوئی اور پھر رفتہ رفتہ ماند پڑنے لگی۔ آسمان پر جو کچھ دیر پہلے تک ایک خالی ویرانہ نظر آتا تھا۔ پرندوں سے بھر گیا۔ مختلف قسم کے پرندے ادھر سے ادھر محوِ پرواز نظر آنے لگے۔ دن کا سارا کاروبار ختم ہوا۔ پرندے اور چرندے جو دن بھر دانہ دنکا چگنے اور پیٹ بھرنے کی فکر میں مبتلا رہے تھے۔ اب رین بسیرے کے لیے اپنے اپنے ٹھکانوں کو لوٹ رہے تھے۔ وقت کی گردش صدیوں سے جاری و ساری ہے۔ اجالے اور اندھیرے کی آمد و رفت ایک میکانکی عمل ہے۔ ہر روز صبح ہوتی ہے پھر شام ہوتی ہے پھر رات ہوتی ہے۔ پرندے تو خیر اپنا ٹھکانا تلاش کر لیں گے مگر میرا ٹھکانہ کہاں ہے۔ میرا گھر کہاں ہے۔ کتنے دن ہو گئے، میں کہ میں ''گھر'' کو ترس ترس گیا ہوں۔ میں نے یکا یک ایک طویل سانس لی اور اپنے سینے کے اندر ایک بے چین سی حسرت کو سسکتے ہوئے محسوس کیا۔ ''گھر'' سے محرومی کا احساس فزوں تر ہو گیا۔ جب تک آدمی گھر سے باہر نہیں نکلتا۔ تب تک اسے احساس یا ادراک نہیں ہوتا کہ گھر، دیواروں، چھتوں، کھڑکیوں اور دروازوں کا نام نہیں بلکہ گھر دراصل اس کی ذات کے تحفظ کا دوسرا نام ہے۔ جب وہ گھر سے باہر نکلتا ہے اور دنیا کی بھیڑ کا سامنا کرتا ہے۔ تب اسے پتا چلتا ہے کہ وہ اچانک کتنا بے سہارا ہو گیا ہے۔

آخر کار دن کا سہاگ اجڑ گیا۔ روشنی معدوم ہو گئی۔ شام کا دھندلکا بھی ڈوب گیا اور ہر سو تاریکی چھا گئی۔ ریگستان کے چپے چپے پر اندھیرا مسلط ہو گیا۔ پرندے بھی غائب ہو گئے۔ اب ہر طرف تاریکی تھی اور سناٹا اور خاموشی۔ اگر کوئی آواز تھی تو ہماری سانسوں اور قدموں کی آواز تھی۔ اور کچھ بھی نہیں تھا مگر پھر رفتہ رفتہ چاند طلوع ہوا۔ کچھ اس ادا سے جیسے کوئی دلہن ہولے ہولے گھونگھٹ اٹھاتی ہے اور جب دلہن گھونگھٹ اٹھاتی ہے تو اس کے لدخ تاباں سے دل کی دنیا منور ہوتی ہے۔ چاند طلوع ہوا تو ریگستان روشن ہو گیا۔ حدِ نگاہ تک نرم نرم ٹھنڈی ٹھنڈی اور سنہری سنہری لطیف چاندنی پھیل گئی۔ ریت کے ذرے ابرق کی طرح چمکنے لگے۔ وہ ریگستان جو دوپہر میں نارِ جہنم کی مانند جل رہا تھا۔ اب لطیف اور خوشگوار ہو گیا تھا۔

میں نے یکا یک ماریا سے کہا ''ہمیں اور کتنی دیر تک چلنا پڑے گا.....؟''

''کیوں کیا تھک گئے ہو.....؟'' ماریا نے پوچھا۔

''ہاں، میں کافی تھک گیا ہوں۔'' میں نے ایمانداری سے اعتراف کیا۔

ماریا نے پر خیال نظروں سے سامنے اور پھر بائیں طرف دیکھا ''میرا خیال ہے کہ ڈیڑھ گھنٹے اور چلنا پڑے گا پھر ہم اس نخلستان میں پہنچ جائیں گے۔''

''تمہیں یقین ہے کہ تم راستہ نہیں بھولی ہو.....؟'' میں نے ذرا تجسس سے پوچھا۔

ماریا ہنسنے لگی ''نہیں ماسٹر، اطمینان رکھو مجھے راستہ اچھی طرح یاد ہے۔''

پھر اس نے مجھے غور سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں گہری معنی خیز چمک تھی۔ اس کا چہرہ چاندنی میں بڑا روشن سا نظر آ رہا تھا اور اس پر کچھ عجیب سے تاثرات تھے۔ میں نے یکا یک نظریں پھیر لیں کیونکہ اس کی نگاہوں

کی گہری چمک اور چہرے کے تاثرات مجھے کچھ بھلے نہیں لگے تھے۔ شاید یہ میرا وہم تھا کہ اس کی آنکھیں مجھے ناخوشگوار محسوس ہوتی تھیں۔ ماریا نے لمحہ بھر تامل کیا پھر نرم لہجے میں بولی۔

''ماسٹر کچھ دیر آرام کرلیں۔''

''مگر میں جلد از جلد اس نخلستان تک پہنچنا چاہتا ہوں۔''

''ماسٹر.....'' ماریا نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھتے ہوئے کہا ''ابھی کافی وقت ہے، تم پریشان نہ ہو۔ ہم جلدی ہی وہاں پہنچ جائیں گے لیکن اس وقت یہاں ن ٹھہر کر ذرا دم لے لیں تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ میں بھی بہت تھک گئی ہوں۔''

میں چپ رہا۔ ماریا کی تجویز میرے جی کو نہیں لگی تھی۔ میں جلد از جلد اس نخلستان میں پہنچنا چاہتا تھا۔ نہ صرف اس وجہ سے کہ وہاں مجھے کسی قریبی شہر میں پہنچنے کے لیے مدد مل سکتی تھی بلکہ اس لیے بھی کہ اب مجھے آرام و خوراک کی شدید ضرورت تھی۔ میں بہر حال گوشت پوست کا انسان تھا۔ مشین یا پتھر نہیں تھا۔ گزشتہ دو روز سے ریگستان کے عذاب و جبر کا سامنا کر رہا تھا مگر اب میرے اعصاب شکستہ ہو چکے تھے۔ جسمانی توانائی زائل ہوتی جا رہی تھی اور میں خود کو مہینوں کا بیمار محسوس کر رہا تھا یا شاید میں سچ مچ بیمار ہو چکا تھا۔ ممکن ہے یہ اس سینڈوچ کا نتیجہ رہا ہو جو خراب ہو چکا تھا۔ مجھے کچھ ایسا لگ رہا تھا جیسے میرے پیٹ کے اندر بڑے بڑے گولے بن رہے ہیں اور بن بن کر پھٹ رہے ہوں۔ سارے جسم میں اینٹھن سی ہو رہی تھی۔ جوتوں کے اندر دونوں پیر پکے ہوئے پھوڑوں کی طرح دکھ رہے تھے اور آنکھوں میں ایسی جلن سی ہو رہی تھی گویا آنکھیں نہ ہوں دو انگارے ہوں مگر اس کے باوجود میں اس نخلستان میں جلد از جلد پہنچنے کے لیے بے چین تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہاں نہ صرف مجھے اچھی خوراک ہی میسر آ جائے گی بلکہ دوا بھی ضرور مل جائے گی اور پھر شاید کچھ دیر آرام کرنے کا موقع بھی مل جائے صرف ایک دو گھنٹے کی نیند..... اس وقت سات ملکوں کی بادشاہت کے مقابلے میں ایک دو گھنٹے کی نیند میرے لیے زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔

مگر ماریا سے جرح و بحث کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ ایک تودے سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو چکی تھی۔ مجبوراً میں بھی اس کے قریب بیٹھ گیا۔ ماریا کا ساتھ میں نے اس لیے اختیار کیا تھا۔ کیونکہ فیصلے کا حق مجھے نہیں تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ میری مدد کرے گی اور مجھے نخلستان تک پہنچا دے گی۔ میں نے پس و پیش کیا تھا اور اس سے کہا تھا کہ اگر واقعی وہ میری بہتری کی خواہاں ہے اور میری مدد کرنا چاہتی ہے تو مجھے چھوڑ کر چلی جائے۔ میں ریگستان کے اس جہنم دار میں اپنا راستہ خود تلاش کرلوں گا مگر وہ نہیں مانی تھی۔ اس نے مجھے نخلستان تک پہنچانے پر اصرار کیا تھا۔ ہر چند کہ وہ اپنی باتوں سے مخلص نظر آتی تھی۔ تاہم مجھے کچھ اچھا نہیں لگا تھا۔ ایک خلش سی دل میں تھی لیکن میں اس خلش کا تجربہ خود نہیں کر سکتا تھا کہیں نہ کہیں کوئی ایسی بات ضرور تھی جو نامناسب تھی اور جسے نہیں ہونا چاہیے تھا مگر وہ تھی اور وہ بات کہہ اٹھی میرا درماندہ ذہن سمجھنے سے قاصر تھا۔ ماریا کا تنہا اور اچانک میرے پاس آنا پھر میری مدد پر آمادہ ہونا اور میرے لیے بہتر خواہشات کا اظہار کرنا۔ یہ ساری باتیں غیر فطری ہی لگ رہی تھیں مگر میں اختلاف نہیں کر سکتا تھا۔ کوئی اور قدم اٹھانا بھی دشوار تھا۔ میں یہ بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس صورت میں وہ فوراً لارڈرے وغیرہ کو مطلع کر دیتی۔ کیونکہ ان کا قرب و جوار میں موجود ہونا بعید از قیاس نہ تھا۔ اس لیے ایک ہی

صورت تھی اور وہ یہ تن بہ تقدیر ماریا کی تجویز پر عمل کروں۔

ہم نے دوپہر اسی جگہ گزاری تھی اور پھر سہ پہر کا آغاز ہوتے ہی چل پڑے تھے۔ ہمارا رخ بدستور، جہاں تک میرا اندازہ ہے شمال مشرق کی طرف تھا چونکہ معدے میں تھوڑا کھانا پہنچ گیا تھا اور پانی جیسی نعمتِ بے مثال بھی موجود تھی۔ اس لیے مجھے سفر کرنے میں کم تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ ہم کئی گھنٹے تک مسلسل چلتے رہے حتیٰ کہ رات ہوئی اور ماریا نے کچھ دیر آرام کی تجویز پیش کی۔

میں کچھ خاموش رہا اور بے دھیانی سے ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر میں نے چھاگل کا ڈھکن کھول کر ایک گھونٹ بھرا اور ماریا سے بھی پوچھا مگر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ بڑے آرام سے نیم دراز تھی۔ اتنی دیر سے وہ میرے ساتھ تھی مگر اس وقت پہلی بار میں نے اسے ذرا غور سے دیکھا۔ ٹھنڈی چاندنی میں وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ کسی اپسرا کی طرح، جو چپکے سے دھرتی پر اتر آئی ہو۔ اس وقت ریگستان کے ویرانے میں وہ واقعی اپسرا نظر آئی تھی۔ مجھے متوجہ پا کر وہ یکا یک مسکرائی اور ہولے سے بولی "ماسٹر کیا دیکھ رہے ہو اس طرح....."

"کچھ نہیں....." میں نے آہستہ سے کہا۔

"مگر تمہاری نگاہ میں تو بہت کچھ ہے....." اس نے دھیرے سے میرا ہاتھ تھام لیا "سچ بتاؤ، کیوں دیکھ رہے تھے اس طرح مجھے۔"

اس کی آواز میں اشتیاق بھی تھا اور بے چینی بھی۔ میری آنکھوں میں جو مفہوم اسے نظر آیا تھا اسے وہ میری زبان سے سننے کے لیے بے تاب ہو گئی تھی۔ میں نے لمحہ بھر پس و پیش کیا۔ کہوں یا نہ کہوں۔ "لیکن کہہ دینے میں ہرج ہی کیا ہے۔ سادہ سی بات ہے۔ کہہ دینے میں اور کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو کم از کم کچھ دیر کے لیے دل تو بہل جائے گا۔ جی پر جو بوجھ ہے، وہ تو ہلکا ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے مسکرا کر کہا "دراصل تم بہت اپسرا لگ رہی ہو.....؟"

ماریا مسکرائی، بڑی لطیف اور دلنشیں اور دمکتی ہوئی مسکراہٹ تھی۔ اس کے سفید دانتوں کی قطاریں یوں چمک اٹھی تھیں۔ جیسے ستارے جھلملانے لگے ہوں۔ وہ آہستہ سے میری طرف کھسک آئی۔ اس طرح کہ اس کا جسم میرے جسم سے پیوست ہونے لگا پھر اس نے اپنا ایک ہاتھ میری کمر میں ڈال دیا اور نشاط انگیز لہجے میں بولی "سچ ماسٹر....."

"ہاں۔"

دوسرے لمحے اس نے اپنے ہونٹ میری بائیں رخسار پر رکھ دیے۔ بہت ہلکا سا بوسہ تھا۔ بے حد لطیف و نازک، جیسے جگنو دمکتا ہے پھر وہ کہنے لگی "میں بہت خوش ہوں ماسٹر، بہت ہی زیادہ خوش ہوں۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارے ہونٹوں سے اس جملے کو سننے کے لیے میں نے کتنا انتظار کیا ہے۔ کتنی عمریں گزاری دی ہیں اور امید و ناامیدی کے لیے کیسے کیسے عذاب سے گزری ہوں۔ یہ انتظار، بے تابی صدیوں پر محیط ہے۔ نہ جانے کتنے لمحے، نہ جانے کتنے دن اور نہ جانے کتنے ماہ و سال میں نے ترس ترس کر بتائے ہیں مگر آخر کار یہ لمحہ آن ہی پہنچا کہ تم نے یہ بات مجھ سے کہہ دی۔ میرے کانوں میں رس گھول دیا۔ میری روح میں موسیقی کے سر جگا دیے ماسٹر..... ماسٹر..... میں بہت خوش ہوں، بہت ہی خوش ہوں...."

میں نے اس کے گرد و غبار سے اٹے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور غور سے اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ جذبات کی فراوانی سے تپ کر گلنار ہو رہا تھا۔ آنکھیں نشے سے چور نظر آ رہی تھیں اور سینہ یوں تلاطم خیز تھا۔ گویا اس کے جسم کے سمندر میں طوفان آ گیا ہو۔ طوفان واقعی آ گیا تھا اور یہ طوفان بہکے ہوئے جذبات کا تھا۔ جنہوں نے چند لمحوں میں ہی ماریا کو بے حال کر دیا تھا۔ میں کچھ تعجب اور کچھ شوق کے عالم میں اسے دیکھتا رہا۔ اس کا بلاؤز کئی جگہ سے پھٹ گیا تھا اور اس کے جسم کے مختلف حصوں کو نمایاں کر رہا تھا۔ اس کی کمر کو، بازوؤں کو اور شانوں کو اور سینے کے کچھ حصے کو بھی جب ایسی چاندنی رات میں ایسا گہرا سناٹا ہو اور اتنی نشاط انگیز تنہائی ہو تو آدمی بہک جاتا ہے۔ جام و صہبا کو ہاتھ لگائے بغیر مدہوش ہو جاتا ہے۔ میرا حال بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ دھیرے دھیرے..... بالکل دھیرے دھیرے میں مدہوش ہو گیا۔ اپنے آپ سے اور اپنے گرد و پیش سے بے خبر ہو گیا۔ چند لمحوں کے لیے سب کچھ بھول گیا۔ انسانی مزاج دراصل ایک الجھی ہوئی ڈور کا نام ہے۔ اس ڈور کا کوئی سرا آج تک کسی کو نہیں ملا۔ چنانچہ آج تک کوئی بھی انسانی مزاج کو نہ پرکھ سکا۔ نہ سمجھ سکا۔ میرے ذہن پر کچھ دیر پہلے تک خوف، مایوسی اور بے کسی کا احساس طاری تھا مگر میں یکا یک ہر بات سے بے خبر و بے نیاز ہو گیا۔ میں بھول گیا کہ میں موت کے ریگستان میں پھنسا ہوا ہوں اور چاروں طرف میرے دشمن مجھے تلاش کر رہے ہیں اور بدقسمتی قدم قدم پر گھات لگائے بیٹھی ہے۔ میں سب کچھ بھول گیا، ذہن و احساس کے پردے پر صرف ایک تصویر باقی رہ گئی..... اور وہ تصویر ماریا کی تھی۔ خوبصورت، پرشباب، دلربا..... یہ حسن، یہ رعنائی، یہ دلکشی بھی اصل میں زندگی ہے۔ چنانچہ میں ذرا جی لوں.....

ماریا نے مجھے اپنی ریشمی بانہوں میں لے لیا۔ ان بانہوں کو ریشمی ہی کہا جا سکتا تھا کیونکہ میں ذہنی طور پر اس ریشم پر پھسلتا چلا گیا تھا۔ شاید میرا وجود اسے پتھر لگ رہا ہوگا۔ تبھی وہ سہمی ہوئی خواہشات کے زیر اثر بولی "ماسٹر، پھول اگر پتھر سے توڑا جاتا ہے تو مجھے توڑ ڈالو۔"

میں نے حیرت سے اسے دیکھ کر کہنا چاہا "ماریا..... مگر..... میرا مطلب۔"

مگر اس نے میری بات نہیں سنی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ میری گردن میں ڈال کر مجھے کھینچ لیا۔ وہ لمحات بہت جذبات انگیز تھے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی میں اس پر جھک گیا۔ حالات کی صعوبتیں اور تلخیاں کچھ دیر کے لیے سہی، کافور ہو چکی تھیں اور میری رگ رگ میں ایک تیز و تند اور آتشیں نشہ سرایت کر گیا تھا۔ ماریا نے گو کہ نہ تو کوئی میک اپ کیا تھا نہ اس کے جسم پر اچھے کپڑے تھے بلکہ اس کا چہرہ مسلا یا ہوا تھا اور بال گرد آلود ہو رہے تھے پھر بھی وہ بے حد اچھی لگ رہی تھی۔ اتنی اچھی لگ رہی تھی کہ میں بے اختیار ہونٹوں کی زبان سے بوسوں کے لہجے میں بولتا چلا گیا۔ تب ماریا نے جذبات کی آگ میں سلگتی ہوئی آواز میں آہستہ سے کہا "ایکن....."

"اور تب یکا یک میری رگوں میں دوڑا ہوا سارا خون یخ بستہ ہو کر منجمد ہو گیا۔

☆☆☆

میں نے آنکھیں کھولیں اور دیوانوں کی طرح گرد و پیش میں دیکھا' سر پر نیلا آسمان ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا ہوا تھا۔ چاروں طرف دھوپ نار دوزخ کی صورت برس رہی تھی اور جہاں تک نگاہ جاتی تھی۔ ریگستان کی جھلستی ہوئی ریت ایک عالم ہو کا منظر پیش کر رہی تھی۔ میں کچھ دیر تک وحشت بھری نظروں سے

ادھر ادھر دیکھتا رہا اگرچہ پچھلے تین دن سے میں اس ریگستان میں بھٹکتا رہا تھا مگر اس وقت وہ ریگستان بالکل اجنبی لگا جیسے میں نے اس وقت پہلی بار اس سرزمین پر قدم رکھا ہو۔ پھر میں آہستہ آہستہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور گھبرائے ہوئے انداز میں کنپٹی کھجانے لگا۔ میں اس وقت جس جگہ بیٹھا ہوا تھا' وہاں نرم ریت تھی۔ دائیں طرف کچھ فاصلے پر اونچے نیچے ٹیلوں کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا تھا۔ جبکہ بائیں طرف حدنظر تک نرم ریت کا سمندر پھیلا ہوا تھا۔ میں کسی مخبوط الحواس آدمی کی طرح کھوئی کھوئی نظروں سے کبھی ریتلے میدان کو اور کبھی ٹیلوں کو دیکھتا رہا۔ میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا' کوئی بھی بات ذہن میں واضح نہیں تھی۔ یہ سب کیا ہے؟ اور یہ سب کیوں ہے؟ میں نے ہاتھ گھما کر گھڑی دیکھی مگر وہ بند ہو چکی تھی پھر میں نے یکا یک اونچی آواز میں اپنے آپ کو مخاطب کیا۔

''میں کون ہوں.....؟''

میری آواز ویرانے میں دور تک گونجتی چلی گئی۔ ''میں کون ہوں.....؟ میں کون ہوں.....؟'' مگر جواب کسی نے نہیں دیا۔ کسی آواز نے یہ نہیں بتایا کہ میں کون ہوں؟ مجھے کچھ ٹھیک ٹھیک یاد نہیں رہا تھا' شاید میری یادداشت کسی وجہ سے بری طرح متاثر ہوئی تھی اور میں سب کچھ بھول گیا تھا حتیٰ کہ اپنا نام بھی۔ میرے ذہن میں بے شمار چیزیں گڈمڈ ہو رہی تھیں' بے شمار عجیب عجیب شکلیں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہی تھیں لیکن ان شکلوں کے خدوخال دھندلے اور مبہم تھے اور میں انہیں پہچاننے سے قاصر تھا۔ میری کھوپڑی کے اندر دماغ کی تمام شریانوں میں ایک عجیب سی تیز اور گونجیلی سنسناہٹ ہو رہی تھی جیسے آندھی چل رہی ہو یا بے شمار سیٹیاں بج رہی ہوں۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر زور زور سے کنپٹی دبائی اور ہونٹوں پر زبان پھیری اور وحشت بھری نظروں سے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھا' پتا نہیں وہ کون سی جگہ تھی اور میں وہاں کیونکر پہنچ گیا تھا؟ میں ذہن پر زور دیتا رہا اور یاد کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر کچھ کامیابی نہیں ہوئی۔ دماغ میں گونجتی ہوئی سنسناہٹ اور بڑھ گئی اور مجھے کچھ بھی یاد نہ آ سکا۔

پھر میں نے اپنے سراپا پر نظر ڈالی میری پتلون جگہ جگہ سے پھٹ گئی تھی۔ قمیص بھی کئی جگہوں سے بری طرح مسکی ہوئی تھی' ایک آستین کہنی کے پاس سے پھٹ کر علیحدہ جھول رہی تھی۔ جوتے اس طرح گرد میں اٹے ہوئے تھے کہ ان کا اصلی رنگ غائب ہو چکا تھا۔ میں معاً ہنس پڑا۔ یہ فعل بالکل غیر اختیاری تھا' نہ جانے کیوں ہنسی آئی تھی شاید اپنے آپ پر آئی تھی۔ کیا یہ میں ہی ہوں..... نہیں۔ یہ میں نہیں ہو سکتا۔ یہ تو کوئی اور شخص ہے' ناکارہ' نامراد' کم بخت میں ہرگز نہیں ہوں۔ میں اتنا مجنوں و گداگر تو نہیں ہو سکتا تو پھر یہ شخص کون ہے؟ میں نے ہاتھ بڑھا کر اپنے گھٹنوں کو چھوا پھر اپنی چھاتی پر ہاتھ پھیرا۔ پھر آنکھوں' ناک اور ہونٹوں کو چھو کر دیکھا۔ عجیب بات ہے بظاہر تو یہ آدمی میرے ہی جیسا لگتا ہے شاید کوئی بہروپیا ہے۔ میں سر ہلا کر ایک بار پھر ہنسا۔ چلو اچھا ہے' ایک سے دو بھلے۔ میرے ساتھ میرا بہروپیا بھی ہوگا تو ذرا تسلی رہے گی۔ پھر میں نے گردوپیش پر نظر ڈالی۔ میرا تھیلا کچھ فاصلے پر پڑا تھا مگر چھاگل نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے پریشان ہو کر دائیں بائیں دیکھا' آخر چھاگل کدھر گئی۔ میرا خیال ہے میرے پاس ایک چھاگل بھی تھی مگر وہ کہاں گئی؟

ذہن پر چھائی ہوئی دھند رفتہ رفتہ تحلیل ہو رہی تھی اور مختلف شکلیں دھیرے دھیرے..... بہت دھیرے دھیرے واضح ہو رہی تھیں۔ ہاں' یقیناً میرے پاس ایک چھاگل تھی جس میں پانی بھرا ہوا تھا تو پھر اب وہ چھاگل میرے پاس کیوں نہیں ہے؟ آہستہ آہستہ' بالکل آہستہ آہستہ مجھے یاد آنے لگا۔ تصویروں کے خدوخال ابھرنے

لگے اور میں انہیں پہچاننے لگا۔ ہاں' ٹھیک ہے رات کا وقت تھا' چاندنی چاروں طرف چٹکی ہوئی تھی اور خنک ہوا چل رہی تھی اور میں..... اور میں ایک عورت کے ساتھ تھا۔ میں نے سر ہلایا۔ ہاں' یقیناً میں ایک عورت کے ساتھ تھا۔ وہ عورت کون تھی؟ دھیرے دھیرے اس عورت کا سراپا ظاہر ہوا اور مجھے یاد آیا کہ وہ عورت ماریا تھی۔ ہم دونوں ایک تودے کی آڑ میں لیٹے تھے اور باتیں کر رہے تھے۔ ماریا کچھ بتا رہی تھی یا شاید میں اسے کچھ بتا رہا تھا مگر پھر کیا ہوا تھا.....؟

مجھے زور لگانا پڑا۔ ذہن میں گونجتی ہوئی سنسناہٹ ایک بار پھر تیز ہوئی اور چند منٹ تک میرے حواس کی طنابیں چٹختی رہیں مگر پھر یادداشت کام کرنے لگی اور مجھے یاد آیا کہ ہم دونوں باتیں بھی کر رہے تھے اور..... اور ماریا مجھے چوم رہی تھی۔ پھر میں نے اسے چوما تھا مگر اس کے بعد کیا ہوا تھا؟ یکا یک دہشت کی ایک لہر رگ و ریشے میں دوڑنے لگی اور جسم کا سارا خون ٹھنڈا ہو گیا اور میں نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں مگر آنکھیں بند کر لینے سے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ تصور کے پردے پر پھٹی ہوئی فلم مسلسل چلتی رہی اور میں نے دیکھا کہ میں بے تحاشا بھاگ رہا ہوں' جسم و جان کی پوری قوت سے بھاگ رہا ہوں' خوف سے میری ٹانگیں تھر تھر کانپ رہی ہیں اور جسم کے اندر ٹھنڈی ٹھنڈی لہریں چکرا رہی ہیں۔ اس کے باوجود میں بھاگ رہا ہوں۔ اندھا دھند بھاگ رہا ہوں۔ ساتھ ہی میں گھوم گھوم کر پیچھے بھی دیکھتا جاتا ہوں۔ کہیں ماریا میرے پیچھے تو نہیں آ رہی۔ کہیں وہ مجھے آواز تو نہیں دے رہی مگر ماریا کہیں نظر نہیں آئی۔ نہ اس کی آواز سنائی دیتی ہے اور نہ ہی کوئی اور شخص دکھائی دیتا ہے۔ پھر بھی میں نہیں رکتا ہوں۔ میرے ذہن میں صرف ایک احساس' صرف ایک آواز ہے۔ بھاگو..... بھاگو..... بھاگو..... چنانچہ میں بھاگتا رہتا ہوں۔ کئی بار ٹھوکر لگتی ہے' کئی بار میں منہ کے بل گرتا ہوں' اس کے باوجود میں نہیں رکتا ہوں۔ ذرا دم نہیں لیتا ہوں..... بھاگو..... بھاگو..... میرا جسم تھک کر چکنا چور ہو چکا ہے۔ ٹانگوں کی ساری رگیں مفلوج ہو چکی ہیں۔ ایک قدم اٹھانے کا یارا نہیں' پھر بھی نہیں رکتا ہوں۔ کوئی انجانی شے ہے جو مجھے دھکیل رہی ہے اور میں مسلسل بھاگ رہا ہوں' پتا نہیں کب تک بھاگتا رہتا ہوں۔ کچھ ٹھیک ٹھیک یاد نہیں آتا۔ دو گھنٹے' چار گھنٹے' چھ گھنٹے۔ مجھے وقت کا کوئی اندازہ نہیں مگر اتنا یاد آتا ہے کہ جب تک اعصاب ساتھ دیتے ہیں' میں بھاگتا رہتا ہوں۔ پھر ہمت جواب دے جاتی ہے۔ قدم مزید اٹھنے سے انکار کر دیتے ہیں اور میں گر پڑتا ہوں۔ بے حال' بے دم ہو کر گر پڑتا ہوں اور شاید بے ہوش ہو جاتا ہوں۔ ہاں' ٹھیک ہے' مجھے یاد آ گیا ہے۔ میں یقیناً بیہوش ہو گیا تھا اور شاید یہی جگہ تھی جہاں میں بے دم ہو کر گرا تھا اور بے ہوش ہو گیا تھا مگر یہ یاد نہیں آتا کہ میں جب بے ہوش ہوا تھا تو کیا وقت ہوا تھا اور اب کتنی دیر بعد ہوش میں آیا ہوں؟

تو گویا چھاگل میرے پاس نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ میں بھاگتے وقت چھاگل لینا بھول گیا تھا۔ البتہ تھیلا میرے پاس ہی رہا کیونکہ وہ کندھے پر پڑا ہوا تھا مگر سوال یہ ہے کہ میں بھاگا کیوں تھا؟

ایک ایسی عجیب بے کسی اور پست ہمتی مجھ پر طاری تھی' جسے بیان کرنا مشکل ہے۔ ایسا لگتا تھا جیسے اٹھنے اور آگے بڑھنے کی خواہش فنا ہو چکی ہے۔ اگرچہ دھوپ کی حدت سے میرا جسم بری طرح تپ رہا تھا' اس کے باوجود میں وہیں بیٹھا تھا اور خالی خالی بے مقصد نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ مجھے شدید پیاس اور شدید بھوک لگی تھی'

اتنی شدید کہ برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ زبان سوکھتی جا رہی تھی' حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے اور معدے کے اندر نا قابل بیان اینٹھن ہو رہی تھی۔ خدایا! میں کیا کروں' میں نے بے حد لاچاری کے ساتھ سوچا۔ پھر ہونٹوں پر زبان پھیری اور تب میری زبان پر تلخی گھل گئی۔ ارے یہ کیا ہے؟ میں نے متوحش ہو کر ہونٹوں پر انگلی پھیری اور میرے سیدھے ہاتھ کی دو انگلیوں پر خون کی بوندیں چمکنے لگیں۔ میرا نچلا ہونٹ جگہ جگہ سے پھٹ گیا تھا اور اس سے خون رسنے لگا تھا۔ میں نے اپنا خون کبھی نہیں چکھا تھا۔ پہلی بار زبان پر اپنے ہی خون کا ذائقہ گھلا تو بے حد عجیب سا لگا۔ میرا خون گرم اور نمکین تھا اور اس میں ایک عجیب سی ترشی بھی تھی جو مجھے بڑی لذت انگیز محسوس ہوئی۔ میں بے دھیانی میں اور پھر غیر ارادی طور پر اپنا نچلا ہونٹ چوسنے لگا۔

کچھ دیر میں میرے حواس کچھ اور بحال ہوئے اور تب یہ بات ذہن میں آئی کہ مجھے کوئی سایہ دار جگہ تلاش کرنی چاہئے۔ بائیں جانب ریت ہی ریت تھی اور اس طرف سایہ میسر آنے کا کوئی امکان نہ تھا البتہ دائیں طرف چھوٹے بڑے ٹیلوں کا ایک سلسلہ پھیلا ہوا تھا اور وہاں سایہ مل سکتا تھا مگر وہ سلسلہ کافی فاصلے پر واقع ہوا تھا اور میرے لیے وہاں تک پہنچنا بہت مشکل تھا۔ پھر میری نگاہ سامنے کی جانب اٹھی' وہاں چند تودے اور ٹیلے نظر آ رہے تھے۔ میں یکا یک اٹھا' اپنا تھیلا اٹھایا اور سامنے نظر آنے والے ٹیلوں کی طرف چل پڑا۔

فاصلہ ہر چند کہ زیادہ نہ تھا تاہم ان ٹیلوں تک پہنچتے پہنچتے مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے میں نے میلوں کا فاصلہ طے کیا ہو۔ سانس بری طرح پھول گئی تھی اور سینہ دھونکنی کی طرح پھول پچک رہا تھا۔ میں بے جان سا ہو کر ایک تودے کی آڑ میں گر پڑا۔ وہاں پر سایہ زیادہ نہ تھا پھر بھی غنیمت تھا۔ مگر دھوپ کی حدت سے نجات نہیں ملی' یوں لگ رہا تھا جیسے میرے چاروں طرف آگ جل رہی ہے' میں کچھ دیر آنکھیں بند کیے چپ چاپ پڑا رہا اور کتے کی طرح زبان نکال کر ہانپتا رہا۔ پھر آنکھیں کھولیں اور اٹھ کر بیٹھ گیا اور کسی مخبوط الحواس دیوانے کی طرح ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ میرے ذہن میں اس وقت کچھ نہیں تھا۔ کوئی خیال' کوئی جذبہ' کوئی احساس' کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا کا خوف' نہ باربرا' ٹیا اور ماریا کا خیال۔ احساس کا پردہ بالکل کورا ہو کر رہ گیا تھا۔ اس وقت میری ساری حرکات بھی قطعی..... غیر ارادی اور لاشعوری تھیں۔ کبھی میں سر کھجانے لگتا' کبھی چہرے پر ہاتھ پھیرتا اور کبھی نچلا ہونٹ منہ میں لے کر چوسنے لگتا۔

گھڑی تو بند ہو چکی تھی اس لیے وقت کا تعین کرنا مشکل تھا مگر سورج آسمان کے جس حصے میں تھا' اس سے کچھ کچھ اندازہ ہوتا تھا کہ گیارہ یا بارہ کا عمل ہوگا' فضا میں گہرا سکوت تھا۔ ویسا ہی گہرا سکوت' جیسا گزشتہ روز تھا۔ ہوا بالکل ٹھہری ہوئی تھی' ریت کا ایک ذرہ بھی جنبش نہیں کر رہا تھا۔ گزشتہ روز تو آندھی نہیں آئی تھی مگر شاید آج آئے' میں نے بے دھیانی سے سوچا اور ذرا سمٹ کر بیٹھ گیا۔ پھر میری نگاہ ادھر ادھر بھٹکنے لگی۔ دائیں طرف اور بائیں طرف اور سامنے۔ ہر طرف ویرانہ تھا۔ صرف ویرانہ اور کچھ بھی نہیں۔ نیچے اس عظیم اور اندھے ریگستان کا ویرانہ تھا اور اوپر آسمان کا ویرانہ تھا اور کچھ بھی نہیں تھا اور میں اس بے انتہا ویرانے میں ایک حقیر' بے بضاعت نقطے کی طرح ایک تودے کی آڑ میں پڑا ہوا تھا۔

یکا یک میں نے دایاں ہاتھ پیٹ پر رکھ کر زور سے دبایا کیونکہ اب پیٹ کے اندر شدید تکلیف ہونے لگی تھی۔ درد اور اینٹھن اور جلن۔ پیٹ کے اندر معدہ نہیں تھا' ایک تندور تھا جو دھڑ ادھڑ جل رہا تھا اور اس کی آنچ

سے میرا سارا وجود تپ رہا تھا۔ زبان سے لے کر ناف تک ایک لکیر سی دہک رہی تھی۔ خدایا..... خدایا..... یہ کیسی بھوک اور پیاس اور جلن ہے۔ میں کیا کروں' کدھر جاؤں؟ یہ کس گناہ کی سزا ہے؟ یہ کس جرم کی پاداش ہے؟ میں نے تو شاید کبھی کوئی برائی نہیں کی' کسی کا حق نہیں چھینا۔ کسی کا دل نہیں دکھایا بلکہ ہمیشہ ہر دکھ ہر ناکامی اور ہر محرومی کو چپ چاپ برداشت کر لیا ہے' پھر یہ کس خطا کا شاخسانہ ہے کہ میں اس دوزخ میں جل رہا ہوں۔ بھوک اور پیاس کی تکلیف جھیل رہا ہوں' خدایا! میں کیا کروں..... میں کیا کروں؟

غیر ارادی طور پر میں نے جیبوں میں ہاتھ ڈال کر ساری اشیا باہر نکالیں اور اپنے سامنے رکھ لیں پھر تھیلے کی ساری چیزیں بھی نکال لیں۔ مختلف قسم کی کئی چیزیں میرے پاس تھیں' سگریٹ کے کئی پیکٹ بھی تھے۔ اس کے علاوہ لائٹر' چاقو' نائلون کی ڈوری اور دوربین۔ اور نہ جانے کیا کیا؟ یہ تمام چیزیں میں نے اس لیے رکھ لی تھیں کہ شاید کسی وقت کام آئیں۔ ساتھ ہی نوٹوں کی ایک گڈی بھی تھی' فرار ہوتے وقت یہ روپیا میں نے بطور خاص جیب میں ڈال لیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ آئندہ کسی بھی وقت روپوں کی ضرورت ضرور پڑے گی۔ نوٹوں کی گڈی خاصی دبیز تھی اس میں کئی ہزار روپے تھے' پانچ ہزار یا دس ہزار یا پندرہ ہزار۔ نوٹ ہی نوٹ' دنیا کا چھوٹا خدا۔ اس چھوٹے خدا کے لیے لوگ کیا کچھ نہیں کرتے' سبھی کچھ تو کرتے ہیں۔ ہزاروں' لاکھوں برائیوں کا الزام اپنے سر لیتے ہیں۔ اپنی عزت' خودداری اور آدمیت کا سودا کرتے ہیں' چوری کرتے ہیں' ڈاکا ڈالتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں اور اپنی مٹی سے غداری کرتے ہیں۔ میں چھوٹے خدا کو ہاتھ میں لیے کچھ حسرت سے' کچھ نفرت سے اور کچھ غصے سے دیکھتا رہا۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو اس چھوٹے خدا کو منانے کے لیے معیار انسانیت سے گر جاتے ہیں۔ اگر وہ یہاں آئیں تو میں انہیں بتاؤں کہ دیکھو میرے پاس اتنا روپیا ہے پھر بھی میں بھوکا اور پیاسا ہوں اور ایک ایک دانے کو ترس رہا ہوں۔ نوٹوں کی یہ دبیز گڈی مجھے ایک لقمہ روٹی اور ایک گھونٹ پانی بھی مہیا نہیں کر سکتی۔ چھوٹے خدا کو سجدہ کرنے والو' یہاں آؤ اور یہ سارا روپیہ مجھ سے لے لو اور بدلے میں صرف ایک گھونٹ پانی اور ایک ٹکڑا روٹی مجھے دے دو۔ صرف ایک گھونٹ پانی اور ایک ٹکڑا روٹی۔ صرف ایک گھونٹ پانی اور ایک ٹکڑا روٹی۔ مگر وہ سارا روپیہ' وہ رنگ برنگے نوٹ مجھے ایک گھونٹ پانی اور ایک ٹکڑا روٹی مہیا نہیں کر سکتے تھے۔ میری بھوک اور پیاس نہیں بجھا سکتے تھے۔ وہ کاغذ کے محض بے کار ٹکڑے تھے جنہیں میں کھا بھی نہیں سکتا تھا چنانچہ میں نے یکا یک بے حد غصے اور بے حد نفرت سے وہ سارے نوٹ اچھال کر پھینک دیے۔

پھر میں اکڑوں بیٹھ گیا اور دونوں گھٹنوں پر سر رکھ لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس وقت' جلتی دوپہر کے اس خاموش لمحے میں مجھے اپنے آپ پر بڑا ترس آیا۔ کتنا دکھی' کتنا خراب و خستہ اور کتنا لاچار ہو گیا ہوں میں۔ مجھ جیسا حقیر کون ہو گا اس دنیا میں۔ شاید کوئی بھی نہیں۔ ہاں' یقیناً کوئی بھی نہیں۔ کسی نے کاہے کو ایسے دکھ جھیلے ہوں گے۔ کون قسمت کی ایسی ستم ظریفی سے دوچار ہوا ہو گا۔ کہاں تو ایک طرف وہ لوگ مجھے فرعون بنا رہے تھے اور کہاں دوسری طرف میں ایک ایک دانے اور پانی کے ایک ایک قطرے کو ترس رہا ہوں۔ دھیرے دھیرے میرا دل بھر آیا۔ آنکھ نم ہو گئی اور پھر میں چپکے چپکے سسک سسک کر رونے لگا۔

میں گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا اور حریص نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ وہ ایک چھوٹا سا صحرائی جانور تھا۔ لمبائی

میں نیولے کے برابر رہا ہوگا مگر نیولا نہیں تھا۔ نہ میں اس کو گوہ کہہ سکتا ہوں لیکن شکل اور جسمانی ساخت کے لحاظ سے وہ نیولے سے مشابہ تھا۔ ممکن ہے صحرائی چوہا رہا ہو یا ہوسکتا ہے کہ کوئی اور صحرائی جانور ہو۔ یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ اس وقت میں جس جگہ تھا' وہاں زمین ہموار تھی اور جگہ جگہ خودرو جھاڑیاں بھی تھیں' جن کا پھیلاؤ اور اونچائی ایک فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ ان میں پتیاں بھی نہیں تھیں' محض خشک ٹہنیاں تھیں۔ وہ جانور یکا یک سامنے آیا تھا' شاید اس کا بل کہیں قریب ہی تھا' جب میں نے اسے دیکھا تو معاً میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور میں گھٹنوں کے بل بیٹھ کر حریص نظروں سے اسے گھورنے لگا۔ میں نے ایک پتھر بھی اٹھالیا تھا۔ وہ مجھ سے کچھ فاصلے پر تھا۔ شاید تین یا چار فٹ کے فاصلے پر وہ ایک جھاڑی کی جڑ کے قریب تھا۔ شاید خوراک تلاش کر رہا تھا' میں پلک جھپکائے بغیر اسے گھورتا رہا' سانس لینے میں بھی احتیاط برت رہا تھا' کہیں وہ ظالم سن نہ لے۔ میرے ذہن میں صرف ایک ہی احساس تھا اور وہ یہ کہ نشانہ خطا نہیں ہونا چاہئے مگر اس سے پہلے کہ میں وار کرتا' اس نے معاً گردن گھمائی اور مجھے دیکھا' اس کی چھوٹی چھوٹی گول کرنجی آنکھوں میں گہری چمک تھی اور وہ براہ راست میری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا' کچھ اس انداز سے جیسے میرا مضحکہ اڑا رہا ہو۔ پھر اس نے دم ہلائی' یہ گویا مجھ پر ہنسنے کی ایک اور ادا تھی۔ میں نے یکا یک ہاتھ بلند کیا اور پوری قوت سے پتھر مارا مگر نشانہ خطا گیا۔ اس نے تیزی سے چھلانگ لگائی اور سامنے کی جانب بھاگا۔ میں غیر ارادی طور پر وحشیانہ انداز میں اس کے پیچھے دوڑا۔ ''ٹھہر جا' کم بخت..... منحوس' مردود' کہاں جاتا ہے' میں تیرا خون پی جاؤں گا۔ تجھے جان سے مار ڈالوں گا'' میں پاگلوں کی طرح اس کے پیچھے دوڑتا چلا گیا۔ اس میں بلا کی پھرتی اور تیزی تھی کیونکہ میں اپنی دانست میں جسم وجان کی پوری قوت سے دوڑ رہا تھا پھر بھی اسے نہیں پا سکا۔ تقریباً پندرہ یا بیس گز دوڑ کر وہ یکا یک بل میں گھس گیا۔

میں وہیں دھپ سے بیٹھ گیا اور بے کسی سے اس بل کو گھورنے لگا۔ پچھلے چند گھنٹوں میں' میں نے کیا کچھ نہیں کیا تھا مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی' پانی نہیں ملا تھا' کھانا نہیں ملا تھا۔ میں نے خشک جھاڑیوں کی جڑیں کھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ اتنی بے مزہ تھیں کہ چبانا ممکن نہ تھا۔ ان جھاڑیوں میں پتیاں بھی نہیں تھیں جنہیں میں کھا سکتا۔ وہاں پر پرندے بھی نہیں تھے البتہ آسمان پر اکا دکا پرندے ضرور منڈلاتے ہوئے دکھائی دے جاتے تھے۔ کاش' ان میں سے کوئی مر کر گر پڑے۔ میں حسرت سے انہیں بار بار دیکھتا تھا لیکن کوئی پرندہ مر کر نہیں گرا۔ وہ جانور بھی اتفاقیہ ہی دکھائی دیا تھا۔ کاش میں اسے مارنے میں کامیاب ہو جاتا۔ پر ناکامی ہوئی تھی' میں کافی دیر تک وہیں بیٹھا اس بل کو گھورتا رہا شاید وہ پھر باہر نکلے مگر وہ نہیں نکلا۔ آخر کار میں تنگ آ کر اٹھا اور ایک طرف چل پڑا۔

اب فضا میں حبس نہیں تھا بلکہ ہوا چلنے لگی جو رفتہ رفتہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ ریت کے ذرے چاروں طرف ایک دبیز غبار کی صورت لڑ رہے تھے اور بگولوں کی طرح ناچ رہے تھے۔ بھری دوپہر تھی اور سورج کی عمودی کرنیں صحرا کے سینے پر آگ لگا رہی تھیں۔ میں اپنے آپ کو گھسیٹ گھسیٹ کر چلتا رہا اور غیر ارادی طور پر بڑبڑاتا رہا ..... میں کون ہوں؟ تم الو کے پٹھے ہو۔ میں اس طرف کیوں جا رہا ہوں؟ کیونکہ تم دوسری طرف نہیں جا رہے ہو..... وہ سامنے کیا ہے؟ وہ' ارے وہ تو جنت کا دروازہ ہے۔ جنت کا دروازہ ہے تو کیوں ہے؟ میں تو وہاں

نہیں جانا چاہتا..... میرے سر پر کیا ہے؟ تمہارے سر پر عمن عونس دوئم کا تاج ہے۔

ہوا تیز ہوتی گئی اور دھیرے دھیرے طوفانی صورت اختیار کرتی گئی۔ جھکڑ پر جھکڑ چلنے لگے۔ غبار دبیز اور دبیز اور دبیز ہوتا گیا۔ صحرا کے عظیم ویرانے میں ایک بے پناہ شور گونجنے لگا۔ آندھی آ گئی تھی جو دم بدم تیز ہوتی جا رہی تھی۔ ایک حشر سا چاروں اور برپا تھا۔ ہوا کے جھکڑ اتنے تیز تھے کہ مجھے ایک ہلکے پھلکے تنکے کی طرح اڑا رہے تھے۔ کبھی کوئی طوفانی جھونکا آتا اور مجھے بائیں طرف دھکیل دیتا' پھر دوسرا جھونکا آتا اور مجھے دائیں طرف دھکیل دیتا۔ دھوپ کی حدت' تیز آندھی' ریت کا چکراتا ہوا بادل اور کانوں کے پردے پھاڑنے والا شور قیامت۔ میں پاگلوں کی طرح ادھر ادھر بھاگنے لگا۔ اس وقت مجھے کسی بات کا ہوش نہیں تھا' کسی بات کا احساس نہیں تھا۔ دماغ شاید ماؤف ہو چکا تھا کیونکہ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ کدھر جاؤں اور کیا کروں؟ بس میں ادھر ادھر بھاگ رہا تھا اور چیخ رہا تھا۔ نہ جانے کیا چیخ رہا تھا مگر چیخ ضرور رہا تھا۔ شاید کسی کو مدد کے لیے پکار رہا تھا مگر وہاں اس قیامت خیز آندھی میں میری مدد کے لیے کون آتا؟

مگر پھر یکا یک میں نے دیکھا' فریدہ سامنے آ کھڑی ہوئی۔

وہ میرے عین سامنے کھڑی تھی۔ دس بارہ قدم کے فاصلے پر۔ اس نے سبز رنگ کی ساری پہن رکھی تھی۔ اس کے بلاؤز کا رنگ بھی سبز ہی تھا۔ اس کے گالوں پر سرخی دمک رہی تھی' اس کی پیشانی پر جھومر تھا۔ گلے میں ہار تھا' ہاتھوں میں چوڑیاں تھیں۔ مانگ میں افشاں تھی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی' بڑی پیاری مسکراہٹ تھی۔ وہ سر سے پیر تک بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ میں یکا یک سٹپٹا کر اور ہکا بکا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کے شاداب اور دلربا سراپا کو' اس کے ہوا میں اڑتے ریشمی لباس کو۔ اس نے دفعتاً دونوں ہاتھ فضا میں پھیلا دیے اور مجھے بلانے لگی' جیسے اپنی بانہوں میں بھر لینا چاہتی ہو' اپنے سینے سے بھینچ لینا چاہتی ہو۔ "آ رہا ہوں..... آ رہا ہوں" میں نے زور سے کہا اور اس کی جانب دوڑا۔ وہ ہنستی ہوئی پیچھے ہٹنے لگی۔ میں جیسے جیسے اس کی طرف بڑھتا رہا مگر اس سے پہلے کہ اس کے نزدیک پہنچتا' وہ یکا یک غائب ہو گئی۔

"راجو' میں یہاں ہوں۔"

دفعتاً اس کی سریلی آواز کانوں میں آئی۔ میں عجلت سے گھوما اور دیکھا کہ وہ بائیں طرف کھڑی ہے۔ ارے' وہ ادھر کیسے پہنچ گئی؟ میں نے حیران ہو کر سوچا اور پھر اس کی طرف دوڑا۔ فریدہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی اور ہولے ہولے پیچھے ہٹنے لگی "راجو..... دیکھو' دیکھو' میں فریدہ ہوں' جسے تم نے چاہا تھا۔ اب بھی چاہتے ہو' یہاں آؤ' میرے پاس' مجھے پکڑو۔ اگر تم مجھے پکڑ لو گے تو میں تمہاری ہو جاؤں گی" وہ کہتی گئی اور پیچھے ہٹتی گئی۔ اس کی آواز میرے کانوں میں رس گھول رہی تھی۔ میں نے یکا یک چیخ کر کہا۔

"آ رہا ہوں..... آ رہا ہوں..... میں تمہیں ضرور پکڑوں گا۔"

فریدہ ہنستی ہوئی دائیں سے بائیں بھاگنے لگی اور میں دیوانوں کی طرح تیز ہوا اور دبیز گرد و غبار میں اسے پکڑنے کی کوشش کرتا رہا لیکن جتنا میں اس کی جانب بڑھتا' اتنا ہی وہ دائیں بائیں یا پیچھے ہٹ جاتی۔ پھر یکا یک مجھے ٹھوکر لگی اور میں منہ کے بل گر پڑا اور جب دوبارہ اٹھا تو دیکھا کہ فریدہ ایک بار پھر غائب ہو گئی ہے۔ میں حیران اور آزردہ ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا "فریدہ..... فریدہ..... کہاں ہو تم؟" میں نے زور سے آواز دی۔

''کسے آواز دے رہے ہو۔؟'' کسی نے زور سے کہا۔ میں نے گھوم کر دیکھا تو مزید حیران ہوا۔ تعجب سے میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا کیونکہ بائیں طرف باربرا کھڑی تھی اور مسکرا کر مجھے دیکھ رہی تھی' میں نے حیرت سے کہا ''تم.....؟''

''جی.....!'' اس نے کہا۔

میں نے زور زور سے پلکیں جھپکائیں۔ کہیں میں سپنا تو نہیں دیکھ رہا ہوں مگر باربرا تو سچ مچ کھڑی تھی۔ وہ حسب معمول حسین لگ رہی تھی۔ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ اتنی زیادہ کہ اس سے زیادہ رعنائی کا تصور ممکن نہیں۔ ساری دنیا کی دلکشی اور شادابی اس کے سراپا میں' اس کی آنکھوں اور اس کے بالوں میں اور اس کی مسکراہٹ میں سمٹ آئی تھی۔ میں ہکا بکا ہو کر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر میں نے زور سے کہا۔

''تم نے فریدہ کو دیکھا ہے؟''

''ہاں' وہ اس طرف گئی ہے'' باربرا نے دائیں جانب اشارہ کیا۔

میں اس طرف لپکا تو باربرا نے کہا ''ادھر کیوں جا رہے ہو؟''

''میں اپنی فریدہ کو ڈھونڈ رہا ہوں'' میں نے زور سے کہا۔

''مت تلاش کرو اسے۔ وہ تو محض ایک سپنا ہے' تمہیں نہیں ملے گی۔''

''نہیں.....نہیں.....میں اسے ضرور ڈھونڈوں گا۔''

''نہیں.....راجو.....'' باربرا نے زور سے کہا ''ادھر مت جاؤ۔ ادھر آؤ' میرے پاس، دیکھو میں باربرا ہوں۔ میں تمہاری محبوبہ بنوں گی۔ میں تمہیں اپنے سینے سے لگاؤں گی۔ آؤ.....آؤ نا میرے پاس.....''

اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا' معاً فریدہ آ کر دائیں جانب کھڑی ہو گئی اور زور زور سے کہنے لگی ''نہیں' نہیں راجو! اس طرف مت جانا' میرے پاس آؤ۔ دیکھو میں فریدہ ہوں۔ تمہاری فریدہ! جس سے تم نے محبت کی تھی۔ تم مجھے حاصل کرنا چاہتے ہو نا.....آؤ' میرے پاس آؤ۔ آؤ' مجھے حاصل کر لو۔''

میں شش و پنج میں پڑ گیا۔ کیا کروں' کدھر جاؤں؟ ایک طرف فریدہ ہے اور دوسری طرف باربرا ہے اور میں بیک وقت دونوں کے پاس نہیں جا سکتا تو پھر کیا کروں' کس کے پاس جاؤں لیکن قبل اس کے کہ میں کوئی فیصلہ کرتا' ایک ایسی عجیب سی بات ہوئی کہ حیران رہ گیا اور میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو وہ بھی حیران رہ جاتا یعنی کیا ہوا کہ اچانک میں نے دیکھا کہ فضا میں ہر طرف روٹیاں اڑتی پھر رہی ہیں اور چاروں طرف چکرا رہی ہیں۔ سرخ' گول' مہکتی ہوئی تازہ تازہ روٹیاں اور ان کی خوشبو سے.....حیات آفرین خوشبو۔ معاً ساری فضا معمور ہو گئی ہے۔ میں پہلے تو سٹپٹایا ہوا کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ یقین ہی نہ آیا کہ میرے چاروں طرف اتنی بہت سی روٹیاں موجود ہیں۔ پھر میں یکا یک چونکا اور باربرا اور فریدہ کو بھول کر ان روٹیوں کی طرف دوڑا۔ کبھی اس طرف' کبھی اس طرف مگر وہ روٹیاں.....حیات آفرین خوشبو سے معمور روٹیاں میری پہنچ سے باہر تھیں۔ وہ اوپر نیچے تیزی سے چکرا رہی تھیں۔ میں ہاتھ بڑھاتا تو وہ دور چلی جاتیں' میں پاگلوں کی طرح ادھر ادھر دوڑتا رہا اور روٹی پکڑنے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر ایک بھی روٹی ہاتھ نہیں آئی۔ پتا نہیں کیا بات تھی کہ اتنی بہت سی روٹیاں ہوتے ہوئے بھی کوئی روٹی ہاتھ نہیں آئی۔ پھر ہوا اور تیز ہو گئی۔ آندھی نے قیامت خیز صورت اختیار کر لیا' آسمان گرد و غبار کے پیچھے گم

ہوگیا اور ہر شے میری نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ زناٹے دار تھپیڑوں کا شور اتنا تیز تھا کہ میرے کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ آندھی دنیا کی ہر شے کو فنا کر کے دم لے گی۔ مگر میں بدستور بھاگتا رہا۔ ادھر سے ادھر دوڑتا رہا اور زور زور سے چیختا رہا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ کوئی روٹی ہاتھ نہیں آئی۔ بابر برا اور فریدہ بھی غائب ہوگئیں۔ پھر میری ٹانگوں نے جواب دے دیا اور میں گر پڑا۔ اتنا بے دم اور بے جان ہو کر کہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کو جنبش دینے سے بھی قاصر تھا۔ البتہ میری آنکھیں بدستور کھلی ہوئی تھیں اور میں دیکھ رہا تھا۔ اپنی بے حس آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ میرے جسم پر ریت کی تہیں جمتی جا رہی ہیں۔ پہلے میرے ہاتھ چھپے' پھر میری ٹانگیں چھپیں' پھر ریت تہ در تہ میرے سینے اور پیٹ پر جمع ہونے لگی اور پھر یکا یک سارا منظر میری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

جب میری آنکھ کھلی تو فضا پرسکون ہو چکی تھی' نہ ہوا تھی اور نہ شور۔ ریت کا غبار بھی تحلیل ہو چکا تھا۔ میں نے آنکھ کھولی تو سب سے پہلے نیلا آسمان نظر آیا۔ پھر میں نے ایک چہرہ دیکھا۔ وہ چہرہ میرے اوپر جھکا ہوا تھا۔ میں نے پلکیں جھپکائیں تو اس چہرے پر حیرت کے آثار اور نمایاں ہوگئے۔ وہ چہرہ بہت پیارا تھا۔ شفاف اور روشن مگر بہت سادہ اور بہت مہربان۔ مجھے پلکیں جھپکاتے دیکھ کر اس کے چہرے نے کچھ کہا مگر سمجھ میں نہیں آیا کہ اس نے کیا کہا۔ بس اس کی آواز کانوں میں آئی' وہ آواز بے حد خلیق' نرم اور مہربان تھی۔ میں نے یکا یک سر کو زور سے جنبش دی اور پھر جسم و جان کی پوری قوت سے چلا کر کہا۔

''میں عمن عونس دوئم ہوں۔''

میں نے اسے دور سے دیکھا۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی بنا پر کچھ واضح طور پر سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ بس ریت کا ایک چھوٹا سا ڈھیر دکھائی دیتا تھا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ ایک قبر جیسا ڈھیر ہی تھا۔ وہ شے ایک انسانی ہاتھ سے مشابہ نظر آتی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نے فضا میں ہاتھ اٹھا کر ہلایا ہو جب کہ وہاں کوئی ذی نفس..... دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ہاتھ ایک لمحے کے لیے لہرایا پھر غائب ہوگیا۔ میں ششدر ہو کر دیکھتی رہ گئی۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ اسے کیا سمجھوں۔ واقعی وہ کوئی انسانی ہاتھ تھا یا کوئی اور شے تھی؟ میرے ذہن میں خوف اور الجھن کی لہریں چکرانے لگی تھیں۔ کچھ دیر تک میں وہیں کھڑی اس طرف متذبذب نظروں سے دیکھتی رہی۔ وہ شے ایک بار پھر لہرائی اور پھر غائب ہوگئی۔ مجھے معلوم تھا کہ صحرا میں طرح طرح کے اسرار ہوتے ہیں' طرح طرح کے سراب ہوتے ہیں..... چیزیں اپنی شکلیں بدل لیتی ہیں۔ ممکن ہے وہ دست انسانی بھی محض میرا فریب نظر ہو۔ شاید یہی بات ہے' میں نے غیر ارادی طور پر خود سے کہا۔ پھر گردن گھما کر گرد و پیش کا جائزہ لیا' کیا میں ٹھیک راستے پر چل رہی ہوں؟ کہیں میں راستہ تو نہیں بھول گئی ہوں۔ مگر سمت کے سرسری جائزے سے اندازہ ہوا کہ میرا راستہ صحیح ہے..... چنانچہ میں نے قدم پھر آگے بڑھایا۔ اتفاق سے ریت کا وہ ڈھیر میرے راستے سے قدرے داہنی طرف پڑا تھا۔ آگے بڑھتے ہوئے میری نظر ایک بار پھر اس جانب اٹھی اور مجھے کوئی شے ہلتی ہوئی دکھائی دی۔ مگر اس بار انسانی ہاتھ کے بجائے کوئی اور چیز لگتی تھی۔ شاید کوئی پکڑے کی دھجی تھی۔ یکا یک خیال آیا کہ دیکھنا چاہئے کہ وہ کیا شے ہے' کچھ ہے بھی یا محض مجھے دھوکا ہوا ہے' تجسس کی لہر اتنی تیز تھی کہ میں خود کو نہیں روک سکی۔ قدم آپ سے

آپ گھوم گئے اور میں ریت کے اس ڈھیر کی طرف بڑھنے لگی!

نرم ریت میں میرے پیر ٹخنوں تک دھنس رہے تھے اور اس بنا پر میں چلنے میں بے حد دشواری محسوس کر رہی تھی۔ ایک ایک قدم اتنا بھاری تھا کہ لگتا تھا' میں چل نہیں رہی ہوں بلکہ خود کو گھسیٹ رہی ہوں۔ دھوپ کی آتشیں تپش کے باعث مجھے اپنا چہرہ جھلسا ہوا لگ رہا تھا۔ سانسوں میں شعلوں کی لپٹ تھی اور حلق یوں خشک ہو گیا تھا گویا تالو میں کانٹے اگ آئے ہوں۔ شکر ہے کہ میرے پاس ایک بڑا تھرموس تھا اور اس میں پانی بھی موجود تھا۔ اگر پانی نہ ہوتا تو یہ قیاس کرنا دشوار نہ تھا کہ اس تپتے ہوئے ریگستان میں میرا کیا حشر ہوتا۔ جب حلق بالکل خشک ہو جاتا اور سانس لینا دوبھر ہونے لگتا تو میں ایک گھونٹ لے لیتی۔ تجربہ آدمی کو بہت کچھ سکھاتا ہے۔ اس وقت شاید زندگی میں پہلی بار مجھے پانی کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ ہوا۔ اس وقت دنیا کے سارے خزانے' ہیرے موتی اور اس نے چاندی کے تمام ذخیرے سے مجھے پانی کے ایک گھونٹ کے سامنے ہیچ نظر آئے۔ اگر اس وقت میرے پاس سونے اور ہیروں کا انبار ہوتا تو وہ مجھے موت کے عذاب سے نہیں بچا سکتا تھا۔ جب کہ پانی سے بھرے ہوئے محض ایک تھرموس نے میری سانسوں کی ڈور کو ٹوٹنے سے بچائے رکھا تھا!

فاصلہ دم بدم کم ہو رہا تھا اور وہ ڈھیر زیادہ واضح ہوتا جا رہا تھا۔ وہ ہاتھ پھر نظر نہیں آیا تھا مگر صاف طور پر محسوس ہو رہا تھا' وہاں کچھ ہے ضرور..... کیونکہ کپڑے کی ایک پٹی سی وقتاً فوقتاً لہراتی ہوئی دکھائی دیتی تھی جو میرے تجسس کو مزید بھڑکا رہی تھی' میں دیکھنا چاہتی تھی کہ جس شے کو میں نے دیکھا تھا' وہ واقعی انسانی ہاتھ تھا یا نہیں..... فاصلہ اب کچھ اور کم ہو گیا تھا۔ میں ایک منٹ کے لیے رکی' ایک گھونٹ پانی پیا اور پھر آگے بڑھی!

اس وقت جب میں نرم اور سلگتی ہوئی ریت میں اپنے وجود کو گھسیٹ رہی تھی تو میرے ذہن میں اور بھی خیالات چکرا رہے تھے' مجھے اپنا وہ چھوٹا سا گھر یاد آ رہا تھا جہاں میں مسز ریوز کے ساتھ رہتی تھی۔ میرا چھوٹا سا گھر اسکاٹ لینڈ کے ایک چھوٹے سے قصبے مونٹ میں ہے' جہاں میں نے زندگی کے اکیس سال گزارے ہیں۔ اس چھوٹے سے قصبے کی طرح میری زندگی بھی بہت چھوٹی سی تھی۔ میں نے کبھی بڑے سپنے نہیں دیکھے تھے۔ کبھی بڑی چیزوں کی آرزو نہیں کی تھی۔ حد یہ ہے کہ میں کبھی مونٹ سے باہر بھی نہیں گئی تھی۔ حالانکہ نیو کاسل اور کارلائل وغیرہ بڑے شہر زیادہ دور نہیں ہیں۔ گلاسگو کا فاصلہ بھی کچھ زیادہ نہیں۔ مگر میں نے یہ شہر اپنے ہوش میں کبھی نہیں دیکھے۔ میری چھوٹی سی دنیا گھر سے اوگلویز کارنر تک محدود تھی۔ اوگلویز کارنر دراصل کافی ہاؤس کا نام ہے جہاں میں بطور ویٹر کام کرتی تھی۔ یہ کافی ہاؤس مسز اوگلوی کی ملکیت ہے جو بیوہ ہو چکی ہیں اور بے حد خلیق اور مہربان خاتون ہیں اور میری خالہ مسز ریوز کی گہری دوست ہیں۔ میں نے گزشتہ چھ سال ان کے ہوٹل میں ویٹرس کے طور پر کام کرتے ہوئے گزارے تھے۔ مجھے ایک ایک کر کے ساری باتیں یاد آتی چلی گئیں۔ اوگلویز کارنر وہ پتلی سی صاف ستھری سڑک جس پر سے گزر کر میں ہر روز کافی ہاؤس جاتی تھی اور پھر اپنا کمرہ جس کی عقبی کھڑکی کے قریب ایک گارڈن چیئر پر بیٹھنا اور باہر دیکھنا مجھے ہمیشہ اچھا لگتا تھا۔ اس کھڑکی سے قصبے کے پیچھے حد نظر تک پھیلے ہوئے پہاڑی سلسلے کا منظر بہت بھلا لگتا تھا۔ یہ پہاڑیاں زیادہ اونچی نہیں ہیں اور جہاں تک حد نگاہ جاتی ہے' ان سبز پوش پہاڑیوں پر بھیڑیں چرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ جگہ جگہ درختوں کے گھنے جھنڈ ہیں۔ ان پہاڑیوں پر پختہ سڑکیں بھی ہیں جن پر کاروں اور ٹرکوں کی آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ سامنے کی کھڑکی سے یہ سارا منظر بے

حد دلکش اور پرشکوہ لینڈ اسکیپ کی طرح نظر آتا تھا۔ اس وقت جب میں ریگستان کی تپتی ہوئی زرد ریت پر قدم بہ قدم آگے بڑھ رہی تھی' وہ خوبصورت منظر میری آنکھوں میں گھوم رہا تھا۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ میں اپنے قصبے سے باہر بھی جاؤں گی۔ میں سمجھتی تھی کہ میری زندگی مونٹ کی سڑکوں اور گلیوں میں ہی گزر جائے گی اور میں پوری طرح مطمئن بھی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ بقول مسز اوگلوی مجھ میں سادگی اور قناعت بہت زیادہ ہے۔ مگر اپنی خواہش اور توقع کے برخلاف اس وقت میں مونٹ سے ہزاروں میل دور مصر کے اس عظیم ترین ریگستان میں موجود تھی۔ ابھی تک مجھے اپنا یہ سفر ایک سپنا سا لگتا تھا۔ کیا واقعی میں مصر آئی ہوں' کیا واقعی سچ ہے کہ میں .....'' میں نے زور سے سر کو جھٹکا دیا اور کشمکش و پیچ کے ساتھ ہونٹوں پر زبان پھیری۔ پھر میں نے اپنے ذہن میں ایک خواہش کو خود بخود ابھرتے ہوئے محسوس کیا..... خدا کرے یہ سب کچھ سچ نہ ہو..... مسز ریوز نے اور مسز اوگلوی نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ سب جھوٹ ہو اور میں ایک بار پھر واپس مونٹ پہنچ جاؤں۔ اپنا چھوٹا سا گھر اور اوگلویز کارنر مجھے عزیز ہے۔ میں تو ایک معمولی سی لڑکی ہوں اور اسی حیثیت میں خوش اور مطمئن ہوں۔ مجھے اونچی فضاؤں میں پرواز کرنے کی کوئی خواہش نہیں۔ میں انہی خیالوں میں الجھی ہوئی آگے بڑھتی رہی اور دل ہی دل میں طے کرتی رہی کہ جونہی موقع ملے گا۔ میں واپس چلی جاؤں گی اور مسز ریوز سے کہہ دوں گی کہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے' اگر وہ سچ ہے تب بھی مجھے کوئی مطلب نہیں۔ میں ہر چیز سے دستبردار ہونے کے لیے تیار ہوں لیکن اپنی چھوٹی سی سادہ سی دنیا کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں!

آخر کار میں ڈھیر کے پاس پہنچ گئی اور تب یکا یک زمین نے میرے پیر پکڑ لیے۔ میں ضم بکم کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ یقین ہی نہ آیا کہ جو کچھ دیکھ رہی ہوں' وہ سچ ہے۔ میری آنکھیں ساکت ہو گئی تھیں اور دل یقیناً دو چار دھڑکنیں بھول گیا تھا۔ کئی لمحے اسی حالت میں میرے سر پر سے گزر گئے۔ پھر دفعتاً اس طرح چونکی جیسے برقی جھٹکا لگا ہو۔ مجھے گمان بھی نہیں تھا کہ ریت کے اس ڈھیر میں ایک انسان کو دیکھوں گی۔ اس کا پورا جسم ریت میں دفن تھا۔ صرف ایک ہاتھ اور چہرہ کھلا ہوا تھا۔ گویا میں نے جس شے کو انسانی ہاتھ سمجھا تھا' وہ واقعی اس کا ہاتھ تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور چہرے پر بظاہر زندگی کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ شاید وہ مر رہا تھا یا ممکن ہے' چند منٹ پہلے زندہ رہا ہو یعنی جب اس نے ہاتھ ہلایا تھا مگر پھر مر گیا ہو۔ میں حیرت اور یقین و گمان کے درمیان الجھی ہوئی اسے گھورتی رہی۔ کیونکہ اس کا چہرہ عجیب تھا۔ اس کے ہونٹوں پر سرخ لپ اسٹک واضح طور پر موجود تھی۔ بھنوؤں اور پپوٹوں کو کئی رنگوں سے رنگا گیا تھا۔ گالوں پر بھی سرخ اور سبز رنگ کا امتزاج موجود تھا۔ ہر چند کہ ریت اور دھوپ کی بنا پر رنگ مدھم پڑ گئے تھے' تاہم اس حد تک واضح تھے کہ صاف نظر آتے تھے۔ اس کی حالت بے حد خستہ تھی۔ ہونٹ جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے تھے' جن سے خون رس رہا تھا۔ کنپٹی کی کھال بھی چٹخ گئی تھی۔ ریت سے باہر نکلے ہوئے ہاتھ میں بھی جگہ جگہ زخم تھے۔ پتا نہیں کون تھا وہ۔ کوئی انسان ہی تھا یا کوئی بھٹکی ہوئی آوارہ روح۔ اگر انسان ہی تھا تو اس جگہ کیونکر پہنچا۔ اس کے نیلے تلے چہرے کا کیا مطلب ہے؟ اور پھر وہ ریت میں کیوں کر دفن ہو گیا۔ مگر یہ اندازہ لگانا چنداں مشکل نہ تھا۔ اس کی خراب و خستہ حالت سے صاف پتا چلتا تھا کہ آندھی میں گھر کر اور بے دم ہو کر گر پڑا ہو گا۔ یکا یک مجھے اس پر بے حد ترس آیا۔ بے چارہ' آدمی بدقسمت ہو مگر اتنا بھی نہیں کہ اس طرح بے یار و مددگار ہو کر صحرا میں بے کسی کی موت مر جائے۔ ایسی موت بڑی حسرت ناک

ہوتی ہے۔ نہ کوئی دو آنسو بہاتا ہے' نہ جنازہ اٹھتا ہے اور نہ قبر نصیب ہوتی ہے۔ آدمی بے شک زندگی بھر ناکامی اور محرومی کا دکھ اٹھائے لیکن موت سکون کی نصیب ہو جائے تو روح کو بڑی آسودگی میسر آ جاتی ہے۔ نہ جانے کون تھا وہ؟ نہ جانے کہاں سے آیا تھا؟ اس کے چہرے پر اتنے رنگ تھے کہ اس کی قومیت کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ پتا نہیں کوئی مصری تھا یا کوئی یورپین..... خیر جو کوئی بھی ہو مگر اسے بہر حال سپنے میں بھی گمان نہ ہوا ہوگا کہ اسے صحرا میں ایسی حسرت ناک موت نصیب ہوگی۔

ابھی میں انہی متضاد خیالات میں الجھی ہوئی تھی کہ معاً اس کی پلکوں کو حرکت ہوئی' میں یکا یک سہم کر پیچھے ہٹ گئی۔ یہ حرکت قطعاً غیر اختیاری تھی۔ شاید میرے لبوں سے ایک ہلکی سی چیخ بھی نکل گئی تھی۔ مگر مجھے اس کا قطعی احساس نہیں ہوا۔ اس کے پپوٹوں کی جنبش اتنی اچانک اور غیر متوقع تھی کہ میں ایک دم سٹ پٹا کر رہ گئی۔ دل زور زور سے دھڑ دھڑانے لگا۔ یوں تو اسے میں مردہ ہی سمجھ رہی تھی مگر اس کی پلکوں کی تھرتھراہٹ اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ زندہ ہے۔ ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں میرے ذہن میں کئی خیالات بجلی کی طرح کوند گئے۔ جن میں سے ایک خیال یہ بھی تھا کہ وہ یقیناً کوئی بدروح ہے اور یہ کہ مجھے فوراً فرار ہو جانا چاہئے۔ لیکن ذہن میں ساتھ ہی ساتھ ایک اور بے نام سا جذبہ بھی موجود تھا جس نے میرے قدم روک لیے۔ تجسس کچھ اور تیز ہو گیا۔ دیکھنا تو چاہئے آخر وہ کون ہے؟ اگر انسان ہے تو اس پر کیا بیتی ہے۔ میں سہمی ہوئی کھڑی رہی اور ٹھہری ہوئی نظروں سے اس کی پلکوں کو گھورتی رہی۔ چند لمحوں میں اس نے آنکھیں کھول دیں اور مجھے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھیں گہری سرخ ہو رہی تھیں اور ان میں بڑی وحشت اور دیوانگی تھی۔ وہ کچھ اس طرح مجھے دیکھ رہا تھا جیسے کچھ بھی نہ دیکھ رہا ہو۔ اس کی نگاہ خلا میں بھٹکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ میں اس کی سرخ اور وحشت بھری آنکھوں کو دیکھ کر کچھ اور بھی سہم گئی۔ میرے اعصاب مفلوج سے ہو گئے تھے۔ میں نے اپنے جسم کو حرکت دینے کی کوشش کی مگر ناکام رہی' پھر بولنے کی کوشش کی تب بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ وہ اپنی زخمی پلکوں کو جھپکا جھپکا کر بدستور مجھے دیکھ رہا تھا۔ کئی لمحے اسی حالت میں گزر گئے۔ پھر میرے حواس کسی حد تک واپس آئے اور تب میں نے اپنے آپ کو کہتے ہوئے سنا ''اے' تمہیں کیا ہوا ہے؟''

اس نے جواب نہیں دیا۔ البتہ اپنی پلکوں کو ایک اور جنبش دی۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس نے اپنے سر کو آہستہ سے ہلایا۔ ساتھ ہی اس کے زخمی ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ نظر آئی۔ بشرطیکہ اسے مسکراہٹ کیا جا سکے کیونکہ مسکراہٹ جس خوش گوار کیفیت کا اظہار کرتی ہے۔ وہ اس کی مسکراہٹ میں مفقود تھی۔ اس کے برعکس اس کی مسکراہٹ سے بڑی وحشت اور شیطانیت کا اظہار ہو رہا تھا۔ پھر اس نے یکا یک جبڑوں کو پھیلایا اور پوری قوت سے چیخ کر بولا ''میں عمن عونس دوم ہوں۔''

''میرا نام مونزا ہے' مونزا لی نگ موتر..... اور جیسا کہ میں نے بیان کیا' میرا بچپن اسکاٹ لینڈ کے ایک چھوٹے سے خوبصورت قصبے موفٹ میں گزرا ہے لیکن مجھے اپنے بچپن کے متعلق کچھ زیادہ نہیں معلوم..... میں نے اپنے ماں باپ کو ابھی نہیں دیکھا۔ میری پیدائش کے سرٹیفکیٹ پر ایڈنبرا کے ایک اسپتال کا نام اور اکیس سال پہلے کی ایک تاریخ درج ہے۔ اس سرٹیفکیٹ کے مطابق میری ماں کا نام نورما اور باپ کا نام ٹیری لانگ موئر تھا۔

جنہیں میں نے نہیں دیکھا۔ کیونکہ میری خالہ مسز ریوز کے بیان کے مطابق ان دونوں کا انتقال کار کے ایک حادثے میں اس وقت ہوگیا تھا' جب میری عمر صرف ایک سال تھی۔ چونکہ میرا اور کوئی عزیز نہیں تھا' اس لیے میری پرورش کی ذمے داری مسز ریوز نے اپنے سر لے لی۔ اس وقت وہ گلاسگو میں رہتی تھیں' وہ مجھے ایڈنبرا سے گلاسگو لے آئیں اور میرے بچپن کے چار سال گلاسگو ہی میں گزرے۔ پھر مسٹر ریوز کا انتقال ہوگیا تو مسز ریوز موفٹ آ گئیں کیونکہ موفٹ ان کا آبائی قصبہ تھا۔ انہوں نے پھر شادی نہیں کی۔ موفٹ میں ان کا ذاتی مکان موجود تھا۔ وہ اس مکان میں رہنے لگیں۔ مجھے انہوں نے ایک مقامی اسکول میں داخل کرادیا اور یوں میرے شب و روز موفٹ میں گزرنے لگے۔ بچپن کا زمانہ تمام ہوا۔ میں چودہ سال کی ہوئی تو اوگلویز کارنر میں ویٹرس کے طور پر کام کرنے لگی۔ جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا۔ میری زندگی بہت سادہ اور بہت محدود تھی' مجھے ہنگاموں اور فیشن سے کبھی کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ نہ اونچی اڑان کا شوق تھا اور نہ اونچے خواب دیکھنے سے کوئی دلچسپی تھی۔ میری حیثیت، اس پرندے کی سی تھی جو پنجرے تک محدود رہتا ہے اور خوش رہتا ہے۔ میں بھی اپنی سادہ اور محدود زندگی سے پوری طرح خوش اور مطمئن تھی۔ حتی کہ میرا کوئی بوائے فرینڈ بھی نہیں تھا۔ آنٹی یعنی مسز ریوز کبھی کبھی اس بات سے بہت افسردہ ہوجاتیں' وہ مجھ سے کہتیں۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تو کیا کرے گی؟''

''کیوں؟'' میں حیران ہوکر پوچھتی۔

''کیا یونہی ساری زندگی گزار دے گی؟''

میں مسکرا کر جواب دیتی ''آنٹی! تم اتنی فکرمند نہ ہو' میں شادی بھی کرلوں گی۔''

''کس سے کرے گی؟'' وہ چڑ کر کہتیں ''تیرا کوئی مرد دوست نہیں ہے۔''

''تو کیا ہوا.....؟'' میں ہنس کر کہی ''جب شادی کرنے کا خیال ہوا تو کسی راستہ چلتے کو پکڑ کر چرچ لے جاؤں گی اور شادی کرلوں گی۔''

یہ سن کر وہ بالکل خفا ہوجاتیں۔

بچپن سے لے کر جوانی تک میں خود کو مورالانک مورہی سمجھتی رہی۔ میرے برتھ سرٹیفکیٹ پر بھی میرا یہی نام درج ہے لیکن جب میں نے اکیسویں سالگرہ منائی اور بائیسویں سال میں قدم رکھا تو پتا چلا کہ میں مورالانگ مور انہیں ہوں۔ اس وقت میری کیا کیفیت ہوئی ہوگی' اس کا اندازہ آپ بخوبی کرسکتے ہیں۔ اگر عمر کے اکیس سال گزارنے کے بعد آپ کو بتایا جائے کہ تم وہ نہیں ہو جو خود کو سمجھتے ہو تو آپ کا ذہن جھنجنا اٹھے گا۔ آپ اس انکشاف کو تسلیم کرنے سے انکار کردیں گے۔ یہی کیفیت میری ہوئی۔ میں نے نہایت تلخ لہجے میں مسز ریوز سے کہا ''مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے' تم جھوٹ کہہ رہی ہو۔''

''کاش' یہ جھوٹ ہوتا'' انہوں نے کمزور لہجے میں جواب دیا۔ ''لیکن تمہاری خوش قسمتی اور میری بدقسمتی سے یہ سچ ہے۔''

یہ واقعہ تقریباً دو ڈھائی ماہ قبل کا ہے۔ مسز ریوز نے یہ انکشاف میری اکیسویں سالگرہ کے کوئی دو ہفتے بعد کیا تھا۔ وہ اب بہت بوڑھی ہوگئی تھیں اور اکثر بیمار رہتی تھیں۔ میری سالگرہ کے چند روز بعد وہ زیادہ بیمار ہوگئیں۔

چند دن اسپتال میں رہیں' پھر میں انہیں گھر لے آئی۔ مگر ان کی حالت دن بدن بگڑتی گئی۔ تب ایک دن انہوں نے ایک ٹیلی گرام بھجوایا۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ وہ ٹیلی گرام انہوں نے کس کو بھجوایا تھا۔ البتہ یہ علم ہے کہ وہ ٹیلی گرام ایڈنبرا بھیجا گیا تھا۔ اس کے دو روز بعد ایک ادھیڑ عمر کا شخص ہمارے گھر آیا اور اس نے چند گھنٹے تنہائی میں مسز ریوز کے ساتھ گزارے اور پھر اسی دن مسز ریوز نے مجھے اپنے کمرے میں طلب کیا۔ اس وقت وہ کمزور اور بیمار دکھائی دے رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے جس سے شدید قسم کی اندرونی کشمکش کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تک مجھے بہت غور سے اور بڑی عجیب نظروں سے دیکھتی رہیں۔ وہ نظریں میرے لیے قطعی اجنبی تھیں۔ پچھلے اکیس سال میں' میں کبھی ان نامانوس نظروں سے دوچار نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ میں نے یکا یک گھبرا کر کہا: ''کیا بات ہے' آنٹی!''

ان کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے نحیف آواز میں کہا۔

''موئرا! میں سمجھتی ہوں کہ اب وقت آ گیا ہے۔''

میں نے جلدی سے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھ دیا ''آنٹی! ایسی باتیں مت کرو' تم بہت جلد اچھی ہو جاؤ گی۔''

ان کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ میں رچی ہوئی مایوسی کچھ اور گہری ہو گئی۔

''لڑکی! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں تو تیرے بارے میں کہہ رہی ہوں۔''

''میرے بارے میں..... کیا.....؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''یہی کہ اب وقت آ گیا ہے کہ میں تجھے اس راز سے آگاہ کر دوں جو پچھلے اکیس سال سے میرے سینے میں دفن ہے۔ ممکن ہے' پھر موقع ملے نہ ملے۔''

میں نے معاً گہری نظروں سے انہیں گھورا۔ آخر وہ ایسی باتیں کیوں کر رہی ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ بیماری اور بیماری سے پیدا ہونے والی مایوسی نے ان پر برا اثر ڈالا ہے اور وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگی ہیں..... میری آنکھوں سے جھانکتے ہوئے شک کو انہوں نے محسوس کر لیا۔ چنانچہ میرے ہاتھ پر تھپکی دے کر بولیں ''نہیں' تم غلط سمجھ رہی ہو' میں پوری طرح ہوش میں ہوں۔''

میں ذرا خجالت سے مسکرائی۔

''مگر تمہاری باتیں عجیب ہیں جو میری سمجھ میں نہیں آ رہیں' آخر تم کس راز کی بات کر رہی ہو؟''

انہوں نے ذرا توقف کیا۔ ایک بار پھر ان کے چہرے پر بکھری ہوئی کشمکش گہری ہو گئی۔ شاید وہ سوچ رہی تھیں' کہیں یا نہ کہیں اور اگر کہیں تو کس طرح کہیں..... ایسے موقعوں پر الفاظ کا انتخاب بڑا مشکل ہو جاتا ہے..... چند لمحے کے تذبذب کے بعد آخر کار انہوں نے کہا۔

''موئرا! بات یہ ہے کہ..... تم..... میرا مطلب یہ ہے کہ تمہارا نام لانگ موئر نہیں ہے۔''

میں نے ایک بار پھر گہری اور مشکوک نظروں سے ان کے عمر رسیدہ چہرے کو گھورا

''میرا نام لانگ موئر نہیں ہے؟''

''ہاں۔''

آنٹی کا لہجہ صاف تھا الفاظ واضح تھے اور ان میں شک و شبہے کا رتی برابر شائبہ بھی نہیں تھا۔ میں یکا یک گم صم سی ہو کر رہ گئی۔ یکا یک میرے گرد و پیش میں سناٹا زور زور سے سانس لینے لگا۔ اتنی عمر گزر گئی تھی' پورے اکیس سال..... اور اتنی مدت تک میں خود کو مورا لانگ مورا سمجھتی رہی۔ اسی نام سے اپنے آپ سے متعارف تھی اور اب مجھے بتایا جا رہا تھا کہ میں لانگ مورا نہیں ہوں۔..... مجھے یکا یک یوں لگا کہ جیسے میں خود کو پہچانتی نہیں ہوں۔ اتنی مدت میں پہلی بار میں نے اپنے آپ کو خود اپنے لیے اجنبی محسوس کیا۔ میری صورت میری نہیں ہے..... میرا جسم میرا نہیں ہے..... دفعتاً میں نے اپنے ہاتھ کو غور سے دیکھا۔ پھر آنٹی کے چہرے پر نظر ڈالی۔ اور تلخ لہجے میں کہا۔

''مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟' تم جھوٹ کہہ رہی ہو۔''

''کاش یہ جھوٹ ہوتا'' انہوں نے کمزور لہجے میں کہا ''لیکن تمہاری خوش قسمتی اور میری بدقسمتی سے یہ سچ ہے۔''

''اگر لانگ مورا نہیں ہوں تو پھر کیا ہوں؟''

''کارگل..... مورا کارگل!''

''لیکن یہ سچ نہیں ہو سکتا'' میں نے ایک بار پھر جرح کی ''میں نے پیدائش کا سرٹیفکیٹ خود دیکھا ہے' اس پر میرے والدین کا اور میرا نام صاف الفاظ میں درج ہے۔ کیا وہ سرٹیفکیٹ جھوٹا ہے؟''

''ہاں'' انہوں نے سر ہلایا ''جس دن تم پیدا ہوئی تھیں' اسی دن اسپتال میں ایک اور بچی بھی پیدا ہوئی تھی۔ اس کا نام بھی مورا تھا۔ صرف خاندانی نام مختلف تھا۔ وہ لانگ مورا تھی' تم کارگل! ہم نے کچھ روپے دے کر اس کے سرٹیفکیٹ کی ایک جعلی نقل حاصل کر لی تھی۔''

''وہ بچی اب کہاں ہے؟''

''وہ دو تین روز بعد فوت ہو گئی تھی' اسی وجہ سے اس کا سرٹیفکیٹ مل گیا تھا۔''

میں نے تھوڑا توقف کیا.....!

''تو پھر میرا سرٹیفکیٹ کہاں ہے؟''

''وہ تمہارے باپ کے پاس تھا۔'' آنٹی نے جواب دیا ''مگر اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے..... تمہیں ایڈنبرا کے اسپتال سے دوسرا سرٹیفکیٹ مل جائے گا۔''

میں نے بے چینی سے سر کو جنبش دی اور کھڑکی سے باہر دیکھا۔ دراصل مجھے ابھی تک آنٹی کی باتیں عجیب لگ رہی تھیں اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہوں اور کیسے کہوں؟ میری جگہ کوئی اور شخص ہوتا تو اس کی ذہنی حالت مجھ سے مختلف نہ ہوتی۔ کچھ دیر تک میں کھڑکی سے باہر سبز دوب سے ڈھکی ہوئی پہاڑیوں کو گھورتی رہی اور اپنے خیالات کو مجتمع کرنے کی کوشش کرتی رہی پھر میں نے پوچھا۔

''آنٹی! آج تک تم نے مجھے یہ بتایا تھا کہ میرے والدین کار کے حادثے میں ہلاک ہو گئے ہیں' کیا یہ سچ ہے؟''

''نہیں!'' آنٹی نے کہا ''صرف اتنا سچ ہے کہ تمہاری ماں کار کے حادثے میں ہلاک ہوئی تھیں۔''

''اور میرے باپ.....؟''

''وہ کار میں نہیں تھے لیکن چند سال بعد ان کا انتقال ہو گیا تھا'' مسز ریوز نے سوچ سوچ کر کہنا شروع کیا ''میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ تمہیں اس راز سے آگاہ کروں لیکن یہ تمہاری ماں کی خواہش تھی۔ مگر کچھ عرصے سے میں بڑی ذہنی کشمکش میں تھی۔ میں سوچتی تھی کہ اگر اس راز کو بدستور چھپائے رکھوں تو تمہاری ماں کی خواہش تو ضرور پوری ہو جائے گی۔ لیکن یہ تمہارے ساتھ بھی ناانصافی ہوگی۔ آخر کار یہی مناسب لگا کہ تمہیں اس حقیقت سے باخبر کر دوں۔''

میں نے ذرا الجھ کر مسز ریوز کو گھورا۔

''مگر میری ماں آخر یہ کیوں چاہتی تھیں کہ مجھے اس حقیقت سے بے خبر رکھا جائے۔''

آنٹی کے چہرے پر بڑی روشن مسکراہٹ نظر آئی۔

کیونکہ وہ بڑی خوددار عورت تھی۔ وہ تمہارے باپ کے سامنے سبک سر نہیں ہونا چاہتی تھی۔

میں چپ ہو گئی اور بے چینی سے پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ میرے ذہن میں خیالات کا ہجوم تھا۔ ان گنت سوالات کیڑے مکوڑوں کی طرح کلبلا رہے تھے۔ آنٹی نے بظاہر مجھے حقیقت حال سے باخبر کر دیا تھا۔ لیکن یہ اور بات ہے کہ میری تشفی نہیں ہوئی تھی کہ مزید الجھنیں پیدا ہو گئی تھیں۔ میری ماں اس راز کو کیوں چھپانا چاہتی تھی؟ میرے لیے پیدائش کا جعلی سرٹیفکیٹ کیوں لیا گیا؟ آنٹی نے یہ کیوں کہا کہ اس راز کو چھپانے کی صورت میں بھی میرے ساتھ بڑی ناانصافی ہوگی۔ میری ماں کون تھی اور میرا باپ کون تھا؟ یکا یک میرے ذہن میں ایک جگنو سا چمکا اور اندھیرے میں روشنی کا جھماکا ہوا اور میں یکا یک سر سے پیر تک تھرتھرا کر رہ گئی۔ گھوم کر آنٹی کو دیکھا۔ کارگل..... کارگل..... کیا یہ سچ ہے؟ آنٹی نے یہی نام تو لیا تھا۔ میں نے دفعتاً آنٹی کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''آنٹی! تم نے یہی کہا تھا کہ میں کارگل ہوں۔''

''ہاں۔''

''مگر..... مگر کارگل خاندان تو.....''

''تم ٹھیک سمجھی ہو.....'' انہوں نے جواب دیا ''مورا! پریشان مت ہو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں تمہیں تمام واقعات بتاؤں گی..... یہ ایک لمبی داستان ہے لیکن وقت آ گیا ہے کہ تم اپنے جعلی سرٹیفکیٹ کا استعمال ترک کر کے اصل سرٹیفکیٹ کو استعمال کرنے لگو..... تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے دو دن قبل ایک ٹیلی گرام بھیجا تھا۔ اس کے جواب میں آج جو صاحب آئے تھے ان کا نام مسٹر موگن ہے۔ میں نے انہیں ساری باتیں بتا دی ہیں اور مجھے امید ہے کہ وہ چند روز میں پھر آئیں گے اور غالباً تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے۔''

''کہاں؟''

''ایڈنبرا' مسٹر اینڈریو کارگل کے پاس!''

تو گویا حقیقت یہ ہے کہ میں وہ نہیں ہوں' جو ہوں' لانگ مورے سے میرا کوئی رشتہ نہیں بلکہ میں کارگل ہوں۔ زبان سے جب بھی یہ نام ادا کیا' بڑا اجنبی سا لگا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے میں کوئی نقاب اوڑھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ ذہن کو آمادہ کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں اور میں مورا کارگل سے کوئی ذہنی رشتہ استوار نہ

کرسکی..... نہیں، مجھے موئرا کارگل نہیں بننا ہے..... میں موئرالانگ موئر ہی ٹھیک ہوں۔ بھلا میں کارگل کیسے ہوسکتی ہوں۔ کارگل خاندان تو اسکاٹ لینڈ کا بہت قدیم، بہت بااثر اور بہت دولت مند خاندان ہے۔ اسکاٹ لینڈ کا ہر پانچواں فرد اس خاندان کی شان وشوکت اور ثروت وامارت سے بخوبی واقف ہے۔ اس خاندان کے پاس بہت زیادہ املاک ہیں۔ بلکہ میں نے سنا تھا کہ ایک دو جزیرے بھی اس خاندان کی ملکیت ہیں جن میں وائیونا نام کا جزیرہ تو کافی مشہور تھا۔ میں نے وائیونا میں واقع محل کی تعریفیں بھی سنی تھیں اور یہ بھی سنا تھا کہ کارگل خاندان کا کچھ رشتہ کوئین میری آف اسکاٹ لینڈ سے بھی تھا۔ بھلا اتنے قدیم اور عالی نسب خاندان سے میرا کوئی رشتہ کیوں کر ہوسکتا ہے..... میں تو ایک معمولی سی لڑکی ہوں۔ آنٹی ریوز کو یقیناً کوئی غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔ بیماری نے شاید ان کا دماغ خراب کردیا ہے۔ تبھی وہ ایسی بے سروپا اور واہیات باتیں کرنے لگی ہیں۔ میں کارگل ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتی!

لیکن میرے سوچنے سے کیا ہوتا تھا، حقیقت اپنی جگہ اٹل تھی!

اگلے دو تین دن میں مسز ریوز نے باقی حالات بتائے اور تب مجھے پوری کہانی کا پتا چلا۔ ان کے بیان کے مطابق کارگل خاندان کے پچھلے وارث پیٹرک کارگل میرے والد تھے لیکن میری ماں کا کارگل خاندان سے کوئی رشتہ نہ تھا بلکہ وہ ایک معمولی عورت تھیں اور کسی کارخانے میں معمولی سی ملازمت کرتی تھیں چونکہ کارگل خاندان سخت روایات پرست اور قدامت پسند ہے اس لیے میرے والد، میری ماں سے شادی نہیں کرسکتے تھے اور اگر کرلیتے تو انہیں خاندان کی رسم ورواج کے مطابق تمام املاک، دولت، حتیٰ کہ خطاب تک سے بھی دستبردار ہونا پڑتا۔ جب کہ انہیں یہ گوارا نہ تھا۔ دوسری طرف وہ میری ماں کو بھی نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ ایک خراب بات یہ ہوئی تھی کہ ان کی دوستی کے نتیجے میں، میری ماں کا پاؤں بھاری ہوگیا تھا۔ چنانچہ ان دونوں نے خفیہ طور پر شادی کرلی تھی۔ میرے والد پیٹرک کا ارادہ تھا کہ کچھ عرصے بعد وہ حالات کو سازگار بنانے کی کوشش کریں گے اور یوں میری ماں کو خاندان میں شامل کرلیں گے۔ لیکن بعد ازاں یہ مناسب معلوم نہیں ہوا۔ کیونکہ میری ماں کی شہرت کچھ اچھی نہیں تھی اور اس بات کا کوئی امکان نہیں تھا کہ کارگل خاندان کے لوگ میری ماں کو قبول کرلیتے۔ چنانچہ میرے باپ نے میری ماں کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ اس شادی کو ہمیشہ خفیہ رکھا جائے اور یہ کہ وہ میری ماں کی ہمیشہ کفالت کریں گے لیکن میری ماں کو یہ گوارا نہ ہوا کیونکہ اس میں انہیں بڑی ذلت اور کمتری محسوس ہوئی۔ چنانچہ دونوں نے ایک دوسرے سے ملنا جلنا ترک کردیا۔ البتہ میری ماں نے میرے والد سے یہ وعدہ کیا کہ وہ اس راز کو ہمیشہ پوشیدہ رکھیں گے۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ میری ماں دراصل میرے باپ کی قانونی داشتہ تھیں؟'' میں نے تلخ لہجے میں مسز ریوز سے کہا۔

''تم ایسا کیوں کہتی ہو؟'' مسز ریوز نے کہا ''تمہاری ماں کا کوئی قصور نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ پیٹرک نے تمہاری ماں کو اندھیرے میں رکھا تھا اور ساری باتیں شادی کے بعد بتائی تھیں۔''

''کیا واقعی میری ماں آوارہ تھیں؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں، اس بات کو اس طرح نہ کہو'' مسز ریوز نے کہا ''نچلے طبقے کے لوگوں کی زندگی جیسی ہوتی ہے، ویسی ہی

زندگی ان کی بھی تھی۔ نچلے طبقے کی مجبوریاں تمہیں معلوم ہیں۔ تھوڑی بہت اونچ نیچ ہو ہی جاتی ہے۔ تمہاری ماں کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا لیکن کارگل خاندان کے وہ لوگ جو وراثت میں قریبی نمبر پر ہیں' اس بات کو بہانہ بنا سکتے تھے تاکہ ان کا مفاد خطرے میں نہ پڑے۔"

"اس کے بعد کیا ہوا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"تمہاری ماں نے پیٹرک سے ملنا ترک کر دیا تھا لیکن وہ ایک اچھی عورت تھی اور پیٹرک سے واقعی محبت کرتی تھی۔ کیونکہ جب کار کے حادثے میں اس کا انتقال ہوا اور اس نے تمہیں میرے حوالے کیا اور بطور خاص درخواست کی کہ میں اس راز کو ہمیشہ اپنے سینے میں دفن رکھوں اور حتیٰ کہ تمہیں بھی نہ بتاؤں۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس لیے میں تمہیں موفٹ لے آئی تھی تاکہ اگر کبھی تمہارے والد پیٹرک کارگل تمہیں تلاش کرنا چاہیں تو بھی تلاش نہ کر سکیں اور مجھے یقین ہے کہ انہوں نے تمہیں ضرور تلاش کیا ہوگا کیونکہ وہ برے آدمی نہیں تھے بس ان میں جرأت کا فقدان تھا اور چونکہ ہم نے تمہارا نام بدل دیا تھا' اس لیے غالباً وہ تمہیں تلاش کرنے میں ناکام رہے ہوں گے۔"

"ان کا انتقال کب ہوا تھا؟"

"جب تم گیارہ یا بارہ سال کی تھیں....." مسز ریوز نے کہا "ان کی موت بھی پراسرار حالات میں ہوئی تھی۔ ایک دن وہ اپنی بوٹ پر وائیونا جا رہے تھے کہ بوٹ کا انجن پھٹ گیا اور وہ سمندر میں ڈوب کر مر گئے۔ آج تک پتا نہیں چلا کہ حادثے کا سبب کیا تھا؟ مشین میں کوئی خرابی ہوئی تھی یا کسی نے بوٹ میں آتش گیر مادہ رکھ دیا تھا۔ تحقیقات ہوئی تھی مگر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا تھا۔ پولیس نے یہ رائے قائم کی تھی کہ میکانکی خرابی کی بنا پر پھٹ گیا ہوگا۔"

میں کچھ دیر سوچتی رہی پھر پوچھا۔

"بہتر ہے آنٹی..... میں مانے لیتی ہوں کہ یہ ساری باتیں سچ ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اب اتنی مدت گزرنے کے بعد تم نے یہ راز مجھ پر کیوں منکشف کیا ہے؟"

مسز ریوز نے تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد کہا۔

"دراصل میرے جی پر بڑا بوجھ تھا۔ تم چاہو تو اسے ایک قسم کی نفسیاتی کشمکش کہہ سکتی ہو۔ میں سوچتی تھی کہ تمہاری ماں کی خواہش اپنی جگہ درست سہی لیکن تمہارے ساتھ کوئی بے انصافی کیوں ہو..... کارگل خاندان کی اصل وارث تم ہو اور تمہیں تمہارا حق ملنا چاہیے۔ خاص طور پر اس وجہ سے اور یہ بھی ضروری ہے کہ تمہارے والد نے اور کوئی شادی نہیں کی تھی۔ تم ہی ان کی واحد اولاد ہو اور میں سمجھتی ہوں کہ خود وہ بھی تمہیں اپنا وارث بنانا چاہتے ہوں گے..... ورنہ تمہارے پیدائشی سرٹیفکیٹ پر وہ ہرگز اپنا نام نہ لکھواتے۔ ان تمام باتوں کی وجہ سے مجھے یہی مناسب معلوم ہوا کہ تمہیں اصل حقیقت سے باخبر کر دوں۔"

مسز ریوز کو امید تھی کہ مسٹر لوگن جو کارگل خاندان کی تمام املاک اور کاروبار کے منیجر تھے' دو چار دن میں ضرور آئیں گے۔ مگر وہ کوئی دو ہفتے بعد آئے۔ وہ عمر کی اس منزل میں تھے جہاں سے بڑھاپا شروع ہو جاتا ہے۔ ان کے جبڑے چوڑے اور آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں' جن میں ایک تفکر آمیز چمک نظر آتی تھی۔ وہ اپنے سر پر ہر

وقت ایک بھوری فلیٹ کیپ پہنے رہتے تھے۔ وہ درمیانی قد اور بھاری جسم کے آدمی تھے اور ان کے شانے معمول سے زیادہ چوڑے لگتے تھے۔ انہوں نے میری موجودگی میں مسز ریوز سے ملاقات کی۔ کچھ دیر رسمی قسم کی گفتگو کرتے رہے پھر یکا یک بولے۔

''میرا خیال ہے کہ آپ کو اور موئرا کو مصر چلنا پڑے گا۔''

''مصر کیوں؟'' مسز ریوز نے حیرت سے پوچھا۔

''کیونکہ مسٹر اینڈریوز کارنگل اس وقت وہیں ہیں۔''

''تو پھر کیا ہوا؟'' مسز ریوز نے کہا ''انہیں واپس آ جانے دیجیے۔''

''میں نے ٹرنک کال پر مسٹر اینڈریوز سے خود یہی کہا تھا'' مسٹر موگن نے جواب دیا ''مگر انہوں نے کہا کہ انہیں واپسی میں کچھ دیر ہو جائے گی لہٰذا میں آپ دونوں کو لے کر فوراً مصر پہنچ جاؤں۔ دراصل مسٹر اینڈریوز اپنی بھتیجی سے ملنے کے لیے بے تاب ہو گئے ہیں۔''

مگر مجھے یہ تجویز بالکل پسند نہیں آئی۔ آخر مصر جانے کی ایسی کیا ضرورت ہے؟ مسٹر اینڈریوز جب واپس آئیں گے' تب ان سے مل لیا جائے گا۔ مسز ریوز نے بھی اتفاق کیا مگر مسٹر لوگن مصر رہے کہ ہمیں مصر ضرور چلنا چاہیے۔ انہوں نے کہا' وہاں جانا گو ضروری نہیں لیکن جانے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے اور چونکہ مسٹر اینڈریوز تم سے فوری طور پر ملنے کے خواہش مند ہیں اس لیے جانا ہی مناسب رہے گا۔ وہ اس وقت کارنگل خاندان کے وارث ہیں اور ان کی خواہش کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ ان کی خوشنودی حاصل ہو گی تو تمام مراحل بخوبی اور جلد طے ہو جائیں گے۔ ہر چند کہ یہ تاویل کچھ زیادہ مضبوط بھی نہیں تھی مگر مسز ریوز آخر کار قائل ہو گئیں اور انہوں نے تاکید کی کہ میں مسٹر لوگن کے ساتھ مصر روانہ ہو جاؤں۔ وہ خود بیماری کے باعث سفر کرنے کی قابل نہ تھیں' مجھے مجبوراً حامی بھرنی پڑی۔

مسٹر لوگن ایڈنبرا واپس چلے گئے۔ میرا پاسپورٹ ایک ہفتے میں تیار ہو گیا جو موئرا الانگ کے نام سے ہی بنا تھا۔ پھر مسٹر لوگن نے کچھ رقم بھجوائی اور ساتھ ہی یہ پیغام بھیجا کہ وہ خود فوری طور پر مصر روانہ ہو رہے ہیں۔ میں دو دن بعد سفر کروں۔ مسٹر لوگن قاہرہ ائرپورٹ پر مجھے لینے کے لیے موجود ہوں گے۔ میں نے ایک بار پھر پس و پیش سے کام لیا۔ دراصل اس طرح مصر جانا مجھے بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔ دل میں ایک الجھن سی تھی۔ مجھے کچھ یوں لگ رہا تھا کہ یہ ساری بات اس طرح نہیں بلکہ کسی اور طرح ہونا چاہیے۔ مگر یہ اور بات ہے کہ میں اپنے احساسات کی معقول وضاحت نہیں کر سکتی تھی۔ مسز ریوز نے مجھ سے اتفاق نہیں کیا' انہوں نے کہا کہ میرا تذبذب صرف اس بنا پر ہے کیونکہ میں پہلی بار مسٹر اینڈریوز سے ملنے والی ہوں ورنہ درحقیقت پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ آخر کار میں قاہرہ روانہ ہو گئی!

مسٹر لوگن واقعی ائرپورٹ پر موجود تھے' ان کے ساتھ ایک مصری عورت اور ایک مصری نوجوان بھی تھے۔ ان دونوں کے نام بالترتیب خالدہ اور احسان تھے۔ وہ دونوں آپس میں بہن بھائی تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ احسان مصر میں مسٹر اینڈریوز کے ایجنٹ کے طور پر کام کرتا ہے۔ مسٹر لوگن مجھے ائرپورٹ سے قاہرہ کے مضافات میں واقع ایک چھوٹے سے مگر بہت خوبصورت کاٹیج میں لے گئے۔ جہاں ہم نے چند گھنٹے گزارے پھر مسٹر لوگن نے

مجھے مطلع کیا کہ ہم لوگوں کو ایک چھوٹے سے قصبے میں جانا ہوگا' جس کا باضابطہ نام تو کچھ اور ہے مگر عرف عام میں جلالی کہلاتا ہے کیونکہ کسی زمانے میں شیخ جلال الدین نامی ایک شخص نے اسے آباد کیا تھا۔ میں نے ایک بار پھر تذبذب کا اظہار کیا تو مسٹر لوگن نے کہا۔

''موئرا! گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے' تم مجھ پر اعتماد کرو۔''

میں نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''مگر مسٹر اینڈریوز وہاں کیا کر رہے ہیں؟''

مسٹر لوگن مسکرائے۔

''شاید تمہیں علم نہیں ہے کہ مسٹر اینڈریوز مصر سے بھاری تعداد میں بھیڑ کی کھالیں' آرنیج اور کئی دوسری چیزیں انگلینڈ امپورٹ کرتے ہیں۔ یہ تمام اشیا یہاں کی بڑی بڑی کمپنیوں سے خریدنے کے بجائے وہ قصبوں میں جا کر براہ راست عام لوگوں سے خریدتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ اس وقت جلالی میں مقیم ہیں۔ احسان اور خالدہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ یہ لوگ تمہیں لینے کے لیے یہاں آئے ہیں۔''

چند گھنٹے کے بعد..... ہم جلالی روانہ ہو گئے۔

مسٹر اینڈریوز ایک لمبے اور خاصے بے ڈھنگے سے آدمی تھے۔ ان کے دونوں ہاتھ جسم کی نسبت کچھ زیادہ لمبے تھے اور اس وجہ سے ان کی شخصیت کچھ اور بھی بے تکی سی لگتی تھی۔ ان کا ناک نقشہ اگرچہ اچھا تھا مگر چہرے کا مجموعی تاثر کچھ ایسا تھا جیسے انہوں نے نقاب پہن رکھی ہو یعنی چہرے سے ان کے مزاج اور احساسات کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ ان کی آنکھیں بجھی بجھی سی تھیں' ان کی ذات میں کئی ایسی باتیں تھیں جو ان کی شخصیت سے میل نہیں کھاتی تھیں۔ یہی حال ان کی مسکراہٹ کا بھی تھا۔ جب وہ مسکراتے تھے تو لگتا تھا کہ وہ مسکرا نہ رہے ہوں بلکہ انہوں نے مسکراتے ہوئے مصنوعی ہونٹ چہرے پر چپکا لیے ہوں۔ وہ مجھ سے بڑی محبت اور مہربانی سے پیش آئے اور انہوں نے میرے سر پر ہاتھ رکھا۔ پیشانی پر بوسہ دیا۔ پھر اپنے لمبے لمبے ہاتھوں کو جنبش دے کر اور چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ چپکا کر بولے۔

''میں تمہارا بہت اشتیاق اور بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔''

میں نے زبان سے کچھ نہیں کہا' صرف سر کو جنبش دینے پر اکتفا کیا۔

انہوں نے مزید کہا۔

''جانتی ہو' میں کون ہوں؟''

''ہاں!'' میں نے آہستہ سے جواب دیا ''آپ میرے چچا ہیں۔''

''خوب! خوب!'' وہ زور سے ہنسنے لگے ''میں بہت خوش ہوں اور تم اندازہ نہیں کر سکتیں۔ اگر اس طرح اچانک ایک جوان بھتیجی مل جائے تو کیا محسوس ہوتا ہے؟'' پھر انہوں نے چونک کر کہا ''اور ہاں' تمہاری آنٹی ..... کیا نام ہے ان کا..... مسز ریوز..... وہ نہیں آئیں؟''

''نہیں' بیماری کی وجہ سے وہ نہیں آ سکیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''خیر..... خیر.....'' انہوں نے اپنے طویل ہاتھوں کو پھر زور سے ہلایا ''کوئی بات نہیں..... جب ہم واپس

جائیں گے تب ان سے ملیں گے۔"

جلالی ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔ زیادہ تر تو اسے نخلستان ہی کہنا چاہئے کیونکہ آبادی اتنی نہیں تھی جتنی عموماً قصبوں کی ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ قصبہ صحرا ہی میں واقع تھا مگر اصل ریگزار کچھ فاصلے پر شروع ہوتا تھا۔ جلالی میں کھجور کے درخت بکثرت تھے' کچھ پھلوں کے باغات بھی تھے۔ قصبے میں کئی کنوئیں تھے جو پانی کی ضروریات کے لیے کافی تھے۔ مسٹر اینڈریوز کا قیام جس عمارت میں تھا' وہ قصبے سے کچھ فاصلے پر واقع تھی۔ اس میں بڑے بڑے محرابی دروالے دو صحن تھے' کئی کمرے تھے اور ایک وسیع احاطہ تھا۔ احسان نے مجھے بتایا کہ یہ عمارت قصبے کے رئیس کی ملکیت ہے اور مسٹر اینڈریوز جب بھی کاروباری سلسلے میں جلالی آتے ہیں' اسی عمارت میں قیام کرتے ہیں۔ اس روز مسٹر اینڈریوز کافی دیر تک مجھ سے رسمی گفتگو کرتے رہے پھر انہوں نے کہا کہ میں چونکہ سفر کی بنا پر تھکی ہوئی ہوں اس لیے کچھ دیر آرام کرلوں' وہ خود قصبے کے رئیس کے پاس کسی کام سے جارہے تھے۔ مجھے یہ تجویز پسند آئی۔ چنانچہ میں اس کمرے میں چلی گئی جو میرے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ مسٹر اینڈریوز' مسٹر لوگن کو لے کر قصبے میں چلے گئے۔ احسان بھی ان کے ساتھ تھا۔ ان کے جانے کے بعد خالدہ نے باورچی خانے کا رخ کیا کیونکہ اسے شام کے کھانے کا انتظام کرنا تھا۔

اس رات کھانے کے بعد مسٹر اینڈریوز نے مجھ سے گفتگو کی۔

کمرے میں صرف میں' مسٹر اینڈریوز اور مسٹر لوگن تھے۔ احسان اور خالدہ اپنے کمروں میں جاچکے تھے۔ مسٹر اینڈریوز نے سگار سلگایا۔ کچھ دیر تفکر آمیز نظروں سے میز کی سطح کو گھورتے رہے پھر انہوں نے کہا کہ میں اپنے بارے میں انہیں تفصیل سے بتاؤں۔ میں نے تفصیل میں جانے کے بجائے مختصراً اپنے حالات سے انہیں آگاہ کیا۔ وہ بہت غور سے سنتے رہے پھر انہوں نے کہا۔

"تو تمہاری ماں کی خواہش یہ تھی کہ اس راز کو ہمیشہ پوشیدہ رکھا جائے۔"

"ہاں۔"

"تو پھر مسز ریوز نے ان کی خواہش کا احترام کیوں نہیں کیا اور اب اکیس سال کے بعد انہوں نے تم پر یہ راز کیوں ظاہر کیا؟" مسٹر اینڈریوز نے کہا۔ اگرچہ ان کی آواز نرم تھی مگر اس سے تجسس اور جرح کا اظہار ہوتا تھا!

"میں کیا کہہ سکتی ہوں؟" میں نے چائے سپ کرتے ہوئے کہا۔ آنٹی دراصل یہ محسوس کرنے لگی تھیں کہ وہ میرے ساتھ ناانصافی کررہی ہیں۔ ممکن ہے یہ احساس اس بنا پر ہو کہ وہ کمزور اور ضعیف ہورہی ہیں اور شاید زیادہ دن زندہ نہ رہیں گی۔"

"کیا تمہارے پاس برتھ سرٹیفکیٹ ہے؟"

"نہیں" میں نے کہا "لیکن مسز ریوز نے مجھے تمام واقعات بتائے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ ایڈنبرا کے اسپتال سے مجھے دوسرا سرٹیفکیٹ مل سکتا ہے۔"

مسٹر اینڈریوز چند لمحے خاموش رہے اور میز کی سطح کو گھورتے رہے پھر انہوں نے استفہامیہ نظروں سے مسٹر لوگن کی جانب دیکھا "تم کیا کہتے ہو؟"

مسٹر لوگن نے کھنکھار کر گلا صاف کیا..... "جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں" انہوں نے کہنا شروع کیا "کہ

آنجہانی پیٹرک کارگل کی ایک بیٹی تھی مگر وہ کون ہے اور کہاں ہے؟ یہ بات ہمیں معلوم نہ تھی۔ جب مسز ریوز کا تار مجھے ملا تو میں فوراً موفٹ جا کر ان سے ملا۔ انہوں نے مجھے پوری بات بتائی۔ اس کے بعد میں نے ایڈنبرا اسپتال سے رابطہ قائم کیا اور کچھ تحقیقات اپنے طور پر بھی کی اور پھر حاصل ہونے والی تمام معلومات کی روشنی میں' مجھے ایسا لگتا ہے کہ بظاہر مس موئرا کا دعویٰ غلط نہیں ہے۔''

''گویا ابھی حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا؟''

''جی ہاں'' مسٹر لوگن نے گردن ہلائی ''یہ بات تو طے ہے کہ ایڈنبرا کے اسپتال میں ایک بچی پیدا ہوئی تھی' اس کا نام موئرا کارگل تھا۔ نیز یہ بھی درست ہے کہ اس بچی کی ماں کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا تھا..... مگر یہ طے کرنے کے لیے مس موئرا ہی وہ لڑکی ہیں' کچھ اور چھان بین کرنا ہوگی۔''

مسٹر اینڈریوز نے گردن کو جنبش دی ''تم ٹھیک کہتے ہو'' پھر انہوں نے میری طرف دیکھا ''موئرا! جہاں تک میرا تعلق ہے' میرے ذہن میں کوئی پس و پیش نہیں لیکن تم سمجھتی ہو کہ یہ معاملہ بہت اہم اور نازک ہے۔ یہ کارگل خاندان کی تمام دولت اور جائیداد کا ہی نہیں بلکہ عزت اور توقیر کا سوال بھی ہے۔ ہم لوگ آنکھیں بند کر کے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ ہمیں ہر ممکن احتیاط اور چھان بین کرنا ہوگی۔ امید ہے تم کوئی خیال نہ کرو گی!''

میں نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا ''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ بے شک آپ پوری تحقیقات کر لیں' مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

مسٹر اینڈریوز نے یک مسکرائے اور مجھے یوں لگا جیسے انہوں نے ایک نقاب کے اوپر دوسری نقاب چڑھا لی کیونکہ ان کی مسکراہٹ کسی طرح بھی ماحول سے مطابقت نہیں رکھتی تھی' پھر انہوں نے کہا۔

''موئرا! مجھے چند دن ابھی یہاں اور رکنا ہے۔ شاید ایک ہفتہ لگ جائے گا۔ آس پاس کے چند قصبوں سے کچھ خریداری کرنی ہے' تب تک تم یہاں رکو۔ اس کے بعد ہم واپس اسکاٹ لینڈ چلیں گے اور ضروری کارروائی کریں گے۔ تم بالکل اطمینان رکھو۔ اگر تمہارا دعویٰ درست ہے تو تمہارا حق تمہیں ضرور ملے گا۔'' یہ کہہ کر وہ چپ ہو گئے اور غور سے مجھے دیکھنے لگے۔ میں خاموش رہی تو اس نے مزید کہا ''ویسے مجھے امید ہے کہ تم یہاں انجوائے کرو گی۔ ریگستانوں کی اپنی شان و شوکت اور انفرادیت ہوتی ہے' آدمی کے پاس حسن نظر ہو تو ریگستان میں بھی حسن تلاش کر لیتا ہے۔ اس صحرا میں بھی قدم قدم پر نظارے بکھرے پڑے ہیں۔ تم انہیں پسند کرو گی اور مجھے امید ہے کہ یہاں قیام کے دوران میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔''

میں نے چائے کا آخری گھونٹ لے کر کہا ''ہاں' مجھے بھی امید ہے کہ میرا یہ سفر خوش گوار رہے گا۔''

مسٹر اینڈریوز نے غلط نہیں کہا تھا' ریگستان میں بھی نظاروں کی کمی نہیں ہوتی اور پھر ریگستان کی پرشکوہ ہیبت ان نظاروں کی شوکت اور انفرادیت میں اور بھی اضافہ کر دیتی ہے۔ میں نے بھی اس صحرا میں ایسے نظاروں کا مشاہدہ کیا جو کبھی میرے خواب و خیال میں بھی نہیں آئے تھے۔ صبح دم جب سورج نکلتا اور حد نظر تک پھیلے ہوئے ریگزار پر دھوپ پھیلتی تو یوں لگتا' جیسے ہر سو سونا بکھر گیا ہو۔ پھر شام ہوتی اور آسمان پر شفق پھوٹتی تو ریگستان میں دور تک گلال کی بارش ہونے لگتی۔ ہر طرف ریت کے اونچے نیچے ٹیلے یوں نظر آتے تھے جیسے عظیم الجثہ عفریت آلتی پالتی مار کر بیٹھے مشاورت کر رہے ہوں۔ آسمان اتنا شفاف اور نیلا نظر آتا کہ میں نے کبھی اسکاٹ لینڈ میں

ایسا آسمان نہیں دیکھا تھا۔ میرا وقت انہی تفریحات میں گزرتا رہا۔ مسٹر اینڈریوز سے اس دن کے بعد میری بہت کم ملاقات ہوئی۔ وہ اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ مسٹر لوگن اور احسان بھی ان کے ساتھ رہتے تھے لیکن خالدہ کی رفاقت مجھے حاصل تھی۔ وہ بڑی خلیق اور خوش مزاج عورت تھی۔ ہر چند کہ اس کی انگریزی کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی مگر اپنا مطلب وہ بہر حال بیان کر لیتی تھی۔ وہ مجھے صحرا میں گھمانے لے جاتی اور قدیم مصر کے آثار دکھاتی جو جلالی کے آس پاس بعض مقامات پر تھے۔ اس نے مجھے تاریخ مصر کے ایسے بہت سے واقعات بھی بتائے جن کا ذکر صحرا میں رہنے والے لوگوں میں تو بہت ہے لیکن جن کا تذکرہ کتابوں میں موجود نہیں۔

یہ غالباً تیسرے دن کی بات ہے کہ ہم دونوں قصبے سے چند میل کے فاصلے پر واقع ایک مقام پر گئے۔ صبح کا وقت تھا اور موسم کافی اچھا تھا۔ ہم نے جیپ میں سفر کیا۔ وہ مقام جہاں خالدہ لے گئی تھی' صحرا سے ذرا ہٹ کر واقع تھا۔ کچھ شکستہ اور سالخوردہ دیواریں' وہ اندھے کنوئیں' چند ایک تہ خانے' کچھ پتھر کے ہتھیار بھی وہاں سے برآمد ہوئے تھے مگر ان آثار کے متعلق خاص بات یہ تھی کہ محققین آج تک یہ طے نہیں کر سکے تھے کہ ان کا تعلق کس زمانے اور کس قوم سے ہے؟ ہم نے چند گھنٹے وہاں گزارے' پھر واپسی کا ارادہ کیا اور تب بدقسمتی نے ہمارا راستہ روک لیا۔

ہوا یہ کہ ابھی ہم نے دو تین فرلانگ کا فاصلہ ہی طے کیا ہوگا کہ جیپ خراب ہوگئی۔ حالانکہ بظاہر کوئی خرابی نظر نہیں آ رہی تھی۔ انجن میں پیٹرول بھی موجود تھا اس کے باوجود میں انجن کو اسٹارٹ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ تھک ہار کر ہم نے جیپ کو وہیں چھوڑا اور پیدل ہی قصبے کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت ہم سے ایک اور حماقت ہوئی اور وہ یہ کہ ہم نے صحرا سے گزر کر قصبے تک آنے کا فیصلہ کیا کیونکہ اس طرح فاصلہ کچھ کم ہو جاتا تھا۔ اس وقت دوپہر ہو رہی تھی اور سارا ریگستان دھوپ کی تمازت سے جھلس رہا تھا۔ فضا میں حبس اور سکوت تھا اور ہر شے گویا ٹھہری ہوئی لگتی تھی۔ میں نے خالدہ سے کہا کہ کیوں نہ کسی جگہ رک کر کچھ دیر آرام کر لیا جائے۔ سہ پہر کے بعد قصبے میں چلیں گے مگر خالدہ نے مخالفت کی۔ اس کا کہنا تھا کہ آندھی کے آثار ہیں لہٰذا ہمیں جلد از جلد قصبے میں پہنچ جانا چاہئے۔ فاصلہ کچھ ایسا زیادہ نہیں ہے' ہم آندھی کے آنے سے پیشتر ہی گھر پہنچ جائیں گے۔ مجبوراً مجھے اس کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا کیونکہ وہ بہر حال صحرا کی بیٹی تھی اور صحراؤں کے بارے میں زیادہ جانتی تھی۔ جب کہ مجھے کچھ علم نہ تھا۔ مگر اس موقع پر خالدہ کا اندازہ غلط نکلا۔ آندھی اس کی توقع سے بہت پہلے آ گئی مگر کیا وہ آندھی تھی؟ خدا کی پناہ! اگر وہ آندھی تھی تو طوفان کیسا ہوتا ہوگا؟ میں نے کبھی آندھی نہیں دیکھی تھی' میرا مطلب ہے کہ صحرا کی آندھی کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس روز پہلی بار دیکھا کہ جب آندھی آتی ہے تو صحرا کیوں کر قہر الٰہی کا نمونہ بن جاتا ہے۔ الامان..... الامان..... ہوا کے جھکڑ اتنے تیز تھے کہ منہ پر تھپڑوں کی طرح لگتے تھے۔ جب بھی پلکیں بہ دقت تمام کھول کر دیکھتی' کچھ نظر نہ آتا۔ ریت کے بادل بے حد دبیز تھے اور بگولوں کی طرح سارے صحرا میں چکرا رہے تھے۔ ہوا کی گونج سے کانوں کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ جھکڑوں میں اتنا زور تھا کہ میں ایک قدم آگے چلتی تو ہوا دو قدم پیچھے دھکیل دیتی۔ ہم نے کچھ دیر تک تو مدافعت کی پھر خالدہ نے چیخ کر کہا کہ ہمیں کسی ٹیلے کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ جانا چاہئے ورنہ یہ آندھی ہمارا خاتمہ کر دے گی۔ چنانچہ میں نے بائیں طرف بھاگنا شروع کیا۔ کیونکہ اس طرف کچھ چھوٹے چھوٹے ٹیلے تھے' کچھ دیر میں' میں وہاں پہنچ گئی اور

ایک ٹیلے کی آڑ میں اکڑوں بیٹھ گئی۔ پھر میں نے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے اور چہرہ دونوں بازوؤں کے درمیان میں چھپالیا' تیز ہوا کی پرشور سیٹیاں بدستور کانوں کے پردے پھاڑ رہی تھیں۔

یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ آندھی کتنی دیر رہی کیونکہ مجھے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ جب خوف و دہشت نے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہو تو آدمی دوسری باتوں کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے۔ میں بھی چپ چاپ بیٹھی رہی اور میرا پورا جسم خشک پتے کی طرح لرزتا رہا۔ پھر انجام کار آندھی کا زور ٹوٹا۔ جھکڑوں میں رفتہ رفتہ کمی ہوئی اور ریت کے بادل دھیرے دھیرے تحلیل ہو گئے۔ تب ہی میں اٹھی اور گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ میرے پورے جسم اور بالوں میں ریت ہی ریت تھی۔ میں نے اپنے کپڑے جھاڑے' تھرموس کھولا' دو گھونٹ پانی پیا اور خالدہ کو آواز دی۔

مگر خالدہ کا کہیں پتا نہ تھا۔ میں نے پے در پے کئی آوازیں دیں۔ خالدہ کا جواب موصول نہیں ہوا۔ یہ ایک ایسی افتاد تھی جس کا مجھے گمان بھی نہ تھا۔ خالدہ پتا نہیں کہاں غائب ہو گئی تھی' شاید ہوا کے زور میں وہ کسی اور طرف نکل گئی تھی یا پھر میں خود ہی اس قصبے سے کچھ زیادہ فاصلے پر پہنچ گئی تھی جہاں آندھی کے وقت ہم دونوں ساتھ تھیں۔ وہ کچھ بھی ہو مگر خالدہ وہاں موجود نہیں تھی۔ میں نے ادھر ادھر گھوم کر کچھ دیر اسے تلاش کیا۔ پھر مایوس ہو کر سوچنے لگی کہ اب کیا کروں؟ خالدہ یقیناً وہاں نہیں تھی اور میرے لیے یہ طے کرنا بہت مشکل تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ کیا وہاں ٹھہر کر اس کا انتظار کروں؟ شاید اسے کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو؟ لیکن اگر حادثہ پیش آیا ہوتا تو اس کا جسم آس پاس کسی جگہ ضرور موجود ہوتا۔ جب کہ مجھے تلاش بسیار کے باوجود ایسا کوئی نشان نہیں ملا تھا۔ تو پھر میں کیا کروں؟ آخر کار یہی مناسب محسوس ہوا کہ مجھے گھر چلنا چاہئے۔ ممکن ہے خالدہ مجھ سے بچھڑ کر اب خود بھی قصبے کی طرف جا رہی ہو۔ یہ سوچ کر میں اٹھی اور قصبے کی طرف چل پڑی۔ مجھے سمت کا کافی حد تک اندازہ تھا اور اس بات کا اطمینان تھا کہ راستے بھولے بغیر قصبے تک پہنچ جاؤں گی۔

اور یہی وہ موقع تھا جب میں نے مٹی کے اس ڈھیر کو دیکھا!

اس نے پوری قوت سے چیخ کر کہا ''میں عمن عونس دوئم ہوں'' اس کی کٹی پھٹی اور کھردری آواز صحرا میں دور تک ایک کرب انگیز چیخ گونجتی چلی گئی۔ اس کی آواز میں کچھ ایسا بھیانک تاثر تھا کہ میں جھجک کر اور سہم کر چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔ دل زور زور سے دھڑ دھڑانے لگا اور میں نے سر سے پیر تک اپنے پورے جسم کو تھرتھراتے ہوئے محسوس کیا۔ ایک بار پھر جی میں آئی کہ بھاگ نکلوں۔ مگر قدم نہ اٹھ سکے۔ کسی انجانے جذبے نے مجھے روک لیا اور صم بکم کھڑی پتھرائی نظروں سے اسے گھورتی رہی۔ چند لمحے رینگ رینگ کر گزرے پھر اس نے اپنے سر کو جنبش دی اور ایک بار پھر زور سے چلایا ''میں عمن عونس دوئم ہوں'' وہی کٹی پھٹی اور غیر فطری آواز۔ میں سہم کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ پھر میں نے ریت کے اس تودے کو لرزتے ہوئے دیکھا۔ وہ اپنے جسم کو جنبش دے رہا تھا۔ شاید اٹھنا چاہتا تھا۔ ریت چاروں طرف گرنے لگی اور پھر اس کی ٹانگیں نمایاں ہو گئیں۔ چند لمحے بعد دوسرا ہاتھ بھی ظاہر ہوا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے ریت جھاڑی اور سر کو زور زور سے جھٹکے دیتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ میری طرف نہیں دیکھ رہا تھا بلکہ اس کی نظریں خلا میں بھٹک رہی تھیں۔ بڑی غیر فطری نظریں تھیں' ایسا لگتا تھا جیسے وہ خلا

میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہو جو کسی کو نظر نہیں آتی ہیں۔ شاید چند لمحوں کے لیے وہ میری موجودگی سے بھی غافل ہو گیا تھا۔ کیونکہ اس نے پھر میری طرف نہیں دیکھا۔ خلا میں گھورتا رہا۔ کچھ دیر بعد اس نے ایک بار پھر حرکت کی اور دھیرے دھیرے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اوہ میرے خدا!" یکا یک میری زبان سے نکلا اور میں نے گھبرا کر لمحے بھر کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی حالت میری توقع سے کہیں زیادہ خستہ و خراب تھی۔ اس کے جسم پر لباس کے نام پر صرف دھجی نما چیتھڑے تھے اور اس وجہ سے اس کا زیادہ تر جسم عریاں تھا۔ گردن سے لے کر پیروں تک اس کے پورے بدن پر بڑے بڑے آبلے پڑے ہوئے تھے' جن میں بعض پھوٹ گئے تھے اور ان سے پانی رس رہا تھا۔ نہ صرف یہی بلکہ جگہ جگہ زخم بھی تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے سلگتی ہوئی ریت نے اس کی کھال کو جگہ جگہ سے چٹخا دیا ہے۔ اس کے جسم کا نظارہ اتنا لرزہ خیز تھا کہ میں سہم کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ 'خدایا..... خدایا' کیا انسانوں کو ایسی اذیت بھی اٹھانا پڑتی ہے؟ ایسے کرب سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے؟ آخر اس شخص نے ایسا کون سا قصور کیا ہوگا کہ اسے اتنی بھیانک سزا ملی ہے' اس کرب و اذیت سے تو کہیں بہتر تھا کہ اسے موت آ گئی ہوتی۔ میں نے یکا یک گردن موڑ کر اسے رحم آمیز نظروں سے دیکھا اور نرم لہجے میں پوچھا۔

"اے' تم کون ہو؟"

"میں عمن عونس دوئم ہوں۔"

یکا یک مجھے یاد آیا کہ عمن عونس دوئم تو شاید کسی فرعون کا نام تھا جو کئی ہزار سال پہلے ہوا تھا۔ پھر آخر وہ شخص خود کو عمن عونس دوئم کیوں کہہ رہا ہے؟ کہیں اس کا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ ہاں' شاید یہی بات ہے۔ اس تکلیف و اذیت نے' بھوک اور پیاس اور صحرا کی حدت نے یقیناً اس کے دماغ پر برا اثر ڈالا ہے' مجھے یقین ہو گیا کہ یہی بات درست ہے کیونکہ اس کی ہر ادا سے ہذیان اور دیوانگی کا اظہار ہو رہا تھا اور جب یہ احساس ہوا کہ وہ حالت جنون میں ہے تو میں کچھ اور ڈر گئی اور دو تین قدم پیچھے سرک گئی' پھر میں نے پوچھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"میں تو یہیں رہتا ہوں" اس نے سر کو زور سے ہلایا "یہ میری سلطنت ہے' اِس سرے سے اُس سرے تک' میں اس سرزمین کا مالک ہوں۔"

میں چپ ہو گئی اور اسے غور سے دیکھنے لگی۔ وہ کافی صاف ستھری انگریزی بول رہا تھا لیکن تلفظ اور لہجہ برطانیہ کے کسی بھی حصے کا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ انگلش یا اسکاٹش نہیں تھا بلکہ اٹلی یا اسپین کا باشندہ ہو سکتا تھا اور یا پھر کسی ایشیائی ملک کا۔ اس کی صاف ستھری انگریزی اور انداز گفتگو سے مجھے یہ بھی خیال ہوا کہ ذہنی طور پر اختلال کا شکار ہونے کے باوجود وہ بے ضرر ہے۔ اس کے شعور کی کوئی نہ کوئی رو ابھی تک نارمل حالت میں ہے۔ اس احساس سے مجھے کافی تقویت ملی اور میں نے دو تین قدم اس کی جانب بڑھ کر کچھ اور پوچھنے کا ارادہ کیا مگر اس سے قبل وہ خود ہی بول پڑا "تم کون ہو؟"

میں اسے کیا بتاتی کہ میں کون ہوں؟ بھلا اس کی سمجھ میں کیا آتا' اسے تو خود اپنا ہوش نہیں تھا' اس کے باوجود میری زبان سے نکل گیا "میں موئرا ہوں..... موئرا الانگ موئر!"

''ہاہاہا.....'' وہ یکا یک زور زور سے ہنسا اور میرے چہرے کے سامنے اپنا ہاتھ نچا کر بولا ''تم جھوٹ بولتی ہو..... بالکل جھوٹ بولتی ہو۔ تم موئرا نہیں ہو' میں جانتا ہوں کہ تم کون ہو؟''

''کون ہوں میں؟'' میری زبان سے پھر نکلا۔

''تم ملکہ سیتامن ہو۔''

میں الجھی ہوئی نظروں سے اسے گھورنے لگی۔ ملکہ سیتامن..... یہ کون ہے؟ شاید کوئی مصری ملکہ رہی ہوگی مگر میں نے یہ نام شاید کبھی نہیں سنا تھا۔ اس نے ایک بار پھر مجھے نظر انداز کر دیا تھا اور چاروں طرف گھوم گھوم کر وحشت بھری نظروں سے نہ جانے کیا دیکھ رہا تھا۔ میں چپ چاپ اس کی دیوانی حرکتوں کو دیکھتی رہی' کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔

''تم نے ان لوگوں کو تو نہیں دیکھا؟''

''کن لوگوں کو؟''

''وہ تینوں' فریدہ' بار براوغیرہ۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ سب یہاں تھیں پھر پتا نہیں کہاں غائب ہوگئیں؟ کیا تم نے انہیں دیکھا تھا؟''

''کیا یہاں تین عورتیں بھی تھیں؟'' میں نے حیران ہو کر غیر یقینی نظروں سے اسے گھورا۔

''ہاں..... ہاں.....!'' اس نے زور زور سے گردن ہلائی ''وہ لوگ بھی تھیں اور بہت سی روٹیاں تھیں اور مشروب کے گلاس تھے' اب سب کچھ پتا نہیں کہاں غائب ہوگیا۔''

دفعتاً مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ اتنی دیر سے باتیں کر رہی ہوں اور اب تک اس سے پانی کے لیے نہیں پوچھا۔ حالانکہ سب سے پہلے مجھے اس کو پانی پلانا چاہئے تھا۔ نہ جانے کب سے بے چارہ بھوکا اور پیاسا ہوگا' چنانچہ میں نے مسکرا کر کہا۔

''پانی پیو گے؟''

اس نے گردن گھما کر مجھے دیکھا۔

''تم کہتی ہو تو پی لوں گا۔''

میں نے تھرموس کھول کر اسے دے دیا مگر اس بات کا خیال رکھا کہ وہ دو گھونٹ سے زیادہ پانی نہ پینے پائے کیونکہ یکا یک زیادہ پانی پینا اس کے لیے خطرناک بھی ہوسکتا تھا۔ دو گھونٹ اس کے حلق سے اتر گئے تو میں نے تھرموس واپس لے لیا اور تب ہی مجھ پر ایک اور دہشت خیز انکشاف بھی ہوا۔ وہ یہ کہ اس کا آبلہ زدہ اور زخمی جسم بخار کی حدت سے بری طرح پھنک رہا تھا۔ بخار اتنا تیز تھا کہ اس کے بدن سے آنچ سی نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔ شاید بخار اس کے دماغ پر بھی چڑھ گیا تھا اور اسی بنا پر وہ ہذیانی اور سرسامی کیفیت میں مبتلا ہوا تھا۔ مجھے یکا یک اس پر بے حد ترس آیا۔ نہ جانے اس نے کس طرح ان تکالیف اور مصائب کو برداشت کیا تھا۔ اس کی تو حالت غیر ہوگئی تھی۔ اگرچہ ہنوز زندہ تھا اور اپنی ٹانگوں پر کھڑا تھا تو اسے ایک معجزہ ہی سمجھنا چاہئے ورنہ اس کے مرجانے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی!

میرے ذہن میں ان گنت سوالات کلبلا رہے تھے۔ اس کا نام کیا ہے؟ اور اس کے اوپر کیا بیتی ہے؟ مگر اس

سے کچھ پوچھنا بے کار ہی تھا۔ اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ میرے کسی سوال کا جواب دے سکتا۔ اسے تو شاید اپنی دریدہ حالت کا احساس بھی نہیں تھا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ میں یہاں کیا کر رہی ہوں؟ مجھے اب چلنا چاہئے۔ یہ شخص بے شک مصیبت زدہ ہے مگر اس کے لیے کیا کر سکتی ہوں۔ ممکن ہے یہ شخص اکیلا نہ ہو بلکہ اس کے کچھ اور ساتھی بھی ہوں اور اسے تلاش کر کے اپنے ساتھ لے جائیں لیکن خیال کی یہ رو محض لمحاتی تھی کیونکہ پھر فوراً ہی میرے اندر ایک اور سوچ نے سر ابھارا۔ موئرا! کیا تم ایسا کر سکتی ہو؟ تم ایک کرسچین لڑکی ہو اور بائبل پر یقین رکھتی ہو اور لارڈ جیزس کرائسٹ پر تمہارا بہت گہرا ایمان ہے۔ تو پھر کیا تم اس شخص کو اس خراب و خستہ اور درماندہ حالت میں تنہا چھوڑ کر جا سکتی ہو؟ فرض کرو اس آدمی کا کوئی ساتھی نہ ہو یا اگر ہو اور وہ اسے تلاش نہ کر سکے تو پھر کیا ہوگا؟ یہ شخص اس ظالم اور اندھے صحرا میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے گا اور اگر ایسا ہوا تو کیا تم کبھی اپنے آپ کو معاف کر سکو گی؟

مجھے اب اس سے ڈر نہیں لگ رہا تھا۔ چنانچہ ایک قدم آگے بڑھ کر اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر میں نے مسکراتے ہوئے نرم لہجے میں کہا ''کیا تمہیں بھوک لگی ہے؟ کھانا کھاؤ گے؟''

وہ ہاتھ ہلا ہلا کر کچھ گا رہا تھا۔ پتا نہیں کون سی زبان تھی جو میرے لیے قطعی ناقابل فہم تھی۔ میری بات سن کر وہ ایک جھٹکے سے رک گیا۔ پھر بچوں کی طرح منمنا کر بولا ''تم کہتی ہو تو کھالوں گا!''

''تو پھر آؤ میرے ساتھ!''

''کہاں؟'' یکا یک وہ بے تحاشا چونک کر بولا پھر ہونٹ پھیلا کر مسکرانے لگا۔ ''آہا! میں سمجھ گیا سیتا من! تم مجھے محل میں لے جاؤ گی' ہے نا.... .؟ اچھا چلو میں چلتا ہوں۔''

کافی دیر ہو گئی تھی' اس لیے اسے تھوڑا سا پانی اور دینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ میں نے اسے دو گھونٹ پانی اور پلایا۔ پھر اندازے سے قصبے کی طرف چل دی۔ وہ اب پھر زور سے کچھ گانے لگا تھا اور لڑکھڑاتا ہوا میرے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ کچھ اس طرح چل رہا تھا۔ جیسے لڑھک رہا ہو۔ اس کی ٹانگیں ڈگر ڈگر کانپ رہی تھیں' مجھے ڈر لگ رہا تھا' کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ پھر بے دم یا بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ ایسا ہوا تو میں کیا کروں گی؟ بے شک وہ بہت خفیف ہے مگر بہر حال مرد ہے' میں اسے اٹھا کر تو قصبے تک نہیں لے جا سکتی۔ اس کے جسم کے کچھ اور آبلے بھی پھوٹ گئے تھے اور زخموں سے خون پہلے کی بہ نسبت زیادہ رسنے لگا تھا۔ اس کا پورا جسم بے حد غلیظ اور کراہیت آمیز لگ رہا تھا۔ مجھے ایک اور خوف بھی ہوا' کہیں ایسا نہ ہو کہ قصبے تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کی موت واقع ہو جائے؟

آخر کار وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ ہم نے تھوڑا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ وہ دفعتاً لہرا کر گر پڑا۔ مگر شکر ہے کہ بے ہوش نہیں ہوا تھا۔ میں یکا یک پریشان ہو گئی' اب کیا کروں؟ وہ ریت پر تر چھا پڑا تھا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے آسمان کو گھور رہا تھا۔ میں سراسیمہ ہو کر سوچتی رہی لیکن فوری طور پر کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ اتنا موقع نہیں تھا کہ میں قصبے میں جا کر مدد لے آتی۔ کیونکہ اتنی دیر میں پتا نہیں اس پر کیا گزر جاتی۔ آخر کار میں نے اسے دو گھونٹ پانی اور پلایا۔ پھر بازو سے پکڑ کر اسے اٹھایا اور اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر آگے بڑھنا شروع کیا۔ وہ پیروں کو گھسیٹ گھسیٹ کر اور اپنا سارا بوجھ مجھ پر ڈال کر چلنے لگا۔ اس کے جسم کے زخموں اور چھالوں سے رسنے والے

خون اور گندے مواد سے بدبو کے بھبکے اڑ رہے تھے اور میرے دل میں کراہیت پیدا کر رہے تھے۔

میرا جی بری طرح متلا رہا تھا تاہم میں نے پروا نہیں کی۔ کسی مصیبت زدہ کے کام آنے کا جذبہ اس وقت ہر احساس پر حاوی تھا۔ اگر آپ اس جذبۂ عرفانی کا ادراک کرنا چاہتے ہیں کہ خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر کیوں دوسرے انسانوں کے لیے دکھ اٹھاتے تھے' پتھر کھاتے تھے اور مصلوب ہوتے تھے تو کسی آفات و مصائب کے مارے انسان کی مدد کر کے دیکھئے' آپ سب کچھ جان جائیں گے۔

دھوپ اب ماند پڑ رہی تھی اور قصبے کے آثار دور سے کسی تجریدی تصویر کی طرح نظر آ رہے تھے۔

پھر شام ہوئی اور اندھیرا آسمان سے اترا اور صرف ریگستان پر ہی نہیں' میری زندگی پر بھی چھا گیا۔ اسے لے کر جب میں رہائش گاہ پر پہنچی تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ مسٹر اینڈریوز' مسٹر لوگن اور احسان کو لے کہیں گئے ہوئے تھے۔ اس کی اطلاع انہوں نے مجھے صبح ہی دے دی تھی۔ وہ دونوں ملازم جو مکان کی دیکھ بھال اور دوسرے کاموں پر مامور تھے' شاید قصبے میں گئے ہوئے تھے۔

خالدہ بھی نہیں تھی۔ غالباً وہ ابھی تک واپس نہیں آئی تھی یا اگر آئی ہوگی تو مجھے موجود نہ پا کر پھر میری تلاش میں چلی گئی ہوگی۔ قیام گاہ پر کسی کو موجود نہ پا کر میں کچھ پریشان ہوئی کیونکہ اسے فوری طور پر دیکھ بھال اور طبی امداد کی ضرورت تھی اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ تنہا میں کیا کر سکوں گی؟ لیکن کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔ میں اسے عمارت کے اس کمرے میں لے گئی جو عمارت کے مغربی کونے میں اور سب سے الگ تھلگ واقع تھا۔ پھر اس کے لیے کھانے کا بندوبست کیا۔ وہ بہت بھوکا تھا' شاید کئی دن سے اسے کچھ کھانے کو نہیں ملا تھا۔ گرسنگی اس کی آنکھوں سے گویا ٹپک رہی تھی جب میں نے اس کے سامنے کھانے کی اشیا رکھیں تو کسی حریص گدھ کی طرح اس پر ٹوٹ پڑا۔ بڑے بڑے لقمے اس طرح منہ میں ٹھونسنے لگا گویا اسے ڈر ہو کہ اگر ذرا سا چوکے گا تو کھانا کہیں بھاگ جائے گا۔ کھانے کے انداز میں بھی بڑی وحشت تھی' کتے کی طرح چیر چیر کر نوالے نگل رہا تھا' اسے اس کی پروا بھی نہیں تھی کہ اس کی خون آلود انگلیوں کی ساری غلاظت بھی نوالوں کے ساتھ منہ میں جا رہی تھی۔ اس نے مجھے بھی بالکل نظر انداز کر دیا تھا کیونکہ اس وقت کھانا اس کے سامنے تھا روٹی کا ٹکڑا اور روٹی کی قدر و قیمت کے سامنے دنیا کی ہر شے ہیچ ہے۔ نہ عورت کی جوانی اور حسن' نہ سونے چاندی کے ڈھیر' نہ محبوب کی محبت اور نہ سات ملکوں کی بادشاہت۔ ہر شے حقیر اور بے وقعت ہے۔ آخری سچائی صرف روٹی ہے اور یہ سچائی اس وقت اس کے سامنے تھی۔ اسی لیے وہ مجھے بھول گیا تھا حالانکہ میں اسے موت کے صحرا سے نکال لائی تھی' اسے پانی پلایا تھا اور کھانا مہیا کیا تھا پھر بھی وہ مجھے بھول گیا تھا۔

جب وہ سارا کھانا اپنے معدے میں اتار چکا تو اس طرح میری طرف دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو..... ''بس اتنا سا کھانا۔''

لیکن میں زیادہ کھانا نہیں دے سکتی تھی۔ مبادا اس کے لیے نقصان دہ ثابت ہو پھر جب میں برتن اٹھا کر چلنے لگی تو وہ اچانک ہاتھ ہلا کر بولا۔

''سیتا من' تم کہاں جا رہی ہو؟''

میں یکایک جھلا گئی' آخر یہ شخص مجھے سیتا من کیوں کہہ رہا ہے؟ میں نے اپنا نام بتا دیا ہے' پھر بھی سیتا من

کہنے سے باز نہیں آتا مگر اس سے کچھ کہنا بے کار ہی تھا۔ چنانچہ میں نے غصہ ضبط کرتے ہوئے جواب دیا ''میں کہیں نہیں جا رہی ہوں لیکن تم اب آرام سے سو جاؤ۔ تمہیں آرام کی بہت ضرورت ہے۔''

برتن باورچی خانے میں رکھ کر میں برآمدے میں آئی اور ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو گئی۔ میرا ذہن بدستور اس اجنبی میں الجھا ہوا تھا۔ وہ کمرے میں بے خبر سو چکا تھا لیکن مجھے معلوم تھا کہ اسے طبی امداد کی فوری ضرورت ہے۔ ورنہ اس کے زخم بگڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ بدقسمتی سے میں اس ضمن میں کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی کیونکہ قصبے میں کوئی حکیم یا ڈاکٹر ہے یا نہیں' مجھے اس کا علم نہیں تھا۔ زیادہ سے زیادہ میں یہی کر سکتی تھی کہ جیسے ہی مسٹر اینڈریوز واپس آئیں' انہیں مطلع کر دوں۔ ممکن ہے' وہ طبی امداد کا کوئی بندوبست فوری طور پر کر سکیں مگر ایک گھنٹا گزر گیا اور کوئی بھی واپس نہیں آیا۔ احاطے میں ایستادہ کھجوروں کے سائے پہلے طویل ہوئی اور پھر معدوم ہو گئے۔ صحرا کے سینے پر شام کا اندھیرا اور ویرانی پھیل گئی پھر میں نے خالدہ کو آتے ہوئے دیکھا۔ میرا اندیشہ درست ثابت ہوا تھا۔ وہ ایک بار پہلے بھی آئی تھی مگر مجھے موجود نہ پا کر پھر میری تلاش میں چلی گئی تھی۔ وہ بہت پریشان اور خوف زدہ نظر آ رہی تھی۔ شاید اسے ڈر تھا کہ کہیں مجھے کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو۔ صحرا کی آندھی میں گھر جانے کے بعد کسی حادثے کا شکار ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں تھی لیکن مجھے محفوظ اور صحیح سلامت پا کر اس نے اطمینان کی سانس لی' چہرے پر پھیلی ہوئی پریشانی اور اضطراب کی گرد ڈھل گئی' مسکرا کر کہنے لگی۔

''اوہ موئرا! تم ٹھیک تو ہو' کہاں غائب ہو گئی تھیں تم؟''

''کہیں بھی نہیں'' میں نے جواب دیا ''میں تو آندھی رکنے کے بعد سیدھی گھر چلی آئی تھی۔''

''میں ایک بار پہلے بھی آئی تھی'' اس نے دو تین لمبے لمبے سانس لیے ''مگر تم موجود نہ تھیں اور کوئی بھی نہیں تھا اور اتنا موقع نہیں تھا کہ قصبے میں جا کر کسی کی مدد حاصل کر سکتی لہٰذا میں اکیلی ہی پھر واپس چلی گئی اور تمہیں تلاش کرتی رہی مگر ناکامی ہوئی۔ میں تو بہت ڈر رہی تھی۔''

جیسا کہ میرا اندازہ تھا' آندھی کے وقت خالدہ تیز ہوا اور ریت کے غبار میں پھنس کر مجھ سے دور نکل گئی تھی پھر جب آندھی تھمی تو اس نے مجھے تلاش کرنا شروع کیا مگر سوئے اتفاق کہ میں اس سے قبل ہی روانہ ہو چکی تھی مزید خرابی یہ ہوئی کہ میں نے ریت کا ڈھیر دیکھا اور راستہ بدل کر اس طرف چلی گئی' اس طرح ہم دونوں ایک دوسرے سے بچھڑ گئی تھیں۔ میں نے نرم لہجے میں پوچھا ''تم ڈر کیوں رہی تھیں؟''

''کیونکہ تم اس صحرا سے واقف نہیں تھیں۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں تمہیں کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو۔''

''حادثہ تو پیش آیا ہے مگر مجھے نہیں' کسی اور کو۔''

''کسے.....؟''

''آؤ' میں تمہیں دکھاؤں۔''

میں خالدہ کو اس کے کمرے پر لے گئی۔ جہاں وہ سو رہا تھا۔ دروازہ کھول کر اسے اندر جھانکنے کا اشارہ کیا۔ خالدہ حیرت اور تجسس کے ملے جلے انداز میں اسے دیکھنے لگی تھی' وہ زمین پر بچھی چٹائی پر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر سو رہا تھا اور باوجود اس کے کہ اس کی حالت بڑی غلیظ اور خستہ ہو رہی تھی' اس کے رنگین چہرے پر مجھے ایک عجیب سی معصومیت نظر آئی' ایسا لگتا تھا جیسے اسے مدتوں کے بعد آرام و سکون کی نیند نصیب ہوئی ہے۔ خالدہ کچھ

دیر اسے دیکھتی رہی پھر ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔
''کون ہے یہ؟''
''عمن عونس دوئم!''
''کیا بکواس ہے'' خالدہ نے بھنا کر کہا۔
''میں سچ کہہ رہی ہوں۔ اسے کسی بات کا ہوش نہیں ہے' خود کو عمن عونس اور مجھے سیتا من کہتا ہے'' میں نے جواب دیا اور پھر کم سے کم الفاظ میں پورا واقعہ بیان کر دیا۔ خالدہ نے گردن ہلا کر مسکراتے ہوئے کہا۔
''جانتی ہو' سیتا من کون تھی؟''
''نہیں تو' میرا خیال ہے میں نے یہ نام پہلے کبھی نہیں سنا۔''
''سیتا من عمن عونس کی بیوی کا نام تھا۔''
''کیا بکواس ہے؟'' میں یکا یک چڑ گئی۔
''میں سچ کہہ رہی ہوں'' خالدہ وضاحت کرتے ہوئے بولی ''فراعین مصر میں عمن عونس دوئم بڑی شان و شوکت والا بادشاہ تھا۔ وہ طوطنخ آمن کا باپ تھا جسے اس زمانے کے لوگ خدا کا درجہ دیتے تھے۔ عمن عونس کی دو بیویاں تھیں ملکہ ٹیا اور ملکہ سیتا من۔'' پھر خالدہ نے مجھے چھیڑنے کے لیے ذرا شوخی سے کہا ''اس نے تمہیں اپنی بیوی اور مصر کی ملکہ بنا دیا ہے۔''
میں نے غصے سے کہا ''اچھی بات ہے' اس کم بخت کو جاگنے دو' پھر اس کا دماغ درست کروں گی۔''
خالدہ میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی ''خفا کیوں ہوتی ہو؟ تم نے تو خود ہی بتایا ہے کہ وہ اپنے ہوش میں نہیں ہے۔ پھر برا ماننے کی کیا بات ہے؟''
خالدہ ٹھیک کہتی تھی۔ میرے لیے برہمی کا کوئی معقول جواز نہیں تھا۔ وہ شخص تو ہوش و حواس سے اس حد تک بیگانہ ہو چکا تھا کہ اسے اپنا نام بھی یاد نہیں تھا اور ایسے آدمی کی لایعنی باتوں کا برا ماننا بڑی غلط بات تھی۔ چنانچہ میں نے خالدہ سے کہا کہ میں خفا نہیں ہوں' وقتی طور پر جھنجلا گئی تھی۔ پھر میں نے اسے یاد دلایا کہ عمن عونس کو فوری طور پر طبی امداد کی ضرورت ہے۔ (نام سے لاعلم ہونے کی بنا پر میں اسے عمن عونس ہی کہنے لگی تھی) گو ہم اسے نہیں جانتے لیکن انسانیت کے ناطے یہ ہمارا فرض ہے کہ اس کی حتی الوسع مدد کریں۔ خالدہ فوراً ہی قصبے کی طرف روانہ ہو گئی کیونکہ وہاں ایک حکیم موجود تھا اور اس کے پاس کوئی ایسی دوا تھی جو اس قسم کے چھالوں اور زخموں کے لیے بہت مفید اور زود اثر تھی۔ خالدہ نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ وہ بخار کے لیے بھی کوئی اچھی دوا لیتی آئے گی۔
خالدہ چلی گئی تو میں ایک بار پھر برآمدے میں آ کر بیٹھ گئی اور بے دھیانی سے حد نگاہ تک پھیلے ہوئے ویرانے کو دیکھنے لگی۔ شام ہو گئی تھی اور اندھیرے کی سیاہی رفتہ رفتہ صحرا کے سینے پر پھیلتی جا رہی تھی لیکن مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ یہ سیاہی میری زندگی کے آنے والے دنوں پر بھی پھیل رہی ہے' آدمی مستقبل میں نہیں دیکھ سکتا چنانچہ اسے کبھی پتا نہیں چلتا کہ کون سا لمحہ اس کے اوپر آلام و مصائب کے دروازے کھولے گا' مجھے بھی علم نہیں تھا کہ جب میں نے اس اجنبی آدمی کو سہارا دیا تھا تو دراصل اسی لمحے سے میرے لیے آفات کی ابتدا ہو گئی تھی۔ یہ بات مجھے اس رات معلوم ہوئی۔

شاید بارہ کا عمل تھا۔ جب میری آنکھ دفعتاً کھل گئی۔ مجھے شدید پیاس لگ رہی تھی اور آنکھ کھلنے کی وجہ بھی غالباً یہی تھی۔ کچھ دیر تو میں چپ چاپ لیٹی رہی۔ پھر پانی پینے کے ارادے سے اٹھی۔ پانی کا جگ میرے سر ہانے ہی رکھا تھا مگر میں برآمدے میں نکل آئی کیونکہ وہاں مٹی کے گھڑے رکھے تھے اور ان کا پانی زیادہ ٹھنڈا ہوتا تھا۔ میں نے پانی پیا اور ایک ستون سے ٹک کر کھڑی ہوگئی۔ پوری عمارت سکوت اور سناٹے کی آغوش میں ڈوبی ہوئی تھی۔ گھر میں خالدہ عمن عونس اور میرے سوا کوئی نہیں تھا کیونکہ مسٹر اینڈ ریوز اور مسٹر لوگن وغیرہ واپس نہیں آئے تھے۔ دونوں ملازم بھی نہیں لوٹے تھے کیونکہ وہ دونوں دراصل چھٹی لے کر کسی قریبی قصبے میں گئے تھے اور انہیں اگلے دن واپس آنا تھا۔ میں چند منٹ کھڑی رہی پھر عمن عونس کا دھیان آیا اور میں خود بخود اس کے کمرے کی طرف چل پڑی۔ دراصل میں اطمینان کرنا چاہتی تھی کہ وہ ٹھیک ٹھاک ہے یا نہیں؟ مجھے بلاشبہ اس سے بے حد ہمدردی ہوگئی تھی اور میں سمجھتی تھی کہ اگر میری جگہ آپ ہوتے تو آپ کا ردعمل بھی مختلف نہ ہوتا۔ آپ بھی وہی کچھ کرتے جو میں نے کیا۔

مگر میں اندر نہیں گئی۔ دروازہ تھوڑا سا کھول کر جھانکا۔ وہ چٹائی پر بے سدھ پڑا سو رہا تھا۔ وہی بچوں جیسی معصوم نیند' دنیا اور دنیا کی تمام مکاریوں سے بے خبر و بے نیاز۔ مگر اب اس کا جسم صاف ستھرا تھا' چہرے پر رنگ و روغن بھی نہیں تھا اور چیتھڑے نما لباس بھی غائب ہوگیا تھا' اس کی جگہ ہم نے اسے مسٹر لوگن کے ایک فالتو سلیپنگ سوٹ کا صرف پاجامہ پہنا دیا تھا۔ ہر چند کہ اس کام میں بڑی دشواری پیش آئی۔ تاہم خالدہ نے سارا کام خوش اسلوبی سے مکمل کرلیا تھا۔ اس نے عمن عونس کا پورا جسم صاف کیا تھا اور زخم دھوئے تھے اور ان پر دوا لگائی تھی پھر اس کا چہرہ دھویا تھا اور جب اس کا چہرہ صاف ہوا اور اصلی رنگ نمایاں ہوا تو پتا چلا کہ وہ مصری نہیں ہے بلکہ ایشیا کے کسی اور ملک سے تعلق رکھتا ہے اس کا رنگ سانولا تھا اور چہرے کے نقوش خاصے دیدہ زیب تھے۔ اگر وہ اتنی خراب و خستہ اور نحیف حالت میں نہ ہوتا تو بلاشبہ بڑا پرکشش دکھائی دیتا۔ جب خالدہ اور میں اس کا بدن صاف کرکے دوا لگا رہی تھیں تب بھی اس کا رویہ ناسمجھ بچوں جیسا تھا۔ اس نے کسی بات پر تعرض نہیں کیا بلکہ اپنے آپ میں مگن رہا۔ کبھی گانا گانے لگتا کبھی خلا میں اس طرح ہاتھ گھماتا جیسے کسی شے کو پکڑنے کی کوشش کر رہا ہو' کبھی کبھی خوف زدہ بھی نظر آتا۔ یوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کھڑکی کے باہر گھورتا جیسے وہاں اسے کوئی آسیب دکھائی دے رہا ہو۔ وہ بدستور اپنے آپ کو عمن عونس اور مجھے سیتامن کہتا رہا' نہ صرف یہی بلکہ اس نے خالدہ کو بھی ایک نام دے دیا تھا۔ عجیب سا نام تھا۔ رعمیسہ' پتا نہیں اس نام کی کوئی عورت بھی مصری تاریخ میں ہوئی تھی یا یہ محض اس کی ذہنی اختراع تھی۔ جب ہم اپنے کام سے فارغ ہوئے تو میں نے ایک بار پھر اسے تھوڑا سا کھانا دیا۔ اس کے بعد میں نے اسے پھر سو جانے کے لیے کہا اور میرے تعجب کی انتہا نہ رہی جب وہ واقعی ایک چھوٹے سے نہایت فرمانبردار بچے کی طرح ''اچھا سیتامن!'' کہہ کر سو گیا۔

گھر میں کوئی نہیں تھا۔ سوائے اس چوکیدار کے جو ہر روز نو بجے چوکیداری کے لیے آجایا کرتا تھا۔ مسٹر اینڈ ریوز وغیرہ واپس نہیں آئے تھے چنانچہ دس بجے کے بعد میں اور خالدہ اپنے اپنے کمروں میں سونے کے لیے چلی گئیں۔ میں نے طے کرلیا تھا کہ اگر صبح تک عمن عونس کے زخموں کو کوئی فائدہ نہ ہوا تو مسٹر اینڈ ریوز کے واپس آنے پر میں ان سے کہہ کر عمن عونس کو قاہرہ بھجوا دوں گی۔ وہاں چند روز کسی اسپتال میں رہے گا تو جلد اچھا

ہو جائے گا۔ مجھے یقین تھا کہ مسٹر اینڈریوز پس و پیش نہیں کریں گے اور قصبے سے دو چار آدمی حاصل کر کے اسے فوراً قاہرہ بھجوا دیں گے۔

چند منٹ بعد میں واپس ہوئی' ارادہ تھا کہ اپنے کمرے میں جا کر پھر سو جاؤں لیکن اسی وقت میری نظر سامنے والے کمرے کے دروازے پر پڑی۔ وہ کمرہ مسٹر اینڈریوز کا تھا اور اس کی درزوں سے روشنی نظر آ رہی تھی۔ میں دفعتاً شش و پنج میں پڑ گئی' آخر اس روشنی کا کیا مطلب ہے؟ جہاں تک مجھے معلوم ہے' مسٹر اینڈریوز واپس نہیں آئے تھے' پھر ان کے کمرے میں کون ہے؟ کہیں کوئی چور تو نہیں؟ میرے ذہن میں خوف کے ساتھ ساتھ تجسس نے بھی سر ابھارا اور میں دبے قدموں اس کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ کمرہ بالکل مخالف سمت میں تھا۔ دروازے پر پہنچ کر میں نے جھری سے اندر جھانکا اور ساتھ ہی میرے کانوں میں آواز آئی۔

''تو تم نے اسے یہاں بلوا لیا ہے؟''

''ہاں' بہتر یہی تھا۔''

جھری اتنی کشادہ تھی کہ میں سب کچھ صاف صاف دیکھ سکتی تھی' کمرے میں تین افراد تھے۔ مسٹر اینڈریوز اور لوگن..... لیکن تیسرے شخص کو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایک بھاری بھرکم آدمی تھا۔ بالکل گول مٹول' اس کی توند اتنی بڑی تھی کہ وہ بالکل فٹ بال کی طرح نظر آتا تھا۔ اس کی انگلیوں میں متعدد بیش قیمت انگوٹھیاں تھیں اس نے نہایت عمدہ تراش کا سوٹ پہن رکھا تھا اور باوجود خاصا عجیب الخلقت ہونے کے وہ اپنے ظاہری رکھ رکھاؤ سے کوئی صاحب ثروت آدمی نظر آتا تھا اور میرے اس خیال کی فوراً ہی تصدیق ہو گئی' جب مسٹر لوگن نے اسے لارڈ رے کہہ کر مخاطب کیا' اس نے گلاس میں وہسکی انڈیلتے ہوئے کہا۔

''یہ ایک ایسی بات تھی جس کا اندیشہ تو ہمیں تھا لیکن یقین نہیں تھا۔''

کمرے میں کچھ لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی کیونکہ بھاری بھرکم آدمی سگار سلگا رہا تھا پھر اس نے وہسکی کے دو گھونٹ بھرے اور پھر غور سے مسٹر اینڈریوز کی جانب دیکھا' اس کی آنکھوں کا تاثر کچھ اچھا نہیں تھا۔ سرخ سرخ اور چڑھی ہوئی آنکھیں تھیں' ایسا لگتا تھا جیسے وہ پہلے بھی پیتا رہا ہو۔ اس کا چہرہ بھی کچھ جھلسا ہوا اور تانبے کی طرح سرخ دکھائی دیتا تھا' جس سے پتا چلتا تھا کہ اس نے کافی وقت ریگستان میں گھوم پھر کر گزارا ہے۔ میں چپ کھڑی رہی اور ان تینوں کو دیکھتی رہی' میری تمام حسیات سمٹ کر آنکھوں اور کانوں میں آ گئی تھیں۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ لوگ کب واپس آئے تھے اور یہ کہ وہ موٹا شخص کون ہے لیکن ان کی گفتگو کا پہلا جملہ ہی ایسا تھا جس نے مجھے مضطرب کر دیا تھا کیونکہ یہ اندازہ لگانا قطعی دشوار نہ تھا کہ وہ جملہ میرے بارے میں کہا گیا تھا۔

یکایک جسیم آدمی نے کہا ''تو پھر اب تم کیا کرو گے؟''

مسٹر اینڈریوز نے اپنا گلاس اٹھا کر اسے پر خیال نظروں سے گھورا ''ارے اگر ایسی صورت تمہارے ساتھ پیش آئے تو تم کیا کرو گے؟''

''میں ہارنا پسند نہیں کروں گا۔''

''ٹھیک ہے'' مسٹر اینڈریوز نے سنگین لہجے میں کہا ''میں بھی اپنے بارے میں یہی بات کہوں گا۔ تم جانتے ہو کہ میں نے اس مقصد کے لیے کتنا انتظار کیا ہے۔ کن مرحلوں سے گزرا ہوں اور اب کہ میرا مقصد پورا ہو چکا

ہے' میں بازی ہارنا پسند نہیں کروں گا۔''

لارڈ ریے نے سر ہلایا ''میں سمجھتا ہوں لیکن تم کرو گے کیا؟''

''فی الوقت میرے ذہن میں کچھ نہیں ہے مگر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔''

لارڈ ریے نے گلاس اٹھا کر ایک گھونٹ بھرا ''تم مجھے پوری بات بتاؤ۔''

مسٹر اینڈریوز کچھ دیر چپ رہے اور سامنے والی دیوار کو پر خیال نظروں سے گھورتے رہے پھر انہوں نے کہنا شروع کیا ''بات مختصر اور سیدھی سادی ہے' تمہیں معلوم ہے کہ پیٹرک کارگل نے نوجوانی کے دنوں میں ایک معمولی اور بازاری عورت سے شادی کر لی تھی جس نے بعد ازاں ایک بچی کو جنم دیا تھا۔ پیٹرک نے یہ شادی خفیہ طور پر کی تھی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ کارگل خاندان کے نجیب الطرفین اور روایت پرست لوگ اس عورت کو قبول نہیں کریں گے مگر پیٹرک کا یہ ارادہ ضرور تھا کہ مناسب وقت آنے پر وہ خاندان کے لوگوں کو ہموار کرنے کی کوشش ضرور کرے گا۔ اسے صرف خاندان کے لوگوں کا خیال تھا اس بات کی کچھ زیادہ پروا نہیں تھی کہ عام لوگوں کا ردعمل کیا ہوگا۔ اس کا کہنا تھا کہ اب زمانہ بدل رہا ہے لہٰذا ہمیں بھی روایات کی جکڑ بندیوں سے نکلنا چاہئے۔ اور میرا خیال ہے کہ وہ ان روایات کو توڑنے کی کوشش ضرور کرتا مگر سوئے اتفاق اسے اس کا موقع نہیں ملا۔ کچھ وجوہ سے جن کا ہمیں علم نہیں' اس کی اپنی بیوی سے ان بن ہو گئی۔ پھر کچھ دنوں بعد اس کا کار کے ایک حادثے میں انتقال ہو گیا اور اس کی بچی حیرت انگیز طور پر کہیں غائب ہو گئی۔ پیٹرک کارگل نے بچی کو تلاش کرنے کی بہت کوشش کی تھی۔ مگر اسے کوئی کامیابی نہیں ہوئی رفتہ رفتہ پیٹرک مایوس ہوتا گیا لیکن صرف بچی کی بازیافت کی طرف سے' ورنہ اسے یقین تھا کہ اس کی بچی زندہ ہے اور اگر اسکاٹ لینڈ میں نہیں تو انگلینڈ یا ویلز وغیرہ میں کہیں ضرور موجود ہے یعنی برطانیہ سے باہر نہیں گئی ہے پھر کئی سال گزر گئے۔ پیٹرک بوٹ کے حادثے میں ہلاک ہو گیا اور.....''

یکا یک لارڈ ریے نے مسکرا کر بات کاٹی ''میرا خیال ہے یہاں ہم تینوں کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔''

''چلو یوں ہی سہی!'' مسٹر اینڈریوز نے جھنجلا کر کہا ''میں نے اسے ہلاک کر دیا۔ میں نے اس کی بوٹ کے انجن میں ایک چھوٹا ٹائم بم رکھا تھا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ وہ سمندر میں تنہا سفر کرے گا چونکہ بوٹ کے ساتھ بم کے بھی پرخچے اڑ گئے تھے اس لیے کسی کو پتا نہیں چلا۔ میں پیٹرک کو قتل کرنے پر مجبور تھا ایک تو اس لیے کہ اس پیٹرک کے بعد کارگل خاندان کی وراثت کا نمبر میرا تھا..... دوئم اس لیے کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس آبرو باختہ اور بازاری عورت کی بچی کبھی مل جائے اور خاندان کی ایک فرد تسلیم کر لی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ پیٹرک کی ہلاکت کے بعد ہم نے اس بچی کو تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی حتیٰ کہ نو سال گزر گئے۔ میں کارگل خاندان کی تمام املاک اور کاروبار کا مالک بن گیا اور میرا برسوں پرانا خواب پورا ہو گیا مگر اب وہ کم بخت پیدا ہو گئی ہے اس کا دعویٰ ہے کہ وہ ہی مورا کارگل ہے اور تم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہو کہ اس کے اس طرح ظاہر ہونے کا کیا مطلب ہے؟''

''ہاں' میں بخوبی اندازہ لگا سکتا ہوں' لارڈ ریے نے تسلیم کیا ''لیکن کیا تمہیں یقین ہے کہ اس کا دعویٰ درست ہے؟''

اینڈریوز نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ بلکہ گردن موڑ کر لوگن کی طرف دیکھا' گویا کہہ رہا ہوں کہ باقی

واقعات تم بتاؤ چنانچہ لوگن ذرا مستعد ہو کر بیٹھ گیا اور سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا ''میں سمجھتا ہوں کہ اس کا دعویٰ غلط ہونے کا امکان بہت کم ہے۔ مجھے جب اس بڑھیا کا فون ملا تھا تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ مجھے آنجہانی پیٹرک کارگل کی لڑکی کے متعلق اطلاع دے گی لیکن جب اس نے بتایا تو میرے ہوش اڑ گئے چنانچہ میں فوراً مونٹ جا کر اس سے ملا۔ اس نے اپنے بیان میں جو باتیں بتائیں انہیں رد کرنا بہت مشکل تھا۔ پھر میں نے ایڈنبرا اور گلاسگو میں مناسب تحقیق کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ بڑھیا کا دعویٰ تقریباً سچ ہے' مسٹر اینڈریوز اس وقت پیرس میں تھے۔ میں نے انہیں فوراً فون پر اطلاع دی اور پھر ہم دونوں نے باہمی مشورے سے لڑکی کو مصر لانے کا فیصلہ کیا۔''

''ہم نے اس سے کئی جھوٹ بولے ہیں'' لوگن کے چپ ہوتے ہی اینڈریوز نے کہنا شروع کیا ''مثلاً یہ کہ ہم مصر سے مختلف اشیا امپورٹ کرتے ہیں اور اس مقصد کے لیے ہمیں نخلستانوں اور قصبوں میں جانا پڑتا ہے لیکن ایسا جھوٹ بولنا ضروری تھا تاکہ اسے ریگستانوں میں لا سکیں۔ ریگستان میں اسے راستے سے ہٹانا زیادہ آسان ہوگا۔ ہم نے احتیاطاً اس کا پاسپورٹ بھی لانگ موئرا کے نام سے ہی بنوایا ہے۔ اس طرح کسی کو بھی اصل حقیقت کا پتا کبھی نہیں چلے گا۔ عام طور پر یہی سمجھا جائے گا کہ ایک لڑکی..... لانگ موئرا سیاحت کے شوق میں یہاں آئی تھی اور.....''

''اور اگر اس بڑھیا نے راز افشا کر دیا تب.....؟'' لارڈ رے نے پوچھا۔

''وہ ایسا نہیں کر سکتی۔''

''کیوں.....؟''

''بدقسمتی سے اس کا انتقال ہو گیا ہے۔''

''بدقسمتی سے یا خوش قسمتی سے.....؟''

''ہاں' اسے خوش قسمتی بھی کہہ سکتے ہیں۔'' اینڈریوز نے سر ہلایا ''وہ بیمار بہت تھی' دواؤں نے کوئی فائدہ نہ کیا اور وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئی..... بے چاری!''

میں یوں ساکت کھڑی تھی گویا میرے جسم میں جان ہی نہ ہو۔ ایک ایک عضو پتھرا کر رہ گیا تھا۔ کانوں میں ایسی سنسناہٹ ہو رہی تھی کہ دوپہر والی آندھی کی گونج بھی اس کے آگے پھیکی پڑ گئی تھی۔ لگتا تھا چند لمحوں میں کانوں کے پردے پھٹ جائیں گے مگر کانوں میں گونجتے ہوئے اس شور قیامت کے باوجود مسٹر اینڈریوز کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی' وہ لارڈ رے کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''چنانچہ اب تم خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ میں کیسی خطرناک صورت حال میں گھر گیا ہوں۔ اگر اس لڑکی کی آواز ایک بار عوام اور قانون تک پہنچ جائے تو تباہی میرا مقدر ہو جائے گی۔ کارگل خاندان کی تمام دولت اس لڑکی کو منتقل ہو جائے گی اور مجھے ساری زندگی کے لیے جیل بھیج دیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اسے یہاں لانے میں ہر ممکن احتیاط اور رازداری برتی ہے۔ مونٹ میں اس کے واقف کاروں کو تو یہ علم ہوگا کہ وہ لڑکی مصر گئی ہے لیکن انہیں باقی باتوں کا کوئی علم نہیں' ہم نے وہ تمام ثبوت مثلاً انگوٹھی' خطوط اور تصاویر وغیرہ جو بڑھیا کے پاس تھے' حاصل کر لیے ہیں' اس مقصد کے لیے ایک پیشہ ور آدمی کو مقرر کیا تھا جو اب برطانیہ میں نہیں ہے بلکہ آج

دوپہر کی فلائٹ سے ہمیشہ کے لیے جنوبی امریکا چلا گیا ہے۔''

''اور یہ سارا کام تم نے یہاں بیٹھے بیٹھے کرلیا'' لارڈ رے نے پوچھا۔

''نہیں'' اینڈریوز نے گردن ہلائی ''میرا ذاتی سیکریٹری پرائس میرے ساتھ تھا لڑکی کے یہاں پہنچتے ہی میں نے اسے واپس بھیج دیا۔ اس نے ایک کرائے کا آدمی حاصل کیا اور سارا کام مکمل ہوتے ہی ٹیلی گرام بھجوایا جو آج شام مجھے ملا ہے چونکہ بڑھیا کو جلد از جلد خاموش کرنا بہت ضروری تھا اس لیے میں نے اس معاملے میں ذرا بھی تاخیر نہیں کی اور مجھے امید ہے کہ پرائس نے سارا کام منصوبے کے مطابق اور نہایت ہوشیاری سے انجام دیا ہوگا۔''

''مجھے بھی امید ہے کہ ایسا ہی ہوگا'' لارڈ رے نے دوسرا سگار سلگاتے ہوئے کہا ''کیا پیٹرک کارگل نے کوئی وصیت بھی چھوڑی تھی؟''

''اگر نہ چھوڑتا تو بھی کورٹ سے نہ پڑتا'' اینڈریوز نے جواب دیا ''کارگل خاندان کی روایات کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ مگر غم یہ ہے کہ پیٹرک نے ایک باقاعدہ وصیت چھوڑی ہے جو کہ مشروط ہے چونکہ میں اس کا سب سے قریبی رشتہ دار تھا اس لیے تمام دولت اور جائیداد اس نے میرے نام کی ہے لیکن ساتھ ہی یہ شرط بھی عائد کردی ہے کہ اگر اور جب بھی اس کی لڑکی کا پتا چل جائے تو وراثت خود بخود اس کے نام منتقل ہو جائے گی۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ جب تک اس لڑکی کے ملنے کا خطرہ موجود رہے گا' میری حیثیت ایک مختار کی سی رہے گی یعنی میں مالک ہوں..... مگر نہیں ہوں۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو'' لارڈ رے نے لوگن کو مزید شراب انڈیلنے کا اشارہ کیا ''یہ صورت حال واقعی تکلیف دہ ہے۔ مگر تم اسے یہاں کیوں لائے ہو؟''

''اسے محض اتفاق سمجھو'' اینڈریوز نے کہا ''میں اتفاق سے پیرس میں تھا اور مجھے دو تین دن کے لیے قاہرہ آنا تھا لہٰذا میں نے لوگن سے کہا کہ وہ لڑکی کو لے کر یہیں آجائے۔ پھر کوئی ترکیب کریں گے۔ میرے ذہن میں ابھی کوئی منصوبہ نہیں ہے لیکن یہ ریگستان ہے اور ریگستان میں اکثر لوگوں کو حادثے پیش آجایا کرتے ہیں۔''

لارڈ رے کے ہونٹوں پر بڑی پراسرار مسکراہٹ نظر آئی ''بالکل ٹھیک ہے'' اس نے دھاردار لہجے میں کہا ''ریگستان میں واقعی آئے دن لوگوں کو حادثے پیش آیا کرتے ہیں اور اکثر حادثے جان لیوا ثابت ہوتے ہیں۔ تم چاہو تو میں اس حادثے کا انتظام کرسکتا ہوں۔''

مسٹر اینڈریوز نے چونک کر لارڈ رے اور پھر لوگن کو دیکھا ''تم..... تم کیا کرو گے؟''

''حادثہ!'' لارڈ رے نے الٹا ہاتھ فضا میں لہرایا ''مجھے ایک لڑکی کی ضرورت ہے۔''

''کیوں.....؟''

لارڈ رے نے فوراً ہی کچھ نہیں کہا۔ اس کے چہرے پر معاً گہرے اضطراب کی جھلک نمایاں ہوگئی۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا اور بے چینی سے سگار کے کش پہ کش لگاتا رہا۔ پھر اس نے زور زور سے ہاتھ ہلا کر کہنا شروع کیا ''اینڈی' میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس جگہ کیوں آیا ہوں' اس کا علم ایمن سوسائٹی سے باہر صرف دو یا تین افراد کو ہے جن میں ایک تم ہو لہٰذا کوئی حرج نہ ہوگا اگر میں تم سے پورا واقعہ بیان کردوں' ہم یہاں اس پیش گوئی کی

تکمیل کے لیے آئے تھے' جواب سے ہزاروں سال پہلے ارفینا نے کی تھی اور جسے اسائرس نے منظور کیا تھا اور جس کے لیے ہم نے برسوں ریاضت کی تھی' پیش گوئی کی ابتدائی شرطیں حرف بہ حرف پوری ہوتی چلی گئیں۔ ہمیں وہ آدمی مل گیا جو دراصل عمن عولس کا روپ ہے اور وہ لڑکی مل گئی' جو ملکہ ٹیا کا روپ ہے پھر ہم نے رسم شادی کی تیاریاں کیں اور یہاں آ گئے۔ کتاب ارفینا ہمارے سامنے تھی اور ہم نے سب کچھ ویسا ہی کیا جیسا کتاب میں درج تھا اور اسائرس یقیناً ہم پر مہربان تھا کیونکہ کوئی بھی بدشگونی نہیں ہوئی۔ ہم نے رسم شادی پوری کی اور پھر آسمانوں سے وہ ساعت اتری جس کا ہمیں انتظار تھا مگر کیا ہوا کہ وہ بدبخت آدمی عین وقت پر فرار ہو گیا۔ ہم نے اسے تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن چونکہ اندھیرا تھا اس لیے ناکام رہے اور وہ عارضی طور پر ہماری دسترس سے دور نکل گیا۔ اس کے علاوہ ہمارے اپنے ایک آدمی نے بھی غداری کی اور اس شخص کے ساتھ مل کر فرار ہونے کی کوشش کی۔''

''ہاں' مجھے اکثر باتوں کا علم ہے'' اینڈریوز نے گردن ہلاتے ہوئے کہا ''تم اس بات پر یقین رکھتے ہو کہ طوطخ آمن اس دنیا میں واپس آئے گا' میں مذہبی آدمی نہیں ہوں اس لیے یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ممکن ہے یہ پیش گوئی درست ہو مگر سوال یہ ہے..... کہ وہ بھاگا کیوں؟''

''کیا کہہ سکتا ہوں؟'' لارڈ نے بے زاری سے شانے اچکائے ''ہم نے اس کے لیے سب کچھ مہیا کر دیا تھا۔ دنیا کی تمام آسائشیں اور وہ ساری عشرتیں جو صرف بادشاہوں کو حاصل ہوتی ہیں' اس کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ سوسائٹی کے لیے حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ ہمارا ارادہ تھا کہ رسم شادی کی تکمیل کے بعد واپس جائیں گے اسی لیے میں نے تم سے جزیرۂ وائیونا حاصل کیا تھا لیکن وہ بدبخت عین وقت پر فرار ہو گیا۔''

''تو کیا وہ نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا ہے؟'' اینڈریوز نے پوچھا۔

لارڈ رے کے ہونٹوں پر بے حد زہریلی مسکراہٹ نظر آئی۔ ''نہیں' وہ کہیں نہیں جا سکتا۔ بس اتنا ہے کہ شروع کے چند گھنٹوں میں ہم اسے پکڑ نہیں سکے تھے پھر وہ ساعت سعید گزر گئی۔ جب رسم شادی کو تکمیل تک پہنچنا تھا لہٰذا ہم نے اسے پکڑنے کا ارادہ ترک کر دیا اور اسے اس مغالطے میں مبتلا کر دیا کہ وہ فرار کی کوشش میں کامیاب ہو گیا ہے جبکہ درحقیقت ہم اسے ہر طرف سے اس طرح گھیر رہے تھے کہ وہ ایک ہی سمت بھاگنے پر مجبور تھا۔ ہمیں اس کی ہر حرکت کا بخوبی علم تھا اور ہم بالکل مطمئن تھے کہ وہ ٹھیک اسی طرف چل رہا ہے جدھر ہم اسے لے جانا چاہتے تھے مگر پھر بدقسمتی سے آندھی آئی اور وہ ہمارے اس آدمی سے بچھڑ گیا جو غداری کا مرتکب ہو کر اس سے مل گیا تھا چنانچہ میں نے اپنی ایک ساتھی عورت کو اس کے پاس بھیج دیا مقصد یہی تھا کہ وہ عورت اسے مغالطے میں مبتلا رکھ کر ہماری مطلوبہ جگہ پر لے جائے گی لیکن پھر کسی وجہ سے وہ اس عورت کے پاس سے فرار ہو گیا اور تب اس سے ہمارا رابطہ ٹوٹ گیا' ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہے؟ اور کس حال میں ہے؟ میرے ساتھی اسے بدستور تلاش کر رہے ہیں چونکہ ذرا تھک گیا تھا۔ اس لیے اس قصبے میں چلا آیا اور یہاں میری ملاقات تم سے ہو گئی۔ مجھے تو علم بھی نہیں تھا کہ تم یہاں ہو۔''

اینڈریوز نے بوتل اٹھا کر گلاس میں شراب انڈیلتے ہوئے کہا ''رے' ایسا لگتا ہے کہ قسمت نے بطور خاص ہمیں اس جگہ جمع کروایا ہے تاکہ ہم ایک دوسرے کے کام آ سکیں مگر فرض کرو' وہ شخص بچ کر نکل گیا تب.....؟''

''نہیں' وہ نکل نہیں سکتا'' لارڈ رے نے پر یقین لہجے میں جواب دیا ''ہمارے آدمی اس طرح چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں کہ وہ صحرا سے باہر نہیں جا سکتا' ہم جلد ہی اسے تلاش کر لیں گے۔''

''مگر وہ ہے کون؟''

''وہ ایک ایشیائی نوجوان ہے۔''

اینڈ ریوز نے یکا یک پر جوش لہجے میں کہا ''رے' تم نے کئی بار کہا تھا کہ میں ایمن سوسائٹی میں شامل ہو جاؤں۔ اگر تم مجھے اس مصیبت سے نجات دلا دو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اور لوگن اور پرائس سوسائٹی میں ضرور شامل ہو جائیں گے۔''

لارڈ رے مسکرا کر بولا ''میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ حادثے کا بندوبست کر دوں گا۔''

''مگر کیسے؟'' اینڈ ریوز نے پوچھا ''مناسب سمجھو تو مجھے تفصیل سے آگاہ کرو۔''

لارڈ رے یکا یک اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بے چینی سے ادھر ادھر ٹہلنے لگا ''تم نہیں سمجھتے اینڈ ریوز' تم نہیں سمجھتے'' وہ گونجتی ہوئی پر اسرار آواز میں کہنے لگا ''وہ لوگ جو مشینوں کے جال میں الجھ کر رہ گئے ہیں' وہ ان باتوں کو نہیں سمجھتے لیکن میں جانتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ طوطنخ آمن اس دنیا میں ضرور آئے گا۔ وہ فیصلے جو ہزاروں سال قبل ہوئے تھے' ضرور پورے ہوں گے۔ ارفینا نے لکھا ہے کہ کسی وجہ سے اگر رسم شادی تکمیل تک نہ پہنچ سکے تو اس کا ازالہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ رسم شادی میں رخنہ پڑنے کا مطلب یہ ہوگا کہ اسائرس ناراض ہو گیا ہے اور اسائرس کو منانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اسے ''سرخ قربانی'' پیش کی جائے۔''

''سرخ قربانی!'' اینڈ ریوز اور لوگن نے بیک وقت حیرت سے کہا۔

''ہاں'' لارڈ رے اضطراب اور جوش کے عالم میں ٹہلتا گیا اور کہتا گیا ''یہ قربانی ہمیں اس جگہ پیش کرنا ہوگی جہاں کبھی اسائرس اپنی بیوی کے ساتھ روشنیوں کے محل میں رہتا تھا۔ آج کے لوگوں کو علم نہیں لیکن ہمیں وہ جگہ معلوم ہے۔ ارفینا کا مدفن بھی وہیں ہے اور ارفینا نے یہ بھی لکھا ہے کہ ازالے کی کئی صورتیں موجود ہیں اور یہ کہ اگر ہر صورت ناکام ہو جائے تو پھر اس شخص کو قتل کر دیا جائے۔ یہ بہت ضروری ہے' اس شخص کی موت کے بیس سال بعد ہمیں یہی آدمی کسی اور روپ میں ملے گا اور تب طوطنخ آمن کی واپسی کی پیش گوئی پوری کی جا سکے گی۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ موت کے فوراً بعد یہ شخص پھر کہیں پیدا ہوگا۔''

''ہاں'' لارڈ رے نے سر ہلایا ''ارفینا کی تحریر سے جو کچھ ہماری سمجھ میں آتا ہے' وہ یہی ہے۔''

کمرے میں یکا یک گہری خاموشی چھا گئی۔ اینڈ ریوز اور لوگن نے پھٹی پھٹی اور کسی حد تک سراسیمہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ لارڈ رے بدستور بے چینی سے ٹہل رہا تھا' اس کے چہرے پر اور آنکھوں میں گہرے تشنج کے آثار تھے۔ وہ ایک بالکل مختلف آدمی نظر آ رہا تھا' اس آدمی سے مختلف جو چند منٹ پیشتر کرسی پر بیٹھا ہوا تھا' لیمپ کی مدھم اور زرد روشنی میں اس کا چہرہ بڑا غیر فطری اور پر اسرار لگ رہا تھا۔ میں نے کبھی کسی آسیب کو نہیں دیکھا تھا لیکن اس وقت لارڈ رے کو ٹہلتے ہوئے دیکھ کر آوارہ روحوں کی آسیبی ہیئت کو صاف محسوس کر سکتی تھی' چند لمحے اسی عالم میں گزر گئے پھر اینڈ ریوز نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر پھیکی آواز میں کہا۔

''تو پھر' میرا مطلب ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟''

لارڈ ریے نے اسے گہری نظروں سے گھورا ''انتظار اور کچھ نہیں۔ لڑکی کو ابھی کچھ بھی نہیں معلوم ہے' اسے خوش فہمی میں مبتلا رہنے دو۔ ہمارے آدمی اس شخص کو تلاش کر رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ہم اسے ایک دو دن میں ڈھونڈ لیں گے پھر ہم سب ارفینا کے مدفن چلیں گے اور سرخ قربانی کی رسم پوری کریں گے'' اتنا کہہ کر وہ لمحے بھر کے لیے رکا اور پھر اس کے ہونٹوں پر بڑی سنگین مسکراہٹ نظر آئی ''تم نے ٹھیک کہا تھا اینڈی۔ اسائرس نے ہم دونوں کو بطور خاص جمع کیا ہے تاکہ ہم ایک دوسرے کے کام آسکیں۔''

پھر میں نے آہستہ آہستہ اپنے کمرے کی جانب چلنا شروع کیا۔ کچھ اس طرح جیسے میرا یہ عمل قطعی میکانکی ہو۔ میں خود نہیں چل رہی تھی' خود بخود چل رہی تھی۔ کمرے میں پہنچ کر میں نے چند کام بغیر ارادے اور خواہش کے کیے۔ میں نے لیمپ بجھا دیا' پلنگ پر بیٹھی پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر میں نے چاند کی مدھم روشنی میں دور تک پھیلے ہوئے ریگستان کو کھڑکی سے ایک نظر دیکھا' دوسرے لمحے کھڑکی بند کر دی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں؟ کچھ دیر کمرے کے وسط میں کھڑی اندھیرے میں آنکھیں پھاڑتی رہی۔ پھر زمین پر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور سینے کے اندر دھڑ دھڑ کرتے دل کی آواز سنتی رہی۔ دھک..... دھک..... دھک..... لگتا تھا ڈائنامائٹ سے ایک کے بعد ایک چٹانیں اڑائی جا رہی ہیں۔ میں نے معاً گھبرا کر زور سے سانس لی اور اپنی انگلیوں کو دیکھا جو اندھیرے میں نظر نہیں آئیں مگر مجھے معلوم تھا کہ وہ تھر تھر' تھر تھر کانپ رہی تھیں اور صرف انگلیاں ہی نہیں' میرا جسم بھی بری طرح کانپ رہا تھا۔ خدایا! میں کیا کروں' میں کیا کروں؟ دہشت سے میرے جسم کے سارے بال کھڑے تھے اور کانٹوں کی طرح چبھ رہے تھے۔ میں نے دونوں پیر سکیڑ لیے اور سر گھٹنوں پر رکھ لیا اور اپنے جسم کی تھرتھراہٹ پر قابو پانے کی سعی ناکام کرنے لگی۔

جو کچھ سنا تھا' اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کہیں میں نے کوئی سپنا تو نہیں دیکھا ہے؟ ہاں' شاید سپنا ہی دیکھا ہے۔ ایسی باتیں سپنوں ہی میں ہوتی ہیں' جاگتی دنیا میں یہ سب کچھ ممکن نہیں۔ مسٹر اینڈریوز بھلا مجھے کیوں ماریں گے؟ میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے' وہ تو بہت اچھے آدمی ہیں اور اچھے آدمی کسی کو قتل نہیں کرتے۔ اور وہ موٹا آدمی بھی برا نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں نے ساری باتیں مذاق میں کی ہوں گی بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ اس وقت کمرے میں موجود ہی نہ ہوں اور میں نے محض خواب میں انہیں باتیں کرتے دیکھا ہو۔ ہاں' یہی بات لگتی ہے۔ ذرا اچھی طرح اطمینان کر لو' تم جاگ رہی ہو یا حالت خواب میں ہو۔ میں نے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ پھیرا' کنپٹی سہلائی اور کلائی پر چٹکی لی۔ ارے' یہ درد کیوں ہوا؟ اوہ میرے خدا' میں تو جاگ رہی ہوں۔

تو گویا میں نے خواب نہیں دیکھا ہے بلکہ جو کچھ سنا' سچ ہے۔ ایک بار پھر خوف سے میرا پورا وجود کانپ گیا۔ سردی کی لہریں رگ رگ میں دوڑنے لگیں اور مجھے کچھ ایسا محسوس ہونے لگا جیسے میرا دم نکل رہا ہو' لمحے رینگ رینگ کر گزرتے گئے۔ پھر یکایک انکشاف ہوا کہ میں رو رہی ہوں۔ خوف رفتہ رفتہ رنج میں تبدیل ہو گیا اور آنکھیں بے اختیار آنسو بہانے لگیں۔ اس تاریک کمرے میں' نصف رات کی ویرانی میں' میں ایک بے سہارا بچے کی طرح چپکے چپکے رونے لگی۔ تصور کے پردے پر مسز ریوز کا چہرہ ابھر آیا۔ میری پیاری آنٹی' نیک' سادہ اور شفیق۔ انہوں نے مجھے پالا تھا۔ مجھ سے بے پناہ محبت کی تھی۔ میرے لیے سارے سکھ اور خوشیاں بچ دی تھیں۔ مگر ان لوگوں نے..... ان سنگ دل لوگوں نے انہیں مار ڈالا تھا۔ نہایت سفاکی سے مار ڈالا تھا۔ وہ سیدھی اور

کمزور عورت اینڈریوز اور لوگن کی مکاری اور کمینگی کی بھینٹ چڑھ گئی۔ جب میرے ماں باپ مرے تھے' تب میں یتیم نہیں ہوئی تھی' مگر اس رات یکا یک یتیم ہوگئی تھی۔ میرے تمام سہارے ٹوٹ گئے تھے۔ اگر وہ قتل ہی کرنا چاہتے تھے تو بے شک مجھے قتل کر دیتے' اس بوڑھی اور کمزور عورت نے ان کا کیا بگاڑا تھا؟

رات کے اپاہج لمحے ایک ایک کر کے گزرتے گئے اور میں چپکے چپکے روتی رہی۔

وہ رات میں نے کمرے کے فرش پر بیٹھے بیٹھے گزار دی۔ ممکن ہے' پھانسی کے تختے پر نیند آ جاتی ہو مگر مجھے اس رات ایک لمحے کے ہزارویں حصے کے لیے بھی نیند نہیں آئی۔ میں مسلسل جاگتی رہی اور سوچتی رہی اور وقفے وقفے سے روتی رہی۔ ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا رہا۔ موئرا' اب تم کیا کرو گی؟ تم مسٹر اینڈریوز کے پاس اپنا حق لینے آئی تھیں لیکن ان کے پاس تمہارے لیے کوئی پھول نہیں' صرف پتھر ہے۔ جس سے وہ تمہیں قتل کر دینا چاہتے ہیں۔ وطن سے سیکڑوں میل دور' اس ویران ریگستان میں تمہیں انتہائی بے بسی کی موت مرنا پڑے گا کیونکہ تم تنہا ہو' ایک کمزور اور بے وقوف لڑکی ہو جبکہ وہ لوگ کئی ہیں۔ اور وہ بہت سنگ دل اور سازشی لوگ ہیں' تم کچھ نہیں کر سکتیں۔ تم مدافعت کرنا چاہو تو بھی نہیں کر سکتیں۔ تم بالکل بے یار و مددگار ہو۔ وہ لوگ تمہیں بلا تکلف قتل کر دیں گے۔ اسائرس کے اوپر قربان کر دیں گے۔ پتا نہیں یہ اسائرس کون ہے؟ تمہارا خون اس کے نام پر بہا دیا جائے گا اور دنیا کو تمہاری حسرت ناک موت کا کبھی علم تک نہیں ہو سکے گا۔

مگر بے وقوف لڑکی' تم بیٹھی کیوں ہو؟ اٹھو' کھڑکی سے باہر جھانکو۔ مشرق سے سپیدۂ سحر نمودار ہونے والا ہے۔ پوری عمارت نیند میں ڈوبی ہوئی ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ تم جاگ رہی ہو لہٰذا چپکے سے فرار ہو جاؤ۔ ممکن ہے اس طرح تمہاری جان بچ جائے۔ ''ہاں' یہ ٹھیک ہے' اگر میں اس وقت بھاگ جاؤں تو کسی کو پتا نہیں چلے گا۔ میں نے سوچنا شروع کیا۔ خالدہ سو رہی ہے' اینڈریوز اور لوگن وغیرہ بھی شاید سو چکے ہوں گے۔ اگر میں چپکے سے فرار ہو جاؤں تو کافی دیر تک کسی کو میری غیر حاضری کا علم نہیں ہو سکے گا۔ میں کسی قصبے میں پہنچ کر مدد حاصل کر لوں گی اور پھر واپس اسکاٹ لینڈ چلی جاؤں گی۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور ذہن میں صرف ایک خیال بار بار چکرانے لگا کہ مجھے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور فوراً فرار ہو جانا چاہیے۔ مگر پھر فوراً ہی ذہن میں دوسری سوچ بھی ابھری۔ کیا میں ایسا کر سکتی ہوں؟ کیا میں واقعی فرار ہو سکتی ہوں؟

نہیں..... میں نے مایوسی سے گردن ہلائی' میں ایسا نہیں کر سکتی۔

اگر میں فرار ہو جاؤں تو یہ میرے مزاج کے خلاف ہوگا اور اس تعلیم کے خلاف ہوگا جو مسز ریوز نے بچپن سے مجھے دی ہے۔ مسز ریوز کافی مذہبی عورت تھیں لیکن ان کے اپنے نظریات تھے' وہ عبادت کے مقابلے میں انسانوں کی خدمت اور مدد کرنے پر زیادہ یقین رکھتی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ لارڈ جینرس کرائسٹ اور پیغمبر اسلام اور دوسرے تمام پیغمبروں کی زندگیاں اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ انسانوں کی مدد اور خدمت سب سے بڑی عبادت ہے چنانچہ میں اگر جان بچا کر بھاگ نکلوں تو یہ بہت گری ہوئی اور غلط بات ہوگی کیونکہ اس طرح میں عمن عونس کو تنہا چھوڑ دوں گی اور وہ ان فاتر العقل لوگوں کی درندگی کی بھینٹ چڑھ جائے گا۔ وہ بے چارہ مصیبت کا مارا آدمی ہوش و حواس سے بے گانہ ہے' اسے مدد کی ضرورت ہے اور مجھے اس سے ہمدردی ہو یا نہ ہو لیکن

حالات نے مجھے پابند کر دیا ہے کہ اس کی مدد کروں۔ نہ صرف اپنی جگہ اس کی جان بچانے کی کوشش بھی کروں مگر میں اکیلے کیا کر سکوں گی۔ ایک طرف انتہائی سفاک لوگوں کا پورا گروہ ہے اور دوسری طرف ایک نیم دیوانہ آدمی میرے ساتھ ہوگا۔ پھر بھلا میں حالات سے کیونکر نمٹوں گی؟ میں سوچتی رہی اور الجھتی رہی۔ خالدہ اور احسان' ان دو کے سوا میں کسی کو نہیں جانتی مگر اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ خالدہ اور احسان ہم دونوں کی مدد کریں گے۔ ممکن ہے یہ دونوں مسٹر اینڈریوز کے آدمی ہوں۔ بے شک خالدہ نے عمن عونس کی دیکھ بھال کی تھی مگر اس وقت اسے قطعاً علم نہیں تھا کہ عمن عونس کون ہے' اب اسے معلوم ہوگا تو فوراً اینڈریوز کو مطلع کر دے گی۔ میں نے حد درجہ خوف اور بے بسی کے ساتھ سوچا' تو پھر میں کیا کروں؟ خالدہ کو رازدار بنانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی مگر یہ تو میرے اختیار کی بات نہیں ہے۔ خالدہ تو پہلے ہی عمن عونس کی عمارت میں موجودگی سے باخبر ہے' وہ کسی بھی وقت اینڈریوز یا لوگن سے ذکر کر سکتی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ میں اس سے پہلے ہی گفتگو کر لوں۔ ہر چند کہ امکان بہت کم ہے مگر ہو سکتا ہے کہ وہ ہم دونوں کی مدد کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

مسٹر اینڈریوز' لارڈ رے اور لوگن کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ مسلسل میرے کانوں میں گونج رہا تھا۔ بہت سی باتیں میری سمجھ میں آ گئی تھیں لیکن ان گنت باتیں ایسی بھی تھیں جو میرے فہم سے قطعی بالاتر تھیں۔ مسز اینڈریوز کا کہا ہوا ہر لفظ بالکل واضح تھا۔ وہ میرے والد کے چچا زاد بھائی تھے۔ اور وراثت میں میرے والد کے بعد ان کا نمبر تھا بشرطیکہ میرے والد کی کوئی اولاد نہ ہو اور چونکہ میں لاپتا ہو گئی تھی لہٰذا انہوں نے میرے والد کو قتل کر دیا اور یوں کارگل خاندان کے سربراہ بن گئے۔ اس بات میں بھی کوئی شبہ نہیں تھا کہ انہوں نے مسز ریوز کو بھی قتل کرا دیا تھا۔ انہوں نے ہر کام بڑی پھرتی اور ہوشیاری سے کیا تھا۔ ایک طرف تو انہوں نے مجھے فوراً مصر بلایا اور دوسری طرف اپنے سیکریٹری پرائس کو اسکاٹ لینڈ واپس بھیج کر مسز ریوز کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا۔ اور اب وہ مجھے ہلاک کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ ان کی ہر بات بالکل واضح تھی مگر لارڈ رے نے جو کچھ کہا تھا' میری سمجھ میں بالکل نہیں آیا تھا۔ طوطنخ آمن کی واپسی' عمن عونس' ارفینا' پیش گوئی اور رسم شادی اور نہ جانے کیا کیا؟ مگر پس منظر سے ناواقف ہونے کے باوجود چند ایک باتیں بہرحال سمجھ میں آ گئی تھیں۔ مثلاً یہ کہ وہ لوگ کوئی سازش کر رہے ہیں اور اس سازش کا مرکز وہ دیوانہ شخص ہے جو مجھے ریگستان میں ملا تھا۔ نیز یہ کہ وہ لوگ پیش گوئی کی تکمیل کی ہر حال میں کوشش کریں گے۔ اور اس مقصد کے لیے سرخ قربانی دیں گے۔ دوسرے الفاظ میں میرے خون کی بھینٹ چڑھائیں گے لیکن میرے لیے یہ سمجھنا دشوار تھا کہ وہ پیش گوئی کیا ہے اور کس نے کی ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟ یہ بھی بڑے ستم کی بات تھی کہ مسٹر اینڈریوز مجھے قتل کرنا چاہتے تھے اور لارڈ رے کو عمن عونس کی تلاش تھی۔ اور ہم دونوں اس وقت اس عمارت میں موجود تھے۔

بالآخر میں اٹھی۔ میری ٹانگیں تھرتھر کانپ رہی تھیں۔ خوف اور بے کسی نے گویا میری ساری جسمانی قوت سلب کر لی تھی اور ایسا لگتا تھا کہ ٹانگیں میرے جسم کا بوجھ نہیں سہار سکیں گی۔ میں دیوار کا سہارا لے کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر آئی۔ صبح کا اجالا پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ برآمدے اور احاطے میں سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ مسٹر اینڈریوز اور لارڈ رے وغیرہ غالباً سو چکے تھے۔ میں چند لمحے کھڑی ہوئی اس دروازے کو گھورتی رہی جس کے پیچھے عمن عونس سو رہا تھا۔ پھر میں نے خالدہ کے کمرے کا رخ کیا۔ امید تھی کہ وہ جاگ چکی ہوگی کیونکہ

وہ علی الصباح اٹھنے کی عادی تھی۔ میں نے دستک دی اور انتظار کرنے لگی۔ چند سیکنڈ بعد دروازہ کھل گیا۔ خالدہ نے مجھے دیکھا تو یکا یک گھبرا گئی۔

''ارے موئرا' کیا بات ہے' تم اتنی خوف زدہ کیوں ہو؟'' اس نے پریشان ہو کر کہا۔

میں جلدی سے کمرے میں داخل ہو گئی پھر خالدہ کو اشارہ کیا' وہ دروازہ بند کر دے۔ وہ دروازہ بند کر کے پلٹی اور مجھے بہت غور سے دیکھنے لگی۔ میرے لیے کھڑے رہنا مشکل تھا چنانچہ میں اس کی چارپائی پر بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں زور سے پھنسا لیں۔ خالدہ نے ایک بار پھر گھبرا کر کہا۔

''کیا بات ہے موئرا' تمہارا تو سارا جسم کانپ رہا ہے؟''

میں نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور جواب دینا چاہا مگر کامیاب نہ ہو سکی۔

خالدہ نے پھر کہا ''موئرا! تم بولتی کیوں نہیں۔ کیا بات ہے' تم ڈری ہوئی کیوں ہو؟ کہیں تم نے کوئی بھیانک سپنا تو نہیں دیکھا؟''

''ہاں.....'' میں نے گردن کو جنبش دی۔

''کیسا سپنا.....؟''

''وہ لوگ مجھے قتل کر دینا چاہتے ہیں'' میں نے تھرتھراتے لہجے میں کہا۔ اپنی آواز خود مجھے اپنی نہیں لگی۔

خالدہ کئی لمحوں تک چپ رہی اور غیر یقینی نظروں سے مجھے گھورتی رہی اس کے چہرے پر الجھن ہی الجھن تھی' جیسے وہ سوچ رہی ہو کہ میں اپنے ہوش میں ہوں یا نہیں لیکن میرے چہرے پر پھیلے ہوئے شدید خوف کے اثرات نے اسے اپنی رائے بدلنے پر مجبور کر دیا۔ میں نے یکا یک طویل سانس لے کر کہا ''کیا واقعی یہ سچ ہے؟''

میں نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

''وہ موٹا آدمی کون ہے' کیا تم اسے جانتی ہو؟''

''نہیں' میں اس سے واقف نہیں لیکن اب مجھے یاد آ گیا ہے کہ وہ انگلستان کا ایک کافی مشہور اور دولتمند شخص ہے' اخباروں میں اس کے گھوڑوں کا اکثر ذکر ہوتا ہے۔''

خالدہ نے سر ہلا کر پس وپیش کے ساتھ کہا ''یہ بڑے تعجب کی بات ہے' مسٹر اینڈریوز تو ایسے آدمی نظر نہیں آتے تھے۔''

میں نے سر ہلایا ''مجھے بھی وہ ایک اچھے آدمی نظر آتے تھے مگر اب پتا چلا کہ اکثر لوگ اپنے چہرے کے اوپر اور کئی چہرے بھی چڑھائے رہتے ہیں۔ ہم نے مسٹر اینڈریوز کا جو چہرہ دیکھا تھا' وہ شاید ان کا نہیں تھا۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو'' خالدہ نے جواب دیا ''تمہاری بات پر یقین کرنے کی قابل لحاظ وجہ موجود ہے۔ مسٹر اینڈریوز پہلے جب بھی آتے تھے' صرف قاہرہ میں قیام کرتے تھے مگر اس بار نہ صرف وہ خود صحرا میں آئے ہیں بلکہ تمہیں بھی لائے ہیں۔ یہ بات خالی از علت نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ تمہارے والد کو قتل کر سکتے ہیں تو تمہیں بھی کر سکتے ہیں مگر تم نے جو کچھ موٹے آدمی اور اس پاگل شخص کے بارے میں بتایا ہے' وہ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ رسم شادی' طوطخ آمن اور ملکہ ٹیا وغیرہ' ان سب باتوں کا تو کوئی سر پیر نظر نہیں آتا۔''

میں نے مایوسی سے شانے ہلائے ''میں کیا کہہ سکتی ہوں' جو کچھ سنا تھا' وہ تمہیں بتادیا۔ ان باتوں کی وضاحت تو وہی لوگ کر سکتے ہیں یا پھر عمن عونس۔''

''مگر وہ تو پاگل ہے۔''

''اور یہی میری مجبوری ہے۔'' میں نے خالدہ کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا ''میں نے اسے سہارا دیا ہے اور اب اس کو بے سہارا نہیں چھوڑ سکتی۔ مجھے اس کی مدد کرنا ہوگی ورنہ وہ ان خونی اور پاگل لوگوں کے ہاتھوں مارا جائے گا۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو۔ یہ بڑی غیر اخلاقی اور غیر انسانی حرکت ہوگی اگر اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے'' خالدہ نے جواب دیا پھر اس نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا ''مگر تم کرو گی کیا؟''

میں بے بسی سے دونوں ہاتھ ایک دوسرے سے رگڑنے لگی ''خالدہ' میری جگہ تم ہو تو کیا کرو گی؟''

خالدہ کچھ نہیں بولی' اس کی آنکھوں میں گہری سوچ اور تذبذب کے آثار تھے۔ میں چپ چاپ اسے دیکھتی رہی' کمرے میں اجالا دم بدم بڑھ رہا تھا اور بڑھتے ہوئے اجالے کے ساتھ ساتھ میرے اضطراب میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ خالدہ کی خاموشی بھی بڑی جاں سوز تھی مگر انتظار کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ خالدہ اس ریگستان سے بخوبی واقف تھی اور وہ مجھے بتا سکتی تھی کہ مجھے کیا کرنا چاہئے لیکن جب وہ کئی لمحوں تک خاموش رہی تو میں نے گھبرا کر کہا ''خالدہ' کیا سوچ رہی ہو؟''

خالدہ نے گردن اٹھا کر مجھے گہری نظروں سے گھورا ''میں یہ سوچنے کی کوشش کر رہی ہوں کہ تمہیں یا زیادہ بہتر الفاظ میں یوں کہو کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ یہ تو طے ہے کہ تمہارے پاس جان بچانے کا صرف ایک راستہ ہے اور وہ یہ کہ یہاں سے فوراً فرار ہو جاؤ اس سے قبل کہ اینڈریوز اور لارڈرے وغیرہ کوئی قدم اٹھا سکیں مگر یہ اتنا آسان نہیں۔ دو شرطیں از بسکہ ضروری ہیں۔ اول یہ کہ سواری کا کوئی معقول انتظام ہو اور دوم یہ کہ انہیں تمہارے فرار کا فوری طور پر علم نہ ہونے پائے۔ کم از کم اتنا وقت ملنا چاہئے کہ تم کسی شہر میں پہنچ جاؤ۔'' اتنا کہہ کر خالدہ رک گئی اور پھر غور کرنے لگی ''بدقسمتی سے ہم قصبے کے لوگوں پر بھروسا نہیں کر سکتے۔ ممکن ہے وہ کسی وجہ سے مسٹر اینڈریوز کو مطلع کر دیں یہ کام ہم تینوں کو اپنے طور پر کرنا ہوگا۔ اور وہ بھی اس طرح کہ ان لوگوں کو ذرا بھی شبہ نہ ہونے پائے'' خالدہ سوچتی گئی اور کہتی گئی ''صرف ایک ترکیب ہے اس پر ہم عمل کر سکتے ہیں' وہ یہ کہ کل کی طرح آج بھی ہم کسی جگہ تفریح کے لیے جائیں گے مگر اس سے قبل عمن عونس کو یہاں سے ہٹانا نہایت ضروری ہے۔''

''مگر ہم اسے کہاں لے جائیں گے؟'' میں نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''گھبراؤ مت'' خالدہ نے میرا ہاتھ تھپتھپایا ''ایک جگہ ہے' جہاں ہم اسے چند گھنٹوں کے لیے چھپا سکتے ہیں۔ تم ذرا جا کر دیکھو وہ جاگ گیا ہے یا نہیں' تب تک میں مسٹر اینڈریوز وغیرہ کو دیکھتی ہوں' پھر ہم عمن عونس کو یہاں سے لے جائیں گے۔''

میں نے ''بہتر ہے'' کہہ کر سر ہلایا اور بمشکل تمام اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی۔ ہر چند کہ خالدہ سے گفتگو کر کے میرا حوصلہ خاصا بحال ہو گیا تھا۔ تاہم ابھی تک ٹانگوں میں لرزش تھی۔ دل و دماغ پر چھائی ہوئی گھبراہٹ بھی بدستور موجود تھی۔ ہم دونوں کمرے سے باہر آئیں۔ برآمدے میں پھیلے ہوئے دھندلے اجالے میں خالدہ

ہولے ہولے چلتی مسٹر اینڈریوز کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ میں نے عمن عونس کے کمرے کا رخ کیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ سو رہا ہوگا۔ مگر وہ جاگ چکا تھا اور جب میں نے کھڑکی کے ایک کشادہ دروازے سے اندر جھانکا تو سٹپٹا کر رہ گئی اس لیے نہیں کہ عمن عونس کمرے کے سامنے والے کونے میں زمین پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا بلکہ اس لیے کیونکہ وہ حد درجہ خوف زدہ نظر آ رہا تھا' اس کی آنکھوں اور چہرے پر شدید دہشت کے آثار تھے۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ اس کے ہاتھ دھیرے دھیرے کانپ رہے تھے اور اس کی ٹھہری ہوئی نگاہ کمرے کے وسط میں بچھی اس چٹائی پر جمی ہوئی تھی جس پر وہ سویا تھا۔ انداز کچھ ایسا تھا جیسے کہ وہ کسی کو یا کسی شے کو دیکھ رہا ہو حالانکہ کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا۔ لیمپ کی مدھم روشنی میں' میں صاف دیکھ سکتی تھی کہ کمرے میں عمن عونس کے سوا کوئی بھی نہیں ہے پھر وہ کیا دیکھ رہا تھا اور کیوں خوف زدہ تھا میری سمجھ میں نہ آیا۔ ابھی میں شش و پنج میں مبتلا ہی تھی کہ عمن عونس نے معاً ہاتھ ہلا کر مرتعش لہجے میں کہا۔

''نہیں..... نہیں' ہرگز نہیں' تم مجھے اس طرح نہ دیکھو۔''

اس کی نگاہ بدستور چٹائی پر جمی ہوئی تھی' ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی سے بات کر رہا ہے'' اس کے چہرے کا خوف اس کی آواز سے بھی نمایاں تھا مگر سوال یہ ہے کہ وہ کس سے بات کر رہا تھا' کمرے میں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ میں بے چینی نظروں سے اسے گھورتی رہی ہر چند کہ مجھے معلوم تھا کہ وہ دماغی خبط کا شکار ہے اور اس قسم کے مریض عجیب و غریب حرکتیں کرتے ہی ہیں پھر بھی میں بہت متجسس ہو گئی تھی۔ مجھے کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی تمام حرکتیں لایعنی ہونے کے باوجود بے جواز نہیں ہیں لیکن میں اپنے اس احساس کی کوئی عقلی توجیہہ خود بھی نہیں کر سکتی تھی۔ عمن عونس چند لمحے چپ رہا اور اس طرح چٹائی کو دیکھتا رہا جیسے بے حد دھیان سے کچھ سن رہا ہو پھر وہ کچھ اور مسکرا کر کونے میں سمٹ گیا اور سہمی ہوئی..... آواز میں بولا ''نہیں..... نہیں..... میں تمہارے ساتھ نہیں جانا چاہتا۔''

خاموشی کا پھر ایک مختصر وقفہ' عمن عونس کا پھر وہی انداز جیسے وہ کچھ سن رہا ہو پھر اس نے کہا'' مگر تم یہاں کیوں آئیں اور کیسے' میں تمہارے ساتھ ہرگز نہیں جاؤں گی۔ ہرگز ہرگز نہیں جاؤں گا۔ وہ لوگ مجھے نہیں ڈھونڈ سکتے۔ میں یہاں سے سیدھا گھر چلا جاؤں گا۔ اپنے گھر اور مجھے کوئی نہیں پکڑ سکے گا۔''

اس نے چپ ہو کر ہونٹوں پر زبان پھیری اور توجہ سے چٹائی کو دیکھا پھر ہاتھ ہلا کر بولا'' نہیں۔ نہیں' میں نہیں جاؤں گا۔ میں تمہارے ساتھ بالکل نہیں جاؤں گا۔''

اس نے جملہ پورا کیا اور گردن قدرے جھکا کر چٹائی کو گھورنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں بیک وقت کئی تاثرات تھے' خوف بھی تھا' غصہ بھی اور حیرت بھی۔ لمحے بھر کے بعد اس نے یکا یک تند لہجے میں کہا'' لیکن میں تم سے محبت نہیں کرتا۔''

خاموشی کا چھوٹا سا وقفہ' پھر وہ ہونٹ چبا کر بولا'' ہاں' ہاں۔ مجھے پسند ہیں۔ عورتیں مجھے پسند ہیں اور میں جانتا ہوں' میرے لیے عورتوں کی کمی نہیں لیکن میں تم سے محبت نہیں کر سکتا۔'' پھر وہ چپ ہو گیا اور دھیرے دھیرے ہونٹ چباتا رہا اور غور سے سنتا رہا۔ کم از کم مجھے ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا کہ وہ سن رہا ہے پھر اس نے شدید اضطراب کے عالم میں کہا'' لیکن تم یہاں کیسے آ گئیں' میں نے..... میں نے تو اسے مار ڈالا تھا۔''

پھر میں نے عمن عونس کے پورے جسم کو بری طرح لرزتے ہوئے دیکھا۔ وہ کونے میں کچھ اور سمٹ گیا اور اس کے چہرے پر پھیلا ہوا خوف مزید گہرا ہو گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے تھے اور انہیں اس طرح زور زور سے جنبش دے رہا تھا جیسے کسی کو روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔ ساتھ ہی اس کے ہونٹوں سے مختلف الفاظ بھی مسلسل پھسل رہے تھے۔ قدرے بے ربط لیکن واضح "نہیں..... نہیں..... مجھے مت چھوؤ..... دور جاؤ..... دور جاؤ....." پھر اس کے حلق سے عجیب و غریب آوازیں نکلنے لگیں۔ چھوٹی چھوٹی بے ربط چیخیں' پتا نہیں وہ کسے روک رہا تھا اور کیوں چیخ رہا تھا؟ غنیمت یہ ہے کہ اس کی چیخیں اونچی نہیں تھیں اس لیے اس بات کا کوئی احتمال نہیں تھا کہ کوئی سن لے گا۔ عمن عونس کے جام کا لرزہ چند لمحے جاری رہا پھر وہ پرسکون ہو گیا اور اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی دہشت بھی کسی حد تک کم ہو گئی۔ خالدہ اس دوران میں میرے قریب آ کر کھڑی ہو گئی تھی اور خود بھی حیرت سے اس سارے منظر کو دیکھ رہی تھی۔ جب عمن عونس پرسکون ہو گیا تو خالدہ نے سر ہلا کر تاسف آمیز لہجے میں کہا۔

''بے چارہ' یہ تو لگتا ہے بالکل پاگل ہو گیا ہے۔ ہمیں اس کو کسی پاگل خانے میں داخل کرانا پڑے گا۔''

''ہاں' کچھ ایسا ہی لگتا ہے'' میں نے جواب دیا ''مگر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کیفیت عارضی ہو اور چند دن میں یہ خود بخود ٹھیک ہو جائے۔''

''ہو سکتا ہے۔'' خالدہ نے اتفاق کیا پھر بولی ''وہ لوگ سو رہے ہیں لہٰذا ہمیں فوراً چل دینا چاہئے' میں احسان کے کپڑے لے آئی ہوں' شاید سائز میں کچھ فرق ہو مگر بہر حال کام چل جائے گا' چلو جلدی کرو'' یہ کہتے ہوئے وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

خالدہ نے جس جگہ کا ذکر کیا تھا' وہ دراصل ایک چھوٹی سی جھونپڑی تھی۔ رہائش گاہ سے تقریباً دو ڈھائی فرلانگ کے فاصلے پر' وہاں پر کھجور کے کچھ درخت بھی تھے' یہ جگہ کچھ زیادہ محفوظ نہیں تھی مگر چند گھنٹے گزارنے کے لیے بہر حال مناسب تھی۔ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ کچھ دیر ہم عمن عونس کو اس جھونپڑی میں رکھیں گے' اس دوران میں خالدہ سفر کے انتظامات کرے گی پھر میں مسٹر اینڈریوز سے بہانہ کروں گی کہ خالدہ کے ساتھ گھومنے کے لیے جا رہی ہوں' اس کے بعد ہم دونوں اکٹھا ہی جھونپڑی تک آئیں گے اور عمن عونس کو لے کر روانہ ہو جائیں گے۔ اس پروگرام میں بظاہر کوئی خامی نہیں تھی اور مجھے یقین تھا کہ مسٹر اینڈریوز بخوشی مجھے جانے کی اجازت دے دیں گے۔ خالدہ مجھے اور عمن عونس کو جھونپڑی میں چھوڑ کر واپس جانے لگی تو اس نے کہا ''موزا! تم بھی جلدی ہی آ جانا۔ صبح صبح تمہارا زیادہ دیر تک غائب رہنا مناسب نہ ہو گا۔''

وہ چلی گئی تو میں عمن عونس کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ زمین پر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا اور بے معنی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اس کی حالت پہلے کی نسبت بہت بہتر تھی۔ چھالے بیٹھ گئے تھے اور زخم بھی خشک ہونے لگے تھے۔ اس کا بخار بھی تقریباً نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ خالدہ' جو دوائیں لائی تھی' وہ واقعی مفید ثابت ہوئی تھیں مگر اس کی ذہنی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی ویسا ہی مخبوط الحواس تھا اور اس کی ہر ادا سے دیوانہ پن جھلکتا تھا لیکن یہ بڑی اچھی بات ہے کہ اس کی وحشت اور دیوانگی میں تشدد اور خودسری کا شائبہ بھی نہیں تھا' اس کے برعکس وہ بہت فرمانبردار لگتا تھا' کسی چھوٹے سے بچے کی طرح' جو بڑوں کی ہر بات بلا تکلف مان لیتے ہیں۔

وہ زمین پر پاؤں پسارے بیٹھا تھا اور خالی خالی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ ایک بار ذرا اور کوشش کروں اور اس کے ذہن کو کریدوں شاید اسے کچھ یاد آ جائے۔ چنانچہ اس کے مقابل بیٹھ گئی اور نرم لہجے میں پوچھا کہ ''وہ کون ہے؟ اس کا نام کیا ہے اور وہ..... کہاں سے آیا ہے؟''

اس نے مجھے حیرت سے دیکھا اور ہاتھ ہلا کر کہا ''میں نے تمہیں بتایا تو تھا کہ میں عمن عونس ہوں' کیا تم بھول گئیں؟''

جھنجلاہٹ کی ایک لہر میرے ذہن میں دوڑ گئی مگر میں نے ضبط سے کام لیا اور مسکرا کر پوچھا ''ہاں' تم نے بتایا تھا مگر یہ تو تمہارا بادشاہوں والا نام ہے' تمہارا دوسرا نام کیا ہے اور تم کہاں سے آئے ہو؟''

''میں کہاں سے آؤں گا؟'' اس نے مزید حیرت سے کہا ''میں تو یہیں رہتا ہوں۔''

میں چند لمحے اسے ہمدردی سے دیکھتی رہی پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا ''ہاں' یہ ٹھیک ہے۔ تم یہیں رہتے ہو مگر اس کے علاوہ بھی کئی باتیں ہیں جو تمہیں یاد نہیں۔ ذرا سوچو' ذہن پر تھوڑا زور دو تو تمہیں یاد آ جائے گا کہ تم کہاں سے آئے ہو اور تمہارا دوسرا نام کیا ہے؟''

اس نے ہولے ہولے ہونٹوں پر زبان پھیری' سر کو دو تین بار جھٹکا اور گردن اٹھا کر یوں چھت کو گھورنے لگا جیسے واقعی غور کر رہا ہو۔ میں امید و بیم کی حالت میں اس کا چہرہ دیکھتی رہی اور دل ہی دل میں دعا کرتی رہی۔ خدا کرے' اسے یاد آئے۔ وہ سب کچھ اسے یاد آ جائے جو اس کی ذات کی پہچان ہے' جو اس کی شخصیت کا تعارف ہے۔ آدمی اپنی پہچان سے محروم ہو جائے تو اس کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہتی۔ وہ محض نفی کی علامت بن کر رہ جاتا ہے۔ عمن عونس بھی کچھ نہیں تھا اور میں چاہتی تھی کہ اسے یاد آ جائے کہ وہ کیا ہے' کچھ دیر وہ چھت کو گھورتا رہا اور میں کشمکش میں الجھی ہوئی اسے گھورتی رہی پھر اس نے مجھے دیکھا اور معاً ہنسنے لگا ''کیوں ہنس رہے ہو؟'' میں نے بھنا کر پوچھا۔

''میں سمجھ گیا'' وہ میرے چہرے کے سامنے انگلی نچا کر بولا۔

''کیا سمجھ گئے؟''

''یہی کہ تم مذاق کر رہی ہو۔'' وہ ہونٹ پھیلا کر نہایت احمقانہ انداز میں اور بھی زور زور سے ہنسنے لگا ''ہاہا..... ہا..... تم مذاق کر رہی ہو' ہے نا۔ تم مجھ سے مذاق کر رہی ہو ورنہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں کون ہوں' میں عمن عونس ہوں اور تم سیتامن ہو اور تم میری بیوی ہو..... ہاہاہاہا۔''

میرا ہاتھ یکا یک اٹھا۔ شاید میں اسے تھپڑ مارنا چاہتی تھی مگر پھر میں نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ اسے تھپڑ مارنے سے حاصل بھی کیا ہوتا؟ وہ تو اپنے ہوش میں ہی نہیں تھا چنانچہ اگر وہ مجھے سیتامن کے بجائے کچھ اور بنا دیتا تو بھی میں اس کا کیا بگاڑ لیتی پھر میں نے سوچا کہ فی الحال اس کے ذہن کو کریدنے کی کوشش بے سود ہی ہوگی۔ مجھے انتظار کرنا چاہئے۔ کچھ وقت گزرے گا اور اس کی حالت بحال ہوگی تو شاید اس کی یادداشت بھی واپس آ جائے گی۔ پھر میں اٹھی اور دروازے کی طرف بڑھی تو وہ اچانک بولا ''سیتامن! تم کہاں جا رہی ہو' تم مجھے چھوڑ کر کہیں مت جاؤ۔''

میں نے حیرت سے اسے گھورا ''کیوں؟''

اس کے زخمی چہرے پر معاً خوف کے سائے نظر آئے' اپنے پھٹے ہوئے ہونٹوں پر آہستہ آہستہ زبان پھیر کر اس نے کہا" مجھے..... مجھے ڈر لگتا ہے۔ جب تم نہیں ہوتی ہو تو مجھے بڑا ڈر لگتا ہے' تم کہیں مت جاؤ۔"

"مگر تمہیں ڈر کیوں لگتا ہے؟" میں نے مزید حیرت سے پوچھا" اور کس سے ڈر لگتا ہے؟"

"پتا نہیں" اس نے جواب دیا۔ اس کی آواز سے بھی خوف کا اظہار ہو رہا تھا پھر اس نے چاروں طرف دیکھا' کچھ اس انداز سے گویا وہاں کوئی موجود ہو حالانکہ کوئی بھی نہیں تھا۔ جھونپڑی کے اندر اور باہر کہیں بھی کوئی نہیں تھا۔ اس کے باوجود عمن عونس خوف زدہ تھا۔ مجھے دفعتاً صبح والا منظر یاد آ گیا جب عمن عونس کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ خوف زدہ تھا اور اس کا انداز بھی ایسا تھا جیسے وہ واقعی کسی سے گفتگو کر رہا ہو۔ آخر وہ کس چیز سے خوف زدہ تھا؟ میں نے بے چینی سے سوچا' پھر مجھے خیال آیا کہ یہ محض اس کے پراگندہ ذہن کا کرشمہ ہے کہ وہ کسی انجانی شے کو اپنے قریب محسوس کرتا ہے چنانچہ میں نے اسے تسلی دی اور کہا کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے' اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور یہ کہ میں جلدی ہی واپس آ جاؤں گی۔

"مگر تم جا کہاں رہی ہو؟" اس نے پھر پوچھا۔

"میں تمہارے لیے ناشتا لینے جا رہی ہوں" میں نے جواب دیا" اور سنو' جب تک میں واپس نہ آؤں' تمہیں تم یہیں رہنا۔ جھونپڑی کی باہر نکلنے کی کوشش ہرگز نہ کرنا اور نہ کوئی آواز نکالنا' سمجھ گئے نا۔"

اس نے بڑی معصومیت اور فرمانبرداری کے ساتھ گردن ہلائی" اچھی بات ہے' میں ایسا ہی کروں گا۔"

میں نے باہر آ کر جھونپڑی کا دروازہ بند کیا اور عمارت کی طرف چل پڑی۔

میرا ذہن بدستور الجھا ہوا تھا فکر اور اندیشوں کے ساتھ ساتھ ایک بے یقینی کی کیفیت بھی احساس پر طاری تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے میں ابھی تک ایک بھیانک سپنا دیکھ رہی ہوں ابھی تک مجھے یقین نہیں تھا کہ حالات نے جو نیا رخ اختیار کیا ہے' وہ واقعی سچ ہے' بھلا ایسا کیونکر ہو سکتا ہے وہ لوگ آخر مجھے کیوں قتل کریں گے؟ رات میں' میں نے جو کچھ سنا' محض فریب ہے لیکن خود کو جھٹلانے سے بھی کچھ حاصل نہیں تھا۔ اگر ان لوگوں کی باتیں جھوٹ ہوتیں تو پھر مجھے عمن عونس نہ ملتا اور عمن عونس کا ملنا گویا اس بات کا ثبوت تھا کہ لارڈ رے نے جو کچھ کہا تھا وہ یقیناً درست تھا۔ پھر بھی مجھ پر ایک مسلسل بے چینی کی کیفیت مسلط تھی۔ خالدہ نے میرا فرار کا جو پروگرام بنایا تھا وہ اتنا آسان تھا کہ اس پر میرا جی نہیں جم رہا تھا۔ کہیں نہ کہیں کوئی خامی ہے' کوئی غلط بات ہے۔ یہ بات اتنی آسان تو نہیں ہو سکتی۔ ضرور ہم لوگ کوئی غلطی کر رہے ہیں یا کوئی غلط امید باندھ رہے ہیں۔ اس ڈور کا دھاگا کہیں نہ کہیں سے کمزور ہے اور کسی بھی وقت اچانک ٹوٹ جائے گا مگر کہاں سے ٹوٹے گا؟ یہ مجھے معلوم نہ تھا۔

اور دھاگا واقعی ٹوٹ گیا مگر یہ دوسری بات ہے کہ مجھے پھر بھی پتا نہیں چلا کہ کیونکر ٹوٹا؟ پہلے ہمارا اندازہ تھا کہ سہ پہر کو روانہ ہوں گے لیکن بعد ازاں اس پروگرام میں تبدیلی ہو گئی۔ ہوا یہ کہ جب میں عمارت میں واپس پہنچی تو مسٹر لوگن سے ملاقات ہوئی' اس وقت تک کافی اجالا ہو چکا تھا اور صبح کی تازہ تازہ..... دھوپ وسیع احاطے میں دھیرے دھیرے اتر رہی تھی' مسٹر لوگن مجھے دیکھ کر مسکرائے اور انہوں نے نہایت خوش مزاجی سے مجھے صبح بخیر کہا پھر انہوں نے مجھے مطلع کیا کہ مسٹر اینڈریوز جاگ چکے ہیں اور یہ کہ ان کے ایک دوست آئے ہوئے ہیں' جو مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا بہتر ہے' میں ذرا تیار ہو کر آتی ہوں۔ اتنا کہہ کر میں باورچی

خانے کی طرف بڑھی تو اچانک لوگن نے کہا ''کیا بات ہے موئرا! تم بہت پریشان نظر آتی ہو' تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔''

''نہیں..... نہیں' کوئی بات نہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں'' میں نے جلدی سے کہا۔ لوگن سے گفتگو کرتے ہوئے پوری کوشش کی تھی کہ میرے اندرونی احساسات ظاہر نہ ہونے پائیں لیکن خود کو پرسکون رکھنے کی کوشش ناکام ہوگئی تھی مسٹر لوگن نے مجھے عجیب سی نظروں گھورتے رہے اور میں کپکپی ہوئی باورچی خانے میں چلی گئی۔ خالدہ وہاں موجود تھی' اس نے ایک نظر میرے چہرے پر ڈالی پھر چڑ کر بولی۔

''لگتا ہے تم بنا بنایا کام بگاڑ کر رکھ دو گی۔''

''کیوں.....؟''

''ذرا اپنا چہرہ دیکھو' اس نے ناراضی سے کہا ''ایسا لگتا ہے جیسے تم پر جان کنی کا عالم طاری ہو۔ آخر اس قدر خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے' اپنا حوصلہ بحال رکھو ورنہ ان کو شبہ ہو جائے گا۔''

''میں کیا کروں خالدہ؟'' میں نے بے بسی سے کہا ''میں کوشش تو کرتی ہوں لیکن شاید میں تمہاری طرح ہمت والی نہیں ہوں۔ مجھے یہ سب کچھ اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کہیں کوئی بات ٹھیک نہیں ہے۔ کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہے لیکن کیا گڑبڑ ہے' یہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔''

''تمہارا دماغ خراب ہے۔ ورنہ ایسی کوئی بات نہیں ہے' خواہ مخواہ اپنا جی ہلکان نہ کرو'' خالدہ نے تاکید کی۔

آدھے گھنٹے بعد ناشتے کی میز پر میرا سامنا اینڈریوز اور لارڈرے سے ہوا۔ میں نے پہلی بار دن کے اجالے میں اور قریب سے اس عظیم الجثہ شخص کو دیکھا جس کی گفتگو نے رات میں مجھے دہشت زدہ کر دیا تھا۔ خالدہ بھی میرے ساتھ تھی اور اس کی موجودگی میرے لیے بہت بڑا سہارا تھی ورنہ خوف کے باعث میرے لیے شاید وہاں بیٹھنا اور ان سے باتیں کرنا ناممکن ہو جاتا۔ اینڈریوز' لوگن اور لارڈرے مجھے بغور دیکھ رہے تھے اور میرے جسم کے اندر ٹھنڈی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ ان کی نظریں بظاہر نرم اور دوستانہ تاثر کا اظہار کر رہی تھیں لیکن مجھے معلوم تھا کہ ان نظروں کے پیچھے کیا ہے۔ اینڈریوز نے تو خیر اپنے چہرے پر ایک اور چہرہ چڑھا ہی رکھا تھا مگر لارڈرے کے شانوں پر بھی مجھے چہرہ نظر نہیں آیا جو گزشتہ رات دیکھا۔ یقیناً وہ بھی اپنے چہرے کے تاثرات بدلنے پر پوری طرح قادر تھا۔ اپنے بھاری بھرکم ڈیل ڈول کے ساتھ وہ مجھے ایک ایسا آدمی نظر آیا جسے کبھی کوئی نہیں پہچان سکتا۔ کبھی یوں لگتا جیسے وہ ایک شریر اور خوش مزاج بچہ ہے اور کبھی اس کے انداز سے خودغرضی' تمکنت اور سنگدلی کا اظہار ہوتا۔ جب مسٹر اینڈریوز اپنے لمبے لمبے ہاتھوں کو جنبش دے کر تعارفی کلمات کہہ چکے تو لارڈرے مسکرایا اور شفیق لہجے میں بولا۔

''تو تم موئرا ہو..... پیٹرک کی بیٹی..... ہے نا؟''

خالدہ نے ٹیبل کے نیچے سے ہاتھ بڑھا کر میرے گھٹنے پر تھپکی دی گویا میرا حوصلہ بڑھا رہی ہو۔ میں نے ذرا سنبھل کر اور ہونٹوں پر زبان پھیر کر قدرے اونچی آواز میں کہا ''ہاں۔''

''بڑی خوشی کی بات ہے'' اس نے اپنی موٹی گردن کو جنبش دی ''مجھے کل رات اینڈریوز نے بتایا تھا اور یہ تم نے بہت ہی اچھا کیا کہ یہاں آ گئیں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ تمہارا جو حق ہے' وہ تمہیں ضرور ملنا چاہیے۔ کیوں

اینڈریوز' میں ٹھیک کہتا ہوں نا؟''

اینڈریوز کے ہونٹوں پر مصنوعی مسکراہٹ کا رقص ہوا ''ہاں' تم ٹھیک کہتے ہو۔''

اس جملے کا جو مطلب تھا' اسے سمجھنے میں نہ صرف مجھے بلکہ خالدہ کو بھی دشواری نہیں ہوئی۔ اس نے میرے چہرے پر پھیلتے ہوئے سائے بھانپ کر فوراً ہی کہا ''آپ ٹھیک کہتے ہیں لارڈ رے۔ موئرا یہاں آ کر بہت خوش ہے اور اسے خوش ہونا بھی چاہئے' اتنی مدت بعد اس کو اپنے چچا کی بھرپور شفقت حاصل ہوئی ہے۔'' خالدہ کا لہجہ بہت نوکیلا اور معنی خیز تھا۔ ممکن ہے' لارڈ رے اور اینڈریوز سمجھے نہ ہوں مگر میں نے اس کے لہجے میں چھپے ہوئے طنز کو صاف محسوس کر لیا تھا اور اس سے مجھے بڑا سہارا ملا۔ میں بے معنی انداز میں مسکرانے لگی۔ خالدہ نے میز کے نیچے سے میرے گھٹنے پر تھپکی دی اور پھر اینڈریوز سے مخاطب ہوئی ''مسٹر اینڈریوز' آج آپ کا کیا پروگرام ہے؟''

اینڈریوز نے جواب دینے سے قبل لارڈ رے اور لوگن کو دیکھا پھر کہا ''ہم لوگ آج ضروری کام سے باہر جائیں گے۔ غالباً شام تک واپسی ہوگی' مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''یہاں سے کچھ دور ایک نخلستان ہے جہاں میرے ایک عزیز رہتے ہیں۔ میں آج موئرا کو وہاں لے جانا چاہتی ہوں۔''

اینڈریوز نے کچھ کہنے کے بجائے ایک بار پھر لارڈ رے کی جانب دیکھا۔ اس کی نظریں بڑی معنی خیز تھیں۔ جیسے پوچھ رہا ہو کہ کیا جواب دوں؟ پھر اس نے یکایک مسکرا کر خوشگوار لہجے میں کہا ''بے شک جاؤ لیکن شام سے قبل واپس آ جانا کیونکہ شام کو لارڈ رے کے کچھ دوست بھی آنے والے ہیں۔''

اور یوں ہمارا پروگرام تبدیل ہو گیا۔ خالدہ نے تمام تفصیلات پہلے ہی طے کر لی تھیں۔ اس نے اینڈریوز سے غلط نہیں کہا تھا۔ اس کا ایک واقف کار بھی ایک قریبی نخلستان میں مقیم تھا۔ یہ نخلستان جلالی سے چند میل کے فاصلے پر تھا اور خالدہ کا ارادہ یہ تھا کہ ہم اس نخلستان میں پہنچ کر اس کے واقف کار کی مدد سے فوراً قاہرہ یا پورٹ سعید روانہ ہو جائیں گے۔ خالدہ نے دو اونٹ بھی حاصل کر لیے تھے۔ اس نے مجھے بتایا کہ جھونپڑی سے کچھ آگے جا کر اونٹ والا ہمیں مل جائے گا اور وہ ہمیں نخلستان تک پہنچا دے گا۔ ناشتے سے فارغ ہونے کے کچھ دیر بعد اینڈریوز اور لارڈ رے کے ہمراہ روانہ ہو گئے تو ہم نے بھی تیاری شروع کی۔ ہم نے مناسب مقدار میں اشیائے خورد و نوش اور چند ایک دوسری چیزیں ساتھ لیں اور جھونپڑی کی طرف چل پڑے۔ اس وقت میری عجیب کیفیت تھی۔ دل و دماغ میں خوشی کے ساتھ ساتھ خود اعتمادی کا احساس بھی موجود تھا۔ کچھ دیر قبل والی حالت نہیں تھی۔ خوف کا احساس زائل ہوتا جا رہا تھا اور اس وقت جب میں نرم ریت پر قدم بہ قدم آگے بڑھ رہی تھی' تو مجھے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ میرا خوف زدہ ہونا قطعی غیر ضروری اور بے معنی تھا۔ یہ چوہے بلی کا کھیل تھا اور اس میں میری ہار کا امکان بہت کم تھا کیونکہ اینڈریوز اور لارڈ رے وغیرہ میرے ارادوں سے باخبر نہیں تھے جبکہ قدرت کے ایک مہربان لمحے نے مجھے ان کے ارادوں سے باخبر کر دیا تھا۔ انہیں بھلا کیوں کر شبہ ہو سکتا تھا کہ ہم لوگ فرار ہو رہے ہیں۔ انہیں شام تک اس بات کا کوئی علم نہیں ہو سکتا جبکہ اس وقت تک ہم لوگ بہت دور جا چکے ہوں گے۔ اوہ میرے خدا! یہ خیال کتنا خوبصورت ہے' کتنا جانفزا ہے' میرے جسم میں دفعتاً توانائی اور سرور کی لہریں

دوڑنے لگیں اور میرا دل یکا یک خوشی سے لبالب بھر گیا اور پھر معاً کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ خالدہ نے مجھے تعجب سے دیکھا اور متجسس ہو کر بولی۔

''ارے..... ارے تمہیں کیا ہوا' اس طرح کیوں ہنس رہی ہو؟''

مجھے اپنی ہنسی پر قابو پانے میں چند لمحے لگے۔ پھر میں نے کہا ''میں بہت خوش ہوں خالدہ' کہ ہم ان کی دسترس سے نکل آئے ہیں۔ اب جب تک انہیں پتا چلے گا' ہم بہت دور جا چکے ہوں گے۔ اگرچہ یہ محض ایک خواب سا لگتا ہے مگر..... مگر سچ ہے..... ہے نا؟''

خالدہ بھی مسکرائی ''ہاں' یہ سچ ہے۔ تم تو خواہ مخواہ خوف زدہ تھیں۔''

میں نے قدرے توقف کے بعد ممنونیت بھرے لہجے میں کہا ''خالدہ! میں تمہاری بے حد شکر گزار ہوں۔ تم نے میری بہت مدد کی ہے۔ لارڈ جیرس تمہیں اس کا صلہ ضرور دے گا۔ اگر تم اس طرح ہماری مدد نہ کرتیں تو نہ جانے کیا ہوتا۔''

''تو کیا تم سمجھتی تھیں کہ میں تمہاری مدد نہیں کروں گی'' خالدہ نے پوچھا۔

''میں معذرت چاہتی ہوں لیکن میرا واقعی کچھ ایسا خیال تھا کہ تم اور احسان چونکہ مسٹر اینڈریوز کے لیے کام کرتے ہو اس لیے شاید تم ہماری مدد کرنے سے گریز کرو گی'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔

خالدہ چند ثانیے چپ رہی پھر اس نے نرم لیکن صاف لہجے میں کہا ''تم پاگل ہو' تمہیں یہ بات بہر حال یاد رکھنی چاہئے کہ میں کون ہوں اور میرے نبیؐ نے مجھے کیا تعلیم دی ہے۔'' پھر اس نے میرے شانے پر ہولے سے تھپکی دی اور صداقت سے بھرپور آواز میں مزید کہا ''میرے نبیؐ نے سچائی کا سر بلند رکھنے کے لیے پتھر کھائے تھے اور فاقے کیے تھے اور دنیا کے ہر ستم کا سامنا کیا تھا' پھر بھلا میں کسی برائی کا ساتھ کیوں کر دے سکتی ہوں۔''

عمن عونس جھونپڑی میں بالکل اسی طرح بیٹھا تھا جس طرح میں اسے چھوڑ کر گئی تھی۔ اس نے میری ہدایت سے انحراف کی ذرا بھی کوشش نہیں کی تھی۔ جب ہم جھونپڑی میں داخل ہوئے تو وہ مسکرانے لگا ''دیکھ لو سیتا من! میں نے بالکل ویسا ہی کیا جیسا تم نے کہا تھا لیکن.....''

''لیکن کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''لیکن مجھے بڑا ڈر لگ رہا تھا'' اس نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا ''جب میں اکیلا ہوتا ہوں تو مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔''

''پریشان نہ ہو' ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے'' میں نرمی سے کہا۔

آتے ہوئے ہم احسان کے جوتوں کی ایک جوڑی ساتھ لیتے آئے تھے کیونکہ عمن عونس کے پیروں میں محض چپلیں تھیں اور چپل پہن کر صحرا میں سفر کرنا ممکن نہ تھا۔ خالدہ نے عمن عونس کو جوتے پہنائے پھر اس کے زخموں اور چھالوں پر مزید دوا لگائی چونکہ ہمارے پاس زیادہ وقت نہ تھا اس لیے ہم فوراً ہی روانہ ہو گئے۔ عمن عونس نے اس موقعے پر بھی عادت کے مطابق نہایت فرمانبرداری کا مظاہرہ کیا۔ اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔ کوئی تعرض نہیں کیا۔ بلکہ جب میں نے اس سے چلنے کے لیے کہا تو چپ چاپ اٹھ کر چل پڑا۔ وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ اس کی خوشی کی وجہ کیا تھی' کیا اس لیے کہ ہم لوگ اس جگہ سے روانہ ہو رہے تھے اور

اس کے لاشعور میں یہ احساس تھا کہ اب اسے ان اذیت ناک حالات سے نجات مل جائے گی یا پھر وہ اس لیے خوش تھا کہ میں اس کے ساتھ تھی' وجہ کچھ بھی ہو' وہ بہر حال بہت خوش تھا اور اپنی زبان میں کچھ گاتا ہوا ہم سے دو قدم آگے چل رہا تھا۔ اس وقت تقریباً دس بجے کا عمل تھا۔ دھوپ تیز ہو چکی تھی اور صحرا میں حد نظر تک ویرانی کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا مگر ہمیں دھوپ کی شدت کی کوئی پروا نہ تھی کیونکہ خالدہ کے بیان کے مطابق وہ نخلستان جہاں اس کا واقف کار مقیم تھا۔ کچھ زیادہ دور نہ تھا اور ہمیں زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے میں وہاں پہنچ جانا تھا۔

کچھ فاصلے پر درختوں کا ایک جھنڈ سا نظر آ رہا تھا۔ خالدہ نے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ساربان اس جھنڈ کے دوسری طرف موجود ہوگا چونکہ فاصلہ زیادہ نہ تھا اس لیے ہم چند منٹ میں وہاں پہنچ گئے۔ عمن عونس ہم سے چند قدم آگے تھا۔ جب ہم درختوں کے دوسری طرف پہنچے تو وہ یکا یک رک گیا پھر خالدہ بھی اچانک اس طرح ٹھہر گئی جیسے اس کے پیروں نے اٹھنے سے انکار کر دیا ہو۔ بالکل یہی حالت میری بھی ہوئی۔ یوں لگا گویا میرے قدم زمین نے پکڑ لیے ہوں۔ میری آنکھوں کے سامنے یک لخت اندھیرا چھا گیا اور کانوں میں ایسی سائیں سائیں ہونے لگی جیسے بے شمار سیٹیاں بج رہی ہوں مگر اس قیامت خیز سنسناہٹ کے باوجود میں نے ایک آواز واضح طور پر سنی' یہ آواز عمن عونس کی تھی۔ اس نے دفعتاً انتہائی دہشت زدہ آواز میں چیخ کر کہا تھا۔

''رعمیس.....!''

☆☆☆

وہ لمحات بے حد بھاری تھے' مجھے کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا' جیسے منوں وزنی بوجھ مجھ پر آ پڑا ہو کیونکہ میری سانس حلق میں گھٹنے لگی تھی اور ٹانگیں اس طرح بے جان ہو گئی تھیں کہ میرے لیے کھڑا رہنا دشوار ہو رہا تھا۔ پتا نہیں خالدہ اور عمن عونس کی کیا حالت تھی۔ یقیناً کچھ زیادہ مختلف نہ رہی ہوگی کیونکہ جو کچھ میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ وہ صرف میرے لیے ہی نہیں۔ ان کے لیے بھی قطعی غیر متوقع تھا۔ میں نے گردن گھما کر باری باری ان دونوں کو دیکھا۔ پھر میری نظر سامنے جم گئی۔ تقریباً بیس فٹ کے فاصلے پر وہ تینوں کھڑے تھے۔ لوگن' اینڈریوز اور لارڈرے۔ اینڈریوز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہی مصنوعی مسکراہٹ جو اس کے چہرے اور شخصیت سے میل نہیں کھاتی تھی۔ اس وقت اس کے شانوں پر جو چہرہ تھا' وہ بھی میرے لیے نیا تھا۔ یہ چہرہ میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا اور اس چہرے سے شدید قسم کی سنگدلی اور مکاری ہویدا تھی۔ یہ چہرہ اس شخص کا تھا جو لوگوں کو اذیت پہنچا کر لذت و مسرت حاصل کرتا ہے۔ لارڈرے' اینڈریوز کے برابر کھڑا تھا اور وہ مسکرا رہا تھا۔ مگر اس کی مسکراہٹ اینڈریوز کی مسکراہٹ سے قدرے مختلف تھی۔ اس کی مسکراہٹ میں اس شریر اور تند خو بچے کا عکس تھا۔ جو دوسرے بچے کا کھلونا توڑ کر خوش ہوتا ہے۔ وہ تینوں کچھ ایسے انداز سے ہمیں دیکھ رہے تھے جیسے کوئی دلچسپ تماشا دیکھ رہے ہوں۔ خاموشی رفتہ رفتہ گہری ہوتی جا رہی تھی۔ گہری' دبیز اور جان لیوا..... یکا یک میرے اعصاب چٹخنے لگے۔ آخر یہ لوگ خاموش کیوں ہیں' کچھ بولتے کیوں نہیں؟ میں نے بے چینی سے ہونٹوں پر زبان پھیری اور جبڑوں کو اندر سے حرکت دی۔ شاید میں کچھ کہنا چاہتی تھی۔ خاموشی کا سنگین سحر توڑنا چاہتی تھی لیکن میرے حلق سے کوئی آواز نہیں نکلی۔ باوجود خواہش' کوشش اور ارادے کے کوئی آواز نہیں نکلی۔ چنانچہ میں نے بعالم بے بسی سے خالدہ کی طرف دیکھا مگر وہ میری جانب متوجہ نہیں تھی بلکہ بے حد گہری نظروں سے اینڈریوز

اور لارڈرے کو گھور رہی تھی۔

مگر خاموشی کا عذاب مجھے زیادہ دیر برداشت نہیں کرنا پڑا۔ یکا یک لارڈرے کی گونجتی ہوئی شوخ آواز کانوں سے ٹکرائی۔ وہ عمن عونس کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

''ہیلو راجو! تم اب تک کہاں تھے؟''

اس نے یکلخت اپنے ہاتھ کو زور سے ہلایا اور اونچی لیکن تھرتھراتی ہوئی آواز میں بولا ''مم..... میں راجو نہیں ہوں۔''

''خوب.....'' لارڈرے کی شریر مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوگئی ''تو پھر تم کون ہو؟''

''مم..... میں..... عمن عونس ہوں' عمن عونس دوئم.....!''

لارڈرے کے چہرے پر معاً کچھ حیرت اور کچھ تجسس کے آثار نظر آئے۔ اس نے استفہامیہ انداز میں پہلے اینڈریوز کو اور پھر مجھے اور خالدہ کو دیکھا۔ میرے لیے اس کی نظروں کے مفہوم کو سمجھنا دشوار نہ تھا لیکن خواہش کے باوجود میں اپنی زباب کو جنبش نہ دے سکی۔ البتہ خالدہ کچھ دیر میں اپنے حواس مجتمع کر چکی تھی۔ اس نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا ''یہ اپنے ہوش میں نہیں ہے۔ بھوک' پیاس اور بیماری کے باعث اس کے حواس مفلوج ہو گئے ہیں اور یہ خود کو عمن عونس سمجھنے لگا ہے۔''

''بہت خوب!'' لارڈرے مسکراتا ہوا عمن عونس سے مخاطب ہوا۔ ''ہم بھی تو یہی کہتے تھے کہ تم عمن عونس ہو لیکن تم مانتے ہی نہ تھے'' پھر اس نے قدرے توقف کے بعد کہا ''میں تمہیں لینے آیا ہوں..... تم نے ہمارا ساتھ چھوڑ کر اچھا نہیں کیا' چلو میرے ساتھ..... سب لوگ تمہارے منتظر ہیں۔''

''مگر میں تمہارے ساتھ نہیں جانا چاہتا'' عمن عونس نے جلدی سے کہا۔

''کیوں؟''

عمن عونس نے بے بسی سے ہونٹوں پر زبان پھیری اور گردن موڑ کر مجھے دیکھا۔ جیسے اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ اس سوال کا کیا جواب دے مگر جواب دینے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ لارڈرے کے ساتھ تو نہیں جا سکتا تھا۔ بے شک اس کا ذہن ماؤف ہو چکا تھا اور یادداشت مفلوج ہوگئی تھی مگر اتنا اسے بہرحال یاد تھا کہ لارڈرے کون ہے اور یہ کہ اگر وہ اس کے ساتھ چلا گیا تو اس کا کیا حشر ہوگا؟ چنانچہ اس نے زبان سے نہیں کہا لیکن اپنے سر کو زور زور سے نفی میں جنبش دینے لگا۔ اتنی دیر میں وہ تینوں آگے بڑھ کر اور بھی نزدیک آ گئے تھے اور ہمارے اور ان کے درمیان چار پانچ قدم سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ عمن عونس کو گردن ہلاتے دیکھ کر لارڈرے کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوگئی۔ اس نے عجیب نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''مگر تمہیں چلنا پڑے گا بھتیجے! فیصلے کا اختیار تمہیں نہیں' صرف مجھے ہے۔''

''آپ اسے کہاں لے جائیں گے؟'' دفعتاً خالدہ نے پوچھا۔

لارڈرے نے فوری طور پر کچھ نہیں کہا۔ اس نے گہری نظروں سے خالدہ کو گھورا۔ کچھ ایسے انداز سے گویا یہ طے کر رہا ہو کہ کیا جواب دے پھر اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''لڑکی! بہتر ہے کہ تم دخل اندازی سے احتراز کرو' یہ معاملہ میرے اور اس کے درمیان ہے۔''

''مجھے نہیں معلوم کہ آپ کے اور اس کے درمیان کیا معاملہ ہے؟'' خالدہ نے مضبوط لہجے میں جواب دیا ''لیکن میں اتنا جانتی ہوں کہ یہ شخص بہت زیادہ بیمار ہے۔ اس کے پورے جسم پر ان گنت زخم ہیں اور یہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے۔ اسے فوری طور پر طبی امداد کی ضرورت ہے لہٰذا یہ آپ کے ساتھ نہیں جائے گا بلکہ ہم اسے ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے۔''

''کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ تم اس کوشش میں کامیاب ہو جاؤ گی؟'' لارڈ رے نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

خالدہ نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے مگر پھر چپ ہو گئی۔ شاید وہ تذبذب میں پڑ گئی تھی کہ اسے کیا کہنا چاہئے اور کیا نہیں۔ ممکن ہے وہ یہ سوچ رہی ہو کہ اسے آخری جملہ نہیں کہنا چاہئے تھا کیونکہ اس سے ہمارے ارادے کا اظہار ہوتا تھا..... جب اس نے مزید کچھ نہیں کہا تو اینڈریوز نے سرد لہجے میں پوچھا۔

''تو تم دونوں اسے ڈاکٹر کے پاس لے جا رہی تھیں؟''

''ہاں۔''

اینڈریوز نے شعلہ بار نظروں سے مجھے گھورا۔ ''کیا یہ سچ ہے موریا! کیا تم لوگ واقعی اسے ڈاکٹر کے پاس لے جا رہی تھیں؟ مگر تم نے تو کہا تھا کہ قریبی نخلستان میں سیر و تفریح کے لیے جا رہی ہو؟''

میں چپ رہی۔ ظاہر ہے کہ اس بات کا جواب دینا ممکن نہ تھا۔ چند لمحے کے توقف کے بعد اینڈریوز نے پھر کہا۔

''موریا! یہ شخص تمہیں کب اور کہاں ملا تھا؟''

اور تب پہلی بار میں نے زبان کھولی لیکن آواز حلق سے نکالنے کے لیے مجھے تمام تر اعصابی قوت صرف کرنا پڑی۔ ''کل دوپہر..... صحرا میں ملا تھا'' میں نے بمشکل یہ جملہ ادا کیا اور اپنی آواز خود مجھے اجنبی محسوس ہوئی۔

''مگر تم نے مجھے مطلع کیوں نہیں کیا تھا؟''

''میں آپ کو اطلاع دینا چاہتی تھی'' میں نے ایک بار پھر سینے کے شدید زیر و بم کے ساتھ کہا ''مگر آپ موجود نہ تھے۔''

''یہ تو بڑی عجیب بات ہے'' اینڈریوز کے ہونٹوں پر ایک ایسی استہزائی مسکراہٹ نظر آئی جسے زیادہ بہتر طور پر صرف ہونٹوں کا کھنچاؤ کہا جا سکتا تھا۔ ''میں کل شام کو موجود نہ تھا لیکن تم آج صبح مجھے مطلع کر سکتی تھیں۔ اس کے برعکس تم لوگوں نے اسے چوری چھپے یہاں سے لے جانے کا فیصلہ کیا۔ کیوں..... آخر کس لیے؟ کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گی؟''

میں چپ رہی کہ اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ میں انہیں یہ بتا سکتی تھی کہ میں نے ان کی گفتگو سن لی ہے اور تمام رازوں سے باخبر ہو چکی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ اینڈریوز اور لوگن مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہ عمن عونس یارا جولا رڈرے اور اس کے ساتھیوں کو کسی سازش میں پھنسا ہوا ہے..... ان باتوں کے ذکر کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہ ہوتا کہ میری مشکلات میں مزید اضافہ ہو جاتا۔ میں دل ہی دل میں ڈر رہی تھی کہ کہیں خالدہ ان باتوں کا تذکرہ نہ شروع کر دے۔ اس وقت بہترین حکمت عملی یہی تھی کہ ہم لوگ خاموش رہیں اور ان لوگوں کو

دھوکے میں مبتلا رکھیں۔ شاید اس طرح کوئی بہتر صورت نکل آئے۔ خالدہ نے غالباً میرے خیالات پڑھ لیے تھے۔ چنانچہ اس نے کوئی بھی نامناسب بات اپنی زبان سے نہیں نکالی۔ نہ صرف یہی بلکہ اینڈریوز اور لارڈرے نے بھی گفتگو کے دوران میں کوئی ایسی بات نہیں کہی' جس سے پتا چلتا کہ ان کے میرے متعلق کیا ارادے ہیں؟ گویا ہم دونوں ایک دوسرے کو دھوکا دے رہے تھے اور بظاہر یوں لگتا تھا کہ دونوں ہی کامیاب ہیں۔

''میں جواب کا منتظر ہوں موئرا؟'' اینڈریوز نے چند لمحے کے توقف کے بعد کہا۔

میں نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور بے بسی سے خالدہ کی جانب دیکھا۔ دراصل میرا اعتماد بالکل متزلزل ہو چکا تھا اور میرے لیے اینڈریوز کے سوال کا جواب دینا ممکن نہ تھا۔ خالدہ نے میری ذہنی کیفیت کو سمجھ لیا۔ چنانچہ وہ اینڈریوز' لوگن اور لارڈرے سے بات کرنے لگی۔ وہ اس بات پر مصر تھی کہ عمن عونس جسے لارڈرے نے راجو کہہ کر مخاطب کیا تھا' بہت زیادہ بیمار ہے اور اس کا ڈاکٹر کے پاس پہنچنا بہت ضروری ہے۔ نیز یہ کہ اگر ہم دونوں اسے ڈاکٹر کے پاس لے جا رہی ہیں تو ان لوگوں کو اعتراض کیوں ہے؟ جواب میں لارڈرے نے بتایا کہ راجو ایک خطرناک آدمی ہے' اس نے متعدد جرم کیے ہیں اور یہ کہ لندن کی پولیس اس کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ لارڈرے نے یہ بھی بتایا کہ وہ راجو کو واپس لے جائے گا تاکہ قانون کے حوالے کر سکے۔ لارڈرے صریحاً جھوٹ بول رہا تھا۔ کیونکہ چند منٹ پہلے اس نے خود ہی کہا تھا کہ وہ راجو کو عمن عونس بنانا چاہتا تھا اور یہ کہ اس کے ساتھی راجو کے منتظر ہیں۔ خالدہ پھر بھی حجت کرتی رہی کہ اگر راجو واقعی مجرم ہے تو بھی کوئی بات نہیں' وہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے جائے گی اور پھر پولیس کو مطلع کر دے گی۔

یکا یک اینڈریوز نے ہاتھ اٹھایا اور غصے سے کہا ''سنو خالدہ! زیادہ باتیں کرنے کی ضرورت نہیں' تم لوگ فوراً عمارت میں واپس چلو۔''

خالدہ نے پہلے میری طرف اور پھر عمن عونس کی طرف دیکھا پھر مضبوط لہجے میں بولی ''مگر مسٹر اینڈریوز! آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس شخص کی حالت.....''

اینڈریوز نے خالدہ کی بات کاٹ دی اور ایک بار پھر اسے واپس چلنے کا حکم دیا۔ ہمارا راستہ مسدود ہو چکا تھا اور ہم لوگ اینڈریوز اور لارڈرے کے حکم کی تعمیل کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ تو آخر کار یہ ہے انجام' میں نے بے بسی سے سوچا۔ ہم لوگ واپس چلے جائیں گے پھر اینڈریوز مجھے قتل کر دے گا اور لارڈرے عمن عونس کو لے جائے گا اور اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ نہ صرف یہی بلکہ خالدہ بھی ان لوگوں کی سفاکی اور بہیمیت کی بھینٹ چڑھ جائے گی۔ صرف اس جرم میں کہ اس نے ہم دونوں کی مدد کرنے کی کوشش کی۔ موت کا تصور بڑا اذیت ناک ہوتا ہے۔ میں نے حد درجہ بے کسی کے ساتھ پہلے عمن عونس کی طرف اور پھر خالدہ کی طرف دیکھا۔ وہ میری ہی جانب دیکھ رہی تھی۔ ہماری نظریں لمحے بھر کے لیے ملیں' پھر ہم دونوں واپسی کے لیے مڑیں۔

میں تو خیر ایک سیدھی سادی لڑکی ہوں' خاصی بزدل اور کمزور لیکن لارڈرے اور اینڈریوز نے خالدہ کے بارے میں جو بھی اندازے لگائے تھے' وہ غلط تھے۔ وہ لوگ بھول گئے تھے کہ خالدہ اسکاٹ لینڈ کے کسی چھوٹے سے قصبے میں پلی ہوئی بے وقوف لڑکی نہیں۔ ایک مصری عورت ہے' صحرا کی بیٹی۔ وہ اتنی آسانی سے بازی ہارنے والی نہیں تھی۔ وہ ایک نڈر' سخت کوش اور ذہین عورت تھی' صحرا نے اس کی شخصیت میں اعتماد اور مقابلے کی صلاحیت

پیدا کردی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اسے کب اور کیا کرنا ہے چنانچہ اس وقت بھی اس نے وہی کیا جو اسے کرنا چاہئے تھا۔ وہ اچانک تیزی سے جھکی پھر میں نے اسے اٹھ کر گھومتے ہوئے دیکھا' کچھ اتنی سرعت سے جیسے برق چمکتی ہے' دوسرے لمحے میرے کانوں میں اس کی آواز گونجی۔

''بھاگو.....!''

لمحے بھر کے لیے میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا لیکن جب خالدہ دوسری بار چیخی' تب صورت حال مجھ پر واضح ہوئی۔ دراصل خالدہ نے مٹھیوں میں ریت بھر کر لارڈ رے اور اینڈریوز کے چہروں پر زور سے ماری تھی۔ چونکہ ان لوگوں کو خالدہ کی طرف سے ایسے کسی آرام کی توقع نہیں تھی لہٰذا ریت ان کی کھلی ہوئی آنکھوں میں پڑی۔ وہ لوگ بری طرح چیخنے لگے۔ خالدہ نے اتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا۔ اس نے دوسری بار چیخ کر مجھ سے بھاگنے کے لیے کہا اور پھر مزید ریت مٹھیوں میں بھر بھر کر اینڈریوز وغیرہ کے چہروں پر مارنے لگے۔ وہ بطور خاص آنکھوں کو نشانہ بنا رہی تھی۔ اس کی کوششیں رائیگاں نہیں گئیں۔ ریت نے ان تینوں کو وقتی طور پر اندھا کر دیا۔ وہ لوگ دیوانوں کی طرح سے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مار رہے تھے اور بری طرح چیخ رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ ہم تینوں کو غلیظ گالیاں بھی دے رہے تھے۔ میں اور عمن عونس بے تحاشا ایک طرف بھاگنے لگے۔ میں تو خیر بے حد خوف زدہ تھی کی لیکن عمن عونس کی حالت مجھ سے بھی بدتر تھی۔ بھاگنے کے دوران میں اسے کئی بار ٹھوکر لگی اور وہ زمین پر گرا مگر ہر بار پھرتی سے اٹھ کر دوڑنے لگا۔ اس کے منہ سے عجیب عجیب آوازیں بھی نکل رہی تھیں۔ جنہیں سمجھنے سے میں قطعی قاصر تھی' شاید وہ اپنی زبان میں بڑبڑا رہا تھا۔ کچھ دیر میں ہم کوئی سو گز دور چلے گئے۔ پھر میں رک گئی اور خالدہ کا انتظار کرنے لگی۔ عمن عونس سخت مضطرب اور خوف زدہ تھا۔ اس نے چیخ کر کہا۔

''سیتامن! تم کیوں رک گئیں؟''

''ٹھہرو' ہمیں خالدہ کا انتظار کرنا ہے۔'' میں نے چڑ کر جواب دیا۔

پھر چند منٹ بعد میں نے خالدہ کو تیز تیز قدموں سے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔

ہونی کے رمز کو آج تک کوئی نہیں سمجھا۔ انسان محض کٹھ پتلی ہے۔ قسمت کے نادیدہ ہاتھ اسے ہر دم نچاتے رہتے ہیں۔ وہ بہت کچھ سوچتا ہے' بہت کچھ کرنا چاہتا ہے لیکن ہر کام اس کی خواہش کے مطابق نہیں ہوتا۔ توقعات کی ناکامی بھی بہر حال فطری امر ہے۔ خالدہ اور میں نے جو قدم اٹھایا تھا' ہر چند کہ اضطراری فیصلے کا نتیجہ تھا' مگر ہمیں توقع تھی کہ مزید کسی دشواری کا سامنا کیے بغیر ہم اس قصبے میں پہنچ جائیں گے جہاں خالدہ کا واقف کار مقیم تھا۔ پھر اس کے بعد قانون کی پناہ حاصل کرنا مشکل نہ ہوگا۔ ہمارے لیے بہتر یہی تھا کہ اپنی جان جانے کی جدوجہد خود کرنے کے بجائے یہ ذمے داری قانون کے ہاتھوں میں سونپ دیں۔ یہ خالدہ کا مشورہ تھا اور مجھے اس سے اختلاف کی کوئی گنجائش نظر نہیں آئی مگر یہ محض ریت کا گھروندہ تھا جس کی بنیادیں بہت کمزور تھیں۔ اور ہوا کے ایک ہی جھونکے سے یہ گھروندا تباہ ہو سکتا تھا۔ انجام کار ہوا بھی یہی' ریت کا گھروندا اچانک زمیں بوس ہو گیا۔

جب لارڈ رے اور اینڈریوز کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ہم لوگ فرار ہوئے تھے تو خالدہ کو یقین تھا کہ

وہ لوگ جب تک ہمیں تلاش کرنے یا پکڑنے کی کوشش کریں گے' اس وقت تک ہم لوگ مذکورہ قصبے میں پہنچ جائیں گے کیونکہ وہ قصبہ زیادہ دور نہیں تھا۔ خالدہ کے بیان کے مطابق زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے کی مسافت پر تھا۔ چنانچہ ہم تینوں نے ممکنہ حد تک تیز قدموں سے چلنا شروع کیا۔ سورج دم بدم بلند ہوتا جا رہا تھا مگر ہم لوگ چلتے رہے۔ خالدہ کو سمتوں کا پورا اندازہ تھا اور اسے پورا یقین تھا کہ ہمیں کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا کیونکہ لارڈ رے وغیرہ کو بالکل علم نہیں تھا کہ ہم لوگ کس سمت میں اور کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مگر ایسا ہوا نہیں' بدقسمتی راستے میں کھڑی تھی' چار افراد کی شکل میں' تین مرد تھے اور ایک عورت تھی۔ غنیمت یہ ہوا کہ ہم نے انہیں اسی وقت دیکھ لیا جب وہ کافی فاصلے پر تھے اور درمیان میں ایک اونچا ٹیلا ہونے کے باعث وہ ہمیں نہیں دیکھ سکے تھے۔ مجھے علم نہیں کہ وہ افراد کون تھے؟ اور یہ کہ ان کا کوئی تعلق لارڈ رے سے تھا نہیں۔ مگر اس کی ضرورت نہیں تھی۔ ان افراد پر نظر پڑتے ہی راجو کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی چیخ نکلی۔ پھر میں نے اسے معاً مخالف سمت میں بھاگتے دیکھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس کی چیخ کی آواز اتنی ہلکی تھی کہ ان افراد تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ میں نے اور خالدہ نے دو ایک بار دبے لہجے میں اسے پکارا مگر راجو نے کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ خاصی تیز رفتار سے بھاگتا چلا گیا۔ مجبوراً مجھے اور خالدہ کو بھی اس کی تقلید کرنی پڑی۔ پتا نہیں وہ لوگ کون تھے اور وہاں کیا کر رہے تھے۔ لیکن یہ طے ہے کہ راجو نے انہیں پہچان لیا تھا ورنہ اس طرح سراسیمہ ہو کر نہ بھاگتا!

راجو بہرحال مرد تھا اور اس کی رفتار بہرحال اتنی تیز تھی کہ ہم اسے نہیں پکڑ سکے۔ کچھ ہی دیر میں وہ کافی دور نکل گیا۔ خالدہ نے اسے چند ایک بار..... اور پکارا' اس نے خالدہ کی آواز نہیں سنی اور اگر سنی تو نظر انداز کر دی۔ مجھے اس پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ ایک دیوانے شخص کو سنبھالنا ویسے بھی دشوار ہوتا ہے لیکن اس وقت تو وہ اور بھی تکلیف دہ بوجھ بن جاتا ہے۔ جب اس کی حماقتوں یا دیوانگی کے باعث طے شدہ منصوبے میں خلل پڑ جائے۔ مجھے یہ فکر بھی تھی کہ اس کے زخم جو ابھی مندمل نہیں ہوئے تھے۔ کہیں پھر نہ بگڑ جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو کیا ہوگا' تو کیا ہوگا؟ مجھے معلوم تھا کہ راجو اور موت کے درمیان کچھ زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ اگر اس بار اس کے زخم خراب ہو گئے یا اس کی ذہنی حالت اور بگڑ گئی تو پھر اس کا بچنا محال ہوگا۔ یہ تشویش بالآخر غصے میں بدل گئی اور میں نے چلا کر کہا۔

''راجو! رک جاؤ' یو سوائن..... سن آف.....''

خالدہ نے مجھے گھورا ''آہستہ بولو' اسے گالی دینے کی کیا ضرورت ہے؟''

''تو پھر وہ رکتا کیوں نہیں؟'' میں نے جھنجلا کر کہا۔

''شاید وہ بہت ڈر گیا ہے'' خالدہ نے جواب دیا۔

بالآخر راجو ایک جگہ رک گیا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ کیوں رکا۔ تھک گیا تھا یا ہم لوگوں کے خیال سے رکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت تھی اور سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ ہم دونوں قریب پہنچے تو وہ عجیب بے معنی لیکن وحشت بھری نظروں سے ہمیں گھورنے لگا۔

خالدہ نے تلخ لہجے میں پوچھا ''راجو' تم بھاگے کیوں تھے؟''

راجو نے جواب دینے سے پہلے فرداً فرداً ہم دونوں کو دیکھا۔ پھر اس کی نگاہ اس جانب اٹھ گئی جہاں وہ چاروں افراد نظر آئے تھے۔ وہ لوگ اب نظر نہیں آ رہے تھے۔ خالدہ نے جب اپنا سوال دہرایا تو وہ پھولتی ہوئی

سانسوں کے زیر و بم میں بولا ''وہ.....وہ.....وہ لوگ.....وہ لوگ.....''

''کیا تم ان لوگوں کو جانتے ہو؟'' میں نے متجسس ہو کر پوچھا۔

اس نے اثبات میں گردن ہلائی تو خالدہ نے کہا ''کون ہیں وہ لوگ؟''

راجو نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر پھر بند کر لیا۔ اس کے چہرے پر الجھن اور کشمکش کے آثار تھے جیسے وہ کچھ کہنا تو چاہتا ہو لیکن یہ طے کرنے سے قاصر ہو کہ کیا کہے اور کیسے کہے؟ نیم پاگل اور مخبوط الحواس افراد کے شعور اور لاشعور میں یہ کشمکش ہر وقت جاری رہتی ہے۔ وہ بہت سی چیزوں کو جان لیتے ہیں' سمجھ لیتے ہیں لیکن زبان سے بیان نہیں کر پاتے۔ اس وقت بھی ایسی ہی صورت تھی' وہ اس خطرے کو پوری طرح محسوس کر رہا تھا جو ان چار افراد کی شکل میں موجود تھا لیکن وہ اس کے اظہار سے قاصر تھا چنانچہ وہ کچھ نہیں کہہ سکا۔ بے بسی سے ہم دونوں کے چہرے دیکھنے لگا۔

لمحے بھر توقف کے خالدہ نے پوچھا ''کیا وہ لوگ لارڈرے کے آدمی ہیں؟''

راجو نے ایک بار پھر ہم دونوں کو باری باری دیکھا' وہی کھوئی کھوئی اور لایعنی نظریں' جیسے اس کے ذہن کے اندر بدستور اتھل پتھل مچی ہوئی ہو۔ پھر اس نے زبان کھولی مگر خالدہ کے سوال کا جواب دینے کے بجائے صرف اتنا کہا ''یہاں سے چلو۔''

''ٹھہرو!'' خالدہ نے مضطرب ہو کر کہا ''ہم کسی اور طرف نہیں جا سکتے۔ ہمیں اسی طرف جانا ہوگا!'' یہ کہہ کر اس نے اس سمت اشارہ کیا جدھر وہ چاروں افراد نظر آئے تھے!

''نہیں.....نہیں.....نہیں!'' راجو نے کسی چھوٹے سے بچے کی طرح تکرار کرتے ہوئے کہا۔ پھر وہ تیزی سے پیچھے ہٹا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے دائیں جانب دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں کی وحشت کچھ اور بڑھ گئی تھی' چہرے پر شدید کشمکش کے آثار تھے اور دیکھنے کا انداز ایسا تھا جیسے دائیں جانب چند فٹ کے فاصلے پر کوئی شے موجود ہو۔ ہم دونوں متعجب ہو کر اسے گھورنے لگیں۔ راجو چند ثانیے دائیں جانب گھورتا رہا پھر اس نے ہونٹوں پر زور زور سے زبان پھیری اور دونوں ہاتھوں کو زور زور سے ہلایا جیسے کسی شخص کو کسی خاص حرکت سے روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کے بعد اس نے پھر وہی تکرار کی ''نہیں.....نہیں.....نہیں.....''

''کیا بات ہے راجو.....'' میں نے جلدی سے پوچھا۔

راجو نے چونک کر یوں مجھے دیکھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا ''یہاں سے چلو.....فوراً چلو.....''

''ٹھہرو راجو! ذرا ٹھہرو' مجھے ایک منٹ.....''

لیکن راجو نے خالدہ کو بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ یکا یک پھر تیز قدموں سے بھاگنے لگا۔ خالدہ سخت برافروختہ ہو رہی تھی۔ خود مجھے بھی راجو پر بہت غصہ آ رہا تھا۔ بے وقوف' کم بخت' پاگل مگر ہم دونوں کچھ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ راجو تیز تیز قدموں سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ وہ بہت ہراساں نظر آ رہا تھا اور اس کی ہر ادا سے صاف عیاں تھا کہ وہ خود نہیں چل رہا ہے' خود بخود چل رہا ہے۔ کوئی انجانی' ان دیکھی شے اسے چلا رہی ہے۔ مگر وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ پھر وہ شے کیا ہو سکتی تھی؟ ذہن کی کوئی بہکی ہوئی رو یا خوف کا کوئی جذبہ.....اس کے سوا

اور کوئی سبب نہیں ہوسکتا تھا۔ میں نے اور خالدہ نے اسے کئی آوازیں دیں' اسے روکنے کی حتی الامکان کوشش کی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ راجو سنی ان سنی کر کے آگے بڑھتا چلا گیا۔

سورج اب کھلے آسمان کے عین وسط میں پہنچ چکا تھا اور دھوپ کی تیزی میں معمول کے مطابق اضافہ ہو گیا تھا۔ حد نظر تک پھیلے ہوئے ویرانے کی وحشت دوپہر کے سناٹے میں کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ دور تک کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اگر آسمان پر اکا دکا پرندے نہ ہوتے تو کہیں بھی زندگی کے کوئی آثار نظر آتے۔ میں ذہن کے اندر ابھرنے والے ان گنت سوالوں میں الجھتی اور غیر ارادی طور پر اپنے آپ سے لڑتی ہوئی خود کو گھسیٹتی رہی۔ اس وقت ایک ایک قدم اٹھانا دشوار ہو رہا تھا۔ جسم کے بوجھ کا اندازہ عام حالات میں نہیں ہوتا۔ بس کبھی کبھار ہی ایسے مواقع آتے ہیں جب اپنے جسم کا وزن خود اپنے لیے عذاب بن جاتا ہے۔ میرا جی کر رہا تھا کہ کچھ دیر کے لیے کہیں رک کر ستالوں مگر یہ ممکن نہ تھا کیونکہ راجو سب سے آگے چل رہا تھا اور اس کی رفتار بدستور تیز تھی۔ اس نے ہماری آواز پر کوئی دھیان نہیں دیا تھا اور بدستور آگے ہی آگے چلتا رہا تھا۔ اس کے اس طرح بھاگنے کا ایک نقصان یہ بھی ہوا تھا کہ ہمیں سمتوں کا کوئی اندازہ نہیں رہا تھا۔ ہمیں جانا کسی اور طرف تھا لیکن چلے کسی اور طرف گئے تھے۔ یہ بھی اندازہ نہیں رہا تھا کہ ہم نے کتنا فاصلہ طے کر لیا ہے۔ دو میل' چار میل یا چھ میل..... ممکن ہے' اس سے بھی زیادہ' اب ہم ریگستان کے جس حصے میں سفر کر رہے تھے' وہ بے حد اجاڑ تھا اور یقیناً صحرا میں واقع بستیوں کے راستے میں نہیں پڑتا تھا کیونکہ اس طرف ایسے کوئی آثار نہیں تھے جن سے قافلوں کی آمد و رفت کا کوئی ثبوت ملتا۔ اس حصے میں چھوٹی چھوٹی خشک جھاڑیاں بکثرت تھیں۔ زمین نہ صرف ناہموار تھی بلکہ کہیں ٹھوس تھی اور کہیں ریتلی۔ چھوٹے بڑے ٹیلوں کا سلسلہ بھی اطراف میں پھیلا ہوا تھا۔ کچھ ٹیلے اور گڑھے ایسے بھی تھے' جو بظاہر قدرتی نہیں نظر آتے تھے بلکہ ان کی مجموعی اہمیت قدیم آثار سے مشابہ دکھائی دیتی تھی اور ہر چند کہ وثوق سے کچھ کہنا مشکل تھا مگر یہ عین ممکن تھا کہ ماضی بعید کے کسی دور میں اس جگہ بھی کوئی آبادی رہی ہو جو وقت کے ہاتھوں لٹ کر پیوند زمین ہو چکی ہو۔

ہمارا سفر کچھ دیر جاری رہا۔ پھر آخر کار راجو ایک جگہ ٹھہر گیا۔

''اب کیا کریں؟'' یہ بات میں نے اس وقت کہی جب میں خالدہ کے پاس پہنچی۔ راجو ایک ٹیلے کی آڑ میں بیٹھ گیا تھا اور وحشت بھری نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ خالدہ نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا اور وہ بہت برہم اور متفکر نظر آ رہی تھی۔ اس نے گردن گھما کر تند و تلخ نظروں سے راجو کو گھورا پھر میری جانب دیکھ کر بولی۔

''پانی پیو' مگر زیادہ مت پینا ورنہ تڑکا لگ جائے گا'' یہ کہہ کر وہ خود ہی چھاگل کھولنے لگی۔

ٹھنڈا' میٹھا اور جاں فضا پانی حلق سے نیچے اترا تو یوں لگا جیسے زندگی کی لہریں رگ رگ میں دوڑنے لگی ہیں۔ اس تپتے ہوئے صحرا میں اگر پانی ہمارے پاس نہ ہوتا تو نہ جانے کیا حشر ہوتا۔ مگر غنیمت یہ تھا کہ ہم پانی کی کئی چھاگلیں لے کر چلے تھے' کچھ کھانے کی اشیا بھی تھیں اور جب تک ہمارے پاس پانی موجود تھا' تب تک گویا زندگی کی ضمانت موجود تھی۔ میں نے صرف دو گھونٹ لیے پھر دو گھونٹ راجو کو دیے۔ اس دوران میں خالدہ متجسس آمیز نظروں سے گرد و پیش کا جائزہ لیتی رہی تھی۔ میں نے ایک بار پھر اس سے کہا۔

''خالدہ! تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔''

''کیا جواب دوں؟'' خالدہ نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا ''میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

''کیوں.....؟''

''حالات کی ڈور ہمارے ہاتھ سے نکل چکی ہے'' خالدہ سوچ سوچ کر اور ٹھہر ٹھہر کر کہنے لگی ''جب ہم قصبے سے روانہ ہوئے تھے تو حالات ہمارے حق میں تھے اور ہم بغیر کسی پریشانی کے اب تک جلالی پہنچ بھی چکے ہوتے۔ مگر ایسا نہیں ہوسکا۔ خدا جانے دو چار افراد کون تھے؟ جو صحرا میں نظر آئے تھے' انہیں دیکھ کر راجو بھاگ نکلا اور ایسا بھاگا کہ اب ہم یہاں پہنچ گئے ہیں۔ صحرا کا یہ کون سا حصہ ہے۔ میں اس علاقے سے قطعی واقف نہیں ہوں اور نہ ہی یہاں سے سمتوں کا کوئی اندازہ کرسکتی ہوں' البتہ ایک اندازہ ضرور کرسکتی ہوں اور وہ یہ کہ قریب ترین آبادی بھی یہاں سے میلوں دور ہوگی اور یہ سب کچھ اس شخص کی وجہ سے ہوا ہے'' اتنا کہہ کر خالدہ نے انتہائی غصے سے راجو کو گھورا۔

غیر ارادی طور پر میری نگاہ بھی راجو کی جانب اٹھ گئی۔ وہ بدستور چپ چاپ بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ ایسی لاتعلقی سے گویا اسے کسی بات سے کوئی سروکار نہ ہو۔ یکا یک مجھے اپنے آپ پر غصہ آیا۔ کسی قدر حماقت سرزد ہوئی ہے' آخر اس سارے چکر میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ خالدہ اور راجو کو مطلع کیے بغیر اگر چپ چاپ نکل گئی ہوتی تو اس عذاب سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔ مگر اب کیا ہوسکتا تھا جیسا کہ خالدہ نے کہا تھا۔ حالات کی ڈور ہمارے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

''اب راجو پر خفا ہونے سے کچھ حاصل نہیں' وہ اپنے ہوش میں نہیں ہے' اس کے علاوہ ایک اور بات بھی ہے۔''

''کیا.....!''

اور تب وہ بات میری زبان آ گئی جو کافی دیر سے مجھے پریشان کر رہی تھی۔ میں نے کہا ''خالدہ! تم نے راجو کو بھاگتے ہوئے دیکھا تھا' مجھے اس کے چلنے کے انداز سے ایسا لگتا تھا جیسے وہ خود نہیں چل رہا ہے بلکہ خود بخود چل رہا ہے۔''

خالدہ نے چونک کر مجھے گھورا ''تمہارا مطلب ہے کہ وہ اس طرف خود نہیں آیا ہے بلکہ.....''

''ہاں.....'' میں نے گردن ہلائی ''مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی انجانی' ان دیکھی شے اسے اس سمت میں چلنے پر مجبور کر رہی تھی۔''

خالدہ نے برا سا منہ بنایا ''بیکار باتیں مت کرو موئرا! یہ محض اس کا دماغی خلل ہے اور کچھ نہیں۔''

میں چپ ہوگئی۔ خالدہ سے بحث کرنا بیکار تھا۔ کیونکہ میرے پاس اپنے شبہے کو ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل نہیں تھی۔ پھر میں بھی ایک ٹیلے کی آڑ میں بیٹھ گئی۔ اس وقت میری جسمانی خستگی عروج پر تھی۔ ٹانگوں کا ایک ایک جوڑ دکھ رہا تھا اور سینے کے اندر گویا آگ سی دہک رہی تھی۔ گو میں نے خالدہ کو راجو پر ناراض ہونے سے منع کیا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود مجھے بھی راجو پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ اگر وہ کم بخت اس طرح دہشت زدہ ہو کر نہ بھاگا ہوتا تو ہمیں ایسی جان لیوا صورت حال سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔ میں نے غیر ارادی طور پر بے حد کینہ توز نظروں سے راجو کو گھورا' پھر گردن گھما کر خالدہ کو دیکھنے لگی جو گرد و پیش کا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔ چند منٹ

بعد ادھر ادھر گھوم کر وہ بھی میرے پاس آ کر بیٹھ گئی اور تفکر آمیز لہجے میں کہنے لگی۔

''مجھے ایک بات اور بھی پریشان کر رہی ہے۔''

''کیا.....؟''

''سوال یہ ہے کہ لارڈرے کو ہمارے فرار کا علم آخر کیونکر ہوا تھا؟''

''یہ واقعی تعجب کی بات ہے'' میں نے اتفاق کرتے ہوئے کہا ''ہم نے ہر ممکن احتیاط کی تھی اور ایسی کوئی بات نہیں کی تھی، جس سے انہیں کسی قسم کا شبہ ہوتا۔ ہمارے ارادوں کا علم ہم دونوں کے سوا کسی کو نہیں تھا۔ پھر بھی وہ ہمارا راستہ روکنے کے لیے جھونپڑی میں موجود تھے اور ان کے رویے سے صاف پتا چلتا تھا کہ انہیں ہمارے منصوبے کا علم تھا۔''

خالدہ نے گردن ہلائی۔ ''تم ٹھیک کہتی ہو اور یہی بات مجھے پریشان کر رہی ہے۔ آخر انہیں کیسے علم ہو سکتا ہے۔''

میں چپ رہی، چند لمحے سکوت کے بعد خالدہ نے خود کہا ''خیر وجہ کچھ بھی ہو، مگر یہ بہت برا ہوا۔ کیونکہ اتنی دیر میں ان کے آدمی چاروں طرف پھیل چکے ہوں گے۔ اگر ہم لوگ قصبہ جلدی پہنچ گئے ہوتے، تب تو دوسری بات ہوتی مگر اب صورت حالات بدل ہے۔ وہ لوگ ہمیں تلاش کر رہے ہوں گے اور ان سے بچ کر صحرا سے نکل جانا ہمارے لیے آسان نہ ہوگا۔''

میں نے سہم کر خالدہ کی شکل دیکھی، خوف کی ایک ٹھنڈی لہر میری ریڑھ کی ہڈی میں دوڑتی چلی گئی۔ خالدہ کو یہ بات نہیں کہنی چاہئے، اگر موت کا ذکر نہ کیا جائے تو موت کا خوف کم ہو جاتا ہے۔ یہ احساس تو میرے ذہن میں بھی موجود تھا کہ ہمارے مصائب میں اضافے کا آغاز ہو چکا ہے۔ پھر خالدہ کو کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر بات کا رخ بدلنے کے لیے کہا۔

''ان چاروں افراد کے بارے میں جو صحرا میں ملے تھے، تمہارا کیا خیال ہے؟''

''ان کے بارے میں ایک بات تو قطعی یقین سے کہی جا سکتی ہے۔''

میں نے استفہامیہ نظروں سے خالدہ کو گھورا۔

''وہ چاروں یا تو لارڈرے کے آدمی ہوں گے اور یا پھر مسٹر اینڈریوز کے!'' خالدہ نے جواب دیا ''اگر ایسا نہ ہوتا تو راجو انہیں دیکھ کر خوف زدہ ہو کر نہ بھاگتا اور میں سمجھتی ہوں کہ ان لوگوں کا وہاں موجود ہونا خالی از علت نہیں بلکہ ممکن ہے کہ ہمارے فرار ہونے کے بعد لارڈرے نے ان لوگوں کو اور اپنے دوسرے آدمیوں کو ہماری تلاش میں روانہ کیا ہو۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے'' میں نے اتفاق کیا پھر ذرا ٹھہر کر پوچھا ''مگر سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں گے؟''

خالدہ نے میری جانب بے حد دوستانہ نظروں سے دیکھا۔ مسکرائی، پھر کہنے لگی ''موئر!! تم نے تیسری بار یہ سوال کیا ہے حالانکہ یہ جواب طلب نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں نہیں بیٹھے رہیں گے، ہمیں چلنا ہی پڑے گا۔ سمتوں کا کوئی اندازہ نہیں ہے، قسمت پر بلکہ یوں کہو خدا پر بھروسا کرنا پڑے گا۔ ہم یہاں سے مشرق کی سمت چلیں

گے شاید اس طرف کوئی بستی مل جائے' ہم تن تنہا کچھ نہیں کر سکتے ہمیں مدد حاصل کرنا ہوگی اور ظاہر ہے کہ مدد کسی قصبے ہی میں مل سکتی ہے۔''

''اور اگر لارڈ رے کے آدمی مل گئے تو.....؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی میری زبان سے نکل گیا۔

خالدہ مسکرائی پھر بے حد سکون سے بولی ''تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے' وہ لوگ ہمیں تلاش کر رہے ہیں اور ہماری کوشش یہ ہوگی کہ ان کی نظروں سے بچے رہیں گویا یہ آنکھ مچولی کا کھیل ہے اور دیکھنا یہ ہے کہ جیت کس کے حصے میں آتی ہے۔''

ہم لوگ جس جگہ بیٹھے تھے' وہاں اتفاق سے سایہ کافی تھا۔ مگر دھوپ سے ہی بچت تھی۔ تپتی ہوئی ہوا سے بچاؤ ممکن نہ تھا' فضا میں بلا کی حدت تھی۔ لگتا تھا ہر سو نا دیدہ شعلے دہک رہے ہیں۔ چونکہ اس حالت میں مزید سفر کرنا ممکن نہ تھا اس لیے ہم نے وقت وہیں گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں پاؤں پھیلا کر ذرا آرام سے نیم دراز ہوگئی اور آنکھیں بند کر لیں۔ میری حالت رفتہ رفتہ بہتر ہو رہی تھی' خود اعتمادی بحال ہوتی جا رہی تھی اور یہ محض خالدہ کے طفیل ہوا تھا۔ حالانکہ میری طرح وہ بھی عورت ہی تھی مگر کتنی مختلف.....ان حالات میں بھی اس کے اوسان پوری طرح بحال تھے' خوف کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ میں نے مصری قوم کی بہادری کے ان گنت قصے سنے تھے۔ خاص طور پر عرب اور مصری عورتوں کے جرأت آمیز کارنامے تو اکثر کتابوں میں میری نظر سے گزرے تھے جن پر پہلے مجھے کچھ زیادہ یقین نہ آیا تھا مگر ایک زندہ مثال میرے سامنے موجود تھی۔ میں سوچنے لگی کہ اگر خالدہ ہمارے ساتھ نہ ہوتی تو مسٹر اینڈریوز کو مجھے قتل کرنے کے لیے زیادہ جدوجہد نہ کرنا پڑتی۔ حد نظر تک پھیلے ہوئے اس بے آب و گیاہ ویرانے میں دہشت کے باعث میں خود ہی مر جاتی۔ مگر خالدہ ہی تھی' جو نہ صرف مجھے اور راجو کو ان لوگوں کے چنگل سے نکال لائی تھی بلکہ صحرا میں ہماری رہنمائی بھی کر رہی تھی۔ اس نے ٹھیک کہا تھا۔ یہ آنکھ مچولی کا کھیل ہے' وہ ہمیں ڈھونڈ رہے ہیں۔ ہم ان سے چھپ رہے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ جیت کس کی ہوتی ہے۔ اس لمحے جب میں یہ سب کچھ سوچ رہی تھی' مجھے یہ خیال بھی آیا کہ خالدہ نے کہا تھا کہ ہمت ہارنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس کا کہنا ٹھیک تھا' ایسے نہیں چھوڑنا چاہئے۔ جب کھیل شروع ہو ہی چکا ہے تو پھر ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہئے۔ ضروری تو نہیں کہ جیت انہی کے حصے میں آئے' ممکن ہے ہم لوگ انہیں مات دینے میں کامیاب ہو جائیں۔ یہ خیال بڑا ولولہ انگیز تھا' مجھے یکا یک بڑی تقویت سی ملی اور میں نے آنکھیں کھول کر خالدہ کی طرف دیکھا۔

وہ راجو کے پاس چلی گئی تھی اور اس کے زخموں کا جائزہ لے رہی تھی' پھر میں بھی اٹھ کر اس کے پاس چلی گئی۔ راجو کے زخم اس بھاگ دوڑ میں بگڑ گئے تھے۔ ان میں سے خون رسنے لگا تھا مگر حالت اتنی خراب نہیں تھی' جتنی اس وقت تھی جب وہ مجھے صحرا میں ملا تھا۔ خالدہ نے اسے کھانے کے لیے ایک دو پھل دیے اور پھر اس کے زخموں کی دیکھ بھال میں جت گئی۔ راجو لاتعلقی سے نیم دراز سیب کھاتا رہا۔ خالدہ اور میں نے مل کر اس کے زخم صاف کیے اور ان پر دوا لگائی۔ وہ دوا واقعی بہت اچھی تھی۔ باوجود اس کے کہ بھاگ دوڑ کے باعث زخم کھل گئے تھے مگر ان کی حالت بہت بہتر تھی اور صاف پتا چلتا تھا کہ تیزی سے مندمل ہو رہے ہیں۔ جب ہم دوا لگا کر فارغ ہوگئے تو وہیں راجو کے پاس بیٹھ گئے اور پھر خالدہ نے بے حد نرم لہجے میں مسکرا کر راجو کو مخاطب کیا۔

''راجو!.....یہی تمہارا نام ہے نا.....؟''

راجو نے جھٹکے سے گردن گھمائی اور تعجب سے خالدہ کو گھورا ''ہاں.....مگر میں عمن عونس دوئم ہوں۔''

''ہاں' مجھے معلوم ہے'' خالدہ بدستور مسکراتی رہی' اس نے راجو کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا ''مگر وہ موٹا شخص کون تھا؟''

''وہ.....وہ.....'' راجو نے بے بسی سے ہونٹوں پر زبان پھیری ''وہ میرا چچا تھا' رعمیس.....''

''اگر وہ تمہارا چچا ہے تو پھر تم اس سے ڈرتے کیوں ہو اور وہاں سے فرار کیوں ہوئے؟'' میں نے چپکے سے پوچھا۔

یہ سوال راجو کے لیے بڑا مشکل تھا کیونکہ اس کی آنکھوں میں شدید الجھن کے آثار نظر آئے۔ ایسا لگا جیسے اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہ ہو' وہ کئی لمحے تک بے بسی سے ہاتھ ملتا رہا پھر ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔

''مجھے.....مجھے دراصل بہت ڈر لگتا ہے۔''

''کیوں؟''

''پتا نہیں.....'' راجو نے زیادہ نروس ہو کر کہا۔

''کس سے ڈر لگتا ہے؟'' خالدہ نے اس کے ہاتھ پر اس طرح تھپکی دی جیسے اس کا حوصلہ بڑھا رہی ہو۔

''ان سب لوگوں سے' رعمیس سے اور نیفا سے اور.....اور اس سے جو مر گئی تھی' ہاں اس سے مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔''

''کون مر گئی تھی.....؟'' میں نے معاً چونک کر پوچھا۔

''وہ.....وہ.....جو میرے ساتھ تھی'' راجو اٹک اٹک کر کہنے لگا ''وہ بہت خوبصورت تھی مگر مجھے اس سے بڑا ڈر لگتا تھا' پتا نہیں کیوں مگر مجھے اس کی ہر بات عجیب لگتی تھی' ہر بات پر دھوکا ہوتا تھا' پھر وہ مر گئی.....اور میں وہاں سے بھاگ آیا۔''

''وہ مری کیسے تھی۔''

''میں نے اسے مار ڈالا تھا۔''

''کیوں؟''

''پتا نہیں!'' راجو اور زیادہ بے بسی سے گردن ہلانے لگا ''بس اچانک میرے دل میں آیا کہ اسے مار ڈالوں چنانچہ میں نے اس کا گلا دبا دیا اور پھر بھاگ آیا۔''

''اس کا نام کیا تھا؟'' خالدہ کا لہجہ بدستور نرم اور مہربان تھا۔

''اس کا نام.....؟'' راجو نے بے چینی اور تذبذب سے کنپٹی پر انگلی پھیرنے لگا۔ اس کی آنکھیں سکڑ کر چھوٹی ہو گئیں اور ان میں ناچتی ہوئی خوف کی جھلکیاں کچھ اور گہری ہو گئیں ''اس کا نام.....ہاں.....ہاں.....یاد آیا' اس کا نام افریٹی تھا۔''

''افریٹی.....'' خالدہ نے تعجب سے پوچھا ''کون تھی وہ؟''

''وہ ارفینا کی بیٹی تھی۔''

''اور ارفینا کون تھا؟''

''وہ میرے دربار کا شاہی پجاری تھا۔''

راجو کی باتیں بدستور بہکی ہوئی اور بے ربط تھیں۔ ان کا کوئی سر پیر نہیں تھا اور اگر کوئی سر پیر تھا بھی تو وہ ہمارے فہم و ادراک سے بالاتر تھا۔ خالدہ نے ہر چند کہ بڑی ہوشیاری سے گفتگو کی تھی' اس نے بلا تکلف مان لیا تھا کہ راجو واقعی عمن عونس ہے مگر یہ کوشش بھی رائیگاں گئی۔ خالدہ کچھ بھی معلوم نہیں کر سکی۔ پتا نہیں افریٹی کون تھی' ارفینا کون تھا؟ اور راجو نے جس عورت کو مارا تھا۔ وہ کون تھی' پھر یہ سوال بھی تھا کہ اس نے واقعی کسی عورت کو مارا تھا۔ وہ کون تھی' پھر یہ سوال بھی تھا کہ اس نے واقعی کسی عورت کو مارا تھا' یا یہ بھی محض اس کے پراگندہ ذہن کی اختراع تھی۔ یعنی وہ کس وجہ سے یہ جی بیٹھا تھا کہ اس نے کسی عورت کو مار ڈالا ہے۔ شاید یہ آخری بات ہی درست ہے' ممکن ہے اس نے کسی عورت کو مرتے ہوئے دیکھا ہو اور اب یہ خیال اس کے ذہن میں سما گیا ہو کہ اس کی موت کا ذمے دار وہی ہے۔ میں نے خالدہ سے اپنے خیال کا اظہار کیا تو اس نے کہا۔

''ہو سکتا ہے' مگر یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے واقعی کسی عورت کو قتل کر دیا ہو۔''

''کیوں؟''

''میرے پاس کوئی واضح دلیل نہیں ہے'' خالدہ نے کچھ دیر غور کرنے کے بعد کہا۔ ''صرف ایک خیال ہے اور وہ یہ کہ راجو کے دماغی توازن کے بگڑنے کا سبب صرف صحرا کی گرمی اور بھوک اور پیاس نہ ہو' بلکہ یہ احساس بھی ہو کہ اس نے کسی عورت کی جان لی ہے۔ احساس جرم بھی کبھی کبھی آدمی کے ذہن کو پراگندہ کر دیتا ہے۔''

میں نے سر ہلا کر اتفاق کیا ''تم ٹھیک کہتی ہو مگر یہ تو کہتا ہے کہ اس عورت کا نام افریٹی تھا!''

''ہاں' یہ عجیب بات ہے'' خالدہ نے آنکھوں پر بائیں ہاتھ کا سائبان بنا کر صحرا میں دور تک دیکھتے ہوئے کہا ''یہ نام میں نے کبھی نہیں سنا' مصر اور پورے عرب میں ایسے نام نہیں ہوتے۔ میرا خیال ہے کہ اس نام کا تعلق بھی فراعین کے زمانے سے ہے اور دماغی خلل کی بنا پر جس طرح راجو نے تو میں سیتامن سمجھنا شروع کر دیا ہے اسی طرح اس عورت کو بھی افریٹی سمجھنے لگا ہو۔''

''مطلب یہ ہے کہ رعمیس' عمن عونس اور طوطنخ آمن کی طرح افریٹی بھی تاریخ فراعین کا ایک کردار ہے۔''

''ہاں۔''

میں چپ ہو گئی۔ خالدہ نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ ہم دونوں کے اذہان فکر' تذبذب اور بے یقینی کی دلدل میں الجھے ہوئے تھے لیکن یہی بات راجو کے بارے میں نہیں کی جا سکتی تھی۔ وہ تو کچھ اس طرح زمین پر نیم دراز تھا۔ گویا اسے کسی بات کا کوئی احساس نہ ہو' نہ بھوک اور پیاس کا' نہ صحرا اور دھوپ کی حدت کا اور نہ اپنے زخموں کا۔ وہ بار بار اپنے ہاتھوں کو فضا میں حرکت دے رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کے ہونٹ بھی بلا آواز کے حرکت کر رہے تھے جیسے وہ مستقل باتیں کر رہا ہے' کبھی مسکرانے لگتا' کبھی سر کو زور زور سے جنبش دیتا اور کبھی گردن جھکا کر اور آنکھیں بند کر کے یوں ساکت ہو جاتا جیسے سو گیا ہو۔

کچھ دیر ستانے اور اعصاب کی زائل شدہ قوت جمع کرنے کے بعد ہم آخر کار پھر چل پڑے۔ وہی بے

یقینی اور امید و مایوسی کی کیفیت اور وہی بے آب و گیاہ ویران ریگزار اور وہی سر پر تپتا ہوا سورج' ہم قدم بہ قدم آگے بڑھتے گئے۔ سمت کا تعین خالدہ نے کیا تھا۔ اس کا قیاس تھا کہ اگر ہم مشرق کی طرف چلیں تو شاید جلد ہی کسی بستی میں پہنچ جائیں گے۔ اس وقت ہم جس حصے میں تھے' وہ قطعی ناہموار تھا' قدم قدم پر اتار چڑھاؤ' کھائیاں اور دراڑیں تھیں۔ گردوپیش میں اونچے اونچے ٹیلوں کا ایک متواتر سلسلہ پھیلا ہوا تھا اور جیسا کہ خالدہ نے کہا تھا' یہ علاقہ صحرا کے ایسے حصے میں واقع تھا۔ جہاں انسانی قدم شاذونادر ہی پہنچے ہوں گے اور یہ بات میرے ذہن و اعصاب کو اور بھی متاثر کر رہی تھی کیونکہ ایسے علاقے میں جو قدرتی بھول بھلیاں کی مشکل رکھتا ہو۔ بھٹک جانا کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ اگر ہم بھی بھٹک گئے تو کیا ہوگا۔ بے شک ہمارے پاس کافی پانی موجود ہے مگر وہ کتنی دیر ساتھ دے گا اور پھر زاجو کا کیا ہوگا' اس کا پورا جسم زخمی ہے اور وہ بیمار بھی ہے۔ اگر اسے طبی امداد ملنے میں تاخیر ہوئی تو.....''

یکا یک خالدہ نے کہا ''موئرا! وہ کیا ہے۔''

''کہاں۔''

''وہ سامنے والے ٹیلے کے دائیں جانب.....''

میں نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ کچھ فاصلے پر ایک بلند ٹیلا تھا اور اس کے دامن میں دائیں طرف کپڑے کی دھجیوں کا ایک ڈھیر نظر آ رہا تھا۔ میں نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر بہت دھیان سے دیکھا۔ پھر قدرے خوف زدہ لہجے میں کہا ''مجھے تو وہ کوئی آدمی لگتا ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے' آؤ ذرا دیکھیں۔''

وہ واقعی کوئی آدمی تھا اور یقیناً زندہ بھی رہا ہوگا اور اس کے جسم پر گوشت اور چہرے پر آنکھیں بھی رہی ہوں گی مگر اب وہ ہر شے سے محروم ہو چکا تھا۔ میں سہم کر نہ صرف چند قدم پیچھے ہٹ گئی بلکہ آنکھیں بھی بند کر لیں کیونکہ اس کی طرف دیکھنا کچھ آسان نہ تھا۔ اتنا لرزہ خیز منظر تھا جس کا میں خواب میں بھی گمان نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا پورا جسم بری طرح ادھڑا ہوا تھا۔ آنکھوں کی جگہ دو گہرے غار تھے' پنڈلیوں' رانوں اور بازوؤں کا گوشت غائب ہو چکا تھا اور ہڈیاں ابھر آئی تھیں۔ گالوں کا گوشت بھی ندارد تھا اور جبڑوں کی خوفناک ہڈیاں جھانک رہی تھیں۔ پسلیوں کی کھال بری طرح ادھڑی ہونے کے باعث ہڈیاں اور آنتیں باہر نکل آئی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کے مرنے کے بعد صحرائی گدھ اور گوشت خور جانوروں نے اس کی لاش بری طرح نوچ ڈالی تھی۔ میں کئی منٹ تک آنکھیں بند کیے چپ چاپ کھڑی رہی اور میرا پورا جسم ہولے ہولے تھرتھرا رہا تھا۔ غالباً یہی کیفیت خالدہ کی بھی تھی۔ گردوپیش میں اتنا گہرا سناٹا مسلط ہو گیا کہ میں اپنے دل کی دھڑکن صاف سن سکتی تھی۔ کئی منٹ گزر گئے' پھر آخرکار میں نے آنکھیں کھولیں اور آہستہ سے کہا ''اوہ میرے خدا! یہ کیسی دردناک موت ہے۔''

خالدہ نے تاسف سے سر ہلایا ''لیکن اس ویران ریگزار میں کوئی تعجب کی بات نہیں' ایسا اکثر ہوتا ہے۔''

''پتا نہیں کون تھا یہ.....'' میں نے کہا۔

''بچی کھچی کھال کی رنگت بتا رہی ہے کہ کوئی یورپین ہوگا'' خالدہ گردن گھما کر چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی ''شاید کوئی مسافر ہوگا اور راستہ بھول گیا ہوگا۔''

زندگی ان گنت الجھے ہوئے پیچیدہ راستوں میں گھری ہوئی ہے۔ جب تک قسمت ساتھ دیتی ہے' آدمی اپنا راستہ پہچانتا رہتا ہے اور زندگی آگے بڑھتی رہتی ہے لیکن ایک بار راستہ بھول جاؤ تو پھر کچھ نہیں ہوسکتا' پھر واپسی ممکن نہیں۔ یہ شخص بھی راستہ بھول گیا اور اس طرح بھولا کہ ہمیشہ کے لیے بھٹک گیا۔ پتا نہیں کون ہے' کہاں سے آیا ہوگا؟ کیسی حسرت ناک موت ہے۔ کیا کبھی اس نے سوچا ہوگا کہ صحرا میں جا کر یہ زندگی کا راستہ بھول جائے گا۔ میں خالدہ سے پوچھنا چاہتی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو' ہم لوگ بھی راستہ بھول جائیں اور گدھ اور صحرائی جانور اور..... مگر اس سے پہلے کہ میرے دل کی دہشت زبان پر آتی۔ یکا یک راجو ہنسنے لگا۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا' خالدہ نے بھی اسے گھورا مگر راجو کو ہم دونوں کی موجودگی کا شاید کوئی احساس نہیں تھا' اس کے چہرے پر تشنج کی سی حالت طاری تھی' آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں اور وہ گردوپیش سے بالکل بے خبر ہو کر دیوانوں کی طرح ہنس رہا تھا۔ ہاہاہا..... ہاہاہا..... اس کے دونوں ہاتھ فضا میں گردش کر رہے تھے اور پورا بدن ہل رہا تھا جیسے اس کے جسم کے اندر بھونچال سا آرہا ہو۔ اس کے ہونٹوں سے جھاگ بھی نکلنے لگا تھا۔ یکا یک اس نے انگلی سے لاش کی طرف اشارہ کیا اور ہذیانی آواز میں بولا۔

''مر گیا..... مر گیا..... بدبخت آخر مر گیا.....'' یہ کہہ کر وہ پھر ہنسنے لگا۔

اس کی یہ حالت بڑی تعجب خیز اور غیر متوقع تھی۔ میں اور خالدہ چند لمحے حیرت سے کبھی ایک دوسرے کو اور کبھی راجو کو دیکھتی رہیں۔ اس کی ہنسی میں نہ صرف دیوانگی ہی تھی' بلکہ ایک عجیب سی تضحیک اور تمسخر بھی تھا۔ جیسے وہ لاش کی حالت سے شدید لطف اندوز ہو رہا ہو۔ اس کا یہ عجیب رویہ زیادہ دیر برداشت کرنا بہت مشکل تھا۔ چنانچہ خالدہ بے تاب ہو کر آگے بڑھی اور اس کے قریب جا کر سخت لہجے میں زور سے بولی۔

''راجو..... راجو..... یہ کیا پاگل پن ہے..... چپ رہو۔''

لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ بدستور ہنستا رہا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس پر دورہ پڑ گیا ہے۔ خالدہ نے جھلا کر دوبارہ کہا۔

''راجو' چپ رہو کم بخت! یہ کیا بکواس ہے۔''

راجو نے یکا یک جھٹکے سے گردن موڑی اور گونجتی ہوئی آواز میں بولا۔

''دیکھا..... دیکھا..... مر گیا آخر کار..... میں تو پہلے ہی جانتا تھا!''

یہ کہہ کر اس نے تمسخر آمیز انداز میں خالدہ کے چہرے کے سامنے انگلی نچائی' اس کا شیطانی قہقہہ دم بدم بلند ہوتا گیا اور اس کی کرخت آواز کی غیر فطری گونج ارد گرد میں دور تک پھیلتی چلی گئی' وہ اس وقت قطعی طور پر اپنے آپ میں نہیں تھا اور شاید اسے خود بھی اپنی شیطانی حرکات کا کوئی احساس نہیں تھا۔ بس وہ ہنس رہا تھا اور مسلسل ہنس رہا تھا' کسی ایسی مشین کی طرح جسے روکنے کا آلہ خراب ہو گیا ہو۔ میری کنپٹی پر جوئیں سی رینگنے لگیں اور میرا ذہن راجو کے خلاف شدید نفرت اور غصے سے بھر گیا۔ کم بخت' مردود' پاگل کہیں کا' خود خالدہ کے لیے بھی خود پر قابو رکھنا' ناممکن ہو گیا۔ وہ یکا یک غضب ناک ہو کر آگے بڑھی پھر اس کا ہاتھ اٹھا اور فضا میں چٹان کی آواز گونج گئی۔ ساتھ ہی خالدہ نے چیخ کر کہا۔

''شٹ اپ یو میڈ.....!''

راجو یکا یک اس طرح چپ ہو گیا جیسے بہت تیز چلتی ہوئی گاڑی کو اچانک بریک لگ گئے ہوں۔ وہ پھٹی پھٹی حیران نظروں سے خالدہ کو دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت کے ساتھ ساتھ عجیب سی الجھن تھی' گویا کچھ بھی اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو۔ تھپڑ اتنا زوردار تھا کہ اس کے ہونٹ کا بایاں کنارہ پھٹ گیا تھا اور اس سے خون رسنے لگا تھا۔ مگر خالدہ کو اس وقت شاید اس سے ذرا بھی ہمدردی نہیں تھی' اس نے بدستور تلخ لہجے میں زور سے کہا۔

''اب اگر آواز نکلی تو کھال ادھیڑ دوں گی۔''

راجو چپ ہی رہا' تھپڑ کھانے کا عمل ایسا تھا جس کی اسے قطعاً توقع نہ رہی ہو گی اور شاید اسی بنا پر وہ کئی لمحوں تک حیران حیران سا کبھی مجھے اور کبھی خالدہ کو دیکھتا رہا۔ پھر اس کی ذہنی رو بہکی۔ نیم پاگل اور مخبوط الحواس لوگوں کے دماغ میں یہ اتھل پتھل ہر لمحہ ہوتی رہتی ہے۔ ایک لمحہ ہنسنا' دوسرے لمحے رونا۔ اور انہیں اپنے کسی فعل کا خود کوئی احساس بالکل نہیں ہوتا۔ راجو کی وہ ذہنی رو جس نے اسے ہنسایا تھا' بالکل معدوم ہو گئی اور پھر دوسری کیفیت نے اس کے اوپر غلبہ پا لیا۔ مجھے اچانک اس کی آنکھوں میں آنسو نظر آئے۔ پہلے محض چند آنسو' پھر دھیرے دھیرے وہ رونے لگا۔ سسک سسک کر چھوٹے بچے کی طرح..... چھوٹی چھوٹی سسکیوں کی آواز فضا میں گونج رہی تھی اور میں تعجب سے اسے دیکھ رہی تھی۔ حد ہو گئی' کہاں تو دیوانوں کی طرح قہقہے لگا رہا تھا اور کہاں اب چھکو پھکو رو رہا تھا۔ لیکن ہم دونوں کو اس پر اس لمحے اتنا غصہ تھا کہ ہم نے کچھ نہیں کہا۔ چپ چاپ اسے رونے دیا۔ چند منٹ بعد اس کے آنسوؤں میں کمی ہوئی پھر سسکیاں بھی تھم گئیں۔ تب میں نے ذرا رسانیت سے پوچھا۔

''یہ کون تھا راجو! کیا تم اسے جانتے ہو.....؟''

راجو نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ پہلے مجھے اور پھر نظریں گھما کر لاش کو دھیان سے دیکھا۔ اب اس کے چہرے سے گہرے رنج و غم کا اظہار ہو رہا تھا۔ لمحے بھر بعد اس نے اثبات میں گردن کو جنبش دی۔

''کون تھا یہ؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''پیڈی!'' اس نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''ہاں' میرا خیال ہے یہی اس کا نام تھا۔''

''کیا یہ تمہارا دوست تھا؟''

راجو نے پھر لمحہ بھر غور کیا۔ اس کی آنکھوں سے تفکر کے ساتھ ساتھ بے چینی بھی ظاہر ہو رہی تھی۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

''ہاں' میرا خیال ہے' یہ میرا دوست تھا!''

''کیا یہ پہلے تمہارے ساتھ ہی تھا!'' میں نے نرم اور دوستانہ لہجہ برقرار رکھا۔

راجو نے ذرا مضطرب ہو کر پھر لاش پر نظر ڈالی۔ شاید اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سوال کا کیا جواب دے۔ اس کی یادداشت کے خانے میں جو غیر واضح اور غیر مربوط یادیں تھیں۔ وہ شاید پھر گڈمڈ ہونے لگی تھیں' اس نے اٹک اٹک کر سوچتے ہوئے کہا۔

''ہاں' مجھے کچھ کچھ یاد آ رہا ہے' اس کا نام پیڈی ہے اور یہ میرے ساتھ تھا۔ ہاں..... ہاں..... یہ میرے ساتھ تھا۔''

میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا ''بے شک تمہیں یاد آ رہا ہے۔ یہ تمہارے ساتھ تھا مگر پھر تم

سے بچھڑ گیا..... کیسے؟''

راجو نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے مگر پھر بند کر لیے۔ شاید اس کے ذہن میں کوئی واضح جواب نہیں تھا۔ اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ پیڈی کیسے اس سے بچھڑ گیا تھا۔ جب وہ چند لمحے چپ رہا تو خالدہ نے کہا۔

''راجو! اس کی موت کیسے واقع ہوئی تھی؟ کیا جب یہ مرا تو تمہارے ساتھ ہی تھا۔''

''نہیں..... نہیں.....!'' راجو نے معاً سٹ پٹا کر کہا۔

''پھر آخر کیا ہوا تھا؟ کیا کوئی حادثہ ہوا تھا!'' میں نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

مگر راجو اس سوال کا جواب نہیں دے سکا۔ اس کی آنکھوں سے شدید بے چینی ظاہر ہو رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کے ذہن میں ان گنت خیالوں نے اتھل پتھل مچا دی ہے اور وہ یہ طے کرنے سے قاصر ہے کہ کس خیال کو الفاظ کا جامہ پہنائے۔ آخر جب اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو بے بسی سے بولا ''پتا نہیں۔''

یکا یک میں نے خالدہ سے کہا ''خالدہ! میں سمجھ گئی کہ یہ شخص کون ہے؟''

خالدہ نے استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

میں نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا ''میں نے جب مسٹر اینڈریوز اور لارڈ رے کی گفتگو سنی تھی تو لارڈ رے نے کہا تھا کہ ان کا ایک ساتھی غداری کا مرتکب ہو کر راجو سے مل گیا تھا اور فرار ہونے کی کوشش کر رہا تھا مگر بعد میں وہ بچھڑ گیا تھا۔ لارڈ رے نے یہ بھی کہا تھا کہ اس نے اپنی ایک ساتھی عورت کو راجو کے ساتھ لگا دیا تھا۔ اب اگر تم ذرا سا غور کرو تو پوری بات سمجھ میں آتی ہے۔''

خالدہ کی آنکھوں میں دفعتاً گہری چمک پیدا ہوئی ''گویا راجو کا بیان کافی حد تک درست ہے۔ راجو نے جس عورت کو مارا تھا' وہ وہی عورت رہی ہو گی مگر پھر سوال یہ ہے کہ اس شخص کی موت کیونکر واقع ہوئی۔''

''ممکن ہے کہ لارڈ رے کے ساتھیوں نے اسے تلاش کر کے قتل کر دیا ہو؟'' میں نے خیال ظاہر کیا۔

''ہو سکتا ہے!'' خالدہ نے اتفاق کیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ شخص صحرا میں ادھر ادھر بھٹکتا رہا ہو اور آخر کار بھوک اور پیاس کی تاب نہ لا کر مر گیا ہو۔''

میں نے اثبات میں گردن ہلائی ''خیر وجہ کچھ بھی ہو' ہمیں یہاں ٹھہرنے کی کیا ضرورت ہے' اب چلنا چاہیے۔''

''ہاں' مگر پہلے اسے دفن کر دیں لاش کو اس طرح چھوڑنا اچھی بات نہیں'' کہہ کر وہ آگے بڑھی۔

پھر حالات نے نیا رخ اختیار کیا۔ جب ہم لاش کو دفن کر کے آگے بڑھے تو کم از کم میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ہمارا ہر قدم اذیت ناک اور ناقابل یقین واقعات کی طرف لے جا رہا ہے۔ اس وقت سہ پہر ہو چکی تھی۔ سورج مغرب کی طرف جھک گیا تھا اور ایک بڑے سرخ تھال کی طرح نظر آ رہا تھا۔ دھوپ کی حدت میں قدرے کمی آ گئی تھی۔ سارے میں سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ اس سناٹے کو کسی وقت صحرائی پرندوں کی آوازیں توڑ دیتی تھیں۔ اس کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔ ہم بدستور مشرق کی طرف چلتے رہے لیکن ابھی مشکل سے دو تین فرلانگ ہی گئے ہوں گے کہ ہمیں یکا یک رک جانا پڑا۔ خالدہ اس وقت مجھ سے کوئی دس قدم آگے چل رہی تھی۔ وہ لپکتی

ہوئی میرے پاس آئی' اس کے چہرے سے سخت تشویش ظاہر ہو رہی تھی۔ اس نے گہرے تجسس کے ساتھ پوچھا۔

''موئرا! کیا تم نے کچھ دیکھا تھا؟''

میں نے ہونٹوں پر زبان پھیری تو گویا مجھے شبہ نہیں ہوا تھا' نہ ہی فریب نظر کا شکار ہوئی تھی' جو کچھ مجھے نظر آیا تھا' وہ خالدہ کو بھی دکھائی دیا تھا۔ میں نے سر ہلا کر سیدھے ہاتھ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا ''ہاں' میرا خیال ہے' میں نے کچھ دیکھا تھا۔ اس طرف' ان دونوں ٹیلوں کے درمیانی خلا کے دوسری جانب ایسا لگتا تھا جیسے دو تین انسانی خاکے دائیں سے بائیں طرف گئے ہوں۔''

خالدہ نے طویل سانس لی ''مجھے بھی شبہ ہوا تھا۔'' اس نے کہا پھر چاروں طرف مضطربانہ نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

''اگر وہ انسان ہی تھے تو کیا' تمہارے خیال میں وہ لارڈرے کے آدمی ہوں گے؟''

لیکن خالدہ کو میرا یہ خیال کچھ زیادہ نہیں جچا۔ اس نے بے چینی سے کہا ''مگر یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم دونوں اس دراڑ میں کچھ دیر کے لیے چھپ جاؤ۔ میں ذرا گردوپیش کا جائزہ لے لوں۔ پھر کچھ طے کریں گے' میں کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتی۔''

دائیں طرف ایک خاصی گہری دراڑ تھی' خالدہ کے اصرار پر میں راجو کے ہمراہ اس دراڑ میں اتر گئی۔ غنیمت یہ تھا کہ راجو نے کوئی تعرض نہیں کیا' اس کا طرز عمل کسی پالتو جانور کی طرح تھا۔ شاید اس نے میری اور خالدہ کی گفتگو پر بھی دھیان نہیں دیا تھا۔ دراڑ کا ایک حصہ اتنا گہرا تھا کہ ہم دونوں وہاں چھپ گئے۔ خالدہ نے ہمیں خاموش رہنے کی تاکید کی اور پھر ایک جانب چلی گئی۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ ان گنت وسوسوں میں گھری ہوئی انتظار کرتی رہی۔ لمحے رینگ رینگ کر گزر رہے تھے لیکن مجھے کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے لمحے منجمد ہو گئے ہیں اور وقت گزرنے کا عمل بھول گیا ہے۔ وقت کی سست روی کا بوجھ تو تھا ہی' مجھے راجو کی طرف سے بھی دھڑکا لگا ہوا تھا' کہیں وہ اکتا نہ جائے۔ خبط الحواس آدمی کا کیا بھروسا۔ اگر ایک بار بیزار ہو کر اٹھ کھڑا ہوا تو پھر سنبھالے نہ سنبھلے گا اور اٹھ کر دراڑ سے باہر چلا جائے گا۔ لیکن شکر ہے کہ اس نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی۔ چپ چاپ بیٹھا ہوا چھوٹی چھوٹی کنکریوں سے کھیلتا رہا اور میں دل ہی دل میں خدا سے دعا مانگتی رہی' خدا کرے ہمارا اندیشہ غلط نکلے' اور وہ لوگ جنہیں ہم نے دیکھا تھا' غیر متعلق لوگ ثابت ہوں مگر سبھی دعائیں پوری نہیں ہوتیں اور میری دعا بھی اس وقت پوری نہیں ہوئی۔

خالدہ واپس آئی تو بہت مضطرب' متفکر اور کسی حد تک خوف زدہ تھی۔ میں امید و بیم کی حالت میں اس کی شکل دیکھنے لگی۔

''ہم چاروں طرف سے گھر چکے ہیں؟'' آخر کار اس نے کہا۔

میں نے غیر ارادی طور پر دونوں ہاتھوں کی انگلیوں ایک دوسرے میں زور سے پھنسا لیں اور کچھ کہنے کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ خالدہ نے میرے چہرے پر ناچتا ہوا سوال پڑھ کر کہا۔ ''وہ لوگ چاروں طرف موجود ہیں اگر ہم اس جگہ نہ ہوتے تو اب تک انہوں نے ضرور ہمیں دیکھ لیا ہوتا اور وہ لوگ یقیناً لارڈرے کے آدمی ہیں

کیونکہ میں نے ان کے ساتھ مسٹر لوگن کو دیکھا ہے۔ مسٹر لوگن کے ساتھ ایک لمبا' دبلا پتلا اور ستے ہوئے چہرے کا آدمی بھی تھا!''

''آہاہاہا.....'' یکا یک راجو سیدھے ہاتھ کو زور زور سے ہلا کر ہنسنے لگا ''میں سمجھ گیا' وہ کون ہے؟''

''کون ہے؟'' خالدہ نے پوچھا۔

''نیفا!'' راجو نے ہونٹ پھیلا کر عجیب سے انداز میں کہا ''وہ شاہی پجاری ہے۔''

''خیر' وہ کوئی بھی ہو.....'' خالدہ بے چینی سے کہا ''ہمیں یہاں کھڑا نہیں رہنا چاہئے' فوراً کچھ کرنا چاہئے۔ وہ لوگ ہر طرف موجود ہیں اور کسی وقت بھی آ سکتے ہیں لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

میں نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

خالدہ نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا ''میں نے کئی افراد کو دیکھا ہے اور ان کے انداز سے ایسا ظاہر نہیں ہوتا کہ ان کی یہاں موجودگی محض اتفاقیہ ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ قصداً یہاں آتے ہیں۔ آخر کیوں؟ کیا انہیں یہ علم ہو گیا تھا کہ ہم اس علاقے میں موجود ہیں۔''

''مگر انہیں کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟'' میں نے متوحش ہو کر اعتراض کیا۔

''خدا جانے!'' خالدہ نے جواب دیا ''لیکن لگتا کچھ ایسا ہی ہے۔ خیر ہم بحث میں وقت ضائع نہیں کر سکتے۔ آؤ میرے ساتھ..... ہمیں فوراً کچھ کرنا ہے۔''

وہ جگہ جہاں ہم لوگ اس وقت تھے۔ ایک چھوٹی سی وادی کی طرح تھی۔ کیوں کہ اونچے نیچے ٹیلے ایک دائرے کی شکل میں چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے اور ان کے درمیان کی ناہموار زمین ایک سیدھے پیالے کی طرح نظر آتی تھی۔ ہم تینوں اندھا دھند ایک طرف بھاگتے چلے گئے' سب کے آگے راجو تھا..... میں اور خالدہ غیر شعوری طور پر اس کی تقلید کر رہی تھیں۔ راجو کچھ دور تک سیدھا دوڑتا رہا' پھر بائیں طرف مڑ گیا۔ خالدہ نے اسے روکنے اور سیدھے چلنے کی کوشش کی مگر راجو نے کوئی پروا نہیں کی۔ وہ بائیں جانب مڑ کر آگے بڑھتا چلا گیا۔ مجھے یہ سب کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ خالدہ کے الفاظ بار بار کانوں میں گونج رہے تھے۔ کیا اس کا شبہ درست ہے؟ کیا واقعی ان لوگوں کو ہماری یہاں موجودگی کا علم ہے؟ مگر کیسے؟ میرے پراگندہ اور خوف زدہ ذہن کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ نہ صرف اس ایک سوال کا بلکہ اور بھی ان گنت سوال تھے۔ جن کا کوئی جواب نہیں تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں خلا میں معلق ہوں' نہ اوپر جاتی ہوں اور نہ نیچے آتی ہوں۔

خالدہ کو یقین تھا کہ ان لوگوں نے ہمیں نہیں دیکھا ہے۔ بے شک ان لوگوں نے نہ دیکھا ہو مگر قسمت تو ہمیں دیکھ رہی تھی اور قسمت اس وقت ہنستی ہے' جب وہ سارے راستے بند کر دیتی ہے۔ ہمارا راستہ بھی بند ہو چکا ہے اور جب آگے بڑھنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو میں نے سٹپٹا کر خالدہ کو دیکھا۔ اب کیا کریں؟

خالدہ تند نظروں سے راجو کو گھور رہی تھی اور راجو تعجب سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ یکا یک خالدہ نے سانس کے زیر و بم سے تھرتھراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''راجو! میں نے تمہیں اس طرف آنے سے منع کیا تھا۔ تم نے میری بات کیوں نہیں سنی تھی؟''

راجو نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دوڑنے کی بنا پر اس کی سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی اور کپڑوں پر

دو تین جگہ خون کے تازہ دھبے دکھائی دینے لگے تھے۔ شاید دو تین زخم پھر کھل گئے تھے۔ وہ حیران اور الجھی ہوئی نظروں سے کچھ اس طرح گرد و پیش کا جائزہ لے رہا تھا' جیسے اس جگہ کو پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ جگہ دو ٹیلوں کے درمیان کھائی تھی۔ وہاں چاروں طرف چھوٹے بڑے پتھر بکھرے ہوئے تھے اور اونچی اونچی خشک جھاڑیاں ہر طرف دکھائی دے رہی تھیں۔ ایک ٹیلا عمودی شکل میں تھا اور کافی بلند تھا جبکہ دوسرا ٹیلا اونچا نہیں تھا مگر اس کا پھیلاؤ کافی تھا۔ کھائی کے اختتام پر دونوں ٹیلے مل گئے تھے اور یوں ہمارا راستہ بند ہو گیا تھا۔ آگے بڑھنے کی صرف ایک ہی صورت تھی اور وہ یہ کہ ہم اوپر چڑھ کر ٹیلا عبور کریں۔ مگر یہ قدم دانشمندی کے خلاف ہوتا۔ ظاہر تھا کہ اس طرح ہم ان لوگوں کی نظر میں آ جاتے۔ خالدہ کچھ دیر صورت حال کا جائزہ لیتی رہی پھر اس سے کہا۔

''واپسی کے سوا اور کوئی صورت نہیں' آؤ میرے ساتھ۔''

''نہیں..... نہیں.....'' معاً راجو بے صبری سے بولا ''ادھر نہیں' اس طرف آؤ۔ اس طرف.....'' یہ کہتے ہوئے اس نے ہاتھ سے بائیں طرف اشارہ کیا۔

میں نے چونک کر راجو کو گھورا۔ یہ تعجب کی بات تھی۔ بہت تعجب کی بات تھی۔ راجو نیم پاگل تھا۔ ہر وقت بہکی بہکی باتیں کرتا تھا مگر اس وقت اس کے انداز سے کسی قسم کے پاگل پن کا اظہار نہیں ہوا تھا۔ بلکہ وہ بالکل ہوش میں نظر آتا تھا۔ مجھے کچھ ایسا گمان بھی ہوا جیسے ہاتھ سے بائیں جانب اشارہ کرنے میں اس کے اپنے ارادے اور فیصلے کو دخل نہ ہو بلکہ یہ ایک غیر شعوری فعل ہو۔ اس نے بالکل میکانکی انداز میں ہاتھ اٹھایا تھا۔ اسی طرح ''ادھر نہیں' اس طرف.....'' کہتے ہوئے اس کی آواز کا تاثر بھی کچھ عجیب سا لگا تھا۔ مگر یہ موقع ان باتوں پر غور کرنے کا نہیں تھا اور پھر راجو چونکہ فوراً ہی بائیں طرف بڑھ گیا تھا اس لیے مجبوراً مجھے بھی قدم اٹھانا پڑا۔ خالدہ میرے پیچھے تھی' سامنے چند قدم کے فاصلے پر خشک جھاڑیوں کا ایک گھنا جھنڈ تھا اور اس کے ساتھ نرم مٹی کے دو تین تودے تھے۔ ہم جھاڑیوں میں الجھتے ہوئے تودوں کی دوسری جانب پہنچے اور پھر ہمیں رک جانا پڑا۔ کیونکہ یہاں پر کوئی ایسی جگہ نہیں تھی۔ جسے چھپنے کے لیے استعمال میں جا سکتا۔ جہاں پر دونوں ٹیلوں کا اتصال ہوا تھا۔ وہاں پر ایک قدرتی سائبان سا بن گیا تھا۔ مگر وہ بھی چھپنے کے لیے مناسب نہ تھا۔ خالدہ نے یکا یک چڑ کر کہا۔

''راجو! تم خواہ مخواہ ہمیں پریشان کر رہے ہو۔ اس جگہ آنے کا کیا فائدہ' چلو واپس چلو۔''

لیکن راجو نے ذرا بھی دھیان نہیں دیا۔ وہ کچھ پریشان اور کچھ متجسس سا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ جیسے کچھ پہچاننے' کچھ طے کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ پھر وہ سائبان کو گھورنے لگا۔ ایک منٹ' دو منٹ' تین منٹ۔ پھر وہ آگے بڑھا۔ ہم دونوں گومگوں حالت میں اس کے تعاقب میں لپکے۔ سائبان کے نیچے پہنچے تو دیکھا کہ سائبان بائیں طرف کئی فٹ اندر تک چلا گیا ہے۔ ایک چھوٹے سے غار کی طرح۔ اور ہر چند کہ باہر سہ پہر کی تیز دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ مگر غار کے اندر کافی اندھیرا تھا۔ راجو ہم دونوں کی طرف دھیان دیے بغیر آگے بڑھتا چلا گیا اور پھر یہ محض اتفاق ہی تھا کہ وہ دہانہ ہمیں نظر آ گیا۔ جو غار کے بالکل اندرونی کونے میں تھا۔ وہ دہانہ کچھ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ اسے خشک جھاڑیوں اور چھوٹے بڑے پتھروں سے ڈھک دیا گیا تھا۔ مگر کسی وجہ سے چند پتھر ہٹ گئے تھے اور دہانے کا ایک حصہ ایک چھوٹے موکھلے کی طرح نظر آ رہا تھا۔ میں یکا یک رک گئی اور حیرت سے اس موکھلے کو دیکھنے لگی۔ پھر میری زبان سے نکلا۔

''یہ کیا ہے؟''

خالدہ خود بھی متعجب اور کافی حد تک متذبذب نظر آ رہی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

''لگتا ہے پہاڑی کے نیچے کوئی غار ہے۔''

اس اثنا میں راجو نے دو ایک پتھر اور ہٹا دیے تھے اور دہانہ اتنا کشادہ ہو گیا تھا کہ آدمی آسانی سے گزر سکتا تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ راجو دہانے میں داخل ہو گیا۔ ساتھ ہی اس کی آواز سنائی دی ''آؤ' جلدی آؤ۔''

میں نے اور خالدہ نے ایک دوسرے کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا' کیا کریں' کیا نہ کریں؟ میرے دل میں وسوسے اور خوف تھا۔ نہیں' مجھے اس غار کے اندر نہیں جانا چاہئے۔ خدا جانے کیا صورت پیش آئے۔ ممکن ہے اس غار کے اندھیرے میں ہمارے لیے روشنی کی ایک بھی کرن نہ ہو۔ خالدہ کی حالت بھی مجھ سے مختلف نہ تھی۔ وہ بھی شش و پنج میں الجھی ہوئی تھی اور ممکن ہے ہم دونوں ہی اس غار میں قدم رکھنا پسند نہ کرتیں۔ مگر اسی وقت میرے کانوں میں کچھ آوازیں آئیں' یہ طے کرنا مشکل ہے کہ وہ آوازیں انسانی تھیں یا نہیں؟ نہ ہی یہ سمجھنا آسان تھا کہ وہ کتنے فاصلے سے آئی ہیں مگر کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے کہیں قریب ہی سے آئی ہوں۔ میں نے گھبرا کر خالدہ کو دیکھا اور پھر شاید ہم دونوں ہی کے ذہن میں ایک ہی خیال آیا۔ اس خیال کی ضرب چابک کی چوٹ سے کم نہیں تھی۔ چنانچہ دوسرے لمحے خالدہ غار کے دہانے کی طرف لپکی۔

اندر داخل ہو کر ہم نے دہانہ دوبارہ پتھروں سے بند کر دیا۔ دہانہ بند ہوا تو روشنی کی ہلکی سی آمد بھی موقوف ہو گئی۔ اب تاریکی تھی' کچھ دیر تک تو ہمیں کچھ بھی نظر نہ آیا پھر رفتہ رفتہ آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو گئیں اور گرد و پیش کا ایک مبہم سا خاکہ نظر آنے لگا۔ وہ آوازیں جو کچھ دیر پہلے سنائی دی تھیں' پھر نہیں سنائی دیں' ہم تینوں کئی منٹ تک چپ چاپ کھڑے رہے اور انتظار کرتے رہے۔ ہر چند کہ میرا دل خوف کے باعث ہولے ہولے کانپ رہا تھا لیکن دماغ میں یہ احساس بھی موجود تھا کہ یہ غار چھپنے کے لیے بہت موزوں ہے۔ شاید یہی خیال خالدہ کے ذہن میں بھی گردش کر رہا تھا کیونکہ دفعتاً اس نے مجھ سے سرگوشی میں کہا ''موراً! یہ جگہ بہت اچھی ہے۔ میں یہیں رکنا چاہئے' تاوقتیکہ وہ لوگ کسی اور طرف چلے جائیں۔''

میں نے اثبات میں سر ہلایا ''ہاں' تم ٹھیک کہتی ہو۔''

پھر میں نے غار کا جائزہ لیا اور تب پہلی بار انکشاف ہوا کہ وہ دراصل غار نہیں ہے بلکہ ایک پتلی سی سرنگ ہے۔ خالدہ کے پاس ماچس تھی' اس نے ایک تیلی نکال کر جلائی اور سرنگ میں لمحے بھر کے لیے کچھ..... مردہ سی روشنی پھیل گئی۔ سرنگ زیادہ چوڑی نہیں تھی اس طرح اس کی اونچائی بھی کم تھی۔ ہم تینوں کو اپنے سر جھکا لینے پڑے تھے۔ سرنگ میں اتنا گہرا سکوت مسلط تھا کہ مجھے راجو کی سانسوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ زور زور سے گہرے سانس لے رہا تھا۔ اگرچہ اس کا چہرہ دیکھنا مشکل تھا مگر سانسوں کی عجیب اور غیر معمولی تھرتھراہٹ سے ایسا پتا چلتا تھا جیسے اس پر شدید ہیجان انگیز کیفیت طاری ہے۔ تاریکی میں اس کی آنکھیں ہیروں کی طرح چمک رہی تھیں اور ان کی چمک بھی بڑی غیر معمولی بلکہ غیر فطری سی تھی۔ یکایک میں نے اسے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا۔ پھر خالدہ کے قدم بھی اٹھے اور پھر میں نے اپنے آپ کو بھی ان دونوں کی تقلید میں سرنگ کے اندرونی حصے کی طرف بڑھتے ہوئے پایا۔ سرنگ کی بناوٹ قدرتی نہیں تھی۔ بلکہ ایسا لگتا تھا کہ اسے انسانی

ہاتھوں کی تراش کر بنایا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سرنگ کا فرش اور چھت ہموار نہ ہوئی لیکن دو باتیں طے تھیں' ایک تو یہ کہ وہ سرنگ بہت پرانی تھی' کئی سو یا کئی ہزار سال پرانی اور دوم یہ کہ برسہا برس سے اس سرنگ میں کسی انسان نے قدم نہیں رکھے تھے۔

جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے گئے' سرنگ کا دہانہ محدود ہوتا گیا۔ اگر خالدہ کے پاس ماچس نہ ہوتی تو بے حد دشواری کا سامنا کرنا پڑتا لیکن خالدہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے ماچس جلا لیتی تھی اور یوں بھی ٹھوکر کھانے یا چھت سے ٹکرانے سے بچ جاتے تھے۔ سرنگ میں ایک عجیب سی بو بسی ہوئی تھی' ناقابل بیان اور بوجھل لیکن گھٹن بالکل نہیں تھی۔ شاید اس وجہ سے کہ سرنگ کا دہانہ تھوڑا سا کھلا ہونے کے باعث ہوا کی آمد و رفت میں رکاوٹ نہیں پڑی تھی۔ میں خالدہ اور راجو کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ممکن ہے ان کے اذہان پر وہ کیفیت طاری نہ رہی ہو' جو مجھ پر تھی۔ میرا حال یہ تھا کہ ٹانگیں بری طرح کانپ رہی تھیں۔ حلق بار بار خشک ہو رہا تھا اور دل یوں بیٹھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی بھی لمحے ڈوب جائے گا۔ خدایا..... خدایا..... میں نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی ناکام کوشش کی۔ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ یہ سرنگ کہاں ختم ہوگی؟ ختم ہوگی بھی یا نہیں۔ میں من من بھر کے قدم اٹھاتی رہی اور میرے دل کی دھڑکن بڑھتی گئی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ موت کی سرنگ ہے اور میں موت کے منہ میں جا رہی ہوں۔ جب سرنگ ختم ہوگی تو زندگی بھی ختم ہو جائے گی۔

ہم نے ایک دوسرے سے کوئی گفتگو بھی نہیں کی' بس خاموشی سے چلتے رہے۔ سرنگ کے گرد و غبار سے اٹے ہوئے فرش سے ہمارے قدموں کی آواز دھماکوں کی طرح ابھر رہی تھی اور تاریک سرنگ کی ویرانی کو اور بھی پرہول بنا رہی تھی۔ مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ وہ سرنگ اور کتنی طویل تھی اور یہ کہ ہم کتنی دیر تک چلتے رہے مگر آخر کار سرنگ ختم ہوئی اور ہمیں ایک خاصا کشادہ دہانہ نظر آیا۔ اگرچہ وہ بھی پتھروں اور خشک جھنکاڑوں سے بند تھا مگر چند پتھر ادھر ادھر ہٹ گئے تھے۔ اس بنا پر ماچس کی روشنی میں غار کا دہانہ دکھائی دے گیا۔ اس وقت میں نے پہلی بار زبان کھولی اور سراسیمہ لہجے میں خالدہ سے کہا۔

''یہ..... یہ آخر کیا ہے؟''

''شاید کسی اور غار کا دہانہ ہے؟'' خالدہ نے مدھم آواز میں کہا۔

یکا یک میں نے ہاتھ بڑھا کر خالدہ کا بازو پکڑ لیا اور وہ بات جسے میں کہنا نہیں چاہتی تھی' زبان پر لے آئی۔

''خالدہ! یہاں سے فوراً چلو۔ یہ سب کچھ اچھا نہیں لگ رہا ہے..... پتا نہیں یہ کیسا غار ہے' کہیں ہم کسی مصیبت میں نہ پڑ جائیں۔ خدا کے لیے فوراً چلو یہاں سے۔''

مگر خالدہ کو جواب دینے کی مہلت نہیں ملی۔ اتنی دیر میں راجو نے غار کے دہانے پر قدم رکھ دیا تھا۔ اب کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔ راجو نے چند اور پتھر اٹھا کر غار کا دہانہ کھول دیا تھا اور ہماری واپسی کے تمام دروازے بند ہو چکے تھے۔ مجبوراً خالدہ کو بھی قدم بڑھانا پڑا پھر میں نے بھی خود کو گھسیٹا۔ ماچس کی دھندلی روشنی میں' میں نے اردگرد کا جائزہ لیا۔ وہ غار ہرگز ویسا نہیں تھا جیسے عموماً قدرتی غار ہوتے ہیں کیونکہ ماچس کے ننھے سے شعلے سے ابھرنے والی مدھم سی روشنی میں ایک نظر ہی میں' میں نے دیکھ لیا تھا کہ اس غار میں ان گنت اشیا موجود ہیں۔ البتہ ان کی شکلیں واضح نہیں ہو سکی تھیں۔ کیونکہ تیلی اچانک بجھ گئی اور پھر اندھیرا مسلط ہو گیا۔ یہ اندھیرا اتنا دبیز تھا کہ

میرا دم گھٹنے لگا۔ ہاتھ پیروں میں سنسناہٹ ہونے لگی اور پیشانی پر پسینہ پھوٹ آیا۔ میں نے معاً گھبرائے ہوئے لہجے میں خالدہ سے کہا۔ خالدہ! خدا کے لیے یہاں سے چلو، مجھے بڑا ڈر لگ رہا ہے۔''

لیکن خالدہ نے میری بات نہیں سنی یا اگر سنی تو نظر انداز کر دی۔ شاید وہ غار میں موجود اشیا کی بنا پر تجسس میں پڑ گئی تھی اور جاننا چاہتی تھی کہ وہ اشیا کیسی ہیں، چند لمحے بعد میں نے اس کی آواز سنی۔

''موثرا! گھبراؤ مت، خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔''

گہرے اندھیرے میں، میں چپ چاپ، سنگی بت کے مانند۔ بے حس و حرکت کھڑی رہی اور مدھم مدھم آوازیں سنتی رہی۔ پتا نہیں خالدہ اور راجو کیا کر رہے تھے؟ آخر یہ لوگ اس غار میں رکے ہی کیوں ہیں؟ یہاں سے چلتے کیوں نہیں؟ راجو تو خیر پاگل ہے لیکن خالدہ کی سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی؟ مجھے خوف کے ساتھ ساتھ جھنجلاہٹ بھی ہو رہی تھی۔ چند لمحے گزرے، پھر مجھے ایک ننھا سا شعلہ نظر آیا جو دم بدم بڑھتا گیا اور پھر غار میں کافی روشنی پھیل گئی۔ خالدہ کے پاس دو تین موم بتیاں بھی تھیں جو اس نے چلتے وقت احتیاطاً رکھ لی تھیں۔ ان میں سے ایک اس وقت کام آئی۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھا اور تب اس غار کی حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی۔ سامنے غار کی مغربی دیوار کے ساتھ ایک آٹھ فٹ لمبا تابوت رکھا تھا۔

مجھے اپنی جسمانی تھرتھراہٹ پر قابو پانے اور منتشر حواس کو مجتمع کرنے میں کچھ دیر لگ گئی۔ کیا یہ کوئی سپنا ہے؟ ہاں شاید سپنا ہی ہے کیونکہ ایسی باتیں صرف سپنوں میں ہوتی ہیں۔ میں وہم و یقین کے درمیان الجھی ہوئی دھیرے دھیرے آگے بڑھی۔ تابوت کا ڈھکن کھلا ہوا تھا اور اس کے اندر ایک لاش موجود تھی بشرطیکہ اسے لاش کہا جا سکے۔ درحقیقت وہ ایک سالخوردہ ممی تھی۔ اس کا پورا جسم پٹیوں سے لپٹا ہوا تھا۔ صرف ہاتھ اور چہرہ ننگا تھا۔ مگر وہ منظر اتنا لرزہ خیز تھا کہ چند لمحوں کے لیے میرے دل کی دھڑکن رک گئی اور پلکیں جھپکنے کا عمل بھول گئیں۔ اس کے چہرے اور ہاتھوں کی کھال سوکھ کر ہڈیوں سے چمٹ گئی تھی۔ آنکھوں، ناک کے نتھنوں اور منہ کی جگہ اندھے سوراخ تھے۔ سب سے زیادہ دہشت ناک بات یہ تھی کہ جب میں نے تابوت میں جھانکا تو ایک موٹا سا چوہا ممی کی داہنی آنکھ میں بیٹھا ہوا تھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ زور سے اچھلا اور بھاگ کر ایک بل میں گھس گیا۔

کچھ دیر بعد میں نے باقی اشیا کا جائزہ لینا شروع کیا۔ تابوت کے قریب ایک چھوٹا چبوترا تھا، اس پر مٹی کے چند عجیب الوضع برتن رکھے تھے۔ دو صندوق بھی موجود تھے جن کی لکڑی کو دیمک چاٹ چکی تھی۔ ان صندوقوں کے اندر دو چار چیتھڑوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ تابوت کے سرہانے کوئی پانچ فٹ کی بلندی پر ایک طاق تھا ان میں ایک چراغ رکھا ہوا تھا۔ مگر اس میں تیل یا بتی نہیں تھی۔ تابوت کے آس پاس چند خالی بوتلیں، ایک پتھر کی تکونی سل اور کچھ ایسی اشیا بھی بکھری ہوئی تھیں جن سے میں واقف نہیں تھی۔ غار کے کونوں اور چھت میں جگہ جگہ جالے تنے ہوئے تھے اور تقریباً ہر شے پر گرد کی دبیز تہیں موجود تھیں۔ مجھے ادھر ادھر چند ہڈیاں بھی نظر آئیں، مگر وہ انسانی ہڈیاں نہیں تھیں بلکہ مختلف جانوروں کی ہڈیاں تھیں۔ یہ سارا منظر بے حد دہشت ناک تھا۔ ایک ہزاروں سال پرانے غار میں ہزاروں سال پرانی خوفناک ممی کے ساتھ مجھے اپنی موجودگی بڑی عجیب لگ رہی تھی۔ ناقابل یقین اور غیر قطعی مجھے کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میں وہاں تنہا نہیں ہوں بلکہ وہ پورا غار بھرا ہوا ہے۔ طرح طرح کی پرانی اور خوفناک خبیث روحوں سے بھرا ہوا ہے۔ فراعین اور ان کی بیگمات اور پجاری اور

رقاصائیں' اور طرح طرح کے مصری دیوتا وہاں موجود ہیں اور میرے اردگرد چہل پہل کر رہے ہیں' اچھل رہے ہیں اور مجھ پر ہنس رہے ہیں۔ بس کوئی لمحہ جاتا ہے کہ وہ میرا گلا گھونٹ دیں گے اور میری لاش کو ممی بنا کر گلنے سڑنے کے لیے چھوڑ دیں گے۔ میں نے اپنے دم بدم سوکھتے ہونٹوں پر زبان پھیری اور سہمی ہوئی نظروں سے خالدہ کی طرف دیکھا۔ میری طرح وہ بھی حیران اور کسی حد تک خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔ یکا یک میں نے اپنی ساری ہمت اور قوت ارادی جمع کی اور آہستہ سے کہا۔

''خالدہ! یہ تو کسی ممی کا مدفن ہے۔''

خالدہ نے جھٹکے سے گردن موڑ کر مجھے دیکھا۔ ''ہاں!'' اس نے سر ہلایا ''یقیناً یہ کسی ایسے شخص کا مدفن ہے جو اپنے عہد میں کافی اہم رہا ہوگا۔ کیونکہ صرف فرعون یا دوسرے بڑے لوگ اپنی ممیاں آبادی سے دور ویرانوں میں دفن کراتے تھے تاکہ ان کا مال و متاع چوروں سے محفوظ رہے لیکن ایک بات مجھے پریشان کر رہی ہے۔''

''کیا.....؟''

''یہ غار تقریباً خالی ہے۔'' خالدہ پرخیال انداز میں کہنے لگی۔ ''حالانکہ قدیم مصری فرعونوں اور دوسرے بڑے لوگ اپنے مدفن اور مقبروں میں ہیرے جواہرات' سونا چاندی اور دوسری قیمتی اشیا اپنی ممی کے ساتھ رکھواتے تھے۔ تاکہ جب دوبارہ دنیا میں آئیں تو خالی ہاتھ ہوں مگر اس غار میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ دونوں صندوق بھی بالکل خالی پڑے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہاں کچھ لوگ پہلے بھی آ چکے ہیں۔''

''شاید آثار قدیمہ والے آئے ہوں؟'' میں نے خیال ظاہر کیا۔

''نہیں.....نہیں.....'' خالدہ نے پرزور الفاظ میں تردید کی ''اگر ان لوگوں نے اس غار کو دریافت کیا ہوتا تو وہ ممی کو بھی لے جاتے اور ان برتنوں کو بھی یہاں نہیں چھوڑتے۔''

میں سوالیہ نظروں سے خالدہ کو دیکھنے لگی اس نے چند لمحے بعد مزید کہا ''ان لوگوں کا تعلق محکمہ آثار قدیمہ سے نہیں ہو سکتا بلکہ وہ ... ملکی یا غیر ملکی سیاح رہے ہوں گے اور یا پھر ایسے افراد ہوں گے جو آج بھی خزانوں کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکتے رہتے ہیں۔''

''شاید ایسا ہی ہو۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

اس اثنا میں ہم نے راجو کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا اور اس نے بھی ہماری طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ وہ خود فراموشی کے عالم میں پورے غار میں چکر لگاتا پھر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کچھ عجیب سے تاثرات تھے جو اس سے پہلے مجھے اس کے چہرے پر نظر نہیں آئے تھے۔ کچھ ایسی کیفیت تھی جیسے اندر ہی اندر وہ شاید ہیجان اور کرب میں مبتلا ہو' آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور ہونٹ بار بار پھڑ پھڑا رہے تھے جیسے وہ دل ہی دل میں باتیں کر رہا ہو۔ اس نے پورے غار کا ایک اور چکر لگایا' پھر تابوت کے پاس ٹھہر گیا اور پلک جھپکائے بغیر مسخ شدہ ممی کو گھورنے لگا۔ کئی لمحے اسی حالت میں گزر گئے۔ پھر میں نے اس کی آواز سنی۔ اس نے خود کلامی کے انداز میں اونچی اور گونجتی ہوئی آواز میں کہا۔

''میں جانتا ہوں تم کون ہو؟''

اتنا کہہ کر اس نے جھٹکے سے گردن موڑی اور گہری نظروں سے ہماری جانب دیکھا' اس کی آنکھوں کی سرخی

میں گہری ہیجانی کیفیت ناچ رہی تھی اور اپنے ستے ہوئے چہرے اور اپنی غیر فطری حرکات وسکنات کی بنا پر وہ ایک زندہ انسان سے زیادہ ایک مردہ ممی کی طرح نظر آ رہا تھا ''یہ.....'' اس نے انگلی سے تابوت کی جانب اشارہ کیا ''یہ ارفینا ہے۔''

خالدہ نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا پھر راجو سے پوچھا ''ارفینا کون.....؟''

''تم ارفینا کو نہیں جانتیں.....؟'' راجو نے تعجب سے کہا ''ارفینا تو وہ شخص تھا جس نے سائرس اور افن عاتن تک رسائی حاصل کی تھی' وہ میرے دربار کا شاہی پجاری رہا تھا اور یہ ارفینا ہی تھا جس نے کہا تھا کہ طوطنخ آمن دنیا میں دوبارہ واپس آئے گا اور ساری دنیا پر حکومت کرے گا' یہ ممی ارفینا ہی کی ہے۔''

''مگر تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ ممی ارفینا کی ہے؟'' خالدہ نے ذرا جھلائے ہوئے انداز میں جرح کی۔

راجو کے ہونٹ پھیل گئے' وہ کچھ ایسے انداز میں مسکرایا جیسے خالدہ کا تمسخر اڑا رہا ہو۔ ''میں.....'' اس نے بڑی تمکنت سے کہا ''میں عمن عونس دوئم ہوں اور مجھے علم نہیں ہوگا تو پھر کسے علم ہوگا کہ یہ ممی ارفینا کی ہے۔''

خالدہ نے مزید کچھ کہنے کا ارادہ کیا مگر پھر چپ ہوگئی۔ راجو سے کچھ پوچھنا لاحاصل ہی ہوتا۔ وہ اپنے ہوش میں نہیں تھا اور اسے صورت حال کا کوئی بھی احساس نہیں تھا۔ اگر خالدہ اس سے کچھ پوچھتی تو وہ راجو کی حیثیت سے نہیں بلکہ عمن عونس کی حیثیت سے جواب دیتا۔ چنانچہ خالدہ نے اسے نظر انداز کر دیا۔ مجھے سخت الجھن ہو رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے جو خوف اعصاب پر سوار تھا' وہ اب کسی حد تک اضطراب میں بدل گیا تھا۔ یہ اضطراب ایک تیز رفتار بھنور کی طرح تھا جس میں' میں مسلسل غوطے کھا رہی تھی اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب ہم کیا کریں گے؟ کب تک اس آسیبی غار میں ایک کہنہ سال ممی کے ساتھ بیٹھے رہیں گے۔ نہیں' یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ اس میں کچھ نہ کچھ غلط ضرور ہے۔ کوئی ایسی بات جہاں تک میرے ذہن کی رسائی ممکن نہیں مگر وہ بات کیا ہو سکتی ہے؟ میں اندر ہی اندر اپنے آپ سے الجھتی رہی اور سوچتی رہی۔ غار میں گہری خاموشی مسلط تھی اور یہ خاموشی میرے اعصاب پر ناقابل برداشت بوجھ بن رہی تھی۔ آخر کار میں نے گھبرا کر خالدہ سے کہا۔

''خالدہ! ہمیں کب تک اس غار میں رکنا پڑے گا؟''

خالدہ نے طویل سانس لی ''یہ طے کرنا مشکل ہے' ہم سوائے انتظار کے اور کچھ نہیں کر سکتے۔ تم یقیناً یہ پسند نہیں کرو گی کہ ہم باہر نکلیں اور پکڑ لیے جائیں۔ وہ لوگ باہر چاروں طرف ابھی بہر حال موجود ہوں گے۔''

خالدہ ٹھیک کہتی تھی' ہم انتظار کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتے تھے مگر یہ انتظار بڑا جان لیوا تھا۔ اگرچہ غار کے اندر گھٹن نہیں تھی' تاہم پھر بھی مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ میری سانس بھاری ہوتی جا رہی ہے۔ اس عذاب سے بچنے کا ایک ہی طریقہ تھا اور وہ یہ کہ میں اپنے ذہن کو کسی اور طرف لگا دوں۔ چنانچہ میں نے تصور کی اڑان بھری اور موفٹ جا پہنچی۔ موفٹ' جہاں میرا گھر تھا۔ جہاں میرا بچپن گزرا تھا اور جہاں مسز ریوز جیسی نیک اور پیاری ہستی رہتی تھی۔ مگر اب وہ منوں مٹی کے نیچے دفن ہو چکی تھی کیونکہ مسٹر اینڈ ریوز نے انہیں قتل کرا دیا تھا۔ اب اگر میں زندہ بچ بھی گئی اور اس بلاخیز صحرا سے نکل کر ایک بار پھر موفٹ پہنچ گئی تو بھی کیا حاصل ہوگا؟ وہاں مجھے مسز ریوز کا شفیق چہرہ نظر نہیں آئے گا۔ ان کی میٹھی' مہربان آواز نہیں سنائی دے گی بلکہ ان کی قبر میرا استقبال کرے گی' اوہ میرے خدا! میرے لیے اس سے زیادہ بدقسمتی اور محرومی کی بات اور کیا ہو سکتی

ہے؟

یکا یک میرے کانوں میں کچھ آوازیں آئیں' غیر ارادی طور پر میں نے گھوم کر دیکھا۔ نہ صرف میں نے بلکہ خالدہ اور راجو نے بھی۔ دوسرے لمحے میری رگوں کا سارا خون منجمد ہو گیا کیونکہ غار کے مختصر سے دہانے میں لارڈ رے سلکن برانڈ کا گول مٹول چہرہ نظر آ رہا تھا۔

''خالدہ! اب کیا ہوگا.....؟'' میں نے مدھم آواز میں سرگوشی کی۔ میرے لہجے سے مایوسی بوند بوند کر کے ٹپک رہی تھی۔

''گھبراؤ مت موئرا!'' خالدہ نے کہا ''حوصلہ بحال رکھو' جو کچھ ہوگا' اچھا ہی ہوگا۔''

میرے ہونٹوں پر ایک کھسیانی ہنسی پھیل گئی ''ہاں ٹھیک تو ہے' اب گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟ کیوں کہ اب باقی ہی کیا بچا ہے؟ ساری جدوجہد رائیگاں چلی گئی۔ موت سے بچتے پھر رہے تھے لیکن آخر کار موت نے دبوچ لیا۔ اب کچھ دیر میں یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے پھر تمہیں بھی قتل کر دیں گے اور.....''

''موئرا! اتنی مایوس مت ہو'' خالدہ نے پھر مجھے ٹوکا۔

میں نے طویل سانس لی ''خالدہ! مجھے بہت افسوس ہے کہ میری وجہ سے تمہیں بھی اپنی زندگی سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔''

خالدہ نے جھلا کر مجھے گھورا ''موئرا! تم اتنی مایوس کیوں ہو رہی ہو' خدا پر بھروسا رکھو۔ وہ ضرور ہماری مدد کرے گا۔''

میں چپ ہو گئی اور خالی خالی نظروں سے ان لوگوں کو دیکھنے لگی جو منظر نگاہوں کے سامنے تھا' وہ ابھی تک مجھے ایک خواب سا لگ رہا تھا۔ کاش وہ خواب ہی ہوتا' ایک بھیانک اور لرزہ خیز خواب اور پھر آنکھ کھل جاتی۔ مگر وہ خواب نہیں تھا' میری آنکھیں کھلی تھیں اور میں انہیں دیکھ رہی تھی۔ لارڈ رے برانڈ' مسٹر اینڈریوز' لوگن اور دوسرے بہت سے افراد۔ ان میں کئی عورتیں بھی تھیں' جب لارڈ رے برانڈ غار میں داخل ہوا تو اس کے ساتھ صرف دو افراد تھے۔ ایک سیاہ عورت' جو بے حد حسین تھی اور جسے وہ لوگ باربرا کہہ کر پکار رہے تھے اور ایک بوٹے سے قد کی نوجوان لڑکی جو تھی تو سفید فام لیکن اس کے بال بے حد گھنے اور بے حد سیاہ تھے۔ شاید وہ یونانی یا اسپینش تھی۔ وہ بلاشبہ بہت حسین تھی۔ اتنی حسین کہ رعنائی اور دلبری کی ساری حدیں اس پر تمام ہو گئی تھیں۔ لارڈ رے غار میں کچھ اس انداز میں داخل ہوا تھا جیسے وہ ایک مطلق العنان فاتح ہو۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ ایسی مسکراہٹ جس میں شگفتگی کا شائبہ تک نہ تھا بلکہ تمسخر تھا اور سنگدلی اور حد درجہ مکاری۔ اس نے سیٹی سے مشابہ گونجتی ہوئی آواز میں کہا تھا ''میں جانتا تھا تم لوگ یہاں ہو۔''

میرے ہونٹوں سے آواز نہیں نکلی تھی۔ خالدہ نے بھی کچھ نہیں کہا تھا۔ شاید اس کی سمجھ میں بھی نہیں آیا تھا کہ کچھ کہے یا نہ کہے۔ لارڈ رے نے چند ساعت انتظار کیا' پھر وہ گھوم کر راجو سے مخاطب ہوا ''ہیلو بھتیجے! اس سے ملو.....'' اس نے انگلی سے لڑکی کی جانب اشارہ کیا۔ ''یہ جولیانا ہے۔ تم سے ملنے کی بے حد مشتاق تھی۔''

لڑکی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے اپنا ننھا سا نازک اور خوبصورت ہاتھ آگے بڑھایا اور راجو

نے میکانکی انداز میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔ مگر راجو کی حالت عجیب تھی۔ اس کا چہرہ ایک دم زرد پڑ گیا تھا۔ آنکھیں دھندلا کر رہ گئی تھیں اور ایک لمحے کے لیے مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے اس پر نزع کی سی حالت طاری ہو۔ مگر وہ کس بات سے اس قدر دہشت زدہ تھا' کیا لارڈ رے سے یا اس سیاہ فام عورت باربرا سے جو اس کے قریب ہی کھڑی تھی۔ مگر وہ ان دونوں کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اس کی ساری توجہ تو جولیانا کی جانب مبذول تھی اور وہ پلک جھپکائے بغیر یوں جولیانا کو گھور رہا تھا جیسے وہ اسے نہ دیکھ رہا ہو بلکہ کسی انتہائی دہشت ناک شے کو دیکھ رہا ہو۔ یہ کیفیت چند ثانیے رہی۔ پھر جولیانا کے لبوں پر ایک برق پاش مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے موسیقی ریز آواز میں کہا ''ہیلو عالم.....!''

راجو کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔ مگر وہ کسی زندہ انسان کی مسکراہٹ نہیں تھی۔ ''ہیلو!'' اس نے جواب میں کہا۔ اس کی آواز اتنی مدھم تھی کہ بمشکل میرے کانوں تک پہنچ سکی۔

پھر ایک ایک کر کے دوسرے افراد بھی غار میں داخل ہونا شروع ہوئے۔ سب سے پہلے مسٹر اینڈریوز اور لوگن آئے۔ پھر ایک لمبا اور دبلا پتلا استخوانی چہرے والا آدمی اندر آیا۔ بعد میں پتا چلا کہ وہ ڈاکٹر نیفا تھا۔ میں اور خالدہ حیرت اور خوف سے انہیں دیکھتی رہی۔ یہ سوال مسلسل میرے ذہن میں گردش کر رہا تھا کہ وہ لوگ اتنی آسانی سے غار تک کیسے پہنچ گئے؟ کیونکہ ان کے رویے سے کچھ ایسا ظاہر ہوتا تھا جیسے انہیں غار کا راستہ اور ہماری موجودگی کا پہلے سے علم تھا۔ آخر انہیں کیوں کر علم ہو سکتا ہے؟ مگر اس سوال کا جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں پورا غار مردوں اور عورتوں سے بھر گیا۔ لیکن آنے والوں میں احسان نہیں تھا۔ حالانکہ ہمیں امید تھی کہ وہ مسٹر اینڈریوز اور لوگن کے ساتھ ہی ہوگا۔ مگر وہ ان کے ساتھ نہیں تھا۔ خالدہ اسے موجود نہ پا کر سخت مضطرب ہو گئی۔ اس نے تشویش بھرے لہجے میں مسٹر اینڈریوز کو مخاطب کیا۔ ''احسان کہاں ہے' کیا وہ آپ کے ساتھ نہیں آیا؟''

اینڈریوز نے اب تک ہم دونوں کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ خالدہ کے مخاطب کرنے پر وہ متوجہ ہوا۔ کئی لمحوں تک سرد اور کینہ توز نظروں سے ہم دونوں کو گھورتا رہا' پھر زہریلے لہجے میں بولا ''مجھے نہیں معلوم۔''

خالدہ کچھ اور بھی پوچھنا چاہتی تھی لیکن اینڈریوز کے جواب نے اسے خاموش کر دیا۔ کچھ پوچھنا بے کار ہی تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ کچھ نہیں کرتا تھا۔ پھر وہ میری جانب متوجہ ہوا اور گہری نظروں سے میری آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ اس کے چہرے پر خوشی مسرت اور شرافت کا کوئی تاثر نہیں تھا بلکہ انتہائی سرد اور انتہائی سنگین بے حسی تھی' اس کی آنکھیں مجھے اپنے وجود میں سوئیوں کی طرح چبھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں' یکا یک اس نے اپنے جبڑوں کو زور سے حرکت دے کر کہا ''موئرا! میرا خیال ہے' تمہیں سب کچھ معلوم ہو گیا' ہے نا؟''

میں چپ رہی تو اس نے مزید کہا ''مجھے افسوس ہے لیکن اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں' تم میری مجبوری کو سمجھ سکتی ہو۔''

''مجبوری'' میں نے دل ہی دل میں زہر خند کیا۔ ''میرے باپ کو قتل کرنا۔ موروثی جائیداد پر قبضہ کرنا اور مسز ریوز کو قتل کرانا۔ یہ سب مجبوریاں'' لیکن میں نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ چپ رہی۔ اس وقت ہم لوگ خاموش رہنے اور خود اپنے تماشائی بننے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اینڈریوز چند لمحے مجھے دیکھتا رہا۔ شاید

منتظر تھا کہ میں کچھ کہوں گی' مگر چپ رہی تو وہ گھوم کر لارڈ ریے کے پاس چلا گیا۔

ان لوگوں کا طرز عمل میرے لیے بڑا حیران کن تھا۔ ایک طرف تو ان کے چہروں پر سرد مہری اور آنکھوں میں کینہ توزی تھی۔ وہ آتے اور بہت سنگین نظروں سے راجو کو گھورتے لیکن دوسری طرف وہ نصف جھک کر اسے تعظیم بھی دیتے۔ اور ''ماسٹر'' کہہ کر پکارتے۔ ان سب کی حالتیں بے حد خراب تھیں۔ ان کے کپڑے اور بال ریت میں اٹے ہوئے تھے۔ جلد جھلسی ہوئی اور رنگت سنولائی ہوئی تھی۔ صاف پتا چلتا تھا کہ وہ گھنٹوں بلکہ دنوں ریگستان میں بھٹکتے رہے ہیں اور یہ مصیبت انہوں نے محض ایک مقصد کے لیے جھیلی تھی یعنی راجو کی تلاش آخر راجو ان کے لیے کتنا اہم ہے اور کیوں؟ وہ لوگ کتنا چاہتے ہیں۔ لارڈ ریے اور اینڈریوز سے کہا تھا کہ طوطنخ آمن اس دنیا میں دوبارہ واپس آئے گا۔ آخر یہ کیسی پیش گوئی ہے' کس نے کی تھی اور کیوں کی تھی اور اس کا راجو سے کیا تعلق ہے؟ کاش کوئی مجھے بتا سکے۔ لارڈ ریے اور اینڈریوز کی گزشتہ رات والی گفتگو کی جانب دھیان گیا تو یہ بھی یاد آیا کہ لارڈ ریے نے ''سرخ قربانی'' کا ذکر کیا تھا۔ یہ خیال بڑا دہشت ناک تھا۔ سر سے پیر تک میرا سارا جسم ٹھنڈا پڑ گیا۔ کیونکہ سرخ قربانی کا صرف ایک ہی مطلب تھا اور اسے سمجھنے کے لیے مجھے کسی وضاحت کی ضرورت نہیں تھی۔

انہوں نے میرے اور خالدہ کے ہاتھ پشت پر باندھ دیے اور ہمیں ایک کونے میں بٹھا دیا۔ اب ہماری حیثیت عارضی اور وقتی طور پر تماشائی سے زیادہ نہیں تھی۔ ہمیں وہاں بیٹھ کر اس سارے اہتمام کا تماشا دیکھنا تھا جو وہ سرخ قربانی کے لیے کرنے والے تھے۔ کچھ ہی دیر میں انہوں نے غار کی حالت بدل ڈالی۔ غار کا دہانہ بند کرنے کے بعد انہوں نے فرش صاف کر ڈالا۔ ان کے پاس کئی چھوٹے کیروسین لیمپ تھے اور بڑے سائز کی موم بتیاں بھی تھیں جو انہوں نے روشن کر دیں اور یوں غار میں خاصا اجالا پھیل گیا۔ مگر یہ دوسری بات ہے کہ اس طرح غار کے غیر فطری ماحول میں کوئی کمی نہیں ہوئی بلکہ کچھ اضافہ ہی ہو گیا تھا۔ لیمپ اور موم بتیوں کی پیلی پیلی روشنی میں وہ لوگ بھوتوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔ سارا منظر بڑا غیر فطری اور زندگی سے خالی محسوس ہو رہا تھا۔ غار کے چاروں طرف دیواروں پر بڑے بڑے مہیب سائے متحرک تھے۔ جو عفریتوں کی طرح دکھائی دیتے تھے۔ میں خالی خالی نظروں سے ان سایوں کو اور ان لوگوں کو دیکھتی رہی۔ یہ سب کچھ مجھے ایک بھیانک خواب کی طرح لگ رہا تھا۔ کاش خواب ہی ہوتا اور کچھ دیر بعد میری آنکھ کھل جاتی۔ مگر وہ خواب نہیں تھا۔ حقیقت تھی اور جاگتی آنکھوں سے اس حقیقت کو دیکھ رہی تھی۔

کئی مردوں نے اپنے شانوں پر بڑے بڑے تھیلے لٹکا رکھے تھے۔ جب یہ تھیلے کھلے تو انکشاف ہوا کہ ان تھیلوں میں مختلف نوع کی متعدد اشیا تھیں۔ چھوٹی بڑی شیشیاں اور ڈبے اور بوتلیں' کئی چھاگلیں اور تھرموس' کھانے کا کافی سامان بھی تھا۔ تین چار فولڈنگ کرسیاں تھیں۔ دو مٹی کے تیل کے چھوٹے چولھے اور کچھ برتن بھی تھے۔ ایک تھیلے میں کچھ کپڑے اور زیورات رکھے تھے۔ انہوں نے ایک چادر زمین پر بچھا کر سارا سامان اس پر رکھ دیا۔ پھر وہ لوگ گروپوں میں بٹ کر ادھر ادھر بیٹھ گئے۔ مجھے اور خالدہ کو انہوں نے اس طرح نظر انداز کر دیا تھا جیسے کہ ہم وہاں موجود ہی نہ ہوں۔ ان کی توجہ کا مرکز اس وقت راجو تھا۔ کیوں کہ یہ راجو ہی تھا جو ان کی تمام امیدوں اور منصوبوں کی بنیاد تھا۔ اس کے تعاون کے بغیر ان کی پیش گوئی پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ لہٰذا اس کے

باوجود کہ ان کی آنکھوں میں راجو کے لیے مہر و مروت نہیں تھی' وہ بڑے اہتمام کے ساتھ اس کی خدمت اور دیکھ بھال میں لگے ہوئے تھے۔ باربرا' لارڈرے نیفا اور ایک اور عورت نے جس کا نام روزالبہ تھا۔ راجو کے کپڑے اتارے' اس کا بدن صاف کیا اور پھر ڈاکٹر نیفا نے اس کے زخموں پر کوئی دوا لگائی اور اسے پینے کے لیے ایک سرخ رنگ کی دوا دی یا ممکن ہے' وہ کوئی شراب رہی ہو۔ پھر انہوں نے اسے ایک منقش گاؤن پہنا دیا۔ باربرا نے اس کے چہرے' ہاتھوں اور پیروں میں کوئی کریم لگائی اور بالوں میں کنگھی کی۔ اس دوران میں راجو نے نہایت فرمانبرداری کا مظاہرہ کیا تھا۔ ذرا بھی مزاحمت یا تعرض نہیں کیا۔ اس کا رویہ کچھ ایسا تھا جیسے وہ جیتا جاگتا آدمی نہ ہو' بے جان مجسمہ ہو جسے وہ جس طرح جی چاہے استعمال کر سکتے ہیں۔ اس کے چہرے سے بھی کسی قسم کا کوئی تاثر ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ پھیکا' بے رونق' بے رنگ چہرہ جس پر زندگی کی چمک تھی' نہ موت کا خوف اور نہ امید کی کرن۔ شاید اس کے لاشعور نے بھی آخر کار مان لیا تھا کہ زندگی بچانے کے جدوجہد ناکام ہو چکی ہے۔

انہوں نے سنہرے نقش و نگار والی ایک چادر تابوت کے قریب زمین پر بچھا دی تھی اور راجو کو اس پر بٹھا دیا تھا۔ وہ بالکل چپ تھا اور بے معنی نظروں سے خلا میں مسلسل گھور رہا تھا۔ دو لڑکیاں جن میں سے ایک جولیا نہ تھی اور دوسری کا نام ٹیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی بیٹھی تھیں۔ ٹیا بے حد حسین لڑکی تھی۔ اتنی حسین اور جاذب نظر کہ میں عورت ہوتے ہوئے بھی اس کے حسن کے معترف ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ ہر چند کہ وہاں جتنی عورتیں تھیں' سب ہی بے حد خوبصورت اور دلکش تھیں۔ مگر ٹیا سب سے منفرد اور ممتاز تھی۔ میں نے اپنی زندگی میں اتنی طرح دار عورتیں شاذ ہی دیکھی تھیں۔ وہ دونوں آپس میں کچھ گفتگو کر رہی تھیں مگر ان کا لہجہ اتنا مدھم تھا کہ مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ ان سے کچھ فاصلے پر یعنی میرے دائیں جانب لارڈرے' ڈاکٹر نیفا' باربرا' اینڈریوز اور ایک شخص جس کا نام کارسن تھا۔ کھڑے تھے اور کسی مسئلے پر گفتگو کر رہے تھے ان کے ہاتھوں کی حرکات اور کبھی کبھی بلند ہونے والی پرجوش آواز میں سے صاف پتا چلتا تھا کہ کوئی اہم مسئلہ زیر بحث ہے۔ ان کی آوازیں بھی گو مدھم تھیں مگر کبھی کبھی کوئی لفظ میرے کانوں تک پہنچ جاتا تھا۔ ان الفاظ سے یہ طے کرنا مشکل تھا کہ ان کے درمیان کون سا مسئلہ زیر بحث ہے لیکن یہ قیاس کرنا آسان تھا کہ زیر گفتگو مسئلے پر ان کے درمیان خاصا اختلاف ہے' مجھے گزشتہ رات والی لارڈرے اور اینڈریوز کی گفتگو کا ایک ایک لفظ یاد تھا۔ اس نے کہا تھا کہ سائرس ناراض ہو گیا ہے اور اسے منانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اسے سرخ قربانی پیش کی جائے اور یہ قربانی اس جگہ پیش کی جائے جہاں کبھی سائرس اپنی بیوی کے ساتھ روشنیوں کے محل میں رہتا تھا لیکن اب ایسا لگتا تھا کہ اس معاملے پر ان کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر نیفا کے ہاتھ میں دو تین کتابیں تھیں' جن کے صفحات وہ بار بار پلٹتا تھا۔ غالباً سرخ قربانی کا مسئلہ کتابوں میں پوری طرح واضح نہیں تھا اور وہ یہ طے کرنے سے قاصر تھا کہ اس رسم کو کس طرح تکمیل تک پہنچائیں۔ اس کی وضاحت چند لمحے بعد ہو گئی جب لارڈرے نے یکا یک کہا ''تو تمہارے خیال میں وقت گزر چکا ہے؟''

''ہاں.....'' میں نے بمشکل نیفا کی آواز سنی ''مگر مجھے یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے' کتابوں کی تحریر سے جو کچھ سمجھ میں آتا ہے۔ اس کے مطابق ساعت قربانی.....'' اس کے بعد کے چند الفاظ سمجھ میں نہیں آئے۔ پھر آخری جملہ سنائی دیا ''لیکن کسی غلطی کا نتیجہ ہمارے حق میں برا ہو گا۔''

لارڈ رے نے کہا ''تو پھر.....؟''

ڈاکٹر نیفا نے فوری طور پر کچھ نہیں کہا۔ اتنی دیر میں پہلی بار اس نے گھوم کر چاروں طرف دیکھا۔ پہلے راجو کو اور پھر مجھے۔ اس کے ستے ہوئے بے رونق چہرے اور بے روح آنکھوں میں گہری سوچ کی لکیریں تھیں۔ دو تین لمحوں کے بعد وہ پھر لارڈ رے اور کارسن کی طرف متوجہ ہو گیا۔ پھر وہ لوگ وہاں سے ہٹ کر کچھ اور دور چلے گئے اور آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگے۔ میں چپ چاپ بیٹھی یونہی بے دھیانی سے ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ خالدہ میرے قریب ہی بیٹھی تھی اور میری ہی طرح خاموش بھی تھی۔ مگر اس کے چہرے سے پتا نہیں چلتا تھا کہ اس کے دل میں بھی خوف اور نا امیدی کے وہی احساسات موجزن تھے' جو میرے دل میں تھے۔ برعکس اس کے' اس کی آنکھوں سے کافی اعتماد کا اظہار ہوتا تھا۔ شاید اسے بدستور امید تھی کہ کوئی نہ کوئی بات ہو جائے گی' کوئی ایسا معجزہ جو بازی کو پلٹ دے گا۔ امید قدرت کا بڑا انمول اور عظیم تحفہ ہے جو لوگ امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے' وہ کبھی کبھی ہاری ہوئی بازی جیت لیتے ہیں اور موت کا منہ پھیر لیتے ہیں۔ میں نے بڑی محبت اور ممنونیت سے خالدہ کو دیکھا' اس کا اعتماد مجھے بھی سہارا دے رہا تھا۔ کیا پتا اس کی امید رائیگاں نہ جائے اور کوئی کرشمہ ہو جائے۔ کوئی ایسا کرشمہ کہ سر پر آئی ہوئی موت' کچھ دیر کے لیے ہی سہی ٹل جائے۔

پھر میں راجو کو دیکھنے لگی۔ وہ بدستور خلا میں گھور رہا تھا۔ میری نگاہ اس کے چہرے پر مبذول ہوئی تو نہ جانے کیسے وہ بھی میری جانب متوجہ ہو گیا۔ کچھ دیر مجھے خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ نہیں تھا' کوئی تاثر نہیں تھا' کوئی جذبہ نہیں۔ یوں مجھے دیکھ رہا تھا جیسے پہلی بار دیکھ رہا ہو۔ پہچان کی کوئی رمق اس کی آنکھوں میں نہیں تھی۔ پھر اس نے گردن گھمالی۔ میں نے طویل سانس لی اور غار کا جائزہ لیا۔ وہ لوگ بکھرے ہوئے ادھر ادھر بیٹھے تھے اور آپس میں آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے تھے۔ ان میں ہر طرح کے لوگ تھے۔ سفید فام بھی اور سیاہ فام بھی۔ دو تین ایسے چہرے بھی تھے جن کا تعلق مشرق وسطیٰ ہی سے تھا۔ ان میں سے کئی اپنے بشرے سے خاصے معقول اور تعلیم یافتہ لگتے تھے۔ پتا نہیں وہ لوگ کیونکر لارڈ رے کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ عمن عونس دوئم اور طوطخ آمن کی واپسی جیسی باتوں پر کوئی ہوشمند ہی یقین نہیں کر سکتا تھا۔ پھر وہ لوگ کیوں ایمان لے آئے تھے۔ میں انہیں دیکھتی رہی اور حیرت سے سوچتی رہی مگر یہ ایسا سوال تھا' جس کا بظاہر کوئی معقول جواب مجھے نظر نہیں آتا تھا۔

لمحے رینگ رینگ کر گزرتے رہے اور میرا اعصابی تناؤ بڑھتا گیا۔ غار میں گونجنے والی مکھیوں جیسی بھنبھناہٹ مجھے ہیجان میں مبتلا کر رہی تھی۔ آخر یہ لوگ کس بحث میں الجھے ہوئے ہیں۔ کس بات کا انتظار کر رہے ہیں۔ کیوں اتنی دیر کر رہے ہیں؟ میری گھبراہٹ ہر لمحہ بڑھ رہی تھی۔ انتظار ایک ایسی صلیب بن گیا تھا جس پر میں لٹکی ہوئی تھی' جیسے میرے ہاتھوں اور پیروں میں کیلیں ٹھونک دی گئی تھیں۔ انتظار ختم نہیں ہو رہا تھا۔ آخر تنگ آ کر میں نے وحشت زدہ نظروں سے خالدہ کو دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''خالدہ! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ آخر یہ لوگ اتنی دیر کیوں کر رہے ہیں؟''

''کیوں؟'' خالدہ نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

''پتا نہیں!'' میں نے بے بسی سے کہا ''مجھے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا۔ بڑی گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ تم.....تم

سمجھ سکتی ہو۔"

خالدہ نے آہستہ سے سر کو جنبش دی "ہاں لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں' تم اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرو۔"

"کک..... کیا یہ لوگ واقعی مجھے مار ڈالیں گے؟" میں نے سرگوشی کی لیکن یہ بات میں نے نہیں کہی تھی بلکہ اس عورت نے کہی تھی' جو میرے اندر بیٹھی تھی اور موت کی دہشت سے نیم جان ہو چکی تھی۔ خالدہ نے مجھے ہمدردی سے دیکھا۔ اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں' ہاں' اب کوئی راستہ نہیں۔ وقت آخر قریب آ چکا ہے۔ مگر یہ بات اس نے زبان سے نہیں کہی۔ بلکہ مجھے حوصلہ دلانے والے لہجے میں کہنے لگی۔

"تمہیں یہ سب کچھ نہیں سوچنا چاہئے۔ بہتر ہے کہ تم اپنا دھیان کسی اور طرف لگاؤ اور....."

خالدہ نے کچھ اور بھی کہا مگر میں نے نہیں سنا کیونکہ میں تو اس لمحے اپنے آپ کو سن رہی تھی۔ مگر یہ کیسی حرماں نصیبی کی موت ہوگی۔ وطن سے ہزاروں میل دور' اس ویران ریگستان کے اس سنگین غار میں اور کبھی کسی کو پتا نہیں چلے گا۔ یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے اور پھر میرے خون سے راجو کو نہلائیں گے۔ پھر میری لاش کو یہاں چھوڑ کر چلے جائیں گے اور تب میری لاش یہاں پڑے پڑے سڑ جائے گی اور میرا گوشت....."

"موئرا!..... موئرا.....!" یکا یک خالدہ نے شانے سے مجھے ٹہوکا دیا "یہ کیا بک رہی ہو' ہوش میں آؤ۔"

میں معاً اس طرح چونک پڑی۔ جیسے خواب سے آنکھ کھل گئی ہو پھر میں اسے گھبرائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔ خالدہ نے تہدیدی لہجے میں کہا "تمہیں آخر کیا ہو گیا ہے' کیسی باتیں کر رہی ہو؟"

میری آنکھوں میں آنسو آ گئے "پھر میں کیا کروں؟"

"خدا کو یاد کرو" خالدہ نے نرم لہجے میں مجھے تاکید کی۔

میں چپ ہو گئی۔ خالدہ نے ٹھیک کہا تھا۔ جب سارے سہارے ٹوٹ جاتے ہیں تو صرف ایک سہارا باقی رہتا ہے اور وہ سہارا ہے خدا کا۔ خالدہ نے اس قادر مطلق کا ذکر کیا تو مجھے ایک ڈھارس سی ملی۔ میں نے دل ہی دل میں لارڈ جینرس کرائسٹ کو یاد کیا اور ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ڈاکٹر نیفا اور لارڈ رے کی بحث آخر کار اختتام کو پہنچ گئی تھی اور لوگ راجو کے پاس آ گئے تھے۔ غار میں گونجتی ہوئی بھنبھناہٹ یکا یک معدوم ہو گئی۔ وہ لوگ جو ادھر ادھر بکھرے ہوئے بیٹھے تھے' خاموش ہو کر لارڈ رے کی جانب متوجہ ہو گئے۔ سب کی نگاہیں لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفا پر مرکوز تھیں اور کان منتظر تھے۔ وہ لمحات بڑے سنسنی خیز اور بوجھل تھے اور میرے اعصاب کو کن کھجوروں کی طرح نوچ رہے تھے۔ اب کیا ہوگا..... اب کیا ہوگا۔ ان لوگوں نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ اب وہ لوگ کیا کریں گے' کیا میری زندگی کے دن پورے ہو گئے ہیں.....؟

ڈاکٹر کئی منٹ تک چپ چاپ کھڑا رہا اور گہری سرد نظروں سے کبھی تابوت میں پڑی ہوئی ممی کو اور کبھی راجو کو دیکھتا رہا پھر اس نے ہاتھ اٹھایا اور غار کے گھٹے ہوئے ماحول میں اس کی سرد اور کھردری آواز گونجی!

"ساتھیو! تم پر اسائرس اور انفن عاتن اور ایمن اپنی رحمتیں نازل کریں۔ تمہارے خلوص' تمہاری وفاداری اور اسائرس سے تمہاری عقیدت پر شبہ نہیں۔ طوطنخ عامن کی واپسی کی ذمے داری مجھ پر اور رے پر اور تم سب پر عائد کی گئی تھی اور ہر چند کہ ہم سب نے اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ پھر بھی کوئی ایسی

کوتاہی ہم سے نادانستگی میں سرزد ہوگئی جس کا ہمیں بھی علم نہیں لیکن اس کوتاہی کی بنا پر اسائرس ہم سے ناراض ہوگیا اور یوں ہماری برسوں کی ریاضت اور محنت رائیگاں چلی گئی۔ تم میں سے ہر شخص کو اچھی طرح علم ہے کہ رسم شادی کی تکمیل تک ہم نے سارے امور پیش گوئی اور ارفینا کی ہدایت کے عین مطابق انجام دیے تھے لیکن پھر ماسٹر ملکہ ٹیا کو چھوڑ کر چلے گئے۔ میں نہیں جانتا کہ ایسا کیوں ہوا؟ ہم سے اگر کوئی غلطی سرزد ہوئی تھی تو کیا؟ کیا میں نے اپنے ساتھیوں کا حساب لگانے میں کوئی غلطی کی تھی یا ہم میں سے کسی کی نیت میں کوئی فتور تھا یا رسم شادی میں کوئی خامی رہ گئی تھی۔ یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے البتہ ایک بات ضرور پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے اور وہ یہ کہ ہم ماسٹر کی طرف سے سخت ناراض ہوگئے تھے اور مایوسی اور عیش کی حالت میں ہم نے ماسٹر کے بارے میں کئی بار نامناسب کلمات ادا کیے تھے' یہ بات یقیناً اسائرس اور افن عاتن اور ایمن کو پسند نہیں آئی ہوگی۔ خیر جو ہوا سو ہوا' مجھے اطمینان ہے کہ ناراضگی کے ساتھ ساتھ اسائرس کی مہربانیاں بھی بہرحال ہمارے ساتھ تھیں۔ کیونکہ ہم ماسٹر کو اس صحرا میں تلاش کر لینے میں کامیاب ہوگئے۔ یہ اسائرس کا کرم ہے۔ اگر ایک بار ماسٹر صحرا سے نکل جانے میں کامیاب ہوجاتے تو یہ بات کسی صورت سعد نہ ہوتی اور ہمیں نہ صرف ان گنت دشواریوں بلکہ یقینی طور پر اسائرس اور افن ماتن کے عتاب کا بھی شکار ہونا پڑتا۔''

ڈاکٹر نیفا بولتا رہا۔ اس کی سپاٹ' سرد اور بے روح آواز غار کی محدود فضا میں ارتعاش پیدا کرتی رہی۔ میں چپ چاپ سن رہی تھی۔ غار میں اتنی گہری خاموشی تھی کہ سانسوں کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ وہ سب سنگی بتوں کی طرح پرسکوت بیٹھے تھے اور ان کی نگاہیں ڈاکٹر نیفا پر جمی ہوئی تھیں جو کسی ساحر کی طرح اپنے استخوانی ہاتھوں کو جنبش دے کر مسلسل بول رہا تھا۔ ''تو ساتھیو! ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے اور ہم سے اور اگر کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے تو اس کے ازالے اور تلافی کی گنجائش بہرحال موجود ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اسائرس اپنی رحمتیں نازل کرے گا اور ہم انجام کار اس پیش گوئی کو جو ہزاروں برس قبل کی گئی تھی' تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ تلافی کی کئی صورتوں کا ذکر ارفینا نے اپنی کتاب میں کیا ہے لیکن ان کا ذکر کرنے سے پیشتر میں تم سب کو کچھ اور بھی بتانا چاہوں گا کیونکہ شاید یہ اسائرس کی ہی مرضی ہے۔ کہ ہم سب اس وقت تہ خانے میں موجود ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تم لوگ اس وقت یہاں ہرگز نہ ہوتے۔''

اتنا کہہ کر ڈاکٹر نیفا اچانک چپ ہوگیا۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں اور زور زور سے سانس لینے لگا۔ وہ اندرونی طور پر شدید ہیجان میں مبتلا تھا اور اتنی قوت سے سانس لے رہا تھا کہ اس کی گردن کی رگیں مجھے دور سے بھی بالکل صاف پھولتی پچکتی نظر آرہی تھیں۔ کئی لمحے تک وہ حالت ہیجان میں رہا۔ پھر اس نے آنکھیں کھولیں اور بہت غور سے عالم کو گھورا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے جنہیں کوئی نام دینا بہت مشکل تھا۔ کچھ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ وہاں ہوتے ہوئے بھی نہیں تھا۔ اس کا جسم وہاں تھا مگر اس کی روح وہاں نہیں تھی' بلکہ شاید ماضی کے ویران کھنڈروں میں بھٹک رہی تھی۔ چند ثانیے بعد اس نے یکا یک جھرجھری لی اور اس طرح چونکا جیسی کسی سحر سے جاگا ہو پھر اس کی آواز گونجی ''دوستو! اسائرس تم پر اپنی رحمتیں اتارے۔ جب تم اس غار میں آئے تو تم نے اس ممی کو دیکھا تھا مگر کچھ پوچھا نہیں تھا اور یہ بہت اچھی بات تھی۔'' اتنا کہتے ہوئے اس نے تابوت کی طرف اشارہ کیا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ تم سے نادانستگی میں کوئی بے ادبی سرزد ہوجاتی۔ تابوت کسی اور کا نہیں

ارفینا کا ہے اور یہ ممی بذات خود ارفینا کی ہے۔ ہاں' تم حیران نہ ہو' سچ ہے ارفینا جو عمن عونس دوئم اور طوطنخ آمن کے زمانے کا شاہی پجاری تھا اور جس نے کتاب ارفینا لکھی اور اسائرس کی خواہش طوطنخ آمن دوبارہ دنیا میں واپس آئے۔ ہم سب تک پہنچائی۔ یہ ممی اسی ارفینا کی ہے اور یہ جگہ ارفینا نے خود ہی اپنے مدفن کے لیے پسند کی تھی کیونکہ کسی زمانے میں اسائرس اپنی بیوی کے ساتھ روشنیوں کے محل میں رہتا تھا۔ ارفینا نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ کسی وجہ سے رسم شادی کی تکمیل میں' یا بعد ازاں کوئی رخنہ پڑا تو سائرس اور انخ عاتن کے عقیدت مند یہاں جمع ہوں گے اور دیکھو' یہی ہوا' ہم سب اس وقت یہاں موجود ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ عظیم تر ارفینا کی عظیم وجلیل روح اس وقت یہاں ضرور موجود ہوگی۔ اس کے دست رحمت کا سایہ ہمارے سروں پر ہوگا۔''

اتنا کہہ کر ڈاکٹر نیفا لمحہ بھر کے لیے رکا پھر اس نے سلسلہ کلام آگے بڑھایا۔ ''ہر چند کہ تم زیادہ تر باتوں سے واقف ہو مگر کچھ باتیں ایسی ہیں جن سے تم باخبر نہیں۔ میں آج وہ باتیں بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ دوستو! یہی وہ غار ہے جہاں اب سے چند سال قبل میں تنہا آیا تھا۔ مگر میں نہیں سمجھتا کہ میں خود بخود یہاں پہنچ گیا تھا' بلکہ میرا یقین ہے کہ خود ارفینا کی عظیم روح نے میری رہنمائی کی تھی۔ میں اکیلا تھا اور صحرا میں بھٹک گیا تھا۔ میں کئی روز کا بھوکا پیاسا تھا۔ میرے اعصاب خستہ ہو چکے تھے اور جسم وذہن پوری طرح کام نہیں کر رہے تھے۔ یہ طے ہے کہ میں بھوک' پیاس اور اعصابی خستگی کے باعث بہر حال مر جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ میں کسی طرح اس غار میں پہنچ گیا اور تب مجھ پر وہ سارے راز منکشف ہوئے جو اس غار میں ارفینا کی ممی کے ساتھ ہزاروں برس سے دفن تھے۔ اب ارفینا اور دوسری کتابیں' طوطنخ آمن کا مجسمہ اور دوسری بے شمار اشیا مجھے ٹھیک ٹھیک یاد نہیں کہ میں کتنے دن اس غار میں رہا۔ لیکن یہ یقین ضرور ہے کہ کئی دن تک یہاں رہا۔ پھر میں باہر نکلا اور صحرا میں بے ہوش ہو کر گر پڑا کیونکہ مزید چلنے اور بھوک و پیاس برداشت کرنے کی سکت بالکل نہیں رہ گئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ میری موت واقع ہو جاتی مگر پھر ریمزے وارد ہوا اور اس نے میری جان بچائی۔ مجھے قطعی یقین ہے کہ یہ سب کچھ محض اتفاق سے نہیں ہوا بلکہ جس طرح ارفینا کی لوگوں غار تک میری رہنمائی کی تھی' اسی طرح ارفینا کی عظیم وجلیل روح نے پروفیسر ریمزے کی رہنمائی کی ہوگی کیونکہ ارفینا کو بہر حال پیش گوئی کی جان بچانا مقصود تھا۔ بعد ازاں ہم دونوں انگلستان گئے اور میں نے وہاں کتاب ارفینا کا مطالعہ کیا اور تب مجھ پر ارفینا کہنے کا انکشاف ہوا۔ پھر ہم لوگ واپس آئے اور تمام سامان اپنے ہمراہ انگلستان لے گئے اور اسائرس کی منشا اور ارفینا کی پیش گوئی کے مطابق ایمن سوسائٹی کی بنیاد رکھی۔''

ڈاکٹر نیفا ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔ میں پتھر کی طرح ساکت وصامت بیٹھی' ٹھہری ہوئی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ میرا جسم شدت سے کانپ رہا تھا اور ریڑھ کی ہڈی میں ٹھنڈی ٹھنڈی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ خوف زدہ تو میں پہلے بھی تھی مگر اس وقت میری دہشت میں کچھ زیادہ ہی اضافہ ہو گیا تھا۔ یہ احساس کہ وہ کہنہ سال بھیانک ممی کسی ارفینا نامی پجاری کی ہے' مجھ پر کپکپی طاری کر رہا تھا۔ مجھے وہ منظر یاد آ گیا جب میں نے ایک موٹے سے چوہے کو ممی کی آنکھ میں بیٹھے دیکھا تھا' کتنا دہشت ناک منظر تھا۔ میں نے زور سے جھرجھری لی اور گردن موڑ کر خالدہ کو دیکھا مگر وہ پلک جھپکائے بغیر ڈاکٹر نیفا کو گھور رہی تھی۔ پھر میں بھی ڈاکٹر نیفا کی طرف متوجہ ہو گئی تھی' جو کہہ رہا تھا ''تو ساتھیو! میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب کا اس وقت یہاں جمع ہونا بھی ارفینا کی پیش گوئی کا ایک حصہ ہے

اور بالکل اسی طرح پیش آیا ہے جس طرح اور بہت سی باتیں پیش آتی تھیں اور اس کا مطلب صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ پیش گوئی بہر حال تکمیل تک پہنچے گی۔ اسائرس نے ہمیں ایک اور موقع عطا کیا ہے اور مجھے امید ہے کہ اس بار ہم سے کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔ ڈاکٹر نیفا ایک لمحے کے لیے رکا پھر گویا ہوا "اب میں اصل مسئلے کی طرف آتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے کہا تھا کہ کتاب ارفینا میں تلافی کی کئی صورتیں درج ہیں اور یہ سب بالترتیب ہیں یعنی ایک صورت ناکام ہو جائے تو پھر دوسری صورت اختیار کی جائے۔ ہم نے کتاب میں درج تحریر کا بغور مطالعہ کیا ہے لیکن بدقسمتی سے مندرجات کا مفہوم پوری طرح واضح نہیں ہو سکا۔ لارڈ رے اور میری رائے میں خاصا اختلاف ہے اور ہر چند کہ ہم نے اس مسئلے پر کافی بحث کی اور مندرجات کی کوئی واضح شکل طے کرنے کی کوشش کی مگر کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔ ازالے کی کئی صورتوں میں سے پہلی صورت 'سرخ قربانی' کی ہے۔ سرخ قربانی سے ارفینا کی کیا مراد ہے؟ اس پر میں اور لارڈ رے متفق ہیں مگر قربانی کی باقی تفصیلات بڑی گنجلک ہیں اور ان کے بارے میں ہم دونوں کی رائے میں کافی تضاد ہے۔ ایک خدشہ یہ بھی ہے کہ اگر ہم نے سرخ قربانی کی تفصیلات کو پوری طرح سمجھے بغیر اس پر عمل کیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی غلطی کا ارتکاب کر بیٹھیں۔ اس کا پورا امکان موجود ہے اور اگر واقعی ہم سے کوئی غلطی ہوگئی تو اسائرس ہمیں معاف نہیں کرے گا۔ میں نے اور لارڈ رے نے اس پر بہت غور کیا اور آخر کار اس نتیجے پر پہنچے کہ ہم "سرخ قربانی" کی رسم پر سردست عمل نہیں کریں گے۔"

غار میں یکا یک تیز تیز آوازیں گونجیں۔ وہ لوگ حیران ہو کر ایک دوسرے سے مختلف سوالات کرنے لگے۔ ایک عجیب سی تناؤ کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ لیکن اس تناؤ کی فضا میں، میں نے دفعتاً اپنے آپ کو غبارے کے مانند ہلکا پھلکا محسوس کیا۔ یوں لگا جیسے میرے دل پر سے کوئی بھاری بوجھ ہٹ گیا ہو۔ ڈاکٹر نیفا نے کہا تھا "ہم سرخ قربانی کی رسم پر سردست عمل نہیں کریں گے" یہ ایک مژدہ جانفزا تھا۔ عارضی طور پر ہی سہی، موت کی تلوار میری گردن سے ہٹ گئی تھی۔ میرا جی چاہا کہ ہنسوں، خوب زور زور سے ہنسوں۔ یہ بالکل غیر ارادی خواہش تھی مگر اس وقت ہنسنا اپنی موت کو پھر آواز دینے کے مترادف تھا۔ میں نے کسی نہ کسی طرح ہونٹ بھینچ لیے۔ غار میں بدستور بھنبھناہٹ گونج رہی تھی۔ ہر زبان پر تقریباً ایک ہی سوال تھا۔ اگر سرخ قربانی کی رسم پر عمل نہیں کریں گے تو پھر کیا کریں گے؟ تبھی یکا یک ڈاکٹر نیفا نے اپنا بایاں ہاتھ فضا میں بلند کیا۔ غار میں ایک بار پھر خاموشی مسلط ہوگئی اور تب ڈاکٹر نیفا نے کہا۔

"ساتھیو! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، ہم نے پیش گوئی کی تکمیل کے لیے بہت کچھ کیا ہے، دن رات محنت کی ہے اور اپنی زندگیوں کا ایک بہترین حصہ اس مقصد کی نذر کر دیا ہے۔ مجھے کل بھی یقین تھا، آج بھی یقین ہے کہ اسائرس ہم پر اپنی رحمتیں نازل کرے گا اور وہ مقصد ضرور پورا ہوگا جس کی پیش گوئی ارفینا نے کی تھی اور جو ساڑھے تین ہزار سال سے شرمندۂ تکمیل ہونے کی منتظر ہے۔ ہم نے سرخ قربانی کی رسم پر عمل نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ ہم کسی کوتاہی کے مرتکب ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے لیکن ہم ازالے کی کسی نہ کسی صورت پر ضرور عمل کریں گے۔"

"مگر کس طرح؟" اتنی دیر میں پہلی بار غار سے ایک آواز بلند ہوئی اور یہ آواز روزالبہ کی تھی۔

"عظیم و جلیل اسائرس کی مدد سے" ڈاکٹر نیفا نے جواب دیا۔

ہپناٹزم کا عمل میں نے بچشم خود کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ہاں چند ایک بار ٹیلی وژن اور فلم میں ضرور دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ یہ پہلا اتفاق تھا کہ میری اپنی جیتی جاگتی آنکھوں کے سامنے ڈاکٹر نیفا راجو کو ہپناٹائز کر رہا تھا۔ غار میں گہری خاموشی کا تسلط تھا۔ ہر فرد کی نظریں منتظر' متجسس اور مضطرب۔ ان دونوں پر جمی ہوئی تھیں چونکہ فاصلہ زیادہ نہیں تھا' اس لیے میں نہ صرف سارے عمل کو بخوبی دیکھ سکتی تھی بلکہ ڈاکٹر نیفا اور راجو کے چہروں کے تاثرات کا مشاہدہ بھی کر سکتی تھی۔ بشرطیکہ وہاں کسی قسم کے تاثرات ہوتے۔ ان دونوں کے احساسات و جذبات اندر ہی تک محدود ہو کر رہ گئے تھے۔ چہروں سے کچھ بھی ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ ستے ہوئے سپاٹ چہرے تھے۔ راجو ڈاکٹر نیفا کے حکم پر تابوت سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا تھا اور خالی خالی غنودہ نظروں سے اس طلائی لاکٹ کو جو بڑا بیش قیمت لگتا تھا۔ اس میں متعدد ننھے منے ہیرے جڑے ہوئے دور سے بھی چمکتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ دیکھنے لگا۔ لاکٹ منقش تھا مگر فاصلے کی بنا پر اس کے نقش و نگار دکھائی نہیں دیتے تھے۔ ڈاکٹر لاکٹ کو دائیں بائیں حرکت دیتا جا رہا تھا اور سرسراتی ہوئی تحکمانہ آواز میں بار بار کہہ رہا تھا۔ ''ماسٹر! آپ میری آواز سن رہے ہیں۔ یقیناً سن رہے ہیں' آپ کا جسم آرام کرنا چاہتا ہے۔ آپ کا ذہن آرام کرنا چاہتا ہے..... آپ کو نیند آ رہی ہے..... ہاں' یقیناً آپ کو نیند آ رہی ہے۔ آپ کی آنکھیں بند ہو رہی ہیں۔ سو جایئے..... آرام سے سو جایئے..... لیکن جب آپ سو جائیں گے' تب بھی میری آواز سنیں گے اور ان باتوں کا جواب دیں گے' یہ میرا حکم ہے.....''

لاکٹ متحرک رہا اور اس کے ساتھ ساتھ راجو کی آنکھیں بھی حرکت کرتی رہیں۔ دائیں سے بائیں..... اس کا چہرے کا اضمحلال کچھ اور گہرا ہو گیا تھا۔ آنکھوں کی غنودگی میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ گہرے نشے میں ہے اور ممکن ہے کہ وہ واقعی نشے میں ہو.... ہپناٹزم کا عمل شروع کرنے سے قبل ڈاکٹر نیفا نے اسے ایک مشروب پینے کے لیے دیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مشروب نشہ آور رہا ہو۔ راجو کی پلکیں بار بار جھپک رہی تھیں۔ نیند کا غلبہ واقعی شدید تھا۔ چند لمحے بعد اس کی آنکھیں اچانک بند ہو گئیں اور گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

ڈاکٹر نیفا نے ایک گہری سانس لی۔ پھر اس نے گھوم کر سب کی طرف دیکھا اور انہیں قطعی خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر اس نے سر کے بل جھک کر دونوں آنکھیں بند کر لیں اور زیر لب کچھ پڑھنا شروع کیا۔ شاید وہ کچھ دعائیں پڑھ رہا تھا۔ میں ایک تشنج آمیز کیفیت میں الجھی ہوئی انتظار کرتی رہی۔ لمحے سانپوں کی طرح رینگ رہے تھے۔ ڈاکٹر تقریباً پانچ منٹ تک دعائیں پڑھتا رہا۔ پھر اس نے آنکھیں کھولیں' گہری نظروں سے راجو کے مجروح چہرے کو دیکھا' جو گہری نیند کے باعث پھیکا اور مرجھایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ پھر میں نے نیفا کی سرسراتی ہوئی سرد آواز سنی۔ وہ کہہ رہا تھا ''ماسٹر! کیا آپ میری آواز سن رہے ہیں؟''

پہلی بار کوئی جواب نہیں ملا۔ نہ ہی راجو کے چہرے سے کوئی ردعمل ظاہر ہوا۔ ڈاکر نے جملہ ایک بار پھر دہرایا۔ اس بار بھی کوئی جواب نہیں ملا۔ البتہ اس بار اس کے چہرے پر بے چینی کے آثار نظر آئے۔ اس نے گردن اور ہونٹوں کو جنبش دی اور پھر ساکت ہو گیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اندرونی شدید کرب میں مبتلا ہے۔ ڈاکٹر نیفا نے تیسری بار کہا ''ماسٹر! کیا آپ میری آواز سن رہے ہیں؟ جواب دیجئے۔''

راجو نے ایک بار پھر بے چینی سے سر کو جنبش دی۔ اس کے ہونٹوں سے کراہنے کی آواز نکلی پھر اس نے کہا

''ہاں.....!''

میں یکا یک ششدر رہ گئی۔ حیرت اور خوف کی ایک لہر میں رگوں میں دوڑنے لگی۔ کیونکہ وہ آواز جو راجو کے لبوں سے نکل رہی تھی' بڑی عجیب تھی۔ سخت کھردری اور بھرائی ہوئی۔ راجو کئی روز سے میرے ساتھ تھا اور میں اس کی آواز پہچانتی تھی۔ مگر وہ آواز مکمل طور پر راجو کی نہیں تھی۔ اس میں راجو کی آواز کا ہلکا سا شائبہ ضرور تھا اور بس..... زیادہ تر وہ آواز میرے لیے اجنبی تھی۔ راجو نے ''ہاں'' کہا تو غار میں کئی سرگوشیاں مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح گونج گئیں۔ میری طرح کئی اور لوگوں پر بھی راجو کے جواب کا ردعمل ہوا تھا۔ خود ڈاکٹر نیفا اور لارڈ رے کے چہرے بھی کھل گئے تھے۔ اگرچہ لوگوں کو ہپناٹائز کرنا ڈاکٹر نیفا کے لیے کوئی نئی بات نہ ہوگی مگر یہ موقع بڑی اہمیت کا حامل تھا اور اس وقت کی کامیابی اس کی زندگی کی سب سے اہم کامیابی تھی۔ وہ یکا یک آگے جھکا اور بڑی خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔

''بہت خوب ماسٹر! یہ بہت اچھی بات ہے کہ آپ میری بات سن رہے ہیں' اب میں جو کچھ کہوں گا' آپ کو عمل کرنا ہوگا۔ کیا آپ میرے ساتھ کریں گے؟''

''ہاں۔''

''کیا آپ کے علم ہے کہ آپ کون ہیں؟''

''ہاں' مجھے علم ہے کہ میں کون ہوں۔''

''اور کیا آپ جانتے ہیں کہ میں کون ہوں۔''

''ہاں' میں جانتا ہوں۔''

''بہت خوب'' ڈاکٹر نیفا نے پرخیال نظروں سے راجو کے چہرے کو گھورتے ہوئے کہا ''ماسٹر! ہرچند کہ آپ سو رہے ہیں لیکن آپ کا ذہن آپ کا شعور اور آپ کا وجدان جاگ رہا ہے۔ آپ کو میری باتیں دھیان سے سنی ہیں اور ان پر عمل کرنا ہے اور میرے سوالوں کا جواب بھی دینا ہے۔ کیا میری باتیں آپ سمجھ گئے ہیں۔''

''ہاں'' راجو کی بے چین آواز غار کی محدود فضا میں ابھری ''میں سمجھ گیا ہوں۔''

ڈاکٹر نیفا ایک دو لمحے چپ رہا..... ''ماسٹر!'' آخر اس نے کہا ''ہرچند کہ آپ کا نام راجو ہے۔ ریاض عالم راجو' اور آپ ایک ایشیائی ملک کے ایک چھوٹے سے شہر میں پیدا ہوئے تھے لیکن آپ کا ایک ماضی بھی ہے' جس کا آج کے زمانے اور آپ کی موجودہ شخصیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس ماضی میں جو ساڑھے تین ہزار سال قبل سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ ایک عظیم الشان شخص تھے' دنیا آپ کے قدموں میں سر جھکاتی تھی اور وقت آپ کا تابع فرمان تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے ماضی میں واپس چلے جائیں..... کیا آپ نے میری بات سمجھ لی ہے۔''

راجو کی بھرائی ہوئی آواز ابھری ''ہاں' میں نے تمہاری بات سمجھ لی ہے'' اس نے بے چینی سے سر ہلایا۔

''کیا آپ اپنے ماضی میں واپس جائیں گے۔''

ایک لمحہ خاموشی رہی۔ میں نے راجو کو دائیں سے بائیں ہلتے ہوئے کہا۔ اس کے زور زور سے سانس لینے کی آواز بھی آئی... شاید وہ اندر ہی اندر شدید کرب میں مبتلا تھا پھر اس نے کہا ''ہاں' میں جاؤں گا' اپنے ماضی

میں جاؤں گا۔"

"بہت خوب....." ڈاکٹر نیفا نے کہا اور چند ثانیے چپ رہا۔ وہ بہت غور سے راجو کے چہرے کو گھور رہا تھا۔ چند لمحے بعد آخر کار اس نے پھر کہا "میں نیفا ہوں اور میں عمن عونس دوئم کے زمانے میں شاہی پجاری تھا۔ آپ عمن عونس دوئم ہیں۔ آپ ایک رفیع الشان محل میں رہتے ہیں۔ جہاں آپ کی بیگمات کے علاوہ ان گنت حسین ترین اور منتخب داسیاں ہیں' جو آپ کا دل بہلاتی ہیں۔ بے شمار غلام ہیں جو آپ کی خدمت کرتے ہیں اور آپ کے اک اشارۂ ابرو پر جان دینے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ آپ اپنے اسی پرشکوہ ماضی میں واپس جائیں" ڈاکٹر ایک لمحے کے لیے رکا "ماسٹر!" آخر کار اس نے سنگین آواز اور پرزور لہجے میں مزید اضافہ کیا "کیا آپ نے میری بات سنی' آپ اس وقت کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟"

راجو کے لبوں سے کوئی آواز نہیں نکلی' غار کے بوجھل سکوت میں مجھے اس کے نتھنوں سے نکلنے والی تیز تیز آوازیں سنائی دیں۔ اس نے کرب انگیز انداز میں سر کو دو تین ہلکے سے جھٹکے دیئے' ایسا لگتا تھا جیسے اس کے جاگتے ہوئے اعصاب و ذہن کے درمیان ایک شدید جنگ جاری ہے۔ یہ کیفیت چند ساعت رہی پھر راجو کے ہونٹوں سے آواز نکلی "میں..... میں نہیں جانتا..... کہ میں کہاں ہوں۔ کچھ ٹھیک ٹھیک نظر نہیں آتا..... ایک دھندسی ہر طرف ہے اور سامنے ایک دریا ہے..... ہاں' شاید دریا ہی ہے..... پانی کی لکیر..... ایک جھنڈ ہے..... شاید درختوں کا جھنڈ۔" پھر اس کی آواز مدھم ہو کر معدوم ہو گئی۔

ڈاکٹر نیفا نے یکا یک پرجوش انداز میں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسالیں۔ راجو کا جواب سنتے ہی اس کے چہرے پر گہرا اضطراب نظر آنے لگا تھا۔ اس نے آگے جھکتے ہوئے زور سے کہنا شروع کیا "بہت خوب ماسٹر! بہت خوب..... درختوں کا جھنڈ اور پانی کی لکیر جو کہ یقیناً دریا ہے' آپ آگے بڑھیں' آپ کا محل قریب ہی ہے۔ دریا کے بالکل پاس آپ آگے بڑھیں اور محل میں داخل ہو جائیں۔"

راجو نے پھر کچھ نہیں کہا۔ البتہ اس کے ہونٹوں سے ہلکی ہلکی آوازیں مسلسل نکلتی رہیں۔ ڈاکٹر نیفا بھی برابر کچھ نہ کچھ پوچھ رہا تھا مگر اس کی آواز اب اونچی نہیں تھی بلکہ وہ راجو کے چہرے پر سرگوشی کے انداز میں بول رہا تھا' میں ایک خواب کی سی حالت میں ان دونوں کو گھورتی رہی اور صرف میں ہی نہیں' تقریباً ہر فرد کی یہی کیفیت تھی۔ چند لمحے اسی حالت میں گزرے' پھر ڈاکٹر نیفا کی آواز سنائی دی۔

"ماسٹر! آپ محل کے دروازے پر پہنچ چکے ہیں اور سیڑھیوں کے پاس کھڑے ہیں۔ آپ بہت حیران سے نظر آتے ہیں لیکن اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے" وہ اک ذرا رکا' پھر بولا۔ "ماسٹر! میری بات کا جواب دیجئے۔"

راجو کے ہونٹوں سے نکلنے والے الفاظ ٹکڑوں کی صورت میں سنائی دیے "ہاں' میں سیڑھیوں کے پاس کھڑا ہوں..... ایک بلند و بالا اور عالی شان صدر دروازہ ہے' سیڑھیوں کے دونوں طرف دو بت ایستادہ ہیں اور..... اور..... اور..... اس نے بے چینی سے سر جھٹکا "اور..... اور صدر دروازے کے دائیں بائیں خدام کھڑے ہیں۔ انہوں نے اپنے سر جھکا رکھے ہیں اور..... میں نہیں جانتا کہ میں کیا کروں.....!"

"آپ سیڑھیاں چڑھیں اور محل میں داخل ہو جائیں" ڈاکٹر نیفا نے پرزور لہجے میں کہا۔

''مم.....مگر مجھے کچھ اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ میں.....''

''نہیں.....نہیں.....'' ڈاکٹر نیفا نے تحکمانہ لہجے میں کہا ''آپ واپس نہیں آسکتے' آپ کو آگے بڑھنا ہوگا۔ آپ کو محل میں جانا ہوگا۔ قدم بڑھائیں اور محل میں داخل ہو جائیں' یہ بہت ضروری ہے۔ آپ کو میرا حکم ماننا ہوگا۔''

راجو نے سر کو دائیں بائیں زور سے گھمایا۔ اس کے اعصاب کا تناؤ یقیناً بڑھ گیا تھا اور کافی دور ہونے کے باوجود مجھے اس کے چہرے کی لحہ بہ لحہ زرد پڑتی ہوئی رنگت صاف نظر آ رہی تھی۔ خدا کی پناہ! میں معاً سہم کر زور سے جھرجھری لی۔ راجو کا اعصابی تناؤ اس کے لیے خطرناک بھی ثابت ہو سکتا تھا مگر شاید ڈاکٹر نیفا کو اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی۔ اسے راجو سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ وہ بہر صورت اپنا محل حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ مسلسل راجو کو محل میں داخل ہونے کی تاکید کرتا رہا۔ راجو کی بے چینی اور سر جھٹکنے کے انداز سے ایسا لگتا تھا کہ وہ آگے نہیں بڑھنا چاہتا لیکن اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ اس سے وہ محض ایک معمول تھا اور اسے ہر حال میں ڈاکٹر نیفا کے احکام کی تعمیل کرنی تھی۔ چنانچہ وہ سیڑھیاں طے کر کے محل مں داخل ہو گیا اور جب اس نے یہ اطلاع نیفا کو دی تو اس نے پرجوش لہجے میں کہا۔

''بہت خوب ماسٹر! یہ آپ کا محل ہے' آپ یہاں رہتے ہیں اور اس محل کے دربار ہال میں بیٹھ کر لاکھوں کروڑوں انسانوں پر حکومت کرتے ہیں۔' یہاں جو لوگ بھی ہیں' وہ محض آپ کے خادم ہیں۔ لہٰذا آپ پس وپیش مت کریں اور آگے بڑھیں۔ آپ کو اس محل کے چپے چپے کا اچھی طرح علم ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ دربار ہال کی طرف جائیں۔''

راجو کی آواز ابھری کچھ اس طرح جیسے وہ کہیں بہت دور سے بول رہا ہو ''میں جا رہا ہوں۔''

''بہت خوب.....!'' ڈاکٹر نیفا نے مزید جوش واضطراب کے ساتھ کہا ''ماسٹر! میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ آپ جو کچھ دیکھ رہے ہیں' اسے صاف اور واضح الفاظ میں بیان کریں' یہ میرا حکم ہے۔''

غار کے در و دیوار پر محیط سناٹا کچھ اور گہرا ہو گیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ہم سب کسی ایسے زنداں میں محبوس ہیں' جس میں گھٹن کے سوا کچھ نہیں تھی میری بے چینی بڑھتے بڑھتے اب اتنی اذیت ناک ہو چکی تھی کہ سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ ہاتھ پیروں میں شدید سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ دماغ کے اندر گویا لاکھوں چیونٹیاں مسلسل رینگ رہی تھیں' جو کچھ ہو رہا تھا' ہر چند کہ یوں نظروں کے سامنے ہو رہا تھا پھر بھی مجھے محسوس ہو رہا تھا' گویا میں کوئی بھیانک سپنا دیکھ رہی ہوں۔ انسان کی زندگی میں کبھی کبھی ایسے مواقع بھی آتے ہیں جب وہ اپنی ذات پر اعتبار نہیں کر سکتا۔ میں بھی متامل تھی' کیا واقعی یہ سچ ہے؟ کیا واقعی راجو ساڑھے تین ہزار سال کا فاصلہ طے کر کے ماضی میں اور فراعین مصر کے محلوں میں چل پھر رہا ہے۔ ہپناٹزم کے بارے میں مجھے کچھ زیادہ معلومات نہیں تھیں' البتہ میں نے اکثر اخباروں میں پڑھا تھا کہ روحوں سے باتیں کرنا ممکن ہے۔ انگلینڈ کے بعض بڑے شہروں میں ایسے ہپناٹسٹ اور عامل موجود تھے جو روحوں سے لوگوں کو بات چیت کرانے کا اہتمام کرتے تھے مگر میں نے یہ باتیں صرف اخباروں میں پڑھی تھیں' خود میرے مشاہدے میں ایسی کوئی بات نہیں آئی تھی۔ میں شش و پنج کے کچے دھاگے سے لٹکی ہوئی ڈاکٹر نیفا اور راجو کو اک ٹک گھورتی رہی اور راجو کی آواز گرم سیسے کی طرح میرے کانوں

میں ٹپکتی رہی۔ وہ آہستہ آہستہ بول رہا تھا' رک رک کر' کچھ اس طرح گویا الفاظ اس کے حلق سے پھنس پھنس کر نکل رہے تھے۔ ''میں ایک وسیع و عریض ہال سے گزر رہا ہوں..... اس ہال وے کی زرکار دیواروں پر بڑی بڑی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ چھت میں بڑے بڑے جھاڑ لٹک رہے ہیں اور ستونوں میں مومی شمعیں روشن ہیں۔ دائیں طرف وسیع دریچے ہیں جن سے خنک ہوا کے معطر جھونکے آ رہے ہیں۔ ہر طرف خادموں اور کنیزوں کی آمد و رفت جا رہی ہے۔ وہ سب مجھے دیکھ کر فوراً سر جھکا دیتے ہیں۔ یہ ایک عجیب دنیا ہے۔ ہر طرف رنگ ہی رنگ ہیں اور روشنیاں ہی روشنیاں اور خوشبوئیں ہی خوشبوئیں..... ایسا لگتا ہے کہ جیسے در و دیوار سے نکہتیں پھوٹ رہی ہیں۔ روشنیاں بہت لطیف اور ٹھنڈی ہیں اور رنگ بڑے دلفریب ہیں..... اور..... اور..... یہ کیا' یہ کون تھا؟'' راجو کی آواز لڑکھڑائی ''یہ تو..... یہ تو چار عمیس تھے مگر وہ میری طرف دیکھے بغیر بائیں طرف چلے گئے۔ ان کے ساتھ ایک لڑکی تھی۔ وہ لڑکی کون تھی؟ میں نے اسے ضرور کہیں دیکھا ہے۔ کہاں دیکھا ہے؟ میں حیران ہوں..... یاد نہیں آتا' سامنے سے چار لڑکیاں آ رہی ہیں' کنیزیں ہیں شاید..... کیوں کہ ان کے جسموں پر محل کی داسیوں کے مخصوص لباس ہیں۔ وہ مجھے دیکھ کر نصف جھک گئی ہیں۔ میں مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا ہوں۔''

راجو مسلسل بڑبڑا رہا تھا اور میں پلک جھپکائے بغیر اسے گھور رہی تھی۔ عجیب بات ہے' بے حد عجیب بات' کہیں میں پاگل تو نہیں ہوتی جا رہی ہوں۔ ضرور یہی بات ہے' شاید راجو کے اوپر کیے گئے ہپناٹزم کا اثر مجھ پر بھی ہو گیا ہے کیونکہ جب دریچوں سے آنے والی ہوا کا ذکر کیا تو ہوا کے لطیف جھونکے مجھے اپنے جسم سے ٹکراتے ہوئے محسوس ہوئے۔ حالانکہ غار میں خفیف سی ہوا بھی نہیں تھی۔ پھر بھی مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے ہوا کی لہریں غار میں چکراتی پھر رہی ہیں۔ پھر راجو نے روشنیوں اور رنگوں اور ہواؤں کا ذکر کیا تو میں حیرت سے صم بکم ہو کر رہ گئی۔ نہیں..... نہیں' یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ محض میرا وہم ہے۔ میں نے خود کو یقین دلانے کی بہت کوشش کی مگر اس کے باوجود وہ بھینی بھینی نشاط انگیز لیکن غیر مانوس خوشبو میرے نتھنوں میں گھستی چلی گئی۔ میں نے سر کو زور سے جھٹکا مگر وہ خوشبو بہت واضح تھی اور میں اسے صاف محسوس کر رہی تھی اور ساتھ ہی غار کی دیواروں اور چھت پر مجھے ان گنت رنگ نظر آ رہے تھے۔ بڑے بڑے دائرے اور لہریں' نیلی' ہری' پیلی' سرخ اودی اور گلابی' جو ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہی تھیں بلکہ اس سے مجھے کچھ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے غار کافی حد تک روشن ہو گیا ہے۔ چاندنی جیسی ٹھنڈی اور نفیس لیکن مدھم خوشبو ہر سو پھیل گئی ہے۔ میں نے یکا یک بے چین ہو کر سر کو جھٹکا دیا اور گھوم کر خالدہ کو دیکھا لیکن وہ ڈاکٹر نیفا کی طرف متوجہ تھی۔ میں نے ایک طویل سانس لی اور دوبارہ راجو کو دیکھنے لگی۔ وہ آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔

''اب میں ہال وے کے اختتام پر پہنچ گیا ہوں۔ بائیں طرف ایک کشادہ راہداری ہے..... اور دائیں طرف بالکنی ہے۔ میں..... میں نہیں جانتا کہ اب میں کیا کروں؟''

''ماسٹر!'' ڈاکٹر نیفا نے اونچی آواز میں دفعتاً کہا ''آپ محل کے چپے چپے سے واقف ہیں۔ چنانچہ آپ دربار ہال کی طرف جائیے۔''

ایک لمحے بعد راجو کی آواز پھر ابھری ''اب میں بالکنی کی طرف چل رہا ہوں..... بالکنی بہت کشادہ ہے۔ بائیں طرف وسیع دریچے ہیں اور دریچوں کے دوسری طرف ایک وسیع باغ ہے۔ چاروں طرف سرسبز درخت اور

پودے قطار در قطار کھڑے ہیں۔ دور تک شفاف نیلا آسمان دکھائی دے رہا ہے۔ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا ہوں اور ایک بلند محرابی دروازے پر پہنچ گیا ہوں۔ شاید یہ دربار ہال ہے۔ میں اس میں داخل ہو گیا ہوں..... اور حیرت سے ادھر ادھر دیکھ رہا ہوں۔ دربار میں متعدد افراد موجود ہیں' وہ سب مجھے دیکھ کر تعظیم کے لیے جھک گئے ہیں۔ وہ سب کہہ رہے ہیں' جانے کیا کہہ رہے ہیں؟ میری سمجھ میں نہیں آ رہا'' راجو کی آواز تھرتھرانے لگی مگر الفاظ اس کے لبوں سے نکلتے رہے..... ''اب میں اس کی ہدایت پر کرسی پر بیٹھ گیا ہوں۔ دربار میں موجود تمام افراد چپ چاپ کھڑے ہیں اور منتظر ہیں' پتا نہیں وہ کس بات کا انتظار کر رہے ہیں' شاید وہ چاہتے ہیں کہ میں کچھ کہوں..... سیاہ کرنے والا آدمی جس کا سر بالکل گنجا ہے' کچھ کہہ رہا ہے۔ اس کی آواز عجیب سی ہے' جیسے کئی جھینگر ایک ساتھ ٹرا رہے ہیں۔ میں ہاتھ ہلاتا ہوں اور اب ایک عورت اچانک کسی طرف سے آ کر میرے دائیں جانب والی کرسی پر بیٹھ گئی ہے۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرا رہی ہے' بہت خوبصورت عورت ہے۔ اس کے سر پر ایک ننھا سا نقرئی تاج ہے۔ یہ عورت مجھے جانی پہچانی لگ رہی ہے' اسے کہیں دیکھا ہے' کہاں دیکھا ہے.....؟ وہ میری طرف جھک کر سرگوشی میں کچھ کہہ رہی ہے۔ اس کی آواز بڑی دلفریب ہے۔ اب وہ میرے ہاتھ کو بوسہ دے رہی ہے۔ اوہ..... اوہ..... یہ کیا..... یہ کیا.....'' اچانک راجو کی آواز لڑکھڑانے لگی۔ ہونٹوں سے نکلنے والے الفاظ بے معنی ہو گئے اور وہ سر کو زور زور سے جھٹکنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے ہونٹوں کے کناروں سے ہلکا ہلکا جھاگ بھی بہنے لگا تھا پھر وہ یکا یک چپ ہو گیا۔

''ماسٹر..... ماسٹر!'' ڈاکٹر نیفا نے دفعتاً مضطرب ہو کر اسے آواز دی۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد راجو کی کمزور آواز ابھری ''میں..... میں اب کیا کروں..... اب کیا کروں؟''

''ماسٹر!'' ڈاکٹر نیفا ہونٹ بھینچ کر سخت لہجے میں بولا ''آپ وہی کریں گے جو میں کہوں گا' آپ میری آواز سن رہے ہیں نا۔ آپ اس سیاہ لباس والے شخص سے کہیں کہ آپ فوراً نیفا سے ملنا چاہتے ہیں۔''

راجو کے حلق سے چند بے ہنگم اور بے معنی آوازیں نکلیں' اس نے اپنے ہاتھوں کو دو تین بار پٹکا پھر اس کی آواز سنائی دی ''سیاہ کرتے والا شخص چلا گیا ہے'' ارفینا کو نہلانے کے لیے..... ارفینا..... ارفینا' یہ کون ہے؟ ہاں' ہاں' مجھے یاد ہے' یہ شاہی مندر کا پجاری ہے اور افریٹی..... افریٹی..... ہاں افریٹی کا باپ ہے۔ افریٹی..... ہاں' ہاں محل کی سب سے حسین کنیز.....'' راجو کے ہونٹوں سے بہنے والا سفید جھاگ کچھ اور گاڑھا ہو گیا اور آواز سے مزید نقاہت ظاہر ہونے لگی۔ ''افریٹی مجھ پر عاشق ہے..... وہ میری سب سے پسندیدہ کنیز ہے..... اور..... یہ کیا..... اونچے محرابی دروازے پر ایستادہ خدام نصف جھک گئے ہیں۔ شاید ارفینا آ رہا ہے۔ ہاں' ٹھیک ہے..... وہ ہال میں داخل ہو رہے ہیں۔ سیاہ کرتے والا شخص سب سے پیچھے ہے۔ اس کے آگے تین چار افراد ہیں اور سب سے آگے ارفینا ہے۔ میں نے اسے پہچان لیا ہے۔ اس نے سیاہ رنگ کی عبا پہن رکھی ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں ایک سیاہ لمبی چھڑی ہے..... اور دوسرے ہاتھ میں موٹے موٹے سیاہ دانوں والی ایک مالا ہے..... وہ میرے سامنے گھٹنوں کے بل جھک گیا ہے۔ اس کے ساتھ ایک عورت بھی ہے' وہ بھی تعظیم کے لیے جھک گئی ہے..... اور..... ارے..... یہ..... یہ..... یہ تو..... افریٹی.....''

افریٹی آخری لفظ تھا' جو اس لمحے راجو کے لبوں سے نکلا اور پھر جو کچھ ہوا' اس کا گمان شاید کسی کو بھی نہ رہا ہوگا۔ راجو کے حلق سے دفعتاً خرخراہٹ کی تیز تیز آوازیں نکلنے لگیں۔ س کے چہرے کا رنگ اچانک سیاہ ہوگیا اور ہونٹوں سے گاڑھا گاڑھا جھاگ تیزی سے نکلنے لگا۔ وہ ہاتھوں اور پیروں کو زور زور سے پٹک رہا تھا یقینی طور پر اس کے دماغ کو کوئی ایسا صدمہ پہنچا تھا کہ وہ شدید کرب واذیت میں مبتلا ہوگیا تھا۔ ڈاکٹر نیفا' لارڈ رے اور باربرا نے اسے سنبھالنے کی بہت کوشش کی۔ مگر بے سود' راجو کے جسم کا لرزہ دم بدم بڑھتا گیا۔ اب وہ اپنے سر کو شدید ہیجان انداز میں دائیں بائیں پٹک رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس پر کسی قسم کا دورہ پڑ گیا ہے۔ کئی لمحے اسی حالت میں گزر گئے۔ پھر یکایک اس کے حلق سے ایک چیخ بلند ہوئی' ایسی دلخراش اور بلند کہ غار کی دیواریں تک تھرتھرا کر رہ گئیں۔ پھر اس کا سر اچانک بے حس ہو کر ایک جانب ڈھلک گیا۔

خالدہ سوگئی تو میں کچھ دیر چپ چاپ لیٹی ہوئی چھت کو گھورتی رہی۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ مختلف خیالات میرے ذہن میں چکرا رہے تھے اور باوجود کوشش کے ان سے پیچھا چھڑانا میرے لیے ممکن نہ تھا۔ آکر تنگ آ کر میں اٹھ گئی۔ کمرے میں ایک کرسی اور ایک چوڑی بینچ موجود تھی۔ میں خالدہ کی نیند میں خلل نہیں ڈالنا چاہتی تھی، اس لیے بہت احتیاط سے میں نے کرسی بینچ پر رکھی اور پھر ننگے پیر کرسی پر چڑھ گئی۔ اب میرا سر روشن دان تک پہنچ گیا تھا۔ دونوں ہاتھ روشن دان کے کونوں پہ ٹکا کر میں چپ چاپ کھڑی ہوگئی اور باہر دیکھنے لگی۔ قاہرہ کے گلی کوچے اندھیرے میں سو رہے تھے۔ دور تک عمارتوں کے دھندلے خاکوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ ویسے بھی یہ روشن دان اتنی بلندی پر تھا کہ آس پاس کی سڑکیں، گلیاں اور مکانات دکھائی نہیں دیتے تھے۔ صرف وہ عمارتیں نظر آتی تھیں، جو کافی فاصلے پر تھیں اور کافی بلند تھیں۔ کچھ دور ائرپورٹ تھا۔ ائرپورٹ کی عمارت تو دکھائی نہیں دیتی تھی، البتہ آنے جانے والے جہاز ضرور نظر آتے تھے۔ جب میں روشن دان سے باہر جھانک رہی تھی تو ایک طیارہ نظر آیا۔ بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ طیارے کی سرخ اور سبز بتیاں دکھائی دیں جو بار بار جل بجھ رہی تھیں۔ وہ جلتی بجھتی بتیاں کافی بلندی پر تھیں۔ دیکھتے دیکھتے وہ تیزی سے نیچے اترتی چلی گئیں اور پھر ایک اونچی عمارت کے عقب میں غائب ہوگئیں۔

اس چھوٹے سے بوسیدہ کمرے میں یہ میرا سب سے پسندیدہ مشغلہ تھا۔ کرسی پر کھڑے ہو کر روشن دان سے باہر جھانکنا۔ نہ صرف رات میں بلکہ دن میں بھی کئی کئی گھنٹے روشن دان کے پاس کھڑی رہتی اور باہر جھانکتی رہتی۔ حسرت سے ان پرندوں کو دیکھتی جو ادھر ادھر پرواز کرتے نظر آتے۔ دور تک پھیلی ہوئی کھلی فضا کو تکا کرتی جو میرے لیے ممنوع ہو چکی تھی۔ اگر یہ روشن دان نہ ہوتا تو باہر کی دنیا سے میرا نظر کا رشتہ بھی منقطع ہو جاتا۔ مگر اس روشن دان کی موجودگی بہت غنیمت تھی۔ کیونکہ جب میں باہر جھانکتی تو مجھے احساس ہوتا تھا کہ باہر چاروں طرف جیتی جاگتی دنیا موجود ہے اور اس سے میرا رابطہ بالکل ہی نہیں ٹوٹا ہے اور یہ احساس بڑا اہم تھا۔ آب حیات کی طرح جاں فزا، باہر دنیا، جیتی جاگتی، خوب صورت، نظر فریب، رنگوں، روشنیوں اور نکہتوں سے معمور دنیا موجود ہے، اور یہ ناممکن نہیں کہ میں پھر اس خوب صورت دنیا کی کھلی وسعتوں میں سانس لے سکوں۔

غار میں جو حالات پیش آئے تھے، وہ ایک خوفناک آسیب کی طرح مسلسل میرے ذہن پر مسلط رہتے

تھے۔ کبھی کبھی تو شبہ ہوتا کہ کیا واقعی وہ حالات پیش آئے تھے؟ تشکیک کا بھنور بہت گہرا تھا اور میں مسلسل اس میں غوطے کھاتی رہتی تھی۔ شاید وہ حالات پیش نہ آئے ہوں بلکہ میں نے کوئی خواب دیکھا ہو۔ کبھی کبھی خواب بڑے حقیقی محسوس ہوتے ہیں اور ان پر سچ ہونے کا گمان ہوتا ہے مگر وہ سب کچھ خواب نہیں ایک حقیقت تھی.....
اور میرے ذہن میں اس کی ذرا ذرا سی تفصیل موجود تھی۔ میں روشن دان میں کھڑی باہر جھانکتی رہی، لیکن میرا ذہن نظر کا ساتھ چھوڑ کر غار میں بھٹکتا رہا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ جب راجو کی گردن ایک جانب ڈھلک گئی تو سب نے یہی سمجھا کہ وہ مر گیا ہے۔ غار میں کئی چھوٹی چھوٹی چیخیں گونج گئی تھیں، جن میں میری اور خالدہ کی چیخیں بھی شامل تھیں۔ راجو بہت کمزور، بیمار اور زخمی تھا۔ اس کی ذہنی حالت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ اس حالت میں عمل تنویم کے باعث اس کے ذہن اعصاب پر جو بوجھ پڑا تھا، ان کے پیش نظر یہ ناممکن نہیں تھا کہ اس کی موت واقع ہو گئی ہو مگر خوش قسمتی سے ایسا نہیں ہوا تھا بلکہ راجو صرف بے ہوش ہوا تھا۔ اس کی بے ہوشی کمزوری کے باعث بہت طویل ثابت ہوئی تھی۔ ڈاکٹر نیفا، لارڈرے اور باربرا وغیرہ بڑی کوششوں کے بعد اسے کوئی دو گھنٹے میں ہوش میں لا سکے تھے۔ ہوش میں آنے کے بعد بھی اس کی حالت بڑی عجیب تھی۔ اس کے ہونٹ سختی سے بھینچے ہوئے تھے، چہرہ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا اور آنکھوں میں زندگی کی کوئی رمق محسوس نہیں ہوتی تھی۔ بت کی طرح خاموش بیٹھا مسلسل خلا میں تکے جا رہا تھا۔ ڈاکٹر نیفا نے اسے غالباً کوئی دوا پینے کے لیے دی جسے اس نے چپ چاپ پی لیا۔ کچھ ایسی فرماں برداری سے کہ اگر اسے زہر بھی دیا جاتا تو بھی اعتراض نہ کرتا پھر لارڈرے، ڈاکٹر نیفا، باربرا اور مسٹر اینڈریوز غار سے باہر چلے گئے۔ ان کی واپسی کوئی بیس منٹ بعد ہوئی۔ انہوں نے فوراً ہی چار مردوں کو باہر بھیج دیا۔ اگلے دو گھنٹے سخت اضطراب، اعصابی تناؤ اور ذہنی کشمکش میں گزرے۔ کیونکہ مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ اور یہ کہ میرے اور خالدہ کے بارے میں ان کا کیا ارادہ ہے۔ البتہ ایک بات تقریباً طے تھی کہ انہوں نے سردست مجھے قتل کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔ باوجود اس کے مسٹر اینڈریوز اور لوگن کو یہ بات بالکل پسند نہیں آئی ہوگی مگر اس وقت میری زندگی اور موت کا فیصلہ کرنا ان کے اختیار میں نہیں تھا بلکہ ڈاکٹر نیفا اور لارڈرے کے اختیار میں تھا۔

دو گھنٹے بعد وہ چاروں مرد واپس آئے تب انکشاف ہوا کہ وہ لوگ جیپیں لینے کے لیے گئے تھے جو کہ انہوں نے صحرا میں کسی جگہ چھوڑی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر نیفا کے حکم پر میرے اور خالدہ کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے۔ ساتھ ہی آنکھوں پر ایک چوڑی پٹی بھی باندھ دی گئی پھر ہم غار سے باہر آئے، اور سفر شروع ہوا۔ اگر آپ کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہو اور آپ کو منزل اور سفر کی طوالت کا کوئی علم نہ ہو تو آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ کس قسم کی ذہنی حالت سے دوچار ہوں گے۔ امید و ناامیدی اور خوف و دہشت کی دلدل میں آپ مسلسل ڈوبتے ابھرتے رہیں گے۔ میرا حال بھی تقریباً ایسا ہی تھا۔ جیپ ہچکولے کھاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی اور میرے ذہن میں سوالوں کے ان گنت سانپ کلبلا رہے تھے۔ ہمیں کوئی اندازہ نہیں تھا کہ ہم کس سمت میں سفر کر رہے ہیں؟ جیپ میں مکمل سکوت تھا۔ جو لوگ ساتھ میں سفر کر رہے تھے اگر وہ سفر کے متعلق گفتگو کر رہے ہوتے تو بھی شاید کچھ اندازہ ہوتا، مگر وہ لوگ چپ چاپ تھے۔ اگر کبھی زبان کھولتے بھی تو صرف اتنا ہی کہتے ''تمہارے پاس ماچس ہے؟'' یا ''ذرا ایک سگریٹ تو دینا'' وغیرہ۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ یہ ایک طویل اور تھکا

دینے والا سفر تھا۔ مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ جب ہم غار سے روانہ ہوئے تو کیا وقت ہوا تھا..... لیکن جب منزل پر پہنچے تو صبح ہونے میں تھوڑی ہی دیر رہ گئی تھی۔ جس سڑک پر جیپیں رکیں، وہ ایک پتلی سی سنسان سڑک تھی۔ (یہ بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی تھی) ہمیں جیپ سے اتار گیا پھر ہم نے ان گنت سیڑھیاں طے کیں۔ اس کے بعد ایک راہداری میں چلنا پڑا پھر ایک دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی اور ہماری آنکھیں کی پٹی کھول کر ہمیں کمرے میں دھکیل دیا گیا۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرا تھا جس کی چھت کافی اونچی تھی اور یہ کافی بلندی پر تھا۔ شاید عمارت کی پانچویں یا چھٹی منزل پر، کمرے میں ایک بینچ، ایک کرسی اور ایک چارپائی پڑی تھی۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ ہمیں کمرے سے باہر نکلنے کا کوئی موقع ہی نہیں دیا جاتا تھا۔ ضروریات کے لیے ایک چھوٹا باتھ روم دائیں طرف موجود تھا اور آمدورفت کے لیے ایک چھوٹا سا دروازہ بھی تھا۔ باتھ روم میں کوئی کھڑکی نہیں تھی۔ نہ ہی باہر سے باتھ روم میں آنے کے لیے کوئی دروازہ تھا۔ کمرے کے داہنے دروازے میں ایک چھوٹی سی کھڑکی بنی ہوئی تھی۔ ہمیں ناشتا اور کھانا وغیرہ اسی کھڑکی سے دیا جاتا تھا۔ ایک بوڑھی مصری عورت تھی جو کھانا لے کر آتی تھی۔ اس کے چہرے پر بڑی بے حسی اور کرختگی تھی۔ وہ کوئی گفتگو نہیں کرتی تھی۔ اس نے ہمارے کسی سوال کا جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے کھانا ہمارے حوالے کرتی اور چلی جاتی۔ اس کمرے میں گزشتہ آٹھ دن ہم نے اس طرح گزارے تھے کہ اس بوڑھی عورت کے علاوہ صرف ایک بار لارڈرے، ڈاکٹر نیفا اور مسٹر اینڈریوز کی شکل دیکھی تھی اور کسی فرد کو نہیں دیکھا تھا۔ حالانکہ یہ طے تھا کہ اس عمارت میں بہت سے افراد موجود ہیں مگر انہوں نے ہمیں اس طرح نظر انداز کر دیا تھا۔ جس طرح زمانہ قدیم میں کوڑھ کے مریضوں کو زندانوں میں ڈال کر فراموش کر دیا جاتا تھا۔ ہر روز صبح ہوتی، بوڑھی عورت ناشتا لے کر آتی، پھر دن رینگ رینگ کر گزرتا، شام ہوتی اور پھر رات ہو جاتی اور ہم دونوں ایک ہی چارپائی پر لیٹ کر کسی نہ کسی طرح سو جاتیں۔

یہ کمرا جس عمارت میں تھا، وہ کس جگہ واقع تھی، اسکندریہ میں، قاہرہ میں، پورٹ سعید میں، اس بات کا علم کم از کم مجھے کبھی نہ ہوتا لیکن خوش قسمتی سے خالدہ ساتھ میں تھی۔ ایک دن اس نے روشن دان سے باہر جھانکا اور تصدیق کی کہ ہم لوگ قاہرہ میں ہیں۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ یہ عمارت وسط شہر میں کس جگہ ہے، لیکن یہ اندازہ لگانا اس کے لیے بھی ناممکن تھا کہ یہ عمارت کس گلی یا سڑک پر واقع ہے اور یہ کہ اگر اس کا کوئی نام ہے تو کیا ہے؟

آٹھ دن..... آٹھ طویل، جاں سوز اور روح فرسا دن اسی طرح گزر گئے تھے۔ ہمیں کوئی علم نہیں تھا کہ کیا ہو رہا ہے، کیا ہونے والا ہے۔ لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا ہمارے ساتھ کیا سلوک کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ نیز یہ کہ ان کا آئندہ پروگرام کیا ہے؟ آٹھ دن سے ہم نے راجو کو بھی نہیں دیکھا تھا۔ حالانکہ یہ طے تھا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ ہی آیا ہوگا مگر کہاں تھا اور کس حال میں تھا، اس بات کا ہمیں کوئی اندازہ نہیں تھا۔ راجو سے مجھے اور خالدہ دونوں ہی کو ہمدردی تھی اور اس ہمدردی کی بنیاد دکھ پر تھی۔ ایک مصیبت زدہ آدمی ہمیشہ دوسرے مصیبت زدہ آدمی کے لیے بہتر جذبات رکھتا ہے۔ ہمیں راجو کے بارے میں کچھ زیادہ علم نہیں تھا بجز اس کے کہ اس کا نام ریاض عالم ہے اور وہ ایشیائی ہے مگر اس سے زیادہ جاننے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ اتنا ہی کافی تھا کہ وہ ایک مصیبت زدہ آدمی ہے اور بدقسمتی کے ہاتھوں ایسے لوگوں کے چنگل میں پڑ گیا ہے، جو فرعون کو اس دنیا میں واپس

لانا چاہتے ہیں۔ جب لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا سے سامنا ہوا تھا تو میں نے ان سے فوراً ہی راجو کے بارے میں سوال کیا تھا۔

ڈاکٹر نیفا کے ستے ہوئے چہرے پر ایک بے روح مسکراہٹ پھیل گئی تھی ''تم کیوں جاننا چاہتی ہو؟'' اس نے بڑی مکاری سے پوچھا تھا۔

میں نے ایک لمحہ توقف کیا'' کیونکہ وہ بیمار تھا۔'' آخر کار میں نے کہا'' اور اپنے حواس میں بھی نہیں تھا۔ اس لیے مجھے فکر ہے۔''

''مگر تمہیں فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' لارڈرے نے سیٹی جیسی گونجتی ہوئی آواز میں کہا ''تمہارا راجو سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا اس کا خیال اپنے دل سے نکال دو۔''

''کیا وہ اسی عمارت میں ہے؟'' میں نے لارڈرے کے جواب کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

مگر لارڈرے نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے پھر پوچھا کہ اب اس کی حالت کیسی ہے؟ کیا وہ بدستور بیمار ہے مگر لارڈرے پھر بھی خاموش رہا۔ اس کے بشرے پر پھیلی ہوئی ناگواری سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ راجو کے متعلق کوئی بات کرنے پر تیار نہیں ہے۔ میں نے پھر مزید کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ قدرے توقف کے بعد خالدہ نے لارڈرے کو مخاطب کیا۔

''تم لوگ ہمیں یہاں کیوں لائے ہو؟''

لارڈرے نے فوراً ہی کچھ نہیں کہا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے گردن گھما کر ڈاکٹر نیفا اور مسٹر اینڈریوز کو دیکھا، پھر خالدہ سے کہا'' مجبوری ہے کیونکہ تم لوگوں نے بہت کچھ دیکھا ہے اور بہت کچھ جانتی ہو اور ہم یقیناً یہ پسند نہیں کریں گے کہ تم لوگ باہر جا کر غلط لوگوں سے باتیں کرو۔''

''غلط لوگوں سے تمہاری مراد پولیس سے ہے۔'' خالدہ نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

لارڈرے ایک بار پھر مسکرایا اور وہ مسکراہٹ ہی گویا اس کا جواب تھی پھر وہ لوگ چلے گئے۔ دروازہ بند ہو گیا اور ہم دونوں مایوسی کے زندان میں تنہا رہ گئیں۔ کچھ دیر بعد میں نے خالدہ سے کہا'' کیا تمہارے خیال میں راجو بھی اس عمارت میں ہوگا؟''

''یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے۔'' خالدہ نے جواب دیا'' ہو سکتا ہے کہ وہ یہیں ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان لوگوں نے اسے کسی اور جگہ رکھا ہو۔''

میں نے گردن ہلائی'' تم ٹھیک کہتی ہو۔''

یقین ہمارے لیے ایک بے مقصد اور بے معنی لفظ بن چکا تھا۔ کیونکہ کسی کے بارے میں کچھ بھی یقین سے کہنا مشکل تھا۔ راجو کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ وہ زندہ بچے گا یا مر جائے گا؟ لارڈرے اور اینڈریوز ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ ان کا آئندہ منصوبہ کیا ہے؟ ہم لوگ کب تک اس عمارت میں مقید رہیں گے؟ یہاں سے کبھی رہائی نصیب ہوگی یا نہیں؟ اور دوسرے کئی سوالات تھے جن کے بارے میں یقین سے کچھ کہنا مشکل تھا۔

میں روشن دان میں کھڑی باہر تاریک خلا میں گھورتی رہی اور میرا ذہن خیالات کے بے آب و گیاہ ریگزاروں میں بھٹکتا رہا۔ رات بھیگ چکی تھی۔ ہر سو سناٹا طاری تھا اور پوری عمارت میں کہیں کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی آخر کار

میری آنکھیں بھاری ہونے لگیں۔تب میں کرسی سے اتری اور چارپائی کی جانب بڑھی مگر پھر میں یکا یک رک گئی۔اس طرح جیسے زمین نے قدم پکڑ لیے ہوں۔نگاہ خود بخود دروازے کی جانب اٹھ گئی۔چھوٹی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور اس میں ایک حسین چہرہ موجود تھا۔میں حیران ہو کر صم بکم رہ گئی۔تعجب کا سبب یہ تھا کہ میں نے کوئی آواز نہیں سنی تھی۔نہ راہداری میں اس کے قدموں کی چاپ اور نہ کھڑکی کھلنے کی آواز، پتہ نہیں وہ کب آئی تھی اور کب سے کھڑکی میں کھڑی مجھے دیکھ رہی تھی۔اسے پہچاننے میں مجھے کوئی دشواری نہیں ہوئی۔اس کا نام جولیانا تھا اور اسے میں نے غار میں دیکھا تھا۔رات کے اس پہر مجھے اس کے یا کسی کے آنے کی کوئی امید نہیں تھی۔یہی وجہ ہے کہ چند لمحوں کے لیے میں سٹپٹا کر رہ گئی۔شاید کچھ خوف زدہ بھی ہو گئی تھی۔مجھے متوجہ پا کر وہ یکا یک مسکرائی۔اس کے چہرے کی طرح اس کی مسکراہٹ بھی بہت دلفریب تھی۔اتنی روشن اور بے ساختہ جیسے بجلی چمکتی ہے۔میں نے اپنے پورے جسم میں ایک جھرجھری سی محسوس کی پھر میں بھی جواباً مسکرائی۔بلکہ زیادہ سچ یہ ہے کہ میرے ہونٹ ایک میکانکی انداز میں پھیل گئے تھے پھر میں نے اس کی آواز سنی۔

''تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟''

''ہاں۔''میں آہستہ آہستہ دروازے کی جانب بڑھی''مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔''

''تمہارا نام موٹزا ہے نا۔''اس نے پھر پوچھا۔

''ہاں۔''

اس کی آواز بڑی انوکھی تھی۔میرے لیے اس کے صوتی تاثر کو بیان کرنا بہت مشکل ہے۔اس میں چاندی کی گھنٹیوں جیسی کھنک تھی، مگر وہ کھنک خوشگوار ہوتے ہوئے بھی ذہن پر کوئی اچھا تاثر نہیں چھوڑتی تھی۔اس طرح اس کی آنکھوں کا انداز بھی کچھ اچھا نہیں تھا۔ہر چند کہ بہت حسین آنکھیں تھیں۔خوب کشادہ اور غلافی، مگر ان میں ناچتی ہوئی چمک کچھ پراسراری اور کچھ غیر فطری سی لگ رہی تھی۔کھڑکی چوکھٹ پر ٹھوڑی ٹکائے وہ مجھے اس طرح دیکھ رہی تھی، جیسے پڑھ رہی ہو۔میں یکا یک گھبرانے لگی اور پھر اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کے لیے میں نے کہا۔

''اور تمہارا نام جولیانا ہے نا؟ میں نے تمہیں غار میں دیکھا تھا۔''

اس نے اثبات میں گردن ہلائی پھر پوچھا''وہاں روشن دان میں کیا کر رہی تھیں؟''

''کچھ نہیں۔''

''باہر کا نظارہ کر رہی تھیں؟''اس نے پوچھا۔

میں چپ رہی تو اس نے خود ہی کہا''تم شاید یہ دیکھ رہی تھیں کہ باہر دنیا موجود ہے یا نہیں۔''وہ ایک ثانیہ کے لیے رکی''اور تم نے دیکھا ہوگا کہ باہر دنیا موجود ہے۔یہ دنیا بڑی خوب صورت ہے۔دور تک پھیلی ہوئی رنگوں اور روشنیوں اور نظاروں سے معمور، مگر اب اس دنیا میں تمہارا کوئی حصہ نہیں، یہ دنیا تمہارے لیے ختم ہو چکی۔''

''تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟''یکا یک میں نے سٹپٹا کر کہا۔

''تم ماسٹر کو کب سے جانتی ہو؟''اس نے میری بات کا جواب دینے کے بجائے پوچھا۔

''ماسٹر.....تمہارا مطلب ہے راجو؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں۔''

''میں راجو کو نہیں جانتی۔ چند دن پیشتر صحرا میں وہ مجھے ملا تھا۔'' میں نے جواب دیا۔ مجھے اس کی باتیں اچھی نہیں لگ رہی تھیں، مگر نہ جانے کیوں، عدم خواہش کے باوجود میں اس کی باتوں کا جواب دے رہی تھی۔

وہ چند ثانیے خاموش رہی اور نوکیلی نظروں سے مجھے گھورتی رہی، پھر یکا یک اس نے کہا ''مگر تم جھوٹ بول رہی ہو۔''

''تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔'' معاً میں نے خود کو سنبھال کر ذرا تلخی سے جواب دیا ''میں بھلا کیوں جھوٹ بولوں گی۔''

''ہاں، تم جھوٹ بول رہی ہو۔'' اس نے میرے لہجے کی کڑواہٹ کی پروا کیے بغیر آہستہ آہستہ کہا ''تم ماسٹر کو بہت دن سے جانتی ہو، یہ بات مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔''

''نہیں۔ نہیں۔ یہ محض تمہارا خیال ہے۔'' میں نے جلدی سے کہا ''مجھے تو راجو کے بارے میں اب بھی کچھ زیادہ نہیں معلوم۔''

جولیانا نے ہونٹوں پر زبان پھیری، مسکرائی، پھر اس کی سرسراتی ہوئی مدھم اور سرد آواز میرے کانوں میں سیٹی کی طرح گونجی ''واقعی۔ کیا واقعی تم ماسٹر کو نہیں جانتیں؟ مگر مجھے معلوم ہے کہ تم اسے جانتی ہو، بہت عرصے سے جانتی ہو، خود تمہیں اندازہ نہیں کہ تم اسے کب سے جانتی ہو لیکن یہ بات صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ بڑی مدت ہوگئی ہے کہ تم نہ صرف اسے جانتی ہو، بلکہ اس سے محبت بھی کرتی ہو۔''

میں نے یکا یک غصے کی ایک تیز رو کو اپنے جسم میں دوڑتے ہوئے محسوس کیا۔ میری مٹھیاں بھنچ گئیں اور زبان پر کڑواہٹ گھلنے لگی مگر یہ عجیب بات ہے کہ میں پھر بھی جولیانا کو کوئی سخت جواب نہ دے سکی۔ غصے اور نفرت کا جھاگ اندر ہی اندر بیٹھ گیا اور میری زبان سے صرف اتنا نکلا ''پتا نہیں تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ آخر تم چاہتی کیا ہو؟ کیا رات کے اس پہر تم مجھ سے صرف اتنا ہی کہنے آئی ہو کہ میں راجو کو جانتی ہوں اور اس سے محبت کرتی ہوں۔'' میں نے چپ ہو کر ایک لمبی سانس لی۔ حواس جمع کیے اور پھر کہا ''مگر میں اس سے محبت نہیں کرتی۔ ہاں مجھے اس سے ہمدردی ضرور ہے۔''

''ہمدردی کیوں ہے؟'' جولیانا نے پوچھا۔

''کیونکہ وہ دکھی، بیمار اور مظلوم ہے۔'' یہ جملہ بھی میری زبان سے بغیر ارادے کے نکلا۔

جولیانا نے دفعتاً اپنے ہاتھ کو زور سے جنبش دی۔ گویا اسے میری بات سخت ناگوار گزری ہو پھر اس نے کہا ''سنو! میں اتنی رات میں تم سے صرف یہ کہنے نہیں آئی ہوں کہ تم اسے جانتی ہو اور اس سے محبت کرتی ہو، بلکہ میں تمہیں وارننگ دینے آئی ہو۔''

اب میرے لیے برداشت کرنا مشکل ہوگیا۔ اس کی عجیب اور پراسرار شخصیت نے جو سحر مجھ پر طاری کیا تھا، وہ یکا یک زائل ہوگیا۔ آخر وہ کم بخت ہوتی کون ہے مجھے وارننگ دینے والی، وہ ہے کیا چیز، اس کا راجو سے آخر کیا رشتہ ہے؟ لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ بولتی، اس نے خود ہی کہا ''ممکن ہے تمہیں ادراک نہ ہو اور ممکن ہے

کہ تم وقت کے دبیز پردے کے دوسری طرف دیکھنے سے قاصر ہو، مگر یہ سچ ہے کہ تم بہت مدت سے ماسٹر کو جانتی ہو، نہ صرف جانتی ہو بلکہ اس سے محبت کرتی ہو۔ تم ہمیشہ میرے راستے کا پتھر بنی ہو اور میں نے بہت انتظار کیا ہے۔ صدیوں تک انتظار کیا ہے۔ اب اگر تم میرے راستے میں آئیں تو.....''

یکا یک میں نے بات کاٹ کر کہا ''تم کیا کہہ رہی ہو، میری سمجھ میں تمہاری ایک بات بھی نہیں آ رہی۔ آخر تم چاہتی کیا ہو؟''

مگر جولیانا نے جیسے میری بات سنی ہی نہیں، اپنی رو میں کہتی گئی ''اب وقت آ گیا ہے کہ میرا صدیوں کا انتظار ختم ہوا اور کتابوں کا لکھا پورا ہو۔ میں تمہیں یہ بات بتانے آئی ہوں کہ اب سے کچھ دنوں بعد ماسٹر کی مجھ سے شادی ہوگی اور میں ماسٹر کی داسی بنوں گی۔ چنانچہ بہتر ہے کہ تم ماسٹر کا خیال اپنے دل سے نکال دو اور.....''

معاً میں نے دانت پیس کر کہا ''کیا بک رہی ہو، تم شاید اپنے ہوش میں نہیں ہو۔''

وہ مسکرائی، وہی نوکیلی اور دھاردار مسکراہٹ، جو میرے اعصاب کو کاٹنے لگتی تھی۔ میں ہوش میں ہوں اور اسی لیے تمہیں تنبیہہ کر رہی ہوں۔ ماسٹر میرے.....اور صرف میرے ہیں۔ صحرا میں ماسٹر اور ملکہ ٹیا کی شادی کے باوجود پیش گوئی پوری نہیں ہو سکی۔ کیونکہ تم اس وقت صحرا میں موجود تھیں اور یہ تمہارے قرب کی نحوست ہی تھی کہ پیش گوئی کی ساعت آئی اور نامبارک ہو کر گزر گئی مگر اب میں تمہیں تاکید کر رہی ہوں کہ تم وہی کرنا جو تم سے کہا جائے تاکہ کتابوں کا لکھا پورا ہو سکے۔ اگر تم نے تعاون نہیں کیا تو میں تم سے انتقام لوں گی۔ وہ انتقام جو ساڑھے تین ہزار سال قبل نہیں لے سکی تھی، مگر اب لوں گی اور ایسا بھیانک انتقام کہ تمہاری روح تک کانپ جائے گی۔''

میں نے لرزتے ہونٹوں پر آہستہ آہستہ زبان پھیری اور پھٹی آنکھوں سے اسے گھورا۔ اس کی آنکھوں میں اتنی گہری چمک تھی کہ شرارے سے نکلتے محسوس ہوتے تھے۔ میں نے بولنا چاہا مگر زبان تھرتھرا کر رہ گئی۔ جواب دینے کے لیے الفاظ نہیں ملے، آواز نے ساتھ نہیں دیا۔ اس نے بھی میرے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ یکا یک گھومی اور واپس چلی گئی۔ راہداری کے فرش پر سبک قدموں سے اس طرح چلتی ہوئی جیسے ہوا کا جھونکا۔ میں وہیں کھڑی رہی اور میرے ذہن میں سائیں سائیں ہوتی رہی۔ اس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں سیسہ پگھلاتے رہے ''یہ تمہارے قرب کی نحوست تھی کہ پیش گوئی کی ساعت آئی اور نامبارک ہو کر گزر گئی مگر اب تم وہی کرنا جو تم سے کہا جائے۔ تاکہ کتابوں کا لکھا پورا ہو۔'' آخر مجھ سے کیا کہا جائے گا؟ کتابوں میں کیا لکھا ہے اور وہ کیسا انتقام ہے جو وہ ساڑھے تین ہزار سال قبل نہیں لے سکی تھی۔ ساڑھے تین ہزار سال قبل۔ میرا پورا وجود کسی خشک پتے کی طرح کانپنے لگا۔ آخر ان سب باتوں کا کیا مطلب ہے؟ کاش وہ ان سب باتوں کا مطلب بھی بتا جاتی۔ میں نے سوچا اور ہاتھ اٹھا کر آنسو پونچھے جو نہ جانے کب پلکوں سے لڑھک کر گالوں پر آ گئے تھے پھر میں نے گھوم کر خالدہ کو دیکھا۔ وہ بے خبر سو رہی تھی۔ میری ٹانگوں میں اتنی جان نہیں تھی کہ چل کر چارپائی تک جا سکتی۔ چنانچہ وہیں فرش پر بیٹھ گئی اور اپنے لمحہ بہ لمحہ چٹختے اعصاب کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔ رات کے سوگوار لمحے چپکے چپکے رینگتے رہے۔

☆☆☆

نو دن اور گزر گئے۔

اور یہ تو دن بھی پہلے آٹھ دنوں کی طرح گزرے تھے۔لمحوں میں کہیں کوئی فرق نہیں ہوا۔گزشتہ آٹھ دنوں کی طرح اگلے نو دنوں میں بھی ہم نے اس بوڑھی اجاڑ عورت کے سوا کسی کو نہیں دیکھا جو ہمیں کھانا دیتی تھی۔اس رات کے بعد جولیانا بھی دکھائی نہیں دی۔اس کی عجیب وغریب اور دھمکی آمیز باتوں کی بنا پر مجھے یقین تھا کہ وہ پھر آئے گی۔کم از کم یہ بتانے تو ضرور آئے گی کہ مجھے کیا کرنا ہے۔کیونکہ اس نے خود کہا تھا کہ تم وہی کچھ کرنا جو تم سے کہا جائے گا مگر وہ پھر نہیں آئی۔میں نے اگلے دن خالدہ کو پوری گفتگو سے آگاہ کر دیا تھا اور میری طرح خالدہ بھی حیران رہ گئی تھی۔اس نے بے اعتباری کے انداز میں مجھے گھورتے ہوئے کہا تھا۔

''کیا واقعی اس نے یہ ساری باتیں کہی تھیں؟''

''ہاں۔میں نے سپنا نہیں دیکھا تھا۔''میں نے طویل سانس لے کر ذرا تلخی سے جواب دیا۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' خالدہ نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا''میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ آخران سب باتوں کا مطلب کیا ہے؟''

''مطلب مجھے معلوم ہے۔''میں نے آہستہ آہستہ اپنی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا۔

''کیا؟'' خالدہ نے مجھے استفہامیہ نظروں سے گھورا۔

''یہ کہ وہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے،بالکل مار ڈالیں گے.....اور.....اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔''

''بیکار باتیں مت کرو۔'' خالدہ نے میرا سر اپنے سینے سے لگا لیا''مانا کہ حالات ہمارے خلاف ہیں اور ہمیں اپنی سلامتی کا کوئی امکان نظر نہیں آتا،مگر پھر بھی امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔''

''لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں؟''

''ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے.....لیکن خدا ضرور ہماری مدد کرے گا،وہ بڑا کرم کرنے والا ہے۔''

میں چپ ہو گئی۔خالدہ نے خود ہی تھوڑی دیر بعد کہا''مجھے تو وہ لڑکی جولیانا کچھ پاگل معلوم ہوتی ہے۔''

''کیوں؟''

''اگر پاگل نہ ہوتی تو ایسی بے سروپا باتیں نہ کرتی۔صدیوں کا انتظار اور ساڑھے تین ہزار سال پرانا انتقام وغیرہ.....کوئی ہوش مند عورت ایسی باتیں نہیں کر سکتی۔میں نے جب اسے غار میں دیکھا تھا،تب ہی اس کی حرکات وسکنات مجھے غیر معمولی محسوس ہوئی تھیں۔وہ اگرچہ غار میں موجود تھی،مگر کچھ اس طرح کہ جیسے وہاں نہ ہو۔وہ لوگوں کی طرف دیکھتی تھی تو ایسا لگتا تھا جیسے کہیں اور دیکھ رہی ہو۔اس کی ہر ادا سے ذہنی غیر حاضری کا احساس ہوتا تھا۔''

خالدہ کی بات جی کو لگتی تھی مگر میرے پاس خالدہ کے خیال پر تبصرہ کرنے کے لیے الفاظ نہیں تھے،اس لیے چپ رہی۔اگرچہ جولیانا پاگل تھی تو کیا ہوا،مجھے تو وہ سب ہی لوگ پاگل لگتے تھے۔لارڈ رے،ڈاکٹر نیفا،مسٹر اینڈریوز،باربرا اور کارسن وغیرہ.....مگر اس سے ہم دونوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا۔اگر وہ لوگ پاگل تھے تب تو یہ بات اور بھی زیادہ یقینی تھی کہ وہ لوگ اپنے ارادوں پر ضرور عمل کریں گے۔

وہ اٹھارہویں رات تھی جب تیسرے پہر اچانک وہ لوگ دھڑ دھڑاتے ہوئے ہمارے کمرے میں گھس آئے۔میں اور خالدہ بے خبر سو رہی تھیں۔پر شور آواز سے دروازہ کھلا تو میری آنکھ کھل گئی اور میں گھبرا کر اٹھ

بیٹھی۔ وہ لوگ کئی تھے۔ چار پانچ مرد اور ایک عورت، ان میں سے دو کو میں دیکھ چکی تھی۔ ان کے نام غالباً اسٹار کی اور انوار بے تھے۔ باقی تینوں مردوں اور عورتوں کو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس عورت کے جسم پر ایک لمبا سفید کوٹ تھا۔ آنکھوں پر بے حد دبیز شیشوں کی عینک چڑھی ہوئی تھی۔ اس کی ناک بہت پتلی، لمبی اور خمیدہ تھی اور چونکہ کلوں کی ہڈیاں بہت ابھری ہوئی تھیں اس لیے اس کے گال ضرورت سے زیادہ پچکے ہوئے نظر آتے تھے۔ مجموعی طور پر وہ ایک ایسی عورت تھی، جسے کوئی بھی مرد پسند نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے داہنے ہاتھ کی پتلی پتلی انگلیوں میں ایک سرنج دبی ہوئی تھی۔ میں نے یکا یک چارپائی سے گھبرا کر اٹھتے ہوئے کہا۔

''کک..... کیا بات ہے؟''

''چپ چاپ بیٹھی رہو۔'' اسٹار کی نے سفاک لہجے میں ڈانٹ کر جواب دیا۔ ساتھ ہی اس نے گھوم کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔

''اے تم لوگ کیا چاہتے ہو، کیوں اتنی رات گئے یہاں آئے ہو۔'' یہ بات خالدہ نے کہی تھی۔ وہ ابھی تک گھبرائی گھبرائی نظروں سے ایک ایک فرد کو دیکھ رہی تھی۔ شاید اس کا ذہن ابھی تک پوری طرح بیدار نہیں ہوا تھا لیکن جب اسٹار کی نے دروازہ بند کیا تو اسے صورت حال کے غیر معمولی پن کا احساس ہوا اور وہ متوحش ہو کر چارپائی سے اٹھنے لگی۔ ساتھ ہی اس نے دوبارہ چیخ کر کہا۔

''تم نے آخر دروازہ کیوں بند کیا ہے؟''

''بکواس مت کرو۔'' اس بار بھی اسٹار کی ہی نے جواب دیا۔ اس کا لہجہ پہلے ہی کی طرح سفاک اور سرد تھا۔

خالدہ چارپائی سے اٹھ چکی تھی، پھر میں نے بھی تقلید کی مگر ابھی میں ایک قدم ہی اٹھا سکی تھی کہ ایک زناٹے دار تھپڑ میرے گال پر پڑا۔ اتنا بھرپور تھپڑ تھا کہ نہ صرف میرا منہ ہی گھوم گیا بلکہ میں پھر چارپائی پر گر پڑی۔ میرے حلق سے بے اختیار ایک بلند چیخ بھی نکلی تھی مگر یہ دوسری بات ہے کہ کسی نے اس کی پروا نہیں کی پھر دو تین افراد نے مجھے پکڑ لیا۔ اس طرح کہ میرے لیے جنبش کرنا بھی تقریباً ناممکن ہو گیا۔ اگرچہ میں نے چیخنے اور اپنے آپ کو چھڑانے کی بہت کوشش کی مگر یہ ایک سعی لاحاصل تھی۔ انہوں نے میرے ہاتھ اور پیر پوری قوت سے دبا رکھے تھے پھر کسی نے کہا ''آستین اوپر اٹھاؤ۔'' دوسرے لمحے کسی نے میرے الٹے ہاتھ کی آستین پھاڑ ڈالی۔ میں ایک بار پھر جسم و جان کی پوری قوت سے تڑپی، مگر بے سود، میں ایک کمزور عورت تھی۔ وہ کئی تھے اور مرد تھے۔ میں ایک بار پھر زور سے چیخی، لیکن یہ چیخ اس جان لیوا ٹیس کی بدولت بلند ہوئی تھی جو مجھے اپنے بازو میں محسوس ہوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی شعلہ رگ و پے میں دوڑتا چلا گیا ہو۔ درد کی شدت نے مجھ پر چند لمحوں کے لیے تشنج کی سی کیفیت طاری کر دی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور کانوں میں سائیں سائیں ہونے لگی۔

پھر رفتہ رفتہ اندھیرا بڑھتا گیا اور میں اس میں ڈوبتی چلی گئی۔

یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے کہ مجھے کتنی دیر بعد ہوش آیا لیکن جب ہوش آیا تو کمرے میں میرے اور خالدہ کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ خالدہ فرش پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور اس طرح بار بار فضا میں ہاتھ چلا رہی تھی جیسے کسی شے کو پکڑنے کی کوشش کر رہی ہو۔ میں نے پلکیں زور زور سے جھپکا کر اسے غور سے دیکھنے کی کوشش کی،

مگر کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ میں ہوش میں تو آ گئی تھی مگر ذہن و حواس ابھی پوری طرح بیدار نہیں ہوئے تھے۔ ایک عجیب سا نشہ طاری تھا۔ کوئی چیز واضح نہیں تھی بلکہ ہر شے دھندلی دھندلی دکھائی دیتی تھی۔ آنکھوں کے سامنے لہریں اور دائرے رقص کر رہے تھے۔ نیلے، پیلے، ہرے، سرخ، عنابی اور سفید، کمرے کی دیواریں بھی آڑی ترچھی لگ رہی تھیں اور چھت میں بڑے بڑے ستارے چمکتے نظر آ رہے تھے۔ میں نے یکا یک ہاتھ اٹھا کر کنپٹی کھجلائی، پھر زور سے پلکیں جھپکا کر خالدہ کو دیکھا۔ وہ بدستور خلا میں ہاتھ چلا رہی تھی۔ مجھے دفعتاً ہنسی آ گئی۔

''تم کیوں ہنس رہی ہو؟'' خالدہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

''تم کیا پکڑ رہی ہو؟'' میں نے جواباً پوچھا ''مکھیاں.....''

''نہیں ستارے۔'' اس نے کہا ''یہاں اتنے بہت سے ستارے پتہ نہیں کہاں سے آ گئے ہیں؟''

''ستارے!'' میں مزید حیران ہوئی ''تم ستارے کیا کرو گی؟''

''اپنی مٹھی میں بند کروں گی۔''

یہ کہہ کر خالدہ ہنسنے لگی۔ ساتھ ہی میں نے بھی ہنسنا شروع کر دیا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ ہنسی کا محرک کون سا احساس تھا لیکن میرا بھی چاہ رہا تھا کہ خوب ہنسوں، ہنستی ہی رہوں۔ عجیب سی کیفیت تھی۔ نشہ بڑھتا جا رہا تھا اور جسم سبک سے سبک تر ہوتا جا رہا تھا۔ اتنا ہلکا پھلکا جیسے روئی کا گالا۔ مجھے کچھ ایسا لگ رہا تھا جیسے میں فضا میں اڑتی پھر رہی ہوں۔ چاروں طرف چکرا رہی ہوں۔ ہم دونوں دیوانوں کی طرح دیر تک ہنستے رہے پھر میں نے کہا۔

''اچھی بات ہے تم ستارے پکڑو، میں جگنو پکڑوں گی۔''

یہ کہہ کر میں بھی فضا میں ہاتھ چلانے لگی۔

''تم جگنو کیا کرو گی؟''

میں معارک گئی اور حیران ہو کر خالدہ کو دیکھنے لگی۔

''ارے ہاں، یہ تو سوچا ہی نہیں کہ میں جگنو کیا کروں گی؟''

''میں بتاؤں۔'' خالدہ میرے چہرے کے سامنے انگلی نچا کر بولی۔

''بتاؤ۔''

''مٹھی میں بند کرنا۔''

یہ کہہ کر وہ پھر ہنسنے لگی۔ میں نے بھی اس کا ساتھ دیا اور پھر یہ سوچ کر تو مجھے اور بھی ہنسی آئی کہ اتنی سی بات میری عقل میں نہیں آئی تھی۔ حالانکہ سیدھی سی بات ہے کہ خالدہ اپنی مٹھی میں ستارے بند کرے گی، تو میں اپنی مٹھو میں جگنو بند کر سکتی ہوں۔ چنانچہ ہم دونوں ہنستی رہیں اور جگنو اور ستارے پکڑنے کی کوشش کرتی رہیں۔ کمرے میں ان گنت جگنو تھے، بے شمار ستارے تھے، مگر ایک بھی ہمارے ہاتھ نہیں آیا۔ ابھی ہمارا یہ عمل جاری ہی تھا کہ ایک بار پھر دروازہ کھلا اور کئی دھندلے خاکے اندر گھس آئے۔ وہ لوگ انسان ہی تھے۔ اتنا تو میں سمجھ گئی تھی لیکن ان کے چہرے کچھ واضح نہیں تھے۔ دفعتاً میں نے چلا کر کہا۔

''آؤ، آؤ، تم لوگ بھی جگنو پکڑو۔''

پتہ نہیں کسی نے جواب میں کچھ کہا یا نہیں۔ البتہ میں نے کئی بھنبھناتی ہوئی بے ربط آوازیں ضرور سنیں.....

پھر میں نے انہیں اپنے نزدیک آتے دیکھا۔اس کے بعد کسی نے میری بغلوں میں ہاتھ ڈال کر مجھے کھڑا کر دیا۔ یہی عمل خالدہ کے ساتھ بھی ہوا تھا پھر میں نے خالدہ کی آواز سنی۔

''اے تم لوگ مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟''

اس کے بعد جو واقعات پیش آئے، ان کی دھندلی تصویریں اب بھی میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ہم کئی راہداریوں سے گزر کر اور ان گنت سیڑھیوں سے اتر کر عمارت سے باہر آئے تھے۔اس وقت رات کا پچھلا پہر تھا، سڑک سنسان پڑی تھی۔ ہمیں ایک گاڑی میں بٹھایا گیا مگر مجھے یہ دھیان نہیں کہ وہ کوئی جیپ تھی یا وین ہم نے اس پر کوئی تعرض یا احتجاج نہیں کیا بلکہ ہم دونوں مسلسل ہنستی رہیں اور بے تکے الفاظ اور لایعنی جملے خود بخود ہمارے لبوں سے پھسلتے رہے۔ ہمارے ساتھ جو افراد سفر کر رہے تھے، وہ سنگی بتوں کی طرح چپ چاپ بیٹھے رہے۔ گاڑی کا سفر کتنی دیر میں ختم ہوا، یہ اندازہ کرنا میرے لیے ناممکن ہے۔ البتہ یہ یاد ہے کہ کچھ دیر بعد ہم نے خود کو ایک چھوٹے ایروپلین میں پایا۔ اس قسم کے ایروپلین دولت مند لوگ اکثر اپنے ذاتی شوق کے لیے رکھتے ہیں اور انہیں پرواز کے لیے کسی باقاعدہ رن وے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ کسی بھی ہموار قطعہ زمین سے یہ جہاز پرواز کر سکتے ہیں۔ مجھے اس بات کا کوئی اندازہ نہیں کہ اس طیارے کی پرواز کہاں سے شروع ہوئی تھی، مگر اتنا یقین ہے کہ وہ کوئی ایئروڈرم نہیں رہا ہوگا۔ جب جہاز فضا میں بلند ہوا تو میں پھر ہنسنے لگی۔ یہ شاید صبح کی ٹھنڈی اور تازہ ہوا کا اثر تھا کہ میرا نشہ دوچند ہو گیا تھا۔ دل و دماغ پر ایک عجیب مضحکہ خیز کیفیت طاری تھی۔ خوف کا خفیف سا شائبہ بھی نہ تھا بلکہ فضا میں پرواز کرنا بچوں کا کھیل لگ رہا تھا۔ اردگرد میں اڑتے ہوئے بادلوں کے ٹکڑے دیکھ کر میرا دل مچل گیا اور میں بے اختیار اپنی سیٹ سے اٹھنے لگی۔ خالدہ نے سر ہلا کر پوچھا۔

''کہاں جا رہی ہو؟''

''باہر۔''

''کیوں؟''

''بادل پکڑوں گی۔''

''بادل کا کیا کرو گی؟''

''مٹھی میں بند کروں گی۔''

میں اپنی سیٹ سے اٹھ گئی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ واقعی بادل پکڑنے کے لیے باہر نکلنے کی کوشش بھی کرتی، مگر کسی نے مجھے شانے سے پکڑ کر پھر بٹھا دیا۔ میں پشت سے سر ٹکا کر تقریباً نیم دراز ہو گئی اور کچھ بڑبڑانے لگی۔ ذہن ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بوجھل ہوتا جا رہا تھا اور پلکیں بھی رفتہ رفتہ بھاری ہو رہی تھیں۔ شاید مجھے بہت زیادہ نیند آ رہی تھی۔ آج میرے لیے یہ قطعی ناممکن ہے کہ اس سفر کی پوری روئداد بیان کر سکوں، کیونکہ مجھے تفصیلاً کچھ بھی یاد نہیں، اور نہ ہی میں ان مقامات کی نشان دہی کر سکتی ہوں، جہاں سے اس سفر کے دوران گزرنا پڑا تھا۔ البتہ کسی تجریدی تصویر کی طرح کے غیر واضح خاکے ضرور میرے ذہن میں موجود ہیں، جب پہلے جہاز کا سفر تمام ہوا تھا تو ہم ایک اور جہاز میں سوار ہوئے تھے۔ دوسرے جہاز کا سفر کب اور کہاں ختم ہوا تھا، یہ مجھے یاد نہیں۔ کیونکہ میں بیشتر وقت سوتی رہی تھی۔ ہاں، جب میری آنکھ کھلی تھی تو میں نے خود کو ایک بڑی موٹر بوٹ میں پایا تھا جو سمندر کی

شفاف لہروں پر اچھلتی ہوئی تیز رفتاری سے چلی جارہی تھی۔ عقب میں بہت دور ساحل کی ایک طویل دھندلی سی پٹی نظر آرہی تھی۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس سارے منظر کو دیکھا پھر خالدہ پر نگاہ ڈالی، وہ میرے قریب ہی بے سدھ پڑی تھی۔ میرا سر درد کی شدت سے سنسنا رہا تھا اور آنکھیں یوں جل رہی تھیں جیسے چنگاریاں چبھ رہی ہوں۔ کچھ دیر تو میں ادھر ادھر دیکھنے اور صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کرتی رہی، مگر یہ کوشش فضول تھی۔ پتہ نہیں وہ کون سی جگہ تھی اور نہ جانے ہم لوگ کب اور کیسے موٹر بوٹ میں پہنچ گئے تھے۔ چند منٹ بعد میں نے آنکھیں بند کرلیں اور ایک بار پھر نیند یا شاید نیم بے ہوشی کے تاریک سمندر میں ڈوب گئی۔

جب دوبارہ آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ میرے چاروں طرف دیواریں موجود ہیں۔ سر پر ایک چھت بھی ہے اور اس چھت میں ایک دہکتا ہوا سورج لٹک رہا ہے۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ سورج نہیں بلکہ ایک بلب تھا۔ دھیرے دھیرے منظر صاف ہوا اور تب انکشاف ہوا کہ وہ دراصل ایک کمرا تھا۔ میں آہستہ آہستہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور..... خود فراموشی کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ دائیں طرف دروازہ تھا جو بند تھا۔ بائیں جانب والی دیوار میں ایک وسیع دریچہ نظر آرہا تھا۔ اس کے قریب ہی ایک الماری، ایک ڈریسنگ ٹیبل اور چند کرسیاں پڑی تھیں۔ میں جس پلنگ پر پڑی ہوئی تھی، وہ جہازی سائز کا تھا اور اس پر صرف میں ہی نہیں تھی، بلکہ خالدہ بھی تھی۔ وہ دیوار سے پشت ٹکائے یوں گم صم بیٹھی تھی جیسے جاگتے میں سو رہی ہو۔ میں کسمسا کر اٹھی تو وہ مجھے ابھرتی ڈوبتی نظروں سے دیکھنے لگی پھر اس نے پست لہجے میں آہستہ سے کہا۔

''موئرا۔''

''ہوں۔'' میں نے کہا۔ مجھے اپنی آواز بڑی عجیب اور اجنبی سی لگی۔

''ہم لوگ اس کمرے میں کیسے آ گئیں؟''

''پتہ نہیں۔'' میں نے ادھر ادھر دیکھا ''ہم نے شاید پہلے کسی جہاز پر اور پھر ایک موٹر بوٹ پر سفر کیا تھا، مجھے یاد ہے۔''

''مجھے بھی کچھ کچھ یاد ہے۔'' خالدہ کی آواز بھرائی ہوئی تھی ''مگر یہ کون سی جگہ ہے؟''

''معلوم نہیں۔'' میں نے کہا ''مگر یہ طے ہے کہ یہ جگہ مصر میں نہیں ہوسکتی۔''

''وہ لوگ ہمیں یہاں کیوں لائے ہیں؟''

مجھے اس بات کا جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور غالباً خالدہ کو بھی جواب سننے کی کوئی خواہش نہیں تھی۔ وہ گردن گھما کر اس روغنی تصویر کو دیکھنے لگی جو سرہانے والی دیوار پر آویزاں تھی۔ میں کچھ دیر تو چپ چاپ بیٹھی رہی، کچھ اس طرح گویا ہلنا جلنا میرے اختیار سے باہر ہو، پھر یکایک ذہن میں تحریک ہوئی دیکھنا تو چاہیے کہ اب قسمت ہمیں کہاں لے کر آئی ہے۔ چنانچہ میں رینگ رینگ کر پلنگ سے نیچے اتری، مگر یہ عمل بڑا جان لیوا تھا۔ سر سے پاؤں تک میرا بدن کسی پکے ہوئے پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ ہڈیوں کا ایک ایک جوڑ گویا چور چور ہو رہا تھا اور سر میں اس طرح دھماکے ہو رہے تھے جیسے کوئی پتھر کوٹ رہا ہو۔ جب میں کھڑی ہوئی تو آنکھوں میں ایک دم اندھیرا چھا گیا۔ اگر پلنگ کا سہارا نہ لیتی تو یقیناً گر پڑتی۔ چند منٹ میں جب ذہن و اعصاب کی قوت قدرے بحال ہوئی تو میں دروازے کی جانب بڑھی، مگر دروازہ بند تھا۔ چنانچہ میں نے دریچے کا رخ کیا۔ ایک

ایک قدم اتنا بھاری ہو رہا تھا کہ گویا میں دلدل میں چل رہی ہوں۔ بار بار آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا..... مگر کسی نہ کسی طرح میں دریچے تک پہنچ ہی گئی۔ ایک پٹ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا، میں نے دوسرا پٹ بھی کھول دیا۔ دریچے میں موٹی موٹی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ میں نے دریچے کی ٹھنڈی سل پر کہنی ٹکائی اور باہر نظریں جمادیں۔

گہرا سیاہی مائل سمندر دور تک ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ آسمان پر مٹیالے بادلوں کے قافلے رواں دواں تھے اور دائیں جانب بہت دور ایک چھوٹے سے جزیرے کے آثار نظر آ رہے تھے۔ میں جس کمرے میں کھڑی تھی، وہ غالباً عمارت کی تیسری منزل پر تھا۔ نیچے سبز گھاس سے ڈھکا ہوا ایک وسیع قطعہ زمین نظر آ رہا تھا۔ عمارت غالباً بلندی پر بنائی گئی تھی، کیونکہ وہ قطعہ زمین بتدریج ڈھلان کی شکل اختیار کرتا ہوا ساحل تک چلا گیا تھا۔ ساحل کٹا پھٹا اور ناہموار تھا اور سمندر کی جھاگ اڑتی ہوئی سرکش موجیں ساحل سے ٹکرا رہی تھیں، وہ قطعہ زمین بلندی سے ایک گہری پلیٹ کی طرح دکھائی دیتا تھا اور اس کے وسط میں گیارہ پتھر بتوں کی طرح ایک دائرے میں ایستادہ تھے۔ پتہ نہیں وہ پتھر قدرتاً وہاں موجود تھے یا انسانی ہاتھوں نے انہیں وہاں نصب کیا تھا۔ میں دریچے میں ساکت کھڑی رہی اور حیرت سے ایک ایک شے کو دیکھتی رہی۔ کیونکہ یہ سمجھنے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ یہ سارا منظر اسکاٹ لینڈ کے سوا دنیا کے اور کسی خطے کا نہیں ہو سکتا۔

اتنے میں دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ میں نے گھوم کر دیکھا، ایک عورت کھانے کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی اندر آ رہی تھی۔ وہ ایک موٹی، بھدی اور اجاڑ سی عورت تھی۔ اس کے چہرے پر بے حسی کے سوا کوئی تاثر نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا، جیسے اس کی پوری شخصیت بالکل خالی خالی ہو چکی ہے۔ اس کے جسم پر جو کپڑے تھے، وہ بھی کافی میلے اور بے ترتیب تھے۔ وہ بڑی لاتعلقی سے اندر آئی اور ٹرالی کمرے کے وسط میں چھوڑ کر واپس جانے لگی۔ تب میں نے یکا یک جلدی سے کہا۔

''اے سنو، لارڈ رے کہاں ہیں، میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔''

وہ رک گئی، گھوم کر مجھے دیکھا، پھر خالدہ کو دیکھا، مگر زبان سے کچھ نہیں بولی۔

''تم بولتی کیوں نہیں۔'' میں نے پھر کہا ''لارڈ رے کہاں ہیں؟''

''مجھے نہیں معلوم۔'' آخر کار اس نے جواب دیا۔ چہرے اور شخصیت کی طرح اس کی آواز میں بھی بے حسی کے سوا کوئی دوسرا تاثر نہیں تھا۔

''مسٹر اینڈریوز، وہ تو ہوں گے میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''مجھے نہیں معلوم۔''

میں تھوڑی دیر چپ رہی اس کے جواب اتنے دوٹوک تھے کہ کچھ اور پوچھنا مجھے فضول معلوم ہوا۔ اس کے پاس شاید ہر سوال کا صرف ایک جواب تھا ''مجھے نہیں معلوم'' اور اگر اسے کچھ معلوم بھی ہوگا تو نہیں بتائے گی پھر وہ گھوم کر جانے لگی تو یکا یک خالدہ نے پوچھا۔

''یہ کون سی جگہ ہے؟''

''وائیونا۔''

☆☆☆

پھر وہ چلی گئی۔ دروازہ ایک بار پھر بند ہو گیا لیکن اس کی کھردری، بے حس آواز کی گونج کمرے کے در و دیوار سے دیر تک ٹکراتی رہی۔ وائیونا..... وائیونا۔ تو یہ ہے وہ جزیرہ جس کے لیے مسٹر اینڈریوز نے میرے باپ کو قتل کر دیا تھا اور اب مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ تب سے لے کر آج تک اس جزیرے اور کارگل خاندان کا کتنا نام سنا تھا، لیکن کبھی گمان بھی نہیں ہوا تھا کہ میں خود ہی موئرا کارگل ہوں۔ یہ جزیرہ میری ملکیت ہے۔ یہ احساس بڑا عجیب اور اجنبی سا لگا۔ یہ جزیرہ میری ملکیت ہے، میں اس کی مالک ہوں، یہ قسمت کا ستم نہیں تو اور کیا ہے کہ میں اس حالت میں وائیونا آئی ہوں کہ یہاں میری قبر بنے گی مگر کون جانے کہ قبر بنے گی بھی یا نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ میری لاش سمندر میں پھینک دیں اور وہاں میرا جسم مچھلیوں کی خوراک بن جائے۔ میں ایک بار پھر دریچے سے باہر دیکھنے لگی۔ میری نگاہ سمندر کے سینے پر چلتی ہوئی دور تک چلی گئی..... پھر جب نگاہ کی حدیں ختم ہوئیں تو تصور کی پرواز شروع ہوئی اور سمندر کے فاصلوں کو طے کر کے اسکاٹ لینڈ پہنچ گئی۔ میرا وطن، جہاں، گلاسگو ہے، ایڈنبرا ہے، ڈنڈی ہے اور موفٹ ہے۔ یکا یک میرا دل بھر آیا۔ آنکھیں چھلک پڑیں۔ خدایا۔ خدایا۔ مجھے یہ جزیرہ نہیں چاہیے۔ مجھے کارگل خاندان کی دولت نہیں چاہیے۔ مجھے کارگل نام بھی نہیں چاہیے۔ موفٹ کا وہ چھوٹا سا گھر، مسز اوگلوی کا کیفے اور وہ سادہ سی زندگی، میرے لیے وہی بہت ہے، مگر وائیونا جزیرے کی قلعہ نما عمارت کی دیواریں تو بہری ہیں۔ یہاں میرے دل کی صدا کون سنے گا۔

یکا یک خالدہ نے کہا ''تو یہ ہے وائیونا۔''

''ہاں۔'' میں نے کہا ''یہی وہ جزیرہ ہے، اب یہاں میری اور تمہاری قبریں بنیں گی۔''

وائیونا کا رقبہ لمبائی اور چوڑائی میں چند مربع میل سے زیادہ نہیں تھا، مگر عمارت بڑی وسیع اور پرشکوہ تھی اور اس کی بناوٹ قدیم طرز کے قلعوں سے مشابہ تھی۔ حتیٰ کہ عمارت کے عقبی حصے میں ایک طویل فصیل بھی تھی جس کے دونوں کونوں پر برج بھی بنے ہوئے تھے۔ عمارت کا کچھ حصہ سہ منزلہ تھا اور اندرونی حصے میں راہداریوں کا ایک جال سا بچھا ہوا تھا پھر ان گنت کمرے اور کئی وسیع ہال بھی تھے۔ ایک تہ خانہ بھی تھا جس میں میرے آباؤ اجداد کی یادگاریں اور نوادرات محفوظ تھے۔ تلواریں، ڈھالیں، بلم اور دوسرے ان گنت ہتھیار، جہازی سائز کے صندوق، میزیں، الماریاں اور کرسیاں، پھر بے شمار ظروف اور کچھ قدیم طرز کے زیورات بھی تھے۔ ایک کمرے میں میرے آباؤ اجداد کی روغنی تصویریں آویزاں تھیں۔ جب پہلی بار میں نے ان تصویروں کو دیکھا تو مجھے بڑا عجیب سا لگا۔ کیا یہ میرے دادا پردادا وغیرہ ہیں؟ لیکن میرے احساس میں کوئی ایسا تاثر نہیں ابھرا جو کسی روحانی یا دلی لگاوٹ کا مظہر ہوتا۔ وہ لوگ جو مدتوں پہلے مر کھپ چکے تھے اور اب چوبی فریموں میں قید تھے، مجھے بالکل اجنبی لگے۔

وائیونا جزیرے کی اس بلند اور وسیع۔ قلعہ نما عمارت میں بھی ہماری قید تقریباً ویسی ہی تھی۔ جیسی قاہرہ کی نامعلوم عمارت میں تھی۔ یہاں ہمارا ہونا اور نہ ہونا برابر تھا۔ عمارت میں اگرچہ کافی افراد موجود تھے، مگر ہم دونوں کی طرف سے وہ اس طرح لاتعلق سے رہتے جیسے ہم وہاں موجود ہی نہ ہوں۔ وہ ہم سے گفتگو نہیں کرتے، ہمارے کسی سوال کا جواب نہیں دیتے۔ اگر کسی کے لب اتفاق سے کھلتے بھی تو صرف دو لفظ سنائی دیتے ''معلوم

نہیں۔'' انہیں کچھ بھی معلوم نہیں تھا لارڈرے کہاں ہے؟ مسٹر اینڈ ریوز کہاں ہیں؟ ڈاکٹر نیفا کہاں ہے؟ اور..... راجو کہاں ہے، کس حال میں ہے؟ انہیں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ ایک ایک کر کے کئی دن گزر گئے لیکن قاہرہ کی طرح یہاں بھی ہم نے لارڈرے اور مسٹر اینڈ ریوز وغیرہ کو نہیں دیکھا۔ حتیٰ کہ باربرا، ٹیا اور وہ لڑکی جولیانا بھی نظر نہیں آئیں یہ لاعلمی اور گھٹن بڑی جاں سوز تھی۔ ہر وقت دم گھٹتا رہتا۔ ایک تشنج کی سی کیفیت طاری رہتی۔ یہ تو طے ہے کہ مجھے مرنا ہے۔ لارڈرے اور مسٹر اینڈ ریوز مجھے زندہ چھوڑ دینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے لیکن اس طرح مجھے ذہنی اور روحانی عذاب میں مبتلا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا وہ لوگ اتنا کرم بھی نہیں کر سکتے کہ جلد از جلد مجھے مار ڈالیں یا کم از کم یہی بتا دیں کہ وہ مجھے کب قتل کریں گے مگر اس بات کا جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔

وہ موٹی، بھدی، بے حس عورت، جو بہت گستاخ بھی تھی، ہماری دیکھ بھال پر معمور تھی۔ اس کا نام کونی تھا۔ اس سے زیادہ مجھے اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ وہ ہماری دیکھ بھال اس طرح کرتی تھی، جس طرح زمانہ قدیم میں کوڑھ کے مریضوں کی دیکھ بھال کی جاتی تھی۔ کھانے کی ٹرالی لے کر آتی تو دور سے ہی ہماری طرف دھکیل دیتی۔ منہ سے کچھ نہیں بولتی لیکن ایسی خون آشام نظروں سے گھورتی جیسے بلا تکلف ہمیں جان سے مار دینا چاہتی ہو۔ قاہرہ والی عمارت میں ہم دونوں صرف ایک کمرے تک محدود تھیں، مگر یہاں اتنا فرق ضرور تھا کہ ہمیں کمرے سے باہر نکلنے کی آزادی حاصل تھی۔ میں اور خالدہ سارا دن ادھر ادھر ڈولتی رہتیں، کبھی لائبریری میں، کبھی اسموک روم میں، کبھی تہ خانے میں اور کبھی کبھی گیمز روم میں جہاں شطرنج، تاش، وغیرہ کئی گیم تھے۔ عمارت میں جو چھ افراد موجود تھے۔ ان میں سے اکثر نئے چہرے تھے مگر کئی ایسے افراد بھی تھے جنہیں ہم نے قاہرہ میں دیکھا تھا مگر ان کا ہونا نہ ہونا یا ہمارا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ وہ ہمیں اس طرح نظر انداز کرتے تھے گویا ہم وہاں موجود ہی نہ ہوں۔ ان کی آنکھوں میں نرمی نہیں تھی۔ ان کے چہروں پر مروت نہیں تھی اور ان کے لبوں پر مہریں لگی ہوئی تھیں۔ چنانچہ وہ ہمیں کچھ بھی نہیں بتاتے تھے۔ اندھیرا تھا محض اندھیرا۔ لاعلمی اور امید و بیم اور خوف اور بے کسی کا اندھیرا تھا اور اس اندھیرے میں ہم دونوں کا دم گھٹ رہا تھا۔

لیکن عمارت میں آمد و رفت کی آزادی بہر حال محدود تھی۔ ہم دونوں محض ایک حصے میں گھوم پھر سکتی تھیں، عمارت کے باقی حصے میں اور باہر جانے کی ممانعت تھی۔ عمارت کے ممنوعہ حصے میں کیا تھا، یہ مجھے معلوم نہیں، لیکن اتنا قیاس کیا جا سکتا تھا کہ اگر اینڈرے مسٹر اینڈ ریوز اور باربرا وغیرہ وائیونا میں موجود ہیں، تو اسی حصے میں رہے ہوں گے اور میرا یہ قیاس اس دن درست نکلا جب لارڈرے نے میری موت کا حکم سنایا۔

وہ گیارہواں دن تھا۔ میں اور خالدہ معمول کے مطابق صبح ہی صبح جاگ گئی تھیں۔ اگر آسمان پر گہرے سیاہ بادل تہہ در تہہ جمع نہ ہوتے، تو خاصا اجالا ہو گیا ہوتا مگر بادلوں کی وجہ سے کافی اندھیرا تھا۔ میں ضروریات سے فارغ ہو کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی، کیونکہ ناشتہ آنے میں ابھی کچھ دیر تھی۔ خالدہ بھی میرے پاس کھڑی تھی اور ہم دونوں سمندر کا نظارہ کر رہی تھیں۔ یکا یک خالدہ نے کہا۔

''لگتا ہے طوفان آئے گا۔''

''ہاں، آثار تو ایسے ہی ہیں۔'' میں نے اتفاق کیا۔

آسمان تو خیر بادلوں سے گھرا ہوا تھا ہی، ساتھ ہی تیز و تند ہوائیں بھی چل رہی تھیں۔ اس بنا پر سمندر بہت

تلاطم خیز ہو رہا تھا۔ سارے آثار بلاشبہ طوفان کے تھے۔ کسی بھی وقت بارش شروع ہو سکتی تھی۔ ہوا شدت اختیار کر سکتی تھی اور سمندر کا تلاطم بلاخیز ہو سکتا تھا۔ نیچے ساحل پر کہر چھایا ہوا تھا جو سمندر کی شوریدہ سر موجوں سے اڑنے والی پھوار کی بنا پر کچھ زیادہ ہی کثیف ہو گیا تھا۔ خالدہ کی نظر ساحل سے سر ٹکراتی موجوں پر ہی جمی ہوئی تھی۔ یکا یک اس نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

''ارے وہ کیا؟''

''کہاں؟''

''وہ، ادھر، دائیں طرف۔'' اس نے انگلی سے اشارہ کیا۔

پہلے تو مجھے کچھ نظر نہیں آیا۔ کہر کی بنا پر ساحل کا منظر کچھ صاف نہیں تھا، مگر دفعتاً میری نظر اس پر جا پڑی۔ دراصل وہ ایک آدمی تھا اور وہ ساحل کی ایک چٹان کے پیچھے سے نکل کر تیزی سے دائیں طرف بھاگ رہا تھا۔ اگر بات اتنی ہی ہوتی تو کوئی بات نہ تھی، مگر فوراً ہی مجھے تین اور آدمی بھی نظر آئے جو اس سے تقریباً پچیس تین گز پیچھے تھے۔ اتنے فاصلے سے ان کی شکلیں دیکھنا تو ممکن نہ تھا، مگر اتنا طے تھا کہ وہ تینوں آگے جانے والے آدمی کا تعاقب کر رہے تھے۔ وہ آدمی یقیناً بہت پھرتیلا تھا۔ کیونکہ دیکھتے دیکھتے وہ بہت آگے چلا گیا پھر میں نے اسے ایک چٹان کے عقب میں غائب ہوتے ہوئے دیکھا لیکن صرف چند لمحوں کے لیے پتہ نہیں وہ کون تھا اور کیوں بھاگ رہا تھا۔ وہ لارڈرے کا آدمی تو نہیں ہو سکتا تھا۔ ورنہ اسے اس طرح بھاگنے کی کیا ضرورت تھی؟ تینوں آدمی جو اس کا تعاقب کر رہے تھے، سمندر کی بوچھاڑ میں چند سیکنڈ کے لیے غائب ہوئے، اور پھر جب دوبارہ نمودار ہوئے تو چٹان کے قریب پہنچ چکے تھے۔ اس وقت آگے جانے والا آدمی ساحل کے کنارے بھاگ رہا تھا، اور یہ اس کی غلطی تھی۔ اگر وہ اپنی جان بچانا چاہتا تھا تو اسے کھلے ساحل پر نہیں آنا چاہیے تھا۔ اس غلطی کا خمیازہ اسے فوراً ہی بھگتنا پڑا۔ کیونکہ ان تینوں نے پستول نکال لیے اور اندھا دھند فائرنگ کرنے لگے۔ گولی چلنے کی آواز فاصلہ زیادہ ہونے کے باوجود میرے کانوں تک صاف پہنچ رہی تھی۔ پہلے چند فائر غالباً خالی گئے۔ کیونکہ وہ آدمی بدستور بھاگتا رہا مگر بدقسمتی بہرحال اس کے سر پر مسلط ہو چکی تھی۔ اس کا جی جان کی پوری قوت سے دوڑنا محض ایک اضطراری عمل تھا، ورنہ اس کے لیے تمام دروازے بند ہو چکے تھے۔ کچھ دور اور بھاگنے کے بعد وہ دائیں طرف مڑا، ایک بار پھر گولیاں چلیں اور اس بار میں نے اسے گرتے دیکھا۔ وہ یقیناً بری طرح گھائل ہو گیا تھا۔ کیونکہ چند لمحے جب وہ اٹھ کر بھاگا تو بری طرح لنگڑا رہا تھا۔ تعاقب کرنے والے اب اس کے کچھ اور قریب پہنچ چکے تھے مگر پھر وہ سب کے سب نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ کیونکہ اس جگہ ساحل کٹی پھٹی چٹانوں کے پیچھے گم ہو گیا تھا۔ ہم دونوں کئی منٹ تک گم صم کھڑی رہیں، اور بے چین نظروں سے ان چٹانوں کو گھورتی رہیں، جن کے عقب میں وہ لوگ غائب ہوئے تھے۔ شاید ہمیں توقع تھی کہ وہ پھر نظر آئیں گے مگر ایسا نہیں ہوا۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد آخر کار خالدہ نے کہا۔

''نہ جانے کون تھا وہ۔''

''کم از کم لارڈرے کا آدمی نہیں ہو سکتا۔'' میں نے طویل سانس لی ''وہ جو کوئی بھی ہے، اسے بہرحال یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ اس جزیرے میں اب عام لوگوں کی آمد و رفت بالکل بند کر دی گئی ہے۔''

''تو کیا وہ باہر سے آ گیا ہوگا؟''

''ہاں، ایسا ہی لگتا ہے۔''

''کیوں؟''

''خدا ہی جانے۔'' میں نے آہستہ سے کہا ''ممکن ہے اتفاق سے ادھر آ نکلا ہو۔ ان اطراف میں چھوٹے چھوٹے بہت سے آباد اور غیر آباد جزیرے ہیں اور اکثر لوگ اپنی لانچ میں ادھر ادھر گھومتے رہتے ہیں۔ ممکن ہے، وہ بھی کوئی ایسا ہی آدمی ہو۔''

''مگر پھر بھی ان لوگوں نے اس پر گولی کیوں چلائی؟''

''میرے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا۔ چنانچہ چپ رہی اور غیر ارادی طور پر انہی چٹانوں کو گھورتی رہی۔ خالدہ کی نظر بھی اسی طرف تھی۔ قدرے توقف کے بعد اس نے کہا۔

''کیا ان لوگوں نے اسے پکڑ لیا ہوگا؟''

''شاید۔'' میں نے کہا ''اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کسی دراڑ یا سرنگ میں چھپ گیا ہو۔ ان جزیروں میں زیر زمین قدرتی سرنگیں بھی بہت ہوتی ہیں۔ اگرچہ ان میں سمندر کا پانی بھرا ہوتا ہے، مگر وہ قطعی محفوظ ہوتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ایسی ہی کسی سرنگ میں چلا گیا ہو۔''

''پھر بھی وہ بچ نہیں سکتا۔'' خالدہ نے افسردگی سے کہا ''کیونکہ وہ لوگ اسے مسلسل تلاش کرتے رہیں گے اور وہ کسی تاریک آبی سرنگ میں خود کو زیادہ دیر محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ آخر کار اسے باہر آنا پڑے گا اور جب وہ باہر آئے گا تو.....''

''تم ٹھیک کہتی ہو۔'' میں نے اتفاق کیا۔

''خدا جانے وہ کون تھا اور کیوں یہاں آیا تھا۔'' خالدہ نے ایک بار پھر کہا۔

سہ پہر کے بعد ہمیں نہ صرف ان دو سوالوں کے بلکہ اور بھی بہت سے سوالوں کے جواب مل گئے۔ راجو کہاں ہے؟ اور کس حال میں ہے؟ میرے اور خالدہ کے ساتھ وہ لوگ کیا سلوک کریں گے۔ یہ انتظار..... یہ جان لیوا انتظار اور حالت امید و بیم کبھی ختم ہوگی یا نہیں؟ ان سوالات کی صلیب پر ہم دونوں پورے ایک ماہ سے لٹکی ہوئی تھیں۔ اس طرح کہ نہ تو پھانسی کا پھندا ٹوٹتا تھا اور نہ ہمارا دم نکلتا تھا مگر اس روز ان تمام سوالوں کے جواب مل گئے۔ ہم دونوں سہ پہر کی چائے سے فارغ ہو چکی تھیں اور اپنے کمرے میں بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھیں۔ ایک دو افراد ہر روز لانچ لے کر اسکاٹ لینڈ جاتے تھے اور اشیاء ضروری کے ساتھ اخبارات بھی لاتے تھے۔ خالدہ لائبریری سے تازہ ترین گارڈین اٹھا لائی تھی اور ہم دونوں اس کے مطالعے میں غرق تھیں کہ یکا یک دروازہ کھلا اور روزالبہ اندر داخل ہوئی۔

میں کچھ اس طرح چونک کر کھڑی ہوگئی۔ جیسے کوئی برقی جھٹکا لگا ہو۔ میرا تعجب بے جا نہیں تھا۔ اتنے دنوں میں یہ پہلا موقع تھا جب ہماری دیکھ بھال کرنے والی موٹی، بھدی، نک چڑھی کونی کے علاوہ کوئی اور ہمارے کمرے میں آیا تھا۔ خالدہ کی حالت مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ روزالبہ نے سرد مہری سے کمرے کا جائزہ لیا، پھر ہم دونوں کو باری باری گھورتی ہوئی خشک لہجے میں بولی۔

''چلو۔''

''کہاں؟'' میری زبان سے خود بخود نکلا۔

یہ پوچھنا ضروری تھا۔ چنانچہ روزآلبہ نے جواب دینے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ وہ بڑی جسیم اور بلند و بالا مگر بے حد حسین عورت تھی۔ بڑا دلکش سراپا تھا لیکن یہ اور بات ہے کہ اس کے حسین چہرے پر شگفتگی اور ملاحت نہیں تھی جو دلبری اور رعنائی میں اضافہ کرتی ہے بلکہ خشونت اور کرختگی تھی۔ ایک بار پھر اس نے لاپرواہی اور سرد مہری سے ''چلو'' کہا اور کھلے دروازے میں یوں کھڑی ہوگئی، گویا وہ ہمیں ایک لمحے کی مہلت بھی نہ دینا چاہتی ہو۔

میرا دل دھڑکنے لگا۔ ضرور کوئی بات ہے، کوئی خاص بات ہے۔ روزآلبہ کا پہلی بار ہمارے کمرے میں آنا اور پھر اس کا غیر دوستانہ طرز عمل خالی از علت نہیں ہوسکتا مگر کیا بات ہوسکتی ہے۔ میں نے خالدہ کی جانب دیکھا۔ حیرت اس کے چہرے پر بھی سوالات لکھ رہی تھی۔ ہم دونوں کو فیصلے اور انتخاب کا اختیار بہر حال نہ تھا۔ بے اختیاری دوسرے الفاظ میں بے بسی ہے اور ہم دونوں ہی بے بس تھیں۔ میں آگے آگے کمرے سے باہر نکلی، خالدہ نے تقلید کی، روزآلبہ پیچھے تھی لیکن جب ہم سیڑھیاں طے کر کے نچلی منزل پر پہنچیں تو وہ آگے آ گئی۔ ہم نے اس راہداری کا انتخاب کیا جو عمارت کے عقبی حصے کی جانب جاتی تھی۔ سرخ قالین پر قدموں کی چاپ مجھے دھماکوں کی طرح محسوس ہوتی تھی مگر مجھے یہ علم نہیں تھا کہ چند منٹ بعد ہم ایک ایسے دھماکے سے دوچار ہوں گے، جو کچھ دیر کے لیے ہمارے ہوش و حواس معطل کر دے گا۔

راہداری کے اختتام پر ہم دائیں جانب مڑے اور تب میرے دل کی دھڑکن کچھ اور بڑھ گئی۔ کیونکہ ہم نے جس دروازے میں قدم رکھا، وہ عمارت کے اس حصے میں کھلتا تھا جہاں ہمارا داخلہ ممنوع تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ہم اس حصے میں لے جائے گئے تھے۔ دروازہ ایک چھوٹے سے کمرے میں کھلتا تھا۔ چند قدم چل کر ایک اور دروازے میں داخل ہوئے پھر عقبی برآمدے میں پہنچ گئے۔ سامنے درختوں کا ایک چھوٹا سا جھنڈ اور ان کے پیچھے ہریں تھیں۔ نیلا سمندر نظر آ رہا تھا۔ دائیں جانب ایک باغیچہ تھا جو سردی اور بارش کی بنا پر اجڑ چکا تھا۔ تقریباً دس بارہ قدم طے کر کے روزآلبہ نے ایک وسیع دروازہ کھولا۔ ایک اور راہداری، پھر ایک چھوٹا سا کمرا اور اس چھوٹے کمرے کا دروازہ ایک وسیع ہال میں کھلتا تھا۔ جب ہم نے اس وسیع ہال میں قدم رکھا تو زمین میرے پیروں کے نیچے سے اچانک سرک گئی۔

جو کچھ دیکھا، اس کا گمان مجھے اور خالدہ کو سپنوں میں بھی نہیں تھا۔ پہلے تو مجھے اپنی بصارت پر شبہ ہوا۔ شاید نظر کا دھوکا ہے، مگر دھوکا نہیں تھا، احسان سچ مچ اس وقت ہال میں موجود تھا مگر اس حالت میں کہ اس کے ہاتھ پشت پر بندھے تھے۔ داڑھی بڑھی ہوئی تھی اور بال پریشان تھے۔ اس کے بائیں پیر کا پائنچہ پھٹا ہوا تھا اور پنڈلی پر دبیز پٹی بندھی ہوئی تھی جو اخراج خون کے باعث سرخ ہو رہی تھی۔ میں نے یکا یک آنکھیں بند کر لیں۔ اوہ میرے خدایا، تو وہ آدمی دراصل احسان تھا جسے صبح ہم نے ساحل پر دیکھا تھا مگر کیوں؟ اس کو تو ہم نے جلالی میں چھوڑا تھا، اور اسے ہمارے متعلق کچھ بھی علم نہیں تھا..... پھر وہ یہاں کیسے پہنچ گیا؟ کون سا جذبہ اسے مصر سے یہاں کھینچ کر لایا ہوگا۔ کس احساس نے اسے جان جوکھم میں ڈالنے پر مجبور کیا ہوگا۔ صرف ایک ہی جذبہ اتنا ارفع

واعلیٰ ہوسکتا ہے، بہن کی محبت کا جذبہ۔ میرے دل میں یکا یک احسان کا سر بلند سے بلند تر ہوتا چلا گیا۔

خالدہ بڑے مضبوط اعصاب کی عورت تھی۔ اس نے اس انتہائی غیر متوقع اور ساتھ ہی رنجیدہ صورت حال کو بڑی ہمت سے قبول کیا۔ وہ ہم لڑکیوں کی طرح چیخی چلائی نہیں، روئی نہیں، نہ ہی غش کھا کر گری۔ وہ چند لمحے تو ایک صدمے کے عالم میں کھڑی رہی پھر آہستہ آہستہ مضبوط پر اعتماد قدم اٹھاتی ہوئی احسان کے پاس گئی۔ اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر اسے سینے سے لگایا، پھر اس کی پیشانی چومی اور آہستہ سے کچھ کہا۔

وہ عجیب منظر تھا، بڑا جذباتی اور رقت انگیز۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر یہ آنسو مسرت کے تھے۔ کیونکہ وہ میری نگاہوں کے سامنے بھائی بہن کی محبت کا منظر تھا اور یہ ایسا منظر تھا جو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یورپ کے زیادہ تر ممالک میں ایسا منظر دیکھنے میں نہیں آتا۔ ایک طرف میرے چچا مسٹر اینڈریوز تھے، جنہوں نے اپنے بھائی کو ہلاک کر دیا تھا اور اب اپنی بھتیجی کو قتل کرنے کے درپے تھے، اور دوسری طرف احسان تھا جو اپنی بہن کے لیے جان کی بازی لگا کر وائینا پہنچا تھا۔ پتہ نہیں کیسی خوش قسمت لڑکیاں ہوتی ہیں وہ جنہیں ایسے محبت کرنے والے بھائی مل جاتے ہیں۔ مجھے تو ایسا بھائی نہیں ملا۔ میں جھلمل جھلمل کرتے آنسوؤں کے عقب سے خوشی اور حسرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ انہیں دیکھتی رہی۔ وہ دونوں بار بار ایک دوسرے کو لپٹا رہے تھے اور باتیں کر رہے تھے مگر چونکہ زبان عربی تھی، اس لیے میرے پلے کچھ نہیں پڑا۔

میرے ذہن پر ایک دھند چھائی ہوئی تھی، وہ جب ذرا چھٹی، تو میں نے گردوپیش پر نظر ڈالی، اور تب مجھے دوسرا جھٹکا لگا۔

بائیں جانب ایک قدرے اونچا اور خاصا وسیع اسٹیج تھا۔ اسٹیج کے وسط میں شاہانہ طرز کا ایک سرخ مخملی صوفہ پڑا ہوا تھا۔ دائیں بائیں چار عدد کرسیاں تھیں لیکن جس بات نے میرے ذہن کو متلاطم کیا، وہ راجو تھا۔ وہ صوفے پر چپ چاپ بیٹھا ہوا تھا۔ میں کئی لمحوں تک یقین و گمان کے درمیان لٹکی ہوئی اسے گھورتی رہی۔ کیا یہ وہی شخص ہے، جسے میں نے مصر کے صحرا میں دیکھا تھا۔ وہ بہت بیمار اور زخمی تھا اور دماغی خلل کا شکار بھی تھا مگر اب اس کے چہرے پر زخم کا کوئی نشان نظر نہیں آتا تھا، نہ ہی بیماری کی کوئی علامت موجود تھی مگر اس بارے میں وثوق سے کچھ کہنا مشکل تھا کہ اس کا دماغی اختلال ابھی باقی ہے یا نہیں۔ ہر چند کہ وہ بظاہر بیمار نظر نہیں آتا تھا مگر اس کے باوجود اس کے چہرے اور آنکھوں میں زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ اس کا چہرہ دودھ کی طرح سفید ہو رہا تھا۔ پتہ نہیں یہ خون کی کمی کے سبب تھا یا اس نے میک اپ کر رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں بجھی بجھی سی تھیں اور ان میں خوب گہرا کاجل لگا ہوا تھا۔ پپوٹے سبزی مائل سنہری کریم سے مزین تھے۔ ہونٹوں پر خون جیسی سرخ رچی ہوئی تھی۔ کانوں میں سنہرے بندے جھول رہے تھے اور گلے میں سفید موتیوں والا ایک بیش قیمت ہار بھی موجود تھا۔ اس کے بال جو شانوں سے نیچے تک پہنچ رہے تھے بے حد نفاست اور خوب صورتی سے آراستہ کیے گئے تھے۔ یہ اس کے اپنے بال نہیں ہو سکتے تھے، یقیناً وگ تھی، مگر اتنی عمدہ وگ میں نے پہلے نہیں دیکھی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ گھٹنے پر رکھا ہوا تھا اور مجھے اس کی پانچوں انگلیوں میں بیش قیمت انگوٹھیاں اور کلائی میں رنگین موتیوں سے مرصع کنگن صاف نظر آ رہے تھے، اس کا لباس بھی کافی حد تک زنانہ تھا۔ حقیقت ہے کہ وہ کسی طرح بھی مرد نہیں بلکہ ایک دلکش و دلربا عورت دکھائی دیتا تھا۔ اگر میں اسے جانتی نہ ہوتی تو مجھے یہ تسلیم کرنے میں بڑا تامل ہوتا کہ وہ مرد

ہے۔ پتہ نہیں ان لوگوں نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا تھا؟ میں کئی لمحوں تک پلک جھپکائے بغیر اسے گھورتی رہی مگر اس نے صرف ایک بار میری جانب دیکھا۔ محض ایک طائرانہ سی نظر، لیکن اس نظر میں شناسائی کی ہلکی سی رمق بھی نہیں تھی۔؟ ایسی اجنبی نگاہ تھی، گویا اس نے مجھے پہلے کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔ اس کے بعد وہ پھر سامنے خلا میں گھورنے لگا۔ ٹھہری ہوئی، پھیکی اور بے داغ آنکھوں سے یوں خلا میں گھورنے لگا جیسے گردوپیش کے ماحول سے اسے کوئی سروکار نہ ہو۔

اس کے دائیں ہاتھ پہ لارڈ رے، مسٹر اینڈ ریوز اور باربرا کھڑے تھے۔ بائیں ہاتھ پر کارسن، لوگن اور جولیانا کھڑے تھے اور ان کے قریب ہی ایک اونچی وزرنگار کرسی پر ٹیا بیٹھی تھی۔ اسٹیج کی سیڑھیوں کے قریب ڈاکٹر نیفا خاموش کھڑا۔ سرد اور متفکرانہ نظروں سے احسان اور خالدہ کو گھور رہا تھا۔ احسان کے عقب میں چار پانچ افراد کھڑے تھے۔ جن میں سے ایک کا نام غالباً انوار بے تھا۔ وہ سب خاموش تھے۔ اتنے بڑے ہال میں اتنے لوگوں کی موجودگی کے باوجود صرف خالدہ اور احسان کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ان لوگوں نے بڑا کرم کیا کہ چند منٹ کا وقت بھائی بہن کو عنایت کر دیا تاکہ وہ دل کا غبار نکال سکیں پھر ڈاکٹر نیفا کے اشارے پر اسٹار کی اور گومز نے خالدہ کو الگ کر دیا۔ خالدہ میرے پاس آ کر کھڑی ہوگئی۔ اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا اور یہ بالکل فطری بات تھی۔ اپنے بھائی کو اس حال میں دیکھ کر کس بہن کا دل نہیں تڑپے گا؟ میں نے خالدہ سے کچھ نہیں پوچھا۔ نہ اس کی ضرورت تھی، نہ موقع۔ میں نے دلاسہ دینے کے لیے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ہولے سے تھپکی دی۔ اس نے میری جانب دیکھا اور دھیرے سے مسکرائی اور میں نے دیکھا، وہ مسکراہٹ محبت اور ممتا کے جذبے سے معمور تھی۔

''آخر کار لارڈ رے نے مہر سکوت توڑی۔ اس کا تخاطب احسان سے تھا اور وہ اونچی، کھردری اور کینہ توز آواز میں کہہ رہا تھا۔

''احسان! تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے بڑا تعجب ہوا۔ تم یہاں کیوں آئے ہو۔ تمہیں تو بطور خاص مصر ہی میں ٹھہرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔''

احسان نے فوراً ہی کچھ نہیں کہا۔ اس نے باری باری خالدہ کو، ڈاکٹر نیفا کو، لارڈ رے اور مسٹر اینڈ ریوز کو دیکھا پھر بلند اور پراعتماد آواز میں بولا ''کیا مجھے اس سوال کا جواب دینے کی ضرورت ہے؟''

''مگر تم تو مسٹر اینڈ ریوز کے اپنے آدمی تھے۔'' لارڈ رے نے کہا۔

احسان چند ثانیے خاموش رہا، جیسے وہ اس سوال کا سوچ سمجھ کر جواب دینا چاہتا ہو پھر اس نے پوچھا ''میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم لوگ خالدہ کو یہاں کیوں لائے ہو؟''

شاید اس سوال کی توقع لارڈ رے کو نہیں تھی..... یا اگر تھی تو وہ اسے سننا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ اس نے بے چینی اور غصے کے عالم میں ہاتھ اٹھا کر پیشانی پر پھیرا اور کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے، مگر پھر بند ہوگئے۔ لارڈ رے عجیب آدمی تھا۔ اس کا چہرہ پل پل رنگ بدلتا تھا۔ ایک لمحے وہ انتہائی سفاک جلاد نظر آتا تو دوسرے لمحے کسی نٹ کھٹ بچے کی طرح شریر۔ اس نے لمحے بھر میں اپنی حالت پر قابو پالیا۔ چہرے پر آیا ہوا رنگ برہمی کافور ہوگیا۔ اس نے یکایک مسکرا کر کہا۔

''احسان! تم ہم سے کچھ پوچھنے کے بجائے بہتر ہے کہ میرے سوالوں کا جواب دو۔ اس طرح ممکن ہے، تمہارے لیے بہتری کی کوئی صورت نکل آئے۔''

احسان نے ہونٹوں پر زبان پھیری ''بہتر ہے۔'' اس نے کہا ''میں تمہارے سوال کا جواب دیتا ہوں۔ بے شک میں مسٹر اینڈ ریوز کا آدمی ہوں۔ میں نے برسوں مسٹر اینڈ ریوز کے لیے کام کیا ہے اور میں اس حقیقت سے بھی لاعلم نہیں کہ ان کے بعض کام قانونی ضابطوں میں نہیں، اس کے باوجود میں نے ہمیشہ ان کا ساتھ دیا اور اب بھی مجھے اس سے کچھ غرض نہیں ہے کہ تم لوگ کیا رہے ہو اور یہ عورت نما آدمی جو صوفے پر بیٹھا ہے، کون ہے؟ اس نے یہ بہروپ کیوں بھرا ہے۔ مجھے مصر میں حسن عبید نے بتایا تھا کہ تم لوگ کسی پیش گوئی پر یقین رکھتے ہو جو عمن عونس دوئم کی دوبارہ دنیا میں آمد سے متعلق ہے۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ اس پیش گوئی کی حقیقت کیا ہے اور میں مصر سے یہاں ہرگز نہ آتا، بشرطیکہ تم میری بہن کو نہ لائے ہوتے۔'' اتنا کہہ کر احسان لمحہ بھر کے لیے رکا، پھر براہ راست مسٹر اینڈ ریوز سے مخاطب ہوا ''مسٹر اینڈ ریوز! کیا آپ بھی میرے سوالوں کا جواب نہیں دیں گے؟''

مسٹر اینڈ ریوز نے معاً سر کو زور سے جنبش دی اور گردن موڑ کر لارڈرے کو دیکھا۔ شاید انہیں احسان کا براہ راست مخاطب ہونا اچھا نہیں لگا تھا۔ لارڈرے نے اس کا مطلب سمجھ لیا اور پھر سخت لہجے میں کہا۔

''احسان، بہتر ہے کہ تم صرف مجھ سے گفتگو کرو۔''

''اچھی بات ہے۔'' احسان نے طویل سانس لی۔

''تمہیں اپنی بہن سے محبت ہے۔''

احسان مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ بڑی انوکھی تھی۔ بڑی روشن اور بھرپور، لیکن ساتھ ہی ساتھ اس میں طنز کی ہلکی سی جھلک بھی تھی جیسے کہہ رہا ہو کیا تم اپنی بہن سے محبت نہیں کرتے۔ تاہم یہ بات اس نے زبان سے نہیں کہی بلکہ قدرے توقف کے بعد اس نے اتنا کہا۔

''لارڈرے، میں کوئی اچھا آدمی نہیں ہوں۔ میرا مطلب ہے کہ سماج اور معاشرے کے لیے..... لیکن..... خالدہ کے لیے ایک اچھا بھائی ضرور ہوں۔''

لارڈرے نے سر ہلایا ''کچھ لوگوں کے لیے یہ بڑی اچھی بات ہے لیکن ایسی بہادری جس کی بنیاد جذبات پر ہو، کبھی کبھی بڑی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ یہی بات تمہارے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔ تم یہاں کیا سوچ کر آئے تھے؟''

''تم سمجھ سکتے ہو کہ میری آمد کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟''

''اور کیا تمہیں یہ خوش فہمی تھی کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔'' لارڈرے نے تیکھے لہجے میں مسکرا کر کہا۔

احسان نے برجستہ اتنے ہی نوکدار لہجے میں کہا ''لارڈرے! تم نے ابھی ابھی کہا ہے کہ بعض اوقات بہادری کی بنیاد جذبات پر ہوتی ہے اور جب ایسا ہو تو انجام کے بارے میں نہیں سوچا جاتا۔''

لارڈرے نے سر ہلایا ''تم ٹھیک کہتے ہو۔'' پھر اس نے اضافہ کیا ''مگر تم جزیرے تک کس طرح پہنچے؟''

''یہ کچھ زیادہ مشکل نہیں تھا۔'' احسان نے کہنا شروع کیا۔ ساحل پر میں نے ایک لانچ کرائے پر لی تھی پھر

ایک علاقائی نقشہ خریدا اور اس کی مدد سے وائیونا کا محل وقوع معلوم کیا۔ میں نے لانچ کرائے پر دینے والی فرم سے یہ کہا تھا کہ اگلے دن سمندر میں سیر کے لیے جاؤں گا اور ان اطراف میں بکھرے ہوئے جزائر کا مشاہدہ کروں گا۔ میں نے انہیں بتایا تھا کہ میں ایک مصنف ہوں اور یورپ کے چھوٹے چھوٹے جزائر کے بارے میں ایک کتاب لکھ رہا ہوں۔ انہوں نے لانچ کی چابی مجھے اسی وقت دے دی تھی۔ تھوڑی دشواری ضرور ہوئی لیکن میں بہرحال یہاں تک پہنچ گیا۔ میرا اندازہ تھا کہ رات ختم ہونے سے قبل ہی یہاں پہنچ جاؤں گا اور صورت حال کا جائزہ لے سکوں گا۔ میں نصف رات کے قریب چپکے سے روانہ ہوا مگر بدقسمتی سے سمندر پرسکون نہیں تھا۔ میں راستہ بھٹک گیا اور جب یہاں پہنچا تو صبح کا اجالا نمودار ہونے لگا تھا۔ میں نے سوچا واپس چلا جاؤں، مگر اس کا موقع نہیں ملا اور.....''

''اور نہیں یقین ہے کہ تم سچ کہہ رہے ہو؟'' لارڈرے نے پوچھا۔

''مجھے جھوٹ بولنے کی آخر کیا ضرورت ہے۔'' احسان نے تلخی سے جواب دیا۔

''مگر میں سمجھتا ہوں کہ تم سچ نہیں کہہ رہے ہو۔'' لارڈرے ہاتھ ہلا کر کہنے لگا ''تم تنہا نہیں آئے ہو، کوئی نہ کوئی شخص تمہارے ساتھ ضرور ہوگا۔ سمندر کے اس حصے میں چھوٹے چھوٹے کافی جزیرے ہیں اور کوئی انجان آدمی رات کے اندھیرے میں، جب سمندر بھی متلاطم ہو، اپنے مطلوبہ جزیرے تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہ کام کوئی ایسا شخص ہی کر سکتا ہے، جو سمندر سے پوری طرح واقف ہو، چنانچہ بہتر ہوگا کہ تم اپنے ساتھی کے بارے میں بھی بتا دو۔''

''لیکن میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' احسان پرزور لہجے میں بولا ''میں اکیلا ہی آیا ہوں، تم تحقیق کر سکتے ہو۔''

''خیر وہ تو ہم کریں گے ہی۔'' لارڈرے نے کہا اور پھر خاموش ہو کر پرخیال نظروں سے احسان کو گھورنے لگا۔ ہال کی فضا بڑی بوجھل ہو رہی تھی یا شاید مجھے لگ رہی تھی۔ ہر چند کہ اتنے لوگ ہال میں موجود تھے، پھر بھی سکون تھا۔ اتنا گہرا سکوت کہ مجھے اپنی سانسیں بھاری لگ رہی تھیں۔ میں نے یکایک زور سے سر جھٹکا اور چاروں طرف نظر ڈالی۔ ہر شخص کی نظریں احسان پر جمی ہوئی تھیں۔ ماسوا ایک شخص کے، اور وہ تھا راجو۔ وہ کچھ اس طرح کھویا کھویا خاموش بیٹھا بدستور خلا میں گھورے جا رہا تھا، گویا اسے وہاں کسی کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو پھر میں نے احسان کی طرف دیکھا۔ اس کی حالت بڑی خراب و خستہ ہو رہی تھی مگر اس کے باوجود اس وقت وہ آدمی بہت اچھا لگا۔ بڑا پرشکوہ اور بلند و بالا۔ اس کا قد یقیناً لارڈرے، ڈاکٹر نیفا اور مسٹر اینڈریوز سے اونچا تھا۔ جان کی بازی لگانا بڑے جگرے کی بات ہے، اور جو لوگ کسی خوب صورت جذبے کے لیے جان کی بازی لگاتے ہیں، ان کی رفعتوں کو بھلا آسانی سے کون بھلا سکتا ہے۔''

احسان کو انتظار تھا کہ لارڈرے کچھ کہے گا، مگر وہ خاموش رہا، تو احسان نے ایک بار پھر لب کھولے۔ وہ مسٹر اینڈریوز سے مخاطب ہو کر بولا ''مسٹر اینڈریوز، اب تم میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟''

مسٹر اینڈریوز نے ایک بار ہونٹوں پر زبان پھیری اور ایک بار پھر سوالیہ نظروں سے لارڈرے کی جانب دیکھا، جیسے کہہ رہے ہوں۔ ہر سوال کا جواب تم دو گے یا میں دوں، لارڈرے نے ہاتھ کو جنبش دی، پھر احسان سے مخاطب ہو کر کہا ''تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔''

احسان نے سر ہلایا ''میرا مقصد کسی کو نقصان پہنچانا نہیں تھا۔ میں صرف خالدہ کے لیے آیا ہوں..... اور میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ تم لوگ کیا کر رہے ہو۔ تم مجھے، خالدہ اور موئرا کو یہاں سے چلا جانے دو، میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہماری زبان ہمیشہ بند رہے گی۔ ہم کبھی بھی اور کسی بھی حال میں ایک لفظ بھی کسی سے نہیں کہیں گے۔''

''تم موئرا کو بھی لے جانا چاہتے ہو۔'' مسٹر اینڈریوز نے معاً اس طرح چونک کر کہا جیسے انہیں بجلی کا جھٹکا لگا ہو۔

''ہاں۔''

''کیوں۔'' اس بار لارڈرے نے کہا۔ وہ بھی بہت متعجب نظر آ رہا تھا۔

''یہ خالدہ کی خواہش ہے، وہ نہیں چاہتی کہ موئرا کو تم لوگوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلی جائے۔''

لارڈرے کے ہونٹوں پر یکا یک بے حد نوکیلی اور آب دار مسکراہٹ نظر آئی ''مگر وہ تو کارگل خاندان کی تمام دولت و املاک کی واحد وارث ہے۔''

''مجھے معلوم ہے اسے کیا ملے گا۔'' احسان نے بڑے سکون سے کہا۔

''یہ بڑی اچھی بات ہے۔'' لارڈرے ایک بار پھر مسکرایا، وہی نوکیلی اور سفاک مسکراہٹ جو اعصاب کو کاٹنے لگتی تھی ''مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بڑی غلط بات بھی ہے، کیونکہ ایمن سوسائٹی میں اس بات کو پسند نہیں کیا جاتا ہے کہ لوگ ضرورت سے زیادہ جانیں۔ تمہیں بھی اتنا ہی معلوم ہونا چاہیے تھا کہ جتنا تمہارے لیے مناسب ہوتا مگر اتفاق سے تم کچھ زیادہ ہی جانتے ہو۔ مثلاً تمہیں عمن عونس دوئم کی واپسی کی پیشن گوئی کا علم ہے، تم جزیرہ وائیونا تک آ پہنچے ہو اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ موئرا کو کیا ملے گا۔ ان حالات میں ہمیں یہ بات پسند نہیں کہ تم، خالدہ اور موئرا جزیرے سے باہر جاؤ۔ احتیاط ہماری سوسائٹی کا ایک اور بہت اہم اصول ہے۔''

''مگر.....''

''ٹھہرو۔'' لارڈرے نے ہاتھ اٹھا کر احسان کو خاموش کر دیا ''یہاں تمہیں کسی قسم کے مطالبات کا حق حاصل نہیں۔ اس جزیرے پر باہر کی دنیا کا کوئی ضابطہ اور قانون لاگو نہیں ہوتا۔ یہاں صرف میں فیصلے سنانے اور حکم صادر کرنے کا مجاز ہوں اور یہ فیصلے ان ضابطوں کی اساس پر کیے جاتے ہیں جو اسائرس اور افن عاتن اور ایمن اصولوں کے عین مطابق ہیں اور سائرس ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا، جو اس کی عائد کردہ حدود سے تجاوز کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ تمہارے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو عظیم ترین اسائرس چاہتا ہے۔ آج کی رات فیصلے کی رات ہوگی۔ کیونکہ آج کی رات وہ رات ہے، جب عظیم تر اسائس بہ نفس نفیس عمن عونس دوئم سے ملنے آیا تھا اور عمن عونس دوئم نے آگ کے شعلوں کے گرداس کا استقبال کیا تھا اور دو کنواریوں کا تحفہ.....'' اتنا کہہ کر لارڈرے اچانک رک گیا۔ اس نے آخری جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا اور بڑے دھیان سے مجھے اور خالدہ کو دیکھنے لگا۔ اس کا پل پل بدلنے والا چہرہ ایک بار پھر بدل گیا تھا۔ اب اس کا چہرہ وہ چہرہ نہیں تھا، جو چند منٹ پہلے نظر آیا تھا۔ یہ ایک سرد اور انتہائی سفاک چہرہ تھا۔ ایسی سنگین بے حسی کہ جسم میں ٹھنڈی ٹھنڈی لہریں دوڑ گئیں۔ اس کی نظروں کی تاب لانا میرے لیے ممکن نہ تھا۔ چنانچہ میں دوسری جانب دیکھنے لگی۔ چند لمحے کی خاموشی کے

بعد آخر کار لارڈرے ایک بار پھر گویا ہوا۔

''احسان! تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا لیکن اب آ گئے ہو تو تمہارے لیے واپسی کے سارے راستے مسدود ہو چکے ہیں۔ نہ صرف تمہارے لیے بلکہ خالدہ اور موئرا کے لیے بھی۔ مجھے افسوس ہے، لیکن عظیم تر اسائرس کی منشاء یہی ہے۔ ہم اسائرس اور افن عاتن اور ایمن کے ادنیٰ ترین خادم ہیں۔ اس کی رضا ہی ہمارا مقصود و حیات ہے اور ہم اس کی منشاء سے انحراف کی جرات بھی نہیں کر سکتے۔''

لارڈرے اچانک پھر خاموش ہو گیا۔ ایسا لگتا تھا، جیسے وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا ہو مگر پھر اس نے ارادہ بدل دیا۔ وہ چند ثانیے کچھ سوچتا رہا۔ اس دوران اس کی نظریں بدستور ہم دونوں پر جمی رہیں پھر یکا یک وہ گھوما اور اپنے گول مٹول بدن کو تقریباً دھکیلتا ہوا راجو کے پاس لے گیا۔ ڈاکٹر نیفا جواب تک خاموش رہا تھا، خود بھی ان کے پاس پہنچ گیا۔ وہ دونوں کوئی دو تین منٹ تک راجو کے کان میں آہستہ آہستہ کچھ کہتے رہے۔ ان کی آواز اتنی ہلکی تھی کہ مجھے کچھ بھی سنائی نہیں دیا۔ جب وہ دونوں خاموش ہوئے، تو راجو نے دھیرے سے گردن کو اثبات میں جنبش دی، اور پھر قدرے اونچی آواز میں بولا۔

''اچھی بات ہے۔''

''انہیں لے جاؤ۔'' یہ جملہ لارڈرے نے کہا اور تخاطب اسٹار کی گومز اور روز آلبہ تھے مگر اس سے پہلے کہ ہم لوگ روانہ ہوتے، راجو اٹھ کھڑا ہوا۔ اس وقت پہلی بار میری نظر اس کی پاپوش پر پڑی۔ وہ قدیم مصری طرز کی پاپوش تھی لیکن یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی، بلکہ تعجب کی بات یہ تھی کہ اس کی پاپوش میں ان گنت رنگین موتی جڑے ہوئے تھے۔ اطراف میں چھوٹی چھوٹی رنگین جھالریں بھی تھیں۔ وہ صریحاً زنانی پاپوش تھیں۔ نہ صرف یہی بلکہ اس نے پیروں میں کوئی مشرقی طرز کا زیور بھی پہن رکھا تھا جس میں ننھے ننھے گھنگھرو جڑے ہوئے تھے اور وہ گھنگھرو پیروں کی ہر جنبش پر ایک عجیب سی دلکش جھنکار پیدا کر رہے تھے۔ اس کا زیر جامہ بھی مردانہ نہیں تھا۔ میں پھٹی پھٹی ناقابل یقین نظروں سے اسے دیکھتی رہی مگر کسی کی طرف توجہ دیئے بغیر وہ کسی بے جان بت کی طرح چلتا ہوا میرے سامنے سے گزر کر سامنے والے محرابی دروازے میں غائب ہو گیا۔

☆☆☆

اپنے کمرے میں واپس پہنچ کر میں نے خالدہ سے کہا ''شکریہ۔''

خالدہ مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ بڑی روشن اور جاں فزا تھی۔ اس نے میرے شانے پر ہولے سے تھپکی دی۔ پھر مسٹر اینڈریو کی جانب گھومی اور نظروں سے گھورا جو ہمارے ساتھ ہی ساتھ کمرے میں آئے تھے۔ خالدہ کی نظریں واضح طور پر سوال کر رہی تھیں کہ آپ کیوں آئے ہیں؟ مسٹر اینڈریوز بہت متذبذب نظر آ رہے تھے۔ بے چینی ان کے چہرے پر دھول کی طرح بکھری ہوئی تھی۔ قدرے توقف کے بعد انہوں نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

''مجھے افسوس ہے۔''

''کیوں؟'' میں نے پوچھا۔ اپنی آواز کا طنز خود مجھے بھی بڑا عجیب سا لگا۔

میرا سوال برجستہ بھی تھا اور فطری بھی۔ مسٹر اینڈریوز جھجک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔ شاید انہیں مجھ سے

ایسے کاٹ دار جواب کی توقع نہیں تھی۔ ان کے چہرے پر یکے بعد دیگرے کئی رنگ آ کر چلے گئے۔ میں نے ان کے ہونٹوں کو تھرتھراتے ہوئے دیکھا۔ شاید وہ بات کا آغاز کرنا چاہتے تھے مگر یا تو انہیں مناسب الفاظ نہیں ملے یا حوصلہ جواب دے گیا۔ جب وہ خاموش رہے تو خالدہ نے کہا۔

''آپ کو کس بات کا افسوس ہے۔ کیا اس بات کا کہ آج رات ہماری زبانیں ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جائیں گی اور دنیا کو کبھی آپ کے سیاہ نامہ اعمال کا علم نہیں ہو سکے گا۔ مسٹر اینڈریوز، اگر یہی بات ہے تو آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے۔ ہمیں آپ کی ہمدردی اور معذرت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نوشتہ تقدیر کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہیں۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو۔'' مسٹر اینڈریوز آخر کار ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولے ''میں واقعی اچھا آدمی نہیں ہوں لیکن میں کیا کر سکتا ہوں، میری اپنی مجبوریاں بھی ہیں، جو اس دنیا کی پیدا کردہ ہیں۔ میں نے جو کچھ کیا، وہ کسی بھی اخلاقی، قانونی اور انسانی پیمانے کی رو سے جائز نہیں ' لالچ اور خود پرستی انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ صرف میں ہی نہیں، لاکھوں لوگ اس دنیا میں لالچ کے ہاتھوں ان گنت ناجائز کام کرتے ہیں اور پھر انہیں نبھانے اور تعزیر سے بچنے کے لیے مزید ناجائز کام کرنے پڑتے ہیں۔ اپنی گردن کا پھندا اتار کر دوسرے کی گردن میں ڈالنا پڑتا ہے۔ اس دنیا میں ہر روز یہی ہوتا ہے اور میں جانوروں کی اس بھیڑ سے جسے آدمی کہتے ہیں، علیحدہ کوئی چیز ہوئی ہوں۔ مجھے ذاتی طور پر تم لوگوں سے کوئی عداوت نہیں، لیکن مجھے اپنی کھال عزیز ہے۔ اگر میں تمہارے ساتھ نرمی کا سلوک کروں تو مجھے گیس چیمبرز نصیب ہوگا۔ میرا طرز عمل منتقمانہ ہی سہی، لیکن انسانی فطرت کی بنیاد اسی طرز عمل پر ہے۔''

''مگر یہ ساری باتیں ہم سے کہنے کی آپ کو کیا ضرورت ہے؟''

مسٹر اینڈریوز نے چند لمحے غور کیا ''تم غلط نہیں کہتیں، مجھے واقعی یہاں نہیں آنا چاہیے تھا مگر میں نہیں جانتا کہ کون سا جذبہ مجھے یہاں لے آیا ہے، شاید میرے ضمیر میں پشیمانی کی کوئی پھانس موجود ہے، اور وہی مجھے یہاں کھینچ لائی ہے، میں شاید تم لوگوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بازی میرے ہاتھ سے نکل چکی ہے۔ اب اگر میں تم لوگوں کو بچانا بھی چاہوں تو یہ ممکن نہیں۔ کیونکہ تم لوگ ایمن سوسائٹی، لارڈ رے ڈاکٹر نینا کے بارے میں بہت کچھ جان چکے ہو اور لارڈ رے کسی بھی حال میں یہ پسند نہیں کرے گا کہ تم لوگ اس جزیرے سے جاؤ۔''

''تو پھر.....'' یکا یک میں نے کہا ''آپ کے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں آپ کو معاف کر دوں؟''

مسٹر اینڈریوز جھک کر ایک قدم اور پیچھے ہٹے۔ میں نے ایک بار ان کے ہونٹوں کو لرزتے دیکھا پھر میں نے ان کی لڑکھڑاتی ہوئی آواز سنی ''موئرا، میں بے شک تمہیں اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا تھا، لیکن اس طرح نہیں۔ جو کچھ پیش آنے والا ہی، وہ میری خواہش ضرور ہے۔ میں ایسا ہرگز ہرگز نہیں چاہتا تھا۔'' یہ کہہ کر وہ رکے، صرف چند ثانیے پھر انہوں نے اپنی اپاہج آواز میں اضافہ کیا ''اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔''

یہ کہہ کر وہ تیزی سے کمرے سے باہر چلے گئے۔

میں کچھ دیر حیران حیران نظروں سے دروازے کو، جو ان کے جاتے ہی باہر سے بند ہو گیا تھا، گھورتی رہی۔

عجیب بات ہے، میری کچھ سمجھ نہیں آیا۔ آخر مسٹر اینڈ ریوز کو کون سا جذبہ یہاں کھینچ لایا تھا۔ وہ کیا نہیں چاہتے تھے اور ہمارے ساتھ کیا پیش آنے والا ہے اگر مسٹر اینڈ ریوز اس کی وضاحت بھی کر دیتے تو زیادہ اچھا ہوتا۔ کم از کم ذہنی اذیت تو کچھ کم ہو جاتی پھر مجھے معاً ہنسی آ گئی۔

کچھ مسٹر اینڈ ریوز پر، کچھ اپنے آپ پر، اور کچھ قسمت کی ستم ظریفی پر، اس سے زیادہ مضحکہ خیز بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک قاتل معافی مانگنے آیا تھا۔ میرے ذہن میں ان کے آخری الفاظ میں الجھتا رہا، تم دونوں اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا، اور تب یکا یک میں نے ایک عجیب، نا قابل یقین جذبے کو اپنے دل میں ابھرتے ہوئے محسوس کیا۔ شاید یہ آنٹی مسز ریوز کی تعلیم و تربیت کا اثر تھا کہ میرے اندر کی وہ عورت جو معاف کر دینے میں یقین رکھتی تھی، مجھ پر حاوی ہو گئی۔ کچھ بھی ہو مسٹر اینڈ ریوز تمہارے چچا ہیں۔ ان کی رگوں میں بھی وہی خون ہے، جو تمہاری رگوں میں ہے۔ بے شک انہوں نے تمہارے باپ کو قتل کیا ہے، اور اب تمہیں بھی موت کے گھاٹ اتارنے والے ہیں لیکن انہوں نے تم سے معافی کی درخواست کی ہے، کیا تم وقت آخر انہیں معاف نہیں کرو گی؟ اور تب، نہ چاہتے ہوئے بھی دل ہی دل میں میں نے اپنے آپ کو کہتے ہوئے سنا ''مسٹر اینڈ ریوز، کم از کم میں تمہیں معاف کرتی ہوں۔''

پھر میں نے خالدہ کی جانب دیکھا۔ وہ چارپائی پر چپ چاپ گردن جھکائے بیٹھی تھی اور اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی پژمردگی اس کی دلی کیفیت کی غمازی کر رہی تھی۔ میں اس سے بہت سی باتیں پوچھنا چاہتی تھی۔ اس نے احسان سے عربی میں گفتگو کی تھی، اور احسان نے یقیناً اسے بتایا ہو گا کہ اس نے کس طرح ہم لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور پھر کیونکر وائینا تک آیا..... مگر آخر کار وہ ایک عورت تھی، ایک بہن تھی، اپنے بھائی کو اس حالت میں دیکھ کر کہ وہ زخمی بھی تھا، اور حراست میں بھی، یقیناً اس کا دل لخت لخت جگر ہو گیا ہو گا۔ ہال میں لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا وغیرہ کے سامنے تو اس نے اپنے جذبات چھپا لیے تھے، مگر اب اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ اندر کا کرب ابھر کر باہر آ گیا تھا۔ ان حالات میں بہتر یہی تھا کہ اسے تنہا چھوڑ دوں۔ مجھے یقین تھا کہ کچھ دیر میں وہ خود ہی اپنے آپ کو سنبھال لے گی۔ وہ ان لوگوں میں سے ایک تھی، جو چھوٹے پودوں کی طرح تیز ہوا میں کچھ دیر کے لیے جھک تو ضرور جاتے ہیں، مگر ٹوٹتے کبھی نہیں۔

میں دریچے میں جا کر کھڑی ہو گئی۔ سہ پہر ڈوب رہی تھی۔ موسم صبح کے مقابلے میں کچھ اور خراب ہو گیا تھا۔ ہوا کی تندی و تیزی بڑھ گئی تھی اور سمندر حد درجہ شوریدہ سر ہو رہا تھا۔ میں دریچے میں خاموش کھڑی کبھی سیاہ بادلوں کو اور کبھی سمندر کی بپھری ہوئی موجوں کو دیکھتی رہی اور میرا ذہن لارڈرے سے ہونے والی گفتگو میں الجھتا رہا۔ ساتھ ہی تصویر کے پردے پر بار بار راجو کا عکس بھی ابھرتا رہا۔ اس کا نسوانی لباس، چہرے کا میک اپ، زیورات، یہ سب کچھ بڑا تعجب خیز تھا۔ قطعی نا قابل یقین۔ میں نے دل اپنے دل میں اس کے لیے شدید ہمدردی محسوس کی۔ اگرچہ جسمانی لحاظ سے وہ بالکل تندرست نظر آ رہا تھا، مگر ذہنی لحاظ سے یقیناً ابھی تک نارمل نہیں ہوا ہو گا۔ ورنہ وہ لوگ اسے بہروپ بھرنے پر آمادہ نہ کر سکتے۔ اس کے طرز عمل سے بھی قطعاً ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ اسے اپنے مضحکہ خیز حلیے کا احساس ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اپنی حالت کا ہی نہیں، اسے کسی بھی بات کا کوئی احساس و ادراک نہیں تھا۔ وہ اپنے آپ میں تھا، پھر بھی نہیں تھا۔ وہ ایک گمشدہ آدمی تھا۔ جیسے جیسے میں اس کی حالت پر غور

کرتی گئی، میرے دل میں اس کے لیے ہمدردی کا جذبہ گہرا ہوتا گیا۔ آدمی بدنصیب ہو، مگر انسان نہ ہو۔ میری اپنی مصیبت اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی۔ مسٹر اینڈریوز اگر مجھے مارنا چاہتے تھے، تو اس کے لیے ایک جواز موجود تھا۔ اخلاقی اعتبار سے غلط ہی سہی، مگر موجود تھا۔ وہ نہ صرف اپنی گردن بچانا چاہتے تھے، بلکہ انہیں کارگل خاندان کی دولت بھی عزیز تھی، مگر راجو کے معاملے میں کوئی جواز، کوئی تاویل نہ تھی۔ یہ محض بدقسمتی تھی جو اسے مصائب و آلام کی انتہا تک لے گئی تھی۔

ایک گھنٹا گزر گیا، میں نے اور خالدہ نے آپس میں محض دو چار سرسری باتیں کیں اور بس، میں نے جان بوجھ کر احسان کا ذکر نہیں چھیڑا کہ میں اسے دکھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میں نے اس ذکر کو کسی مناسب موقع کے لیے ملتوی کر دیا۔ معمول کے برخلاف، ناشتہ بہت اچھا تھا۔ مگر ان حالات میں کیا کھایا جاتا۔ ہم نے دو ایک بسکٹوں اور چائے پر اکتفا کیا۔ ناشتے کی ٹرالی چلی گئی تو ہم دونوں چارپائی پر بیٹھ گئیں۔ خالدہ اب پہلے سے بہتر دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی فطری خود اعتمادی بحال ہو گئی تھی۔ چہرے پر پھیلی ہوئی حد درجہ دلگیر کیفیت بھی اب ہلکی پڑ گئی تھی۔ میں نے موقع مناسب جان کر ذکر چھیڑا۔

''خالدہ، تم نے احسان سے باتیں کی تھیں۔'' میں نے کہا ''اسے ہم لوگوں کے بارے میں کیونکر معلوم ہوا؟''

''یہ کچھ زیادہ مشکل نہیں تھا۔'' خالدہ آہستہ آہستہ کہنے لگی ''تمہیں یاد ہوگا کہ جب ہم لوگ جلالی قصبے سے فرار ہوئی تھیں تو احسان باہر گیا ہوا تھا۔ جب وہ واپس آیا تو نہ صرف ہم لوگ بلکہ لارڈرے، مسٹر اینڈریوز اور لوگن بھی غائب تھے۔ اسے شام تک انتظار کرنا پڑا۔ کیونکہ مسٹر اینڈریوز وغیرہ تو ہم لوگوں کی تلاش میں صحرا میں بھٹک رہے تھے۔ شام کے قریب لوگن واپس گیا اور اس نے احسان سے کہا کہ مسٹر اینڈریوز قاہرہ چلے گئے ہیں۔ تم بھی فوراً قاہرہ روانہ ہو جاؤ، میں بعد میں آؤں گا۔ احسان کو چونکہ کسی قسم کا شک و شبہ نہیں تھا۔ اس نے تعمیل کی اور قاہرہ چلا گیا۔ بعد ازاں جب ہم لوگ قاہرہ لائے گئے تو مسٹر اینڈریوز احسان سے ملے۔ احسان نے میرے بارے میں پوچھا لیکن مسٹر اینڈریوز اسے مطمئن نہ کر سکے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے علم نہیں کہ خالدہ کہاں ہے؟ ممکن ہے جلالی میں ہو، ممکن ہے اپنے عزیزوں کے پاس گاؤں چلی گئی ہو۔ احسان الجھن میں پڑ گیا۔ کیونکہ میں اسے مطلع کیے بغیر گاؤں نہیں جا سکتی تھی پھر بھی وہ میری تلاش میں پہلے قاہرہ اور پھر اسکندریہ گیا، جہاں ایک گاؤں میں میرے کچھ عزیز رہتے ہیں۔ اس تلاش و جستجو میں کئی دن لگ گئے۔ جب واپس آیا تو مسٹر اینڈریوز غائب ہو چکے تھے۔ وہ ایک پیغام احسان کے لیے چھوڑ گئے تھے جس میں تاکید کی گئی تھی کہ وہ قاہرہ ہی میں ٹھہرے اور انتظار کرے۔ یہ صورت حال بڑی عجیب تھی، احسان کو شبہ ہوا کہ ضرور کچھ گڑبڑ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پولیس کے پاس جاتا، مگر اس سے پہلے اسے حسن عبید مل گیا۔ حسن عبید کو گاؤں جانے سے قبل اس نے ایک دو بار مسٹر اینڈریوز کے پاس آتے دیکھا تھا۔ احسان نے سوچا ممکن ہے حسن عبید کو معلوم ہو، چنانچہ اس نے حسن عبید کو پکڑ لیا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ حسن عبید نے کیونکر زبان کھولی، خوف سے یا انتقاماً یا پھر یہ کہ اس کے دل میں انسانیت کی کوئی رمق پیدا ہو گئی تھی، بہرکیف اس نے احسان کو سب کچھ بتا دیا اور پھر احسان فوراً ہی یہاں چلا آیا۔

''کیا واقعی وہ اکیلا ہی یہاں آیا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''پتہ نہیں، میں نے یہ بات نہیں پوچھی۔''

میں نے اگلا سوال کرنے کے لیے الفاظ تولے مگر موقع نہیں ملا۔ اچانک دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور پھر کئی افراد اندر آ گئے۔ روز آلبہ، کارسن، کیٹی اور لوگن۔ ان کے ساتھ ڈاکٹر نیفا بھی تھا۔ لوگن اور کارسن دروازے ہی میں ایستادہ ہو گئے۔ باربرا اور روز آلبہ کے ہاتھ میں ایک ایک بڑا تھال تھا۔ اس پر سرخ کپڑا ہوا تھا۔ تھال بینچ پر رکھ کر انہوں نے کپڑا ہٹا دیا۔ میں نے دیکھا، دونوں تھالوں میں کپڑے کے ٹکڑے تہہ کیے ہوئے رکھے تھے۔ میں نے یکا یک سرگوشی میں خالدہ سے کہا۔

''یہ کیا ہے؟''

خالدہ نے فوراً ہی کچھ نہیں کہا۔ اس نے سہمی ہوئی نظروں سے میری جانب دیکھ کر ہونٹوں پر زبان پھیری۔ اس کے ہونٹ بری طرح تھرتھرائے تھے۔ چند ثانیے توقف کے بعد اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

''کفن!''

☆☆☆

بالآخر خاتمہ قریب آ پہنچا۔ امید کی وہ شمع جو اب تک کسی نہ کسی طور جلائے رکھی تھی، اس کی جوت دھندلانے لگی۔ اندھیرا بڑھنے لگا، دم بدم گہرا ہونے لگا، اس اندھیرے میں کہیں کوئی جگنو نہیں تھا، صرف تاریکی تھی۔ اتنی دبیز اور کثیف کہ اس کا لمس میں اپنے چہرے پر محسوس کر سکتی تھی۔ میرا دل اگرچہ اب بھی دھڑک رہا تھا، مگر صاف پتہ چلتا تھا کہ اس کی دل کی دھڑکنیں ہر لحظہ معدوم ہوتی جا رہی ہیں۔ میری ٹانگیں کمزوری کے باعث سنسنا رہی تھیں اور پورا جسم بے جان ہو گیا تھا، جیسے وقت سے پہلے میرا دم نکل گیا ہو۔ میں نے یکا یک زور سے سانس لی اور گردن گھما کر خالدہ کو دیکھا۔ ہم تینوں کے درمیان دو دو فٹ کا فاصلہ تھا۔ اس کی حالت مجھ سے بہر حال بہتر تھی۔ کم از کم ان کے چہروں سے یہی ظاہر ہوتا تھا۔ شاید ان لوگوں میں اتنا حوصلہ تھا کہ نوشتہ تقدیر کو جرات کے ساتھ قبول کر لیں۔ جب میں ان کی طرف دیکھ رہی تھی تو خالدہ متوجہ ہو گئی۔ نظریں ملیں تو اس کے پژمردہ چہرے پر ایک لمحے کے لیے ایک عجیب سی روشنی نظر آئی پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی کرن چمکی۔ عجیب بات ہے کہ وہ اس حالت میں بھی مسکرا سکتی تھی، یا شاید وہ میرا حوصلہ بڑھانے کے لیے مسکرائی تھی مگر اب اس کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ صرف کچھ دیر کی بات اور تھی۔ محض آدھا گھنٹا یا چالیس منٹ، اس کے بعد کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔ نہ ہم، زندگی اور نہ زندگی کی امید۔ ہم دونوں کے جسم پر کفن تھے سفید براق کفن، جو موت کی علامت ہے۔ ڈاکٹر نیفا نے یہ کفن روز آلبہ اور باربرا کی مدد سے خود ہمیں پہنایا تھا۔ میں نے پہلے کبھی مشرقی طرز کا کفن نہیں دیکھا تھا۔ پتہ نہیں ڈاکٹر نیفا کو کہاں سے معلومات حاصل ہوئی تھیں۔ انوار بے نے مدد کی تھی، یا پھر ان قدیم مصری کتابوں سے اس نے معلومات حاصل کی تھیں، جو میں نے غار میں اس کے پاس دیکھی تھیں۔ میں نے گردن جھکا کر اپنے سفید کفن کو دیکھا، اور خوف کی ایک سرد لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔ کفن پہن کر ایسا لگ رہا تھا، جیسے میں واقعی مر چکی ہوں۔

پھر وہ ہمیں محل سے باہر لائے تھے۔ احسان کو انہوں نے کسی دوسرے کمرے میں رکھا تھا لیکن چند منٹ بعد اسے بھی لے آئے۔ ہم دونوں کی طرح اس نے بھی کفن پہن رکھا تھا۔ محل کے عین سامنے جو گہری پلیٹ سے مشابہ قطعہ زمین تھا، اور جس میں گیارہ پتھر ایک دائرے میں ستونوں کی طرح نصب تھے، اس کے عین وسط میں

بہت بڑا الاؤ روشن تھا۔ الاؤ کا دائرہ دس بارہ فٹ سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔ تیز ہوا میں شعلوں کی سرخ زبانیں بیس فٹ کی بلندی تک پہنچ رہی تھیں۔ انہوں نے ہمیں الاؤ سے سات آٹھ فٹ کے فاصلے پر کھڑا کر دیا۔ ہمارے ہاتھ پشت پر پہلے ہی باندھ دیئے گئے۔ اب پیر بھی نائیلون کی موٹی رسی سے باندھ دیئے گئے۔ اگر ہماری طرف سے مزاحمت کا کوئی خفیف سا امکان تھا بھی تو وہ مسدود ہو گیا پھر وہ چلے گئے۔ صرف ایک زرکار کرسی جس میں ان گنت رنگین پتھر جڑے تھے، دائیں جانب الاؤ سے کوئی پندرہ فٹ کے فاصلے پر رکھی تھی۔ انہوں نے ہم سے کچھ نہیں کہا تھا، ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا لیکن میرے لیے اندازہ لگانا دشوار نہ تھا۔ میری رگ رگ میں خون یخ ہو کر جمنے لگا۔ او میرے خدا! یہ سب کیا ہے؟ کیوں ہے؟ میں نے تو کبھی کوئی گناہ نہیں کیا..... پھر یہ کیسی سزا ہے۔ موت اگر آنی ہی ہے تو ضرور آئے، مگر اس طرح نہیں..... مگر میرے سوچنے سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ اگر ''ہونی'' ہے تو ہو کر رہے گی۔ آج تک ''ہونی'' کو کون ٹال سکا ہے۔

کچھ دیر بعد ایک ایک کر کے لوگ آنے شروع ہوئے۔ وہ باری باری آتے گئے اور الاؤ کے گرد ایک دائرے کی شکل میں کھڑے ہو گئے۔ سب سے آخر میں لارڈ رے، ڈاکٹر نیفا اور راجو آئے۔ راجو کو کرسی پر بٹھا دیا گیا اور لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفا اس کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔

میں چند لمحے گردن جھکائے اپنے کفن کو گھورتی رہی۔ اس سے زیادہ ستم ممکن نہیں کہ مجھے جیتے جی کفن پہننا پڑا تھا اور کفن بھی ایسا جو ہزاروں سال قبل مصری اپنے مردوں کو پہناتے ہوں گے مگر وہ لوگ تو اپنے مردوں کو حنوط کرتے تھے، زندہ آگ میں نہیں جلاتے تھے۔ یہ خیال بڑا لرزہ خیز تھا۔ میں نے گھبرا کر گردن اٹھائی اور گرد و پیش میں دیکھنا شروع کیا۔ میرے مقابل کوئی چھ سات فٹ کے فاصلے پر جولیانا کھڑی تھی اور مسلسل مجھے متشمانہ نظروں سے گھورے جا رہی تھی۔ راجو اونچی زرنگار کرسی پر مہر بلب بیٹھا تھا اور اس کی ٹھہری ہوئی نظریں الاؤ پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ ابھی تک اسی روپ میں تھا، جس میں میں نے اسے ہال میں دیکھا تھا۔ وہی شوخ نسوانی میک اپ، لمبے لمبے لہریے دار بال، زنانہ لباس اور رنگین نقشی پاپوش، زیورات بھی وہی تھے، بلکہ اب ان میں کچھ اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کی کمر میں ایک چھوٹی مرصع پٹی بندھی ہوئی تھی جو ان گنت رنگین موتیوں اور ہیروں سے مزین تھی۔

میں چند لمحے اسے دیکھتی رہی، پھر میری نگاہ آسمان کی جانب اٹھ گئی جو سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ حد نظر تک ایک عجیب غمناک ویرانی مسلط تھی۔ طوفانی ہوا کے تیز جھونکے ایسے چیخ رہے تھے جیسے بین کر رہے ہوں۔ الاؤ کے شعلوں کی لپک اب کچھ اور بڑھ گئی تھی اور پورے جسم میں آگ لگا رہی تھی، درمیان کا فاصلہ زیادہ نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی کوئی تیز جھونکا آتا تو شعلوں کی زبانیں میرے کفن تک پہنچ جاتیں۔ مجھے کچھ ایسا لگ رہا تھا کہ اگر میں کچھ دیر اور کھڑی رہی تو آنچ کی حدت میرا دم گھونٹ دے گی اور پھر اس کی ضرورت ہی نہ رہ جاتی کہ مجھے زندہ آگ میں جلایا جائے۔

لیکن آخر کار انتظار..... جان لیوا انتظار ختم ہوا۔ ڈاکٹر نیفا جو راجو کے بائیں جانب کھڑا تھا اور ایک کتاب ہاتھ میں لیے مسلسل زیر لب پڑھے جا رہا تھا، خاموش ہو کر ایک قدم آگے بڑھ آیا۔ اس نے کتاب کرسی کے قریب رکھی ہوئی ٹیبل پر رکھ دی پھر اس نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کیے اور آنکھیں بند کر کے کچھ پڑھنا شروع

کیا۔ شاید وہ کوئی دعا مانگ رہا تھا۔ فضا گہرے سکوت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس گہرے سکوت میں صرف لہروں کی آوازیں اور ہوا کی سنسناہٹ گونج رہی تھی مگر یہ گونج نہیں تھی کہ سکوت کے بوجھل پن کو مزید بڑھا رہی تھی اور دل پر اس کی نظریں ایک ایک چہرے کا طواف کرتی ہوئی آ کر کارمیرے چہرے پر جم گئیں۔ ایک منٹ، دو منٹ، تین منٹ، اس کی سرد نظریں اس وقت مجھے اپنے جسم میں سوئی کی باریک نوک کی طرح چبھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ میں گھبرا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ اس کی نظروں کا مفہوم بالکل واضح تھا۔ ان میں لکھا ہوا پیغام..... موت کا پیغام میں صاف پڑھ سکتی تھی۔

پھر میں نے ڈاکٹر نیفا کی آواز سنی۔ وہی سرد، بے روح اور سفاک آواز، جو سننے والے پر کپکپی طاری کر دیتی تھی، تیز ہوا کے باعث دور تک گونج رہی تھی۔ وہ نپے تلے الفاظ میں کہہ رہا تھا۔

ساتھیو! اسائرس اور اخن اتن اور ایمن۔ ہم پر رحم کرے اور اپنی برکتیں ہم پر نازل کرے کہ ہم ان عظیم ترین دیوتاؤں کے غلام اور ان کا نام زندہ رکھنے والوں میں سے ہیں اور ارفینا کی پیش گوئی کو تکمیل تک پہنچانے کی اہم ترین ذمے داری ہمیں سونپی گئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ارفینا نے جو کچھ کہا تھا، وہ حرف بحرف پورا ہوگا اور ضرور پورا ہوگا۔ وہ فیصلے جو دیوتاؤں نے کیے ہوں، کبھی ادھورے سے نہیں رہتے۔ چنانچہ پیش گوئی کے مطابق طوخ عامن ضرور اس دنیا میں واپس آئیں گے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ عمن عولس دوئم آ چکا ہے، ملکہ ٹیا آ چکی ہے، لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ یہ پیش گوئی پایہ تکمیل تک نہ پہنچے اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جب عمن عولس دوئم دنیا کی عنان ملکیت سنبھالے گا، تو ہم سب خلعت فاخرہ سے سرفراز کیے جائیں گے۔ یہ ارفینا کا اور اسائرس کا وعدہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ پیش گوئی کی طرح یہ وعدہ بھی ضرور پورا ہوگا۔

لیکن یہ بھی شاید دیوتاؤں کی مرضی ہے کہ ہر عظیم مقصد کی راہ میں کچھ نہ کچھ مشکلات بھی ضرور حائل ہیں۔ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں، ہم نے پیش گوئی کی تکمیل کے لیے بڑی جاں فشانی سے کام کیا اور ان احکامات کی حرف بہ حرف تکمیل کی جو کتاب ارفینا میں درج ہیں پھر بھی ہم اس عظیم مقصد کو حاصل نہیں کر سکے جس کی بشارت دی گئی تھی۔ تمام واقعات و حالات کا ہم سب کو بخوبی علم ہے، ایسا کیوں ہوا؟ یہ طے کرنا بہت مشکل ہے۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، ہم سے کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی غلطی ضرور ہوئی۔ کوئی ایسی کوتاہی جس تک ہماری نگاہ نہیں پہنچ سکی۔ یہ کوتاہی کس سے اور کیونکر سرزد ہوئی ایسا اندازہ لگانا بھی دشوار امر ہے۔ ممکن ہے اس غلطی ارتکاب مجھ سے ہوا ہو۔ ممکن ہے لارڈ رے سے ہوا ہو، یا کوئی اور اس کا ذمے دار ہو۔ بہرنوع میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہماری اس کوتاہی کی بنا پر جس کا ہمیں علم نہیں، اسائرس ہم سے ناراض ہو گیا اور یوں ہماری کوششیں جو خلوص اور یقین پر مبنی تھیں، رائیگاں چلی گئیں۔ بادشاہوں کی وادی میں جو حالات و واقعات پیش آئے تھے، ان سے ہم سب واقف ہیں۔ سوال یہ تھا کہ ہم سے کیا غلطی ہوئی ہے، اور یہ کہ اس کے ازالے کی کیا صورت ہے۔ دوئم یہ کہ اگر واقعی اسائرس ناراض ہو گیا ہے تو ہم اسے کیسے منا سکتے ہیں۔ کتاب ارفینا یہ دوسری کتابوں میں ازالے کی کئی صورتیں مرقوم ہیں۔ ہم نے ان میں سے ایک دو پر عمل کرنے کی کوشش کی، مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ ان صورتوں میں کوئی نہ کوئی ایسی بات تھی، جو واضح نہیں تھی۔ چنانچہ ان پر عمل کرنے کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اسائرس ہم سے مکمل طور پر ناراض ہو جائے، اور ہم اس کے عتاب کے مستحق ٹھہریں۔ ان حالات میں صرف ایک ہی صورت رہ جاتی تھی،

جس پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔"

اتنا کہہ کر ڈاکٹر نیفار رک گیا۔ اس کی آواز کی آسیبی گونج چند لمحوں کے لیے معدوم ہوگئی۔ وہ ہونٹ پر ہونٹ جمائے پر خیال نظروں سے خلا میں تک رہا تھا جیسے اپنے آہن میں الفاظ ترتیب دے رہا ہو۔ چند لمحوں کا یہ سکوت بڑا بوجھل تھا۔ مجھے اس کا دباؤ اپنی سانسوں پر محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے ایک زور سے سانس لی اور بے چینی سے گردن ادھر ادھر گھمائی۔ آگ کے شعلوں کی لپٹ اب ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ سارے جسم پر چیونٹیاں رینگ رہی تھیں مگر میں اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ ایک آدمی میرے پیچھے کھڑا تھا۔ اگر میں ایک دو قدم پیچھے رہ جاتی تو وہ مجھے پھر آگے دھکیل دیتا۔ آخر کار ڈاکٹر نیفا نے پھر کہنا شروع کیا۔

"سنو ساتھیو! اب میں ان واقعات کا ذکر کروں گا جو قاہرہ میں پیش آئے تھے۔ یہ آخری صورت تھی، جس پر مین عمل کر سکتا تھا۔ تم سب نے دیکھا تھا کہ ماسٹر کو ماضی میں بھیجا تھا۔ میری یہ کاوش اس حد تک کامیاب رہی کہ ماسٹر میری خواہش کے بموجب ماضی میں چلے گئے۔ یہ ایک بہت نازک اور مشکل تجربہ تھا لیکن ہم اس کے لیے مجبور تھے۔ دراصل میں چاہتا تھا کہ ماسٹر کی وساطت سے ارفینا سے گفتگو کروا اور پھر ارفینا خود ہمیں بتائیں کہ اس موقع پر کیا کریں۔ جب کہ تم سب جانتے ہو، یہ تجربہ اس حد تک کامیاب رہا کہ ماسٹر ماضی میں چلے گئے اور ان کا سامنا ارفینا سے ہوا، مگر پھر وہ بے ہوش ہوگئے۔ میں یہ قیاس کرنے سے قاصر ہوں کہ ماسٹر کی بے ہوشی کا سبب کیا تھا۔ انہوں نے ایسی کیا بات دیکھی تھی کہ جو ان کی بے ہوشی کا سبب بن گئی۔ میں نے یہ جاننے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا۔ ماسٹر ہوش میں آنے کے بعد کچھ بھی بتانے سے قاصر رہے۔ بعد ازاں میں نے دوبارہ پھر کوشش کی، مگر ہر بار مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ ماضی میں ذہنی سفر کے دوران کوئی نہ کوئی ایسی بات پیش آئی کہ ماسٹر کا ذہنی تسلسل ٹوٹ گیا اور وہ بے ہوش ہوگئے۔ یوں ارفینا سے ہمارا رابطہ قائم نہ ہو سکا مگر اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ ہم اس عظیم ترین مشن سے دستبردار ہو جائیں جو اسائرس نے ہمارے سپرد کیا تھا۔"

ڈاکٹر نیفا لمحے بھر کے لیے رکا، اس نے طویل سانس لی پھر سلسلہ کلام آگے بڑھایا۔

"تو ساتھیو! سوال یہ تھا کہ ان حالات میں اب ہم کیا کریں۔ اس موقع پر ارفینا کی دوسری کتاب نے ہماری رہنمائی کی۔" ڈاکٹر نیفا نے ٹیبل پر رکھی ہوئی کئی کتابوں میں سے ایک سال خوردہ کتاب اٹھا کر فضا میں لہرائی "یہ وہ کتاب ہے۔ ارفینا نے اس کتاب میں عمن عونس دوئم اور اسائرس کی ایک ملاقات کا حال درج کیا ہے۔ ارفینا لکھتا ہے کہ ایک بار اسائرس عمن عونس دوئم سے ناراض ہوگیا تھا تب عمن عونس نے اس ملاقات کا اہتمام کیا تھا۔ اس نے ایک بڑا الاؤ روشن کیا تھا اور یہ عہد کیا تھا کہ جب تک اسائرس ملاقات کے لیے نہیں آئے گا، تب تک وہ الاؤ کے گرد چکر کاٹتا رہے گا۔ چنانچہ اس نے ویسا ہی کیا۔ اس نے اسائرس کے حضور دو کنواریوں کی قربانی پیش کی اور آگ کے گرد چکر کاٹتا رہا۔ آخر کار اسائرس کی ناراضگی ختم ہوئی اور وہ عمن عونس سے ملاقات کے لیے آیا۔ آج کئی ہزار سال کے بعد پھر وہی صورت درپیش ہے کہ اسائرس ہم سے ناراض ہے۔ ہم اسے منانے کے جتن کر رہے ہیں۔ یہ یقین کرنے کا کوئی جواز نہیں کہ اسائرس یہاں آئے گا اور عمن عونس سے ملاقات کرے گا، مگر مجھے یقین ہے کہ وہ عمن عونس کی قربانی قبول کرے گا اور ہم اس کی خوشنودی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس کے بعد عمن عونس اور ملکہ ٹیا کے جشن سہاگ رات کا انتظام کریں گے۔ کیونکہ

ان کی شادی تو بہر حال ہو چکی ہے اور پھر.....''

ڈاکٹر نیفا بولتا رہا۔ ہوا کی سنسناہٹ سے گونجتی ہوئی فضا میں اس کی مکروہ اور آسیبی آواز دور تک پھیلتی رہی۔

میری آنکھیں اب دھیرے دھیرے دھندلانے لگی تھیں۔ سارے میں دھواں پھیلا ہوا تھا اور ہر شے اس دھوئیں میں تحلیل ہو رہی تھی، ڈوب رہی تھی، ابھر رہی تھی، اور اپنی شکل، جسامت اور ہیئت بدل رہی تھی۔ سیاہ بادل جھک کر میرے سر پر آ گئے تھے اور آگ کے شعلے آسمان کو چوم رہے تھے۔ خالدہ کے بال جل رہے تھے یا شاید نہیں جل رہے تھے۔ احسان زور سے چیخ رہا تھا یا شاید نہیں چیخ رہا تھا۔ جولیانا جو میرے قریب ہی کھڑی تھی، پورا منہ کھول کر ہنس رہی تھی یا شاید نہیں ہنس رہی تھی..... لیکن اگر وہ ہنس رہی تھی تو یقیناً مجھ پر ہنس رہی تھی۔ اس غیر واضح اور غیر یقینی منظر میں میں نے دیکھا کہ راجو کے ایک ہاتھ میں مشعل ہے اور وہ الاؤ کے گرد چکر کاٹ رہا ہے۔ ایک چکر پورا ہوا، پھر دوسرا چکر پورا ہوا، پھر تیسرا، پھر چوتھا..... اگرچہ حدت اور دھوئیں کی کثافت کے باعث میرا دماغ مفلوج سا ہو رہا تھا مگر حواس کا کچھ حصہ بہر حال اتنا بیدار تھا کہ میں ان چیزوں کو کافی حد تک دیکھ اور سمجھ سکتی تھی۔ راجو نے سات یا آٹھ چکر کاٹے تب وہ واقعہ پیش آیا۔

موسم کے مطابق راجو کو باری باری مجھے اور خالدہ کو آگ میں پھینکنا چاہیے تھا، مگر اس سے قبل کہ وہ اس پر عمل کرتا، معاً ایک زبردست دھماکا ہوا..... پھر یکے بعد دیگرے دو تین اور دھماکے ہوئے اور چشم زدن میں گاڑھا گاڑھا دھواں بادل کے ایک عظیم ترین مرغولے کی طرح چاروں طرف پھیل گیا۔ چونکہ ہوا دائیں سے بائیں چل رہی تھی اور دھماکے دائیں طرف ہی ہوتے تھے، اس لیے دھوئیں نے فوراً ہی ہم سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، یہ دھماکے اتنے غیر متوقع تھے کہ وہاں موجود لوگوں میں شدید افراتفری پیدا ہو گئی۔ دریافت حال کے لیے وہ لوگ ادھر ادھر بھاگنے اور زور زور سے چیخنے چلانے لگے۔ وقتی طور پر انہوں نے ہمیں اور راجو کو نظر انداز کر دیا اور شاید یہی ان کی غلطی تھی۔ کیونکہ پھر میں نے وہ منظر دیکھا جس نے میرے ذہن و اعصاب کی طنابیں توڑ ڈالیں۔

میں نے دیکھا کہ راجو شعلہ پھینک کر بھاگتا ہوا اس ٹیبل کے پاس گیا، جس پر کتابیں رکھی تھیں۔ اس نے ساری کتابیں اٹھا کر آگ میں پھینک دیں پھر جولیانا کے پاس آیا، میں نے دیکھا، اس نے جولیانا کو بازوؤں میں اٹھایا ہے پھر میرے لیے اپنے حلق سے نکلنے والی چیخ کو روکنا ناممکن ہو گیا۔ کیونکہ میں نے دیکھا کہ راجو نے جولیانا کو پوری قوت سے اچھال کر الاؤ میں پھینک دیا۔ میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''درندہ، سن آف اے بچ.....!''

مگر راجو کو کسی بات کا ہوش، کسی بات کی پرواہ نہیں تھی۔ دھوئیں کے کثیف بادلوں کے درمیان اس نے چاقو سے ہمارے تسمے کاٹے اور پھر میرا بازو پکڑ کر زور سے چیخا۔

''آؤ میرے ساتھ، جلدی کرو۔''

میں راجو کے ساتھ تقریباً گھسٹتی ہوئی بھاگتی چلی گئی۔

اردگرد میں بدستور ایک قیامت خیز ہنگامہ برپا تھا۔ لوگ زور زور سے چیخ رہے تھے اور ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ افراتفری کا یہ عالم تھا کہ بظاہر کسی کو کسی کا ہوش نہیں تھا اور نہ ہی کوئی صورت حال کو صحیح طور پر سمجھ سکا تھا جو واقعات پیش آئے تھے، انہیں محض چند منٹ لگے تھے۔ مشکل سے دو تین چار منٹ، اس قلیل وقفے میں دھوئیں

کے بموں کے دھماکے ہوئے' راجو نے کتابوں اور جولیانا کو آگ میں پھینکا اور پھر ہمیں آزاد بھی کر دیا۔ دعوئیں کے کثیف مرغولے اب دور تک پھیل گئے تھے اور انہوں نے ہمیں مکمل طور پر اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ شاید اسی بنا پر چند سیکنڈ تک لارڈرے وغیرہ کو ہمارے فرار کا احساس نہیں ہو سکا۔ راجو کے ساتھ بھاگتے ہوئے میں بری طرح کھانس رہی تھی کیونکہ دھواں نہ صرف میری آنکھوں میں بلکہ میرے حلق میں بھی گھس گیا تھا۔ میرے قدم بری طرح لڑکھڑا رہے تھے۔ اگر راجو نے پکڑ نہ رکھا ہوتا تو یقیناً گر پڑتی۔ میرا ذہن بالکل ماؤف سا ہو رہا تھا جیسے دماغ کی تمام شریانیں خشک ہو گئی ہوں۔ جو کچھ پیش آیا تھا' وہ ایک خواب سا لگ رہا تھا' ایک ایسا لرزہ خیز خواب جس کا تصور بھی رگوں میں خون منجمد کر دینے کے لیے کافی تھا۔ راجو کا آگ کے گرد چکر کاٹنا پھر دھماکے' پھر کتابیں اٹھا کر آگ میں پھینکنا اور پھر جولیانا..... اوہ' میرے خدا' اس نے ایک عورت کو' ایک جیتی جاگتی عورت کو آگ کے شعلوں میں پھینک دیا تھا۔ اس سے زیادہ بہیمیت اور درندگی کا تصور بھی ممکن نہیں۔ ذلیل' کمینہ' درندہ' میں نے غیر ارادی طور پر اپنے آپ کو کہتے ہوئے سنا' کاش اس نے ایسا نہ کیا ہوتا۔ کاش یہ سپنا ہوتا مگر سپنا نہیں تھا۔ جلتے ہوئے گوشت کی ناقابل برداشت چراند فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ راجو نے بلاشبہ ایک زندہ عورت کو آگ میں جلا ڈالا تھا۔ اسے ایسا کرنے کا کیا حق حاصل تھا؟ مانا کہ وہ لوگ ہمارے بدترین دشمن ہیں' یہ بھی درست ہے کہ وہ مجھے اور خالدہ اور احسان کو زندہ جلانے والے تھے لیکن اس کے باوجود راجو کو یہ حق نہیں ملتا کہ وہ جولیانا کو زندہ جلا دے۔ کمینہ' ذلیل' سن آف اے بچ' میں نے ایک بار پھر دل ہی دل میں انتہائی نفرت کے ساتھ اسے گالیاں دیں۔

اونچی نیچی زمین پر اندھا دھند بھاگتے ہوئے آخر کار ہم ساحل پر پہنچ گئے۔ اس اثنا میں غالباً ان لوگوں کو ہمارے فرار کا علم ہو گیا تھا کیونکہ میں نے کئی پرشور آوازیں سنیں۔ گو الفاظ سمجھ میں نہیں آئے تاہم اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ انہوں نے ہمیں دیکھ لیا ہے' ہم لوگ اتنی دیر میں کافی فاصلے پر پہنچ چکے تھے' سامنے ایک لانچ کھڑی تھی۔ اس کا انجن چل رہا تھا اور ڈرائیونگ وہیل کے پاس ایک شخص کھڑا ہوا تھا' اس نے زور زور سے ہاتھ ہلا کر ہمیں لانچ میں سوار ہونے کا اشارہ کیا' سب سے پہلے راجو نے جست بھری اور لانچ پر چڑھ گیا۔ احسان اور خالدہ نے اس کی تقلید کی مگر میں تذبذب میں پڑ گئی۔ وہ بڑے سنسنی خیز اور نازک لمحات تھے' کیا کروں' کیا نہ کروں؟ کیا مجھے ایک ایسے شخص کے ساتھ جانا چاہیے' جس نے ابھی ابھی ایک جیتی جاگتی عورت کو آگ میں جلا دیا ہے' ایسے شخص کا ساتھ دینا بجائے خود ایک قبیح فعل ہے۔ نہیں موئرا! تم اس آدمی کے ساتھ نہیں جاؤ گی ورنہ تمہارا ضمیر تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا' بے شک مسٹر اینڈریوز تمہیں قتل کر دیں گے لیکن راجو جیسے بے حس اور سفاک آدمی کا ساتھ دینے کے مقابلے میں مسٹر اینڈریوز کے ہاتھوں قتل ہونا بدرجہا بہتر ہے' کم از کم تمہارا ضمیر تو آسودہ رہے گا۔ مجھے شش و پنج میں الجھا ہوا دیکھ کر خالدہ زور سے چلائی۔

''موئرا! کیا کر رہی ہو' جلدی آؤ۔''

میں نے خالدہ کے مضطرب چہرے پر ایک نظر ڈالی۔ پھر گھوم کر پیچھے دیکھا۔ کئی افراد بے تحاشا دوڑتے ہوئے ہماری طرف آ رہے تھے۔ ان میں مسٹر اینڈریوز' ڈاکٹر نیفا اور لارڈرے بھی شامل تھے۔ بھاری بھرکم اور گول مٹول لارڈرے حیرت انگیز طور پر تیز قدموں سے دوڑ رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ چیخ چیخ کر کچھ کہہ بھی رہا تھا۔ میں

نے ایک بار پھر خالدہ پر نظر ڈالی' دفعتاً خیال کی رو بدل گئی۔ میں نے سوچا' اس لانچ پر راجو ہی نہیں' خالدہ اور احسان بھی تو ہیں اور وہ دونوں ہی میرے محسن ہیں۔ کم از کم مجھے ان کا ساتھ تو دینا ہی چاہئے۔ یہ سوچ کر میں آگے بڑھی۔ اتنے میں خالدہ پھر چلائی۔

''خدا کے لیے موئرا! جلدی آؤ۔''

پھر جیسے ہی خالدہ نے مجھے اوپر گھسیٹا' لانچ ایک دم روانہ ہوگئی۔

ابھی تک میرا ذہن بکھرا ہوا تھا۔ حواس منتشر تھے اور اعصاب چیخ رہے تھے جو کچھ پیش آیا تھا وہ کسی طرح میرے ذہن میں سما نہیں رہا تھا۔ آخر یہ سب کچھ کیونکر ہوسکتا ہے' خواہ مخواہ تو نہیں ہوسکتا۔ کسی نے یونہی بلاوجہ تو دھوئیں کے بم نہیں پھینکے ہوں گے۔ علاوہ ازیں راجو نے جس پھرتی سے پہلے کتابیں اور پھر جولیانا کو آگ میں پھینکا تھا' اس میں بھی موقع سے فائدہ اٹھانے کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا تھا بلکہ کچھ ایسا لگتا تھا جیسے تمام واقعات سوچے سمجھے اور طے شدہ منصوبے کے مطابق پیش آئے ہوں۔ راجو یقیناً دھماکوں کا منتظر رہا ہوگا مگر سوال یہ ہے کہ بم کس نے پھینکے ہوں گے؟ یکا یک میری نظر اس شخص پر جم گئی جو پہلے ہی سے لانچ میں موجود تھا۔ وہ ایک لمبا دبلا پتلا اور بظاہر کافی بے ضرر قسم کا آدمی نظر آتا تھا۔ اس نے سیاہ ملگجے سوٹ کے اوپر ایک لمبی پلاسٹک کی برساتی پہن رکھی تھی۔ آنکھوں پر سنہری کمانی کا چشمہ چڑھا ہوا تھا اور سر پر نمدے کی ٹوپی مڑھی ہوئی تھی۔ مجھے یاد آیا کہ میں نے کئی بار اسے محل میں دیکھا تھا۔ غالباً راہداریوں وغیرہ کی صفائی کا کام اس کے ذمے تھا۔ ذہن پر کچھ اور زور دیا تو یاد آیا کہ اس کا نام آرتھر ہے۔ مجھے یہ باور کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی کہ دھوئیں کے بم اسی نے پھینکے ہوں گے اور اسی نے لانچ کا انجن اسٹارٹ کیا ہوگا۔ گویا اگر پیش آمدہ واقعات ایک طے شدہ منصوبے کا نتیجہ تھے تو وہ شخص اسی منصوبے میں شامل تھا مگر ایک سوال پھر بھی باقی رہ جاتا تھا اور وہ یہ کہ وہ شخص راجو کا ساتھ دینے پر کیونکر آمادہ ہوا کیونکہ مسٹر اینڈریوز یا لارڈ رے کے آدمی تو کسی بھی قیمت پر ان کے خلاف کسی اقدام کے مرتکب نہیں ہوتے تھے۔

میں ریلنگ دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے پکڑ کر کھڑی ہوگئی اور پھر میری نگاہ کا مرکز راجو بن گیا تھا' اس اثنا میں آرتھر کے کہنے پر احسان کیبن سے ریوالور نکال لایا تھا۔ راجو ایک ریوالور ہاتھ میں لیے اسٹیئرنگ وہیل کے پاس کھڑا تھا اور آرتھر کو بار بار ہدایت دے رہا تھا۔ وہ ابھی تک اسی حالت میں تھا۔ ویسے اتنا موقع اسے نہیں ملا تھا کہ کپڑے بدلتا اور میک اپ صاف کرتا۔ البتہ زیور اتار سکتا تھا کہ اس کے لیے زیادہ وقت کی ضرورت نہیں تھی مگر اس نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی تھی جب میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی تو معاً وہ میری جانب متوجہ ہوگیا۔ نظریں ملیں' اس کے لپ اسٹک زدہ ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ نظر آئی۔ عجیب اس لیے کہ اس مسکراہٹ میں بڑی اجنبیت تھی جیسے دو راستہ چلتے اجنبی ایک دوسرے کو دیکھ کر خواہ مخواہ مسکرا دیتے ہیں۔ نظروں کا تصادم اور مسکرانے کا عمل محض ایک لمحے کے لیے تھا پھر وہ احسان کی طرف متوجہ ہوگیا۔

میں نے گردن موڑ کر ساحل کی جانب دیکھا اور میرے ہونٹوں سے بے اختیار نکلا ''اوہ' میرے خدا!''

یہ تو طے تھا کہ لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفارا جو کے فرار کو برداشت نہیں کریں گے۔ نہ ہی مسٹر اینڈریوز یہ گوارا کریں گے کہ میں ان کے ہاتھوں سے بچ کر نکل جاؤں مگر انہوں نے ہمارا تعاقب کرنے میں بڑی پھرتی کا

مظاہرہ کیا تھا۔ کیونکہ لارڈرے کی لانچیں جزیرے کے دوسری جانب والے ساحل پر کھڑی تھیں۔ پہلے وہ ہمارے تعاقب میں ہماری لانچ کی طرف آئے تھے' پھر بھاگ کر جزیرے کے دوسری جانب گئے تھے اور اب دو لانچیں اور ایک بڑی موٹر بوٹ ہمارے تعاقب میں تھیں گو فاصلہ کافی تھا مگر سب سے آگے والی لانچ پر موجود افراد کو میں بغیر دشواری کے پہچان سکتی تھی۔ اس پر لارڈرے' کارن' سونیا اور روز آلبہ تھیں۔ دوسری لانچ جس کا رنگ گہرا نیلا تھا اور موٹر بوٹ کافی پیچھے تھیں مگر دیکھتے ہی دیکھتے ان کی رفتار تیز ہوگئی۔ نیلی لانچ نیم دائرے میں چکر کاٹتی ہوئی بائیں طرف مڑنے لگی جبکہ موٹر بوٹ نے دائیں سمت کا رخ کیا۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں دقت نہیں ہوئی کہ وہ ہمیں تین اطراف سے گھیرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کی رفتار بھی ہماری لانچ کے مقابلے میں زیادہ تھی۔ فاصلہ ہر لمحہ کم ہو رہا تھا' اس کا احساس راجو کو بھی ہو گیا چنانچہ اس نے چلا کر آرتھر سے کہا۔

''رفتار بڑھاؤ۔''

پھر یکا یک فضا میں گولیوں کی تڑتڑاہٹ گونجی اور تب انکشاف ہوا' ان کے پاس رائفلیں بھی ہیں۔ انہوں نے فائرنگ بلاشبہ ہماری لانچ کو نقصان پہنچانے کے لیے کی تھی مگر ہماری لانچ رائفلوں کی پہنچ سے باہر تھی۔ گولیاں سمندر کے سینے میں ڈوب گئیں مگر یہ ضروری نہیں تھا کہ دوسری بار بھی ایسا ہی ہوتا۔ فاصلہ بدستور کم ہو رہا تھا اور یہ قطعی طے تھا کہ اگلی بار ان کی گولیاں ہماری لانچ کا بوسہ لینے میں کامیاب ہو جائیں گی۔ راجو نے ایک بار پھر آرتھر کو رفتار تیز کرنے کے لیے کہا پھر اس نے خود بھی گھوم کر لارڈرے کی سرخ و سیاہ لانچ پر کئی فائر کیے۔ یہ محض ایک اضطراری فعل تھا ورنہ راجو کو شاید خود بھی احساس رہا ہوگا کہ اس کے ریوالور کی گولیاں لانچ تک نہیں پہنچ سکتیں۔ اگلے چند لمحے بے حد اضطراب انگیز تھے کیونکہ آرتھر لانچ کی رفتار بڑھانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ جبکہ لارڈرے کی لانچ دم بدم قریب آ رہی تھی۔ اس کے علاوہ نیلی لانچ اور موٹر بوٹ بھی چکر کاٹ کر دائیں اور بائیں سمت سے قریب آ رہی تھیں۔ صاف پتا چلتا تھا کہ اگر صورت حال یہی رہی تو آئندہ چند منٹ میں وہ ہمیں گھیر لیں گے' اس کا ثبوت اس وقت ملا جب گولیوں کی دوسری باڑھ آئی۔ اس بار فاصلہ بہت کم تھا۔ میں نے محض چند گز کے فاصلے پر جہاں گولیاں سطح سمندر سے ٹکرائی تھیں' پانی کے فوارے سے اچھلتے ہوئے دیکھے۔ یہ چند گز کا فاصلہ موت اور زندگی کے درمیان تھا۔ اگر یہ فاصلہ نہ ہوتا تو گولیاں نہ صرف لانچ کو بلکہ ممکن ہے' مجھے اور خالدہ کو بھی چاٹ جاتیں۔

یکا یک احسان نے قریب آ کر زور سے کہا ''تم دونوں کیبن میں چلی جاؤ۔''

مگر میں نے سنی ان سنی کر دی۔ خالدہ نے بھی احسان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ہم دونوں بدستور لارڈرے کی لانچ کو گھورتی رہیں۔ اگلے چند لمحوں میں' میں نے فاصلہ بتدریج کم ہوتے ہوئے دیکھا۔ نیلی لانچ اور موٹر بوٹ بھی قریب آ رہی تھیں مگر پھر اچانک جانے کیا ہوا کہ درمیانی فاصلہ بڑھنے لگا۔ پتا نہیں ان کی لانچوں کی رفتار کم ہونے لگی تھی یا ہماری لانچ کی رفتار بہت بڑھ گئی تھی۔ وجہ کچھ بھی ہو مگر چند منٹ میں فاصلہ پہلے سے تقریباً ڈیڑھ گنا ہو گیا۔ نیلی لانچ تو دور جا کر نظروں سے تقریباً اوجھل ہو گئی تھی۔ لارڈرے کی سرخ و سیاہ لانچ البتہ سامنے موجود تھی مگر بہت دور تھی۔ موٹر بوٹ بھی دائیں جانب نظر آ رہی تھی لیکن وہ لوگ اسے نزدیک لانے کے بجائے قدرے فاصلے پر لے گئے تھے۔ ممکن ہے رفتار کی کمی بیشی کے بارے میں میرا احساس غلط ہو اور ان لوگوں

نے کسی خاص ارادے کے تحت جان کر فاصلہ بڑھایا ہو مگر وہ ارادہ کیا ہو سکتا تھا؟ ان لوگوں کا رویہ نہ صرف عجیب بلکہ ناقابل فہم بھی تھا۔

میرے لیے اپنا توازن برقرار رکھنا بہت مشکل ہو رہا تھا کیونکہ سمندر بپھرا ہوا تھا۔ طوفان کے آثار نوشتۂ دیوار کی طرح واضح تھے جب بھی کوئی بڑی موج آتی تو لانچ کو سطح سمندر سے کئی کئی فٹ اوپر اٹھا لے جاتی۔ پھر دوسرے لمحے لانچ نیچے اترتی۔ ایک گہرا بھنور سا بن جاتا اور لانچ کے چاروں طرف گہرے سبزی مائل پانی کی دس دس فٹ اونچی دیواریں نظر آنے لگتیں۔ میں نے کئی بار لانچ اور ہوور کرافٹ وغیرہ میں سفر کیا تھا لیکن ایسے منظر سے کبھی دوچار نہیں ہوئی تھی۔ لانچ جب گہرے پیالے جیسے بھنور میں اترتی تو یوں لگتا کہ اب نہیں ابھرے گی چاروں طرف سے پانی کی سرکش موجیں اسے اپنی گود میں لے لیں گی۔ خوف سے میرا دل بری طرح کانپنے لگا۔ خالدہ بھی' جو اتنی حوصلہ مند عورت تھی' ان لمحوں میں ہراساں نظر آنے لگتی۔ وہ یقیناً ایسے تجربے سے کبھی دوچار نہیں ہوئی ہوگی۔ احسان کا حال بھی کچھ زیادہ مختلف نہ تھا۔ لیکن راجو کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے' اس کے تاثرات میک اپ زدہ چہرے کے پیچھے چھپے ہوئے تھے البتہ آرتھر سرکش موجوں کے زیر و زبر سے زیادہ متاثر نہیں تھا۔ اس کی وجہ نہ صرف اس کی مہارت تھی بلکہ سابق تجربہ بھی۔ اس کی زندگی انہی علاقوں میں گزری تھی اور وہ سمندر کے مزاج کی برہمی اور سکون دونوں ہی سے واقف تھا۔ اس نے ایسے مناظر پہلے بھی دیکھے ہوں گے۔ پہلے بھی سمندر کے طوفانوں سے دوچار ہوا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے رویے سے کسی قسم کی گھبراہٹ کا اظہار نہیں ہو رہا تھا بلکہ وہ نہایت مستعدی اور مہارت سے لانچ کو کنٹرول کر رہا تھا۔

پھر ایک اور مصیبت نازل ہوئی۔ یکا یک آسمان پر بجلی کڑکی۔ ایک روشن لکیر تڑپتی ہوئی جنوب سے شمال کی جانب چلی گئی اور پھر دوسرے لمحے بارش کا آغاز ہو گیا مگر کیا وہ بارش تھی؟ خدا کی پناہ! ایسا لگتا تھا کہ ساری دنیا کے بادل سمٹ کر ہمارے سروں پر آ گئے ہیں اور وہ اس وقت تک برستے رہیں گے جب تک ہماری کشتی کو ڈبو نہ دیں۔ اسکاٹ لینڈ اور اس کے آس پاس کے جزائر میں بارش کوئی نئی بات نہیں مگر میں نے ایسی بارش کبھی نہیں دیکھی تھی۔ موٹی موٹی بوندیں ایک ایسے طوفانی تواتر سے گر رہی تھیں' جیسے گولیوں کی باڑھ ماری جا رہی ہو۔ ساتھ ہی بار بار بجلی بھی کڑکتی' پھر بادل گرجتے اور ان کی کڑک اور گڑگڑاہٹ سے گردوپیش کی فضا تھرا کر رہ جاتی۔ طوفان صبح سے دھمکیاں دے رہا تھا۔ صبح سے اپنی آمد کا اعلان کر رہا تھا اور اب سچ مچ آ گیا تھا۔ ایک قیامت چاروں طرف برپا ہو چکی تھی۔ سمندر کا تلاطم بڑھ رہا تھا۔ ہوا دم بدم تیز ہو رہی تھی اور بارش کی تندی و تیزی میں ہر لحظہ اضافہ ہو رہا تھا ہماری لانچ سمندر کے بلاخیز سینے پر ایک ہلکے پھلکے تنکے کی طرح ڈول رہی تھی۔ میں نے یکا یک سوچا کہ راجو نے فرار کے لیے بہت ہی غلط موقع کا انتخاب کیا ہے۔ وائیونا سے تو بے شک نکل بھاگے ہیں لیکن سمندر سے بچنا ناممکن ہے' ایک چھوٹی سی لانچ بھلا کب تک اس قیامت خیز طوفان کا مقابلہ کرے گی۔

مگر شاید فرار کے منصوبے اور وقت کے تعین میں راجو کو اپنے ارادے کو کوئی دخل نہیں تھا۔ بلکہ اس فرار کی بنیاد ''اب یا کبھی نہیں'' کی مجبوری پر تھی۔ اسائرس کی خوشنودی کے حصول کا سارا سامان کیا جا چکا تھا۔ ہماری چتائیں تیار تھیں لمحوں کا فرق باقی رہتا تھا ان حالات میں کسی بہتر موقعے کا انتظار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایک آخری کوشش کے طور پر اس موقعے سے فائدہ اٹھانا از بس ضروری تھا اور راجو نے یہی کیا تھا۔ اب یہ کوشش کامیاب

ہوگی یا ناکامی کا کفن پہنے گی' اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل تھا۔ بظاہر تو صورت حال..... ہمارے خلاف تھی۔ ایک طرف دشمن تھے اور دوسری طرف ہلاکت خیز سمندر اور بلا خیز طوفان تھا اور ہماری چھوٹی سی لانچ تین آفتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ صرف قدرت کا دست کرم ہی ہمیں بچا سکتا تھا۔

دفعتاً راجو کو میں نے اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا۔ قریب آ کر اس نے کہا۔

''تم دونوں کیبن میں چلی جاؤ'' یہ کہتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھایا۔ شاید میرے شانے پر رکھنا چاہتا تھا۔ میں نے یک لخت جھک کر پیچھے ہٹتے ہوئے زور سے کہا ''دور ہٹو' مجھے چھونا مت۔''

راجو ہکا بکا ہو کر میری شکل دیکھنے لگا۔

خالدہ جو میرے پیچھے کھڑی تھی' سرک کر اور نزدیک آ گئی پھر میں نے اس کی آواز سنی۔ وہ تلخ لہجے میں کہہ رہی تھی ''تم..... تم ہم لوگوں سے بات مت کرو۔ ہم تمہارے نزدیک بھی نہیں آنا چاہتے۔''

راجو کے لمبے لمبے بال بارش میں بھیگ کر چہرے پر پھیل گئے تھے۔ اس کا لپا پتا چہرہ بدستور تاثرات سے خالی تھا۔ البتہ آنکھوں میں شدید حیرت کی جھلک ضرور موجود تھی جیسے وہ ہمارے طرز عمل کو سمجھنے سے قاصر ہو۔ فرار ہونے کے بعد سے اب تک اس کا رویہ ہوش مندوں جیسا رہا تھا تاہم اس وقت اس کے بشرے سے کسی ہوش مندی کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ چند لمحے وہ سٹپٹائی ہوئی نظروں سے ہم دونوں کو دیکھتا رہا پھر اس نے کہا ''کک..... کیا ہوا' کیا بات ہے؟'' یہ کہہ کر اس نے پھر ہاتھ بڑھایا۔

وہ سارا غم و غصہ اور نفرت و کراہیت جو گزشتہ کئی گھنٹے سے میری رگ رگ میں دوڑ رہی تھی' معاً ابل پڑی۔ ''دور رہو.....'' میں نے چلا کر کہا۔ لہروں کے شور اور بادلوں کی گڑگڑاہٹ میں میری آواز اس تک پہنچی یا نہیں' اس کی پروا کیے بغیر میں کہتی رہی۔

''مجھے چھونا مت' میں تم سے نفرت کرتی ہو۔ تم..... تم قاتل ہو' درندے ہو' جانور ہو۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنے سفاک اور کمینہ خصلت بھی ہو سکتے ہو۔'' میری آنکھوں کے سامنے جولیانا کا خوبصورت چہرہ گھوم گیا ''اب میں پچھتاتی ہوں کہ میں نے تم کو صحرا میں بچایا کیوں تھا۔ تم وہیں مر گئے ہوتے تو زیادہ اچھا تھا۔''

اتنے میں احسان بھی میرے پاس آ گیا۔ راجو نے ہونقوں کی طرح اس کی طرف دیکھ کر کہا ''کیا ہوا؟''

اس سے قبل کہ میں کچھ کہتی' خالدہ بول پڑی ''میں بتاتی ہوں کہ کیا ہوا۔ تم نے ایک جیتی جاگتی زندہ عورت کو آگ میں پھینک دیا۔ اگر تم پاگل ہو' تب بھی اس درندگی کا کوئی جواز نہیں۔ تم نے اسے آگ میں کیوں پھینکا؟''

اچانک بادل زور سے گرجے ساتھ ہی بجلی چمکتی اور ایک ثانیہ کے لیے سارے میں اجالا پھیل گیا۔ پھر ایک اونچی بپھری ہوئی لہر آئی اور لانچ کو سطح سے کئی فٹ اوپر اٹھا لے گئی۔ کشتی کا توازن ڈانواڈول ہوا تو راجو کے قدم بھی اکھڑ گئے۔ اگر اس نے فوراً ہی ریلنگ کا سہارا نہ لے لیا ہوتا تو ممکن ہے سمندر میں جا پڑا ہوتا۔ اس وقت ایک عجیب بات ہوئی۔ جب راجو کا جسم فضا میں اچھلا تو میرے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔ پھر میں نے دیکھا کہ میرے ہاتھوں نے غیر ارادی طور پر اس کو تھامنے کی کوشش کی۔ خالدہ نے بھی سرعت کے ساتھ تقریباً یہی عمل کیا۔ یہ پورا واقعہ محض دو تین لمحوں میں پیش آیا۔ ہمدردی کی کیفیت بھی اتنی ہی عارضی تھی۔ پھر میں نے خود کو اندر ہی اندر پشیمان ہوتے ہوئے محسوس کیا۔ کہاں تو میں اسے بات کرنے سے منع کر رہی تھی اور کہاں یہ حال کہ

خطرہ سر پر آتے ہی اسے بچانے کی کوشش کرنے لگی۔ راجو نے سنبھالا لے کر ہم دونوں کی جانب تشکر آمیز نظروں سے دیکھا۔ پھر ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔

''مگر وہ لوگ تم دونوں کو زندہ جلانے والے تھے۔''

میں تو نہیں لیکن اتنی دیر میں خالدہ پشیمانی کے بھنور سے نکل آئی تھی۔ اس نے زہر آلود لہجے میں کہا ''اس کے باوجود تمہیں جولیانا کو آگ میں جلانے کا کوئی حق نہیں تھا۔ اگر وہ لوگ درندے ہیں تو ہم ان کی تقلید نہیں کر سکتے۔''

راجو نے ایک بار پھر ہونٹوں پر زبان پھیری۔ اس کے چہرے پر کشمکش کے تاثرات بالکل واضح تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہے' اپنے بہیمانہ اقدام کی وضاحت کرنا چاہتا ہے لیکن یا تو اس کے پاس الفاظ نہیں ہیں یا اس کا ذہن الجھا ہوا ہے۔ اسے تذبذب میں دیکھ کر دفعتاً احسان مدد کو آیا۔ اس نے خالدہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''خیر' ہم اس معاملے پر بعد میں بات کریں گے۔ فی الحال تم دونوں کیبن میں چلی جاؤ۔''

کیبن میں پہنچی تو میرا پورا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ گزشتہ چند گھنٹوں میں کچھ ایسے ہنگامہ خیز واقعات پیش آئے تھے۔ کہ سردی کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔ مگر اب بارش میں ہمارے کفن شرابور ہوئے تو سردی بھی حملہ آور ہوئی۔ میں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اپنا سفید کفن نچوڑا۔ خالدہ نے اتنے میں دو کمبل ڈھونڈ نکالے تھے۔ میں نے ایک کمبل اپنے گرد لپیٹ لیا اور کھڑکی سے متصل بینچ پر بیٹھ گئی۔ باہر کے مقابلے میں اندر فضا بڑی خوشگوار اور راحت افزا تھی۔ خالدہ نے دروازہ اچھی طرح بند کر دیا تھا اس لیے ہوا اور بارش کے اندر آنے کا امکان نہیں تھا مگر آوازیں بند دروازوں سے نہیں رکتیں۔ ہوا کی چیخیں' چھت پر بجتی ہوئی بارش کی تڑتڑاہٹ اور سمندر کا شور بدستور کانوں میں گونج رہا تھا۔ یہ شور' سمندر کے سینے پر بھٹکتی ہوئی بلاؤں کا شور تھا اور یہ شور آسمان سے اترنے والی آفات کا شور تھا اور اس شور میں صرف ایک لفظ کی بازگشت تھی ''موت'' جو چاروں طرف پانی' ہوا اور بارش اور آسمان سے اترتے ہوئے اندھیرے کی شکل میں موجود تھی اور قہقہے لگا رہی تھی اور تالیاں بجا رہی تھی اور رقص کر رہی تھی۔ میں نے تھرتھراتے ہوئے جسم کو سنبھالنے کی کوشش کی اور اپنی پیشانی کھڑکی کے سرد شیشے سے ٹکا دی۔ خالدہ نے یکا یک پوچھا۔

''موئرا! کیا بات ہے؟''

میں نے یکا یک طویل سانس لی ''مجھے تو یہ سب کچھ پاگل پن نظر آتا تھا۔''

''کیا؟''

''ذرا باہر دیکھو۔''

''دیکھ رہی ہوں'' خالدہ نے کہا ''لیکن اس موقع پر دوسرا کون سا قدم اٹھایا جا سکتا تھا؟''

خالدہ نے وہی جواب دیا تھا جو خود میرے ذہن میں کافی دیر سے موجود تھا۔ اس کے علاوہ اور کیا' کیا جا سکتا تھا۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن والی کیفیت تھی۔ انتخاب کا وقت اور موقع تھا ہی نہیں۔ پھر بھی میری تشفی نہیں

ہوئی۔ دماغ کی اندرونی تہیں چیختی رہیں اور اب کیا ہوگا؟ کے بھنور بنتے بگڑتے رہے۔ اس کی وجہ یقیناً یہی تھی کہ قدرت کی جانب سے جان بچانے کا ایک موقع عطا ہوا بھی تو اس طرح کہ راہ میں ان گنت بلائیں منتظر تھیں۔ شاید یہ بھی فطرت کا اصول ہے کہ آسانیاں بغیر دشواریوں کے میسر نہیں آتیں۔ میں تھوڑی دیر چپ رہی اور باہر دیکھتی رہی۔ اندھیرا اب گہرا ہونے لگا تھا۔ بارش بھی تیز ہوگئی تھی اور طوفان کا زور پہلے کے مقابلے میں بہت بڑھ گیا تھا۔ ہماری لانچ ایک حقیر تنکے کی طرح سمندر کے سینے پر ڈول رہی تھی۔ طوفان کا قیامت خیز شور کانوں کے پردے پھاڑ رہا تھا۔ چاروں طرف سے غضبناک لہریں آتیں اور لانچ سے اس طرح ٹکراتیں کہ لگتا کسی بھی لمحے لانچ کے پرخچے اڑ جائیں گے۔ بعض وقت تو ایسا ہوتا کہ کوئی لہر لانچ کو سطح سے کئی فٹ اوپر اچھال دیتی اور پھر جب لانچ دوبارہ پانی پر گرتی تو پرشور دھماکا ہوتا اور ایسا محسوس ہوتا کہ لانچ کے پیندے میں شگاف پڑ گئے ہیں۔ راجو، احسان اور آرتھر لانچ کو سنبھالنے کی دیوانہ وار کوشش کر رہے تھے مگر مجھے رہ رہ کر خیال آ رہا تھا کہ ان کی ساری جدوجہد رائیگاں چلی جائے گی اور انجام کار وہی ہوگا جو مقدر ہو چکا ہے۔ ہم لوگ ''ہونی'' کے ستم سے نہیں بچ سکیں گے۔

میں نے گردن گھما کر چاروں طرف دیکھا۔ اب اندھیرا اتنا گہرا ہوگیا تھا کہ زیادہ فاصلے تک دیکھنا ممکن نہ تھا۔ تعاقب کرنے والی ٹینور لانچیں بھی دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ پتا نہیں وہ لوگ واپس لوٹ گئے تھے یا اندھیرے کی بنا پر بھٹک کر کسی اور سمت چلے گئے تھے۔ پہلی بات ممکن نہیں تھی۔ لارڈرے، ڈاکٹر نیفا اور خاص طور پر اینڈریوز ایسے آدمی نہیں تھے کہ ہمارا فرار کو کسی بھی حال میں گوارا کرتے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو دشمن کو کبھی معاف نہیں کرتے کبھی درگزر سے کام نہیں لیتے اور کسی بھی تاویل اور دلیل کو کبھی تسلیم نہیں کرتے۔ انتقام کی خو ان کے خون میں شامل ہوتی ہے اور وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھ سکتے جب تک دشمن کو انتقام کی سولی پر نہ چڑھا دیں۔ چنانچہ مجھے یقین تھا کہ لارڈرے وغیرہ واپس نہیں جائیں گے۔ البتہ دوسری بات ممکن ہو سکتی تھی۔ اندھیرا بڑھ گیا تھا۔ بارش بھی بہت تیز تھی۔ لہٰذا یہ بات بعید از قیاس نہ تھی کہ وہ لوگ کسی اور طرف نکل گئے ہوں لیکن اگر یہ قیاس درست بھی تھا تو بھی اس بات کی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ خطرہ ہمارے سروں پر سے ٹل گیا ہے۔ راجو نے اگرچہ لانچ کی بتیاں نہیں جلائی تھیں مگر مجھے یقین تھا کہ جلد یا بدیر وہ لوگ ہمیں پھر تلاش کر لیں گے کیونکہ بجلی بار بار چمک رہی تھی اور جب بجلی چمکتی تھی تو سمندر کے سینے پر میلوں تک روشنی پھیل جاتی تھی۔ اور یہ ناممکن نہیں تھا کہ وہ اس لمحاتی اجالے میں ہماری لانچ کو دیکھ لیں، اس کے علاوہ مجھے یقین تھا کہ ان کے پاس سرچ لائٹس بھی ضرور ہوں گی۔ اور وہ ان کی مدد سے ہماری لانچ کو تلاش کر سکتے تھے۔

یکایک میں نے خالدہ سے ''آخر ہم جا کہاں رہے ہیں؟''

''کیا؟'' خالدہ نے چونک کر پوچھا۔ بارش اور سمندر کے شور کے باعث میری آواز اس کے کانوں تک نہیں پہنچی تھی۔

میں نے اونچی آواز میں اپنی بات دہرائی تو خالدہ نے مزید حیرت سے کہا ''حد ہوگئی، جائیں گے کہاں آخر؟''

مجھے اور زیادہ کوفت ہوئی۔ واقعی حد ہوگئی، آخر مجھے کیا ہوگیا ہے، کیوں بے سر پیر کی باتیں کر رہی ہوں۔ یہ

بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے کہ ہم کہاں جائیں گے۔ جزیرہ وائیونا سمندر کے جس حصے میں واقع ہے' وہاں سے فرار ہو کر آئرلینڈ اور اسکاٹ لینڈ کے سوا اور تو کہیں نہیں جاسکتے لیکن آئرلینڈ کا فاصلہ زیادہ ہے' ایک چھوٹی سی لانچ پر وہاں تک سفر کرنا ممکن نہیں۔ اسکاٹ لینڈ اور یا پھر آس پاس کے کسی اور جزیرے تک ہی سفر کر سکتے ہیں۔ ان اطراف میں اور خاص طور پر اسکاٹ لینڈ کے شمالی حصے میں چھوٹے چھوٹے جزیرے بکثرت ہیں جو سطح سمندر پر کوہانوں کی طرح ابھرے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کچھ آباد ہیں اور کچھ غیر آباد۔ بعض چھوٹے جزیرے دولت مند افراد کی ذاتی ملکیت ہیں۔ اگر ہم اسکاٹ لینڈ نہ پہنچ سکیں اور کسی جزیرے پر پہنچ جائیں تو بھی بہت غنیمت ہوگا کیونکہ پھر ہمارے لیے مدد حاصل کرنا ممکن ہو جائے گا۔ یہ خیالات ایسے تھے کہ مجھے تھوڑی سی ڈھارس ہوئی اور میں نے سوچا کہ اگر ہماری لانچ طوفان کی سختیوں کو جھیلنے میں کامیاب ہوگئی تو کسی جزیرے یا .....اسکاٹ لینڈ تک پہنچنا مشکل نہ ہوگا۔ کیونکہ آرتھر نہ صرف سمتوں سے ہی بلکہ آس پاس کے جزیروں سے بھی واقف ہوگا اور اسے سمندر کا بھی بہت تجربہ ہے۔ ایسے طوفانی موسم سے نمٹنا اس کے لیے چنداں مشکل نہ ہوگا۔

میں نے دفعتاً غیر ارادی طور پر ایک لمبی مطمئن سانس لی اور پھر خالدہ کی جانب دیکھا۔

''خالدہ!'' میں نے اپنے آپ کو خود بخود کہتے ہوئے سنا'' مجھے اب بھی یقین نہیں آتا۔''

''کس بات کا یقین نہیں آتا؟'' خالدہ نے پوچھا۔

''جولیانا!'' میری آواز ہولے ہولے کانپ رہی تھی'' کتنی خوبصورت لڑکی تھی وہ' میں نے ایسی دلربا صورتیں بہت کم دیکھی ہیں اور پھر وہ بالکل جوان بھی تھی۔ پوری زندگی باقی تھی اس کی۔ اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں اس نے جانے کیسے کیسے منصوبے بنا رکھے ہوں گے لیکن..... لیکن..... مجھے تو اب بھی یقین نہیں آتا۔ کیا تم نے کبھی ایسا منظر دیکھا تھا؟''

خالدہ نے نیچے کا تختہ مضبوطی سے پکڑ کر خود کو لڑھکنے سے بچایا۔ لانچ ایک گہرا غوطہ لگا کر تیزی سے ابھرتی ہوئی دائیں طرف گھومتی چلی گئی۔ خالدہ نے وحشت زدہ نظروں سے باہر کے تاریک خلا کو گھورتے ہوئے کہا۔

''مجھے بھی یقین نہیں آتا۔ یہ ایک ایسا بہیمانہ فعل تھا جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتی۔ بے شک جولیانا کا رویہ ہم لوگوں کے ساتھ معاندانہ تھا مگر وہ ایک انسان تھی' جیتی جاگتی عورت تھی۔ اسے زندہ آگ میں جلا دینا.....'' خالدہ جملہ ادھورا چھوڑ کر ہی چپ ہوگئی۔

''سمجھ میں نہیں آتا کہ راجو نے ایسا کیوں کیا؟''

''اس کی وضاحت تو صرف راجو ہی کر سکتا ہے۔'' خالدہ سر ہلا کر بولی'' اور وہ بھی صرف دو صورتوں میں' اول یہ کہ اس فعل کا کوئی معقول جواز واقعی موجود ہو اور دوئم یہ کہ راجو کو اس بات کا احساس ہوا کہ اس نے کیا' کیا ہے۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ اسے اپنے اس فعل کا کوئی احساس نہیں ہوگا؟''

''یہ ناممکن تو نہیں ہے۔''

''مگر فرار کے بعد سے اب تک تو اس نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی ہے جس سے اس کے دماغی عدم صحت کا اظہار ہوتا ہو؟''

''یہ کوئی ضروری بات نہیں ہے کہ دماغی اختلال کے مریض ہر وقت پاگلوں جیسی حرکتیں کریں'' خالدہ نے ایک بار پھر اپنے آپ کو لڑھکنے سے بچایا'' کچھ دماغی مریض ایسے بھی ہوتے ہیں جو بعض معاملوں میں بالکل صحیح الدماغ ہوتے ہیں لیکن کچھ دوسرے معاملوں میں انہیں اچھے برے کی تمیز نہیں ہوتی اور انہیں اپنے اقدامات کا کوئی احساس نہیں ہوتا' ممکن ہے کہ راجو کا کیس بھی ایسا ہی ہو۔''

''کچھ بھی ہو'' میں نے چڑ کر ذرا غصے سے کہا'' اسے جولیانا کو آگ میں جلانے کا بہر حال کوئی حق نہیں تھا اور اگر وہ کوئی معقول وضاحت نہیں کر سکا تو میں اسے ہرگز معاف نہیں کروں گی۔''

''تم کیا کرو گی آخر؟'' خالدہ چونک کر مجھے گھورنے لگی۔

''اگر ہم اسکاٹ لینڈ پہنچ گئے تو میں پولیس کو پورے واقعے کی اطلاع دے دوں گی۔''

خالدہ نے اپنے سر کو زور سے اس طرح جھٹکا جیسے اس نے میری بات واضح طور پر نہ سنی ہو۔ یا پھر یہ کہ اس کی سمجھ میں نہ آئی ہو۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے پھر بند کر لیے۔ گویا اس کے پاس الفاظ نہ ہوں یا وہ یہ طے نہ کر سکی ہو کہ کیا کہے۔ چند ثانیے کشمکش کے عالم میں مجھے گھورتی رہی پھر اس نے کہا'' موئرا!! ابھی یہ سب کچھ نہ سوچو' بعد میں دیکھا جائے گا۔ سر دست تو ہمیں اس طوفان سے نمٹنا ہے۔''

میں گردن گھما کر راجو' احسان اور آرتھر کو دیکھنے لگی۔ بارش اور طوفان میں کمی کے کوئی آثار نہیں تھے بلکہ اضافہ ہی ہوا تھا۔ لانچ سمندر کی غضب ناک لہروں پر ایک خشک پتے کی طرح بہتی چلی جا رہی تھی۔ یہ بات کسی معجزے سے کم نہیں تھی کہ ابھی تک لانچ صحیح سلامت تھی لیکن یہ کہنا یقیناً مشکل تھا کہ ہم صحیح سمت میں سفر کر رہے ہیں۔ ایسے قیامت خیز موسم میں راہ سے بھٹک جانا بعید از امکان نہ تھا مگر راستے کا تعین زیادہ اہم بات نہیں تھی۔ جیسا کہ میں نے کہا۔ سمندر کے اس حصے میں جزیرے کافی تعداد میں تھے اور راستہ بھٹک جانے کے باوجود یہ چنداں مشکل نہ تھا کہ آخر کار ہم کسی جزیرے پر جا پہنچیں۔ اس صورت میں ہمیں مناسب امداد مل سکتی تھی چنانچہ اہم بات یہ تھی کہ ہماری لانچ کسی حادثے کا شکار ہونے سے قبل ہی کسی جزیرے تک پہنچ جائے۔

مگر حادثے تو ہر قدم پر منتظر تھے۔

سمندر جب بپھرا ہوا ہو' آسمان غضب ناک ہو اور ہوا پاگل ہو رہی ہو تو ہر ہر پل حادثوں سے پنجہ آزمائی کرنا پڑتی ہے۔ چنانچہ پہلا حادثہ چند منٹ بعد پیش آیا۔ جب آسمان پر بجلی چمکی۔ ایک لرزہ خیز گڑگڑاہٹ گردوپیش میں صور اسرافیل کی طرح گونجتی چلی گئی۔ پھر ایک غضب ناک موج آئی اور لانچ کو تنکے کی طرح اوپر اٹھا لے گئی۔ سطح سمندر سے کم از کم آٹھ فٹ اوپر' پھر وہ لہر نیچے اتری اور لہر کے ساتھ ساتھ لانچ بھی عمودی انداز میں نیچے اترتی چلی گئی۔ سطح سے آٹھ دس فٹ نیچے' چاروں طرف ایک گہرے پیالے جیسا بھنور بن گیا۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف لہریں مارتے پانی کی دیوار دیواروں کو دیکھتی رہی۔ لانچ بری طرح ڈگمگا رہی تھی اور مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے چکراتے ہوئے بھنور کے ساتھ نیچے ہی نیچے اترتی چلی جا رہی ہو۔ میں چیخنا چاہتی تھی لیکن آواز حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئی۔ پھر میرے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور جسم کا توازن بگڑ گیا۔ دوسرے لمحے میں نے خود کو فرش پر پڑا ہوا پایا۔ میرا سر فرش سے بہت زور سے ٹکرایا تھا۔ آنکھوں میں چنگاریاں سی اڑنے لگیں اور ذہن پر دھند کی تہ چھا گئی۔ میرا خیال ہے کہ میرے حلق سے ایک گھٹی گھٹی چیخ بھی نکلی تھی لیکن جو چیخ میں نے سنی' وہ

میری نہیں' خالدہ کی تھی۔ اس کا حشر بھی میرے ہی جیسا ہوا تھا۔ پھر میں نے اپنی دھندلائی ہوئی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک عظیم ترین لہر جھاگ اور پھوار اڑاتی ہوئی لانچ کے اوپر سے گزر گئی۔ لانچ کا توازن تقریباً بگڑ گیا۔ وہ لمحے قیامت کے تھے کیونکہ ان چند لمحوں میں لانچ کے اردگرد اور اوپر نیچے پانی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ نہ صرف یہی بلکہ لانچ دائیں جانب جھک گئی تھی اور ایسا لگتا تھا جیسے تیزی کے ساتھ تہ میں اترتی جا رہی ہے۔ یہ سب کچھ محض چند لمحوں میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ پھر وہ لہر گزر گئی اور لانچ لہراتی ہوئی ابھر کر پھر سطح پر آ گئی۔ وہ سارا پانی جو لہر کی وہ سے لانچ میں آ گیا تھا' بہہ کر نکل گیا۔ میں نے بینچ کا سہارا لے کر اٹھنے کی کوشش کی' آنکھوں میں ابھی تک دھند چکرا رہی تھی اور سر میں دھماکے ہو رہے تھے۔ اسی حالت میں' میں نے چند آوازیں سنیں لیکن سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ پھر میں نے خالدہ کو چیختے ہوئے سنا۔ یقیناً کوئی بات ہوئی تھی' کوئی خاص بات ہوئی تھی۔ کیونکہ میں نے خالدہ کو انتہائی اضطراری حالت میں جھپٹ کر کیبن سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔ لانچ تو خیر معجزانہ طور پر بچ گئی تھی مگر ایک حد درجہ تکلیف دہ واقعہ بہر حال ہو گیا تھا۔ عرشے پر راجو موجود تھا۔ آرتھر بھی موجود تھا مگر احسان موجود نہیں تھا۔

اگلے چند منٹ میں مجھ سے سرزد ہونے والی حرکات و سکنات میں عقل و ہوش کا کوئی دخل نہ تھا۔ بلکہ میں نے جو کچھ کیا۔ غیر ارادی طور پر اور قطعی اضطراری حالت میں کیا۔ میں نے خود کو دیوانہ وار کیبن سے باہر نکلتے ہوئے پایا۔ پھر میں کیبن کے کنارے کنارے دوڑتی ہوئی درمیانی عرشے پر گئی۔ سامنے وہ چھوٹا کیبن تھا جس میں غالباً انجن اور ڈرائیونگ وہیل نصب تھا۔ اس کیبن کا دروازہ ٹوٹ کر ایک طرف گر گیا تھا اور آرتھر اس میں نہیں تھا پھر میں نے اپنے آپ کو چیختے ہوئے سنا ''کیا ہوا..... کیا ہوا..... احسان کہاں ہے؟''

''ہماری مدد کرو۔'' کسی نے چیخ کر جواب دیا۔

میں نے چھوٹے کیبن کے بائیں جانب دیکھا۔ راجو اور آرتھر ایک موٹی سی نائیلون کی رسی کو تھامے ہوئے تھے' جس کا سرا کیبن کے قریب نصب ایک چھوٹے فولادی ستون سے بندھا ہوا تھا۔ خالدہ نے بھی رسی پکڑ رکھی تھی اور وہ تینوں مل کر رسی کو کھینچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ویسی ہی رسیاں راجو اور آرتھر کی کمر سے بھی بندھی ہوئی ہیں۔ چشم زدن میں سب کچھ میری سمجھ میں آ گیا اور تب میری زبان سے خود بخود نکلا۔

''اوہ مائی لارڈ!''

دراصل ان لوگوں نے نائیلون کی رسیاں اپنے جسم سے باندھ لی تھیں اور ان کے سرے لوہے کے پول سے بندھے ہوئے تھے۔ طوفان اور لہروں کے قیامت خیز اتار چڑھاؤ کے پیش نظر یہ ایک انتہائی دانش مندانہ حفاظتی اقدام تھا۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا ہوتا تو احسان بلاشبہ سمندر کی نذر ہو گیا ہوتا۔ کیونکہ جب لانچ ڈانواڈول ہوئی تو احسان کے قدم اکھڑ گئے اور وہ سمندر میں جا پڑا۔ جو رسی ان لوگوں نے تھام رکھی تھی' اس کا دوسرا سرا قطعی طور پر احسان کی کمر سے بندھا ہوا تھا مگر دور تک احسان کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں یکا یک جھپٹی اور خالدہ کے ساتھ مل کر رسی کو زور سے پکڑ لیا۔

''کھینچو' پوری قوت سے کھینچو'' معاً راجو نے چلا کر حکم دیا۔

میں نے جسم و جان کی پوری قوت صرف کر دی اور نہ صرف میں نے بلکہ راجو' آرتھر اور خالدہ نے بھی مگر بظاہر کچھ نہ ہوا۔ احسان کا اپنا وزن کچھ زیادہ نہ ہوگا۔ مگر لہروں کے زور اور دباؤ نے اس کے وزن میں کئی گنا

اضافہ کر دیا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کے دوسرے سرے پر کوئی چٹان بندھی ہو۔ راجو نے ایک بار پھر چلا کر زور سے کھینچنے کا حکم دیا۔ ایک بار پھر ہم سب نے پوری قوت اور جوش و خروش سے رسی کھینچنے کی کوشش کی اور اس بار تھوڑی سی کامیابی ہوئی۔ ہم نے کوئی دو تین گز رسی کھینچ لی' راجو پھر چلایا۔

''کھینچو..... کھینچو..... زور لگاؤ۔''

عجیب صورت حال تھی۔ اسٹیئرنگ وہیل کو سنبھالنے والا کوئی نہ تھا۔ اس لیے لانچ نصف دائرے میں چکر کاٹتی ہوئی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ دائرے میں اس لیے کیونکہ ہم سب کیبن کے بائیں جانب تھے اور وزن زیادہ ہونے کی وجہ سے لانچ بائیں طرف جھک گئی تھی۔ یہ جھکاؤ اتنا زیادہ تھا کہ لانچ کسی بھی وقت الٹ سکتی تھی مگر سردست ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ لانچ کا توازن برقرار رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ کم از کم دو افراد پیچھے ہٹیں اور ایک شخص وہیل سنبھالے لیکن یہ اس وقت تک ممکن نہ تھا' جب تک رسی تین چار گز راور نہ کھنچ آئے' ہم سب نے ایک بار پھر زور لگایا اور تقریباً دو گز رسی کھینچنے میں کامیاب ہو گئے۔ قسمت کی مہربان دیوی آس پاس ضرور موجود تھی اور ہماری مدد کر رہی تھی کیونکہ پھر ایک عجیب بات ہوئی۔ ایک ایسی عجیب بات جس نے مجھے اور خالدہ کو سرخوشی کے عالم میں بے اختیار چیخنے پر مجبور کر دیا۔

دراصل وہ دو ہاتھ تھے جو تقریباً دس بارہ گز کے فاصلے پر اچانک سطح پر نمودار ہوئے۔ پھر ایک سر ابھرا۔ وہ ہاتھ اور وہ سر احسان کے سوا اور کسی کے نہیں تھے۔ اس نے دونوں ہاتھ زور زور سے ہلائے اور غالباً کچھ کہا بھی۔ لیکن شور کے باعث آواز ہم تک نہیں پہنچ سکی۔ پھر اس نے رسی تھام کر خود ہی لانچ کی طرف آنا شروع کیا۔ اگرچہ وہ محض چند منٹ ہی پانی میں رہا تھا مگر اتنی ہی دیر میں ان گنت برے اور دہشت ناک خیالات میرے ذہن میں آ چکے تھے۔ شاید وہ زندہ نہیں ہوگا۔ ضرور اسے کوئی دماغی صدمہ پہنچ گیا ہوگا یا ممکن ہے' پانی کے تھپیڑے سے اسے کوئی شدید اندرونی ضرب پہنچی ہو۔ وہ یقیناً مر چکا ہوگا یا کم از کم بے ہوش تو ضرور ہو گیا ہوگا۔ مگر قدرت کا دست کرم سر پر ہو تو کچھ نہیں ہوتا۔ اسے بھی کچھ نہیں ہوا تھا۔ ماسوائے اس کے کہ لہروں کے دباؤ کی بنا پر وہ چند منٹ تک ابھر نہیں سکا تھا۔ پھر جوں ہی اس کے حواس بحال ہوئے' وہ ابھر کر سطح پر آ گیا۔

خالدہ نے خوشی سے بے قرار ہو کر زور سے عربی کچھ کہا۔ جو میری سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے اس سے کہا۔

''تم کھڑی کیوں ہو گئیں' رسی کھینچو۔''

چند منٹ اور لگے پھر ہم اسے پانی سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا اور اس کے لیے اپنی ٹانگوں میں کھڑا ہونا ممکن نہ تھا کیونکہ لہروں سے نبرد آزمائی کے نتیجے میں اس کی جسمانی توانائی بہت حد تک زائل ہو گئی تھی۔ ہم نے اسے فرش پر لٹا دیا۔ راجو نے اس کے شانے اور بازو دباتے ہوئے پر تشویش لہجے میں پوچھا۔

''احسان تم ٹھیک تو ہو؟''

احسان نے اکھڑی ہوئی سانسوں کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ''ہاں' میں ٹھیک ہوں۔''

''تمہارے پیٹ میں پانی تو نہیں گیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں'' اس نے رک رک کر کہا ''تم لوگ گھبراؤ مت' مجھے کچھ نہیں ہوا' بس ذرا سانس اکھڑ گئی ہے لیکن چند

منٹ میں، میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

اس نے آنکھیں بند کر لیں اور زور زور سے سانس لیتا رہا۔ بارش کی موٹی موٹی بوندیں ایک مسلسل تواتر اور آہنگ کے ساتھ ہمارے جسموں پر برس رہی تھیں۔

میں اور خالدہ چند منٹ کے لیے کیبن میں گئیں، پھر واپس آ گئیں۔ اتنی دیر میں اس مضحکہ خیز بات کی طرف دھیان نہیں گیا تھا کہ ہم دونوں نے بدستور کفن پہن رکھے ہیں لیکن جب آرتھر نے توجہ دلائی اور یہ بھی بتایا کہ کیبن میں کچھ مردانہ کپڑے موجود ہیں تو ہم دونوں کیبن میں گئیں۔ دو پتلونیں مل گئیں جو ڈھیلی ڈھالی تھیں البتہ قمیص ایک بھی نہیں تھی صرف ایک بند گلے کا پل اوور تھا اور دو تین جیکٹیں۔ پل اوور خالدہ نے لے لیا۔ میں نے دو بنیانیں پہن کر اوپر سے جیکٹ چڑھا لی۔ خالدہ کی تنبیہہ پر اس اثنا میں راجو نے بھی زیور اور زنانہ کپڑے اتار کر پتلون اور جیکٹ پہن لی تھی۔ میک اپ صاف کرنے کی ضرورت اس لیے نہیں پڑی کیونکہ بارش میں میک اپ کافی حد تک دھل گیا تھا۔ البتہ ہونٹوں پر سرخی اب بھی موجود تھی مگر میں نے ٹوکنا مناسب نہ سمجھا۔ راجو سے بات کرنے پر جی آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ جب بھی اس کی طرف دیکھتی، میری آنکھوں کے سامنے جولیانا کا خوبصورت چہرہ گھوم جاتا اور میں کبیدہ خاطر ہو کر منہ پھیر لیتی۔

گزشتہ چند گھنٹوں میں جو کچھ ہوا تھا، ابھی تک ایک خواب سا لگتا تھا۔ ایک ایسا خواب جو بھیانک بھی تھا اور ناقابل یقین بھی۔ اس زمانے میں جبکہ انسان اخلاقی اور تہذیبی لحاظ سے ہی نہیں، بلکہ دوسرے تمام شعبوں میں بھی ترقی کرتا ہوا خلائی دور میں داخل ہو گیا ہے تو وہ ساری باتیں جو ہمارے ساتھ پیش آئیں، بڑی غیر عقلی لگتی ہیں۔ ہمارا کفن پہننا، راجو کا عمن عونس دوئم بننا، اسائرس کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش، آگ کا الاؤ اور ڈاکٹر نیفا کے ہونٹوں سے ادا ہونے والی کسی نامعلوم اور نامانوس زبان کی دعائیں۔ یہ سارے واقعات کسی طور بھی عقلی اور حقیقی نہیں لگتے تھے مگر سپنا بھی نہیں تھے۔ ہمارا کفن کیبن میں موجود تھا۔ لانچ بلاخیز سمندر کے سینے پر رواں تھی۔ اور میں اس لانچ پر موجود تھی، اگر سپنا ہوتا تو یہ سب کچھ یوں نہ ہوتا۔ پیش آنے والے واقعات واقعی حقیقت تھے مگر بعض حقیقتیں ایسی ہوتی ہیں جن پر یقین کرنے میں ہمیشہ تامل ہوتا ہے۔

مجھے امید تھی کہ طوفان اور بارش کا زور کچھ دیر میں ٹوٹ جائے گا، اتنی تیز بارش عموماً زیادہ دیر نہیں ہوتی مگر یہ امید پوری نہیں ہوئی۔ ہوا کا زور گھٹنے کے بجائے بڑھتا ہی رہا۔ لہروں کے مدوجزر میں بھی اضافہ ہوتا رہا اور بارش بھی ٹوٹ کر برستی رہی۔ آسمان پر سیاہ بادل تہ در تہ موجود تھے۔ ان کا حجم نسبتاً بہت زیادہ رہا ہوگا مگر پھیلاؤ زیادہ نہیں تھا چند میل کے فاصلے پر جہاں سیاہ بادلوں کی تہ ختم ہوتی تھی، ایک روشن لکیر نیم دائرے کی شکل میں افق کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک موجود تھی، اس سے پتا چلتا تھا کہ ابھی رات نہیں ہوئی ہے۔ اجالا بدستور موجود ہے لیکن ہمارے سروں پر جو اندھیرا مسلط ہے، اس کا سبب سیاہ بادل ہیں اور ان بادلوں میں دور دور تک کچھ نظر نہیں آ رہا تھا جب بجلی چمکتی تھی تو حد نظر تک شوریدہ سر موجیں نظر آتی تھیں اور کچھ بھی نہیں۔ لارڈ رے کی تینوں لاشیں بھی نہ جانے کہاں غائب ہو گئی تھیں۔ مجھے رہ رہ کر خیال آنے لگا کہ شاید قسمت کچھ زیادہ مہربان ہو گئی ہے شاید ہم لوگ ان کی دسترس سے واقعی نکل آئے ہیں اور شاید سمندر کے سینے پر اسی طرح بھٹکتے ہوئے ہم

انجام کار کسی جزیرے پر بھی پہنچ جائیں گے مگر دوسری کئی امیدوں کی طرح یہ امید بھی سمندر کے جھاگ کی طرح محض لمحاتی ثابت ہوئی۔

سب سے پہلے ہمارے کانوں میں کچھ ہلکی ہلکی آوازیں آئیں۔ اور ہمیں یہ اندازہ لگانے میں مطلق دشواری نہیں ہوئی کہ وہ آوازیں موٹر بوٹ لانچ کے انجن کی ہیں۔ آوازیں کافی فاصلے سے آ رہی تھیں اور غالباً ہوا کی بدولت ہمارے کانوں تک پہنچ گئی تھیں۔ آوازوں سے یہ اندازہ بھی ہو رہا تھا کہ لانچ کو کس طرف ہونا چاہئے۔ چند لمحوں بعد وہ آوازیں معدوم ہو گئیں۔ شاید ہوا کی وہ لہریں جو آوازیں لائی تھیں، مدھم ہو گئی تھیں یا ان کا رخ قدرے بدل گیا تھا۔ دو تین منٹ کا تشویشناک وقفہ حائل ہوا۔ اور پھر اس سے قبل کہ ہم لوگ کوئی تبصرہ کرتے، دفعتاً سمندر کی سطح پر روشنی کا ایک ہالہ نظر آیا۔ اس کا قطر تقریباً دس بارہ فٹ یا اس سے کچھ زیادہ رہا ہوگا۔ وہ ہالہ ہماری لانچ کے بالکل پیچھے اور ستر اسی گز کے فاصلے پر تھا۔ بارش کی موٹی موٹی بوندیں متحرک ہالے میں موتیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ تقریباً دو تین منٹ تک وہ ہالہ نظر آتا رہا۔ پھر بجھ گیا۔ اندازہ کرنے کے لیے کسی غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ لانچ لارڈ رے کی ہی ہو سکتی ہے اور روشنی کا ہالہ بلاشبہ سرچ لائٹ کا مرہون منت تھا۔ گویا ہمارے اندیشے کے مطابق انہوں نے اندھیرا ہوتے ہی سرچ لائٹ کا استعمال شروع کر دیا تھا۔

ہم کچھ دیر تک آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں گھورتے رہے لیکن پھر وہ روشن دائرہ نظر نہیں آیا۔ البتہ چند منٹ بعد ایک اور دائرہ دکھائی دیا جو بائیں طرف تھا اور پہلے دائرے کے مقابلے میں کچھ زیادہ فاصلے پر تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ان کی ایک لانچ بائیں جانب بھی موجود تھی۔ قطعی ممکن تھا کہ تیسری لانچ یا موٹر بوٹ دائیں طرف کہیں موجود ہو۔ مگر یہ بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی تھی کہ انہوں نے ہمیں دیکھ لیا ہے بظاہر اس کا کوئی امکان نہیں تھا کیونکہ سرچ لائٹوں کی روشنی کافی فاصلے پر تھی مگر اس بات میں کسی شک کی گنجائش نہیں تھی کہ وہ جلد یا بدیر ہمیں دیکھ لیں گے۔

دفعتاً راجو نے آرتھر سے کہا ''رفتار بڑھاؤ ورنہ وہ لوگ قریب آ جائیں گے۔''

''مگر مسٹر عالم'' آرتھر نے تذبذب سے کہا ''رفتار بڑھانا خطرناک ہوگا۔''

''کیوں؟''

آرتھر نے جیب سے ایک چھوٹی ٹارچ نکال کر جلاتے ہوئے کہا ''یہ دیکھئے، کیبن کی دیواریں تقریباً اکھڑنے لگی ہیں۔ عرشے کے تختے بھی ڈھیلے ہو رہے ہیں۔ اگر رفتار بڑھائی گئی تو لانچ کو زیادہ تھپیڑے برداشت کرنا پڑیں گے اور ممکن ہے کہ.....''

''میں کچھ نہیں جانتا'' راجو جھنجلا کر چلایا ''رفتار بڑھاؤ۔''

آرتھر کو نا چار عمل کرنا پڑا۔ مگر ہوا پھر بھی وہی جس کا ڈر تھا۔ کچھ ہی دیر بعد انجن کی گرگراہٹ دوبارہ سنائی دیا۔ بارش اور سمندر کے شور کے باوجود آواز واضح طور پر ہمارے کانوں تک پہنچ گئی۔ پھر فوراً ہی سرچ لائٹ کا ہالہ نمودار ہوا اور ہماری لانچ روشنی میں نہا گئی۔

پھر بجلی چمکی، ایک تڑپتی ہوئی روشن لکیر بادلوں کے درمیان دور لپکتی چلی گئی۔ سرچ لائٹ کا روشن دائرہ اسی

لانچ سے پھینکا گیا تھا مگر یہ طے کرنا مشکل تھا کہ وہ لانچ لارڈرے کی ہے۔ بورڈ پر کچھ لوگ نظر آئے تھے مگر میں انہیں پہچان نہیں سکی اس کے ساتھ ہی میں نے بائیں طرف کچھ چٹانوں کے آثار بھی دیکھے۔ شاید ہم کسی جزیرے کے قریب پہنچ گئے تھے اور ہر چند کہ یہ پورا منظر محض چند لمحوں کے لیے روشن ہوا تھا' تاہم راجو نے بھی چٹان کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے معاً چلا کر کہا۔

''آرتھر بائیں جانب چلو' بائیں جانب۔ ہم غالباً کسی جزیرے کے قریب پہنچ گئے ہیں۔''

آرتھر نے ممکن حد تک لانچ کی رفتار میں اضافہ کر دیا۔

میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور ذہن پر بیک وقت کئی مختلف اور متضاد خیالات کی یلغار ہونے لگی تھی۔ چٹانوں کو دیکھ کر خوشی کی لہر اٹھی تھی مگر وہ خوشی لانچ کو دیکھ کر کافور ہو گئی۔ ایسا کیوں ہوتا ہے' آخر ایسا کیوں ہے؟ ہر مسرت کے پیچھے ایک دکھ کیوں لگا ہوتا ہے؟ ہر امید کا تعاقب ایک نہ ایک مایوسی کیوں کرتی ہے؟ میں نے گھوم کے پیچھے دیکھا۔ گو اندھیرا تھا' تاہم وہ لانچ اتنے نزدیک آ گئی تھی کہ اس کا ہیولہ میں صاف دیکھ سکتی تھی۔ انہوں نے ایک بار پھر سرچ لائٹ روشن کی اور اس کا دائرہ سطح پر تیرتا ہوا ہماری لانچ تک آیا۔ پھر ہمیں ماؤتھ اسپیکر کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے بلاشبہ زیادہ طاقتور ماؤتھ اسپیکر استعمال کیا تھا۔ مجھے آواز پہچاننے میں چنداں دقت نہیں ہوئی۔ یہ آواز ڈاکٹر نیفا کی تھی' وہ کہہ رہا تھا۔

''ماسٹر..... ماسٹر.....! کیا آپ میری آواز سن رہے ہیں؟''

میں نے گھوم کر راجو کی طرف دیکھا۔ نہ صرف وہ بلکہ احسان' آرتھر اور خالدہ کی نظریں بھی دوسری لانچ کی جانب جمی ہوئی تھیں۔ راجو نے دفعتاً اپنے چہرے سے بارش کا پانی پونچھا اور غصے سے آرتھر کی جانب دیکھا۔

''کیا تم رفتار اور نہیں بڑھا سکتے؟''

آرتھر جھٹکے سے ڈرائیونگ وہیل کی جانب گھوم گیا۔

ماؤتھ اسپیکر سے بدستور آواز آ رہی تھی مگر تیز ہوا کے باعث کچھ الفاظ سنائی دیتے تھے' کچھ نہیں سنائی دیتے تھے۔ ڈاکٹر نیفا راجو کو بار بار تاکید کر رہا تھا کہ فرار کی احمقانہ کوشش سے باز آ جائے۔ وہ کسی صورت بچ نہیں سکے گا۔ اس کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہے' بہتر ہے کہ وہ خود کو اس کے حوالے کر دے۔ میں نے ڈاکٹر نیفا کے چند جملے واضح طور پر سنے ''جولیانا مر چکی ہے اور تم نہیں جانتے کہ تم کیسے سنگین جرم کے مرتکب ہوئے ہو۔ ہم جولیانا کی روح کا انتقام لینے کے لیے دنیا کے آخری کونے تک تمہارا پیچھا کریں گے۔ تم جانتے ہو' جولیانا کون تھی؟''

راجو ایک بار پھر چلایا ''آرتھر' کچھ کرو۔ وہ لوگ بہت قریب آ گئے ہیں۔'' پھر وہ اس طرح بڑبڑایا جیسے خود سے مخاطب ہو ''ہاں' میں جانتا ہوں وہ کون تھی؟''

آرتھر رفتار بڑھانے کی کوشش دیر سے کر رہا تھا۔ شاید انجن میں میکانکی خرابی ہو گئی تھی' مگر پھر وہ اس خرابی کو دور کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ رفتار یکایک بڑھ گئی اور لانچ ایک زبردست جھٹکے کے ساتھ بھاگنے لگی۔ دونوں لانچوں کا درمیانی فاصلہ جو پہلے رفتہ رفتہ کم ہو رہا تھا' بتدریج بڑھنے لگا۔ آرتھر نے غلط نہیں کہا تھا' لانچ کی حالت زیادہ رفتار کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی مگر اس کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔ کبھی کبھی ایک خطرے کو ٹالنے کے لیے دوسرا خطرہ مول لینا ہی پڑتا ہے۔ رفتار بڑھی تو خطرہ واضح طور پر سامنے آیا۔ دیواروں اور تختوں کے جوڑ ڈھیلے ہو گئے تھے اور

پورا کیبن بری طرح ہل رہا تھا۔ جب طوفانی لہروں کے تھپیڑے لانچ سے ٹکرائے اور ڈھیلے تختوں کی چرچراہٹ بلند ہوتی تو ایسا لگتا کہ کسی بھی لمحے تختے اکھڑ جائیں گے اور لانچ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔

میں نے بے چین نظروں سے ڈاکٹر نیفا کی لانچ کی جانب دیکھا۔ فاصلہ واقعی بڑھ گیا تھا کیونکہ ڈاکٹر نیفا کی لانچ کا ہیولا اب چھوٹا سا نظر آ رہا تھا۔ سرچ لائٹ کی روشنی بھی کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ پھر میں نے بے تابی کے ساتھ اردگرد کا جائزہ لیا۔ کوئی دوسری لانچ یا موٹر بوٹ کہیں دکھائی نہیں دیتی تھی۔ حالانکہ کچھ دیر قبل ہم نے ایک اور روشن دائرہ دیکھا تھا جو بائیں جانب تھا مگر اب بائیں جانب سوائے تاریکی کے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ میں نے دفعتاً خالدہ سے کہا۔

''کوئی اور لانچ تو دکھائی نہیں دیتی؟''

''ہاں.....'' خالدہ نے تاریک خلا میں گھورتے ہوئے جواب دیا ''اس طرف ہم نے روشنی دیکھی تھی'' اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا ''مگر اب نظر نہیں آتی' پتا نہیں کیا بات ہے؟''

''شاید وہ لوگ کوئی نئی چال چل رہے ہیں۔''

''ممکن ہے۔''

پھر میں نے اس سمت نظر ڈالی۔ جدھر چٹانیں دکھائی دیتی تھیں۔ پہلے ان کے خاکے بہت دھندلے اور چھوٹے تھے۔ مگر اب ان کا حجم بڑھ گیا تھا۔ پس منظر میں افق کے اجالے کے باعث وہ زیادہ واضح نظر آ رہے تھے۔ اتنے واضح کہ میں انہیں شمار کر سکتی تھی۔ مگر یہ دیکھ کر میرا دل بجھ سا گیا کہ ان میں سے زیادہ تر چٹانیں کسی جزیرے کا حصہ نہیں تھیں۔ بلکہ وہ سمندری چٹانیں تھیں اور ان کی نوکیلی چوٹیاں اہراموں کی طرح باہر نکلی ہوئی تھیں اور ظاہر ہے کہ وہ ہمیں پناہ نہیں دے سکتی تھیں۔ البتہ دائیں جانب قدرے فاصلے پر ایک لمبی سی پٹی نظر آ رہی تھی اور یہ عین ممکن تھا کہ وہ چھوٹی سی پٹی دراصل کوئی جزیرہ ہو۔

آرتھر نے لانچ کی رفتار ممکنہ حد تک بڑھا دی تھی۔ اس کے باوجود ہم تعاقب کرنے والی لانچ کی دسترس سے دور نہیں جا سکے۔ گو فاصلہ قدرے بڑھ گیا تھا تاہم وہ لانچ ہمارے پیچھے چلی آ رہی تھی۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے وہ لوگ سرچ لائٹ جلاتے اور اس کی روشنی سمندر کے سینے پر بھٹکنے لگتی۔ کبھی ہماری لانچ کے قریب آ جاتی۔ کبھی دور رہتی۔ بارش بدستور ہو رہی تھی۔ ہوا کے جھکڑ قیامت کا سماں پیش کر رہے تھے۔ سمندر پہلے ہی کی طرح بلاخیز تھا اور ہماری لانچ دیوقامت موجوں پر تنکے کی طرح بہتی چلی جا رہی تھی۔ جب بجلی چمکتی تو ہمیں مخالف سمت میں لانچ اور پہاڑیاں واضح طور پر نظر آتیں۔ اس کے بعد وہی اندھیرا وہی سنسناہٹ' وہی شور اور وہی لہروں کے تھپیڑے' کچھ ہی دیر بعد ہم چٹانوں کے قریب جا پہنچے۔ وہاں موت ہماری منتظر تھی لیکن قدرت مہربان کا دست کرم ہمارے سروں پر تھا۔ اس لیے ہم بڑی کامیابی سے موت کے قریب سے کترا کر نکل گئے۔

دراصل وہ ایک سیاہ نوکیلی چٹان تھی جو سطح آب سے دس بارہ فٹ سے زیادہ بلند نہیں تھی اور اندھیرے کی بنا پر نظر نہیں آئی تھی۔ اچانک احسان کی نظر اس پر پڑی اور اس نے چلا کر آرتھر کو خبردار کیا۔ آرتھر نے بڑی پھرتی اور چابک دستی سے لانچ کا رخ موڑا۔ محض پندرہ گز کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ اگر احسان نے صرف چند سیکنڈ کی تاخیر سے اسے دیکھا ہوتا تو پھر لانچ کو بچانا ناممکن ہو جاتا۔ لانچ چٹان سے ٹکراتی اور اس کے پرخچے اڑ جاتے مگر چند سیکنڈ

کے وقفے نے ہماری جان بچالی تھی۔ آرتھر نے لانچ کا رخ موڑا اور چٹان کے قریب سے دائرہ بناتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔

لیکن موت ان چٹانوں میں موجود تھی اور وہ خالی ہاتھ واپس نہیں جانا چاہتی تھی۔ اس نے کچھ دیر بعد اپنا دامن بہرحال بھرلیا۔

کچھ آگے بڑھ کر چھوٹی بڑی کئی چٹانیں ملیں۔ بعض چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کی طرح تھیں اور بعض کا پھیلاؤ زیادہ تھا۔ وہ لمبی ساحلی پٹی بائیں جانب نظر آرہی تھی۔ وہاں سے قدرے فاصلے پر تھی۔ اس جگہ چٹانوں کی وجہ سے لہروں کا جوش وخروش کچھ زیادہ ہی تھا۔ لہریں جھاگ اڑاتی ہوئی آتیں اور چٹانوں سے ٹکرا کر بیس پچیس فٹ اوپر تک اچھل جاتیں۔ ہماری لانچ ڈگمگاتی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔ اس جگہ زیادہ رفتار خطرناک ثابت ہوسکتی تھی اس لیے آرتھر نے رفتار کم کردی اور بہت احتیاط و ہوشیاری سے لانچ کو ہینڈل کرتا رہا۔ اس نے دو چٹانوں کے درمیان سے لانچ گزاری۔ اور پھر اس کا رخ دائیں طرف موڑا۔ میں نے گھوم کر پیچھے دیکھا۔ تعاقب کرنے والی لانچ بدستور پیچھے موجود تھی اور سرچ لائٹ کا روشن دائرہ بھی ادھر ادھر چکرا رہا تھا۔ ہماری لانچ چکر کاٹتی ہوئی ایک چوڑی اور عمودی چٹان کے عقب میں پہنچی اور پھر چند منٹ بعد جب ہم اس چٹان سے آگے نکلے اور میں نے پھر گھوم کر پیچھے دیکھا۔ تب وہ لرزہ خیز واقعہ پیش آیا۔

میں نے دیکھا کہ مخالف لانچ پوری رفتار سے چلی آرہی ہے اردگرد چٹانوں کی موجودگی کے باوجود انہوں نے رفتار کم نہیں کی تھی اور یہی ان کی غلطی تھی۔ یکایک ایک بڑی موج آئی اور اس نے لانچ کو سطح آب سے کئی فٹ اوپر اٹھادیا۔ لانچ کا دھندلا دیوقامت ہیولہ مجھے صاف نظر آرہا تھا۔ لمحے بھر بعد وہ موج طوفانی رفتار سے نیچے اتری۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ لانچ بھی نیچے آئی اور یہی وہ لمحہ تھا' جب دفعتاً بجلی چمکی اور چند لمحوں کے لیے گردوپیش کو منور کرگئی۔ اس روشنی میں ہم سب نے دیکھا کہ وہ لانچ پوری رفتار سے ایک پست چٹان سے ٹکرائی۔ وہ چٹان سطح پر محض دو تین فٹ اوپر تھی اور شاید اسی بنا پر وہ اسے دیکھ نہیں سکے تھے یا ممکن ہے کہ پانی کے چڑھاؤ کی بنا پر وہ چٹان چھپی رہی ہو۔ خود ہم لوگوں کو وہ چٹان نظر نہیں آرہی تھی مگر تصادم اتنا شدید تھا کہ لانچ کے پرخچے اڑ گئے۔ ایک ایک تختہ اکھڑ کر فضا میں بکھر گیا۔ گو روشنی صرف چند سیکنڈ کے لیے ہوئی تھی مگر اس مختصر وقفے میں ہی میں نے کئی انسانوں کو ادھر ادھر اچھلتے ہوئے دیکھا۔ یقیناً وہ لوگ جی جان کی پوری قوت سے چلائے ہوں گے مگر ان کی آواز ہم تک نہیں پہنچ سکی۔ یہ قیامت لمحوں میں گزر گئی۔ پھر اندھیرا چھا گیا اور ہولناک سناٹا۔ جس میں بارش اور طوفان کا پراسرار شور گونج رہا تھا۔ اس جگہ جہاں لانچ تھی' اب کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ موت کو اپنی جھولی بھرنا تھی' سو اس نے بھرلی اور واپس چلی گئی۔ مگر ہمیشہ کے لیے نہیں' پلٹ کر پھر آنے کے لیے۔

بے مہر' بے حس اور بے مروت وقت کا کچھ حصہ اور گزر گیا۔ طوفان تھما تو نہیں لیکن اس کا زور ٹوٹ گیا۔ ہوا میں بڑی حد تک کمی آگئی اور سمندر کا غیض وغضب بھی کافی دھیما پڑ گیا۔ البتہ بارش بدستور ہو رہی تھی۔ پہلے ہی کی طرح تیز' ایسا لگتا تھا گویا کالے کالے بادل تاقیامت یوں ہی سر پر مسلط رہیں گے اور بارش اسی طرح ٹوٹ کر ہوتی رہے گی۔ وقت ہر چند کہ نامہرباں اور سنگدل تھا مگر خوش قسمتی بھی بہرحال ہم رکاب تھی اور ہماری

زندگیوں کی ڈور وقت کے ہاتھوں میں نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب لانچ کا پیٹرول ختم ہوا اور ساتھ ہی لانچ کی دیواروں میں شگاف پڑے تو ہم اس ساحلی پٹی کے قریب پہنچ چکے تھے۔ اس موقع پر احسان اور آرتھر نے بڑی پھرتی اور جی داری کا مظاہرہ کیا۔ اتنے طوفانی تھپیڑوں میں تیرنا آسان نہ تھا۔ مگر وہ دونوں کمر سے رسی باندھ کر سمندر میں کود گئے اور تقریباً پندرہ بیس گز کا فاصلہ طے کر کے ساحل پر جا پہنچے۔ لانچ آہستہ آہستہ ڈوب رہی تھی اور پانی تیزی سے اوپر آ رہا تھا لیکن ہمیں کسی خاص دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ رسی کا ایک سرا لانچ کے پول سے بندھا ہوا تھا۔ دوسرا احسان اور آرتھر نے تھام رکھا تھا۔ ہم اس کا سہارا لے کر باری باری ساحل پر پہنچ گئے اور پھر ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے لانچ سمندر کی تہ میں بیٹھ گئی۔

ساحل تحفظ کی علامت ہے اور ساحل پر قدم رکھنے کا مطلب یہ تھا کہ ہم سمندر کی قبر سے بچ گئے ہیں مگر اس کے باوجود میرا ذہن بدستور منتشر تھا۔ اعصاب کشیدہ تھے۔ ڈاکٹر نیفا کی لانچ کے پاش پاش ہونے کا منظر ابھی تک آنکھوں میں گھوم رہا تھا۔ یقین نہیں آتا تھا کہ وہ حادثہ واقعی ہوا تھا اور وہ لرزہ خیز منظر میں نے واقعی دیکھا تھا۔ بے شک وہ ہمیں قتل کرنا چاہتے تھے۔ دو چار، چھ یا آٹھ۔ البتہ یہ ضرور معلوم تھا کہ ان میں ڈاکٹر نیفا بھی شامل تھا کیونکہ ماؤتھ اسپیکر پر میں نے خود اس کی آواز سنی تھی۔

خالدہ بھی ملول تھی۔ اس کے ذہن پر بھی اس دہشت ناک منظر کا کافی اثر ہوا تھا لیکن اتنی دیر تک ہم نے ان جان بوجھ کر اس واقعے پر اظہار خیال نہیں کیا تھا۔ شاید یہ اپنے کشیدہ اعصاب کو سمیٹنے کی ایک لاشعوری کشش تھی۔ اس طرح ہم اپنے آپ کو بہلانا چاہتے تھے مگر زیادہ دیر تک زبان بند رکھنا بھی ناممکن تھا۔ آخر کار خالدہ نے مہر سکوت توڑ ہی ڈالی ''موزا! وہ سب لوگ یقیناً مر چکے ہوں گے'' اس نے کہا ''کتنی افسوس ناک بات ہے؟''

''ہاں'' میں نے آہستہ سے کہا ''کسی کے زندہ بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''ان میں ڈاکٹر نیفا بھی تھا۔''

''ہاں۔''

''مگر میرا خیال ہے کہ لارڈ رے اور مسٹر اینڈریوز اس لانچ میں نہیں تھے۔''

''ہاں۔''

''خدا جانے اس لانچ میں کتنے افراد تھے..... کون کون تھا؟''

''پانچ چھ افراد تو ضرور رہے ہوں گے'' میں نے کہا۔

خالدہ نے مزید کچھ کہنا چاہا مگر پھر خاموش ہو گئی۔ موت کا تذکرہ ہمیشہ باعث رنج ہوتا ہے۔ خواہ موت کسی کی بھی ہو۔ دوست کی یا دشمن کی، اپنے کی یا پرائے کی۔ بہر حال دکھ پہنچاتی ہے۔ چنانچہ ہم نے بھی مزید کوئی ذکر نہیں کیا۔ ساحل پر چپ چاپ کھڑے اس مقام کو گھورتے رہے جہاں ہماری لانچ ڈوبی تھی۔ پھر ہماری نظریں ادھر ادھر بھٹکنے لگیں۔ ہر طرف آسیبی ویرانی مسلط تھی۔ کہیں کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ہر طرف صرف اندھیرا تھا اور کچھ نہیں تھا۔ ڈاکٹر نیفا کی لانچ تو حادثے کا شکار ہو چکی تھی مگر کوئی دوسری لانچ کہیں دکھائی نہیں دیتی تھی۔ پتا نہیں لارڈ رے کی لانچ کہاں تھی۔ موٹر بوٹ کا بھی کہیں کوئی نشان نظر نہیں آتا تھا۔ شاید وہ لوگ بھٹک کر اور کسی طرف نکل گئے تھے۔

کچھ دیر بعد ہم سب نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور سب کی نظروں نے ایک دوسرے سے پوچھا ''اب کیا کریں؟''

احسان نے بولنے میں پہل کی' اس نے ہاتھ اٹھا کر پوچھا ''وہ چٹانیں کیسی ہیں؟''

آرتھر نے ان چٹانوں کی جانب دیکھا' جن کی طرف احسان نے اشارہ کیا تھا۔ وہ چٹانیں وہاں سے کافی فاصلے پر تھیں اور اندھیرے کے پیش نظر ہمیں دیوزاد عفریتوں کی طرح نظر آ رہی تھیں۔ آرتھر آنکھوں پر ہاتھ کا سائبان بنا کر انہیں گھورتا ہوا بولا ''یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ ممکن ہے وہ چٹانیں مین لینڈ کی ہوں' ممکن ہے کسی اور جزیرے کی ہوں' جا کر دیکھنا پڑے گا۔''

''تو پھر چلو۔''

''میرا خیال ہے آپ لوگ اس چٹان کے نیچے ٹھہریں'' آرتھر نے انگلی سے ایک قریبی چٹان کی جانب اشارہ کیا ''میں دیکھ کر آتا ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا تو راجو نے دفعتاً کہا ''چلو' میں بھی چلتا ہوں۔''

وہ ایک چھوٹی سی چٹان تھی جس کی طرف آرتھر نے اشارہ کیا تھا۔ اس کا ایک نوکیلا حصہ اس طرح آگے جھکا ہوا تھا کہ اچھا خاصا سائبان بن گیا تھا۔ بارش سے بچنے کے لیے وہ اچھی پناہ گاہ تھی۔ مجھے بہت سردی لگ رہی تھی' پورا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا اور ہاتھوں کی پوریں تقریباً بے جان سی ہو گئی تھیں۔ میں سائبان کے نیچے گھس کر اور سمٹ کر بیٹھ گئی۔ اتنا حوصلہ بھی نہیں تھا کہ بال نچوڑتی۔ اس کے علاوہ اب مجھے بھوک بھی لگنے لگی تھی۔ کچھ ٹھیک سے یاد نہیں تھا کہ میں نے کب سیر ہو کر کھانا کھایا تھا۔ مگر اتنا طے تھا کہ ان گنت گھنٹے گزر چکے تھے۔ میرے پیٹ میں بری طرح اینٹھن ہو رہی تھی اور ایسا لگ رہا تھا جیسے آنتیں ایک دوسرے کو کاٹ رہی ہیں۔ پیاس بھی بری طرح ستا رہی تھی۔ یہ بات بجائے خود بڑی مضحکہ خیز اور ستم انگیز تھی کہ ہمارے چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔ پھر بھی پیاسی تھی۔ مگر اس وقت سمندر کے اس ہولناک ویرانے میں' اس چھوٹے سے جزیرے پر بھوک اور سردی کا کوئی علاج نہیں تھا۔ البتہ بارش کے پانی سے پیاس بجھائی جا سکتی تھی۔ میں نے بائیں طرف ہاتھ بڑھایا۔ جہاں چٹان کی کگر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ میں نے چلو میں بوندیں جمع کیں اور انہیں پی لیا۔ خالدہ نے دفعتاً نرم لہجے میں محبت سے پوچھا۔

''کیا بہت پیاس لگی ہے؟''

''ہاں' اور بھوک بھی لگی ہے'' میں نے کہا ''ساتھ ہی سردی بھی لگ رہی ہے۔''

احسان نے بالوں سے پانی نچوڑتے ہوئے کہا ''بھوک اور سردی کے لیے تو کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ فی الحال آپ کو صبر ہی کرنا پڑے گا۔''

''وہ تو میں کر رہی ہوں۔'' میں نے دوسرے چلو کا پانی منہ میں انڈیلا ''مگر تم کچھ مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔''

''کیا بتاؤں؟''

''بہت سی باتیں ہیں'' میں نے کہا ''کئی سوالات ہیں جو مجھے دیر سے پریشان کر رہے ہیں۔ ابھی تک تو

ایسی صورت حال نہیں تھی کہ مجھے کچھ پوچھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ مگر اب تم میرے سوالوں کا جواب دو۔ میں حیران ہوں کہ تم آخر وائیونا تک کیسے پہنچ گئے؟''

''کیا آپ کو خالدہ نہیں بتایا تھا؟''

''بتایا تھا.....'' میں نے کہا ''مگر صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ حسن عبید نے تمہیں ہم لوگوں کے متعلق اطلاع دی تھی جبکہ میں یہ پوچھ رہی ہوں کہ تم وائیونا تک نہیں پہنچ سکتے تھے' ضرور کوئی ایسا آدمی تمہارے ساتھ تھا جو نہ صرف اس علاقے سے واقف ہے بلکہ سمندر میں کشتی رانی کا بھی تجربہ رکھتا ہے کیونکہ میرا خیال ہے کہ تم موٹر بوٹ لانچ وغیرہ چلانے میں مہارت نہیں رکھتے۔''

احسان دفعتاً ہنسنے لگا ''آپ نے ٹھیک کہا' مس کارگل! میں اکیلا یہ کام نہیں کر سکتا تھا۔ میرے ساتھ ایک آدمی تھا۔''

''کون تھا.....؟'' میں نے تجسس سے پوچھا ''اور وہ کہاں گیا؟''

''میرے ساتھ آرتھر تھا۔''

''آرتھر.....'' حیرت سے میری آواز لڑکھڑا گئی ''مگر وہ تو مسٹر اینڈریوز کا ملازم ہے اور وہ وائیونا ہی میں تھا۔ تم بھلا اسے کیا جانو؟''

''آرتھر مسٹر اینڈریوز کا نہیں بلکہ آنجہانی پیٹرک کارگل کا ملازم تھا'' احسان سنجیدہ ہو کر کہنے لگا ''اور وہ بے شک وائیونا میں رہتا تھا۔ مگر جب میری اس سے ملاقات ہوئی تو وہ اسکاٹ لینڈ کے اس ساحلی شہر میں تھا۔ جہاں سے لانچیں وغیرہ وائیونا تک آتی ہیں۔'' وہ لمحے بھر کے لیے رکا پھر کہنے لگا ''یہ ایک لمبی داستان ہے مگر میں مختصراً بتاتا ہوں۔ آپ کے علم میں یہ بات تو آ ہی چکی ہے کہ میں مسٹر اینڈریوز کے ایجنٹ کے طور پر برسوں سے کام کر رہا تھا اور بلاشبہ میں نے کئی ناجائز کاموں میں بھی ان کا ساتھ دیا تھا۔ مگر اس طرح کہ مجھے خود علم نہیں تھا۔ میں کوئی بہت اچھا آدمی نہیں ہوں اور بہت ممکن ہے کہ میں بعض ایسے کاموں میں جو اخلاقی لحاظ سے غلط ہوں۔ ان کا ساتھ دینے پر خود کو آمادہ کر لیتا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ محض مسٹر اینڈریوز کی وجہ سے لارڈ رے سے بھی تعاون کرتا لیکن اس کا انحصار اس پر تھا کہ وہ خالدہ کو یہاں نہ لائے ہوتے۔ میں اچھا آدمی نہیں ہوں لیکن ایک اچھا بھائی بننے کی کوشش میں نے ہمیشہ کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب مجھے اس بات کا علم ہوا کہ وہ خالدہ اور موئرا دونوں کو اسکاٹ لینڈ کے قریب ایک جزیرے پر لے گئے ہیں تو میں نے وفاداری کے جذبات کھرچ ڈالے اور فوراً اسکاٹ لینڈ کے لیے روانہ ہو گیا۔''

''مگر تم تو حسن عبید کو نہیں جانتے تھے'' میں نے جرح کی ''پھر وہ تمہیں کیسے ملا؟''

''یہ ایک اندھیرے کا تیر تھا جو نشانے پر بیٹھا'' احسان نے جواب دیا ''دراصل بات یہ ہے موئرا! کہ جب قدرت کرم فرما ہو تو سارے کام خود بخود بنتے چلے جاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہی میرے ساتھ ہوا۔ خدا مہربان تھا اس لیے میرا ہر قدم صحیح سمت میں اٹھا۔ میں آپ کو تفصیل سے بتاتا ہوں' جب میں قاہرہ پہنچا تو مسٹر اینڈریوز اس جگہ نہیں ٹھہرے تھے جہاں لارڈ رے کا قیام تھا۔ انہوں نے بتایا کہ خالدہ جلالی میں ہو گی یا اپنے گاؤں چلی گئی ہو گی۔ یہ بات میرے جی کو نہیں لگی۔ مگر میں خاموش رہا۔ مسٹر اینڈریوز نے لارڈ رے سے کوئی ذکر

نہیں کیا۔ نہ ہی آپ کے متعلق کوئی بات ان کی زبان پر آئی۔ میں کوئی دو تین دن قاہرہ میں ٹھہرا۔ اس دوران دو تین بار حسن عبید مسٹر اینڈ ریوز کے پاس آیا۔ اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ ہر بار تنہائی میں مسٹر اینڈ ریوز سے ملاقات کر کے چلا گیا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفا کے پیغام لاتا ہوگا.... پھر بھی میں جلالی اور وہاں سے اپنے گاؤں گیا مگر خالدہ نہیں ملی۔ پھر قاہرہ واپس آیا تو مسٹر اینڈ ریوز غائب ہو چکے تھے البتہ ان کا پیغام موجود تھا اور وہ یہ کہ میں قاہرہ ہی میں ٹھہروں اور انتظار کروں۔ یہ بات بڑی عجیب تھی۔ میری چھٹی حس کہنے لگی کہ ضرور کچھ گڑبڑ ہے۔ مسٹر اینڈ ریوز نے اس طرح کا رویہ کبھی اختیار نہیں کیا تھا۔ چنانچہ میں نے خالدہ کو تلاش کرنا شروع کیا۔ یہ تو میں طے کر چکا تھا کہ اگر خالدہ قاہرہ میں نہیں ملی تو اسکاٹ لینڈ جاؤں گا کیونکہ مسٹر اینڈ ریوز کا پتا تو مجھے بہرحال معلوم تھا مگر اس کی نوبت نہیں آئی۔ ایک دن راستہ چلتے حسن عبید مل گیا' میں اسے دھوکا دے کر ایک محفوظ مقام پر لے گیا اور اس سے لارڈ رے' مسٹر اینڈ ریوز اور خالدہ کے بارے میں پوچھا۔

پہلے تو اس نے انکار کیا کہ وہ ان ناموں سے واقف نہیں ہے مگر میں نے اسے یاد دلایا کہ وہ چند بار مسٹر اینڈ ریوز کے پاس آیا تھا پھر میں نے اس سے کہا کہ خالدہ میری ایک ہی بہن ہے اور میں اس کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ حتیٰ کہ حسن عبید کو قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کروں گا۔ ساتھ ہی میں نے اس کی خوشامد بھی کی۔ رقم کی پیش کش بھی کی اور خدا کا واسطہ بھی دیا۔ اب میں نہیں کہہ سکتا تھا کہ کس بات نے اسے زبان کھولنے پر آمادہ کیا۔ انتقام کے جذبے نے یا یہ کہ اس کے ضمیر میں انسانیت کی کوئی کرن جاگ اٹھی تھی۔ بہرحال اس نے مجھے سب کچھ بتا دیا۔ میں نے اسے کچھ رقم دی' جسے لے کر وہ فوراً ہی سوڈان چلا گیا۔

پھر میں فوراً اسکاٹ لینڈ آیا۔ چونکہ مجھے سب کچھ معلوم ہو چکا تھا اس لیے مسٹر اینڈ ریوز سے رابطہ قائم کرنے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا مگر مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ میں کیا کروں گا۔ اکیلا تھا اور انجان بھی۔ پہلے میں نے سوچا کہ پولیس کے پاس جاؤں یا کسی پرائیویٹ سراغ رساں کی خدمات حاصل کروں مگر یہ بات غیر مناسب اور خطرناک معلوم ہوئی۔ چنانچہ میں گلاسکو کے ٹورنگ آفس میں گیا اور وہاں سے وائیونا جزیرے کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ پھر میں اس ساحلی شہر میں آیا۔ میں نے سوچا تھا کہ ایک کشتی کرائے پر لے کر اکیلا ہی جزیرے پر جاؤں گا اور خدا کے بھروسے پر تن تنہا اس مسئلے سے نمٹنے کی کوشش کروں گا مگر پھر ایک اور اتفاق پیش آیا۔ میں تو یہ کہوں گا کہ یہ اتفاق بھی محض قدرت کے اشارۂ کرم کا نتیجہ تھا۔

ہوا یہ کہ میں نے ایک ہوٹل میں کمرا کرائے پر لیا اور پھر سہ پہر کے قریب ایک شاپ میں اس علاقے کا ایک نقشہ خریدنے کے لیے گیا۔ وہاں میں نے دکان کے مالک سے رواداری میں وائیونا کے بارے میں چند سوالات کیے۔ اتفاق سے آرتھر وہاں موجود تھا اور میری باتیں بڑے غور سے سن رہا تھا۔ جب میں باہر آیا تو یہ بھی میرے ساتھ لگ گیا۔ کچھ دیر بعد میں ایک ویران مقام پر پہنچا تو اس نے مجھے روک لیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے؟ اس پر اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں کون ہوں اور مسٹر اینڈ ریوز اور وائیونا کے بارے میں کیوں چھان بین کر رہا ہوں۔ میں نے اس سے کہا کہ جب تک وہ اپنے بارے میں نہیں بتائے گا' میں اس کے سوالوں کا جواب نہیں دوں گا۔ پھر میرے اصرار پر اس نے بتایا کہ اس کا نام آرتھر ہے' وہ مسٹر اینڈ ریوز کا

ملازم ہے اور وائیونا میں رہتا ہے اور یہ کہ گروسری لینے کے لیے شہر میں آیا ہے۔

میں آرتھر کو اپنے ہوٹل میں لے گیا اور اسے پوری کہانی بے کم و کاست سنادی۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ آرتھر مسٹر اینڈ ریوز کا نہیں بلکہ آنجہانی پیٹرک کارگل کا ملازم ہے' اس سے میرا مطلب یہ تھا کہ آرتھر بے شک مسٹر اینڈ ریوز کے لیے کام کرتا تھا' لیکن وہ آنجہانی کارگل کے زمانے کا ملازم ہے اور اس کے دل و دماغ پر آج بھی آنجہانی کارگل کا قبضہ ہے کیونکہ انہوں نے کسی زمانے میں آرتھر کی بڑی مدد کی تھی یہی وجہ ہے کہ جب میں نے اسے اس بھیانک راز سے آگاہ کیا کہ پیٹرک کارگل کو مسٹر اینڈ ریوز نے قتل کیا تھا اور یہ کہ موئرا نام کی جولڑکی اس وقت وائیونا میں قید ہے' وہ دراصل پیٹرک کارگل کی بیٹی ہے۔ تو وہ بہت حیران ہوا۔ لیکن اس نے بہرحال میری باتوں کو درخور اعتنا سمجھا۔ اس کی کئی وجوہات تھیں' ایک یہ جب یہ تمام لوگ مسٹر اینڈ ریوز سمیت وائیونا پہنچے تھے تو تمام پرانے ملازموں کو ان کی ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا تھا۔ ماسوائے چند ملازموں کے' جن میں آرتھر بھی شامل تھا کیونکہ یہ افراد پرانے خاندانی ملازم تھے اور بعض وجوہ سے مسٹر اینڈ ریوز انہیں برطرف نہیں کرنا چاہتے تھے مگر ان لوگوں کو وائیونا پر رہنے کی اجازت بھی نہیں دی۔ مسٹر اینڈ ریوز نے ان کا تبادلہ کر کے دوسرے شہروں میں بھیج دیا۔ البتہ آرتھر اور ایک دو دوسرے ملازم وائیونا پر ہی رہے اس کی وجہ مسٹر اینڈ ریوز کو ہی معلوم ہوگی۔ خود آرتھر کا خیال یہ ہے کہ وہ اس پر اعتماد کرتے تھے جبکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ محض قدرت کا کرم تھا۔ آرتھر نے مجھ سے کہا ''مسٹر! تمہاری باتوں کو ماننے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں ہے لیکن انہیں رد کرنے کا بھی کوئی جواز نظر نہیں آتا کیونکہ دونوں لڑکیاں نہ صرف وائیونا میں موجود ہیں بلکہ بالکل قیدیوں کی طرح رہ رہی ہیں' اس کے علاوہ لارڈ رے' ڈاکٹر نیفا اور مسٹر اینڈ ریوز کا رویہ بڑا غیر معمولی اور پراسرار ہے۔ انہوں نے مجھے اور دوسرے کئی افراد کو عمارت کے ایک حصے تک محدود کر دیا ہے۔ دوسرے حصوں میں جانے کی بالکل اجازت نہیں۔ وہاں وہ لوگ کیا کرتے ہیں' اس کا مجھے بالکل علم نہیں۔ بہرحال میں تمہاری مدد کروں گا کیونکہ موئرا اگر واقعی آنجہانی پیٹرک کارگل کی بیٹی ہے تو یہ میرا فرض ہو جاتا ہے کہ ان کے احسانوں کا بدلہ چکاؤں۔ ورنہ میرا ضمیر مجھے ہمیشہ ملامت کرتا رہے گا۔''

میں نے اس سے پوچھا کہ کیا اس نے مسٹر عالم کو بھی وائیونا پر دیکھا ہے۔ اس نے جواب دیا ''ہاں' میں نے ایک دو بار دیکھا ہے' وہ تو مجھے کوئی پاگل آدمی لگتا ہے۔''

احسان نے ذرا ٹھہر کر سانس لی اور سلسلۂ کلام پھر آگے بڑھایا ''اس کے بعد ہم نے سوچنا شروع کیا کہ ہمارا طریقۂ کار کیا ہونا چاہیے' ہم مسٹر اینڈ ریوز یا لارڈ رے سے ٹکرانا نہیں چاہتے تھے بلکہ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ تم دونوں کو چپکے سے نکال لائیں گے۔ کافی سر مغزی کے بعد آخر کار ہم نے ایک منصوبہ بنایا۔ مجھے یہ احساس تھا کہ ہمارے منصوبے میں کئی خامیاں تھیں۔ ہم یقیناً زیادہ بہتر منصوبہ بنا سکتے تھے مگر مجبوری یہ تھی کہ میں بڑا مضطرب تھا اور جذباتی ہو رہا تھا اور کسی حال میں بھی وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا یہی وجہ ہے کہ ہم نے ایک ناقص منصوبے پر عمل کیا۔ آرتھر نے مجھے بتایا کہ جزیرے پر محل کے اردگرد دو تین افراد رات بھر پہرا دیتے ہیں لیکن وہ شمالی ساحل کے علاوہ جو محل سے نزدیک ہے' دوسرے حصوں میں نہیں جاتے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ جنوبی ساحل پر کٹی پھٹی اور اونچی نیچی کئی چٹانیں ہیں جن کی آڑ میں لانچ کو بخوبی چھپایا جا سکتا ہے اور یہ کہ میں بھی وہاں چھپ سکتا ہوں۔

منصوبے کی تفصیلات کو آخری شکل دینے کے بعد ہم نے فوراً ہی عمل شروع کر دیا۔ آرتھر نے جزیرے پر فون کر کے اطلاع دے دی کہ لانچ میں خرابی ہو جانے کے سبب اسے واپسی میں تاخیر ہو جائے گی۔ پھر ہم نے ایک لانچ کرائے پر لی اور چند اشیا احتیاطاً خرید لیں۔ اس خیال سے کہ ممکن ہے ان کی ضرورت پڑ جائے مثلاً ٹارچیں' رسیاں' چاقو وغیرہ۔ پھر رات ہوتے ہی ہم روانہ ہو گئے۔ ہم نے کرائے والی لانچ ایک رسی کے ذریعے آرتھر کی لانچ سے باندھ دی تھی۔ ہمارا منصوبہ یہ تھا کہ رات کے اندھیرے میں ہم ساحل کے جنوبی حصے پر جائیں گے اور کرائے والی لانچ وہاں چھپا کر میں وہیں آرتھر کا انتظار کروں گا۔ آرتھر مجھے وہاں چھوڑ کر ایک طویل چکر کاٹتا ہوا شمالی ساحل پر جائے گا اور اس بات کا خصوصی اہتمام کرے گا کہ رات کی نگرانی پر مامور افراد ساحل پر آ کر خود ہی لانچ سے اپنا سامان اتاریں۔''

''کیوں.....؟'' یکا یک میں نے الجھ کر کہا ''آخر اتنی پیچیدگی کی کیا ضرورت تھی؟''

''ضرورت تھی'' احسان نے ایک بار پھر اپنی پنڈلی سہلائی۔ شاید گولی کا زخم اسے اب زیادہ تکلیف پہنچا رہا تھا ''اس طرح آرتھر یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ وہ لانچ پر تنہا ہی واپس آیا ہے۔ نگرانی کرنے والے افراد خود دیکھیں گے کہ لانچ پر اس کے سوا کوئی نہیں تھا۔ یہ احتیاطی طریقہ ہم نے صرف اس لیے اختیار کیا تھا تاکہ اگر کوئی بات توقع کے برعکس ہو تو کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ آرتھر مجھ سے ملا ہوا ہے اور بعد ازاں ہمارا یہ احتیاطی اقدام بہت نتیجہ خیز ثابت ہوا۔'' احسان نے ذرا رک کر سانس لی ''خیر تو ہم نے پورے منصوبے پر بخوبی عمل کیا لیکن ایک بات بہر حال خلاف توقع وقوع پذیر ہوئی۔ دراصل ہم لوگ رات کے دوسرے پہر میں جزیرے پر پہنچ جانا چاہتے تھے مگر موسم کی خرابی کے باعث تاخیر ہو گئی۔ جب ہم جزیرے پر پہنچے تو تیسرا پہر تھا۔ آرتھر نے مجھے جنوبی ساحل پر چھوڑا اور خود ایک لمبا چکر کاٹتا ہوا شمالی ساحل پر چلا گیا۔ آرتھر نے مجھے بتایا کہ محل بہت بڑا ہے اور اس میں ان گنت راہداریاں ہیں۔ دو تین عقبی دروازے بھی ہیں جو جنوبی سمت میں کھلتے ہیں۔ اس نے کہا تھا کہ وہ دونوں لڑکیوں کو چپکے سے عقبی دروازے سے نکال کر ساحل پر لے آئے گا اور پھر ہم سب لانچ پر فوراً ہی فرار ہو جائیں گے مگر شومئی قسمت کہ ایسا نہیں ہوا۔ آرتھر نے مجھے بتایا کہ اسے اس راہداری کے داخلی دروازے کی چابی نہیں مل سکی تھی۔ جس میں تم دونوں کا کمرا تھا۔ رات میں اس دروازے کو مقفل کر دیا جاتا تھا۔ اس بنا پر آرتھر کو دیر ہوئی۔ حتیٰ کہ صبح کا اجالا پھیلنے لگا اور پھر ایک غلطی مجھ سے ہوئی۔''

''تم اپنی کمین گاہ سے نکل آئے ہو گے؟'' خالدہ نے کہا۔

''ہاں'' احسان نے سر ہلایا ''اور یہ محض اتفاق ہی تھا کہ اسی وقت نہ جانے کیوں وہ پہرے دار بھی اس طرف آ گئے اور انہوں نے مجھے دیکھ لیا۔ اب کوئی راستہ نہ تھا میرے لیے بچاؤ کی کوئی صورت نہ تھی۔ میرا بھاگنا بھی محض ایک اضطراری عمل تھا۔ ورنہ مجھے معلوم تھا کہ بھاگ کر میں کہیں بھی نہیں جا سکتا تھا۔ بہر حال میں نے بغیر سوچے سمجھے شمالی حصے کی طرف اندھا دھند بھاگنا شروع کر دیا۔ وہ لوگ تعاقب کر رہے تھے پھر کچھ اور لوگ آ گئے اور انہوں نے مجھ پر فائرنگ شروع کر دی۔''

میں نے زور سے سانس لی ''ہم نے یہ سب کچھ اپنے کمرے کے دریچے سے دیکھا تھا مگر اس کے بعد کیا ہوا؟''

''وہ لوگ مجھ سے پوچھتے رہے کہ میرے ساتھ کون ہے؟ میں اس پر اصرار کرتا رہا کہ میں اکیلا ہی آیا ہوں۔ میرے ساتھ کوئی نہیں ہے۔ شکر ہے کہ انہیں آرتھر پر کوئی شبہ نہیں ہوا۔ اس کے بعد وہ مجھے لارڈرے کے سامنے لے گئے۔ ہال میں جو کچھ ہوا' وہ تم نے دیکھا اور سنا تھا' وہاں سے وہ مجھے ایک کمرے میں لے گئے۔ میرے زخم کی ڈریسنگ کی اور پھر کمرا بند کر کے چلے گئے۔

دروازہ بند ہوا تو اندھیرا پھیل گیا۔ مایوسی اور ناامیدی کا اندھیرا۔ کسی خوش فہمی کی مطلق گنجائش نہیں تھی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ میری زندگی کے دن پورے ہو گئے۔ مسٹر اینڈریوز مجھے کسی حال میں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجھے موت کا ڈر نہیں تھا۔ زندگی کے ختم ہونے کا افسوس بھی نہیں تھا۔ رنج تھا تو صرف اس بات کا کہ میری جدوجہد رائیگاں چلی گئی۔ میری حالت اس آدمی کی سی تھی جس کی انگلیاں ٹھیک اسی وقت کاٹ دی گئی ہوں جب وہ لب بام تک پہنچ گیا ہو۔ میں رنج و مایوسی کے اندھیرے میں ڈوبا ہوا بیٹھا تھا کہ ایک ہلکی سی آواز نے مجھے مخاطب کیا۔ یہ آواز آرتھر کی تھی' دراصل میرے کمرے سے متصل ایک چھوٹا اسٹور روم تھا اور دونوں کمروں کی ملحقہ دیوار میں ایک روشن دان تھا جس میں جالی لگی ہوئی تھی۔ آرتھر اسی روشن دان سے مجھے مخاطب کر رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے' جواب میں اس نے بتایا کہ 'لارڈرے تم تینوں کو آج شام قتل کرنے کا منصوبہ بنا چکا ہے۔

دراصل پہلے ان کا پروگرام کچھ اور تھا مگر حالات میں تبدیلی کے باعث انہوں نے اپنے منصوبے کو فوری طور پر عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کیا۔ محل میں جو غیر متعلق افراد تھے' انہیں فوری طور پر اسکاٹ لینڈ بھیج دیا گیا۔ وہ لوگ محل میں موجود ہونے کے باوجود کچھ نہیں جانتے تھے کیونکہ محل میں ان کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ وہ لوگ ایک خاص حصے تک محدود رہتے تھے جبکہ آرتھر کا معاملہ برعکس تھا' وہ کچھ باتوں سے واقف ہو گیا تھا۔ اس لیے اسے اسکاٹ لینڈ نہیں بھیجا گیا۔ البتہ یہ تاکید ضرور کی گئی کہ وہ جو کچھ دیکھے اور سنے' اسے ہمیشہ کے لیے بھول جائے۔ آرتھر نے وعدہ کیا کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔ اس کے بعد وہ میرے پاس آیا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ کوئی خاص خبر نہیں لایا ہے۔ مجھے تو پہلے ہی یقین تھا کہ میرا وقت پورا ہو چکا ہے۔

اس پر آرتھر کہنے لگا کہ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ ابھی امید کی ایک کرن بہرحال روشن ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اس نے چھپ کر لارڈرے اور ڈاکٹر نیفاوغیرہ کی باتیں سن لی ہیں اور یہ کہ اسے یہ علم ہو چکا ہے کہ وہ لوگ ہمیں کس طرح ہلاک کریں گے پھر اس نے کہا کہ وہ ایک منصوبے کو آخری شکل دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں نے استفسار کیا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے اور یہ کہ مجھے کیا کرنا ہوگا؟ جواب میں اس نے کہا کہ میں آنکھیں کھلی رکھوں اور انتظار کروں پھر وہ چلا گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے جو کچھ کہا' اس کی تفصیلات آرتھر ہی بتا سکے گا۔ مجھے کچھ بھی علم نہیں تھا کہ جب دھوئیں کے بم کے دھماکے ہوئے ہیں' تب بھی مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ کیا ہو رہا ہے؟ مگر جب راجو نے جولیانا کو آگ میں پھینکا اور ہم لوگوں سے بھاگنے کے لیے کہا تب کچھ کچھ میری سمجھ میں آیا۔ میرا اندازہ ہے کہ آرتھر راجو کے پاس گیا ہوگا اور اس نے راجو سے کہا ہوگا کہ وہ لانچ کا انجن اسٹارٹ رکھے گا اور دھوئیں کے بم پھینکے گا۔ جس کے نتیجے میں افراتفری پیدا ہوگی اور راجو اس افراتفری کا فائدہ اٹھا کر ہم سب کو لے کر لانچ پر پہنچ جائے گا اور اس کے سوا اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی۔''

''مگر راجو تو پاگل ہے.....'' میں نے اعتراض کیا ''اس نے بھلا آرتھر کی بات کیوں کر سمجھی ہوگی اور پھر اس پر عمل کرنے کی حامی بھی بھر لی ہوگی۔''

''کیا کہا جا سکتا ہے'' احسان نے کہا ''اس کا جواب تو راجو ہی دے سکتا ہے۔''

''ٹھیک ہے'' میں نے گردن جھکا کر باہر جھانکتے ہوئے دل ہی دل میں سوچا۔ اس بات کا جواب راجو ہی دے سکتا ہے کہ اس کا ذہنی توازن نارمل ہو گیا ہے یا نہیں اور نہ صرف یہ بلکہ اسے اس سوال کا جواب بھی دینا ہوگا کہ اس نے جولیانا کو آگ میں جلا کر کیوں ہلاک کیا۔ بے شک راجو بہت مظلوم ہے' اس نے بڑے دکھ اٹھائے ہیں۔ بہت ستم سہے ہیں مگر اسے جولیانا کو ایسے وحشیانہ انداز میں مار ڈالنے کا کوئی حق نہیں۔ اگر اس کے پاس کوئی معقول جواز ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے پولیس اور قانون کو مطمئن کرنا پڑے گا۔ یہ میرا فرض ہے کہ اگر میں بچ کر اسکاٹ لینڈ پہنچ جاؤں تو پولیس کو ضرور اطلاع دوں اور میں ایسا ضرور کروں گی۔ مجھے راجو پر تھوڑا سا ترس آیا۔ مجھے اس سے ہمدردی تھی۔ شاید میرے دل میں اس کے لیے کوئی نرم گوشہ بھی تھا مگر اس کے باوصف میں اسے معاف کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔

احسان چپ چاپ بیٹھا تھا اور ہولے ہولے اپنی پنڈلی سہلا رہا تھا۔ میں نے یکا یک پوچھا۔

''کیا زیادہ تکلیف ہو رہی ہے احسان!''

''ہاں'' اندھیرے میں اس کے دانت چمکے ''مگر فکر نہ کرو' اتنی تکلیف تو میں بہر حال برداشت کر سکتا ہوں۔''

خالدہ نے یکا یک ہاتھ بڑھائے اور دھیرے دھیرے احسان کے شانے دبانے لگی۔ میں اندھیرے میں چمکتی ہوئی خالدہ کی آنکھوں میں محبت اور ممتا کی روشنی صاف دیکھ سکتی تھی۔

ایک بار پھر سفر شروع ہوا۔ صرف' اندیشوں' امید اور نا امیدی میں گھرا ہوا سفر۔ ہم سب کچھ اس طرح قدم بہ قدم آگے بڑھ رہے تھے۔ جیسے ہم انسان نہ ہوں' میکانکی کھلونے ہوں اور ہمیں چابی بھر کر چھوڑ دیا گیا ہو۔ بارش بدستور ہو رہی تھی' اندھیرا بدستور مسلط تھا اور سمندری لہروں کا آسیبی شور بدستور فضا میں گونج رہا تھا مگر بارش اب نسبتاً کم ہو گئی تھی۔ بہت دور افق میں آسمان صاف تھا اور ہر چند کہ سورج ڈوب چکا تھا مگر اس کی معدوم ہوتی ہوئی روشنی کی چمک افق پر موجود تھی اور اس بنا پر ہمارے اردگرد بھی خفیف سا اجالا پھیلا ہوا تھا۔ ہم اس برائے نام اجالے میں اپنے گردوپیش کا جائزہ لے سکتے تھے۔ دور و نزدیک پھیلی ہوئی چٹانوں کے ہیولے دیکھ سکتے تھے اور اپنے راستے پر نظر رکھ سکتے تھے لیکن گردوپیش میں..... ماسوائے اک عالم ہو کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ ڈاکٹر نیفا کی لانچ تباہ ہو کر ڈوب چکی تھی اور یہ تقریباً طے تھا کہ اس میں جتنے افراد بھی رہے ہوں گے' سب کے سب ہلاک ہو چکے ہوں گے۔ مگر دوسری لانچ اور موٹر بوٹ کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ پتا نہیں وہ لوگ کدھر نکل گئے تھے؟ یہ تو ناممکن تھا کہ واپس چلے گئے ہوں' اسی طرح میرا دل یہ ماننے کے لیے بھی تیار نہیں تھا کہ لارڈ رے مایوس ہو کر انجام کار ہمارا پیچھا چھوڑ دے گا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ لوگ ابھی تک ہماری تلاش میں سرگرداں ہوں گے اور جلد یا بدیر لارڈ رے سے سامنا ضرور ہوگا۔ یہ میرا احساس تھا اگرچہ میرے پاس اس کا کوئی قطعی استدلال نہیں تھا۔

یکا یک خالدہ نے کہا ''وہ کیا ہے؟''

میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ دائیں جانب چند فرلانگ کے فاصلے پر سطح سمندر سے کوئی سوسوا سو گز کی بلندی پر ایک شعلہ روشن تھا اور بارش کے باوجود دھڑا دھڑ جل رہا تھا' میں نے مسکرا کر کہا ''وہ آئل رگ ہے۔''

''اوہ ہاں۔'' خالدہ نے مطمئن ہو کر سر ہلایا ''میں نے اخباروں میں پڑھا تھا۔ کچھ لوگوں نے شمالی سمندر میں تیل تلاش کر لیا ہے۔''

''ٹھیک کہتی ہو'' میں نے کہا ''شمالی سمندر میں ایسے آئل پلیٹ فارم کافی تعداد میں ہیں اور آگے جا کر شٹ لینڈ آئی لینڈ ہے۔ وہاں بھی آئل پلیٹ فارم ہے۔ اس کے علاوہ ایڈنبرا کی طرف بھی تین چار جگہ تیل دریافت ہوا ہے۔''

خالدہ پلیٹ فارم کے دھندلے خاکے کو گھورتے ہوئے بولی ''کیا ان پلیٹ فارموں پر کام کرنے والے لوگ ہر وقت وہیں پر رہتے ہیں؟''

''ہاں'' میں نے جواب دیا ''وہاں انہیں مستقلاً رہنا پڑتا ہے۔ یہ پلیٹ فارم بہت بڑے ہوتے ہیں اور ان پر ملازمین کی تفریح کے لیے سبھی کچھ ہوتا ہے۔ سنیما' شراب خانہ' سوئمنگ پول اور کینٹین وغیرہ وغیرہ۔ ملازمین صرف چھٹیوں میں اپنے گھر جاتے ہیں۔''

''کاش' ہم اس آئل پلیٹ فارم پر پہنچ سکتے'' خالدہ یکایک بولی۔ اس کے لہجے میں بڑی حسرت تھی۔

''مگر ہم نہیں پہنچ سکتے'' میں نے پلیٹ فارم کے آہنی ستونوں کے گھورتے ہوئے کہا اور اپنے لہجے کی حسرت کو چھپانے کی کوشش نہیں کی ''پلیٹ فارم بہت دور ہے اور ہماری لانچ ڈوب چکی ہے۔''

خالدہ آہستہ سے بولی ''ہاں' ہماری لانچ ڈوب چکی ہے۔''

یہ جزیرہ جس پر ہم لوگ سفر کر رہے تھے' زیادہ بڑی نہیں تھا' آرتھر اور راجو نے واپس آ کر بتایا تھا کہ جزیرہ چھوٹا ہے اور اس کی بناوٹ کسی حد تک انسانی ہاتھ سے مشابہ ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس ہاتھ کی تین انگلیاں ہیں۔ آرتھر نے یہ بھی بتایا کہ جن چٹانوں کو ہم نے دیکھا تھا وہ جزیرے سے زیادہ دور نہیں تھیں۔ درمیان میں صرف چالیس پچاس گز کا سمندر حائل ہے مگر یہ طے کرنا مشکل ہے کہ وہ چٹانیں مین لینڈ سے تعلق رکھتی ہیں یا کسی اور جزیرے کا حصہ ہیں' بہتر یہی تھا کہ ان چٹانوں پر پہنچا جائے' ممکن ہے وہ کوئی بڑا جزیرہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ وہاں کچھ لوگ آباد ہوں اس صورت میں ہمیں مناسب مدد مل سکتی ہے۔''

جزیرہ واقعی زیادہ بڑا نہیں تھا۔ بارش اور سردی میں ٹھٹھرتے اور کانپتے ہوئے ہم کچھ ہی دیر میں کنارے پر جا پہنچے۔ آرتھر نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ جزیرہ انسانی ہاتھ سے مشابہ تھا۔ اور ہم جس کنارے پر کھڑے تھے' وہ بڑی انگلی کا کنارہ تھا۔ وہاں سے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر سیاہ چٹانیں عفریتوں کی طرح کھڑی تھیں۔ درمیان میں سمندر حائل تھا اور اس درمیانی حصے میں جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی نوکیلی چٹانیں ابھری ہوئی تھیں۔ سمندر کی لہریں دیوانہ وار ان چٹانوں سے ٹکرا رہی تھیں اور سفید بوندوں کی بوچھار اڑا رہی تھیں۔ ہم چند منٹ تک محویت سے ان لہروں کو دیکھتے رہے پھر آرتھر نے کہا۔

''ہمیں ان بڑی چٹانوں تک پہنچنا ہے۔''

''مگر یہ ایک خطرناک قدم ہوگا'' یکایک خالدہ نے کہا ''تم لہروں کا جوش و خروش دیکھ رہے ہو۔ اتنے تیز

بہاؤ کے خلاف تیرنا آسان نہیں ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں" آرتھر کا لہجہ نرم اور شائستہ تھا "مگر اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے۔ ہم یہاں تو نہیں ٹھہر سکتے۔"

میں نے گردن موڑ کر راجو کو دیکھا۔ وہ ہم سب سے الگ تھلگ چپ چاپ ایک طرف کھڑا تھا۔ سارس کی طرح' گردن اونچی کیے۔ اندھیرے میں اس کے چہرے کے تاثرات دیکھنا تو مشکل تھا لیکن انداز سے یہ ضرور ظاہر تھا کہ وہاں ہوتے ہوئے بھی نہیں ہے۔ سامنے والی بلند چٹانوں کو اس طرح گھور رہا تھا جیسے ان کے دوسری طرف دیکھ رہا ہو۔ جب آرتھر نے شانہ چھو کر اسے مخاطب کیا تو یوں چونک پڑا گویا نیند سے جاگ گیا ہو۔ بے دھیانی کے انداز میں جلدی سے کہنے لگا "ہاں' ہاں۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔"

احسان نے یکا یک اعلان کیا کہ سب سے پہلے وہ جائے گا لیکن اس کی کسی نے نہیں سنی۔ اس کی ٹانگ زخمی تھی اور وہ سارے راستے لنگڑا کر چلتا رہا تھا۔ اس حالت میں اس کے لیے بہت مشکل تھا کہ طوفانی موجوں سے نبرد آزما ہوتا۔ آخر کار آرتھر نے کہا کہ اس میں کسی بحث و تمحیص کی گنجائش نہیں ہے۔ وہ سب سے بہتر پوزیشن میں ہے لہٰذا وہ جائے گا۔ ہمارے پاس فاضل رسیاں موجود تھیں۔ آرتھر نے ایک رسی کا سرا اپنی کمر میں باندھ لیا۔ پھر وہ میرے پاس آیا اور میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا۔

"مس موئرا! آپ کے والد بہت اچھے آدمی تھے۔ ویسے یہ ممکن ہے کہ ان میں چند کمزوریاں رہی ہوں لیکن یہ کوئی خاص بات نہیں ہے کیونکہ کمزوریاں بہر حال انسانی فطرت کا جزو لازم ہیں۔ کوئی بھی انسان خامیوں سے مبرا نہیں مگر مجموعی طور پر آپ کے والد بہت اعلیٰ درجے کے انسان تھے۔ انہوں نے مجھ پر کئی احسانات کیے ہیں اور آپ کو تعجب ہوگا' انہوں نے ہمیشہ مجھے شکریہ ادا کرنے سے منع کیا تھا۔ مگر آج میں عملی طور پر ان کا شکریہ ادا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

اتنا کہہ کر اس نے میرے شانے پر محبت سے تھپکی دی اور پھر سمندر میں اتر گیا۔

سمندر کا وہ چھوٹا سا ٹکڑا عبور کرنا میری توقع سے کہیں زیادہ دشوار اور خطرناک ثابت ہوا۔ ہر چند کہ آرتھر بہت اچھا پیراک تھا مگر طوفانی موجوں کے سامنے توازن برقرار رکھنا اس کے لیے تقریباً ناممکن تھا۔ وہ چند فٹ کا فاصلہ طے کرتا اور پھر سمندر کا طوفانی دھارا اسے مخالف سمت میں کئی گز تک بہا لے جاتا۔ اگر ہم نے رسی کو مضبوطی سے تھام نہ رکھا ہوتا تو آرتھر بلاشبہ لہروں کے ساتھ بہ جاتا لیکن وہ رسی اس وقت گویا زندگی کی ڈور بن گئی تھی اور اس نے موت کا راستہ روک لیا تھا۔ سمندر میں جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی چٹانیں ابھری ہوئی تھیں۔ وہ بھی بہت مدد گار ثابت ہوئیں۔ جب آرتھر کا توازن بگڑتا اور لہریں اسے بہا تیں تو وہ فوراً ہی کسی چٹان کا سہارا لے لیتا۔ رفتہ رفتہ وہ آگے بڑھتا گیا حتیٰ کہ کچھ دیر بعد اندھیرے میں گم ہو گیا کبھی کبھی اس کا دھندلا سا ہیولا نظر آتا اور پھر غائب ہو جاتا۔ اب اس کے اور ہمارے درمیان صرف رسی کے ذریعے رابطہ قائم تھا۔ جب بھی رسی کو تین ہلکے ہلکے جھٹکے لگتے ہم ایک دو فٹ رسی ڈھیلی چھوڑ دیتے۔ وہ لمحے بہت بھاری تھے بڑے جاں گسل تھے۔ اور ان میں آبدار تلواروں کی کاٹ تھی مجھے نہیں معلوم کہ اس مختصر سے عرصے میں' جب آرتھر طوفانی سمندر کی غضب ناک لہروں سے برسر پیکار تھا۔ میں کتنی بار مری' کتنی بار زندہ ہوئی۔ کتنی بار میری سانسیں رکیں اور کتنی بار اعصاب کی

طنابیں ٹوٹیں۔ایک ایک لمحہ میرے دل و دماغ پر زہر کہ بوند بن کر گر رہا تھا۔کبھی کبھی تو نا امیدی کا شکنجہ چاروں طرف سے بری طرح جکڑ لیتا۔بے کار ہے' ہر جدوجہد محض بے کار ہے اور ہر امید محض سراب ہے۔آخر کار سمندر اسے نگل جائے گا۔پھر موت ہماری طرف بڑھے گی اور ہماری سانسوں کی ڈور بھی کاٹ ڈالے گی۔

مگر اس وقت جب رسی کو پانچ جھٹکے لگے تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مجھے صلیب پر سے اتار لیا گیا ہو۔

پانچ جھٹکوں کا مطلب یہ تھا کہ آرتھر بخیریت دوسرے ساحل پر پہنچ گیا ہے پھر تین چار منٹ کے بعد بہت دور اندھیرے میں ٹارچ کا چھوٹا سا روشن دائرہ چمکتا نظر آیا۔ہم نے ٹارچیں پلاسٹک کی تھیلی میں رکھی ہوئی تھیں اس لیے ان کے بھیگ کر خراب ہونے کا احتمال نہیں تھا۔تاریکی کے دبیز پردوں کے اس پار آرتھر کی ٹارچ جگنو کے مانند چمکی تو گویا ہر سو اجالا پھیل گیا۔کم از کم مجھے یہی محسوس ہوا جیسے گرد و پیش کی ہر شے روشن ہو گئی ہو۔امید کی روشنی بہر حال بڑی شے ہے اور جب تک شمع امید روشن ہو تب تک اندھیرے آپ کو صرف ڈرا سکتے ہیں' فنا نہیں کر سکتے۔میں نے دفعتاً خالدہ کا شانہ پکڑ کر زور زور سے ہلاتے ہوئے پر جوش لہجے میں کہا ''خالدہ' دیکھو! وہ ٹارچ کی روشنی دیکھو' آرتھر دوسری طرف پہنچ گیا ہے۔''

''ہاں'' وہ اونچی آواز میں بولی ''میں دیکھ رہی ہوں۔''

اس اثنا میں احسان نے بھی ٹارچ نکال لی تھی۔اس نے اپنی ٹارچ تین بار چمکا کر آرتھر کو اشارہ دیا کہ اس کا پیغام موصول ہو چکا ہے۔پھر وہ میری جانب گھوما ''اب ہم سب کو باری باری دوسری طرف جانا ہے۔'' اس نے لمحہ بھر توقف کیا ''مگر یہ آسان بات نہیں ہے بہت احتیاط اور ہمت کی ضرورت ہے ذرا سی غلطی ہمیں موت کے منہ میں دھکیل سکتی ہے چنانچہ ایک بات تم لوگ یاد رکھو اور وہ یہ کہ رسی پر اپنی گرفت کسی بھی حال میں ڈھیلی نہ پڑنے دینا۔اور نہ عجلت سے کام لینا۔ہمیں دوسری طرف پہنچنے میں خواہ کئی گھنٹے لگ جائیں مگر بہت اطمینان سے اور دھیرے دھیرے فاصلہ طے کرنا سمجھ گئیں نا۔''

ہم دونوں کے پاس اثبات میں گردن ہلانے کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔

پھر احسان نے ایک نوکیلی چٹان تلاش کی اور رسی کا سرا اس میں باندھ دیا۔دوسری طرف آرتھر نے بھی یہی عمل کیا تھا۔اس کے بعد ایک بار پھر مرنے جینے کا عمل شروع ہوا۔ایک پل موت تھا تو دوسرا پل زندگی۔ایک لمحہ قطرۂ زہر تھا تو دوسرا لمحہ آب حیات اور میں موت و حیات کے درمیانی خلا میں لٹکی ہوئی تھی اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے رسی تھامے ہوئے تھی۔جو ہولے ہولے لرز رہی تھی۔کبھی کبھی اس میں ہلکے ہلکے جھٹکے لگتے اور کبھی وہ ساکت ہو جاتی اور جب وہ ساکت ہو جاتی تو گویا میرا دم گھٹ جاتا۔پچھلا کچھ عرصہ ہم دونوں نے کچھ اس طرح ایک ساتھ گزارا تھا کہ اجنبیت کا فرق برائے نام بھی نہیں رہا تھا۔خالدہ مجھے رگ جاں سے بھی قریب محسوس ہوتی تھی۔اس کا دکھ مجھے اپنا لگتا تھا یہی وجہ ہے کہ جب رسی کو جھٹکے لگتے تو میرا جی ہولنے لگتا۔وسوسے دل میں سر ابھارنے لگے تھے' کہیں رسی اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹ گئی ہو' کہیں وہ کسی زیر آب چٹان سے نہ ٹکرا گئی ہو۔وہ سب سے پہلے گئی تھی' کچھ دیر تک تو اس کے سر اور کاندھے کا دھندلا ہیولا نظر آتا رہا تھا۔پھر وہ اندھیرے میں گم ہو گئی تھی۔اب صرف رسی کی جنبش کا سہارا رہ گیا تھا۔ہولے ہولے لرزتے ہوئی رسی اس بات کا اعلان کر رہی تھی کہ خالدہ بخیریت ہے اور بتدریج فاصلہ طے کر رہی ہے۔لمحے رینگ رینگ کر گزر رہے تھے گرد و پیش میں

بدستور ہولناک ویرانی محیط تھی اور تاریکی کی اتنی دبیز چادر تنی تھی کہ نگاہ کام نہیں کرتی تھی۔ بارش جو کچھ دیر پہلے ہلکی پڑ گئی تھی' اب پھر رفتہ رفتہ تیز ہونے لگی تھی۔ میں نے اپنے تھرتھراتے ہوئے جسم کے ساتھ گھوم کر ادھر ادھر دیکھا۔ کہیں بھی ایسے آثار نہیں تھے' جن سے پتا چلتا کہ لارڈرے کی لانچ کہیں آس پاس موجود ہے۔ شاید وہ لوگ واقعی کسی اور سمت میں نکل گئے تھے مگر اتنا طے تھا کہ واپس نہیں گئے ہوں گے۔ بدستور ہماری تلاش میں سرگرداں ہوں گے اور یہ ناممکن نہیں تھا کہ کسی بھی جگہ' کسی بھی وقت ایک بار پھر ان لوگوں سے سامنا ہو جائے کیونکہ کھیل ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ نفرت' دشمنی اور انتقام کا کھیل ابھی جاری تھا۔ اور نہ وہ ہارے تھے' نہ ہماری جیت ہوئی تھی۔ اور یہ کہنا ابھی بہت قبل از وقت تھا کہ جیت کس کی ہوگی؟ ممکن ہے لارڈرے جیت جائے' ممکن ہے فتح ہمارے نصیب میں ہو۔ میں نے گردن ایک بار پھر موڑی اور راجو کو دیکھا۔ وہ چپ چاپ کھڑا تھا اور تاریک سمندر کو مسلسل گھورے جا رہا تھا۔ اتنی دیر میں اس نے بہت کم باتیں کی تھیں۔ خاموش اور گم صم سا رہا تھا' اس کے رویے سے صاف پتا چلتا تھا کہ کسی کشمکش' کسی الجھن میں مسلسل گرفتار ہے۔ یہ الجھن کیسی تھی؟ اس کا اندازہ کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ اسی طرح یہ طے کرنا بھی مشکل تھا کہ اس کا ذہنی توازن بحال ہو گیا ہے۔ کچھ باتیں کسی کسی وقت اس نے ہوش مندوں کی سی کی تھیں لیکن بعض حرکتیں ایسی بھی کی تھیں جن سے اس کے دماغی خلل کا اظہار ہوتا تھا۔ میں نے چند لمحے اسے دیکھا' پھر میری توجہ رسی کی جانب مبذول ہو گئی۔

آخر کار وہ جاں گسل لمحے تمام ہوئے۔ خالدہ نے ہر چند کہ زیادہ وقت لیا تاہم وہ بخیریت دوسری طرف پہنچ گئی۔ اندھیرے میں مستور دوسرے ساحل پر تین بار روشنی چمکی جو اس بات کا اشارہ تھا کہ خالدہ وہاں پہنچ گئی ہے۔ اب میری باری تھی۔ میں نے دھڑکتے دل سے رسی مضبوطی سے پکڑی' باری باری احسان اور راجو کی جانب دیکھا اور پانی میں اتر گئی۔ گو کہ رسی کو ممکنہ حد تک کھینچ کر باندھا گیا تھا۔ اس کے باوجود کئی جگہ پر رسی سطح آب سے نیچے تھی اور مجھے اپنا چہرہ پانی سے اوپر رکھنے کے لیے بڑی جدوجہد کرنی پڑ رہی تھی۔ سردی کے باعث میرا پورا جسم کانپ رہا تھا۔ ہاتھ منجمد ہو رہے تھے اور رسی پر میری گرفت بار بار ڈھیلی پڑ رہی تھی۔ نہ صرف یہی بلکہ لہروں کا زور اتنا زیادہ تھا کہ میرے لیے اپنے آپ کو سنبھالنا بے حد دشوار ہو رہا تھا مگر زندگی بڑی عجیب شے ہے' زندگی بچانے کی خواہش ہر مصیبت پر غالب آ جاتی ہے۔ رگوں میں توانائی اور جسم میں نامعلوم قوت پیدا کر دیتی ہے۔ میرے ذہن و احساس پر زندگی بچانے کی خواہش ایک سحر کی طرح طاری تھی اور مجھے مسلسل جدوجہد پر ابھارتی تھی۔ بارش اور سردی کے باعث ہر لمحہ منجمد ہوتے ہوئے اعصاب کے باوجود میں آگے بڑھتی رہی۔ ایک ایک انچ کا فاصلہ طے کرتی رہی۔ کچھ دیر تک تو احسان اور راجو کے مبہم خاکے نظر آتے رہے پھر وہ غائب ہو گئے۔ اب میرے چاروں طرف اندھیرا تھا اور بارش تھی اور پرجوش لہریں تھیں اور لامتناہی فاصلہ تھا اور اس فاصلے کو میں رسی کے پل صراط پر دھیرے دھیرے عبور کر رہی تھی۔

ساحلی چٹانیں کافی بلند اور تقریباً عمودی تھیں اور چونکہ بارش کے باعث بے حد پھسلن ہو رہی تھی۔ اس لیے ان پر چڑھنے کا سوال ہی نہ تھا۔ صرف ایک ہی راستہ تھا اور وہ یہ کہ ہم لوگ کنارے کنارے چلیں اور کوئی ایسی جگہ تلاش کریں جہاں سے اوپر چڑھنا ممکن ہو۔ چنانچہ اس پر ہی عمل کیا گیا۔ ہم نے دھیرے دھیرے دائیں سمت

بڑھنا شروع کیا۔ خالدہ اور احسان سب سے آگے تھے۔ ان کے پیچھے آرتھر تھا پھر راجو اور سب سے پیچھے میں۔ میرے لیے ایک کے بعد دوسرا قدم اٹھانا بے حد دشوار ہو رہا تھا۔ دایاں پیر اٹھاتی تو پورے جسم میں درد کی لہریں دوڑنے لگتیں' آنکھوں کے سامنے دائرے سے ناچنے لگتے اور پھر جب پتھریلی پھسلواں زمین پر قدم جمانے کی کوشش کرتی تو جسم کا توازن سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔ میں نے کسی کو بتایا نہیں تھا لیکن چوٹ گہری لگی تھی۔ شاید موچ آ گئی تھی۔ جب رسی کے سہارے سمندر عبور کر رہی تھی تو میرا دایاں پیر کسی زیر آب چٹان سے بری طرح ٹکرایا تھا۔ ضرب شدید تھی لیکن اس وقت احساس نہیں ہوا تھا۔ اب وہ چوٹ ابھر آئی تھی اور مجھے شدید تکلیف پہنچا رہی تھی۔ دوسری مصیبت یہ تھی کہ بارش کے سبب ساحل کی پتھریلی زمین بے حد چکنی ہو رہی تھی۔ ایک ایک قدم سنبھل سنبھل کر رکھنا پڑ رہا تھا۔ جگہ جگہ چھوٹے بڑے پتھر پڑے تھے۔ آرے ترچھے' گول اور نوکیلے۔ جو راہ میں مزاحم تھے' پھر بھی ہم لوگ آگے بڑھتے رہے۔ قدم بہ قدم' آگے پیچھے۔ لیکن میری رفتار سست تھی اس بنا پر ہمارا درمیانی فاصلہ بڑھتا جا رہا تھا' کبھی کبھی راجو ٹھہر کر میرا انتظار کرتا اور تیز چلنے کی تاکید کرتا۔ میں جواب میں رفتار بڑھانے کی کوشش کرتی مگر صرف چند لمحے' اس کے بعد پیر کا درد مجھے پھر آہستہ چلنے پر مجبور کر دیتا۔

اب رات ہو گئی تھی مگر وقت کا اندازہ لگانا مشکل تھا کہ میرے پاس گھڑی نہیں تھی۔ میرے قیاس کے مطابق گیارہ یا بارہ کا عمل تھا۔ بارش بدستور ہو رہی تھی اور پہلے جیسی دھوم دھام سے۔ ایسا لگتا تھا کہ بارش کبھی نہیں رکے گی' آسمان یونہی ٹوٹ کر برستا رہے گا اور حتیٰ کہ زمین کا چپہ چپہ پانی میں ڈوب جائے گا۔ ہوا کو کم ہو گئی تھی مگر بدستور چل رہی تھی اور ہوا کے یخ بستہ جھونکے میرے چہرے پر سوئیوں کی طرح چبھ رہے تھے۔ سردی کے باعث میرا پورا جسم ٹھٹھر رہا تھا۔ رفتہ رفتہ توانائی کھو رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ کچھ دیر میں جسم کی ایک ایک رگ منجمد ہو جائے گی اور میں بے جان ہو کر گر پڑوں گی یکا یک میرا جی گھبرا گیا۔ یہ کیا ہے' یہ سب کیا ہے' خدایا! یہ کیسا عذاب ہے۔ یہ کس گناہ کی سزا ہے۔ آخر ان مصائب کا کبھی خاتمہ ہو گا یا نہیں؟ یہ سفر آخر کیسا سفر ہے؟ کب تک جاری رہے گا اور اس سفر کے اختتام پر ہمیں زندگی کا منور چہرہ ملے گا یا موت کا بھیانک اندھیرا۔ میں نے رک کر سانس لی اور ہاتھ اٹھا کر ٹھنڈی انگلیوں سے چہرے کی یخ بستہ کھال کا پانی پونچھا پھر گردن اٹھا کر آسمان کو دیکھا جو سیاہ بادلوں کے عقب میں چھپا ہوا تھا' پھر سامنے نظر ڈالی۔ راجو ٹھہر کر جھنجلائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

''جلدی آؤ موئرا!''

''آ تو رہی ہوں'' میں نے دل ہی دل میں کہا۔

میرے کپڑے بھیگ کر شرابور ہو چکے تھے۔ لانچ چھوڑنے سے قبل ہم نے کئی فالتو کپڑے لے لیے تھے اور پھر میں نے دو مزید سوئٹر چڑھا لیے تھے۔ تاکہ سردی سے بچ سکوں۔ مگر اب وہ کپڑے نہ صرف زیادہ سردی کا سبب بن رہے تھے بلکہ جسم پر ایک بھاری بوجھ کی طرح لدے ہوئے تھے۔ کئی بار جی چاہا کہ کپڑے اتار کر پھینک دوں مگر اس ارادے پر عمل کرنا گویا موت کو گلے لگانے کے مترادف ہوتا۔ کپڑے بھیگے ہوئے ہی سہی لیکن کافی حد تک بارش اور سمندر کی بوچھار سے بچاؤ کر رہے تھے۔ میں افتاں و خیزاں آگے بڑھتی رہی۔ آرتھر' احسان اور خالدہ نظر آ رہے تھے۔ شاید وہ کافی آگے نکل گئے تھے۔ صرف راجو نظر آ رہا تھا' کچھ دیر بعد میں ایک زیر زمین نہر (برطانیہ میں زیر زمین نالوں اور نہروں کی کمی نہیں۔ برسوں قبل ویلز کے علاقے میں ایک زیر زمین دریا بھی

دریافت ہوا تھا) یہ دہانہ کافی کشادہ تھا۔ اور ایک تاریک غار کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ سمندر کے اس حصے کی سطح غالباً بلند تھی کیونکہ نہر کا پانی باہر آنے کے بجائے اندر کی جانب بہہ رہا تھا۔ نہر سے کچھ آگے چٹان کا موڑ نظر آ رہا تھا۔ اس کے بعد ایک اور فلک بوس چٹان تھی اور دونوں چٹانوں کے درمیان کافی وسیع خلا تھا۔ میں نے ٹھہر کر دیکھنے کی کوشش کی مگر بوچھار اور بارش کی دھند کے باعث صرف راجو کا خاکہ نظر آیا۔ احسان' خالدہ اور آرتھر دکھائی نہیں دیے۔ پھر میں نے نہر کے پانی پر نظر ڈالی۔ پاٹ زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ ٹارچ کی دھندلی روشنی میں مجھے پانی کے وسط میں ایک پتھر نظر آیا۔ اس پتھر پر قدم جما کر میں چھلانگ لگا کر دوسری طرف پہنچ سکتی تھی۔ اور میں نے ایسا ہی کیا لیکن وہ پتھر بے حد چکنا ہو رہا تھا۔ میرا پیر پھسل گیا۔ میں ایک ہلکے پھلکے گیند کی مانند فضا میں اچھلی اور دوسرے لمحے پانی میں جا پڑی۔ بلاشبہ میں زور سے چیخی تھی مگر یہ دوسری بات ہے کہ اپنی چیخ صرف میں نے سنی' کسی اور نے نہیں سنی۔ پھر میں پانی میں غوطے کھانے لگی۔ شاید میرا سر کسی پتھر سے ٹکرا گیا تھا اور ہر چند کہ ضرب زیادہ شدید نہیں تھی' پھر بھی آنکھوں میں اندھیرا ناچنے لگا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھا اور دیوانوں کی طرح ہاتھ پیر چلائے مگر بے سود۔ شدید سردی اور پھر چوٹ کی تکلیف کے باعث میری قوت مدافعت اگر زائل نہیں تو مفلوج ضرور ہو گئی تھی چنانچہ میری جدوجہد رائیگاں گئی اور میں پانی کے پرزور ریلے میں بہتی ہوئی اندر جانے لگی۔ آبی سرنگ کا پھیلاؤ اندر سے بھی کافی کشادہ تھا۔ کچھ دیر تک تو مجھے سرنگ کی پتھریلی ناہموار دیواریں نظر آتی رہیں۔ پھر دھیرے دھیرے اندھیرا بڑھتا گیا۔ پھر آنکھوں کے سامنے چھوٹے چھوٹے بے شمار دائرے ناچنے لگے۔ میں بدستور ڈبکیاں کھا رہی تھی اور دیوانہ وار ہاتھ پاؤں چلا رہی تھی لیکن پانی کے تیز دھارے سے لڑنا میری بساط سے باہر تھا۔ دھیرے دھیرے میری ہمت جواب دینے لگی۔ اندھیرا بڑھتا گیا اور میرا ذہن اس اندھیرے میں ڈوبتا چلا گیا حتیٰ کہ کچھ دیر بعد مجھے کسی بات کا ہوش نہیں رہا۔

میں نے آہستہ آہستہ پلکیں کھولیں اور گردوپیش میں دیکھنے کی کوشش کی مگر کچھ نظر نہیں آیا پھر یکایک مجھے حیرت نے گھیر لیا۔ ایک ایسی انوکھی حیرت جسے الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ اس حیرت کا سبب یہ خیال تھا کہ میں زندہ ہوں۔ کیا واقعی میں زندہ ہوں؟ میں نے شک و شبہے کے ساتھ سوچا۔ نہیں، یہ نہیں ہو سکتا، میں زندہ نہیں ہوں، مر چکی ہوں اور اس وقت عالم برزخ میں ہوں لیکن اگر مر چکی ہوں تو پھر یہ تکلیف مجھے کیوں محسوس ہو رہی ہے۔ یہ شدید سردی کی تکلیف اور جسم کے جوڑ جوڑ میں ہونے والے درد کی تکلیف، اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں مری نہیں ہوں اور چونکہ میرا احساس زندہ ہے۔ اس لیے میں بھی یقیناً زندہ ہوں۔ میں نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں اور ان تصویروں کو دیکھنے لگی جو تصور کے پردے پر ابھر رہی تھیں۔ سمندر کی شوریدہ سر لہریں جو دیوانہ وار چٹانوں سے ٹکرا رہی تھیں اور جھاگ اڑا رہی تھیں۔ تند و تیز بارش اور ہوا کے جھکڑ پھر میں نے دیکھا کہ میں پانی کے کنارے کنارے پتھریلے ناہموار راستے پر سنبھل سنبھل کر چل رہی ہوں۔ مجھ سے چند قدم آگے راجو ہے لیکن خالدہ، احسان اور آرتھر کا کوئی پتا نہیں۔ وہ لوگ آگے نکل گئے ہیں۔ میرے چاروں طرف دھند ہے۔ جو دراصل بارش اور لہروں کی بوچھاڑ نے پیدا کی ہے، میں اس آبی دھند میں چند فٹ سے زیادہ دیکھنے سے قاصر ہوں پھر منظر بدلتا ہے اور میں خود کو آبی سرنگ کے دہانے پر کھڑا ہوا پاتی ہوں، میں دیوانہ وار جدوجہد کر رہی ہوں

مگر کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ میں ریلے میں بہتی جا رہی ہوں ہر طرف اندھیرا ہے اور مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا۔ ہاں ٹھیک ہے یہ منظر بالکل واضح ہے مگر پھر اس کے بعد کیا ہوا تھا؟ تصور کا پردہ خالی کیوں ہو گیا ہے۔ کوئی اور تصویر کیوں نہیں ابھرتی اور مجھے یاد کیوں نہیں آتا کہ اس کے بعد کیا ہوا تھا۔

پھر مجھے اس جلن کا احساس ہوا جو حلق اور سینے میں ہو رہی تھی۔ عجیب سی جلن تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے انگارے دہک رہے ہیں، پتا نہیں یہ سوزش کیوں ہو رہی تھی ایک اور تعجب کی بات یہ تھی کہ جسم کا باقی حصہ سرد ہو رہا ہے۔ بالکل یخ بستہ، گویا ایک ایک عضو منجمد ہو گیا ہو۔ ایسا کیوں ہے؟ یک بیک سوزش اور انجماد کا عمل کیوں کر ممکن ہے؟ میں چند لمحے اس عجیب تضاد پر تعجب کرتی رہی پھر ایک طویل سانس لے کر پلکیں کھولیں مگر وہی اندھیرا مسلط تھا۔ کچھ بھی نظر نہیں آیا۔ میرے کانوں میں ہلکی ہلکی آوازیں آ رہی تھیں۔ رل ترل، رل ترل۔ شاید یہ لہروں کی گنگناہٹ تھی مگر پانی دکھائی نہیں دیتا تھا پھر یکا یک مجھے اپنے جسم پر کسی شے کی موجودگی کا احساس ہوا۔ شاید کوئی کیڑا تھا۔ کوئی اسٹیل، یا کچھوا یا کوئی سمندری کیڑا۔ میں نے اپنے جسم کو جنبش دینے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ پورا جسم مفلوج ہو رہا تھا۔ پتھر کی طرح سخت اور بے جان، وہ کیڑا پہلے مجھے اپنے گھٹنے پر محسوس ہوا تھا۔ اس کے بعد بائیں بازو پر اور پھر دائیں شانے پر۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر اس کیڑے کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن ہاتھ نہیں اٹھا۔ بازو بالکل بے جان ہو رہا تھا۔ میں بے بسی سے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔

چند لمحوں بعد ایک عجیب بات ہوئی۔ میرے کانوں میں چٹ، کی ہلکی سی آواز آئی اور پھر فوراً ہی ایک روشن ہالہ نظر آیا۔ یہ بات اتنی غیر متوقع تھی کہ میرے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

دوسرے لمحے ایک متجسس اور گھبرائی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی..... ''مورا.....''

تعجب کا ایک اور جھٹکا۔ یہ آواز کیسی تھی اور کیونکر میرے کانوں میں پہنچی، یہ انوکھی اور اسرار انگیز باتیں میرے ساتھ کیوں پیش آ رہی ہیں۔ کہیں یہ کوئی دھوکا تو نہیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ میری یادداشت میں جمع شدہ آوازوں میں سے ایک آواز ابھر کر کانوں میں گونج گئی ہے مگر آواز تو بالکل واضح تھی۔ میں نے صاف طور پر سنی ہے اور پہچان بھی لی ہے۔ میں نے یکا یک ذرا بے چینی اور تذبذب کے ساتھ جلدی سے کہا۔

''راجو.....''

''ہاں.....'' راجو کی آواز آئی ''میں ہوں۔ خدا کا شکر ہے تمہیں ہوش آ گیا۔ میں تو بڑا پریشان تھا۔''

میں نے ہونٹوں پر زبان پھیر پھر پوچھا ''میں کہاں ہوں.....''

''ہم اس وقت آبی سرنگ کے اندر ہیں.....'' راجو نے جواب دیا ''تمہیں یاد ہے کہ تم پانی میں گر پڑی تھیں۔''

''ہاں، مجھے یاد ہے۔''

راجو نے لمحہ بھر توقف کیا ''میں نے خوش قسمتی سے تمہیں پانی میں گرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔'' آخر اس نے کہا ''لیکن میں جب نہر کے دہانے پر پہنچا تو تم غائب ہو چکی تھیں، پہلے تو میری سمجھ میں نہیں آیا کہ تم کہاں گئیں پھر پانی کا تیز دھارا دیکھ کر اندازہ ہوا کہ تم یقیناً پانی میں بہہ کر اندر چلی گئی ہو۔ یہ زیر زمین نہر کافی چوڑی ہے اور اس کے کنارے سطح سے قدرے اونچے ہیں۔ میں کنارے پر چلتا ہوا اندر ہی اندر کہاں تک چلی گئی ہے۔ میں

سوچ رہا تھا کہ اگر تم بے ہوش ہوگئی۔ تو ریلے میں بہتی ہوئی پتا نہیں کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہوگی۔ میرا خیال اس حد تک تو درست نکل کر تم واقعی بے ہوش ہوگئی تھیں مگر خوش قسمتی سے اس جگہ پر نہر بائیں جانب مڑ گئی ہے اور موڑ پر ایک گہرا خم بن گیا ہے۔ تمہارا جسم اس خم میں پھنس گیا تھا۔ اگر مجھے یہاں پہنچنے میں ذرا بھی تاخیر ہو جاتی تو.....''

راجو یکا یک چپ ہوگیا۔ جملے کا باقی حصہ شاید اسے پسند نہیں تھا۔ چنانچہ اس نے جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا اور قدرے ٹھہر کر میری پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا ''موئرا! ذرا ہمت سے کام لو، گھبرانے کی ضرورت نہیں، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔''

میں نے ہونٹوں پر زبان پھیری ''مجھے بہت سردی لگ رہی ہے.....'' میں نے ایک بار پھر اپنی ٹانگوں کو جنبش دینے کی ناکام کوشش کی ''شاید میرا پورا جسم اکڑ گیا ہے۔ میں اپنے ہاتھ پیروں کو ہلانے سے قاصر ہوں اور.....اور.....میرے سینے میں بڑی جلن ہو رہی ہے۔''

''گھبراؤ مت، گھبراؤ مت.....'' راجو جلدی سے بولا ''ذرا منہ کھولو.....''

''کیا بات ہے یہ.....؟''

''منہ کھولو.....''

اور تب میری سمجھ میں آیا کہ میرے سینے اور حلق میں جلن کیوں ہو رہی تھی۔ دراصل لانچ چھوڑتے وقت ایسی بہت سی چیزیں ہم نے ساتھ لے لی تھیں۔ جن کی ضرورت پڑنے کا امکان تھا لیکن مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ راجو نے برانڈی کی بوتل بھی کینوس کے تھیلے میں ڈال لی تھی۔ سینے کی جلن کا سبب برانڈی ہی تھی۔ راجو نے میری بے ہوشی کے دوران منہ کھول کر برانڈی میرے حلق میں ٹپکا دی تھی۔ نہ صرف یہی بلکہ اس نے میری پیشانی، گلے اور ہتھیلیوں پر برانڈی کی مالش بھی کی تھی۔ میں نے پہلے کبھی الکحل نہیں پی تھی مگر یہ موقع بحث و تمحیص کا نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے چپ چاپ منہ کھول دیا۔ برانڈی ٹھنڈی تھی لیکن جونہی حلق سے نیچے اتری، مجھے یوں لگا جیسے آگ کی ایک لہر سرسراتی چلی گئی ہو۔ میرا دماغ سنسنانے لگا۔ رگوں میں ایک عجیب سی اینٹھن ہونے لگی اور آنکھیں دھندلانے لگیں مگر ساتھ ہی یہ احساس بھی ہوا کہ سردی کی شدت میں کمی ہو رہی ہے اور جسم میں توانائی لوٹ رہی ہے۔ یہ احساس بڑا حوصلہ افزا تھا۔ میں نے اپنے سیدھے ہاتھ کو ہلایا اور اس بار کوشش رائیگاں نہیں گئی۔ میں ہاتھ ہلانے میں کامیاب رہی اور پھر یہ خیال کہ میں اپنے ہاتھ کو ہلا سکتی ہوں۔ بڑا جانفزا ثابت ہوا۔ خوشی سے میرا حوصلہ ہزار گنا بڑھ گیا۔ جی چاہا، خوب زور زور سے ہنسوں اور شاید میں ہنسی بھی لیکن آواز میرے کانوں تک نہیں پہنچی پھر میں نے دو تین بار اپنے ہاتھ کو اور جنبش دی، پیروں کو ہلایا یقیناً جسمانی انجماد زائل ہو رہا تھا۔ گویا میں موت کے دروازے سے واپس لوٹ آئی تھی۔ یکا یک مجھے راجو پر بڑا پیار آیا کیونکہ میری یہ دوسری زندگی اسی کی مرہون منت تھی اگر وہ سرنگ کے اندر نہ آیا ہوتا تو.....تو کیا ہوتا؟ یہ سوچنا بے کار تھا۔ اب تک میں مر چکی ہوتی اور میرا جسم.....میں نے گردن موڑ کر راجو کو دیکھنے کی کوشش کی۔ اندھیرا بہت گہرا تھا۔ وہ تو نظر نہیں آیا مگر تاریکی میں چمکتی ہوئی اس کی آنکھیں ضرور دکھائی دیں۔ میں نے دفعتاً کہا۔

''راجو اور دوسرے لوگ کہاں ہیں.....؟''

''پتا نہیں.....'' اس نے کہا۔

''کیا مطلب..... کیا وہ تمہارے ساتھ نہیں تھے.....؟''

''نہیں.....'' راجو نے کہا ''تمہیں یاد ہوگا کہ خالدہ، احسان اور آرتھر آگے نکل گئے تھے۔ شاید انہیں یہ گمان بھی نہ رہا ہوگا کہ پیچھے کوئی حادثہ پیش آسکتا ہے۔ اسی لیے وہ لوگ آگے بڑھتے چلے گئے تھے جب میں نے تمہیں پانی میں گرتے ہوئے دیکھا تو ان لوگوں کو آوازیں دیں تھیں مگر انہوں نے نہیں سنا۔ اتنا موقع نہیں تھا کہ میں ان لوگوں کو بلانے جاتا۔ تم سمجھ سکتی ہو چنانچہ میں فوراً ہی اس طرف چلا آیا.....''

''یہ تو برا ہوا.....''

''ہاں، یہ تو بہت برا ہوا.....'' راجو کی آواز سے تشویش اور فکر کا اظہار ہو رہا تھا ''اب تک وہ لوگ نہ جانے کس طرف اور کتنی دور نکل گئے ہوں گے۔ ایک دوسرے سے اس طرح بچھڑنا مناسب نہیں کیونکہ ہمیں یہ قطعاً علم نہیں کہ ہم کہاں ہیں اور یہ کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟ پھر بھی یہ طے ہے کہ..... لارڈ رے ہماری تلاش میں بدستور سرگرداں ہوگا لہٰذا یہ بہت ضروری تھا کہ ہم پانچوں انگلیوں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ رہیں۔ صرف اسی طرح ہم ایک دوسرے کے لیے زیادہ مفید ثابت ہو سکتے تھے۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو.....'' میں نے نحیف آواز میں کہا ''یہ تو واقعی بہت برا ہوا.....''

راجو نے کینوس کا تھیلا میرے سر کے نیچے رکھ کر ذرا آرام سے لیٹنے کی ہدایت کی پھر اس نے میرے جوتے اتارنے، پتلون کے پائنچے گھٹنوں سے اوپر تک چڑھا دیے اور پھر تلوؤں اور پنڈلیوں پر برانڈی کی مالش شروع کر دی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور چپ چاپ لیٹی رہی۔ وقت کچھوے کی طرح رینگ رینگ کر گزر رہا تھا۔ برانڈی کی مالش نے واقعی بہت فائدہ پہنچایا۔ جسمانی قوت و حرارت رفتہ رفتہ بحال ہو رہی تھی۔ جسم کا ہر عضو جو پہلے برف کی طرح سرد، بے جان اور سخت محسوس ہوتا تھا۔ اب جاندار لگ رہا تھا اور مجھے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ کچھ دیر بعد میں حرکت کرنے کے قابل ہو جاؤں گی۔ ساتھ ہی مجھے نشے کا احساس بھی ہو رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار برانڈی حلق سے نیچے اتری تھی اور وہ بھی خاصی مقدار میں۔ نشہ ہونا لازمی تھا۔ ذہن میں ایک عجیب سنسناہٹ سی ہو رہی تھی اور ہر چند کہ اندھیرا اتنا دبیز تھا کہ کچھ بھی دیکھنا ممکن نہیں تھا اس کے باوجود مجھے طرح طرح کے رنگین دائرے نظر آ رہے تھے۔ نیلے، پیلے، ہرے، سرخ اور عنابی۔ جو نگاہوں کے سامنے ادھر سے ادھر دوڑ رہے تھے۔ ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ آنکھیں بند ہونے کے باوجود میں دائروں کو صاف دیکھ سکتی تھی۔ وہ مجھے ناگوار نہیں لگ رہے تھے بلکہ بھلے معلوم ہو رہے تھے۔ شاید اس لیے کیونکہ وہ دائرے میرے لیے زندگی کی علامت بن گئے تھے۔

یکا یک راجو نے کہا ''موئرا تم ذرا کروٹ بدل کر لیٹ جاؤ.....''

''کیوں.....؟'' میں نے کہا مگر اس کے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ چپ چاپ کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔

راجو نے میری بنیان اور جیکٹ وغیرہ اوپر الٹ دیں اور میری کمر اور پیٹھ پر برانڈی کی مالش کرنے لگا۔

ایک بار پھر میرا ذہن کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔ یہ کیا ہے؟ آخر یہ سب کیا ہے؟ اس شخص کو میں کیا سمجھوں؟ تذبذب کی دلدل بہت گہری تھی اور میرا احساس اس دلدل میں بار بار ابھرنے ڈوبنے میں غوطاں تھا۔ آخر یہ کیسا شخص ہے؟ ایک طرف تو اس نے میری جان بچائی ہے..... خود اپنی جان خطرے میں ڈال کر اور اب اتنی محبت

اور اپنائیت کے ساتھ میری خدمت کر رہا ہے لیکن دوسرا پہلو یہ ہے کہ اسی شخص نے کتنی بے مہری اور سفاکی کے ساتھ جولیانا کو آگ میں پھینک دیا تھا۔ اسے زندہ جلا ڈالا تھا۔ میرے تصور میں وہ لرزہ خیز منظر ایک بار پھر ابھر آیا اور وہ چیخ کانوں میں گونج گئی جو اس سے میرے حلق سے نکلی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کروں۔ اس شخص سے محبت کروں یا نفرت کروں، اس کی تعظیم کروں یا اسے دھتکار دوں۔ میں نے اپنے دل کو ٹٹولا لیکن کوئی جذبہ واضح نہیں تھا۔ نہ محبت، نہ نفرت، نہ تعظیم، نہ حقارت۔ سارے جذبے ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو گئے تھے۔ میرے دل کے ایک گوشے میں اس کے لیے شدید نفرت و حقارت تھی تو دوسرے گوشے میں ممنونیت اور اپنائیت..... میں چند لمحے ان مختلف و متضاد احساسات کی سولی پر لٹکی رہی پھر یکایک میں نے اپنے آپ کو کہتے ہوئے سنا.....

''راجو ایک بات پوچھوں، جواب دو گے؟''

''پوچھو.....''

لیکن میں فوراً ہی زبان نہیں کھول سکی۔ پہلی بات جتنی آسانی سے کہی تھی۔ دوسری بات کہنے میں اتنی ہی دشواری ہوئی۔ مجھے اپنے اعصاب کو سنبھالنا پڑا۔ قوت گویائی جمع کرنی پڑی پھر میں نے بڑی ہمت سے لب کھولے اور پوچھا۔

''تم نے جولیانا کو آگ میں کیوں پھینکا تھا.....؟''

راجو کے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکلی جس کا کوئی واضح مفہوم نہیں تھا اور اس کا صوتی تاثر بھی ایسا تھا کہ اسے کوئی معنی نہیں پہنا سکتی تھی۔ میری کمر پر رقص کرتی ہوئی اس کی انگلیاں اچانک اس طرح تھم گئیں جیسے منجمد ہو گئی ہوں مجھے توقع تھی کہ جواب میں وہ ضرور کچھ کہے گا مگر جب کئی لمحے تک وہ خاموش رہا تو میں نے پھر کہا ''راجو! مجھے اس واقعے سے بے حد صدمہ پہنچا ہے..... میں تو تمہیں ایک مظلوم اور دردمند آدمی سمجھتی تھی۔ یہ کبھی گمان میں بھی نہیں ہوا تھا کہ تم اتنے بے حس اور سنگدل بھی ہو سکتے ہو..... بے شک مظلوم ہو لیکن ظلم کا بدلہ لینے کے لیے خود بھی ظالم بننا درست نہیں، تم نے اسے آگ میں کیوں پھینکا؟ اور..... اور قانون کو توڑنے کی کوشش کیوں کی.....؟''

''آخر کار راجو نے ایک گمبھیر سانس لے کر کہا ''میں نے کوئی قانون نہیں توڑا ہے.....''

''تم شاید مجھے احمق سمجھتے ہو.....؟'' میں نے درشت لہجے میں چڑ کر کہا۔

''نہیں، یہ بات نہیں ہے.....'' راجو جلدی سے بولا ''میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے مگر میں ابھی تمہیں سمجھا نہیں سکتا۔''

''کیوں اس میں کیا قباحت ہے.....؟'' میں نے جرح جاری رکھی ''تم کیوں نہیں بتا سکتے کہ جولیانا کو آگ میں پھینکنے کا سبب کیا تھا یا پھر شاید تم ڈرتے ہو کہ میں تمہاری بے سروپا تاویلوں کو تسلیم کر لوں گی کیونکہ ایسے بہیمانہ فعل کے لیے کوئی بھی جواز درست نہیں ہو سکتا.....''

راجو چند سیکنڈ چپ رہا پھر اس نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا ''موئرا جب میں نے جولیانا کو آگ میں پھینکا تو اچھی طرح جانتا تھا کہ تم لوگ ضرور جواب طلب کرو گے اور یقین کرو میں اپنے اس اقدام کی پوری وضاحت کر

سکتا ہوں مگر یہاں نہیں۔ تم ذرا انتظار کرو، میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گا۔ ایک ایک بات، اپنے مصائب کی پوری کہانی لیکن اتنا اطمینان رکھو کہ جولیانا کے معاملے میں تمہارا خیال درست نہیں ہے۔ تم نے کہا تھا کہ میں نے ایک زندہ لڑکی کو آگ میں جلا دیا ہے مگر درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ بات اس کے بالکل برعکس ہے.....''

☆☆☆

جن مصائب و آفات کے ہم شکار تھے ان میں لمحے مسلسل اثبات و نفی کا ناٹک رچاتے رہتے ہیں۔ ایک لمحہ روشنی کی نوید بن کر آتا ہے تو دوسرا اندھیرے کا پیغام ایک لمحے کے دوش پر امید کی دلہن ہوتی ہے تو دوسرا لمحہ فوراً جلاد کا روپ دھار لیا ہے۔ یہی کچھ ہمارے ساتھ ہوتا رہا ہے اور ایک بار پھر ہوا۔ اس زیرزمین نہر کے اندر میں کتنی دیر تک نیم جاں ہو کر پڑی رہی۔ اس کا اندازہ کرنا دشوار ہے لیکن راجو کی کوششیں انجام کار تک لائیں اور میں اپنے جسم اور ہاتھ پیروں کی حرکت دینے کے قابل ہو گئی۔ گو نقاہت بہت تھی تاہم میں چل سکتی تھی اگرچہ یہ بھی ٹھیک ہے کہ ایک کے بعد دوسرا قدم اٹھانا میرے لیے ایک انتہائی جانکاہ عمل تھا ایسا لگتا تھا جیسے مجھے کوئی بہت وزنی بوجھ گھسیٹنا پڑ رہا ہو، مگر میں کسی نہ کسی آگے بڑھتی رہی۔ ہمارا رخ نہر کے اسی دہانے کی جانب تھا۔ جدھر سے بہہ کر اندر آئی تھی۔ راجو مجھ سے ایک قدم آگے تھا اور اس سے ایک قدم آگے ٹارچ کا روشن دائرہ جو کبھی چمک اٹھتا اور کبھی بجھ جاتا۔ دائیں جانب نہر اپنے مخصوص ترنم کے ساتھ بہہ رہی تھی۔ کنارہ زیادہ چوڑا نہیں تھا اس کے علاوہ ناہموار اور بہت پھسلواں بھی تھا۔ ہم دونوں بہت احتیاط کے ساتھ ایک کے بعد دوسرا قدم اٹھاتے رہے۔ چال کچھوے کی تھی مگر فاصلہ بہرحال طے ہو رہا تھا۔ ٹارچ کی روشنی میں پہلی بار میں نے اس زیرزمین نہر کا جائزہ لیا اور میرے دل پر ایک ہیبت ناک دبدبہ طاری ہو گیا تھا۔ وہ ایک ایسا منظر تھا جس کا میں کبھی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ سرنگ کی دیواریں سیاہ، غیر ہموار اور بھیگی ہوئی تھیں۔ کہیں سرنگ چوڑی ہو گئی تھی اور کہیں بے حد پتلی، کسی جگہ چھت اتنی اونچی تھی کہ بہت بڑے غار کا منظر پیش کرتی تھی اور کسی جگہ اتنی نیچی کہ ہمیں سر جھکا کر چلنا پڑتا۔ ہر لمحے دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں پاؤں نہ پھسل جائے مگر شکر ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ جب ہم نہر کے دہانے سے کوئی دس قدم کے فاصلے پر رہ گئے تو اچانک راجو نے کہا۔

''موئرا، تم ذرا چند منٹ یہیں ٹھہرو.....''

''کیوں.....؟''

مگر راجو نے جواب نہیں دیا۔ ہاتھ چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ میں دیوار کا سہارا لیے چپ چاپ کھڑی رہی اور اس گونجیلی آواز کو سنتی رہی جو نہر کے دہانے میں ہوا کے جھونکوں کے داخل ہونے سے پیدا ہو رہی تھی۔ دہانہ وہاں سے صرف دس قدم کے فاصلے پر تھا اور میں کھلے دہانے سے سمندر اور آسمان کا کچھ حصہ دیکھ سکتی تھی۔ آسمان بدستور بادلوں کے پیچھے مستور تھا لیکن بارش شاید بند ہو چکی تھی یا بہت ہلکی ہو گئی تھی۔ ہوا میں بھی پہلے کا سا زور نہیں لگتا تھا۔ مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ راجو چند ہی منٹ میں واپس آ گیا اور گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''ہم باہر نہیں جا سکتے.....''

''کیوں.....؟'' میں نے متوحش ہو کر پوچھا۔

''لانچ.....'' اس نے کہا۔ اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔ ''دائیں جانب کچھ فاصلے پر ایک لانچ کھڑی ہے اور

اس وقت اس جگہ لارڈرے کے سوا اور کس کی لانچ ہو سکتی ہے؟ اگرچہ فاصلہ کافی ہے تاہم اگر ہم باہر نکلے تو ضرور دیکھ لیے جائیں گے.....''

''تو پھر.....؟''

اگرچہ یہ لفظ میں نے مدھم آواز میں کہے تھے لیکن ایسا لگا جیسے سرنگ کے در و دیوار گونج کر رہ گئے ہوں اور یہ گونج بڑی بھیانک تھی تو پھر.....تو پھر.....؟ باہر لانچ کھڑی ہے اور اس پر یقیناً لارڈرے اور اس کے آدمی ہوں گے۔ لہٰذا ہم باہر نہیں جا سکتے۔ اندر ہی، آبی سرنگ ایک طویل اندھی خوفناک قبر کی طرح جانے کہاں تک چلی گئی ہے۔ اس کا کوئی اختتام ہے یا نہیں۔ ممکن ہے آگے جا کر نہر کا رخ اور زیادہ گہرائی کی طرف ہو چنانچہ ہم ادھر بھی نہیں جا سکتے تھے۔ تو پھر کیا کریں؟ بالآخر راجو نے اندھیرے میں چمکتی ہوئی راجو کی آنکھوں کی طرف دیکھا اور دوبارہ کہا ''تو پھر.....؟''

''ہم باہر نہیں جا سکتے.....؟'' بالآخر راجو کی آواز ابھری ''ہمیں اس آبی سرنگ کا دوسرا سرا تلاش کرنا ہوگا۔''

میں نے سہم کر ہونٹوں پر پھیری اور گردن موڑ کر اندرونی حصے کی جانب دیکھا۔ کچھ نظر آنے کا سوال ہی نہ تھا۔ البتہ ہماری مدھم آوازوں کی دہشت خیز بازگشت اس بات کی غماز تھی کہ آبی سرنگ بہت طویل ہے۔ اسی وقت راجو نے ٹارچ روشن کی اور اس کا دائرہ سرنگ کے اندر پھینکا۔ روشنی کا دائرہ جہاں تک گیا وہاں تک سرنگ کی سیاہ دیواروں کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آیا مگر وہ منظر بڑا اعصاب شکن تھا چند لمحے بعد راجو نے ٹارچ بجھا دی اور پھر آہستہ سے کہا۔

''موئرا اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے.....''

اس سے پہلے بھی ایسے مرحلے آئے تھے جب ہم کو اپنی مرضی اور انتخاب کے خلاف عمل کرنا پڑا تھا۔ اس وقت بھی یہی ہوا۔ اگرچہ میں اندر نہیں جانا چاہتی تھی۔ یہ ایک اندھا سفر تھا۔ اس بات کی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ اس سفر کا اختتام بہتر ہی ہوگا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ نہر آگے جا کر بند ہو گئی ہو۔ اس صورت میں ہمیں پھر واپس آنا پڑے گا مگر اس کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔ ہم دونوں نے تن بہ تقدیر آگے بڑھنا شروع کیا۔ راجو مجھ سے آگے آ گیا تھا۔ میں نے ایک ہاتھ سے اس کی جیکٹ پکڑ لی اور دوسرے ہاتھ سے دیوار کا سہارا لے لیا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھانے شروع کیے۔ کچھ اس طرح جیسے ہم دونوں تلوار کی دھار پر چل رہے ہوں۔ مجھے اب پھر سردی لگنے لگی تھی۔ خاص طور پر پیروں میں کیونکہ جوتے بھیگے ہوئے تھے مگر معدے کے اندر موجود برانڈی نہ صرف جسم کے اندر حرارت کا احساس پیدا کر رہی تھی بلکہ توانائی بھی بڑھا رہی تھی اور شاید یہ بھی برانڈی کا ہی اثر تھا کہ مجھے بھوک بھی لگنے لگی تھی۔ پتا نہیں، میں نے کب سے کچھ نہیں کھایا تھا مگر اس وقت جبکہ موت اور زندگی، امید اور ناامیدی آنکھ مچولی کا کھیل کھیل رہی تھی۔ کھانے کی طرف بھلا کس کا دھیان جاتا؟ میری توجہ بھی پوری طرح اپنے قدموں کی طرف مبذول تھی، جنہیں بے حد سنبھال سنبھال کر اور جما کر رکھنا پڑ رہا تھا۔ کہیں کہیں کنارہ اتنا نیچا تھا کہ پانی ٹخنوں تک آ جاتا تھا کچھ دیر بعد ہم اس جگہ جا پہنچے جہاں میں بے ہوشی کی حالت میں راجو کو ملی تھی۔ راجو نے ٹارچ جلائی اور گرد و پیش کا جائزہ لیا نہر اس جگہ پر تقریباً ایک سو بیس ڈگری کا زاویہ بناتی ہوئی بائیں طرف مڑ گئی تھی۔ موڑ ایک گہرا خم تھا اور یہ وہی خم تھا جس میں میرا بے ہوش جسم پھنس گیا تھا۔ راجو چند لمحے کھڑا رہا اور ٹارچ کی روشنی

میں نہر کے اندرونی حصے کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے کہا۔

''آؤ.....''

کچھ دور تک نہر کا کنارہ کافی چوڑا تھا اور زمین بھی قدرے ہموار تھی۔ اس لیے ہمیں چلنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی لیکن تقریباً بیس گز چلنے کے بعد ایک نئی افتاد کا سامنا کرنا پڑا اور وہ یہ کہ سرنگ کی چھت رفتہ رفتہ نیچے ہوتی چلی گئی، کنارے کی پٹی غائب ہوگئی۔ اب ہمیں پانی میں چلنا پڑ رہا تھا۔ جیسے جیسے آگے بڑھتے گئے، سر جھکتا گیا اور ساتھ ہی پانی کا چڑھاؤ بڑھتا گیا۔ پہلے ٹخنے ڈوبے پھر پانی پنڈلیوں تک پہنچا اور اس کے بعد گھٹنوں تک، میرا سر اور میرے کندھے اس حد تک جھک گئے تھے کہ مجھے کبڑوں کی طرح چلنا پڑ رہا تھا۔ پانی کا بہاؤ بھی یہاں بہت تیز تھا۔ ہر لمحے دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں قدم نہ اکھڑ جائیں اور اگر اس جگہ سرنگ کا دائرہ تنگ نہ ہوتا تو یقیناً میرے قدم اکھڑ جاتے مگر تنگ دیواروں نے بہت سہارا دیا۔ میں نے دونوں ہاتھ دیوار سے ٹکا رکھے تھے اور رفتہ رفتہ آگے بڑھ رہی تھی۔ راجو بہت محتاط تھا، وہ ایک ایک قدم بڑی ہوشیاری سے آگے بڑھا رہا تھا۔ بار بار ٹارچ جلا کر اطراف کا جائزہ لیتا اور جب اطمینان ہو جاتا تو آگے بڑھتا۔ بدقسمتی سے ٹارچ کو مسلسل جلائے رکھنا بھی ناممکن تھا کیونکہ اس صورت میں خطرہ تھا کہ اگر بیٹری ختم ہوگئی تو کیا ہوگا؟ اس ویران سرد اور اندھی آبی سرنگ کا دبیز اندھیرا ہمیں ہلاک کر دینے کے لیے کافی ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ راجو صرف ضرورت کے مطابق ہی ٹارچ استعمال کر رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ کچھ آگے چل کر نہر پھر کشادہ ہو جائے گی مگر ایسا نہیں ہوا۔ ہم جیسے جیسے آگے بڑھتے گئے، پانی کا بہاؤ بڑھتا چلا گیا۔ حتیٰ کے کچھ دیر بعد پانی کمر تک آ گیا۔ تب یکا یک راجو ٹھہر گیا اور ٹارچ جلا کر نہر کا جائزہ لیتا ہوا بولا۔

''موئرا، میرا خیال ہے ہم آگے نہیں جا سکتے.....''

میں نے سر ہلایا ''ہاں، آگے جا کر یا تو نہر بند ہوگئی ہے یا پھر اس کا اختتام سمندر میں ہوا ہو۔ بہرحال آگے جانا خطرناک ہوگا۔''

''تو پھر کیا کریں.....؟''

راجو نے یہ سوال میرا جواب سننے کے لیے نہیں پوچھا۔ لہٰذا میں چپ رہی اور دانت پر دانت مضبوطی سے جمائے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑتی رہی۔ اتنی دیر تک پانی میں رہنے کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ برانڈی کا سارا اثر زائل ہوگیا تھا اور میرا جسم ایک بار پھر سرد ہونے لگا تھا۔ پیروں کی رگیں اور ہڈیاں منجمد ہو رہی تھیں اور جسم کے سارے اعضا رفتہ رفتہ بے کار ہو رہے تھے اور مجھے یقین تھا کہ اگر چند منٹ اور یہی حالت رہی تو میرے لیے اپنے ہاتھ پیروں کو جنبش دینا ایک بار پھر ناممکن ہو جائے گا۔

یکا یک راجو نے چونک کر کہا ''ارے، وہ کیا ہے.....؟''

''کہاں.....؟''

''وہ اس طرف، دائیں جانب.....'' راجو زور سے بولا ''مجھے تو کوئی سوراخ سا نظر آتا ہے۔''

میں نے اس جگہ نظر ڈالی، جہاں ٹارچ کا روشن دائرہ لرز رہا تھا۔ دائرے میں مجھے ایک سوراخ نظر آیا جو سرنگ کی چھت میں تھا۔ راجو نے یکا یک تجسس آمیز لہجے میں کہا ''دیکھنا چاہیے کہ یہ کیسا سوراخ ہے.....؟''

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ میں نے تقلید کی۔ پانی کا بہاؤ زور زور سے تھپیڑے مار رہا تھا مگر میں نے اپنے قدم جمائے رکھے۔ وہ سوراخ تقریباً چھ سات فٹ آگے تھا۔ وہاں تک پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ راجو نے اپنا سر سوراخ میں داخل کر دیا اور ٹارچ کی روشنی میں سوراخ کا جائزہ لینے لگا۔ میں اس کے قریب ہی نیم دائرے کی شکل میں جھکی ہوئی کھڑی تھی۔ چند لمحے بعد راجو نے کہا۔

''سوراخ کافی طویل معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے اس کا اختتام پہاڑی کی سطح پر ہوا ہو.....''

''کیا تمہیں باہر کا منظر نظر نہیں آتا۔ میرا مطلب ہے آسمان یا بادل وغیرہ.....'' میں نے پوچھا۔

''نہیں.....'' راجو کی آواز ابھری۔ ''سوراخ عمودی نہیں ہے بلکہ ترچھا ہے۔ تیس یا پینتالیس ڈگری کے زاویے کی شکل میں۔ اس کے علاوہ اس کا قطر بھی زیادہ نہیں ہے۔ اس لیے چھ فٹ سے آگے کچھ دکھائی نہیں دیتا.....''

اتنا کہہ کر راجو ایک طرف ہٹ گیا۔ میں اس کے شانے کا سہارا لے کر آگے بڑھی اور سوراخ میں جھانک کر دیکھا۔ راجو نے ٹھیک کہا تھا وہ سوراخ ترچھا تھا۔ اس بنا پر چند فٹ سے آگے دیکھنا ممکن نہ تھا۔ اس کا قطر بھی زیادہ نہیں تھا مگر اتنا بہرحال تھا کہ ایک آدمی اس میں سے گزر سکتا تھا۔ سطح اگرچہ نم تھی مگر کھردری اور ناہموار تھی اور اس میں جگہ جگہ نوکیں ابھری ہوئی تھیں۔ جو اوپر چڑھنے میں بڑی مددگار ثابت ہو سکتی تھیں۔ میں نے چند لمحے سوراخ کا جائزہ لیا پھر راجو سے کہا۔

''ممکن ہے، سوراخ آگے جا کر بند ہو گیا ہو.....؟''

''قطعی ممکن ہے.....'' راجو نے جواب دیا ''مگر اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے؟ ہم اس سرنگ میں کتنی دیر ٹھہر سکتے ہیں، یا تو سردی سے ٹھٹھر جائیں گے یا پھر اندھیرا دم گھونٹ دے گا اور کیا تم یہ پسند کرو گی.....؟''

لیکن پسند کا اختیار مجھے تھا ہی کب۔ اگر اختیار ہوتا تو مجھے اتنے جہنموں سے کیوں گزرنا پڑتا۔ کیوں ریگزاروں میں آبلہ پا بھٹکنا پڑتا۔ کیوں کفن پہننا پڑتا اور کیوں موت کی اس سرنگ میں سردی اور اندھیرے سے نبرد آزما ہونا پڑتا۔ مجھے پسند کا اختیار نہیں تھا۔ بدقسمتی نے جو راستہ متعین کر دیا تھا مجھے چاروناچار اسی پر چلنا تھا۔ چنانچہ میں چپ چاپ کھڑی رہی۔ جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ راجو نے چند لمحوں کے لیے ٹارچ مجھے پکڑائی پھر اس نے تھیلے سے جو اس کی گردن سے لٹکا ہوا تھا، رسی کا لچھا نکالا۔ رسی کا ایک سرا اس نے کمر کے گرد باندھ کر لچھا مجھے تھما دیا پھر ٹارچ واپس لے کر اس نے کہا۔

''میں اوپر جاتا ہوں۔ تم یہیں ٹھہرو مگر ذرا احتیاط رکھنا۔ پانی کا بہاؤ بہت تیز ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تم توازن کھو بیٹھو اور ریلے میں بہہ جاؤ۔''

''میں احتیاط کروں گی.....'' میں نے جواب دیا۔ اس کے سوا اور کہہ بھی کیا سکتی تھی۔

راجو دونوکیلے پتھروں کا سہارا لے کر اوپر چڑھ گیا۔ میں نے دونوں ٹانگیں ذرا آگے بڑھا کر اپنی پشت دیوار کے ساتھ ٹکا دی اس طرح میرے قدم نہر کے ساتھ مضبوطی سے جم گئے۔ راجو اوپر جا چکا تھا اور اب میرا کام اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ اشارہ ملنے پر تھوڑی تھوڑی رسی چھوڑتی رہوں۔ میرے چاروں طرف اندھیرا تھا اور بہتے ہوئے پانی کا پراسرار اور سنسنی خیز شور اور ذہنی اعصاب کو کند چھری سے کاٹنے والا انتظار۔ لمحے رینگ رینگ

کر گزر رہے تھے۔ کن کھجوروں کی طرح آہستہ آہستہ مجھے اور مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میں سولی پر لٹکی ہوئی ہوں یا سوئی کی نوک پر کھڑی ہوں اور یا پھر خلا میں معلق ہوں۔ میری سانس زور زور سے چلنے لگی تھی۔ دل پر ایسی گھبراہٹ طاری تھی جیسے اختلاج کا دورہ پڑنے والا ہو۔ راجو کی معیت سے ایک بہت بڑا سہارا تھا مگر اب وہ اوپر جا چکا تھا اور میں اکیلی تھی اور یہ اکیلا پن جان لیوا تھا۔ چند ہی منٹ گزرے تھے کہ میرا دل ہولنے لگا۔ حوصلہ جواب دے گیا۔ جی چاہا راجو کو آواز دے کر واپس بلا لوں مگر میں خاموش رہی۔ دانتوں پر دانت مضبوطی سے جمائے انتظار کرتی رہی۔ راجو کو واپس بلانا سراسر پاگل پن کے مترادف ہوتا۔ کبھی کبھی بہتر یہی ہوتا ہے کہ خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا جائے۔ ہونی خود ہی اچھے برے کا فیصلہ کر دیتی ہے۔

پتا نہیں وہ پائپ نما سرنگ کتنی طویل تھی کہ کسی صورت ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ حالانکہ راجو کو گئے ہوئے بہت دیر ہو گئی تھی۔ کم از کم مجھے ایسا ہی لگ رہا تھا کہ اسے بہت دیر ہو گئی ہے۔ میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے جنم لے رہے تھے۔ کوئی ضروری تو نہیں کہ اس سرنگ کا اختتام پہاڑی کے اوپر ہی ہوا ہو۔ ممکن ہے، وہ پتلی سرنگ پہاڑی کے اندر ہی اندر بل کھاتی ہوئی بہت دور تک چلی گئی ہو اور اختتام پر پھر نہر مل گئی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سرنگ آگے جا کر بند ہو گئی ہو۔ اگر ایسا ہوا تو پھر کیا ہو گا؟ پھر وہی زہریلا سوال پھر خدشات کا اندھا کنواں..... پھر کیا ہو گا؟ پھر کیا ہو گا؟ ابھی میں اس سوال کے بھنور میں چکرا ہی رہی تھی کہ یکا یک رسی کو جھٹکا لگا اور ساتھ ہی راجو کی آواز سنائی دی مگر الفاظ سمجھ میں نہیں آئے۔

میں نے بہ عجلت اپنے پیر سیدھے کیے اور سوراخ میں منہ ڈال کر زور سے کہا ''راجو..... راجو.....''

''موئرا، کیا تم میری آواز سن رہی ہو.....؟'' پائپ جیسی پتلی سرنگ میں راجو کی آواز کچھ اس طرح گونجی جیسے ہوا سیٹی بجاتی ہے۔ میں نے چیخ کر جواب دیا ''ہاں میں تمہاری آواز سن رہی ہو۔ تم کہاں ہو.....؟''

''موئرا، تم ٹھیک ہو نا.....؟'' راجو کی آواز ابھری ''میری آواز تم تک پہنچ رہی ہے نا.....''

''ہاں، ہاں، میں تمہاری آواز سن رہی ہو.....'' میں اور زیادہ بلند آواز میں چلائی ''اور میں بالکل ٹھیک ہوں مگر تم کہاں ہو.....؟''

''میں پہاڑی کے اوپر ہوں۔ میرا مطلب ہے سرنگ کے باہر.....'' راجو نے جواب دیا۔ اس کی آواز سے کامیابی اور مسرت کا اظہار ہو رہا تھا..... ''یہ سرنگ بہت لمبی ہے تقریباً ستر اسی فٹ یا شاید اس سے بھی زیادہ.....'' اس کی آواز سرنگ کے تنگ دہانے میں نقارے کی طرح گونج رہی تھی۔ میں نے درمیان میں تھیلے سے دوسری رسی نکال کر پہلی رسی سے باندھ لی تھی۔ ورنہ بڑی دشواری ہوتی۔ ''موئرا تم سن رہی ہو نا.....؟''

''میں سن رہی ہوں.....'' میں نے چلا کر کہا ''کیا میں ادھر آؤں.....؟''

''ہاں.....'' راجو کا جواب موصول ہوا ''مگر پہلے میری بات ذرا دھیان سے سنو۔ رسی کا دوسرا سرا تمہارے پاس ہے، اسے اپنی کمر پر باندھ لو اور پھر بہت احتیاط سے اور سنبھل کر اوپر چڑھنا۔ بعض جگہ سرنگ کی سطح بے حد چکنی اور سپاٹ ہے میں تمہیں رسی کی مدد سے سنبھالنے اور اوپر گھسیٹنے کی کوشش کروں گا۔ سمجھ گئیں نا.....''

راجو کی ہدایت کے مطابق میں نے رسی کمر سے باندھ لی پھر اسے مطلع کیا کہ میں اوپر چڑھ رہی ہوں اگرچہ سردی اور کمزوری کے باعث میرے جسم کا ایک ایک عضو تقریباً ناکارہ ہو گیا تھا مگر یہ مژدہ آب حیات کا کام

کر گیا کہ راجو سرنگ سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ میرے ٹھٹھرے ہوئے ناتواں جسم میں اچانک بے اندازہ قوت عود کر آئی اور میں جلد از جلد اوپر پہنچنے کے لیے بے تاب ہو گئی۔ میرے پاس ٹارچ نہیں تھی۔ اس لیے تھوڑی دشواری ہوئی مگر ذرا سی جستجو کے بعد میں نے ٹٹول کر دو ابھری ہوئی کگریں تلاش کیں اور ان کا سہارا لے کر سرنگ میں داخل ہو گئی۔

☆☆☆

جب اوپر پہنچ کر سرنگ سے باہر نکلی تو بری طرح ہانپ رہی تھی۔ جسم کا ایک ایک جوڑ دکھ رہا تھا اور ہاتھوں اور پیروں میں ان گنت خراشیں آئی تھیں ممکن ہے بعض خراشوں سے خون بھی رسنے لگا ہو مگر مجھے کسی بات کا ہوش، کسی تکلیف کا احساس نہیں تھا۔ یہ خیال کہ میں اس تاریک، اندھی زیر زمین نہر سے زندہ سلامت نکل آئی ہوں، ہر تکلیف پر حاوی ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ مجھے سردی کا بھی کوئی احساس نہیں تھا۔ صرف ایک خیال تھا اور وہ یہ کہ اب میرے چاروں طرف اندھیرا نہیں ہے، پانی نہیں ہے اور سرنگ کی بھیگی ہوئی سنگین دیواریں نہیں ہیں۔ میں بے اختیار ہو کر گیلی زمین پر لیٹ گئی اور زور زور سے سانس لینے لگی۔ میری آنکھوں کے سامنے دور تک پھیلا ہوا آسمان تھا اور میرے چاروں طرف فرحت بخش تازہ ہوا تھی۔ بارش بند ہو چکی تھی اور آسمان بھی کہیں کہیں سے کھل گیا تھا اور ان کھلے حصوں سے ستارے چمک رہے تھے، جیسے بطور خاص مجھے دیکھ رہے ہوں۔ آندھی کا زور بھی ٹوٹ چکا تھا اور اب صرف ہلکی ہلکی ہوا رہ گئی تھی۔ فضا بے حد صاف ستھری اور روح پرور تھی۔ میں نے چند لمحوں تک اپنے پھیپھڑوں کو تازہ ہوا سے بھرا پھر راجو سے پوچھا۔

''کیا وقت ہوا ہو گا.....؟''

''پتا نہیں.....'' راجو میرے پاس بیٹھا تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا ''مگر یہ طے ہے کہ نصف رات سے زیادہ گزر چکی ہے۔''

میں اٹھ کر بیٹھ گئی اور پھر میری نظریں سرنگ کے دہانے پر جم گئیں۔ سرنگ کا اختتام پہاڑی کے کنارے ایک ابھری نوکیلی سائبان نما چٹان کے نیچے ہوا تھا۔ اگر میری کمر سے رسی نہ بندھی ہوئی ہوتی تو میرے لیے سطح پر آنا ممکن نہ ہوتا مگر رسی کی بدولت اوپر چڑھنا چنداں مشکل ثابت نہیں ہوا۔ راجو نے مجھے کھینچ لیا تھا۔ پہاڑی خاصی بلند تھی اور اوپر سے اس کا کافی حصہ مسطح تھا۔ میں نے اردگرد کا جائزہ لیا۔ دور تک سمندر کا سیاہ پانی تھا۔ یا پھر کہیں کہیں چھوٹے بڑے جزیروں کے دھندلے دھبے تھے۔ میں نے دفعتاً راجو سے پوچھا۔

''تم نے لارڈرے کی لانچ کس طرف دیکھی تھی.....؟''

راجو اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور ادھر ادھر دیکھتا ہوا بولا ''میرا خیال ہے اس طرف بائیں جانب، چل کر دیکھنا چاہیے۔ ممکن ہے وہ لانچ اب بھی وہیں کھڑی ہو.....'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے پیچھے اشارہ کیا۔

''نہیں.....'' میں نے کہا ''پہلے ہم خالدہ کو تلاش کریں گے.....''

راجو خاموش رہا اور خاموشی کا مطلب تھا کہ وہ مجھ سے متفق ہے، ویسے بھی اختلاف کی گنجائش قطعاً نہیں تھی۔ خالدہ، احسان اور آرتھر کو تلاش کرنا از حد ضروری تھا۔ پتا نہیں وہ لوگ کس طرف نکل گئے تھے مگر مجھے امید تھی کہ انہیں ڈھونڈنا چنداں دشوار نہیں ہو گا۔ یہ پہاڑی گو کافی بڑی تھی اور خاص طور پر جنوبی سمت میں ایک

طویل، ناہموار پٹی کی صورت میں پھیلتی چلی گئی تھی تاہم مجھے توقع تھی کہ احسان وغیرہ ہم سے بچھڑنے کے بعد خود بھی ہماری تلاش میں سرگرداں ہوں گے.....اور اگر کوئی ناخوشگوار صورت نہ پیش آئی ہو تو جلد ہی ہمیں مل جائیں گے مگر ہم اس جگہ سے فوراً ہی روانہ نہیں ہوئے۔ راجو مجھے وہیں ٹھہرنے کی ہدایت کر کے پہاڑی کے کنارے کنارے چلتا ہوا کچھ دور تک گیا پھر واپس آیا اور مجھے مطلع کیا کہ زیر زمین نہر جس میں، میں بہہ گئی تھی، پیچھے ہے مگر وہ لانچ اب وہاں نہیں ہے پھر ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔ بھاری قدموں سے اپنے درماندہ اور خستہ جسموں کو گھسیٹتے ہوئے کچھ دیر قبل مجھ پر سرشاری کی جو کیفیت طاری ہوئی تھی اب وہ زائل ہو رہی تھی کیونکہ ہر کیفیت لمحہ ہر جذبے کی طرح خوشی بھی محض ایک عارضی جذبہ ہے۔ سطح آب پر ابھرنے والے بلبلے کی طرح۔ بلبلہ بہت جلد پھٹ جاتا ہے اور خوشی بھی جو محض ایک انجانی کیفیت ہے، بہت جلد فنا ہو جاتی ہے تاریک آبی سرنگ سے بچ کر نکل آنے کی بنا پر مجھ پر جو مسرت طاری ہوئی تھی اس کی جگہ ایک بار پھر میرا ذہن حقیقت حال کی سنگینی کا ادراک کرنے لگا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ جسم کی ہر چوٹ، ہر خراش، سردی، توانائی اور تھکن اور بھوک کا احساس دلانے لگی۔ جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا اور سردی سے پورا جسم تھرتھرا رہا تھا۔ ہاں تکالیف سے چھٹکارا پانے کا ایک ہی بہتر طریقہ تھا اور وہ یہ کہ میں اپنے ذہن کو کسی اور طرف لگا دوں چنانچہ راجو کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے میں نے دفعتاً کہا۔

''راجو، تمہیں کچھ یاد ہے.....؟''

''کیا.....؟''

میں نے نرم اور دوستانہ لہجے میں اپنی بات کی وضاحت کی ''میرا مطلب تھا کہ پچھلے چند دنوں کے متعلق تمہیں کچھ یاد ہے۔ تم کہاں کہاں گئے اور کیا کیا کیا؟ اور کن کن مرحلوں سے گزرے.....؟''

راجو نے گردن موڑ کر مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک انوکھی سی بے چین چمک تھی اور جب وہ بولا تو اس کی آواز بھی مرتعش تھی ''ہاں..... مجھے یاد ہے میں قاہرہ میں تھا وہاں میرے ساتھ لارڈرے، ڈاکٹر نیفا اور باربرا وغیرہ بھی تھے۔ ایک سبز رنگ کی بلند عمارت میں ہمارا قیام تھا۔ وہ عمارت قاہرہ میں ایمن سوسائٹی کا ہیڈ کوارٹر ہے وہاں ایک کمرے میں تم اور خالدہ بھی تھیں پھر میں لارڈرے اور ڈاکٹر نیفا وغیرہ کے ساتھ وائیونا جزیرے پر چلا آیا تھا۔ تم لوگ بعد میں آئی تھیں.....''

میں چلتے چلتے رک گئی اور شدید تعجب کے عالم میں راجو کو گھورنے لگی ''تمہیں..... یہ سب کچھ یاد ہے، واقعی یاد ہے.....''

''ہاں.....''

''اور اس سے پہلے، یعنی قاہرہ والی عمارت میں قیام سے قبل کیا ہوا تھا، کیا وہ یاد ہے.....؟''

''ہاں.....'' راجو نے آگے بڑھتے ہوئے کہا ''اس سے پہلے ہم صحرا میں تھے۔ وہاں ایک غار تھا اور اس غار میں ہم سب لوگ موجود تھے۔ وہاں ایک ممی بھی تھی شاید ارفینا کی..... مجھے یہ سب باتیں یاد ہیں.....''

میں نے اپنا سر زور سے جھٹکا۔ یقین نہیں آ رہا تھا کہ راجو کو یہ ساری باتیں یاد ہیں۔ اس کا تو ذہنی توازن بگڑ گیا تھا۔ نہ صرف یہی بلکہ اس کی یادداشت بھی گم ہو چکی تھی۔ اسے کچھ بھی یاد نہیں تھا۔ وہ کون ہے؟ اس کا نام کیا ہے؟ اس کا وطن کہاں ہے؟ وہ تو اپنے آپ کو عمن عونس دوئم کہتا تھا مگر اب وہ کہہ رہا تھا کہ اسے سب کچھ یاد ہے

چند لمحے حیرت آمیز انداز میں اسے گھورتی رہی تو وہ بولا.....

''تم چپ کیوں ہو گئیں.....؟''

''یقین نہیں آ رہا کہ تمہیں یہ سب کچھ یاد ہے.....'' میں نے ہونٹوں پر زبان پھیری ''کیا تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ غار میں کیا ہوا تھا.....؟''

راجو کچھ دیر چپ رہا اور سوچتا رہا جیسے ذہن پر زور دے کر یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو پھر اس نے کہا ''نہیں کچھ ٹھیک ٹھیک یاد نہیں آتا۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر پیشانی پر انگلی پھیری۔ ''مجھے تو اتنا یاد ہے کہ میں گہری نیند میں تھا اور پھر کسی وجہ سے اچانک جاگ پڑا تھا مگر میں تمہارا مطلب بخوبی سمجھ رہا ہوں۔ احسان نے مجھے بتایا تھا کہ میری یادداشت چلی گئی تھی اور یہ کہ میں اپنا ذہنی توازن بھی کھو بیٹھا تھا۔ یہ بات یقیناً ٹھیک ہے۔ کیونکہ جب غار میں میری آنکھ کھلی تھی تو اس سے قبل کی کوئی بات یاد نہیں آتی۔ ذہن پر بہت زور دیتا ہوں مگر جو آخری منظر یاد آتا ہے، اس کے مطابق میں صحرا میں بھوکا پیاسا زخمی اور خستہ حال ادھر ادھر بھاگ رہا ہوں بہت تیز ہوا چل رہی ہے اور ہر طرف ریت کے بادل اڑ رہے ہیں۔ میں اردگرد میں طرح طرح کی چیزیں اور صورتیں دیکھ رہا ہوں۔ ان صورتوں میں فریدہ اور باربرا اور ٹیا وغیرہ کی صورتیں بھی شامل ہیں۔ وہ سب مجھے الگ الگ اپنی طرف بلا رہی ہیں اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کیا کروں؟ کس طرف جاؤں؟ یہ آخری منظر ہے، جو مجھے یاد ہے اس کے بعد کیا ہوا تھا؟ کچھ یاد نہیں آتا۔ لانچ پر احسان سے صرف چند منٹ کی گفتگو ہوئی تھی۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ تم مجھے صحرا سے کسی قصبے میں لے گئی تھیں اور.....''

''کیا تمہیں یہ بھی یاد نہیں کہ غار میں ڈاکٹر نیفا نے تمہیں ہپناٹز کیا تھا.....؟'' میں نے راجو کی بات کاٹ کر پوچھا۔

''نہیں.....'' راجو نے پرخیال انداز میں کہا ''مجھے کچھ یاد نہیں مگر یہ بات میرے علم میں ہے۔ ڈاکٹر نیفا نے خود ہی بتایا تھا کیونکہ اس نے وائیونا میں بھی مجھے ہپناٹز کر کے ماضی میں بھیجنے کی کوشش کی تھی.....''

''اور کیا وہ کامیاب ہوا تھا.....؟'' میں نے متجسس ہو کر پوچھا۔

''نہیں، میں ٹرانس میں نہیں آیا تھا۔''

''کیوں.....؟''

راجو دھیرے سے ہنسا۔ ''بات بالکل سیدھی اور آسان سی ہے۔ ہپناٹزم کا انحصار ہمیشہ دو طرز تعاون پر ہوتا ہے۔ بہت کم ایسے کمزور اعصاب کے لوگ ہوتے ہیں۔ جنہیں ان کی مرضی کے خلاف ہپناٹز کیا جا سکتا ہے۔ نارمل اعصاب کے لوگ اس وقت تک ٹرانس میں نہیں آتے جب تک وہ خود بھی آمادۂ تعاون نہ ہوں۔ میں نے ڈاکٹر نیفا سے ذرا بھی تعاون نہیں کیا تھا۔ جب وہ مجھے ٹرانس میں لانے کی کوشش کرتا تھا تو میں اپنے ذہن کو پوری یکسوئی کے ساتھ کسی اور طرف لگا دیتا تھا.....''

''مگر جب غار میں اس نے تمہیں ہپناٹز کیا تھا تب تو اس کے ناکام ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ تم کو کسی بات کا احساس نہ تھا اور نہ تم تعاون سے انکار کر سکتے تھے۔''

''ہاں..... یہ ٹھیک ہے۔'' راجو نے اتفاق کیا ''وہ کسی حد تک ضرور کامیاب ہوا ہوگا اور میں اس کا ممنون

ہوں کہ اس نے مجھے ہپناٹز کیا۔"

"کیوں.....؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

راجو کہنے لگا "یہ ایک عام نظریہ ہے کہ اگر کسی صدمے، دہشت یا کسی شدید ضرب کے باعث آدمی کی یادداشت چلی جائے یا اس کے حواس مختل ہو جائیں تو پھر دوبارہ کسی صدمے یا دہشت سے دوچار ہونے یا کسی شدید ضرب کے لگنے سے یادداشت واپس آ جاتی ہے اور غالباً میرے ساتھ یہی ہوا، مجھے اب یاد آتا ہے کہ میں کسی صدمے اور دہشت سے دوچار رہا تھا۔ جس کے نتیجے میں میرا ذہنی توازن متاثر ہوا تھا اور یادداشت چلی گئی تھی اور اگر ڈاکٹر نیفا نے مجھے غار میں ہپناٹز کیا ہوتا تو شاید اب بھی میں گم شدہ آدمی ہوتا مگر اس وقت جب میں حالت تنویم میں تھا۔ یقیناً میرے ذہن کو کوئی شدید جھٹکا لگا تھا۔ میں نے کوئی بہت خوفناک بات دیکھی تھی جس نے میرے ذہن و اعصاب کو شدید طور پر متاثر کیا تھا اور میں دہشت کے باعث چیخ کر بیدار ہو گیا تھا اور یقیناً یہ اس دہشت کا ہی نتیجہ ہے کہ میں جب بیدار ہوا تو یادداشت واپس آ چکی تھی۔" راجو ایک لمحے کے لیے رکا پھر اس نے اضافہ کیا "مگر میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ بات کیا ہو سکتی ہے؟ مجھے یہ علم ہے کہ ڈاکٹر نیفا نے مجھے ماضی میں بھیجا تھا۔ کوئی خاص بات معلوم کرنے کے لیے لیکن مجھے کچھ بھی یاد نہیں۔ میں واقعی ماضی میں گیا تھا یا نہیں اور اگر گیا تھا تو میں نے کیا دیکھا اور کیا سنا؟ اور یہ کہ وہ کون سی بات تھی جس نے میرے ذہن کو اتنا دہشت زدہ کر دیا تھا کہ میں چیخ کر بیدار ہو گیا اور میری یادداشت بھی واپس آ گئی....."

"میں اس وقت غار میں موجود تھی....." میں نے کہا "اور میں نے وہ سب باتیں سنی تھیں جو تم نے حالت خراب میں کہی تھیں....."

"میں نے کیا کہا تھا.....؟"

مگر میں نے فوراً ہی کچھ نہیں کہا۔ میرے تصور میں غار کا پورا منظر اس طرح ابھر آیا تھا۔ جیسے سنیما کی اسکرین پر فلم چل رہی ہو۔ راجو کا ستا ہوا زرد چہرہ، کمزوری، غیر فطری آواز جیسے وہ کہیں بہت دور سے بول رہا ہو۔ ڈاکٹر نیفا کے سوالات، اس کے احکامات اور اس کی آنکھوں سے جھانکتی ہوئی بے حسی اور سنگدلی پھر میں نے کہنا شروع کیا۔ "راجو تم اس وقت سخت تکلیف میں معلوم ہوتے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے تمہارے شعور اور لاشعور میں شدید کشمکش جاری تھی مگر ڈاکٹر نیفا کو اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ مسلسل تمہیں ماضی میں جانے کا حکم دے رہا تھا پھر تم نے کہا کہ تم ایک ایسی جگہ موجود ہو جہاں ہر طرف ریت ہی ریت ہے اور کچھ دور درختوں کا ایک جھنڈ نظر آ رہا ہے۔ تب ڈاکٹر نیفا نے تمہیں درختوں کے جھنڈ کی طرف جانے کا حکم دیا تھا۔ تم وہاں گئے تھے اور تم نے کسی عظیم الشان محل کے بارے میں اطلاع دی تھی۔ ڈاکٹر نیفا نے تمہیں محل کے اندر جانے کے لیے کہا تھا۔ تم محل میں داخل ہوئے تھے اور پھر تم نے محل سے متعلق کچھ باتیں کہی تھیں اور کچھ باتیں وہاں موجود افراد کے بارے میں تھیں۔ تم ڈاکٹر نیفا کے حکم کے مطابق کئی راہداریوں سے گزرتے ہوئے ایک عظیم الشان دروازے پر پہنچے تھے جو غالباً دربار ہال کا صدر دروازہ تھا پھر تم اندر داخل ہوئے تھے اور تم نے وہاں کچھ افراد کو دیکھا تھا اور یہی وہ موقع تھا جب تم اچانک چیخ کر بیدار ہوئے اور پھر فوراً ہی بے ہوش ہو گئے تھے....." میں نے اپنی بات ختم کی پھر راجو سے پوچھا "راجو! کیا واقعی تم نے خود کو اس محل میں جاتے ہوئے پایا تھا اور کیا درحقیقت وہ کسی مصری فرعون کا محل

تھا.....؟''

راجو نے سر کو زور سے جھٹک کر مجھے دیکھا ''موئرا میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ جب آدمی ہپناٹزم کی حالت میں ہو تو وہ جو کچھ دیکھتا ہے جو کچھ سنتا ہے اور کہتا ہے وہ اسے بیدار ہونے کے بعد بالکل یاد نہیں رہتا۔ لہٰذا میں کیا کہہ سکتا ہوں کہ اپنے ذہنی سفر کے دوران میں کہاں گیا تھا؟ کیا دیکھا تھا؟ اور کیا سنا تھا؟ ہپناٹزم کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں مگر یقین سے یہ کہنا مشکل ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میں واقعی ساڑھے تین ہزار سال قبل کے زمانے میں پہنچ گیا ہوں اور وہ واقعی کسی فرعون کا محل رہا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ میرا ذہن حالت تنویم میں ادھر ادھر بھٹکتا ہوا کسی اور زمانے اور کسی اور مقام پر جا پہنچا ہو۔ اب رہ گیا وہ سوال کہ میں نے کیا دیکھا تھا جس نے مجھے دہشت زدہ کر دیا تھا تو اس بارے میں کوئی بات یقین سے نہیں کہی جاسکتی۔ محض قیاس اور مفروضوں پر انحصار کرنا پڑے گا۔ فرض کرو، وہ واقعی کسی فرعون کا محل تھا تو پھر میں نے وہاں کیا دیکھا ہوگا۔ طوطنخ آمن، ارفینا، رعمسیس، نیفا، اسائرس اور افریٹی۔ ان سب کو یا ان میں سے کچھ کو اور یہ بھی بعید از امکان نہیں کہ میں نے لارڈ رے کو رعمسیس کے روپ میں، ٹیا کو ملکہ ٹیا کے روپ میں اور ڈاکٹر نیفا کو پجاری نیفا کی صورت میں دیکھا ہو اور یہی بات دہشت کا سبب بنی ہو مگر میرا دھیان ایک اور بات کی طرف بھی جاتا ہے اگرچہ میں کوئی عقلی اور منطقی استدلال اس کے جواز میں پیش نہیں کرسکتا۔''

''وہ کیا.....؟ میں نے تعجب سے پوچھا۔

''وہ یہ کہ ممکن ہے میں نے خود اپنے آپ کو عمن عونس دوئم کے روپ میں دیکھا ہو.....''

وہ چپ رہی، راجو نے کہا تھا کوئی بھی بات یقین سے نہیں کہی جاسکتی۔ امکانات کی حدیں لامحدود ہیں، کچھ بھی ناممکن نہیں ہوسکتا۔ ممکن ہے کہ ہپناٹزم کی حالت میں وہ واقعی فرعون کے محل میں گیا ہو اور اس نے واقعی طوطنخ آمن اور عمن عونس وغیرہ کو دیکھا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ بھی نہ ہوا ہو بلکہ راجو کا بیمار، ناتواں اور ہوش سے بیگانہ ذہن ادھر ادھر بھٹکتا رہا ہو اور اس نے جو کچھ کہا تھا۔ وہ محض خرافات ہو۔ بہرنوع یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جس پر سر کھپانا بے کار ہی تھا۔ چنانچہ میں نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ ہم دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔ متجسس اور متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پہاڑی پر دور تک سناٹے اور ویرانی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ پتا نہیں خالدہ کہاں تھی؟ احسان کہاں تھا؟ بظاہر تو ان کا کوئی سراغ کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ شاید وہ لوگ زیادہ دور نکل گئے تھے مگر مجھے یقین تھا کہ وہ لوگ ہمیں چھوڑ کر جائیں گے۔ جب بھی انہیں یہ احساس ہوگا کہ ہمارا ساتھ چھوٹ چکا ہے۔ وہ بھی ضرور ہماری کھوج میں لگ جائیں گے.....''

کچھ دیر بعد ڈھلان شروع ہوگئی۔ اس ڈھلان کے اختتام پر ایک چھوٹی سی جھیل تھی اور اس کے بعد پھر چڑھائی۔ جھیل کے قریب پہنچ کر ہم نے دائیں جانب چلنا شروع کیا۔ اندھیرے کی بنا پر ایک ایک قدم سنبھل سنبھل کر اٹھانا پڑ رہا تھا۔ پتھریلی زمین بارش کے باعث بے حد پھسلواں ہو رہی تھی جو چلنے میں مزاحم تھی۔ بدقسمتی سے راجو ٹارچ کا زیادہ استعمال نہیں کرسکتا تھا کہ اس صورت میں روشنی پھیلتی اور اس وقت روشنی خطرناک ثابت ہوسکتی تھی۔ اسی طرح ہم خالدہ اور احسان کو آواز دینے کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتے تھے۔ صرف ایک ہی صورت تھی کہ چلتے رہیں اور گردوپیش پر نظر رکھیں۔ پہاڑی خاصی طویل سہی مگر بہت بڑی نہیں ہے۔ وہ لوگ کہیں

مدہوشوں کی کہانی ہوشمندوں کی عبرت کیلئے

جاسوسی ڈائجسٹ

مصنفہ: ایم اے رحمٰن

انسانیت کے ان دشمنوں کی داستان عبرت

جو اپنے مفادات کیلئے پوری نسل کو موت کے

گھاٹ اتار رہے تھے

12 حصے کہانی مکمل

ہر حصہ 160 صفحات پر مشتمل

قیمت فی حصہ: 60 روپے

ڈاک خرچ فی حصہ: 23 روپے

ٹھگنے جوان کی خودنوشت اس نے منشیات کے عالمی اسمگلروں کے خلاف ذاتی طور پر محاذ کھولا اور وطن عزیز سے ان ملک دشمنوں کا صفایا کرنا اپنا ایمان بنالیا۔ شہر، شہر، ملک، ملک، اور براعظم، براعظم اپنے مشن کی تکمیل کیلئے خاک اڑانا اس نوجوان کا شغل ہوگیا۔ مگر موت کے سوداگر بھی تو اس کی جان کے دشمن بن گئے۔ انہوں نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایک جنگ جو ابھی جاری ہے۔

کتاب کی قیمت بذریعہ پیشگی ڈرافٹ یا منی آرڈر یا کراسڈ چیک ارسال فرمائیں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

Kitabiat1970@yahoo.com

رابطے کے لئے: C-63 فیز III ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ کراچی 75500

نہ کہیں ضرور ہوں گے اور انجام کار نظر آ ہی جائیں گے۔ جھیل کے کنارے کنارے چلتے ہوئے اچانک میں نے کہا۔

''راجو، فرض کرو وہ لوگ نہ ملے، تب ہم کیا کریں گے.....؟''

''وہ لوگ جائیں گے کہیں نہیں.....'' راجو نے مدھم آواز میں جواب دیا ''اگر وہ لوگ نہیں ملے تو پھر اس کا صرف ایک ہی مطلب ہوگا.....''

''کیا.....؟''

''لارڈرے.....'' راجو کے لہجے میں وثوق کی جھلک تھی ''پھر ہم لارڈرے کی لانچ تلاش کریں گے.....''

میں چپ ہوگئی۔ اختلاف کی گنجائش نہ تھی۔ یہ تو طے ہے کہ وہ لوگ ہمیں چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ انہیں اس پہاڑی پر ہی کہیں ہونا چاہیے اب اگر وہ ہمیں نہیں ملتے ہیں تو پھر اس کا صرف ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے۔ راجو نے خود لارڈرے کی لانچ دیکھی تھی۔ میں نے سر کو زور سے جھٹکا گویا ابھی مصائب کی ساری منزلیں طے نہیں ہوئیں۔ چند ایک موڑ ابھی باقی ہیں۔ ٹھیک ہے، اگر وہ لوگ ہمیں نہیں ملے تو پھر بلاشبہ ہم لارڈرے کی لانچ تلاش کریں گے اگر خالدہ نے مجھے چھوڑ کر جانا گوارا نہیں کیا تھا تو پھر میں اسے چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہوں؟ میں نے دل ہی دل میں طے کیا اور ایک عجیب سی طمانیت محسوس کی۔ دل ایک انوکھے سکون سے بھر گیا۔ یہ ایک ایسی کیفیت تھی جس کا ادراک مجھے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا لیکن اس وقت فیصلے کے اس مختصر ترین لمحے میں یکا یک مجھ پر یہ دلگداز حقیقت آشکار ہوئی کہ کسی کے لیے مصائب کو گلے لگانے اور حتیٰ کہ مٹ جانے کا جذبہ کب اور کیوں کر پیدا ہوتا ہے۔

مجھے بے حد سردی لگ رہی تھی۔ ساتھ ہی بھوک اور کمزوری بھی ستا رہی تھی۔ برانڈی کے نشے نے کچھ دیر تو مجھے بہت سہارا دیا تھا مگر نشہ زائل ہوا تو نقاہت ابھر آئی اور سردی بھی لگنے لگی۔ سردی اور بھوک کے احساس سے بچنے کا ایک ہی طریقہ تھا اور وہ یہ کہ باتیں کروں۔ چنانچہ میں نے راجو سے کہا ''راجو مجھے احسان نے اپنے وائیونا پہنچنے کی پوری کہانی سنائی تھی کیونکہ اسے یہ علم ہوا کہ لارڈرے اور مسٹر اینڈریوز مجھے اور خالدہ کو وائیونا لے گئے ہیں پھر کس طرح وہ خود اسکاٹ لینڈ پہنچا اور اس کی ملاقات آرتھر سے ہوئی پھر وہ دونوں وائیونا گئے جہاں احسان کو پکڑ لیا گیا۔ تمہیں خود ان تمام تفصیلات کا علم ہے لیکن احسان جو بات تمہیں بتا نہیں سکا تھا وہ یہ کہ آرتھر نے فرار کا جو منصوبہ بنایا تھا اس میں تم کیونکر شامل ہوئے؟ تم نے جس طرح جولیانا کو آگ میں پھینکا تھا اور پھر ہماری رسیاں کاٹ کر بھاگنے کے لیے کہا تھا، اس سے صاف پتا چلتا تھا کہ دھوئیں کے دھماکے تمہاری توقع کے خلاف نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ تم ان کے منتظر تھے اور یہ کہ تمہارا ہر قدم ایک سوچے ہوئے منصوبے کے مطابق تھا.....''

میرے کانوں میں راجو کی ہنسی کی ہلکی سی آواز آئی پھر اس نے کہا ''ہر بات ہم نے پہلے ہی سے سوچ لی تھی اور میں بہت خوش ہوں کہ اس وقت ہر کام منصوبے کے مطابق ہوا.....''

''کیا وہ منصوبہ تم نے بنایا تھا.....؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں آرتھر نے.....'' راجو نے جواب دیا پھر کہنے لگا ''حقیقت یہ ہے کہ میں تم لوگوں کی طرف سے بالکل مایوس ہو گیا تھا کوئی بھی ایسی صورت نظر نہیں آتی تھی کہ میں نہ صرف خود کو بلکہ تم لوگوں کو بھی بچا سکوں۔ مجھے

یقین ہو گیا تھا کہ بس اب خاتمہ قریب آ پہنچا۔ مجھے تم لوگوں کا آسرا تھا مگر اب تم لوگوں کی زندگیاں ختم ہونے والی تھیں اور اس کا مطلب یہ تھا کہ میرے تمام سہارے ٹوٹنے والے تھے مگر پھر اچانک آرتھر آ پہنچا۔ دراصل وائیونا محل میں کئی تہ خانے ہیں اور ان کے درمیان پتلی پتلی راہداریاں ہیں۔ آرتھر کو ان راہداریوں کا علم تھا۔ وہ ان راہداریوں میں چھپتا ہوا میرے کمرے تک آ پہنچا۔ خوش قسمتی سے میں اس وقت تنہا تھا، آرتھر ایک روشن دان سے اتر کر کمرے میں آیا اور چھوٹتے ہی کہنے لگا کہ میں نہیں جانتا۔ آپ کون ہیں اور اب آپ کے مقاصد کیا ہیں مگر اتنا جانتا ہوں کہ آپ اپنی مرضی سے وائیونا نہیں آئے ہیں پھر اس نے مزید کہا کہ میں موئرا، خالدہ اور احسان کو بچانا چاہتا ہوں۔ اگر آپ تھوڑی سی مدد کریں تو میں یہ کام کر سکتا ہوں۔ میں نے اس سے کہا کہ کیا وہ یہ کام خود نہیں کر سکتا؟ جتنے بھی افراد تھے ان میں کسی پر بھی بھروسا کرنے پر تیار نہ تھا۔ ماسوائے میرے، میں نے اس سے پوچھا کہ وہ آخر مجھ پر کیوں بھروسا کر رہا ہے؟ جواب میں آرتھر نے کہا ''مجھے معلوم نہیں.....''

دراصل آرتھر کے خیال میں، میں ایک پاگل، بے حس اور سنگ دل آدمی تھا۔ اسے کامل یقین تھا کہ میرا دماغی توازن درست نہیں۔ اس کے باوجود وہ میرے پاس چلا آیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آخر وہ کیوں سمجھتا ہے کہ میں پاگل ہوں۔ جواب میں اس نے کہا کہ اس نے جو کچھ احسان سے سنا اور پھر جو کچھ خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، اس کے بعد وہ کوئی اور رائے قائم نہیں کر سکتا۔ تب میں نے آرتھر کو بتایا کہ میں پاگل ہوں نہیں بلکہ تھا۔ اب میرے ہوش و حواس بحال ہو چکے ہیں لیکن مجبوری اور مصلحت اور خوف کے باعث میں نے خود کو پاگل بنا رکھا ہے پھر میں نے اس سے کہا کہ میں نہ صرف اس کی مدد کروں گا بلکہ تم لوگوں کے ساتھ ساتھ خود بھی وائیونا سے بھاگ نکلوں گا اور تب آرتھر نے اپنا منصوبہ مجھے بتایا۔ اس نے کہا کہ وہ سارا انتظام خود ہی کر لے گا۔ میرا کام صرف اتنا ہوگا کہ جب دھماکے ہوں تو میں دھوئیں اور افراتفری کا فائدہ اٹھا کر، تم لوگوں کو ساتھ لے کر لانچ میں پہنچ جاؤں۔ میں نے ہامی بھر لی مگر ایک بات کا ذکر میں نے نہیں کیا.....''

''وہ کیا.....؟''

راجو چند لمحے چپ رہا جیسے میرے سوال کا جواب دینے میں ہچکچاہٹ محسوس کر رہا ہو پھر اس نے کہا ''تمہیں معلوم ہے.....''

میں نے آہستہ سے سر ہلایا ''شاید تمہیں خدشہ رہا ہوگا کہ اگر تم نے ذکر کیا تو آرتھر ضرور مخالفت کرے گا لیکن ممکن ہے منصوبے پر عمل کرنے سے ہی انکار کر دے۔''

''ہاں، مجھے یہی ڈر تھا.....''

میں نے ایک لمحہ پھر توقف کیا۔ گھوم کر گہری نظروں سے راجو کے تاریک ہیولے کو گھورا۔ میں کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن کسی اندرونی تحریک نے مجبور کر دیا اور میں نے اپنے آپ کو کہتے ہوئے سنا ''مگر تم نے جولیانا کو آگ میں کیوں جلایا؟ کیا کوئی دوسری صورت نہیں تھی.....؟''

''نہیں، کوئی اور صورت نہیں تھی۔''

''کیوں.....؟''

راجو یکایک رک گیا اس نے زور سے سانس لی پھر ہاتھ اٹھا کر پیشانی پر انگلی پھیری، جیسے یہ طے کرنے کی

کوشش کر رہا ہو کہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے کہے یا نہ کہے پھر اس نے کہا ''موئرا تم نے کئی بار یہ بات پوچھی ہے اور میں نے ہر بار یہ کہا ہے کہ مناسب وقت آنے پر تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔ پتا نہیں وہ وقت جسے میں مناسب سمجھوں گا، کبھی آئے گا یا نہیں۔ لہٰذا بہتر ہے کہ اس وقت تمہیں سب کچھ بتا ہی دوں۔ اپنے مصائب و آلام کی پوری کہانی، اپنی بدقسمتی کی ساری داستان۔ ان دکھوں کا قصہ جو پچھلے کچھ عرصے میں، میں نے اٹھائے اور ان زخموں کی روئیداد جو میں نہ صرف جسم پر بلکہ دل اور روح پر کھائے ہیں ان دکھوں اور مصائب نے میرا وجود بالکل توڑ ڈالا ہے اور میری ذات کو بالکل کھوکھلا اور ناکارہ کر دیا ہے مگر اس سے قبل کہ میں کہانی شروع کروں پہلے تمہیں کچھ دکھانا چاہتا ہوں..... ذرا ٹھہرو.....''

یہ کہہ کر راجو نے تھیلا شانے سے اتار کر زمین پر رکھ دیا۔ ٹارچ مجھے پکڑا دی میں چپ چاپ کھڑی حیرت سے اسے دیکھتی رہی۔ راجو نے اپنے لباس کے اندر ہاتھ ڈالا اور چند لمحے کے بعد کوئی شے باہر نکالی پھر اس کی ہدایت پر میں نے ٹارچ روشن کی۔ راجو نے وہ شے میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے مدھم مگر تاکیدی لہجے میں کہا ''ذرا اسے غور سے دیکھو.....''

ٹارچ کی روشنی میں، میں نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹی سی تصویر تھی۔ کسی اخبار سے کاٹی ہوئی۔ تصویر پر نظر پڑتے ہی میرے ذہن کو ایک زبردست برقی جھٹکا لگا۔ میں نے گھبرا کر راجو کو ایک نظر دیکھا پھر دوبارہ تصویر پر نظر ڈالی اور ہونٹوں پر زبان پھیر کر بے یقینی کے انداز میں کہا ''مگر..... مگر..... وہ تو..... میرا مطلب ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے.....؟''

''میں جانتا ہوں کہ تمہارا ردعمل یہی ہوگا مگر یہ سچ ہے ہر چند کہ میں وضاحت نہیں کر سکتا کہ یہ سچ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے.....'' راجو آہستہ آہستہ کہنے لگا ''جب میں قاہرہ میں تھا تو ایک دن اتفاقاً یہ تصویر ہاتھ آ گئی تھی دراصل عمارت میں بہت سے پرانے اخبار تھے۔ ایک دن میں انہیں الٹ پلٹ کر رہا تھا کہ اس تصویر پر نظر پڑی اور میں نے اسے کاٹ کر چھپا لیا۔ میرا خیال تھا کہ شاید کبھی اس کی ضرورت پڑ جائے اور دیکھو کہ اتفاق سے آج یہ موقع آ ہی گیا۔''

میں نے دوبارہ تصویر کو گھور کر دیکھا نہیں، شک و شبے کی کوئی گنجائش نہیں، نہ ہی فریب نظر ہے۔ تصویر بلاشبہ جولیانا کی تھی۔ میں اسے پہچاننے میں غلطی نہیں کر سکتی تھی۔ تصویر کے نیچے دو جملوں کا ایک کیپشن بھی موجود تھا۔ میں نے اسے گہری نظروں سے پڑھا، لکھا تھا۔ ''یورپین سیاح لڑکی جولیانا جس کی لاش پراسرار طور پر غائب ہو گئی.....''

☆☆☆

راجو نے کہنا شروع کیا ''موئرا، میرے ساتھ جو واقعات پیش آئے، ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن پر کوئی یقین نہیں کرے گا تم بھی نہیں مانو گی۔ کیونکہ خود مجھے بھی اکثر ان پر یقین کرنے میں تامل ہوتا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جب تک اس کرۂ ارض پر ''آدمی'' موجود ہے۔ ایسے واقعات اکثر لوگوں کے ساتھ پیش آتے رہیں گے۔ آدمی اس کرۂ ارض کا سب سے بڑا عجوبۂ روزگار جانور ہے۔ روز اول سے لے کر آج تک وہ عجیب و غریب حرکتیں کرتا رہا اور روز ابد تک کرتا رہے گا۔ چنانچہ اگر لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفا نے مجھے فرعون بنانے کی

کوشش کی تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ تعجب کی بات تو اس وقت ہوتی جب ''آدمی'' فرعون اور شدّاد اور نمرود بننے کی خواہش ترک کر کے سیدھا سادا ''انسان'' بن جائے گا۔ خیر، تو میں تمہیں پوری کہانی سناتا ہوں مگر مختصر لفظوں میں۔ ان واقعات کا آغاز اس وقت ہوا جب میں نے اسکندریہ کے ریلوے اسٹیشن پر پہلی بار ویرا ہمشائر کو دیکھا۔ ویرا کیسی عورت تھی؟ میرے لیے الفاظ میں بیان کرنا بہت مشکل ہے۔ وہ بے حد حسین تھی، اتنی حسین کہ حدیں اس کے حسن کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔ اس کی شخصیت میں ایک انوکھی تمکنت اور شاہانہ بانکپن تھا۔ میں اسے دیکھ کر مبہوت ہو کر رہ گیا تھا۔ بعد ازاں میں نے اس کی ایک جھلک قاہرہ کے ہوٹل میں بھی دیکھی میرا خیال تھا کہ یہ دونوں ملاقاتیں محض اتفاقیہ ہیں۔ جیسا کہ دوران سفر کبھی مسافروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ چنانچہ میں نے ان ملاقاتوں کو کوئی اہمیت نہیں دی پھر جب میں نے ویرا کو لندن کے میوزیم میں دیکھا تو تیسری ملاقات کو بھی اتفاق پر ہی محمول کیا اور یہی میری بھول تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ بدقسمتی میرے چاروں طرف اپنا شکنجہ کس رہی ہے۔ ویرا کی شخصیت جتنی پر تمکنت تھی اتنی ہی پراسرار بھی مگر یہ اسرار مجھ پر بہت دیر میں منکشف ہوا.....''

راجو ایک لمحے کے لیے رکا پھر اس نے سلسلۂ کلام آگے بڑھایا ''لندن میوزیم میں ہی میں باربرا سے ملا تھا۔ اس وقت باربرا اور ویرا ایک دوسرے کے لیے اجنبی بنی رہی تھیں جبکہ درحقیقت وہ ایک دوسرے سے واقف تھیں اور اس وقت باربرا کا میوزیم میں ہونا ایک خاص مقصد سے تھا۔ یعنی مجھ سے جان پہچان پیدا کرنا۔ تم نے باربرا کو دیکھا ہے۔ ہر چند کہ وہ سیاہ فام ہے مگر حسن کا انحصار رنگ پر نہیں ہوتا۔ باربرا سیاہ فام ہوتے ہوئے بھی اتنی دلکش اور پرکشش ہے کہ کوئی بھی مرد اس پر عاشق ہو سکتا ہے۔ چنانچہ میں بھی اس کا گرویدہ ہو گیا۔ اس کے حسن و شباب کے جال میں الجھ کر رہ گیا ہم ایک دوسرے کے دوست بن گئے۔ باربرا سے دوستی بڑھی تو رفتہ رفتہ میری ملاقات آئرین، روز آلبہ، سونیا اور کیٹی سے ہوئی پھر سڈنی سے جھگڑا ہوا اور پھر ایک دن باربرا اور روز آلبہ مجھے ایمن مینشن لے گئیں جہاں میں پہلی بار ڈاکٹر نیفا سے ملا۔ ڈاکٹر نیفا نے مجھے ہپناٹائز کرنے کی کوشش کی مگر اس وقت مجھے اس بات کا گمان تک نہیں تھا۔ یہ بات تو بہت دیر بعد مجھے پیڈی نے بتائی تھی۔ میں اس وقت بھی پوری طرح ٹرانس میں نہیں آیا تھا لیکن چونکہ مجھے ہپناٹائز کیے جانے کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں تھا۔ اس لیے میری زبان سے کوئی ایسی بات نہیں نکلی جس سے ڈاکٹر نیفا کو کسی قسم کا شبہ ہوتا۔ وہ یہی سمجھتا رہا کہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا ہے۔ یہ ساری کوششیں یا سازشیں مجھے ایمن سوسائٹی کا ممبر بنانے کے لیے کی گئی تھیں لیکن اتنی ہوشیاری کے ساتھ کہ مجھے ذرا بھی کسی قسم کا شبہ نہیں ہوا۔''

راجو سانس لینے کے لیے ذرا رکا تو میں نے جلدی سے پوچھا ''یہ کس قسم کی سوسائٹی ہے؟ مجھے اس کے بارے میں کچھ بتاؤ؟''

''ایمن سوسائٹی لارڈ رے، ڈاکٹر نیفا اور ان کے ایک ساتھی پروفیسر ریمزے نے مل کر قائم کی تھی اور اس کا مقصد فراعین کے شاہی پجاری ارفینا کی پیش گوئی کو تکمیل تک پہنچانا ہے۔ ابھی یہ ایک محدود جماعت ہے اور یورپ کے علاوہ صرف مصر اور آس پاس کے دو تین ملکوں تک محدود ہے لیکن اس کے عزائم اور مقاصد کے پیش نظر اسے بھی دراصل مافیا کی طرز کی ایک دہشت پسند جماعت سمجھنا چاہیے۔''

''مگر ڈاکٹر نیفا تو مر چکا ہے کیا اب بھی تنظیم قائم رہے گی.....؟'' میں نے پوچھا۔

''کچھ یقین سے کہنا مشکل ہے، ہوسکتا ہے قائم رہے کیونکہ لارڈ رے ابھی موجود ہے اور اس کے بہت سے ساتھی بھی لیکن یہ بھی ناممکن نہیں کہ ایمن سوسائٹی یہیں پر ختم ہو جائے اور اگر ایسا ہو تو بہت اچھا ہوگا۔ کیونکہ ایمن سوسائٹی ابھی محدود ہے۔ اگر اس نے عالمی تنظیم کی شکل اختیار کر لی تو بہت برا ہوگا۔ یہ جماعت یقیناً مافیا سے آگے بڑھ جائے گی۔ مافیا حکومتوں کے معاملات میں زیادہ دخل انداز نہیں ہوتی جبکہ ایمن سوسائٹی کے مقاصد میں حکومتوں میں انتشار پھیلانا بھی شامل ہے اور اس مقصد کے لیے سوسائٹی ہر کام کر سکتی ہے۔ بغاوت، قتل و غارت گری اور دہشت پسندی وغیرہ.....''

''کیا ہم اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے.....؟'' میں نے پوچھا۔

''کر سکتے ہیں.....'' راجو نے سوچتے ہوئے کہا ''اور ضرور کچھ کریں گے مگر ابھی ہم تو بالکل ہی بے دست و پا ہیں۔ ایک بار گلاسگو یا لندن پہنچ جائیں تو ضرور کچھ کریں گے۔ تم کیا سمجھتی ہو کہ میں لارڈ رے کو معاف کر دوں گا؟ نہیں موئرا، ہرگز نہیں۔ تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفا نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ مجھے کیسی کیسی اذیتیں دی ہیں اور میں کتنی بار جیا اور کتنی بار مرا ہوں۔ میرے پاس ان تمام زخموں کا حساب موجود ہے جو میری روح پر اور دل پر لگے ہیں اور لارڈ رے کو ان زخموں کی پوری قیمت چکانی ہوگی۔ میں لارڈ رے کو کسی بھی حال میں معاف نہیں کروں گا۔ وہ خود کو عمسیس کہتا ہے اور مجھے عمن عونس دوئم اور بادشاہ اپنے دشمنوں کو کبھی معاف نہیں کرتے۔ میں بھی نہیں کروں گا.....''

راجو ایک طویل اور گہری سانس لے کر یکا یک چپ ہو گیا۔ اس کی ارتعاش انگیز جذباتی آواز دیر تک میرے کانوں میں گونجتی رہی۔ وہ آوازیں اس کے دل کی گہرائیوں سے نکلی تھیں اور اس میں اس کی زخمی روح کی چیخوں کی گونج تھی۔ اس نے ٹھیک کہا تھا۔ اتنے دکھ اٹھانے اور اتنی اذیتیں جھیلنے کے بعد آدمی کبھی اپنے دشمن کو معاف نہیں کرتا۔ میں کچھ دیر خاموشی سے چلتی رہی۔ توقع تھی کہ راجو مزید کچھ کہے گا مگر وہ خاموش رہا تو میں نے کہا۔

''اور یہ تمام سازشیں ان لوگوں نے صرف اس لیے کی تھیں تاکہ تمہیں عمن عونس دوئم بنائیں.....؟''

''ہاں.....''

''مگر کیوں.....؟'' میں نے جرح کے انداز میں کہا ''تم ہی کیوں، کسی اور کو کیوں نہیں..... تمہارے ساتھ ایسی کیا خاص بات ہے؟''

''لوگ اسے اتفاق کہیں گے، میں اسے اپنی بدقسمتی کہتا ہوں.....'' راجو نے پژمردہ لہجے میں کہا ''اور بدقسمتی یہ ہے کہ میری شخصیت میں ایسی کوئی خصوصیات موجود ہیں جو ڈاکٹر نیفا کے بیان کے مطابق عمن عونس دوئم میں بھی موجود تھیں مثلاً میرے ہاتھ کی لکیریں، میری پشت پر تلوں کی موجودگی، میرا چاند گرہن کی رات پیدا ہونا اور میری ہتھیلی پر ایک سرخ دانے کا ابھرنا وغیرہ، زیادہ سچ یہ ہے کہ لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفا کے یقین کے مطابق دراصل میں ہی عمن عونس دوئم ہوں اور اب ساڑھے تین ہزار سال کے بعد دوبارہ دنیا میں آیا ہوں۔ اسی طرح ٹیا کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ دراصل وہ ملکہ ٹیا ہے۔ ارفینا نے اپنی پیش گوئی میں کہا تھا کہ عمن عونس اور ٹیا دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ نیفا اور رع دوبارہ ان کی شادی کریں گے اور پھر ٹیا کے بطن سے طوخ آمن پیدا ہو

ہر دلعزیز مصنفہ آسیہ مرزا کا شاہکار ناول

دھوپ کنارے

دو دوشیزاؤں کی داستان
جن میں سے ایک سراپا نزاکت تھی
تو دوسری حوصلوں کی ناقابل شکست چٹان

آندھیوں کی زد میں آئی ایک سوختہ جان معصوم لڑکی کا فسانہ جسے اپنوں سے صرف زخم ہی ملے تھے۔ اس کی ہر صبح دکھ کی نئی نوید کے ساتھ طلوع ہوتی اور غم و آلام کی رات دلاسے دے کر رخصت ہو جاتی۔ وہ شاید یہ سب نہ برداشت کر پاتی مگر پھر اسے ایک ایسے درخت کی چھاؤں میسر آ گئی جس کی حیثیت کسی خودرو پودے سے زیادہ نہ تھی مگر کبھی کبھار ایک تنکا بھی وہ کام کر جاتا ہے جو کوئی تناور درخت نہیں کر سکتا۔

صفحات 900 سے زائد

قیمت :-/450 روپے

ڈاک خرچ :-/30 روپے

مکمل ناول منگوانے پر ڈاک خرچ معاف

رشتوں ناتوں سے ماورا
تعلق کی دل سوز اور جاں گداز
ناقابل فراموش داستان

کتاب کی قیمت بذریعہ پیشگی ڈرافٹ، منی آرڈر یا کراسڈ چیک ارسال فرمائیں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون : 5802551-5895313 فیکس : 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

رابطے کے لئے : C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ کراچی 75500

گا۔ جو انجام کار پوری دنیا کی بادشاہت سنبھالے گا.....''

میں نے بات کاٹ کر کہا ''چلو مان لیا کہ یہ سب ٹھیک ہے مگر سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کو تمہارے بارے میں کیونکر پتا چلا.....؟''

''دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں.....'' راجو نے پر خیال انداز میں جواب دیا ''میں نے پیرس میں ایک نجومی کو ہاتھ دکھایا تھا پیڈی کے بیان کے مطابق نجومی کا لارڈ رے وغیرہ سے تعلق ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اسی نے لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفا کو اطلاع دی ہوگی۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ویرا.... لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفا سے واقف تھی اور ان سے ملتی رہتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان تمام واقعات اور اس پوری تنظیم کی تشکیل میں اس کی ذات کلیدی حیثیت رکھتی ہے لیکن یہ حقیقت مجھ پر بہت دیر میں منکشف ہوئی تھی اور یہ انکشاف ایسا تھا کہ میں ہوش و حواس سے بے گانہ ہو گیا۔'' راجو نے ایک گہری سانس لی اور چند ثانیے چپ رہا پھر اس نے کہا ''مگر جب تک میں پورے واقعات نہیں بیان کروں گا تب تک ویرا کی شخصیت واضح نہیں ہوگی۔ ویرا جب جب مجھ سے ملی تھی، تب تب حیرت زدہ کر گئی تھی ہر بار میں نے سوچا تھا ایسا کیونکر ہو سکتا ہے مگر اس وقت سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ میں نے باربرا اور روز آلبہ کے ہونٹوں سے اس کی آواز سنی یعنی بات تو باربرا نے کہی مگر جو آواز میرے کانوں تک پہنچی وہ ویرا کی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے۔ میں سوچتا تھا کہ شاید میں پاگل ہوتا جا رہا ہوں۔ شاید میں لاشعوری طور پر ویرا کی پراسرار اور سحر انگیز شخصیت سے اتنا متاثر ہو گیا ہوں کہ اس کی عدم موجودگی میں بھی اس کی آواز سنتا ہوں مگر ایسا نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ویرا اس وقت بھی میرے پاس ہوتی تھی۔ جب وہ جسمانی طور پر کہیں اور ہوتی تھی.....''

''کیا مطلب.....؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

راجو نے جواب دیا ''موئرا وہ ایک پراسرار ہستی تھی جو مجھے نظر نہیں آتی تھی مگر تقریباً ہر وقت میرے پاس رہتی تھی۔ مجھ سے باتیں کرتی تھی ہر چند کہ اس کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی مگر میں اسے واضح طور پر محسوس کرتا تھا۔ اس کی آواز پر بار بار مجھے شبہ ہوتا کہ وہ آواز کہیں سنی ہے پھر آخر کار سمجھ میں آیا کہ وہ آواز دراصل ویرا کی تھی اب تم سمجھ سکتی ہو کہ ویرا جب میرے پاس نہیں تھی تب بھی وہ ہر وقت میرے پاس ہوتی تھی۔'' راجو دھیرے دھیرے بولتا رہا۔ اس کی تھرتھراتی ہوئی مدھم آواز رات کے سناٹے میں گونجتی رہی۔ اس نے رابن کا ذکر کیا پھر پیڈی کے ساتھ جھگڑے اور جوڈی کے قتل کی تفصیل بیان کی پھر رابن کی لاش کا ذکر آیا۔ میں ہونٹ پر ہونٹ مضبوطی سے جمائے چپ چاپ سنتی رہی اور حیران ہوتی رہی۔ یقین نہیں آتا تھا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے وہ سچ بھی ہو سکتا ہے۔ اس ترقی یافتہ اور مہذب زمانے میں اور وہ بھی انگلستان جیسے ملک میں۔ جہاں ہر بات کو عملی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور جہاں مادہ پرستی اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ اب قدیم تصورات و اعتقادات کے لیے کوئی گنجائش نہیں مگر اس کے باوجود یہ سب کچھ سچ بھی ہو سکتا ہے کیونکہ کچھ واقعات سے میں خود بھی دوچار ہو چکی تھی۔ مجھے وہ دن یاد آیا جب جلالی قصبے کی عمارت کے ایک کمرے میں، میں نے راجو کو خود کلامی کی حالت میں دیکھا تھا۔ اس وقت میں یہی سمجھی تھی کہ وہ اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہے لیکن ایسا نہیں تھا وہ اپنے آپ سے نہیں بلکہ اس نادیدہ ہستی سے باتیں کر رہا تھا جو اس کے پاس رہتی تھی اور یقیناً اس وقت بھی تھی۔

راجو کہہ رہا تھا ''ونڈسر کے فارم ہاؤس میں ویرا کا ہونا میرے لیے بے حد تعجب خیز تھا۔ میرے لیے یہ طے کرنا دشوار تھا کہ وہ ہر جگہ کیونکر موجود ہوتی ہے لیکن ہر بار کی طرح اس بار بھی ویرا کے پاس ایک معقول جواز موجود تھا۔ اس کے بعد میری آنکھ رے پیلس میں کھلی۔ رے پیلس میرے لیے ایک حد درجہ آراستہ و پیراستہ قید خانہ تھا۔ جہاں میری خدمت، دیکھ بھال، آرام و آسائش اور دل بستگی کے لیے ان گنت خدام تھے، کنیزیں تھیں مگر میں باہر نہیں جا سکتا تھا کیونکہ باہر ہر طرف پولیس موجود تھی اور میرے اوپر جوڈی اور رابن کے قتل کا الزام تھا۔ باہر نکلتا..... تو فوراً گرفتار کر لیا جاتا۔ میرے شب و روز بہر حال رے پیلس کی حدود میں گزرنے تھے اور یہ سب کچھ ان لوگوں نے خوب سوچ سمجھ کر اور پوری منصوبہ بندی کے ساتھ کیا تھا۔ مجھے قتل کے الزام میں ملوث کرنا اس لیے ضروری تھا کہ ان کی منشا کے خلاف ایک ایک قدم بھی نہ اٹھا سکوں چنانچہ مجبوراً میں نے وہی کیا، جو وہ چاہتے تھے پھر وہ رات آئی جب ان لوگوں نے جشن ایمن کا اہتمام کیا۔ موئراتم اس جشن کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ اخلاقی، شرافت اور تہذیب کا کوئی بھی ضابطہ اس جشن پر لاگو نہیں ہوتا تھا۔ درحقیقت یہ ایک شیطانی جشن تھا اس کی ہر رسم شیطانی تھی اور اس جشن میں ان لوگوں نے مصری دیوتاؤں کو خون کی قربانی پیش کی تھی۔''

''خون کی قربانی.....؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''ہاں.....'' راجو کی آواز میں لرزش تھی ''انسانی خون کی قربانی اور وہ خون جوڈی اور رابن کا تھا۔ دراصل ان لوگوں نے جوڈی اور رابن کو اس لیے قتل کیا تھا تا کہ ایک طرف تو مجھے قتل کے الزام میں پھنسا سکیں اور دوسری طرف جشن کے لیے انسانی خون حاصل کر سکیں۔ جشن کے بعد ہم قاہرہ روانہ ہوئے جہاں ہمارا قیام الاہرام نام کی ایک عمارت میں تھا۔ وہاں ایک بار پھر ویرا سے سامنا ہوا بلکہ زیادہ سچ یہ ہے کہ میں نے ویرا کو دیکھا۔ وہ تقریباً نصف رات کا وقت تھا جب میں نے اسے باربرا کے کمرے میں لارڈ رے اور باربرا کے ساتھ دیکھا۔ ویرا نے کبھی یہ ذکر نہیں کیا تھا کہ وہ باربرا، لارڈ رے اور ڈاکٹر نیفا کو جانتی ہے لیکن اس رات پہلی بار میں نے ان لوگوں کو ایک ساتھ دیکھا۔ ویرا کی پراسرار شخصیت نے ایک بار پھر مجھے چکرا کر دیا۔ وہ باربرا کے کمرے میں کب آئی تھی؟ کیوں آئی تھی؟ اور کیسے آئی تھی؟ ان سوالوں کا جواب کوئی نہیں تھا۔ یا کم از کم اس وقت نہیں تھا مگر کئی دن بعد مجھے اس سوال کا جواب ملا۔ جب میں پیڈی سے بچھڑ چکا تھا اور ماریا میرے ساتھ تھی لیکن اس سے قبل کے دو واقعات بیان کرنا ضروری ہیں جس رات میں نے ویرا کو دیکھا اس سے اگلی صبح میں باربرا کے کمرے میں گیا تو پہلی بار میں نے ماریا کو دیکھا۔ وہ ویرا کے بستر پر سو رہی تھی۔ کم از کم شروع میں، میں یہی سمجھا کہ وہ سو رہی ہے مگر درحقیقت ایسا نہیں تھا اس کے جسم میں زندگی کے لیے کوئی آثار نہیں تھے۔ سانس کی آمد و رفت بالکل مفقود ہو چکی تھی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ مر چکی تھی لیکن سوال یہ تھا کہ اس کی لاش وہاں کب اور کیونکر پہنچی۔ وہ تو الاہرام میں نہیں تھی بلکہ انوار بے کے ساتھ گئی ہوئی تھی۔ میں اس بات پر حیران ہوتا ہوا نیچے آیا اور پھر میرا یہ یقین کہ وہ مر چکی ہے، غلط ثابت ہوا۔ کیونکہ تھوڑی ہی دیر بعد ماریا میرے سامنے جیتی جاگتی اور چلتی پھرتی موجود تھی۔ دوسرے بہت سے اسرار ہائے سربستہ کی طرح یہ بھی ایک اسرار تھا۔ اس کی آواز نے ایک بار پھر مجھے الجھن میں مبتلا کر دیا۔ کیونکہ اس کا صوتی تاثر میرے لیے اجنبی نہیں تھا مگر اس وقت یہ یاد نہیں آیا کہ میں نے وہ آواز کہاں سنی ہے؟ بعد ازاں یہی صورت حال اس وقت پیش آئی جب سعدیہ میں ایک رات میں نے ماریا سے گفتگو کی

اس وقت بھی اس کی آواز کا تاثر، اس کی مسکراہٹ اور اس کی آواز میرے لیے اجنبی تھی۔ جانی پہچانی تھی لیکن میں حیران ہونے کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ سوالات کی بھول بھلیاں تھی جس میں دیوانہ وار بھٹک رہا تھا۔ نادیدہ دیواروں سے سر ٹکرا رہا تھا مگر باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ ویرا کون ہے؟ وہ ہر جگہ کیوں موجود ہوتی ہے؟ میں اس کی آواز دوسری عورتوں کی لبوں سے کیوں سنتا ہوں۔ ماریا کی آواز سن کر شناسائی کا شبہ کیوں ہوتا ہے۔ دھیرے دھیرے میرے دل میں یہ خیال جاگزیں ہونے لگا تھا کہ شاید میں پاگل ہوتا جارہا ہوں۔ بعدازاں جب میں اور پیڈی صحرا میں بھٹک رہے تھے تو ایک سہ پہر میں اپنی نادیدہ دوست سے باتیں کرنے لگا۔ پیڈی گردوپیش کا جائزہ لینے کے لیے چلا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ حیران و پریشان بھاگا ہوا آیا اور اطلاع دی کہ اس نے ماریا کی لاش دیکھی ہے لیکن جب ہم دونوں اس مقام پر گئے تو لاش وہاں نہیں تھی۔ پیڈی قسمیں کھاتا تھا کہ اس کو دھوکا نہیں ہوا ہے۔ اس نے اپنی آنکھوں سے ماریا کی لاش دیکھی تھی مگر لاش وہاں نہیں تھی۔ کیوں، آخر کیوں۔ ایک اور اسرار لیکن پیڈی جھوٹ نہیں کہتا تھا۔ نہ ہی اسے دھوکا ہوا تھا۔ اس نے لاش اس وقت دیکھی تھی جب میں اپنی نادیدہ دوست سے باتیں کررہا تھا.....'' راجو یکا یک زور سے سانس لے کر چپ ہوگیا۔

''میں سمجھی نہیں.....'' میں نے حیرت سے کہا۔

''اس وقت میں بھی نہیں سمجھا تھا.....'' راجو نے جواب دیا ''ان دونوں باتوں میں تضاد کے باوجود جو تعلق ہے، وہ بعد میں سمجھ آیا تھا اگلے دن صحرا میں آندھی آئی تھی۔ اس آندھی میں، میں اور پیڈی ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ ان لوگوں نے پیڈی کو قتل کردیا جیسا کہ تمہیں علم ہے کہ بعدازاں ہمیں اس کی لاش ملی۔ میں تنہا رہ گیا تھا۔ میرے چاروں طرف ریگستان تھا اور اس ریگستان میں نہ صرف طرح طرح کی آفات موجود تھیں بلکہ لارڈرے اور اس کے آدمی بھی تھے اور میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ کیا کروں، کہاں جاؤں؟ کس طرح جان بچاؤں؟ اس عالم بے کسی اور تنہائی میں اچانک ماریا مجھے ملی۔ یہ اتفاق نہیں تھا بلکہ لارڈرے نے جان بوجھ کر ماریا کو میرے پاس بھیجا تھا اور مقصد یہ تھا کہ ماریا مجھے ارفینا کے مدفن کی طرف لے جائے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ کہ وہ میری مدد کرے گی تاکہ میں صحرا سے باہر نکل سکوں لیکن ساتھ ہی اس کی خواہش یہ بھی ہے کہ لارڈرے مجھے تلاش کرلے۔ اس میں کتنا جھوٹ تھا اور کتنا سچ، یہ مجھے نہیں معلوم لیکن بہ حالت مجبوری میں نے اس پر اعتبار کرلیا لیکن یہ اعتبار اندھا نہیں تھا۔ میں نے طے کرلیا تھا کہ محتاط اور ہوشیار رہوں گا.....'' راجو چپ ہوکر چند لمحے سوچتا رہا ''اور موئرا یہی وہ وقت تھا کہ جب ہر بات محو پر کھلی کتاب کی طرح ظاہر ہوگئی.....'' آخرکار اس نے کہا ''صرف ایک لمحے میں ہر راز مجھ پر منکشف ہوگیا۔ اس وقت صحرا میں ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی اور ہر سو چاندنی چٹکی ہوئی تھی اور ماریا بہت اچھی لگ رہی تھی۔ میں اس کی دلربا صورت اور دلکش سراپے کو دیکھ کر بہک گیا۔ ایک لمحے کے لیے جی لینے کی خواہش دل میں ابھری اور میں اس پر جھک گیا۔ میرے ہونٹ اس کے ہونٹوں سے پیوست ہوئے اور اس نے مدھم آواز میں ''ایمن'' کہا تو یک لخت میری رگوں میں خون جم گیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے، دہشت سے میرا رواں رواں کانپنے لگا تھا۔ ہاتھ پیروں میں شدید سنسناہٹ ہونے لگی تھی اور دماغ گویا سن ہوکر رہ گیا تھا۔ کیونکہ یکا یک مجھ پر انکشاف ہوا کہ میں مردہ ہونٹوں کو چوم رہا ہوں۔ ہاں، موئرا حیرت سے مجھے اس طرح نہ گھورو، یہ حقیقت ہے کہ وہ ایک مردہ جسم تھا۔ اس میں سے ٹھنڈے اور باسی گوشت کی بو اٹھ رہی

تھی اور مجھے یہ سمجھنے میں دشواری نہیں ہوئی کہ اس مردہ جسم کے اندر جو روح تھی وہ ایک پرانی روح تھی۔ صدیوں پرانی روح اور تب صرف ایک لمحے میں مجھ پر ہر راز آشکار ہو گیا۔ ویرا ہمشائر کی شخصیت کے سارے اسرار بے نقاب ہو گئے۔ وہ اچانک کیوں اور کیسے غائب ہو جاتی تھی۔ الاہرام کے قریب والے پارک میں جب وہ میرے ساتھ تھی تو پیڈی نے اسے کیوں نہیں دیکھا تھا۔ ایمن سوسائٹی کے ممبروں سے صرف باربرا، ڈاکٹر نینا اور لارڈرے ہی اس سے کیوں واقف تھے اور یہ کہ جب میں نے باربرا کے کمرے میں اسے دیکھا تھا تو وہ وہاں کیوں آئی تھی۔ موئرا اب تم سمجھ گئی ہو گی کہ ویرا ہمشائر کوئی جیتی جاگتی عورت نہیں تھی اس کی جسمانی ہیت بھی دراصل محض ایک ہیولہ تھی اور درحقیقت وہ ایک ساڑھے تین ہزار سال پرانی اور بوڑھی روح تھی۔ ماریا کے ہونٹوں کو چومتے وقت جب مجھ پر اس دہشت خیز حقیقت کا انکشاف ہوا تو پہلے مجھ پر شدید ترین خوف کا غلبہ ہوا پھر ایک ہیجانی اور جنونی کیفیت طاری ہو گئی۔ جو شدید دہشت کا ردعمل تھی اور پھر مجھے کسی بات کا ہوش نہ رہا۔ دماغ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو گیا۔ اب مجھے یاد آتا ہے کہ انتہائی خوف، جنون اور شدید اضطراری کیفیت کے زیر اثر میں نے ماریا کا گلا دبوچ کر دبانا شروع کر دیا تھا لیکن مجھے کچھ زیادہ جدوجہد نہیں کرنی پڑی تھی۔ چند منٹ میں ہی ماریا کا جسم، جو پہلے ہی سے مردہ تھا ساکت ہو گیا۔ وہ مر گئی تو میرا خوف کچھ اور بڑھ گیا اور میں بے تحاشا بھاگ کھڑا ہوا۔ اندھا دھند بھاگتا رہا۔ میرا خیال ہے میں ساری رات اور پھر صبح کے بیشتر وقت میں بھاگتا رہا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ دوپہر کے وقت جب طوفان آیا تو میں صحرا میں بھٹکتا پھر رہا تھا۔ بھوکا پیاسا، خراب وخستہ، میرے اعصاب بالکل ٹوٹ چکے تھے حواس ساتھ چھوڑ رہے تھے پھر میں بے ہوش ہو کر گر گیا تھا اور جب ہوش آیا تو دماغی توازن بگڑ چکا تھا لیکن تم بخوبی سمجھ سکتی ہو کہ میرے پاگل پن کا سبب بھوک پیاس، بیماری اور صحرا کی حدت نہیں بلکہ وہ سارا واقعہ تھا جو ماریا کے ساتھ پیش آیا تھا.....''

اتنا کہہ کر راجو یکا یک چپ ہو گیا۔ میں بھی خاموش رہی۔ ہمارے گرد پھیلا ہوا سناٹا کچھ اور گہرا ہو گیا اور سناٹا سمندروں کی لہروں کے شور اور ہوا کی سرسراہٹ کے باعث کچھ زیادہ ہی پراسرار محسوس ہو رہا تھا۔ ہم دونوں ہونٹ پر ہونٹ جمائے خاموشی سے چلتے رہے۔ جھیل پیچھے رہ گئی تھی اور اب چڑھائی شروع ہو گئی تھی۔ چند منٹ گہرے سکوت میں گزر گئے پھر میں نے دھیرے سے کہا۔

''مجھے یقین نہیں آتا.....''

''موئرا مجھے بھی یقین نہیں آتا۔ اس کے باوجود کہ یہ تمام واقعات کچھ مجھ پر ہی گزرے ہیں.....'' راجو نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

''پھر کیا ہوا.....؟''

قدرے توقف کے بعد راجو نے جواب دیا ''موئرا اگرچہ میں نے ماریا کو مار ڈالا تھا مگر مجھے یقین نہیں تھا کہ ویرا کی روح فنا ہو جائے گی اور ایسا ہی ہوا تھا۔ جب میں نے ماریا کا گلا گھونٹا تھا تو ویرا کی روح اس کے جسم سے نکل گئی تھی۔ اس کے بعد وہ مسلسل میرا پیچھا کرتی رہی۔ تم نے اگر مجھے خود کلامی کرتے ہوئے دیکھا تھا تو کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ میں خود سے نہیں ویرا کی روح سے باتیں کرتا تھا۔ اس کے بعد غار والا واقعہ پیش آیا۔ وہاں میں نے پہلی بار جولیانا کو دیکھا۔ صرف ایک نظر اور پھر فوراً ہی سمجھ گیا کہ وہ کون ہے اور کیا ہے؟ بعد ازاں ہم

لوگ قاہرہ آئے تو اخباری تصویر میرے ہاتھ لگی۔ مجھے تجسس ہوا کہ آخر ان لوگوں نے جولیانا کا جسم کیونکر حاصل کیا ہوگا کیونکہ ماریا تو ان کی ساتھی تھی کسی وجہ سے اس کا انتقال ہوگیا تو ویرا نے اس کا جسم تلاش کرلیا۔ جبکہ جولیانا سوسائٹی کی ممبر نہیں تھی پھر اس کا جسم ان لوگوں کے کیسے ملا ہوگا؟ پہلے میرا خیال تھا کہ شاید ان لوگوں نے جولیانا کو قتل کیا ہوگا لیکن ایسا نہیں تھا۔ تھوڑی سی جستجو کے بعد مجھے اصل حقیقت معلوم ہوئی دراصل جولیانا سیاحت کے غرض سے مصر آئی تھی۔ وہ قاہرہ کے ایک ہوٹل میں مقیم تھی۔ تبھی ایک دن وہ شدید بیمار ہوئی اسے اسپتال لے جایا گیا جہاں اس کا انتقال ہوگیا چونکہ اس کا کوئی رشتہ دار قاہرہ میں نہیں تھا۔ لہٰذا اسپتال کے عملے نے اس کی لاش مردہ گھر میں رکھ دی اور پولیس کو مطلع کردیا لیکن جب پولیس اسپتال پہنچی تو لاش غائب ہوچکی تھی۔ دراصل مردہ گھر کے انچارج کو لارڈ رے نے خرید لیا تھا۔ اس نے لاش لارڈ رے کے حوالے کردی اور پولیس کو بیان دے دیا کہ لاش چوری ہوگئی۔ چنانچہ موئرا اب تم سمجھ سکتی ہو کہ ماریا کی طرح جولیانا بھی دراصل ایک مردہ عورت تھی اور میں نے اسے آگ میں پھینک کر کوئی جرم نہیں کیا۔ یورپ کے بہت سے ملکوں میں اکثر لاشوں کو دفن کرنے کے بجائے جلایا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ کیا تم اب بھی مجھے ایک سفاک اور بے حس آدمی کہوں گی.....؟''

مزید کسی تنقید یا جرح کی گنجائش نہیں تھی راجو کا نکتۂ نظر واضح تھا۔ جولیانا بلاشبہ ایک مردہ عورت تھی اور راجو نے اس کے مردہ جسم کو آگ میں جلا کر کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ ہاں، یہ ضرور ہے کہ اسے ایک غیر مہذبانہ فعل کہا جا سکتا تھا مگر حالات کے پیش نظر اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ راجو نے اس کا جسم آگ میں جلا کر دراصل موئرا کی روح کو مارنے کی کوشش کی تھی مگر مجھے شبہ تھا۔ راجو نے خود کہا تھا کہ ہر چند کہ اس نے ماریا کو گلا گھونٹ کر مار ڈالا تھا پھر بھی موئرا کی روح فنا نہیں ہوئی تھی۔ یہی بات جولیانا کے معاملے میں بھی کہی جا سکتی تھی، بہت ممکن ہے کہ جولیانا کا جسم آگ میں گرنے سے قبل ہی موئرا کی روح جسم چھوڑ کر نکل گئی ہو۔ جب میں نے یہی بات راجو سے کہی تو وہ کہنے لگا۔

''موئرا، میرے بچپن کی بات ہے جب میں نے ایک بزرگ کی زبانی ایک واقعہ سنا تھا۔ بزرگ کے بیان کے مطابق ایک پیر صاحب نے ایک بدروح کو جو ایک مردہ جسم میں سما گئی تھی اسی طرح فنا کیا تھا کہ اسے آگ میں جلا دیا تھا۔ مجھے چونکہ یہ واقعہ یاد تھا اس لیے میں نے اسی پر عمل کیا۔ تم نے غور نہیں کیا ہوگا لیکن جب میں آگ کے گرد چکر لگا رہا تھا تو آیات کریمہ کا مسلسل ورد کر رہا تھا اور جولیانا کا جسم آگ میں پھینکتے وقت بھی خدا کا کلام میرے لبوں پر تھا، میں دعویٰ تو نہیں کرسکتا لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ ویرا کی روح ضرور فنا ہو جائے گی۔ کیونکہ آیات کریمہ کی برکتیں لامحدود ہوتی ہیں.....''

پھر کئی منٹ خاموشی مسلط رہی۔ میرا ذہن راجو کے بیان میں الجھا ہوا تھا۔ اس نے جو واقعات بیان کیے تھے۔ ان میں یقیناً ایک رابطہ تھا۔ اگرچہ ان کے لیے کوئی منطقی جواز پیش نہیں کیا جا سکتا مگر اس دنیا میں ہر روز ایسے بے شمار واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ جن کا کوئی عقلی جواز نہیں ہوتا۔ میرے ذہن نے غیر ارادی طور پر مان لیا کہ راجو نے جو کچھ کہا، وہ ہوسکتا ہے اور ہوا ہے مگر ایک بات واضح ہوئی تھی، ویرا ہمشائر، یہ انگلش نام ہے جبکہ راجو نے کہا تھا کہ وہ ایک کہنہ سال روح تھی چنانچہ میں نے کہا ''راجو ویرا کون تھی.....؟''

''ویرا، کون تھی؟'' راجو نے میرا سوال دہرایا پھر کہنے لگا ''موئرا جب میں ایمن مینشن گیا تھا تو وہاں میں نے فراعین مصر کی بہت سی تصویریں دیکھی تھیں۔ انہی میں ویرا ہمشائر کی تصویر بھی موجود تھی۔ اس وقت مجھے بڑا تعجب ہوا تھا کہ وہ تصویر وہاں کیوں لگی ہے، لطف یہ ہے کہ باربرا اور ڈاکٹر نیفا کے سوا کسی کو بھی اس تصویر کے اصل پس منظر کا علم نہ تھا مگر اب میں جانتا ہوں کہ وہ تصویر افریٹی کی ہے اور ویرا کی روح بھی دراصل افریٹی کی روح تھی البتہ یہ نام اس کا نہیں شاید حالات اور ضرورت کے تحت اس نے یہ نام اختیار کیا ہوگا۔ افریٹی پجاری... ارفینا کی بیٹی تھی۔ اس نے طوطنخ آمن کے مدفن سے ملحقہ تہ خانے میں خود کو زندہ ہی دفن کر لیا تھا۔ وہ طوطنخ آمن کے عشق میں مبتلا تھی اور یہ عشق بڑا عجیب تھا۔ تم نے اتنے شدید، جارحانہ اور جنونی عشق کی کوئی مثال آج تک نہیں سنی ہوگی۔ اس کی روح ساڑھے تین ہزار سال سے بھٹک رہی تھی، صرف اس لیے کیونکہ اسے اپنے باپ کی پیش گوئی پر یقین تھا اور اس کی آرزو تھی کہ طوطنخ آمن دوبارہ پیدا ہوا اور پھر وہ بھی طوطنخ آمن کی بیویوں میں شامل ہو سکے.....''

''مگر ویرا نے تو تم سے بھی اظہار عشق کیا تھا.....''

''ہاں، یہ بات تعجب کی ضرور ہے مگر اس کے لیے تمہیں فراعین کی روایات کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ ویرا یا افریٹی طوطنخ آمن سے پہلے عمن عونس کی داعی تھی اور اس سے بھی محبت کرتی تھی.....'' راجو نے گہری سانس لے کر بات ختم کی۔

☆☆☆

وہ ایک ایسی رات تھی، جس کی اذیت ناک یاد میرے ذہن پر ہمیشہ مسلط رہے گی۔ بھولنا بھی چاہوں گی تو نہیں بھول سکوں گی کیونکہ اس رات میرے جسم و ذہن نے جو عذاب اور اذیتیں برداشت کیں وہ ناقابل بیان ہیں۔ بھیگے ہوئے پھسلوں، نشیب و فراز پر چل چل کر میری ٹانگوں کی نسیں ناکارہ ہو گئی تھیں۔ سردی جسم کی ساری ہڈیوں میں گویا سما گئی تھی اور معدے کے اندر بھوک کی جلن اتنی شدید تھی کہ میری آنکھوں میں بار بار اندھیرا چھا جاتا تھا۔ ہم بہت دیر تک پہاڑی پر بھٹکتے رہے لیکن خالدہ، احسان اور آرتھر کا کوئی نشان، کوئی سراغ نہیں ملا۔ خدا جانے وہ لوگ کہاں غائب ہو گئے۔ زمین انہیں نگل گئی تھی یا آسمان کھا گیا تھا۔ وہ پہاڑی جزیرہ ہر چند کہ خاصا طویل تھا مگر اس کے چاروں طرف بہرحال سمندر تھا لہٰذا وہ لوگ جزیرہ چھوڑ کر نہیں جا سکتے تھے تو پھر کہاں گئے؟ ہم دونوں پہاڑی کے نشیبی حصے میں اترتے ہوئے بہت دور تک چلے گئے اور حتیٰ کہ اس مقام پر جا پہنچے جہاں جزیرہ ایک پتلی سی پٹی کی شکل اختیار کر کے اچانک بائیں جانب مڑ گیا تھا یہاں پر ایک اونچی چٹان تھی، کچھ اس طرح جیسے ایک دیو قامت عقاب پر پھیلائے بیٹھا ہو۔ ہم چٹان کے گرد چکر کاٹ کر دوسری طرف پہنچے تو اچانک ٹھٹھک کر رہ گئے۔ چٹان کے دامن میں لانچ کھڑی تھی۔

''موئرا، اب کیا کریں.....؟'' راجو نے یکایک پوچھا۔

میں نے مایوسی کے ساتھ گردن ہلائی ''پتا نہیں، وہ لوگ کہاں ہیں؟ میری تو سمجھ میں نہیں آتا.....''

''پہاڑی چھوڑ کر وہ لوگ نہیں جا سکتے.....'' راجو نے جواب دیا ''صرف ایک ہی صورت ہو سکتی ہے.....''

میں نے متوحش ہو کر گرد و پیش پر نظر ڈالی۔ ہر طرف سناٹا تھا اور ویرانی۔ اس سکوت کو صرف سمندر کی لہروں

کا شور توڑ رہا تھا یا پھر ہوا کی سنسناہٹ، آسمان اب کہیں کہیں سے کھل گیا تھا اور تارے جھانکنے لگے تھے۔ افق پر روشنی دھیرے دھیرے بڑھ رہی تھی یا صبح ہونے والی تھی۔ میں نے ایک بار پھر چٹان کے دامن میں نظر ڈالی۔ وہاں صرف ایک لانچ نظر آ رہی تھی۔

راجو نے لانچ کو گھورتے ہوئے جواب دیا ''اب اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ لانچ میں ان لوگوں کو تلاش کیا جائے۔''

میں نہیں جانتی تھی کہ راجو کے کیا احساسات تھے لیکن اس وقت جب ہم پانی میں اتر کر لانچ کی طرف بڑھ رہے تھے تو مجھ پر لرزہ طاری تھا۔ دل کی دھڑ دھڑاہٹ بڑھ گئی تھی۔ کئی بار جی چاہا کہ راجو کو روک لوں اور منت سماجت کر کے اسے واپس لے چلوں ویسے بھی یہ طریقہ غلط تھا۔ راجو نے کوئی احتیاطی تدبیر اختیار نہیں کی تھی کوئی لائحہ عمل مرتب نہیں کیا تھا۔ مجھے یہ بھی علم نہیں تھا کہ اس کے ذہن میں کیا ہے؟ اور میری دانست میں یہ صریحاً پاگل پن تھا کہ اس طرح منہ اٹھا کر لارڈرے کے سامنے پہنچ جائیں مگر میں خاموش رہی کیونکہ مجھے یقین تھا کہ راجو میری بات پر کان نہیں دھرے گا اور دوئم یہ کہ اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ جب عقل بے دست و پا ہو جاتی ہے تو جنون کا سہارا لینا پڑتا ہے اور جنون و دیوانگی میں احتیاط کا گزر نہیں ہوتا۔ چنانچہ میں چپ رہی۔ پانی میں جگہ جگہ چھوٹے بڑے پتھر ابھرے ہوئے تھے۔ ہم ان کا سہارا لے کر آگے بڑھتے رہے فاصلہ بتدریج کم ہو رہا تھا اور گھبراہٹ بڑھ رہی تھی۔ جب ہم لانچ کے پاس پہنچے تو ضبط کا یارا نہ رہا۔ میں نے یکا یک راجو کا بازو پکڑ لیا۔

راجو نے گھوم کر مجھے دیکھا۔ میرے پس و پیش اور خوف کو محسوس کیا پھر فیصلہ کن لہجے میں بولا ''نہیں موئرا، اب کچھ نہیں ہو سکتا.....''

لانچ پر گہری خاموش مسلط تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے لانچ پر کوئی ہے ہی نہیں جب ہم اوپر چڑھے تب بھی کسی کی موجودگی کے آثار ظاہر نہیں ہوئے۔ میں نے یکا یک راجو کے کان میں چپکے سے کہا ''شاید لانچ پر کوئی نہیں ہے.....''

''ابھی پتا چل جائے گا.....'' راجو نے سرگوشی کی۔

لیکن میرا خیال غلط تھا، راجو نے جونہی کیبن کے دروازے پر ہاتھ رکھا۔ دفعتاً ایک آواز سیٹی کی طرح گونجی مگر تھکی ہوئی سنائی دی..... ''اندر آ جاؤ..... دروازہ کھلا ہے.....''

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ کیونکہ وہ آواز لارڈرے کی تھی۔ ایک بار پھر میرے حواس زور سے چیخے، ہمت چیخ کر ٹوٹی، جی چاہا واپس بھاگ جاؤں۔ موت کے منہ میں واپس جانا کون پسند کرتا ہے؟ مگر راجو اتنی دیر میں دروازہ کھول چکا تھا۔ میرے لیے تقلید کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ اندر داخل ہوئی اور دوسرے لمحے میرا سارا وجود تھرتھرا کر رہ گیا۔ ایک لمحے کو یوں لگا جیسے دل کی دھڑکن رک گئی ہو کیونکہ جو منظر آنکھوں کے سامنے تھا۔ اس کا میں گمان بھی نہیں کر سکتی تھی۔ سامنے ایک کرسی پر لارڈرے بیٹھا تھا اور اس کے دائیں جانب مسٹر اینڈریو اور بوگن بیٹھے تھے۔ بائیں طرف بینچ پر خالدہ اور احسان چپ چاپ بیٹھے ہوئے تھے ان کے قریب ہی روزآلبہ موجود تھی اور اس کے جسم پر جا بجا خون کے دھبے نظر آ رہے تھے۔ مقابل کے کونے میں تین لاشیں پڑی تھیں اور لاشیں سونیا، کارسن اور آرتھر کی تھیں۔

میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ اپنے ٹوٹتے اور بکھرتے ہوئے جسم کو سمیٹنے کی یہ ایک لاشعوری کوشش تھی۔
کیبن کے اندر گہرا جان لیوا سکوت طاری تھا۔ یہ سکوت اتنا گہرا تھا کہ میں اپنے دل کی دھڑکنیں صاف سن سکتی تھی۔ کئی منٹ گزر گئے، کئی طویل، صبر آزما منٹ، کسی نے بھی لب نہیں کھولے۔ بس چپ چاپ ایک دوسرے کو دیکھتے گئے۔ ایسا لگتا تھا جیسے صرف آرتھر، سونیا اور کارسن ہی نہیں بلکہ ہم بھی لاشیں ہیں۔ چند لمحوں بعد میں نے آنکھیں کھولیں اور ان تینوں لاشوں اور ان کے آس پاس بکھرے ہوئے خون کو دیکھا۔ سونیا اور کارسن کو یقینی طور پر ایک بڑے پھل کے چاقو سے ہلاک کیا گیا تھا کیونکہ وہ چاقو اب بھی کارسن کی پسلیوں میں پیوست نظر آرہا تھا مگر میں یہ اندازہ نہیں لگا سکی کہ انہیں کس نے قتل کیا تھا۔

آخر کار مہر سکوت ٹوٹی۔ لارڈرے نے لبوں کو جنبش دی اور میں نے اس کی آواز سنی وہ کہہ رہا تھا ''راجو ہم تمہارا ہی انتظار کررہے تھے، ہمیں یقین تھا تم ضرور آؤ گے.....''

راجو نے فوراً ہی کچھ نہیں کہا۔ اس نے فرداً فرداً ہر چہرے پر نظر ڈالی پھر گہری نظروں سے لارڈرے کو گھورنے لگا۔ کمرے کا سکوت کچھ اور بوجھل کچھ اور جان لیوا ہوگیا تھا۔ میں نے خالدہ کی طرف دیکھا۔ وہ مجھے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے صاف پتا چلتا تھا کہ ہم دونوں کو دیکھ کر اس کا بکھرا ہوا اعتماد پھر سے بحال ہوگیا۔ میں مسکرائی تو وہ بھی مسکرانے لگی پھر میں نے غور کیا کہ احسان اور خالدہ نے اپنے ہاتھ پشت کی جانب کررکھے ہیں۔ شاید ان کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ میں نے یکا یک خالدہ سے پوچھا ''خالدہ تم ٹھیک تو ہو نا.....؟''

''ہاں، موئرا میں ٹھیک ہوں.....''

پھر میں نے راجو کی آواز سنی، وہ لارڈرے سے کہہ رہا تھا ''مجبوری تھی لارڈرے، یہاں آنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا.....''

لارڈرے مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ بڑی عجیب تھی اس سے مایوسی، تھکن، جھنجلاہٹ اور دکھ کا اظہار ہوتا تھا۔ مسکراہٹ کی طرح اس کی آواز بھی بڑی مختلف محسوس ہورہی تھی۔ اس میں ایک ایسی تھرتھراہٹ تھی جو میں نے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ اس نے خالدہ اور احسان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''میں نے ان دونوں کو اسی لیے یہاں بٹھا رکھا تھا کیونکہ جانتا تھا کہ تم انہیں چھوڑ کر نہیں جاؤ گے۔''

راجو نے گردن کو ذرا سا خم دے کر آرتھر اور سونیا وغیرہ کی لاشوں پر نظر ڈالی پھر پوچھا ''یہ سب کیونکر ہوا.....؟''

لارڈرے نے سر ہلا کر جواب دیا ''ان لوگوں کا وقت پورا ہو چکا تھا ورنہ یہ حادثہ ہرگز نہ ہوتا۔ میں نے کارسن اور لوگن سے کہا تھا کہ ان تینوں کو لانچ میں لے آئیں۔ میرا ارادہ کسی کو نقصان پہنچانے کا نہیں تھا صرف اتنا چاہتا تھا کہ یہ لوگ یہاں ٹھہریں گے تو تم خود ہی یہاں آجاؤ گے لیکن جب یہ لوگ یہاں آئے تو آرتھر نے یکا یک حملہ کردیا۔ ہمیں یہ علم نہیں تھا کہ اس کے پاس چاقو ہے۔ اس نے بڑی پھرتی سے کارسن اور سونیا کو قتل کر دیا۔ روز آلبہ اور اینڈریوز کو زخم آئے۔ مجبوراً مجھے آرتھر کو شوٹ کرنا پڑا مگر اس میں شک نہیں کہ آرتھر ہمت والا اور وفادار آدمی تھا۔ یہ بات مجھے اب معلوم ہوئی کہ وہ آنجہانی پیٹرک کارمل سے اتنی محبت کرتا تھا کہ ان کے لیے مر

گیا۔تمہیں وفاداری کی ایسی مثالیں خال خال ملیں گی۔''

راجو نے یکا یک بے حد تیکھے لہجے میں پوچھا''لارڈ رے کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہارا اعتبار کرلوں.....؟''

''کیا مطلب.....؟''

''تم نے ابھی ابھی کہا ہے کہ تم ان لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے تھے۔کیا یہ بات بجائے خود مضحکہ خیز نہیں ہے؟''

''نہیں،نہیں.....ہرگز نہیں، میں واقعی صرف اتنا چاہتا تھا کہ تم یہاں آؤ اور بس.....''

میں بڑی الجھن محسوس کر رہی تھی۔کہتے ہیں کہ آدمی کے اندر ایک چھٹی حس بھی ہوتی ہے اور شاید میری چھٹی حس ہی تھی جو مجھے کچھ بتانے کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن میرا شعور اس کے ادراک سے اصر تھا۔ کہیں نہ کہیں کوئی بات ایسی ضرور تھی جو عجیب اور غیر متوقع تھی مگر وہ کیا بات تھی۔میں نے تجسس آمیز نظروں سے ایک ایک شے کا جائزہ لیا۔ایک ایک چہرے کو گھور کر دیکھا مگر کوئی بات غیر معمولی نہیں تھی پھر میں آگے بڑھ کر خالدہ کے پاس بیٹھ گئی اور راجو اور لارڈ رے کی گفتگو سننے لگی۔ساری گفتگو وہی دونوں کر رہے تھے۔باقی سب لوگ سنگی بتوں کی طرح خاموش تھے شاید کسی کے لیے گفتگو میں حصہ لینے کا کوئی پہلو تھا ہی نہیں۔ہم لوگ تو محض مہرے تھے۔شاطر وہ دونوں تھے اور انہیں اپنی اپنی چالیں چلنا تھیں۔لفظوں کا ہر مہرہ بہت احتیاط سے آگے بڑھانا تھا۔چند لمحوں کے توقف کے بعد راجو نے کہا''ٹھیک ہے لارڈ رے،تمہاری خواہش کے بوجب میں آگیا ہوں.....اب تم کیا چاہتے ہو؟''

''میں کیا چاہتا ہوں.....؟''لارڈ رے نے سر ہلا کر کچھ ایسی آواز میں کہا جیسے خواب میں بول رہا ہو''راجو، میں کیا چاہتا ہوں، میں کیا چاہتا تھا،تم اچھی طرح جانتے ہو مگر تم یہ نہیں جانتے کہ تم نے کیا کیا ہے۔تم نے اس خواب کو مٹی میں ملا دیا۔جو ہزاروں برسوں سے ان گنت لوگ دیکھتے چلے آرہے تھے تم نے میری برسوں کی جدوجہد کو برباد کر ڈالا ہے۔راجو ساری دنیا تمہارے قدموں میں جھکنے کی منتظر تھی مگر تم نے اسے ٹھکرا دیا ہے۔تم نہیں جانتے راجو تم نہیں جانتے کہ تم نے کیا کیا ہے؟ وہ بات جو ہزاروں سال قبل اسائرس اور اخن عاتن اور ایمن اور ریفا اور ارفینا نے کہی تھی اور جس کا سپنا افریٹی مسلسل دیکھتی رہی تھی۔تم نے اسے تکمیل تک پہنچنے سے پہلے ہی برباد کر ڈالا ہے۔کیونکہ تم نے کبھی نہیں جانا تھا اور شاید کبھی نہیں جانو گے کہ دیوتاؤں نے جو کچھ کہا تھا سچ کہا تھا کیونکہ تمہاری آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔تم اپنی ذات کے حصار میں قید ہو اور تمہاری آنکھیں بے نور ہو چکی ہیں۔تم ان سورجوں کو نہیں دیکھ سکتے ہو طلوع ہونے والے تھے اور تم ان سجدوں کا عرفان نہیں کر سکتے جو تمہارے قدموں میں بچھنے والے تھے۔راجو.....راجو تم شہنشاہ عالم بننے والے تھے مگر.....''لارڈ رے یکا یک اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بے چینی سے ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔اس کی حالت دیوانوں جیسی ہو رہی تھی۔اس کا چہرہ رنج اور اندرونی کرب کے باعث پھیکا پڑ گیا تھا اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور آواز آنسوؤں کے باعث رندھی ہوئی تھی۔''مگر تم نے سب کچھ ٹھکرا دیا۔اب کچھ بھی باقی نہیں بچا ہے۔سب کچھ فنا ہو گیا ہے میرے سب ساتھی بچھڑ گئے ہیں اور میں تنہا رہ گیا ہوں۔لانچ کے حادثے کا تمہیں علم ہوگا۔اس میں جتنے بھی لوگ تھے۔سب مر گئے،سب اسائرس کے پاس واپس چلے گئے۔ڈاکٹر نیفا، باربرا اور گومز سب چلے گئے۔کارسن بھی اور سونیا

ماہنامہ سرگزشت کا ہر دل عزیز اور معرکتہ الآرا سلسلہ

سیاست کی افسوں گری، راج نیتی کے قصے، اقتدار کی
غلام گردشوں میں جنم لینے والی ہوشربا داستانیں

کشتۂ سیاست

صفحات 250 سے زائد

قیمت 70 روپے

ڈاک خرچ 25 روپے

غلام قادر کے قلم سے ایک کنوارے سیاستدان کی سرگزشت

وہ داستان جس کے کردار تیسری دنیا کی سیاست میں بخوبی پہچانے جاسکتے ہیں

اب کتابی صورت میں منظرِ عام پر آچکا ہے

کتاب کی قیمت بذریعہ بینک ڈرافٹ، منی آرڈر یا کراسڈ چیک ارسال روانہ کریں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 رمضان چیمبرز بلمور یا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی

فون: 5802551-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

رابطے کے لئے: C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین روڈ کورنگی روڈ کراچی 75500

بھی۔اب کیا باقی بچا ہے۔صرف میں، راجو تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ تم نے مجھ پر کتنا ظلم کیا ہے.....؟''

راجو نے یکا یک لب کھولے ''اور دوسرے لوگ کہاں ہیں؟ میرا مطلب ہے، وہ لوگ جو موٹر بوٹ میں تھے.....؟''

''وہ سب چلے گئے راجو.....سب چلے گئے.....'' لارڈرے ہذیانی انداز میں بولا ''ڈاکٹر نیفا کے مرنے کے بعد وہ سب بددل ہو گئے تھے اور شاید ڈر بھی گئے تھے۔میں نے انہیں واپس بھیج دیا ہے۔اسٹارکی، انوار بے، ایفا، کیٹی، اولگا وغیرہ سب چلے گئے۔میں نے انہیں بوٹ میں واپس اسکاٹ لینڈ بھیج دیا.....'' لارڈرے ایک لمحے کے لیے رکا ''مگر میں نہیں گیا مجھے معلوم تھا تم لوگ اس پہاڑی پر موجود ہو اور میں تم سے انتقام لے سکتا تھا تمہیں سزا دے سکتا تھا مگر میں نے ایسا نہیں کیا بلکہ تمہارا انتظار کرتا رہا، تمہاری واپسی کا۔میں جانتا تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔تمہیں آنا پڑے گا کیونکہ ابھی قصہ ختم نہیں ہوا ہے۔ہر چند کہ دیوتاؤں کی مرضی پوری نہیں ہوئی مگر ابھی آخری مرحلہ باقی ہے.....'' لارڈرے پھر رک گیا۔اس نے زور سے سسکی لی، گھوم کر ہمیں باری باری دیکھا پھر راجو سے مخاطب ہوا ''تم نے جولیانا کو آگ میں جلا دیا۔کیا تمہیں علم تھا کہ وہ کون ہے.....؟''

''ہاں.....'' راجو نے سر ہلایا ''میں جان گیا تھا کہ وہ افریٹی ہے۔''

لارڈرے کے آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آواز پھر بلند ہوئی ''تم نے اسے آگ میں جلا دیا۔یہ سوچے بغیر کہ اس نے برسہا برس تمہاری پوجا کی تھی۔برسوں تمہارا انتظار کیا تھا۔ایک ایک پل تمہارا نام لے کر گزارا تھا۔وہ اپنے باپ کی پیش گوئی کی امین تھی مگر تم نے اسے آگ میں جلا دیا۔راجو تم نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟ تمہارا طرز عمل میری سمجھ میں نہیں آتا.....''

''مگر میرے ذہن میں کوئی الجھن نہیں ہے.....'' راجو نے جواب دیا ''لارڈرے، میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ فرار ہو کر اپنی جان بچانے کی کوشش کروں، میں نہیں چاہتا تھا کہ میری وجہ سے موئرا اور خالدہ مصیبت میں پڑیں اور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔میرا ارادہ تھا کہ انہیں کسی محفوظ مقام تک پہنچا کر پھر واپس آؤں گا۔تا کہ تم سے اپنا حساب صاف کر سکوں.....''

''مگر کیوں.....مگر کیوں.....'' لارڈرے جذباتی ہو کر چیخا ''میں نے تمہارے لیے کیا نہیں کیا۔دنیا کی تمام عشرتیں مہیا کیں۔شان و شوکت، جاہ و حشمت، مال و دولت، زر و جواہر اور خدام کی فوج، میں نے تمہارے لیے حسین ترین عورتیں فراہم کیں۔تمہارے ایک اشارہ ابرو پر جان دینے والے غلام جمع کیے مگر تم نے سب کچھ ٹھکرا دیا۔کیوں.....آخر کیوں.....؟''

''میں تمہاری اس بات کا کیا جواب دوں.....؟'' راجو کہنے لگا ''صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ میں تمہارے مطلب کا آدمی نہیں تھا۔ہو سکتا ہے میرے ہاتھ کی لکیریں عمن عونس سے ملتی ہوں اور میرے جسم پر وہ نشانیاں بھی ہوں جو عمن عونس کے جسم پر تھیں مگر اس کے باوصف میں عمن عونس نہیں تھا اور نہ بننا چاہتا تھا، میں تو ایک معمولی سا آدمی ہوں۔مجھے حسین ترین عورتوں کا غول اور جان دینے والے غلاموں کی فوج نہیں چاہیے۔زر و جواہر اور دولت کے انباروں سے بھی مجھے کوئی سروکار نہیں تم جو دنیا میرے لیے تخلیق کر رہے تھے۔میں اس میں فٹ نہیں بیٹھتا تھا اور ارفینا نے جو پیش گوئی کی ہے۔میں نہیں جانتا کہ اس میں کتنی حقیقت ہے مگر وہ میرے جی کو نہیں

جاسوسی ڈائجسٹ کے مقبول سلسلے کتابی شکل میں دستیاب ہیں

شکاری

20 حصے (مکمل)

قیمت فی حصہ 60 روپے

ڈاک خرچ فی حصہ -/23 روپے

مکمل سیٹ ایک ساتھ منگوانے پر رعایتی قیمت صرف -/1000 روپے

مجاہد

11 حصے (مکمل)

قیمت فی حصہ 60 روپے

ڈاک خرچ فی حصہ -/23 روپے

مکمل سیٹ ایک ساتھ منگوانے پر رعایتی قیمت صرف -/600 روپے

گمراہ

8 حصے (مکمل)

قیمت فی حصہ 60 روپے

ڈاک خرچ فی حصہ -/23 روپے

مفرور

6 حصے (مکمل)

قیمت فی حصہ 60 روپے

ڈاک خرچ فی حصہ -/23 روپے

صدیوں کا بیٹا

5 حصے (مکمل)

قیمت فی حصہ 60 روپے

ڈاک خرچ فی حصہ -/23 روپے

کسی بھی کتاب کے چار حصے ایک ساتھ منگوانے پر ڈاک خرچ -/29 روپے

کسی بھی قسم کی رعایت حاصل کرنے کے لئے رقم پیشگی بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں

کتابیات پبلی کیشنز

رضوان چیمبرز، مولوی مسافر اسٹریٹ، آئی آئی چندریگر روڈ

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

پوسٹ بکس 23

کراچی 74200

kitabiat1970@yahoo.com

لگتی.....''

''مگر وہ پیش گوئی ضرور پوری ہوگی.....'' لارڈرے بھرائی ہوئی آواز میں بولا'' دیوتاؤں کے فیصلے بدلتے نہیں اُن میں تاخیر ضرور ہو جاتی ہے چنانچہ اب نہ سہی آئندہ سہی ہم سے ضرور کوئی غلطی ہوئی ہے کہ اسائرس ناراض ہو گیا اور اس نے اپنا فیصلہ آئندہ پر ملتوی کر دیا مگر میں جانتا ہوں کہ.....پیش گوئی ضرور پوری ہوگی بیس سال بعد یا پچاس سال بعد یا سو سال بعد، میں اور نیفا اور باربرا اور کارسن، ریمزے اور ٹیا اور تم ایک بار پھر دنیا میں واپس آئیں گے اور تب پیش گوئی پوری ہوگی اور طوطنخ آمن دنیا میں آکر پوری دنیا کی بادشاہت سنبھالے گا۔''

''ٹیا کہاں ہے.....؟'' یکا یک راجو نے پوچھا۔

''مر گئی.....'' لارڈرے نے روتی ہوئی آواز میں جواب دیا'' وہ بھی لانچ میں تھی سب کے ساتھ وہ بھی مر گئی.....'' اتنا کہہ کر لارڈرے چپ ہو گیا۔ راجو بھی خاموش رہا۔ کیبن میں سکوت چھا گیا۔ ہم سب مہر بہ لب ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے اور شاید ہر فرد کے ذہن میں ایک سوال گردش کر رہا تھا۔ اب کیا ہوگا؟ لارڈرے اب کیا کرے گا؟ کئی منٹ اسی بوجھل سکوت میں گزر گئے پھر راجو نے لب کھولے اور آہستہ سے کہا'' لارڈرے تم نے جو کچھ کہا ہے اس سے مجھے کوئی غرض نہیں، مجھے تو ان ذہنی اذیتوں اور جسمانی تکالیف اور روحانی کرب سے غرض ہے جو مجھے تمہارے اور ڈاکٹر نیفا کے ہاتھوں اٹھانا پڑیں۔ میں نے یہ طے کر لیا تھا کہ تمہیں کسی حال میں معاف نہیں کروں گا۔ تم سے بدلہ لوں گا۔ خواہ مجھے اس کے لیے کچھ بھی کرنا پڑے مگر اس کا انحصار اس پر تھا کہ موئرا اور خالدہ محفوظ اور سلامت ہو کر نکل جائیں میری بدقسمتی کہ ایسا نہیں ہوا۔ صورت حال پھر بدل گئی۔ تم نے انہیں پکڑ لیا صرف اس لیے تاکہ میں تمہارے پاس واپس آؤں، چنانچہ میں آ گیا ہوں۔ میں نے تم سے انتقام لینے کا خیال بھی ترک کر دیا ہے حالانکہ میں موئرا، احسان اور خالدہ کی زندگیوں کو خطرہ میں نہیں دیکھ سکتا۔ اب میں تمہارے اختیار میں ہوں جو کچھ تم کہو گے وہی کروں گا مگر ایک شرط ہے.....''

''کیا.....؟'' لارڈرے نے پوچھا۔

''تم ان لوگوں کو چلا جانے دو اور وعدہ کرو کہ آئندہ کبھی بھی ان سے کوئی سروکار نہیں رکھو گے.....''

لارڈرے نے سر ہلا کر کہا'' راجو تمہیں حیرت ہوگی لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں خود بھی یہی چاہتا ہوں۔ میں نے اس مقصد کے لیے وائیونا سے لانچ بھی منگوالی تھی جو یہاں سے تقریباً ڈھائی میل کے فاصلے پر کھڑی ہے۔ تم ان لوگوں سے کہو کہ جزیرے کے مشرقی حصے میں جائیں۔ جہاں پر جزیرہ ختم ہوگا وہیں پر لانچ کھڑی ہے تمہیں شاید علم نہ ہو مگر یہ جزیرے نیو ہبریڈیز کے ہیں۔ اسکاٹ لینڈ یہاں سے زیادہ دور نہیں۔ تم ان سے کہو کہ لانچ لے کر یہ لوگ فوراً روانہ ہو جائیں مجھے امید ہے کہ چار پانچ گھنٹے میں اسکاٹ لینڈ پہنچ جائیں گے.....''

''نہیں.....نہیں.....ہرگز نہیں.....'' میں یکا یک اچھل کر کھڑی ہو گئی اور راجو کا بازو پکڑ لیا'' ہم تمہیں چھوڑ کر ہرگز نہیں جائیں گے۔''

''تمہیں جانا ہوگا موئرا.....'' راجو نے آہستہ آہستہ سے کہا لیکن لہجے کی نرمی میں تحکم کی جھلک تھی.....'' یہ سارا معاملہ میرا اور لارڈرے کا ہے تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم دونوں اپنے معاملات خود طے کریں

ایک زہرہ جمال، فتنہ خصال کے

ماورائی کمالات کا قصہ

اپنے وقت کی مقبول ترین کہانی

جمیل احمد خان کی سرگزشت

انکا

ماہنامہ سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی اپنے وقت کی مقبول ترین کہانی

6 انچ کی وہ گڑیا بڑے بڑے شہہ زوروں سے زیادہ طاقت کی مالک تھی۔ انسانی خون اس کی غذا اور انسانوں کے سروں پر اس کا بسیرا تھا۔ اس کی تسخیر کا خواب بڑے بڑے پنڈتوں کی نیندیں حرام کیے رکھتا۔ بڑی کٹھن اور جان لیوا تپسیا کے بعد ہی کبھی کوئی پنڈت قوت و اقتدار کی اس دیوی کے حصول میں کامیاب ہوتا، لیکن وہ پہلا شخص تھا جس کے سر پر انکا بغیر کسی جاپ اور چلے کے آ گئی تھی اور ایک ایسے راستے پر چلنے کے لئے مجبور کر رہی تھی جہاں ہر قدم پر عداوتیں، نفرتیں اور کشت و خون کے سوا کچھ بھی نہ تھا..... اور پھر یہی کچھ ہوا۔ جب تک اسے انکا کی مدد حاصل رہی، اس نے سارے ہندوستان کو اپنی انگلیوں پر نچایا لیکن ایک روز بالآخر ایک پنڈت اپنی کڑی تپسیا کے بعد انکا کو اس سے چھیننے میں کامیاب ہو گیا اور وہی راحتِ جاں جمیل احمد خان کے لئے دشمن جاں بن گئی۔

ایک ایسی ناقابلِ فراموش داستان جس میں حسن کی رعنائیاں بھی ہیں اور عشق کی کرم فرمائیاں بھی، جاں نثاری سے لبریز دوستیوں کے پیمانے بھی ہیں اور کبھی نہ ختم ہونے والی دشمنیوں کے افسانے بھی۔

ازل سے جاری خیر و شر کی کشمکش میں ایک حیرت انگیز معرکہ آرائی

دو حصوں میں مکمل ..... قیمت فی حصہ 50 روپے ڈاک خرچ فی حصہ 23 روپے

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23

کراچی 74200

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

رابطے کے لئے: C-63 فیز III ایکس ٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ (اختر کالونی بس اسٹاپ کے سامنے) کراچی 75500

گے۔تم لوگوں کو بہر حال جانا ہوگا.....''

یہ دسمبر کی ایک انتہائی سرد اور ویران رات ہے میں انگلستان کے اس سنگین شہر کے ایک قدیم طرز کے مکان میں اکیلا بیٹھا ہوں۔رات گزر چکی ہے۔صبح کے آثار نمودار ہو رہے ہیں۔میری کہانی ختم ہو چکی ہے۔اس کہانی کے کچھ واقعات موئرا نے بیان کیے تھے جو میں نے اسی کے الفاظ میں قلم بند کیے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ جس وقت میں موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا تھا۔اگر موئرا اس وقت مجھے نہ ملی ہوتی تو مجھے ان واقعات کا کبھی علم نہ ہوتا جو میری غائب دماغی کے دوران پیش آئے تھے بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ آج میں ان واقعات کو بیان کرنے کے لیے زندہ نہ ہوتا۔

باہر گلی میں بدستور سناٹا طاری ہے۔اب تو کسی سینڈل کی کھٹ کھٹ کی آواز بھی نہیں آتی۔میرے سامنے ان گنت صفحات بکھرے ہوئے ہیں جن پر میں نے سیاہ حرفوں میں ان عجیب وغریب، انوکھے اور پراسرار واقعات کو رقم کیا ہے۔جنہیں شاید کوئی نہیں مانے گا مگر یہ بات اپنی جگہ سچ ہے کہ اس دنیا میں نہ صرف ایسے بلکہ اس سے بھی زیادہ پراسرار اور ناقابل یقین واقعات وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔کچھ لوگ یقیناً ایسے بھی ہوں گے جو مجھ سے بھی زیادہ بدقسمت ہوں گے اور میرے مقابلے میں کہیں زیادہ دہشت ناک اور لرزہ خیز واقعات سے دوچار ہوئے ہوں گے۔میں نے اگرچہ تمام واقعات مناسب تفصیل سے بیان کر دیے ہیں مگر ایک بات پھر بھی باقی رہ گئی ہے۔موئرا نے مجھ سے پوچھا کہ جب میں اور لارڈ رے لانچ پر تنہا رہ گئے تھے تو کیا ہوا تھا؟ میں نے اس سے کہا تھا کہ میں تمام واقعات لکھ رہا ہوں، تم خود ہی پڑھ لینا چنانچہ اب میں ذکر کرتا ہوں کہ اس کے بعد کیا ہوا تھا؟ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے کہ موئرا نے مجھے چھوڑ کر جانے سے انکار کر دیا تھا۔یہی ارادہ احسان اور خالدہ نے بھی ظاہر کیا تھا۔خالدہ اور احسان لانچ سے چلے گئے۔کیبن میں صرف میں اور لارڈ رے رہ گئے۔میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور ہم دونوں خاموشی سے گزرتے ہوئے لمحوں کی چاپ سنتے رہے۔میں نے ایک دو بار بولنے کی کوشش کی مگر لارڈ رے نے مجھے روک دیا۔

''ابھی نہیں بھتیجے، کچھ دیر ٹھہر جاؤ.....''

آخر کار جب لارڈ رے کو اطمینان ہو گیا کہ وہ لوگ لانچ میں بیٹھ کر بہت دور جا چکے ہوں گے تب اس نے کہا ''راجو، اب ہم باتیں کر سکتے ہیں۔''

میں نے فوراً ہی کچھ نہیں کہا۔میرے ذہن میں خیالات کا ہجوم تھا۔مختلف ومتضاد خیالات میرے وجود کو گھیرے ہوئے تھے اب کیا ہوگا؟ لارڈ رے نے مجھے کیوں روکا ہے؟ اس کا ارادہ کیا ہے؟ مگر ایک اطمینان بھی تھا اور وہ یہ کہ خالدہ اور موئرا جا چکی تھیں اور ان کی زندگیاں گویا محفوظ تھیں پھر میں نے سوچا کہ مجھے زیادہ تردد نہیں کرنا چاہیے۔جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔چنانچہ میں نے لارڈ رے سے کہا ''لارڈ رے تمہارا شکریہ کہ تم نے خالدہ اور موئرا کو چلا جانے دیا۔اب میں تمہارے پاس ہوں، تمہارے اختیار میں ہوں۔تم بتاؤ کہ مجھ سے کیا چاہتے ہو.....؟''

لارڈ رے کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ''عالم، تم نے ارفینا کی تیسری کتاب پڑھی تھی۔کیا تمہیں وہ حصہ یاد ہے جس میں عمن عونس اور رع کی آخری ملاقات کا حال درج

اردو میں سب سے زیادہ شائع ہونے والی سرگزشت

مکمل ناول

صبیحہ

راوی: صبیحہ بانو

مصنف: ایچ اقبال

قیمت: 200/- روپے

ڈاک خرچ: 29/- روپے

صبیحہ بانو کی زندگی بہت عجیب اور خطرناک حالات سے گزرتی رہی ۔ جہاں ایک طرف تو حسن و عشق کی کرم فرمائیاں ہیں تو دوسری طرف قتل و غارت گری کے قصے ۔ ایک عورت ہوتے ہوئے بھی خلاف فطرت اسکو مردوں سے زیادہ عورتوں میں دلچسپی تھی ۔

دولت مند، آزاد خیال پُروقار خوبصورت اور خطرناک صبیحہ بانو، جنہیں لوگ جانتے ہیں مگر نہیں جانتے۔ جرائم پیشہ افراد انہیں "چھلاوہ" کہتے ہیں

صبیحہ بانو کی یادگار سرگزشت

کتاب کی قیمت بذریعہ پیشگی ڈرافٹ، منی آرڈر یا کراسڈ چیک ارسال فرمائیں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

رابطے کے لئے: C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین روڈ کورنگی روڈ کراچی 75500

ہے.....''

''ہاں مجھے یاد ہے.....'' میں نے جواب دیا پھر یکا یک میں اچھل کر کھڑا ہو گیا ''لارڈ رے تمہارا کیا مطلب ہے، نہیں، نہیں، میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔''

''تم کرو گے، یہ میری آخری خواہش ہے.....'' لارڈ رے سکون سے بولا۔

''نہیں نہیں۔ عمن عونس نے تو رع کو مار ڈالا تھا۔''

''وہ مجبوری تھی اور رع کی خواہش تھی.....''

''مگر میں تمہیں قتل نہیں کر سکتا.....'' میں نے چیخ کر کہا ''میں نے آج تک کسی کو قتل نہیں کیا ہے.....''

''تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں میرا وقت پورا ہو چکا ہے۔''

بحث و تمحیص کی زیادہ گنجائش نہیں تھی پر لارڈ رے نے ہر پہلو پر پہلے ہی غور کر لیا تھا اور ضروری اقدامات بھی کر لیے تھے اس نے لانچ پر میری آمد سے قبل ہی زہر کھا لیا تھا اور اس وقت مجھے مطلع نہیں کیا جب تک اس کی حالت غیر نہیں ہو گئی۔ میں اگر اس کی جان بچانے کی کوشش کرتا بھی تو اب اس کا موقع نہیں رہا تھا۔ مرنے سے پہلے اس نے مجھے بہت سی باتیں بتائیں۔ ساتھ ہی ایک لفافہ بھی دیا۔ جس میں اس کا طویل تحریری بیان بند تھا۔ اس نے کہا کہ میرا بیان تمہیں پولیس اور قانون سے بچانے میں مدد دے گا۔ کیونکہ اس میں ایمن سوسائٹی کے قیام سے لے کر اس کی خودکشی تک کے سارے واقعات تفصیل سے درج ہیں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ روز آلبہ اور دوسرے دو تین افراد میرے بیان کی تائید میں گواہی دیں گے پھر اس نے مجھے مطلع کیا کہ مسٹر اینڈریوز کارگل خاندان کی دولت و جائیداد سے دستبردار ہونے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ وہ خود پولیس میں جا کر اپنے جرائم کا اعتراف کر لیں گے۔ لارڈ رے نے یہ اطلاع بھی دی کہ لانچ صبح آٹھ بجے واپس آ جائے گی۔ کیونکہ میں نے روز آلبہ کو ہدایت کر دی ہے تم ان لوگوں کے ساتھ اسکاٹ لینڈ چلے جانا.....

موت کی آخری ہچکی لینے سے قبل اس نے کہا ''راجو دیوتاؤں کی یہی مرضی تھی کہ میں اپنی زندگی ختم کر دوں۔ ارفینا نے تیسری کتاب میں یہی لکھا ہے۔ میں دیوتاؤں کی مرضی سے اختلاف نہیں کر سکتا تھا مگر میں جانتا ہوں کہ ایک دن ہم سب پھر دنیا میں واپس آئیں گے اور طوخ آمن ضرور دنیا میں دوبارہ پیدا ہو گا۔''

پھر وہ مر گیا۔

کیبن کے ایک کونے میں پیٹرول کے دو تین کنستر رکھے تھے۔ میں نے انہیں کھولا اور لانچ میں چاروں طرف اچھی طرح پیٹرول چھڑک دیا۔ مجھے یہ سب کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ میری حالت عجیب تھی۔ کچھ خوف، کچھ اضطراب اور کچھ افسوس۔ کاش مجھے یہ سب کچھ نہ کرنا پڑتا۔ لارڈ رے نے مجھے ان گنت دکھ دیے تھے۔ بے شمار اذیتیں پہنچائی تھیں مگر نہ جانے کیوں اس وقت مجھے اس سے ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔ جو کچھ مجھے کرنا پڑ رہا تھا۔ ہرگز نہ کرتا، مگر یہ لارڈ رے کی آخری خواہش تھی اور میرے دل کے کسی کونے میں یہ احساس موجزن تھا کہ مجھے اپنے بدترین دشمن کی آخری خواہش ضرور پوری کرنی چاہیے.....

پھر میں نے لانچ کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔ باہر آ کر لانچ میں آگ لگائی اور پانی میں کود گیا اور پھر اس وقت جب میں ساحل پر کھڑا آگے بڑھتی ہوئی اور دھڑا دھڑ چلتی ہوئی لانچ کو گھور رہا تھا تو میرے ذہن میں ارفینا کی

اردو زبان کی طویل ترین داستان

دیوتا کا 44 واں حصہ شائع ہوگیا

سسپنس ڈائجسٹ

کا مشہور سلسلہ

ٹیلی پیتھی کے فسوں کار

فرہاد علی تیمور

کی جادو اثر سرگزشت

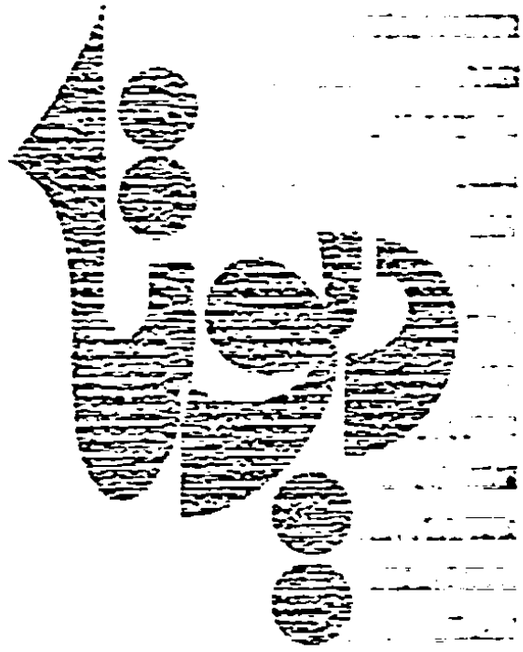

جس نے طویل عرصے سے
قارئین سسپنس کو
مسحور کر رکھا ہے

اسلوب، انداز بیاں اور دلچسپی
کے اعتبار سے اب تک شائع والے
تمام سلسلوں میں سب سے زیادہ
منفرد اور مقبول سلسلہ

44 حصے یکساتھ
منگوانے پر رعایتی قیمت
-/2250 روپے
ڈاک خرچ ہوگی

44 حصے کتابی شکل میں تیار ہیں

کتاب کی قیمت بذریعہ پیشگی ڈرافٹ، منی آرڈر یا کراسڈ چیک ارسال فرمائیں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 رمضان چیمبرز بلمو ریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی

فون: 5802551-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

رابطے کے لئے: C-63 فیز III ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین روڈ کورنگی روڈ کراچی 75500

تیسری کتاب کا وہ حصہ گردش کر رہا تھا جس میں اس نے عمن عونس اور رع کی آخری ملاقات کی تفصیل درج کی تھی۔ ارفینا کے بیان کے مطابق یہ ملاقات ایک ساحل پر ایک کشتی پر ہوئی تھی۔ رع بہت بیمار تھا اور اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں تھی۔ تکلیف سے نجات پانے کے لیے اس نے خواہش ظاہر کی تھی کہ عمن عونس اسے گلا دبا کر مار ڈالے اور پھر کشتی میں آگ لگا کر پانی میں چھوڑ دے۔ عمن عونس نے ایسا ہی کیا تھا اور اب لارڈرے نے اس پورے واقعے کو دہرایا تھا صرف اس بنا پر، کیونکہ اس کے خیال میں وہ رع اور میں عمن عونس تھا مگر اتنا فرق ضرور تھا کہ میں نے لارڈرے کو ہلاک نہیں کیا تھا۔

کچھ دیر بعد ایک زبردست دھماکا ہوا اور لانچ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ بھڑکتے شعلے دھیرے دھیرے بجھ گئے اور لانچ کا بھاری حصہ سمندر میں ڈوب گیا۔ میں خاموش کھڑا جلتی ہوئی آنکھوں سے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد سطح آب پر کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ ماسوا لکڑی کے چند تختوں کے جو پانی پر ادھر ادھر تیر رہے تھے پھر میں نے افق پر نظر ڈالی جہاں اجالا دم بدم بڑھتا جا رہا تھا۔ اجالا جو زندگی اور سلامتی کی علامت ہے۔ یہ اجالا آسمان پر ہی نہیں میرے دل میں بھی تھا اور روح میں بھی۔ میں کچھ ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے میرا پورا وجود منور ہوتا جا رہا ہے پھر میں وہیں ایک پتھر پر بیٹھ کر روز آلبہ کی لانچ کا انتظار کرنے لگا جو ٹھیک آٹھ بج کر کچھ منٹ پر واپس آئی۔

اب ان واقعات کو کافی دن گزر چکے ہیں۔ ہم نے چند دن اسکاٹ لینڈ میں گزارے تھے پھر انگلینڈ چلے آئے تھے۔ یہاں آ کر فوراً ہی ہم نے کیپٹن جیفرسن سے رابطہ قائم کیا تھا۔ پہلے مجھے شک وشبہ تھا کہ لارڈرے کے اقبالی بیان سے شاید کچھ زیادہ فائدہ نہ ہو مگر ایسا نہیں ہوا۔ کیپٹن جیفرسن نے ہماری پوری مدد کی۔ دراصل اس وقت جب ہم مصر اور پھر وائیونا میں تھے۔ کیپٹن جیفرسن کی تحقیقات جاری رہی تھیں اور اسے کچھ ایسی باتیں معلوم ہوئی تھیں۔ جن سے ایک طرف تو میری بے گناہی اور دوسری طرف ایمن سوسائٹی اور لارڈرے کی سرگرمیوں کا پتا چلتا تھا۔ اب لارڈرے کا اقبالی بیان اور روز آلبہ وغیرہ کی گواہی مل گئی تھی تو میرا دامن صاف بچ گیا۔ احسان اور خالدہ چونکہ غیر قانونی طور پر برطانیہ میں داخل ہوئے تھے۔ اس لیے تھوڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا مگر یہاں بھی کیپٹن جیفرسن کی مدد کام آئی۔ ان کے لیے پروانۂ راہداری کا انتظام ہوگیا اور وہ مصر چلے گئے۔ ایمن سوسائٹی اب ختم ہو چکی ہے۔ ایمن ٹمپل ٹوٹ چکا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ سوسائٹی کے تمام ممبروں کا اب سوسائٹی اور اس کے نظریات ومقاصد سے کسی قسم کا کوئی ربط وتعلق نہیں رہا۔ اس کی وجہ غالباً ڈاکٹر نیفا کی موت ہے۔ ایمن مینشن اور رے پیلس میں جو نوادرات تھے وہ پولیس کے قبضے میں جا چکے ہیں۔ دوسری طرف مسٹر اینڈریوز کا معاملہ تھا اور جیسا لارڈرے نے کہا تھا۔ انہوں نے کارگل خاندان کی دولت وجائیداد اور حتیٰ کہ خطاب سے بھی دستبرداری کا اعلان کر دیا ہے اور پولیس کے سامنے اپنے تمام جرموں کا اعتراف کر لیا ہے۔ آج کل ان پر اور گولن پر مقدمہ چل رہا ہے لیکن موئرا نے ابھی تک کارگل خاندان کی وارثت قبول کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ اس کا کہنا ہے کہ اسے جائیداد و دولت سے کوئی سروکار نہیں۔ اسے سادہ زندگی پسند ہے جو وہ موفٹ میں گزارتی رہی ہے۔ البتہ اس نے نیا نام باضابطہ طور پر اختیار کر لیا ہے۔ اب وہ موئرا لانگ موئر نہیں بلکہ موئرا کارگل ہے۔

میں نہیں جانتا کہ کارگل خاندان کی دولت کے بارے میں موئرا کیا فیصلہ کرے گی لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے، میں طے کر چکا ہوں کہ جونہی حالات اجازت دیں گے، میں اپنے وطن واپس چلا جاؤں گا کیونکہ اس دنیا میں وطن سے زیادہ مہربان اور کوئی جگہ نہیں۔ البتہ مجھے یہ علم نہیں کہ موئرا بھی میرے ساتھ جائے گی یا نہیں۔ ☆

بدنام ترین مجرم چارلس سوبھراج کے جرائم کی سنسنی خیز اور مکمل تفصیل

چارلس سوبھراج کی سرگزشت

میں ملاحظہ فرمائیں





قیمت:-/40 روپے

ڈاک خرچ: 23 روپے

کتاب کی قیمت بذریعہ منی آرڈر یا کراسڈ چیک ارسال فرمائیں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

E-mail:kitabiat1970@yahoo.com

رابطے کے لئے: C-63 ڈیفنس فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ کراچی

الیاس سیتاپوری

برصغیر کے جادو اثر تاریخی کہانیوں کے مصنف

کی تمام کہانیوں کے نئے ایڈیشن شائع ہو گئے ہیں

انسانوں کی اثر انگیز کہانیوں کے مجموعے











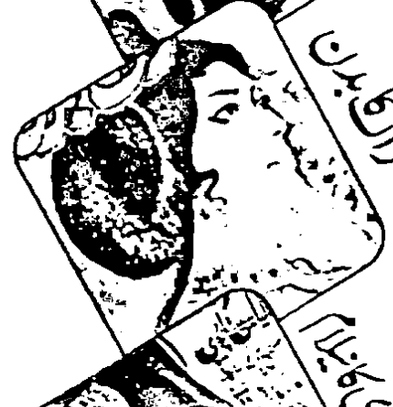

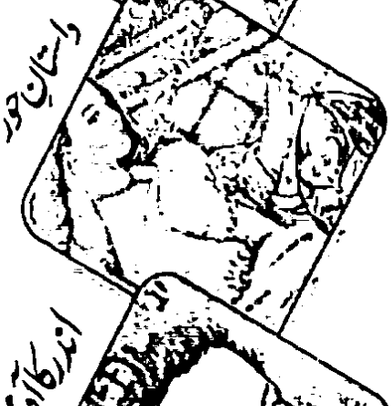







انسان جو کبھی نہیں بدلے گا اور کبھی پرانا نہیں ہوگا، اسی طرح یہ کہانیاں بھی کبھی پرانی نہیں ہوں گی کیونکہ یہ کہانیاں انسانوں کی کہانیاں ہیں۔ان کہانیوں میں وہ سب کچھ ہے جو انسان میں ہے۔

✵

قیمت فی کتاب 40 روپے

ڈاک خرچ فی کتاب 23 روپے

✵

10 کتابوں کے سیٹ کی رعایتی قیمت

350 روپے مع ڈاک خرچ ہوگی

✵

رقم پیشگی بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں

کتابیات پبلی کیشنز

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

Email : kitabiat1970@yahoo.com

دفتر کے لیے C-63 فیز III ایکس ٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ (اختر کالونی بس اسٹاپ کے سامنے) کراچی 75500

پوسٹ بکس 23

کراچی 74200

جاسوسی ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

صدیوں کا بیٹا

مصنف: ایم۔ اے راحت

اس انسان کی کہانی جو صدیوں سے زندہ ہے اور شاید آج بھی کہیں موجود ہو

انسان کی ترقی اور تنزلی کے حیات افروز واقعات. اس شخص کی زبانی جو ہر دور میں موجود رہا ہے. اس نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور جو کچھ اس پر بیتی، اس نے اس داستان کو انتہائی سنسنی خیز بنا دیا. وہ داستان جس میں حسن کی راعنائیاں بھی ہیں اور عشق کی کارفرنیاں بھی. خونی جنگیں بھی ہیں اور بادشاہت کے چرچے بھی. وہ شخص جس عہد میں بھی رہا اپنے پیچھے ہزاروں داستانیں چھوڑ گیا. جب وہ تھک جاتا تو سمندر اسکو اپنی آغوش میں لے لیتا تھا

سنسنی خیز، رومانوی کہانیوں کے پرستاروں کیلئے

5 حصے مکمل
قیمت فی سیٹ
3301- روپے

کتاب کی قیمت بذریعہ پیشگی ڈرافٹ، منی آرڈر یا کراسڈ چیک ارسال فرمائیں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200
فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551
E-mail:kitabiat1970@yahoo.com
رابطے کے لئے: C-63 ڈیفنس فیز II ایکس ٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ کراچی

belong to SANOBER IQBAL

ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ میں

کتابیات پبلی کیشنز اور مکتبہ نفسیات کی کتب کے ہول سیل ڈسٹری بیوٹر

شائلہ بک ایجنسی



ہماری تمام کتب
کے حصول کیلئے
ان سے رابطہ کریں۔

آپ کے آرڈر کی فوری
تکمیل کرتے ہوئے
کتب آپ کی دکان پر
پہنچائی جائیں گی۔

شائلہ بک ایجنسی

دربار بابا بجلی شاہ اسٹریٹ، چوہدری پارک، ٹوبہ ٹیک سنگھ

فون: 515011 موبائل: 0300-4291286



نایاب
بکس گیلری
(پیڈ گروپ)

جہاں ملیں آپ کو نایاب کتب نایاب ویب سائٹس سے

REKHTA	ناول ۔ کہانیاں
SCRIBD	ماہانہ ڈائجسٹ
SLIDE SHARE	سکول و کالج بکس
ENGLISH BOOKS	نوٹس + مواد

اس گروپ میں ایڈمنز (24/7) دستیاب ہوتے ہیں
اور آپ کی ڈیمانڈ پر بروقت کام کیا جاتا ہے

3-ماہ فیس-500
6-ماہ فیس-1000
12-ماہ فیس-1800

فیس ایڈمن (راحیل) کے نمبر پر سینڈ کر کے سکرین شارٹ
اسی نمبر پر سینڈ کر دیں گروپ میں ایڈ کر دیا جائے گا

0300-6461375
RAHEEL ARSHAD
ایزی پیسہ + جیز کیش

(نوٹ)
جو کتابیں برائے فروخت
ہوں وہ اپلوڈ نہیں کی جاتیں

ایڈمن ٹیم (راحیل ارشد) کے گروپس لنکس

گروپ میں ایڈ ہونے کے لئے گروپ کے نام یا تصویر پر کلک کریں

راحیل کتب میلہ 	ناولستان 
جیالے جاسوس عمران سیریز 	بچوں کی کہانیاں 
اخبار پاکستان 	راحیل ارشد اور شعیب مرزا ٹیلیگرام گروپ لنک

لنک ریسیٹ ہونے یا کام نہ کرنے کی صورت میں اس نمبر پر رابطہ کریں

راحیل ارشد 03006461375

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈمن **اردو بکس** آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

1۔ گروپ میں یا گروپ ایڈمن سے کوئی بھی بات / درخواست / فرمائش کرتے وقت **السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ** کو فروغ دیں۔

2۔ ایڈمنز یا دیگر ممبرز جو بھی اچھی پوسٹ کریں اس پر کمنٹس / سٹکرز / ایموجیز / رائے لازمی کریں تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو اور دیگر ممبران کو بھی اس کتاب / پوسٹ کی اہمیت کا اندازہ ہو۔

3۔ گروپ ایڈمنز سے پرسنل سوالات یا بحث مت کیجئے۔ صرف کتب کے متعلق دریافت کریں یا درخواست کریں۔

4۔ ایڈمنز اور ممبرز سے اخلاق سے پیش آئیں۔ اگر ہم ادبی گروپ میں موجود ہیں لیکن ہماری اخلاقیات معیاری نہیں تو ہمیں ادبی گروپ کا ممبر کہلانے کا بھی کوئی حق نہیں۔ کوئی ممبر کسی دیگر ممبر کے انباکس میں میسج نہیں کرے گا ورنہ ریموو کر دیا جائے گا۔

5 گروپ میں یا ایڈمن کے انباکس میں وائس میسج، ویڈیوز بھیجنے کی حرکت مت کریں ورنہ ریموو اور بلاک کر دیئے جائیں گے۔

6۔ گروپ میں کسی بھی قسم کی مذہبی فرقہ پرستی / سیاسی / انتشار پھیلانے والی گفتگو سختی سے منع ہے

سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخ صحابہ و اہلبیت، دہشت گرد / کالعدم / پاکستان مخالف تنظیموں کے افراد یا ایسے غیر مسلم جو پاکستان اور اسلام کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے فزیکلی / روحانی / ذہنی سپورٹرز ہوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص سے گزارہے کہ گوپ جوائن کرنے کی بالکل بھی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریموو کر دیا جائے گا۔

7۔ تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے وٹس ایپ گروپس میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جس میں محنت بھی صَرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔

8۔ یاد رہے کہ ہمارا کوئی کتب خانہ / دوکان / شاپ / سٹور نہیں ہے نہ ہم کوئی کتاب پبلش کرتے ہیں نہ ہی اسکین کرتے ہیں۔ نہ ہی ہمیں کسی پبلشر کی خدمات ہی حاصل ہیں کہ ہم کسی کی کتاب چھاپیں۔ جو کتاب انٹرنیٹ سے نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔

ایڈمنز اردو بکس کے گروپ لنکس

اردو بکس اسلامک اسٹڈیز	https://chat.whatsapp.com/DA70HFOxkhKLwJy0mzqidc
اسلام کی پکار (قرآن مجید آڈیو/ویڈیو/پی ڈی ایف)	https://chat.whatsapp.com/IjkbHJO88FFDh026ylNgAA
ناول گھر (اردو ناولز کے لئے)	https://chat.whatsapp.com/HBqBr1YE5DY1J8oxZrD9T9
ناولز کے لئے (اردو بکس ناول گروپ)	https://chat.whatsapp.com/HLPn7L2KWHMHWZrgxcHSRF
شعر شاعری کے لئے (بزم سخن وادب)	https://chat.whatsapp.com/Gjwj37hWiSmI4dpnDkpopm
فلم/ڈرامہ/انٹرٹینمنٹ (سلمان انٹرٹینمنٹ)	https://chat.whatsapp.com/Fa4dYqZAQXJHIUNmVzRGiQ
بچوں کی کہانیوں کے لئے گروپ (بچوں کی دنیا)	https://chat.whatsapp.com/KZma6EsFv3UIFlUfg5Z3wy
تحریری پوسٹنگز/گپ شپ، معلوماتی مضامین اور ادبی گفتگو کے لئے گروپ (بزم یاراں)	https://chat.whatsapp.com/EeXrH9V5GF9FVezvPdPPtR
اخبارات اور کالمز کے لئے (سلمان اخبار گھر)	https://chat.whatsapp.com/BTGPh1dGGKt2CwZGLHtyQY
تدریسی کتب، نوٹس، پاسٹ پیپرز، جاب کی تیاری وغیرہ کے لئے (اردو بکس ایجوکیشنل گروپ)	https://chat.whatsapp.com/K9bd4QuCDjOL6A2z4Cw2GC
آن لائن کپڑے ہینڈ بیگ شاپنگ کے لئے با اعتماد گروپ (سلمان آن لائن شاپنگ)	https://chat.whatsapp.com/DpufpXzLi1sAhRgqVdgmdq
فیمیل کمیونٹی گروپ	https://chat.whatsapp.com/Hc6GmeSZA9NAKA38hlKCK6

کسی بھی گروپ کا لنک ریسیٹ ہونے پر ایڈمنز سے رابطہ فرمائیں۔ شکریہ

0312-0060411
محمد سلمان سلیم

0343-7008883
پاکستان زندہ باد (ہاشو)

سپر ایڈمن
راؤ ایاز